وفاق المدارس العربیہ پاکستان

# وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی للبنات عالمیہ
# سال اول کے پاسٹ پیپرز

اہل سنت بورڈز پاکستان کا واٹس ایپ چینل جوائن کرنے کے لیے کلک کریں۔

اہل سنت بورڈز پاکستان

تنظیم المدارس، کنزالمدارس، نظام المدارس، وفاق المدارس العربیہ اور دیگر بورڈز
کی کتابیں، داخلہ جات، امتحانی مسائل کے حل، گزشتہ پیپرز، اور دیگر اپڈیٹس حاصل
کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ وزٹ کریں۔

www.ahlesunnatboardspak.com

## Follow Our Social Media Account:

1. **Whatsapp Channel (https://whatsapp.com/channel/0029VaFmkdD0VycHbvDRY70I)**
2. **Youtube (https://youtube.com/@ahlesunnatboards)**
3. **Tiktok (https://www.tiktok.com/@ahlesunnatboardspak)**
4. **Facebook Page (https://www.facebook.com/ahlesunnatboardspak)**

# الورقة الاولٰی: فی التفسیر

## ﴿الورقة الاولٰی فی التفسیر﴾

### ﴿السوال الاوّل﴾ ١٤٣٧ھ

**الشق الاوّل** ...... مَا نَنسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَیْ نَزَلَ حُکْمُهَا اِمَّا مَعَ لَفْظِهَا اَوْلَا وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِضَمِّ النُّوْنِ مِنْ اَنْسَخَ اَیْ نَاْمُرُكَ اَوْ جِبْرَئِیْلَ بِنَسْخِهَا اَوْ نُنْسِهَا نُؤَخِّرْهَا فَلَا نَزَلَ حُکْمُهَا وَنَرْفَعُ تِلَاوَتَهَا اَوْ نُؤَخِّرُهَا فِی اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِلَا هَمْزٍ مِنَ النِّسْیَانِ اَیْ نُنْسِکْهَا وَنَمْحُهَا مِنْ قَلْبِكَ نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَا اَنْفَعُ لِلْعِبَادِ فِی السُّهُوْلَةِ اَوْ کَثْرَةِ الْاَجْرِ اَوْ مِثْلِهَا فِی التَّکْلِیْفِ وَالثَّوَابِ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۔ (پ ا ۔ بقرہ:١٠٦)

**اکتبی شان نزول الآیة ۔ شکلی العبارة تشکیلا جمیلا ۔ فسری الآیة مع ذکر اقسام النسخ ۔ عرّفی النسخ لغة واصطلاحا ۔** (کمالین ج ا ص ١٢٩)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا خلاصہ پانچ امور ہیں ① آیت کا شانِ نزول ② عبارت پر اعراب ③ آیت کی تفسیر ④ نسخ کی اقسام ⑤ نسخ کا لغوی اور اصطلاحی معنی۔

**جواب** ...... ① آیت کا شانِ نزول:۔ جس وقت تحویلِ قبلہ کا حکم نازل ہوا تو یہود نے مسلمانوں پر طعن کیا اور مشرکین مکہ بھی احکام کی منسوخی کی وجہ سے مسلمانوں کو طعن کا نشانہ بناتے رہتے تھے کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اسی کے احکام ہیں تو اس میں روز بروز تبدیلی کا کیا معنی؟ اس سے تو حاکم اور متکلم کی سفاہت لازم آتی ہے اور اللہ تعالیٰ بالاتفاق اس عیب سے پاک ہیں، پس معلوم ہوا کہ قرآن کلام منزل من اللہ نہیں ہے اور احکامِ اسلام احکامِ خداوندی نہیں ہیں۔ ان شبہات کے ازالہ کیلئے یہ آیات نازل ہوئیں۔

② عبارت پر اعراب:۔ **کما مرّ فی السوال آنفا۔**

③ آیت کی تفسیر:۔ آیت کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم کسی آیت کے حکم کو منسوخ کر دیں یا اس آیت کو ذہنوں سے بھلا دیں تو اس کے بعد اس آیت منسوخہ یا منسیہ سے کوئی بہتر چیز لاتے ہیں یا اس آیت کے مثل لاتے ہیں، یعنی حکم ناسخ حکم منسوخ سے سہولتِ عمل یا موافقت مصلحت یا کثرتِ ثواب کے اعتبار سے بہتر ہوتا ہے یا برابر، اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک آیت دوسری آیت سے بہتر ہوتی ہے کیونکہ پورا کلام اللہ ہی خیر و بہتر ہے۔ کیا تجھے یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کو سب اختیار ہے، تو ہر لمحہ اور ہر لحظہ اس کے عجائباتِ قدرت کا مشاہدہ کرتا ہے جو ذات مرض کو صحت سے فقر کو مالداری سے عزت کو ذلت سے اور روشنی کو تاریکی سے بدلنے پر قادر ہے وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ ایک حکم سے دوسرے حکم کو بدل دے اور جس طرح احکامِ تکوینیہ میں حسبِ مصلحت تغیر و تبدل معاذ اللہ جہالت نہیں بلکہ عینِ حکمت ہے اسی طرح احکامِ شرعیہ میں بھی باقتضاءِ زمان و مکان اور باقتضاء طبع تغیر و تبدل عینِ حکمت اور عینِ مصلحت ہے۔

اس تغیر و تبدل سے اللہ تعالیٰ کے علم میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا، پہلے ہی سے یہ سب کچھ اس کے علم میں تھا البتہ اس تغیر اور تبدل سے ہمارے علم میں تغیر ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں ناقص علم کی وجہ سے اس حکم کی مدت معلوم نہ تھی اور ناقص فہم کی وجہ سے اس حکم کو دائم اور مستمر سمجھ بیٹھے جب حکم ناسخ نازل ہوا اس وقت اپنے ناقص علم و فہم کا علم ہوا اور حق تعالیٰ کے احکام میں تغیر و تبدیلی ہمیشہ حکمت و مصلحت کی بناء پر ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم غلطی سے پاک ہے۔

④ نسخ کی اقسام:۔ نسخ من الکتاب کی چار اقسام ہیں:

① **نسخ التلاوة والحکم جمیعا:** کہ تلاوت و حکم دونوں منسوخ ہوں جیسے سورة الاحزاب کے متعلق روایت کیا گیا ہے کہ یہ سورة البقرة کے برابر تھی اب صرف ستر آیات باقی رہ گئی ہیں حکم و آیات سب کچھ منسوخ ہے۔

② **نسخ التلاوة دون الحکم:** کہ صرف تلاوت منسوخ ہو حکم باقی ہو جیسے **الشیخ والشیخة اذا زنیا**

فارجموا ھما نکالا من اللّٰہ اس آیت کی تلاوت تو منسوخ ہوگئی ہے مگر حکم اب بھی باقی ہے۔

③ **نسخ الحکم دون التلاوۃ :** کہ حکم منسوخ ہوگیا ہو مگر تلاوت باقی ہو جیسے لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنٌ اس قسم کی آیاتِ صلح وتخییر کا حکم آیاتِ قتال کے ذریعہ منسوخ ہے مگر تلاوت باقی ہے۔

④ **نسخ و صف الحکم:** کہ آیت کا اصل حکم تو باقی رہے مگر حکم عام اور حکم مطلق کو منسوخ کر دیا گیا ہو مثلاً عاشورہ کا روزہ فرضیتِ رمضان سے قبل فرض تھا اور فرضیتِ رمضان کے بعد اس کی فرضیت ختم ہوگئی مگر جواز وسنیت باقی ہے۔

⑤ نسخ کا لغوی اور اصطلاحی معنی:۔ نسخ کا لغوی معنی نقل وتحویل اور رفع وازالہ ہے جیسے نَسَخَ الْكِتَابَ اس نے کتاب منتقل کی اور نَسَخَتِ الشَّمْسُ الظِّلَّ سورج نے سایہ کو زائل کر دیا۔

اصطلاح میں نسخ کا معنی حکم کی تبدیلی ہے، خواہ یہ تبدیلی پہلے حکم کو بالکل ختم کر کے اس کی جگہ دوسرا حکم لانے کی صورت میں ہو یا کسی سابقہ مطلق وعام حکم میں کوئی قید یا شرط بڑھانے کی صورت میں ہو، یہ متقدمین کے نزدیک ہے اور متاخرین کے نزدیک نسخ وہ تبدیلی ہے جس میں پہلے حکم کے ساتھ دوسرے حکم کی کسی بھی طرح تطبیق نہ ہو سکے۔

**الشق الثانی**...... يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ فُرِضَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ اَلْمُمَاثَلَةُ فِى الْقَتْلٰى وَصْفًا وَفِعْلًا اَلْحُرُّ يُقْتَلُ بِالْحُرِّ وَلَا يُقْتَلُ بِالْعَبْدِ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى وَبَيَّنَتِ السُّنَّةُ اَنَّ الذَّكَرَ يُقْتَلُ بِهَا وَاَنَّهٗ تُعْتَبَرُ الْمُمَاثَلَةُ فِى الدِّيْنِ فَلَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ وَلَوْ عَبْدًا بِكَافِرٍ وَلَوْ حُرًّا فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۔(پ۲۔بقرہ:۱۷۸)

**شکّلی الآیۃ مع تفسیرھا ۔ اشرحی الآیۃ حسب تفسیر السیوطیؒ وأجیبی عمّا استدلّ به علی وجوب المماثلة فی الوصف والفعل ۔ ماھی النکتة فی تعبیر المقتول بالأخ فی قوله تعالیٰ "فمن عفی له من أخیه"؟**

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں (۱) آیت پر اعراب (۲) آیت کی تفسیر (۳) وصف اور فعل میں مماثلۃ کے وجوب پر دلیل کا جواب (۴) "فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ" میں مقتول کو اخ کے ساتھ تعبیر کرنے کا نکتہ۔ (کمالین ج۱ص۲۰۱)

**جواب**...... ① آیت پر اعراب:۔ **کما مر فی السوال آنفا۔**

② آیت کی تفسیر:۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں قصاص اور اس کی معافی کے احکام کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جہاں تک قصاص کا تعلق ہے یہ صرف قتلِ عمد کے ساتھ مخصوص ہے جس میں کسی تیز یا دھاری دار چیز سے جان بوجھ کر اس طرح مارنا ہوتا ہے کہ اس سے گوشت پوست کٹ کر خون بہہ جائے۔ ایسے قتل میں حنفیہ کے نزدیک اصل مساوات ملحوظ رہے گی یعنی مرد کے بدلے مرد یا عورت اور عورت کے بدلے مرد یا عورت، آزاد ہو یا غلام، چاہے جانی قصاص ہو یا عضوی، اسی طرح مسلمان کا قتل ہو یا ذمی کافر کا۔ چنانچہ یہ آیت اور اس کا شانِ نزول بھی اسی پر دلالت کرتا ہے نیز آیتِ مائدہ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ اور حدیث **المسلمون تتکافؤ دمائھم** بھی اس کے لئے مؤید ہے بخلاف امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے وہ اس آیت کے ظاہری الفاظ پر نظر کرتے ہوئے غلام کے بدلے آزاد اور عورت کے بدلے مرد کو قتل نہ کئے جانے اور ذمی وغیر ذمی کافر کے بدلے مسلمان کو قتل نہ کئے جانے کے قائل ہیں نیز وہ حدیث لَا يُقْتَلُ مُؤْمِنٌ بِكَافِرٍ بھی دلیل میں پیش کرتے ہیں۔

البتہ مفسرؒ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے بدلہ میں مرد کو قتل کرنے میں حدیث مذکور فی التفسیر کی وجہ سے شوافع حنفیہ کے ساتھ نہیں ہیں حالانکہ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ کی طرح آیت میں وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى فرمایا گیا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ شوافع نے جس طرح اول جملہ میں مفہوم کا لحاظ کیا ہے دوسرے جملہ میں بھی مفہوم کا اعتبار کیا ہوتا اور غلام کے بدلے آزاد کی طرح عورت کے بدلے میں مرد کو قتل کرنے کو بھی فرماتے۔ چونکہ ذمی کفار مسلمان کی طرح حدود وقصاص کے مکلف ہیں اس لئے حنفیہ کے نزدیک ان میں بھی برابری رہے گی جیسا کہ حدیث قَتَلَ مُسْلِمًا بِذِمِّيٍّ سے معلوم ہوتا ہے اور شوافع نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ کافر

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

حربی کے بارے میں ہے جس میں حنفیہ بھی ان کے ساتھ ہیں۔

دوسرا مسئلہ قصاص کی معافی یا دیت کی تعیین کا ہے، معافی کی دو صورتیں ہیں یا تمام قصاص ورثاء کی طرف سے معاف کردیا جائے تب تو قاتل بالکل بری الذمہ ہوجائے گا اور اگر نا تمام معافی ہوئی تو قصاص سے بچ گیا لیکن اسی نسبت سے دیت آجائے گی اور خون بہا جانوروں کی صورت میں ادا کیا جائے گا (اونٹ سو، نقدی ہو تو ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم) اور اگر بجائے اس شرعی مقررہ خون بہا کے دوسرے قسم کے مال مثلاً غلہ کپڑا گھوڑا مکان دکان وغیرہ پر قاتل اور مقتول کے ورثا میں باہمی مصالحت ہوجائے تب بھی قصاص ساقط ہوجائے گا۔ اور یہ طے کردہ مال یا اس مال کی قیمت ادا کرنی پڑے گی خواہ وہ مقررہ خون بہا سے زیادہ قیمت کی ہو یا کم قیمت کی، سب جائز ہے۔ البتہ اگر بدل صلح وہی تین چیزیں ہوں تو مقدار میں سابقہ عدد کی پابندی کرنی ہوگی نیز قتل عمد میں دیت یا مال صلح کی ادائیگی صرف قاتل کے ذمہ ہوگی دوسروں کو شریک نہیں کیا جائے گا البتہ مقتول کے تمام وارثوں پر شرعی حصوں کے لحاظ سے قصاص، دیت، بدلِ صلح کی تقسیم ہوگی۔

③ وصف اور فعل میں مماثلت کے وجوب پر دلیل کا جواب:۔ امام شافعیؒ کی قصاص میں مماثلت فی الوصف والفعل پر پیش کردہ حدیث **لَا يُقْتَلُ مُؤْمِنٌ بِكَافِرٍ** کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث کافر حربی پر محمول ہے یعنی اگر کسی مؤمن نے کسی کافر حربی کو قتل کردیا تو مؤمن سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ حنفیہ کے نزدیک کافر ذمی کے بدلے مسلمان کو قصاصاً قتل کیا جائے گا ارشاد نبوی ﷺ ہے **قُتِلَ مُسْلِمٌ بِذِمِّيٍ**۔

④ **فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ** میں مقتول کو اخ کے ساتھ تعبیر کرنے کا نکتہ:۔ آیت میں مقتول کو اخ سے تعبیر کرنے میں اس نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ قاتل مرتکبِ کبیرہ تو ہوا ہے لیکن کافر نہیں ہوا۔ گویا کسی مسلمان کا ناحق خون بہانا گناہ کبیرہ ہے، کفر نہیں ہے۔

## السوال الثانی ۱۴۳۷ھ

**الشق الاوّل** ......**وَاذْكُرْ اِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتٰى قَالَ تَعَالٰى اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ بِكَسْرِ الصَّادِ وَضَمِّهَا اَمِلْهُنَّ اِلَيْكَ وَقَطِّعْهُنَّ وَاخْلِطْ لَحْمَهُنَّ وَرِيْشَهُنَّ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا** ۔ (پ۳۔ بقرہ : ۲۶۰)

**علیکن بتشکیل ۔ وترجمة الآیة مع الفاظ التفسیر ۔ لما ذا سال ابراهیم عن کیفیة احیاء الموتی وایّ طیر اخذه ابراهیم علیه السلام ۔** (کمالین ج ۱ ص ۳۰۶)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل چار امور ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) آیت کا ترجمہ (۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کیفیت احیاء الموتی کا سوال کرنے کی وجہ (۴) پکڑے گئے پرندوں کے نام۔

**جواب** ① ......عبارت پر اعراب:۔ **کمامرّ فی السوال آنفا۔**

② آیت کا ترجمہ:۔ (یاد کیجئے اس واقعہ کو) جب ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے پروردگار! مجھ کو دکھلا دیجئے کہ آپ مردوں کو کس کیفیت سے زندہ فرمائیں گے دریافت فرمایا (اللہ تعالیٰ نے ان سے) کہ کیا تم یقین نہیں رکھتے ہو؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کیوں نہیں، لیکن یہ اس لئے ہے تاکہ میرے دل کو اطمینان ہوجائے۔ ارشاد ہوا کہ اچھا لے لو تم چار پرندے، پھر ان کو اپنے پاس ہلا لو (صِرْهُنَّ صاد کے کسرہ اور اس کے ضمہ کے ساتھ، ان کو اپنی طرف ہلا لو اور ان کے ٹکڑے کرکے گوشت پوست آپس میں ملا لو) پھر ان کے ایک حصہ کو ہر ایک پہاڑ پر رکھو پھر ان سب کو بلاؤ تو وہ تمہارے پاس دوڑے چلے آئیں گے۔

③ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کیفیت احیاء الموتی کا سوال کرنے کی وجہ:۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو احیاء الموتی کا یقین تھا لیکن انسانی فطرت ہے کہ جس کام کا مشاہدہ نہ ہو خواہ وہ کتنا ہی یقینی ہو اس میں اس کے خیالات منتشر رہتے ہیں کہ یہ کیسے اور کس طرح ہوگا؟ اور یہ ذہنی انتشار سکونِ قلب اور اطمینان میں خلل انداز ہوتا ہے اس لئے اس مشاہدہ کی درخواست کی گئی کہ زندہ کرنے کی مختلف صورتیں اور کیفیتیں ہوسکتی ہیں اور معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کس طرح اور کس کیفیت کے ساتھ مردوں کو زندہ فرمائیں گے لہٰذا اس کیفیت کو معلوم کرنے اور اس کی تعیین کا دل چاہتا تھا اور اس کیفیت کا آنکھوں سے مشاہدہ کرنا چاہتے تھے تاکہ ذہنی انتشار واقع نہ ہو اور قلب کو سکون حاصل ہوجائے۔ (معارف القرآن)

④ پکڑے گئے پرندوں کے نام:۔ مجاہد، عطاء بن رباحؒ اور ابن جریجؒ کے بیان کے مطابق ان چار پرندوں کے نام ① مور ② مرغ ③ کوا ④ کبوتر ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ایک قول میں کبوتر کی جگہ گدھ آیا ہے۔(مظہری)

**الشق الثانی** ......اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ صَنَمَانِ لِقُرَيْشٍ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَبِىْ سُفْيَانَ وَاَصْحَابِهٖ حِيْنَ قَالُوْا لَهُمْ اَنَحْنُ اَهْدٰى سَبِيْلًا وَنَحْنُ وُلَاةُ الْبَيْتِ وَنَسْقِى الْحَاجَّ وَنُقْرِى الضَّيْفَ وَنَفُكُّ الْعَانِىَ وَنَفْعَلُ اَمْ مُّحَمَّدٌ وَقَدْ خَالَفَ دِيْنَ آبَائِهٖ وَقَطَعَ الرَّحِمَ وَفَارَقَ الْحَرَمَ هٰؤُلَاءِ اَىْ اَنْتُمْ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا سَبِيْلًا اَقْوَمُ طَرِيْقًا۔

(پ۵۔نساء:۵۱)(کمالین ج۱ص۵۶۰)

**ترجمی العبارة واضحة ۔ شکلیها ۔ اکتبی تفسیرا آخر للجبت والطاغوت ۔ حرری شان نزول الآیة۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حاصل چار امور ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) عبارت پر اعراب (۳) جبت اور طاغوت کی مزید تفسیر (۴) آیت کا شانِ نزول۔

**جواب** ...... ① عبارت کا ترجمہ:۔ اے پیغمبر! کیا آپ ان لوگوں کا حال نہیں دیکھتے جنہیں کتاب اللہ سے ایک حصہ دیا گیا تھا جو جبت (بتوں) اور طاغوت (شیاطین) کو مانتے ہیں۔(جبت اور طاغوت قریش کے دو بت ہیں) اور کافروں کی نسبت کہتے ہیں (ابو سفیان اور انکے ساتھیوں کی نسبت جبکہ انہوں نے علماء یہود سے پوچھا تھا کہ بتلاؤ ہم زیادہ ہدایت یافتہ ہیں درانا حالیکہ ہم بیت اللہ کے متولی ہیں حجاج کو پانی پلاتے ہیں مہمان نوازی کرتے ہیں اور قیدیوں کو رہائی دلاتے ہیں اور اسکے علاوہ دوسرے کام کرتے ہیں یا محمد ﷺ زیادہ صحیح راستہ پر ہیں حالانکہ انہوں نے اپنے آبائی مذہب کے خلاف کیا ہے قطع رحمی کے مرتکب ہوئے اور حرم کو چھوڑ دیا) مسلمانوں سے تو کہیں زیادہ یہی لوگ (تم لوگ) سیدھے راستہ پر ہیں (ہدایت یافتہ ہیں)

② عبارت پر اعراب:۔ **کما مرّ فی السوال آنفا۔**

③ جبت اور طاغوت کی مزید تفسیر:۔ جبت اور طاغوت کی تفسیر میں علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ یہ قریش کے دو بتوں کے نام ہیں لیکن دیگر مفسرین کے ان کے بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ ① حضرت عمر رضی اللہ عنہ، شعبیؒ و مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جبت سے مراد سحر اور طاغوت سے مراد شیطان ہے ② محمد بن سیرینؒ کہتے ہیں کہ جبت سے مراد کاہن اور طاغوت سے مراد جادوگر ہیں ③ ابن جبیر اور ابو لعالیہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جبت سے مراد ساحر اور طاغوت سے مراد کاہن ہے۔

میں کہتا ہوں کہ بظاہر اس جگہ جبت سے مراد بت ہیں جنکے اندر کوئی خیر نہیں ہوتی اور طاغوت سے مراد بتوں کے شیطان ہیں۔(مظہری۸۶:۳)

④ آیت کا شانِ نزول:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہودی سردار حیی بن اخطب اور کعب بن اشرف اپنی ایک جماعت کو جنگ اُحد کے بعد لے کر مکہ مکرمہ میں قریش کے ساتھ ملنے آئے۔ یہود کا سردار کعب بن اشرف ابوسفیان کے پاس آیا اور اس نے حضور ﷺ کے خلاف ان کے ساتھ تعاون کرنے کا وعدہ کیا، اہل مکہ نے کعب بن اشرف کو کہا کہ تم ایک دھوکہ باز قوم ہو اگر تم واقعی اپنے قول میں سچے ہو تو ہمارے ان دونوں بتوں (جبت اور طاغوت) کے سامنے سجدہ کرو، چنانچہ اس نے قریش کو مطمئن کرنے کیلئے ایسا ہی کیا۔ اسکے بعد کعب نے قریش سے کہا کہ تیس آدمی تم میں سے اور تیس آدمی ہم میں سے سامنے آئیں تا کہ ربّ کعبہ کے ساتھ اس چیز کا عہد کریں کہ ہم سب مل کر محمد ﷺ کے خلاف جنگ کریں گے۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

کعب بن اشرف کی اس تجویز کو قریش نے پسند کیا اور اس طرح سے انہوں نے مسلمانوں کیخلاف ایک متحدہ محاذ قائم کیا اسکے بعد ابوسفیان نے کعب بن اشرف سے کہا کہ تم اہلِ علم ہو تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے لیکن ہم جاہل ہیں اسلئے آپ ہمارے متعلق بتائیں کہ ہم حق پر چلنے والے ہیں یا محمد ﷺ؟ ۔کعب نے پوچھا تمہارا دین کیا ہے؟ ابوسفیان نے کہا کہ ہم حجاج کیلئے اپنے اونٹوں کو ذبح کرتے ہیں اور ان کا دودھ پلاتے ہیں مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں اپنے خویش و اقرباء کے تعلق کو قائم رکھتے ہیں اور بیت اللہ کا طواف اور عمرہ کرتے ہیں۔ اسکے برخلاف محمد ﷺ نے اپنے آبائی دین کو چھوڑ دیا ہے، وہ اپنوں سے علیحدہ ہو چکا ہے، اس

نے ہمارے قدیم دین کیخلاف ایک نیا دین پیش کیا ہے۔ان باتوں کو سن کر کعب بن اشرف نے کہا کہ تم لوگ حق پر ہو محمد (ﷺ معاذ اللہ ) گمراہ ہو چکا ہے۔اس پر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیات نازل فرمائیں اوران کے دجل وفریب کی مذمت کی۔(معارف القرآن ۲:۴۳۲)

## ﴿السوال الثالث﴾ ١٤٣٧ھ

**الشق الاوّل** ......يَسْتَفْتُوْنَكَ فی الکلالۃ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ اِنِ امْرُؤٌ مرفوع بفعل يفسره هَلَكَ مات لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ ولا والد وَّلَهٗۤ اُخْتٌ من ابوين او أب فَلَهَا نِصْفُ مَاتَرَكَ وَهُوَ الاخ كذالك يَرِثُهَاۤ جميع ماتركت اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ فَاِنْ كَانَتَا الاختان اثْنَتَيْنِ فصاعدًا فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّاتَرَكَ الاخ وَاِنْ كَانُوْۤا الورثة اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ منهم مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ لاتَضِلُّوْا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ومنه الميراث ۔ (پ٦۔نساء:١٧٦) عرف الكلالة۔ فسرى الاية مع كلمات التفسير۔ ولوكانت للكلالة الأخت أو الأخ من أم فماذا فرضهما لماذا حذفت لافى ان تضلوا فى الاية۔(کمالین۔۲:۲۳)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل چار امور ہیں(۱) کلالہ کی تعریف (۲) آیت کی تفسیر (۳) کلالہ کے اخ من الام،اخت من الام کا حصہ (۴) تَضِلُّوْا سے پہلے لا کے حذف کی وجہ۔

**جواب** ...... ① کلالہ کی تعریف:۔ **کلالہ** کی متعدد تعریفیں کی گئی ہیں ان میں سے سب سے مشہور تعریف یہ ہے کہ جس مرنے والے کے اصول وفروع نہ ہوں وہ کلالہ ہے۔ پھر اس کا اطلاق اس میت پر بھی کیا گیا ہے جس نے نہ اولاد چھوڑی ہو اور نہ والد،اور اس وارث پر بھی اطلاق کیا گیا ہے جو مرنے والے کا ولد اور والد نہ ہو پھر اس کا اطلاق اس مالِ موروث پر بھی ہونے لگا جو اس میت نے چھوڑا ہو جس کا ولد اور والد نہ ہو۔(معارف القرآن ۲:۳۲۷)

② آیت کی تفسیر:۔ اس آیت کے اندر کلالہ کی میراث کا ذکر کیا گیا ہے۔اس سے مقصود یہ ہے کہ اسلام سے قبل جو کوتاہیاں عمل میں آرہی تھیں اب وہ نظر انداز ہو جانی چاہئیں لہٰذا ہر حصہ دار کو میراث میں سے اس کا حصہ ملنا چاہیے۔

مجموعی طور پر اس سورت کے اندر کلالہ کی تین صورتوں کا حکم بیان کیا گیا ہے ① اگر کسی کی بہن یا بھائی مرے اور اُسکی اولاد اور والدین نہ ہوں تو بہن کو نصف اور بھائی کو کل ترکہ ملے گا ② اگر لاولد مرنے والے کی دو بہنیں ہوں تو دو تہائی ترکہ انکو اور بقیہ دوسرے وارثوں کو ملے گا ③ اگر کلالہ کے کئی بہن بھائی ہوں یا ایک بہن اور ایک بھائی کلالہ نے چھوڑے ہوں تو بھائی کو دوہرا اور بہن کو اکہرا حصہ دیا جائیگا۔

③ کلالہ کے اخ من الام،اخت من الام کا حصہ:۔ کلالہ کا اگر کوئی ماں شریک بھائی موجود ہے یا ماں شریک بہن زندہ ہے تو ان دونوں کو میت کے ترکہ سے چھٹا حصہ ملے گا اور اگر ایک سے زیادہ ہیں مثلاً ایک بھائی اور ایک بہن ہو یا دو بھائی یا دو بہنیں ہوں تو سب ایک تہائی میں برابر کے شریک ہونگے اور اس میں مذکر کو مؤنث سے دوہرا نہیں ملے گا۔(معارف القرآن)

④ تَضِلُّوْا سے پہلے لا کے حذف کی وجہ:۔ آیت مذکورہ میں کلمہ اَنْ تَضِلُّوْا ماقبل کے لئے مفعول لہ ہے اور اس میں سے مبالغہ کی وجہ سے لا کو حذف کر دیا گیا ہے۔اصل عبارت لان لا تضلوا ہے۔(کمالین)

**الشق الثانی** ......وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ العفيفات بالزنا ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ على زناهن برؤيتهم فَاجْلِدُوْهُمْ اى كل واحد منهم ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً فى شيئى اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ لاتيانهم كبيرة اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ (پ۱۸۔نور:۴،۵)

ترجمی العبارة ۔ اشروط احصان القذف ۔ هل بعد التوبة تقبل شهادة المحدود فى القذف ام لا؟۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل تین امور ہیں(۱) عبارت کا ترجمہ (۲) احصان القذف کی شرائط (۳) محدود فی القذف کی توبہ کے بعد گواہی کی قبولیت میں اختلاف۔

**جواب** ...... ① عبارت کا ترجمہ:۔ اور وہ لوگ جو پاکدامن عورتوں پر تہمت لگائیں (زنا کی) پھر چار گواہ (بحیثیت عینی شاہد)

پیش نہ کرسکیں تو ان تہمت لگانے والوں پر (یعنی ان میں سے ہر ایک پر) اسی (۸۰) کوڑے لگاؤ اور پھر (کسی بھی معاملہ میں) ان کی شہادت قبول نہ کرو اس طرح کے لوگ فاسق ہیں (اس لئے کہ وہ کبیرہ گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں) ہاں وہ لوگ جو توبہ کرلیں اور اپنا رویہ بھی درست کرلیں تو اللہ تعالیٰ غفور ورحیم ہے۔

**②** احصان القذف کی شرائط:۔ جس شخص پر زنا کا الزام لگایا گیا ہے اس کے قاذف پر حدِ قذف تب جاری ہوگی جب اس شخص میں پانچ شرائط موجود ہوں گی۔ ① وہ شخص عاقل ہو، مجنون و دیوانہ نہ ہو ② بالغ ہو نابالغ نہ ہو ③ آزاد ہو غلام نہ ہو ④ مسلمان ہو غیر مسلم نہ ہو ⑤ پاکدامن ہو اس سے پہلے متہم بالزنا نہ ہو۔ (تفسیر مظہری ج ۸ ص ۱۷۹)

**③** محدود فی القذف کی توبہ کے بعد گواہی کی قبولیت میں اختلاف:۔ توبہ کے بعد محدود فی القذف کی شہادت و گواہی کی قبولیت میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ، ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام زفرؒ وسفیان ثوریؒ کے نزدیک توبہ کے بعد بھی اسکی شہادت معتبر نہیں ہے امام مالکؒ، امام شافعیؒ ولیثؒ کے نزدیک توبہ کے بعد محدود فی القذف کی شہادت قبول کی جائیگی۔

اس اختلاف کا منشاء یہ ہے کہ آیت کریمہ **فاجلدوهم ثمانين جلدة ولاتقبلوالهم شهادة ابداً واولئك هم الفاسقون الا الذين تابوا من بعد ذلك واصلحوا الخ** میں استثناء کس جملہ سے ہے؟ حنفیہ کے نزدیک قریب ہونے کی وجہ سے صرف **هم الفاسقون** سے استثناء ہے اور دیگر ائمہؒ کے نزدیک دونوں چیزوں (شہادت کی عدم قبولیت وفسق) سے استثناء ہے۔ (دروسِ ترمذی ۴:۱۳۶)

## ﴿الورقة الاولىٰ فی التفسير﴾

## ﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۸ھ

**الشق الاوّل** ......**وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ** فِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِى الْاَصْلِ فِى الدَّالِ اَىْ تَخَاصَمْتُمْ وَتَدَافَعْتُمْ **فِيْهَا وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ** مُظْهِرٌ **مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ** مِنْ اَمْرِهَا وَهٰذَا اِعْتِرَاضٌ وَهُوَ اَوَّلُ الْقِصَّةِ **فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ** اَىِ الْقَتِيْلَ **بِبَعْضِهَا** فَضُرِبَ بِلِسَانِهَا اَوْ عَجْبِ ذَنْبِهَا فَحَيِىَ وَقَالَ قَتَلَنِىْ فُلَانٌ وَفُلَانٌ لِابْنَىْ عَمِّهٖ وَمَاتَ فَحُرِمَا الْمِيْرَاثَ وَقُتِلَا قَالَ تَعَالٰى **كَذٰلِكَ** الْاِحْيَاءُ **يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ** دَلَائِلَ قُدْرَتِهٖ **لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ** تَتَدَبَّرُوْنَ۔ (پ۱۔ بقرہ:۷۲،۷۳) **ترجمى العبارة وفسريها۔ شكل العبارة۔ اكتبى شان نزول الاية۔ قوله وهذا اعتراض اشرح هذا القول وما هو مرجع فى قوله وهو اول القصة۔** (کمالین ج۱ ص ۹۹)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا خلاصہ چھ امور ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) عبارت کی تفسیر (۳) عبارت پر اعراب (۴) آیت کا شانِ نزول (۵) و **هذا اعتراض** کی تشریح (۶) **و هو اول القصة** میں ضمیر کا مرجع۔

**جواب** ...... **①** عبارت کا ترجمہ:۔ اور جب تم نے ایک آدمی کو قتل کیا پھر اس کو ایک دوسرے پر ڈالنا چاہ رہے تھے (اس **فادّرء تم** میں اصل تاء تفاعل تھی اس کو دال بنا کر دال میں ادغام کردیا یعنی تم ایک دوسرے سے جھگڑنے اور دفع کرنے لگے) اور اللہ تعالیٰ کو اس بات کا ظاہر کرنا منظور تھا (ظاہر کرنا چاہتے تھے) جس کو تم چھپانا چاہتے تھے (اس قتل کے معاملہ کو۔ یہ جملہ معترضہ ہے اور وہ قصہ کا شروع حصہ ہے) سو ہم نے حکم دیا کہ اس کو (یعنی مقتول کو) اسکے کسی حصہ سے چھودو (چنانچہ اس کی زبان یا اس کی دم کی جڑ سے چھودیا اور وہ زندہ ہوگیا اور بیان دیا کہ فلاں فلاں اسکے چچازاد بھائیوں نے مجھ کو قتل کیا ہے۔ اور اس بیان کے بعد وہ مرگیا۔ چنانچہ وہ دونوں میراث سے محروم کردیئے گئے اور قصاصاً قتل کردیئے گئے آگے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اسی طرح (اس مردہ کو زندہ کرنے کی طرح) حق تعالیٰ مردوں کو زندہ فرمائیں گے وہ اپنے نظائر (اپنی قدرت کے دلائل) تم کو دکھلاتے رہتے ہیں اس امید پر کہ تم سمجھداری سے کام لو (غور وفکر کرو)۔

**②** عبارت کی تفسیر:۔ بنی اسرائیل میں عامیل نامی ایک شخص کو کسی نے قتل کردیا۔ اور پھر اس قتل کو ایک دوسرے کے سر تھوپنے لگے وہ کہتا ہے کہ اس نے مارا ہے اور وہ کہتا ہے کہ اس نے مارا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جن امور کو تم اپنے دلوں میں چھپاتے تھے اللہ تعالیٰ ان کو ظاہر کرنے والے تھے۔ چنانچہ ہم نے ان کے مطالبہ پر اور قاتل کو ظاہر کرنے کے لئے اس بات کا حکم دیا کہ ایک گائے کو ذبح کرکے اس کی دم یا زبان میت پر رکھ دو وہ زندہ ہوجائے گا۔ اور قاتل کے متعلق خود ہی بتلادے گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا مقتول

فوراً زندہ ہوگیا اور اپنے قاتل وچچازاد بھائیوں کا نام بتا کر دوبارہ مرگیا پھر قاتلوں کو پکڑا گیا اور انہیں قصاصاً قتل کیا گیا اور میراث سے بھی محروم کردیا گیا۔ اور اسی وقت سے یہ حکم ہوگیا کہ قاتل ہمیشہ میراث سے محروم ہوگا۔ یہ مردہ کا کلام کرنا اور زندہ ہو کر لوگوں کے سامنے اپنے قاتل کا نام بتلانا خاص ضرورت کی غرض سے تھا اور اللہ تعالیٰ یہ دکھانا چاہتے تھے کہ ہم اپنی قدرت کاملہ سے مردوں کو اسی طرح زندہ فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً اپنی قدرت کے کرشمے دکھلاتے رہتے ہیں تاکہ تم سمجھو۔

③ عبارت پر اعراب:۔ **کما مر فی السوال آنفا۔**

④ آیت کا شانِ نزول:۔ پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر کیے گئے متعدد انعامات کا ذکر کیا ہے انہی انعامات میں سے ایک انعام کا ان آیات میں ذکر ہے جس کی مکمل تفصیل تشریح میں گزر چکی ہے، باقی مستقل طور پر ان آیات کا شانِ نزول نہیں ہے۔

⑤ **و ھذا اعتراض** کی تشریح:۔ **ھذا** کا مشارالیہ **وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ** ہے اس عبارت سے علامہ سیوطیؒ کی غرض **وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ** کی ترکیب کی طرف اشارہ ہے کہ یہ جملہ معطوف علیہ (**فَادّٰرَءْتُمْ**) اور معطوف (**فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ**) کے درمیان جملہ معترضہ کے طور پر لایا گیا ہے۔

⑥ **و ھو اول القصة** میں ضمیر کا مرجع:۔ **ھو** ضمیر کا مرجع مضمونِ سابق ہے گویا کہ مصنفؒ نے فرمایا **ھذا ای مضمون القریب (واللّٰہ مخرج الخ) اعتراض و ھو ای المضمون السابق "واذقتلتم الخ" اول القصة۔** مطلب یہ ہے کہ ہذا یعنی مضمونِ قریب جملہ معترضہ ہے اور وہ یعنی مضمونِ سابق قصہ کا شروع اور ابتداء ہے۔

**الشق الثانی** ...... **(وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ) اَدُّوْهُمَا بِحُقُوْقِهِمَا (فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ) مُنِعْتُمْ عَنْ اِتْمَامِهَا بِعَدُوٍّ (فَمَا اسْتَيْسَرَ) تَيَسَّرَ (مِنَ الْهَدْيِ) عَلَيْكُمْ وَهُوَ شَاةٌ (وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ) اَيْ لَاتَتَحَلَّلُوْا (حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ) الْمَذْكُوْرُ (مَحِلَّهٗ) حَيْثُ يَحِلُّ ذَبْحُهٗ وَهُوَ مَكَانُ الْاِحْصَارِ عِنْدَ الشَّافِعِيِّ فَيُذْبَحُ فِيْهِ بِنِيَّةِ التَّحَلُّلِ وَيُفَرَّقُ عَلٰى مَسَاكِيْنِهٖ وَيَحْلِقُ وَبِهٖ يَحْصُلُ التَّحَلُّلُ (فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ) كَقُمَّلٍ وَصُدَاعٍ فَحَلَقَ فِي الْاِحْرَامِ (فَفِدْيَةٌ) عَلَيْهِ (مِّنْ صِيَامٍ) لِثَلَاثَةِ اَيَّامٍ (اَوْصَدَقَةٍ) لِثَلَاثَةِ اَصْوُعٍ مِنْ غَالِبِ قُوْتِ الْبَلَدِ عَلٰى سِتَّةِ مَسَاكِيْنَ (اَوْنُسُكٍ) اَيْ ذَبْحُ شَاةٍ۔** (پ۲۔ بقرہ:۱۹۶)

**شکل العبارة ثم ترجمیھا۔ الحج فرض والمعرة سنة فکیف یصح الاستدلال بقول جل شانہ "واتموا الحج والعمرة" لکلیھما؟ وضح المراد بمحل الذبح عند الائمة بالتفصیل۔ ماھوحکم الاحصار۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال میں پانچ امور توجہ طلب ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) حج کی فرضیت اور عمرہ کی سنیت پر ایک ہی لفظ سے استدلال کی وضاحت (۴) محلِ ذبح کی تعیین (۵) احصار کا حکم۔

**جواب** ...... ① عبارت پر اعراب:۔ **کما مرّ فی السوال آنفا۔**

② عبارت کا ترجمہ:۔ اور پورا کرو تم حج اور عمرہ کو اللہ تعالیٰ کے لئے (اُن دونوں کو اُن کے حقوق کے ساتھ ادا کرو) پھر اگر روک دیئے جاؤ (دشمن کی وجہ سے اُن کو پورا کرنے کی وجہ سے روک دیئے جاؤ) تو پھر جو کچھ میسر ہو (آسان ہو) ایک جانور کی قربانی (تم پر ہے اور وہ بکری ہے) اور اپنے سروں کا حلق نہ کرواؤ (یعنی حلال نہ ہوجاؤ) جب تک کہ وہ قربانی کا جانور اپنے ٹھکانے پر نہ پہنچ جائے (جہاں اُسے ذبح کیا جائے گا اور وہ امام شافعیؒ کے نزدیک رکنے کی جگہ ہے پس وہیں پر حلال ہونے کی نیت سے اُس جانور کو ذبح کیا جائے گا اور وہاں کے مساکین پر تقسیم کیا جائے گا اور اس کے ذریعے حلال ہوجائے گا) پس جو شخص تم میں سے مریض ہو یا اُس کے سر میں کوئی تکلیف ہو (مثلاً جوئیں پڑ جائیں یا سر میں درد ہو اور وہ احرام کی حالت میں حلق کرلے) تو اُس کے ذمے (تین دن کے) روزوں کا فدیہ ہے یا اُس کے ذمے صدقہ ہے (تین صاع غلہ جو وہاں کا رواج ہو اسے چھ مسکینوں پر تقسیم کرے) یا جانور کی قربانی کرے (یعنی بکری ذبح کرے)۔

③ حج کی فرضیت اور عمرہ کی سنیت پر ایک ہی لفظ سے استدلال کی وضاحت:۔ امام شافعیؒ کے نزدیک حج وعمرہ دونوں فرض ہیں اور دلیل یہی آیت کریمہ ہے اس میں "اتموا" امر کا صیغہ مستعمل ہے جو وجوب کیلئے ہے۔

حنفیہ کے نزدیک عمرہ سنتِ مؤکدہ اور استطاعت کی صورت میں حج فرض ہے۔

آیت کریمہ کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت حج وعمرہ کے وجوب یا سنیت کیلئے نہیں ہے بلکہ اس آیت میں حج وعمرہ کو شروع کرنے کے بعد مکمل کرنے کا حکم دیا جارہا ہے کہ جب حج وعمرہ کو شروع کرلو تو پھر ان کو ضرور مکمل بھی کرو اور شروع کرنے کے بعد عمرہ کے لزوم کے ہم بھی قائل ہیں اور حج کی فرضیت کی اصل دلیل **"ولله على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلا"** ہے اور عمرہ کے ابتداءً واجب نہ ہونے کی دلیل ترمذی شریف کی روایت ہے کہ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا عمرہ واجب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا **"لا ، وَاَن تعتمروا خیرلکم"** یعنی عمرہ واجب نہیں ہے البتہ اگر تم عمرہ ادا کروگے تو یہ تمہارے لئے خیر وبرکت اور بہتری کا باعث ہوگا۔

④ **محلِ ذبح کی تعیین:۔** امام شافعیؒ کے نزدیک محل سے مراد محلِ احصار ہے خواہ وہ حِل ہو یا حرم ہو اور دلیل واقعۂ حدیبیہ ہے کہ آپ ﷺ حدیبیہ کے موقع پر محصر تھے اور آپ ﷺ نے وہیں پر قربانی کی تھی اور حدیبیہ حِل میں واقع ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک محل سے مراد حرام ہے اس کی دو دلیلیں ہیں۔ ① اس جانور کو قرآن کریم میں **ھدٰی** سے تعبیر کیا گیا ہے اور ہدی اُسی جانور کو کہتے ہیں جس کو حرم میں پہنچایا جائے۔ ② محل کی تفسیر آیت کریمہ **"ثم محلّھا الی البیت العتیق"** میں بیتِ عتیق سے کی گئی ہے اور عینِ بیت میں خون بہانا ممکن نہیں ہے اس لئے اس سے مراد حرام ہے۔ (اشرف الہدایہ)

باقی واقعۂ حدیبیہ کا جواب یہ ہے کہ حدیبیہ کا بعض حصہ حرم میں داخل ہے چنانچہ علامہ واقدیؒ کہتے ہیں کہ مکہ سے نو میل کے فاصلہ پر حدیبیہ حرم کا حصہ ہے اور زہری کی روایت میں آنحضرت ﷺ کے حرم میں ذبح کرنے کی تصریح موجود ہے۔ (کمالین)

⑤ **احصار کا حکم:۔** محصر کے حکم میں اختلاف ہے کہ اسکے ذمے اس حج اور عمرہ کی قضا واجب ہے یا نہیں، حنفیہ کے نزدیک محصر اگر دم ذبح کرا کے حلال ہوجائے تو اس پر اسکی قضاء واجب ہے۔ امام احمدؒ کی ایک روایت بھی یہی ہے لیکن شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک قضا واجب نہیں امام احمدؒ کی دوسری روایت اسی کے مطابق ہے ان حضرات کا کہنا ہے کہ قرآن کریم نے وجوبِ قضا کا ذکر نہیں فرمایا۔

ہماری دلیل حدیث کا یہ جملہ ہے **وعلیه حجة اخریٰ**، حنفیہ کی ایک اور دلیل یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے حدیبیہ والے عمرہ کی قضا آئندہ سال فرمائی تھی جہاں تک قرآن کریم میں عدم ذکرِ قضاء کا تعلق ہے سو عدم ذکر عدمِ وجوب کو مستلزم نہیں۔ (درسِ ترمذی ج۳ ص۲۱۲)

## السوال الثانی ۱۴۳۸ھ

**الشق الاوّل** ......**وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ اى لينتظرن بِاَنْفُسِهِنَّ عن النكاح ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ تمضى من حين الطلاق وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَاخَلَقَ اللّٰهُ فِىْۤ اَرْحَامِهِنَّ من الولد والحيض اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ اى بمراجعتهن ولو ابين اى فِىْ زمن الحيض ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْۤا اِصْلَاحًا بينهما لاضرار المرأة. (پ۲۔بقرہ:۲۲۸) ترجمی العبارة سلسة ، مالمراد من القروء عند ابى حنيفة والشافعى. ثلاثة قروء هذه العدة للمرأة المدخول بها واذكر عدة غير المدخول بها والآئسة والصغيرة والحامل والأمة. اذكروجه نصب كلمة ثلاثة فى الاية المباركة.** (کمالین۱:۲۶۳)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) امام ابوحنیفہؒ وامام شافعیؒ کے نزدیک قروء کی مراد (۳) غیر مدخول بہا، آئسہ، صغیرہ وغیرہ کی عدت (۴) "ثَلٰثَةَ" کے منصوب ہونے کی وجہ۔

**جواب** ...... ① **عبارت کا ترجمہ:۔** اور طلاق دی ہوئی عورتیں روکے رکھیں (انتظار کریں) اپنے آپ کو (نکاح سے) تین طہر تک (جو طلاق کے وقت سے شروع ہو) اور ان عورتوں کے لئے حلال نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ان کے رحم میں پیدا کیا اس کو پوشیدہ رکھیں (بچہ یا حیض) اگر وہ عورتیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں اور ان عورتوں کے شوہر ان کو پھر لوٹا لینے کا حق رکھتے ہیں (ان سے رجوع کرنے کا اگرچہ وہ عورتیں انکار کریں یعنی انتظار کے زمانہ میں) بشرطیکہ وہ آپس میں اصلاح کا ارادہ رکھتے ہوں (نہ کہ عورت کو ضرر پہنچانے کا)۔

② **امام ابوحنیفہؒ وامام شافعیؒ کے نزدیک قروء کی مراد:۔** لفظ قروء یہ قرء کی جمع ہے اور یہ لفظ حیض اور طہر کے معنی میں مشترک ہے اس

لئے امام شافعیؒ کے نزدیک اس سے مراد طہر اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس سے مراد حیض ہے۔

اس اختلاف کو سمجھنے سے پہلے یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ اس بات پر سب متفق ہیں کہ طلاق مشروع کا وقت طہر ہے، نہ کہ حیض، اب شوافع یہ کہتے ہیں کہ عدت تین طہر ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم میں لفظ ثلٰثۃ مؤنث آیا ہے اور عربی زبان کا ضابطہ ہے کہ تین سے نو تک عدد تمیز کیخلاف آئے گا یعنی تمیز (معدود) اگر مذکر ہو تو عدد مؤنث اور اگر تمیز مونث ہو تو عدد مذکر آئے گا اور یہاں عدد مؤنث ہے تو معلوم ہوا کہ تمیز (معدود) مذکر ہے اور قرء کا معنی حیض مؤنث ہے اور قرء کا معنی طہر مذکر ہے پس معلوم ہوا کہ یہاں طہر مراد ہے۔

احناف کہتے ہیں کہ عدت تین حیض ہے ان کی دلیل بھی یہی آیت ہے **یتربصن بانفسھن ثلٰثۃ قروء**، اس طرح کہ اس میں لفظ ثلٰثۃ خاص ہے جو تین کے لئے وضع کیا گیا ہے اور خاص کا حکم یہ ہے کہ وہ اپنے مدلول کو قطعی طور پر شامل ہوتا ہے اور بغیر کمی وزیادتی کے اس پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے اور اس خاص پر عمل اس وقت ممکن ہے کہ قرء سے حیض مراد لیں، نہ کہ طہر، کیونکہ طہر مراد لینے کی صورت میں بغیر کمی وزیادتی کے خاص پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے اس لئے کہ طلاق طہر میں مشروع ہے لہٰذا اگر والے طہر کو شمار کریں تو دو طہر مکمل اور تیسرا نامکمل طہر ہے اور اگر اس کو شمار نہ کریں تو تین طہر مکمل اور چوتھا طہر نامکمل ہے بہر صورت پورے تین پر عمل ممکن نہیں ہے لہٰذا قرء سے حیض مراد لیں گے اور عدت تین حیض لازم ہوگی تا کہ کتاب اللہ کے خاص پر عمل ہو سکے۔

③ غیر مدخول بہا، آئسہ، صغیرہ وغیرہ کی عدت:۔ غیر مدخول بھا کی کوئی عدت نہیں ہوتی۔ البتہ آئسہ یا وہ صغیرہ جو مدخول بھا ہے لیکن سنِ بلوغ کو نہیں پہنچی اس کی عدت تین ماہ ہے ہر ایک ماہ ایک حیض کے مقابلہ میں ہے اور حاملہ خواہ مطلقہ ہو یا متوفی عنہا زوجہا، آزاد ہو یا لونڈی ہو بہر صورت اس کی عدت وضع حمل ہے۔ باندی اگر مطلقہ ذات الحیض ہے تو دو حیض اور اگر غیر الحیض ہے تو اس کی عدت ڈیڑھ ماہ ہے اور اگر وہ باندی متوفی عنہا زوجہا ہو تو اس کی عدت دو ماہ پانچ دن ہے۔

④ ثَلٰثَةَ کے منصوب ہونے کی وجہ:۔ آیت مبارکہ میں ثَلٰثَةَ کا لفظ مفعول بہ ہونیکی وجہ سے منصوب ہے اور اسکا مضاف مقدر ہے۔ اصل عبارت **یتربصن مضی ثلاثۃ قروء** ہے یا یہ ظرفیت کی بناء پر منصوب ہے اصل عبارت **یتربصن مدۃ ثلٰثۃ قروء** ہے۔

**الشق الثانی** ......**اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ ماأوتمن عليه من الحقوق اِلٰٓى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ يأمركم اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا فيه ادغام ميم نعم فى ما النكرة الموصوفة نعم شيأ يَعِظُكُمْ بِهٖ تادية الامانة والحكم بالعدل اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ** ۔(پ۵۔نساء:۵۸،۵۹) **ترجمی العبارة جميلة ۔ اذكر سبب نزول الآية الأولى و هل حكمها خاص او عام ۔ من المراد من أولى الأ مر فى الآية الثانية** ۔ (کمالین ۱:۵۶۰)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں۔(۱) عبارت کا ترجمہ (۲) آیتِ اولیٰ کا سبب نزول (۳) آیتِ اولیٰ میں مذکور حکم کے عام یا خاص ہونے کی وضاحت (۴) اولی الامر کی مراد۔

**جواب** ...... ① عبارت کا ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ جس کی امانت ہو (یعنی جو حقوق کسی کے ذمہ ہوں) وہ اس کے حوالے کر دیا کرو۔ اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو چاہیے کہ انصاف کے ساتھ کرو۔ کیا ہی اچھی بات ہے (لفظ نعم کے میم کا ادغام ما نکرہ موصوفہ میں ہوگیا ہے بمعنی نعم شیئاً ہے) جس کی اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت فرماتے ہیں۔ (ادائے امانت اور انصاف رانی کے متعلق) بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والے اور سب کچھ دیکھنے والے ہیں۔ اے مسلمانو! اللہ اور اللہ تعالیٰ کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے با اختیار حکمرانوں کی فرمانبرداری کرو۔

② آیت اولیٰ کا سبب نزول:۔ یہود کی عادت تھی کہ امانت میں خیانت کرتے تھے اور خصومات میں رشوت کی وجہ سے خلافِ حق کا فیصلہ کرتے تھے۔ تو اس آیت میں مسلمانوں کو ان دونوں بُری باتوں سے منع فرمایا گیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ فتح مکہ کے موقعہ پر بیت اللہ میں داخل ہونے لگے تو عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے بیت اللہ کی چابی دینے سے انکار کر دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے زبردستی چابی چھین کر بیت اللہ کا دروازہ کھول دیا۔ جب آنحضرت ﷺ بیت اللہ سے باہر تشریف لائے

توحضرت عباس رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ یہ چابی مجھے مل جائے،اس موقع پر آیت نازل ہوئی اور چابی عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ کردی گئی۔

③ آیت اولیٰ میں مذکور حکم کے عام یا خاص ہونے کی وضاحت:۔ اس بات پر اتفاق ہے کہ آیت کا شانِ نزول اگر چہ خاص واقعہ ہو مگر حکم عام ہوتا ہے جسکی پابندی امت پر ضروری ہوتی ہے لہٰذا مطلب یہ ہے کہ اے اہلِ ایمان امانتیں انکے مستحقین تک پہنچادیا کرو اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس کا مخاطب ہروہ شخص ہے جو کسی بھی امانت کا امین ہو اس میں عوام وحکّام سب داخل ہیں۔(معارف القرآن)

④ اولی الامر کی مراد:۔ **اولی الامر** لغت میں ان لوگوں کو کہتے ہیں جن کے ہاتھ میں کسی چیز کا نظام وانتظام ہو۔اسی لئے حضرات مفسرین ابن عباس رضی اللہ عنہما مجاہدؒ اور حسن بصریؒ نے **اولی الامر** کا مصداق علماء وفقہاء کو قرار دیا ہے کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب و خلیفہ ہیں اور نظامِ دین انکے ہاتھ میں ہے اور ایک جماعتِ مفسرین جن میں حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں وہ فرماتے ہیں کہ **اولی الامر** سے مراد حکّام وامراء ہیں جن کے ہاتھ میں نظامِ حکومت ہے اور تفسیر ابنِ کثیر ومظہری میں ہے کہ یہ لفظ علماء اور حکّام وامراء دونوں طبقوں کو شامل ہے، کیونکہ نظامِ امر انہی دونوں کے ساتھ وابستہ ہے اور اولی الامر سے مراد حاکم بادشاہ قاضی صوبہ دار لشکر کا سردار اور ہر شعبہ کا نگران ہوسکتا ہے اور ان کی اطاعت اس وقت تک لازم ہے جب تک واضح حکم خداوندی کی مخالفت کا حکم نہ کریں۔

## السوال الثالث ۱۴۳۸ھ

**الشق الاوّل** ......"وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا" بِأَنْ يَّقْصِدَ قَتْلَهٗ بِمَا يُقْتَلُ غَالِبًا بِإِيْمَانِهٖ "فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ" اَبْعَدَهٗ مِنْ رَّحْمَتِهٖ "وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا" فِي النَّارِ وَهٰذَا مُؤَوَّلٌ بِمَنْ يَّسْتَحِلُّهٗ اَوْ بِاَنَّ هٰذَا جَزَاؤُهٗ اِنْ جُوْزِيَ وَلَا بِدْعَ فِيْ خُلْفِ الْوَعِيْدِ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى "وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ" وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهَا عَلٰى ظَاهِرِهَا وَاَنَّهَا نَاسِخَةٌ لِغَيْرِهَا مِنْ اٰيَاتِ الْمَغْفِرَةِ ۔(پ۵۔نساء:۹۳)

**شكّل العبارة ثم ترجمها ۔ اذكر السوال الوارد على الآية الكريمة مع اجوبته التى ذكرها المفسر رحمه الله ۔ الكفارة تجب فى الخطأ فقط ام فى العمد وشبه العمد كذلك ؟ اذكر رأى المفسر السيوطى رحمه الله مع الجواب عن السادة الحنفية ۔**(کمالین ۱:۵۹۵)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل چار امور ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) آیت پر وارد سوال مع جوابات (۴) قتلِ عمد وشبہِ عمد میں وجوبِ کفارہ کا حکم اور حنفیہ کی طرف سے جواب۔

**جواب** ...... ① عبارت پر اعراب:۔ **كمامرّ فى السوال آنفا۔**

② عبارت کا ترجمہ:۔ اور جو مسلمان کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کر ڈالے (یعنی اس کے قتل کا ارادہ بھی ہو اور ایسی چیز سے مارا ہو جس سے عموماً آدمی مر جاتا ہے نیز اس کو مسلمان سمجھتے ہوئے مارا ہو) تو اس کی سزا جہنم ہے جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ غضب ناک ہوں گے اور ان کی پھٹکار پڑے گی (اپنی رحمت سے اس کو دور پھینک دیں گے) اور اس کیلئے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے (جہنم، آیت کی تاویل یہ ہے کہ یہ سزا اس قاتل کی ہے جس نے کسی مسلمان کو مارنا حلال سمجھا ہو یا مطلب یہ ہے کہ یہ جرم اتنا سنگین ہے کہ اگر اس کی سزا ہو تو یہ ہونی چاہیے اور آیت قرآنی **ويغفر مادون ذلك لمن يشاء** کے سلسلہ میں خلافِ وعید ہونے کا اچنبھا نہیں ہونا چاہیے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ آیت اپنے ظاہر پر ہے اور آیاتِ مغفرت کیلئے یہ آیت ناسخ ہے)۔

③ آیت پر وارد سوال مع جوابات:۔ سوال ہوتا ہے کہ بظاہر آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کو عمداً قتل کردے تو اس کی سزا دائمی جہنم ہے حالانکہ یہ دیگر نصوص کے خلاف ہے، اور یہ صحیح نہیں ہے۔

اسکے متعدد جوابات ہیں ① یہ حکم اس شخص کے متعلق ہے جو اس قتل کو حلال سمجھے کیونکہ اس عقیدہ کے بعد یہ شخص کافر ہو جاتا ہے، اس اعتبار سے یہ کافر کی ہی سزا ہوئی، نہ کہ مسلمان کی ② اس شدید جرم کی سزا تو یہی ہے یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس پر عمل نہ کرے گویا یہ نفسِ سزا کا ذکر ہے، سزا دینے کا نہیں۔ ③ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ آیت آیاتِ مغفرت کیلئے ناسخ ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے **لاتقبل توبة قاتل المؤمن عمدًا** ۔اس صورت میں غالباً یہ سزا

زجر و توبیخ پر مشتمل ہوگی، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے قاضی بیضاویؒ نے اسکے خلاف بھی روایت نقل کی ہے۔ (کمالین ج ا ص ۵۹۷)

④ قتلِ عمد و شبہِ عمد میں وجوبِ کفارہ کا حکم اور حنفیہ کی طرف سے جواب:۔ حنفیہ کے نزدیک قتلِ عمد میں کفارہ نہیں ہے البتہ قتلِ خطاء کی طرح قتلِ شبہِ عمد میں بھی کفارہ و گناہ لازم ہے، مگر ان دونوں کفاروں میں فرق یہ ہے کہ شبہِ عمد میں سو اونٹ چار قسم کے پچیس پچیس اونٹوں پر مشتمل ہوں گے اور قتلِ خطاء میں سو اونٹ پانچ قسم کے بیس بیس اونٹوں پر مشتمل ہوں گے جبکہ شوافع کہتے ہیں کہ جب قتلِ خطاء میں کفارہ لازم ہے تو قتلِ عمد میں بدرجۂ اولیٰ کفارہ لازم ہونا چاہیے۔

حنفیہ کا استدلال اسی آیت میں فجزاءہ کے لفظ سے ہے کہ عقوبات کے موقع پر جزاء کا استعمال کافی کے معنی میں آتا ہے یعنی قاتلِ عمد کی سزاء کامل جہنم ہے، کفارہ وغیرہ مزید کسی دوسری سزا کی ضرورت نہیں ہے البتہ قصاص جزاءِ محل ہے، نہ کہ جزاءِ فعل۔

اور کفارہ چونکہ من وجہ عبادت اور من وجہ عقوبت ہے اس لئے اسکا سبب بھی ایسا ہی ہونا چاہیے جو ممانعت و اباحت دونوں حیثیتیں رکھتا ہو حالانکہ قتلِ عمد گناہِ کبیرہ ہے جس میں صرف ممانعت و حرمت کا پہلو ہے، اس میں اباحت کا شائبہ تک بھی نہیں ہے، اس لئے اس میں کفارہ لازم نہیں ہوسکتا۔ (ایضاً)

**الشق الثانی** ......(وَيَقُولُونَ) ای المنافقون (اٰمَنَّا) صدّقنا (بِاللّٰهِ) بتوحیده (وَبِالرَّسُوْلِ) محمد (وَاَطَعْنَا) هما فيما حكما به (ثُمَّ يَتَوَلّٰى) يعرض (فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ) عنه (وَمَآ اُولٰٓئِكَ) المعرضون (بِالْمُؤْمِنِيْنَ) المعهودين الموافق قلوبهم لالسنتهم (وَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ) المبلغ عنه (لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ) عن المجيئ اليه (وَ اِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ۔ (پارہ ١٨۔النور: ٤٧ تا ٤٩)

عبارت کا ترجمہ کریں۔ مذکورہ آیات کا شانِ نزول و جامع تفسیر لکھیں۔ مُذْعِنِيْنَ کی لغوی و صرفی تحقیق کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت کا ترجمہ ② آیات کا شانِ نزول و تفسیر ③ مُذْعِنِيْنَ کی لغوی و صرفی تحقیق۔

**جواب** ...... ① عبارت کا ترجمہ:۔ (اور یہ) منافق (لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے) ہم نے تصدیق کی (اللہ کی) وحدانیت اور محمد ﷺ کے (رسول ہونے کی اور اطاعت کی ہم نے) ان کی ان باتوں میں جس کا انہوں نے حکم دیا (پھر ایک فرقہ ان میں سے اعراض و سرتابی کرتا ہے اور یہ) اعراض کرنے والے (لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں) ان کے قلوب ان کے اقوال و زبانوں کے موافق نہیں ہیں (اور جب یہ لوگ) مبلغین کے ذریعہ (اللہ اور رسول کی طرف بُلائے جائیں تاکہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کریں تو ایک فریق ان میں سے آپ کے پاس) آنے سے (اعراض کرتا ہے اور اگر ان کا کوئی حق کسی کی طرف نکلتا ہو تو سر تسلیم خم کرتے ہوئے اس کی طرف چلے آتے ہیں)۔

② آیات کا شانِ نزول و تفسیر:۔ منافقین چونکہ دل سے ایمان نہیں لاتے تھے، اسلئے ان سے آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف معاندانہ حرکتیں سرزد ہوتی رہتی تھیں، چنانچہ ایک واقعہ پیش آیا کہ بشر نامی ایک منافق کا ایک یہودی سے جھگڑا ہوا، یہودی جانتا تھا کہ آپ ﷺ حق کا فیصلہ کریں گے اسلئے اس نے بشر کو پیشکش کی کہ چلو آنحضرت ﷺ سے اپنے جھگڑے کا فیصلہ کرالیں، بشر کے دل میں چور تھا، اسلئے اس نے آپ سے فیصلہ کرانے کے بجائے یہودی سردار کعب بن اشرف سے فیصلہ کرانے کی تجویز پیش کی، اسکے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ (آسان ترجمہ)

0313 6357913 maktabazakariya.multan@gmail.com

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مغیرہ بن وائل سے ایک زمین کے بارے میں جھگڑا تھا دونوں نے آپس میں بخوشی اس زمین کو تقسیم کرلیا اس کے بعد مغیرہ نے کہا کہ تم اپنی زمین مجھے بیچ دو حضرت علی اس پر راضی ہوگئے بیع مکمل ہوگئی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قیمت پر اور مغیرہ نے زمین پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد کسی نے مغیرہ کو سمجھایا کہ تو نے یہ نقصان کا سودا کیا ہے۔ یہ شور زمین ہے اس پر اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ اپنی زمین واپس لے لیں کیونکہ میں اس سودے پر راضی نہیں تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تو نے اپنی خوشی سے زمین کا حال جانتے ہوئے تو نے خریدی ہے، مجھے اس کا واپس کرنا منظور نہیں ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا

کہ چل ہم دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا مقدمہ پیش کریں اس پر وہ کہنے لگا کہ میں محمد کے پاس نہیں جاتا وہ تو مجھ سے بغض رکھتے ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ وہ فیصلہ کرنے میں مجھ پر ظلم کر دیں اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔(انوارالبیان)

چونکہ یہ شخص منافق تھا اور سب منافقین آپس میں اندرونی طور پر ایک ہی تھے گھل مل کر رہتے تھے نیز ایک دوسرے کا تعاون بھی کرتے تھے اسلئے آیت شریفہ میں طرزِ بیان اس طرح اختیار فرمایا کہ سب منافقین کو شامل فرما لیا۔ ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ یعنی منافقین ظاہری طور پر زبان سے یوں کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور ہم فرمانبردار ہیں، اس ظاہری قول و اقرار کے بعد عملی طور پر ان میں سے ایک جماعت منحرف ہو جاتی ہے چونکہ حقیقت میں مؤمن نہیں ہیں اسلئے انہوں نے ایسا طرزِ عمل اپنا رکھا ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف آؤ تا کہ تمہارے درمیان فیصلہ کر دیا جائے تو ان کی ایک جماعت اس سے اعراض کرتی ہے کیونکہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے ظلم کر رکھا ہے، اللہ کے رسول کی خدمت میں حاضر ہونگے تو فیصلہ ہمارے خلاف ہو گا اور اگر ان کا حق کسی پر آتا ہو تو اس حق کے وصول کرنے کیلئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بڑی ہی فرماں برداری کے ساتھ حاضر ہو جاتے ہیں، ان کا مقصد صرف دنیا ہے ایمان کا اقرار اور فرماں برداری کا قول دنیاوی منافع ہی کیلئے ہے۔ خدمت عالی میں حاضر ہونے کی صورت میں بھی طالبِ دنیا ہی ہیں اور حاضری دینے سے اعراض کرنے میں بھی دنیا ہی پیش نظر ہوتی ہے۔(ایضا)

③ **مُذْعِنِیْنَ کی لغوی وصرفی تحقیق:۔** صیغہ جمع مذکر بحث اسم فاعل از مصدر اِذْعَانٌ، از باب افعال، از سہ اقسام اسم، از شش اقسام ثلاثی مزید فیہ، از ہفت اقسام صحیح۔ بمعنی مطیع وفرمانبردار ہونا۔

## ﴿الورقة الاولٰی فی التفسیر﴾

## ﴿السوال الاوّل﴾　　۱۴۳۹ھ

**الشق الاوّل**...... **ثُمَّ انتم یا هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ یقتل بعضكم بعضا وَتُخْرِجُوْنَ فَرِیْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِیَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ فیه ادغام التاء فی الاصل فی الظاء وفی قراءة بالتخفیف علی حذفها تتعاونون عَلَیْهِمْ بِالْاِثْمِ المعصیة وَالْعُدْوَانِ الظلم وَاِنْ یَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰی وفی قراءة اسری تُفٰدُوْهُمْ تنقذوهم من الاسر بالمال او غیره وهو مما عهد الیهم وَهُوَ ای الشان مُحَرَّمٌ عَلَیْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ متصل لقوله وتخرجون والجملة بینهما اعتراض ای كما حرم ترك الفداء۔** (پ۱۔ بقرہ:۸۵)　　**ترجمی العبارة سلسة۔**

**فسّر الاٰیة المباركة واذكر شان نزولها۔ وضّح القرائتین فی تظاهرون وفی تفدوهم وفی اسری۔** (کمالین۱:۱۱۰)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں ① عبارت کا ترجمہ ② آیت کی تفسیر ③ آیت کا شانِ نزول ④ تظاهرون، تفدوهم اور اسری میں قراءتین کی وضاحت۔

**جواب**...... **①** **عبارت کا ترجمہ:۔** پھر تم (اے لوگو) ایک دوسرے سے باہم قتل و قتال کر رہے ہو (آپس میں خون خرابہ کرتے ہو) اور ایک دوسرے کو جلا وطن بھی کر رہے ہو امداد کرتے ہوئے (تظاهرون اصل میں تَتَظَاهَرُوْنَ تھا اس میں تاء کو ظاء سے بدل کر ظاء میں ادغام کر دیا۔ اور دوسری قراءۃ میں دو تاء میں سے ایک محذوف بھی ہے، یعنی وہ تعاون کرتے ہیں) اپنوں کے مقابلہ میں گناہ (معصیت) اور ناانصافی (ظلم) کے ساتھ۔ اور اگر ان میں سے کوئی گرفتار ہو کر تمہارے پاس آتا ہے (اور ایک قراءۃ میں اسری ہے) تو ان کو کچھ خرچ کر کرا کر رہا کر دیتے ہو۔ (اور ایک قراءۃ میں تفدوهم ہے، یعنی تم انہیں مال یا اسکے علاوہ کے ساتھ قید سے آزاد کراتے ہو اور یہ ان میں سے ہے جو ان سے معاہدہ ہوا) حالانکہ (شان یہ ہے کہ) تم پر ان کو جلا وطن کرنا حرام ہے (یہ اسکے قول و تخرجون کے متصل ہے اور یہ جملہ ان دونوں کے درمیان معترضہ ہے یعنی جیسا کہ فدیہ کا چھوڑنا ان پر حرام تھا)

② **تظاهرون، تفدوهم اور اسری میں قراءتین کی وضاحت:۔** **تظاهرون:** اس میں دو قراءتیں ہیں ایک قراۃ ظاء کی تشدید کے ساتھ اس طور پر کہ تاء کو ظاء کر کے ظاء میں ادغام کر دیا اور دوسری قراءۃ ظاء کی تخفیف کے ساتھ ہے اس طور پر کہ ایک تاء کو حذف کر دیا گیا ہے۔

**تفدوھم:** اس میں یہ پہلی قراءۃ الف کے ساتھ مفادات باب مفاعلہ سے مشتق ہے اور یہ قراءۃ امام عاصم، امام نافع اور امام کسائیؒ کے نزدیک ہے دوسری قراءۃ **تفدوھم** بغیر الف کے باب ثلاثی مجرد سے ہے اور **فداء** سے مشتق ہے۔ اور یہ ان تین ائمہ کے علاوہ بقیہ ائمہ کے نزدیک ہے۔

**اسری:** اس میں بھی دو قرائتیں ہیں امام حمزہؒ کے نزدیک اسری ہے (بفتح الھمزہ وسکون السین اور راء کے امالہ کے ساتھ) اور ان کے علاوہ کے نزدیک اسری (ہمزہ کے ضمہ اور سین اور راء کے کھڑا زبر کے ساتھ ہے)۔

③ آیت کی تفسیر:۔ اس آیت سے پہلی آیات میں بنی اسرائیل (یہودیوں) کے جس میثاق کا تذکرہ تھا اسکی متعدد دفعات میں سے تین درج ذیل ہیں ① آپس میں کسی کو قتل نہ کرنا ② کسی کو جلاوطن نہ کرنا ③ اگر کوئی گرفتار ہو جائے تو مالی فدیہ دیکر اس کو رہا کرا دینا۔

اس آیت میں یہود کے ان تین دفعات میں سے دو مشکل دفعات کو توڑنے اور ایک آسان و سہل پر کسی حد تک عمل کرنے کا ذکر ہے الغرض اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی حیلہ سازیوں کا پردہ چاک کیا ہے۔ چنانچہ اوس و بنو قریظہ باہم دوست تھے اور خزرج و بنو نضیر باہم مددگار تھے، اوس و خزرج میں جب لڑائی ہوتی تو دوسرے دونوں قبائل اپنے اپنے حلیف کے معاون و مددگار ہو جاتے، اور ان جنگوں میں قتل و جلاوطنی دونوں مصیبتیں پیش آتیں البتہ جنگی قیدیوں کو بڑے شوق سے خدائی حکم سمجھ کر فدیہ دے کر رہا کرواتے تھے ۔چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے یہودیو! جب تم ایک قبیلہ کی حمایت و ہمدردی کرتے ہو تو اس سے دوسرے قبیلہ کی مخالفت و ضرر رسانی بھی لازم آتی ہے اور اس میں حکمِ الٰہی کی پامالی اور بندوں کی ایذا رسانی بھی ہے یعنی تم مالی فدیہ کی پابندی اگر اللہ کا حکم ہونے کی وجہ سے کرتے ہو تو قتل و جلاوطنی نہ کرنا بھی تو خدائی احکام ہیں ان کی تعمیل کیوں نہیں کی جاتی۔ **افتؤمنون ببعض الکتاب و تکفرون ببعض** حکم کے ایک حصہ کو ماننا اور ایک حصہ کا انکار کرنا یہ کیسا واہیات مذاق ہے جبکہ قتل کرنا اور جلاوطنی کرنا بھی اسی طرح حرام ہیں جیسا کہ قیدی کو فدیہ دے کر نہ چھڑانا حرام ہے۔

④ آیت کا شانِ نزول:۔ مدینہ منورہ میں اوس و خزرج دو قومیں آباد تھیں ان میں باہم عداوت و دشمنی رہتی تھی اور کبھی کبھی قتال کی نوبت بھی آجاتی تھی اور مدینہ کے قریب یہودیوں کی بھی دو قومیں بنی قریظہ اور بنی نضیر آباد تھیں۔ اوس و بنی قریظہ کی اور خزرج و بنو نضیر کی باہم دوستی تھی اور ایک دوسرے کے حلیف تھے باہم لڑائی ہوتی تو دوستی کی بناء پر بنو قریظہ و بنو نضیر دونوں اپنے اپنے حلیف کے معاون و مددگار ہوتے، چنانچہ ان جنگوں میں قتل و جلاوطنی دونوں مصیبتیں پیش آتیں جن سے اصل اور حلیف سب کو دوچار ہونا پڑتا تھا۔ اگر کوئی جنگ میں قید ہو جاتا تو ہر جماعت اپنے دوستوں کو مال پر راضی کر کے اس قیدی کو رہائی دلا دیتے اور لوگوں کے پوچھنے پر جواب دیتے کہ اسیر اور قیدی کو رہا کروانا ہم پر واجب ہے اور اگر کوئی قتل و قتال میں معین و مددگار بننے پر اعتراض کرتا تو کہتے کہ دوستوں کا ساتھ نہ دینا بھی عار کا باعث ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

**الشق الثانی** ...... **اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ جبلان بمكة مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ اعلام دينه جمع شعيرة فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِاعْتَمَرَ اى تلبس بالحج او العمرة واصلها القصد والزيارة فَلَا جُنَاحَ اثم عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ فيه ادغام التاء فى الاصل فى الطاء بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ وفى قراءة بالتحتانية وتشديد الطاء مجزوما وفيه ادغام التاء فيها خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ** ۔(پ۲۔بقرہ:۱۵۸)

**ترجمی العبارة واضحة ۔ اكتبى اختلاف الفقهاء الكرام فى السعى سنة ووجوبا وركنا وفرضا بالادلة ۔ اذكروجه نصب خيرا وماالمراد من الخير فى قوله تعالى ومن تطوع خيرًا۔** (کمالین ۱۸۳:۱)

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) سعی کے سنت، واجب یا فرض ہونے میں اختلاف مع الدلائل (۳) **خیرا** کے نصب کی وجہ اور مراد۔

**جواب** ...... ① عبارت کا ترجمہ:۔ بے شک صفا اور مروہ (مکہ میں دو پہاڑوں کے نام ہیں) اللہ تعالیٰ کی یادگاروں میں سے ہیں (علاماتِ دین میں سے ہیں **شعائر شعیرۃ** کی جمع ہے) جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے (حج و عمرہ سے متلبس ہو، حج کا

اصلی معنیٰ قصد اور عمرہ کا اصلی معنیٰ زیارت ہے ) تو اس پر کوئی مضائقہ ( گناہ ) نہیں ہے طواف کرنے میں ( "**یطوف**" میں تاءِ اصلی کا طاء میں ادغام ہے ) ان دونوں پہاڑوں کا اور جو شخص خوش دلی سے کرتا ہے ( ایک قراءۃ میں یاءِ تحتانیہ اور طاء تشدید کے ساتھ مجزوم پڑھا گیا ہے، دراصل اس میں تاء کا طاء میں ادغام ہوا ہے ) کسی خیر کو تو اللہ تعالیٰ قدردانی کرنیوالے خوب جاننے والے ہیں۔

② <u>سعی کے سنت واجب یا فرض ہونے میں اختلاف مع الدلائل</u>:۔ سعی بین الصفا والمروہ کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے، مالکیہؒ وشافعیہؒ کے نزدیک سعی فرض ہے، حنفیہ کے نزدیک سعی واجب ہے، حنابلہ کے نزدیک مباح ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہی منقول ہے۔

سعی کے واجب ہونے پر حنفیہ کی پہلی دلیل: اللہ تعالیٰ کا ارشاد **فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِ اَنۡ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا** ہے **لا جناح** کا لفظ اگرچہ اباحت کیلئے استعمال کیا جاتا ہے لیکن یہاں اجماع کی وجہ سے ہم وجوب کے قائل ہیں۔

دوسری دلیل: یہ ہے کہ فرضیت کیلئے دلیل قطعی کا ہونا ضروری ہے یہاں کوئی قطعی دلیل موجود نہیں ہے۔

شافعیہ کی دلیل: حدیث نبوی **ان اللّٰہ کتب علیکم السعی** ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی کو لازم کیا ہے۔

حنابلہ کی دلیل: اسی آیت میں **لا جناح** کا لفظ ہے کہ یہ اباحت کے لئے آتا ہے فرضیت ووجوب کے لئے نہیں آتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کتب بمعنیٰ **استحب** ہے **فرض** نہیں ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے ارشاد **کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت الآیۃ** میں وصیت للورثاء جائز ہے فرض واجب نہیں ہے۔

حنابلہ کی دلیل: **لا جناح** کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت ان انصار کے بارے میں نازل ہوئی جو قبل از اسلام منات کی عبادت کرتے تھے اور جب مسلمان ہوئے اور سعی بین الصفا والمروہ کا حکم ہوا تو کفار کی مشابہت کی وجہ سے دل تنگ ہوئے تو یہ آیت نازل ہوئی اور یہ نفی اس گرانی کو رفع کرنے کیلئے تھی جو کہ انصار کو لاحق ہوئی، فرمایا کہ اس کے کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے لہٰذا گناہ کی نفی کرنا مقصود ہے، ترک کی اجازت دینا مقصود نہیں ہے ورنہ **ان یطوف** کی بجائے **ان لا یطوف** ہوتا۔

③ <u>**خیرًا** کے نصب کی وجہ اور مراد</u>:۔ مفسرؒ نے **بخیر** کا لفظ لا کر ترکیب کی طرف اشارہ کر دیا کہ **خیرا** کا لفظ منصوب بنزع الخافض ہے اصل عبارت اس طرح ہوگی **ومن تطوع خیرًا ای فعل ما لم یجب علیہ من طواف وغیرہ** ( کمالین )

یا یہ مفعول مطلق محذوف کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ ( مظہری )

مقاتل وکلبی کہتے ہیں کہ **تطوع خیرًا** کا معنیٰ یہ ہے کہ جس نے طواف واجب کے بعد زیادہ طواف کیا، بعض مفسرینؒ نے کہا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جس نے حج فرض کے بعد ایک اور حج وعمرہ کیا۔

حسنؒ کہتے ہیں کہ اس میں حج کی تخصیص نہیں ہے سب اعمال مراد ہیں، مطلب یہ ہے کہ جس نے کوئی نفل کام کیا خواہ نماز ہو خواہ زکوٰۃ ہو خواہ طواف وغیرہ ہو سب مراد ہو سکتے ہیں۔ ( تفسیر مظہری )

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۹ھ

**الشق الاوّل** ...... **الذین یأکلون الربا ای یاخذونہ وھو الزیادۃ فی المعاملۃ بالنقود والمطعومات فی القدر او الاجل لا یقومون من قبورھم الا قیاما کما یقوم الذی یتخبطہ یصرعہ الشیطان من المس الجنون بھم متعلق بیقومون ذلک الذی نزل بھم بانھم بسبب انھم قالوا انما البیع مثل الربا فی الجواز ھذا من عکس التشبیہ مبالغۃ فقال تعالی ردا علیھم واحل اللّٰہ البیع وحرم الرّبا فمن جاء ہ بلغہ موعظۃ وعظ من ربہ فانتھی عن اکلہ فلہ ما سلف قبل النھی لا یسترد منہ وأمرہ فی العفو عنہ الی اللّٰہ ومن عاد الی اکلہ مشبھا لہ بالبیع فی الحل فأولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون** ۔ (پ۳۔بقرہ:۲۷۵)

**ترجمی العبارۃ او اذکر مفھومھا ۔ عرّفی الربٰوا لغۃً واصطلاحًا والی ماذا اشار المفسر بقولہ والمطعومات؟ اذکر الخلاف فی تعیین الاشیاء الربویۃ و علۃ الربٰوا فی الاشیاء الستۃ ۔ اذکر احکام**

الربوا المذکورة ھنا، مع شرح الکلمات والجُمل التفسیریة ۔ (کمالین ج ا ص ۳۲۳)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا خلاصہ چھ امور ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ یا مفہوم (۲) ربوا کی لغوی واصطلاحی تعریف (۳) مطعومات سے مفسرؒ کا مقصد (۴) اشیاءِ ربویہ میں علتِ ربوا کی تعیین میں اختلاف کی وضاحت (۵) احکام ربوا کی وضاحت (۶) تفسیری کلمات کی تشریح۔

**جواب** ...... ① عبارت کا ترجمہ یا مفہوم:۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے جولوگ سود کھاتے ہیں یعنی سود لیتے ہیں (اور سود نقدی معاملات اور کھانے پینے کی چیزوں کی مقدار و مدت میں زیادتی ہے) وہ اپنی قبروں سے ایسے کھڑے ہوں گے جیسے وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جس کو شیطان لپٹ وچمٹ کر مدہوش وخبطی بنادے (**من المس** کا تعلق **یقومون** کے ساتھ ہے) یہ جو کچھ بھی ان پر سزا واقع ہوئی ہے یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ خرید وفروخت بھی جائز ہونے میں ربوا یعنی سود کی طرح ہی ہے (یہ مبالغہ کے طور پر عکسِ تشبیہ ہے) اللہ تعالیٰ اُن پر رد کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے بیع یعنی خرید وفروخت کو حلال وجائز قرار دیا ہے اور ربوا یعنی سود کو حرام قرار دیا ہے، پس جس شخص کے پاس باری تعالیٰ کی طرف سے نصیحت آچکی ہے اور وہ اسکے استعمال وکھانے سے باز آجائے تو ممانعت ونہی سے پہلے جو کچھ گزر چکا ہے وہ اُسی کا ہے یعنی وہ اس سے واپس نہیں کرایا جائے گا اور اس کی معافی کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، اور جو شخص اس کے کھانے واستعمال سے باز نہ آیا اور وہ سود کو حلت میں بیع کے ساتھ تشبیہ دیتا رہا تو یہ شخص جہنمی گروہ میں سے ہے اور یہ ہمیشہ جہنم کے عذاب میں رہنے والا ہے۔

② ربوا کی لغوی واصطلاحی تعریف:۔ ربا کا لغوی معنی زیادتی ہے اور اصطلاحی اعتبار سے ربا کی دو قسمیں ہیں (۱) ربا البیع (بیع کا سود) (۲) ربا القرض (قرض کا سود) بیع کا سود یہ ہے کہ آدمی کسی کیلی یا وزنی چیز کی اس کی جنس کے ساتھ زیادتی کے ساتھ یا غیر جنس کے ساتھ ادھار کے طور پر بیع کرے اور قرض کا سود یہ ہے کہ مثلاً زید بکر کو ایک ہزار روپیہ اس شرط پر قرض دے کہ وہ ایک ماہ کے بعد بارہ سو روپیہ واپس کرے گا۔ سود کی یہ دونوں قسمیں حرام ہیں۔

③ **مطعومات** سے مفسرؒ کا مقصد:۔ **مطعومات** کا لفظ ذکر کر کے مفسرؒ نے امام شافعیؒ کے مذہب کی رعایت کی ہے کہ ان کے نزدیک اشیاءِ ربویہ میں مطعوم ہونا شرط ہے خواہ وہ مکیلی ہو یا غیر مکیلی ہو جیسے میوے، جبکہ حنفیہ کے نزدیک اشیاءِ ربویہ میں مکیلی ہونا شرط ہے، اگرچہ وہ غیر مطعوم ہو جیسے چونہ، پس پھلوں اور میوے میں حنفیہ کے نزدیک اور چونہ وغیرہ میں شوافع کے نزدیک ربوا متحقق نہ ہوگا۔

④ اشیاءِ ربویہ میں علتِ ربوا کی تعیین میں اختلاف کی وضاحت:۔ تمام ائمہ متفق ہیں کہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث **الذھب بالذھب والفضة بالفضة الخ** جس میں چھ چیزوں کا ذکر ہے یہ معلّل بالعلت ہے، ربا کا حکم ان تمام چیزوں میں جاری ہوتا ہے جنمیں وہ علت پائی جائے صرف غیر مقلدین اختلاف کرتے ہیں، انکے نزدیک ربا مذکورہ چھ چیزوں میں منحصر ہے ساتویں کسی چیز میں ربا نہیں۔

سونے اور چاندی کی علت: شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک سونے اور چاندی میں علت ثمنیت ہے یعنی ایسی چیز ہونا جس کو اللہ تعالیٰ نے معاملات میں ثمن (وسیلہ) بننے کیلئے پیدا کیا ہے، ایسی چیزیں دو ہی ہیں سونا اور چاندی۔ پس یہ علت ان دو کے ساتھ خاص ہوگی اور احناف اور حنابلہ کے نزدیک علت وزن یعنی موزونی چیز ہونا ہے پس جو بھی چیز تولی جاتی ہے وہ سونے اور چاندی کے حکم میں ہے مثلاً زعفران، لوہا، تانبا، پیتل وغیرہ بلکہ اب تو ہزاروں چیزیں موزونی ہیں پس یہ سب ربوی اشیاء ہیں۔

باقی چار چیزوں میں علت: احناف اور حنابلہ کے نزدیک کیل یعنی مکیلی ہونا علت ہے پس جو بھی چیز پیمانے سے ناپی جاتی ہے وہ ربوی ہے خواہ وہ مطعوم ہو یا غیر مطعوم جیسے چاول، چنا، مکئی، برسین کے بیج وغیرہ اور معدودات (جو گن کر فروخت کی جاتی ہیں) اور مزروعات (جو گز وغیرہ سے ناپ کر فروخت کی جاتی ہیں) ربوی چیزیں نہیں۔

پس احناف اور حنابلہ کے نزدیک مذکورہ چھ چیزوں میں ربا کی علت وزن وکیل ہیں اور ان دونوں کیلئے مشترک لفظ ''قدر'' ہے، پس قدر مع الجنس میں یعنی جب دونوں عوض ایک جنس کے ہوں اور دونوں عوض قدری یعنی مکیلی یا موزونی ہوں تو ربا الفضل اور ربا النسیئہ دونوں کا تحقق ہوگا اور نہ تفاضل جائز ہوگا نہ ادھار۔ بلکہ برابر سرابر اور دست بدست فروخت کرنا ضروری ہوگا اور قدر مع غیر الجنس میں یعنی جب دونوں عوض الگ الگ جنس کے ہوں مگر دونوں مکیلی یا موزونی ہوں تو صرف ربا النسیئہ کا تحقق ہوگا ربا الفضل متحقق نہیں ہوگا یعنی

اس صورت میں کمی بیشی جائز ہوگی اور ادھار نا جائز جیسے گیہوں کو چنے کے عوض بیچا جائے تو تفاضل جائز ہے اور ادھار حرام ہے۔

اور شافعیہ کے نزدیک باقی چیزوں میں علت طُعم (کھانے کی چیز) ہونا ہے اور طُعم میں ان کے نزدیک تین چیزیں شامل ہیں ① مطعومات یعنی وہ چیزیں جو غذا بننے کے لئے پیدا کی گئی ہیں، گیہوں اور جَو اس کی مثالیں ہیں اور چاول، چنا اور مکئی وغیرہ اسکے ساتھ ملحق ہیں ② فواکہ (پھل) کھجور اس کی مثال ہے اور کشمش، انجیر وغیرہ اس کے ساتھ ملحق ہیں ③ مصلحات یعنی وہ چیزیں جو طعام یا جسم کی اصلاح کرتی ہیں، نمک اس کی مثال ہے اور تمام ادویہ اور مسالے اس کے ساتھ ملحق ہیں۔

مالکیہ کے نزدیک صرف ربا النسیئہ کیلئے طعام میں علت مطعوم ہونا ہے بشرطیکہ وہ چیز دوا کے طور پر نہ کھائی جاتی ہو خواہ وہ مطعوم اقتیات وادخار کے قابل ہو یا نہ ہو جیسے ککڑی، خربوزہ، لیموں اور گاجر وغیرہ کو دست بدست بیچنا ضروری ہے اور فواکہ کی جملہ انواع جیسے سیب اور کیلے وغیرہ کو بھی دست بدست فروخت کرنا ضروری ہے، ادھار بیچنا سود ہے البتہ ان میں ربا الفضل متحقق نہیں ہوگا، پس کمی بیشی جائز ہے۔

اور ربا الفضل اور ربا النسیئہ دونوں کے تحقق کیلئے دو چیزیں ضروری ہیں ① طعام کا مُقتات ہونا یعنی عموماً انسان ان کو کھاتے ہوں اور صرف ان پر گزر بسر کرتے ہوں ② طعام کا ادخار کے قابل ہونا یعنی عرصہ تک رکھنے سے وہ چیز خراب نہ ہو جہاں یہ دونوں چیزیں (اقتیات وادخار) پائی جائینگی وہاں دونوں ربا متحقق ہوں گے، پس نہ کم وبیش فروخت کرنا درست ہوگا نہ ادھار۔ (تحفۃ الالمعی ۴:۱۵۰)

**⑤ احکام ربوا کی وضاحت:۔** اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے ربوا یعنی سود کے متعلق مختلف احکام ذکر کئے ہیں۔ ① سود خور قیامت کے دن اُس پاگل ومجنون کی طرح اُٹھے گا جس کو کسی شیطان وجن نے خبطی بنا دیا ہو ② بیع حلال اور سود حرام ہے ③ اگر سود کی حرمت سے قبل کسی نے کوئی سود وصول کیا مگر حرمت کے بعد اس سے رُک گیا اور توبہ کر لی تو سابقہ وصول شدہ سود اسی کا ہے ④ اگر کوئی سود کی حرمت کے نازل ہونے کے بعد بھی یہ معاملہ کرتا ہے اس کا دائمی ٹھکانہ جہنم ہے ⑤ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں یعنی اس میں بے برکتی ہے اور بربادی ہے ⑥ سودی معاملہ چھوڑنے کا حکم ہے، وگرنہ اللہ اور اسکے رسول کی طرف سے سود خور کیلئے اعلانِ جنگ ہے۔

**⑥ تفسیری کلمات کی تشریح:۔** "**ای یاخذونه**" سے اشارہ کر دیا کہ صرف سود کا کھانا ہی ممنوع نہیں ہے بلکہ اس کا کسی طرح بھی لینا واستعمال کرنا منع ہے۔ "**وهوالزيادة الخ**" سے سود کی تعریف کی طرف اشارہ ہے **کما مرّ تعريفه آنفا**۔

"**من قبورهم**" کہہ کر **لا يقومون** کے ظرف ومتعلق کو بیان کیا ہے کہ وہ قبروں سے نہیں اُٹھیں گے۔

"**يصرعه**" کہہ کر **يَتَخَبَّطُهُ** کے معنی کی طرف اشارہ ہے۔

"**متعلق بيقومون**" کہہ کر **من المس** کی ترکیب کی طرف اشارہ ہے کہ یہ **يقومون** کے متعلق ہے۔

"**الذى نزل بهم**" کہہ کر **ذٰلك** کے مشار الیہ کو بیان کیا ہے کہ ان کو یہ سزا کیوں ملی؟

"**بسبب انهم**" کہہ کر بتلا دیا کہ **بانهم** میں "ب" سببیت کے معنی میں ہے۔

"**وهٰذا من عكس التشبيه مبالغة**" سے اس بات کو بیان کیا کہ ان کو یہ کہنا چاہیے تھا کہ ربوا بھی بیع کی طرح حلال ہے مگر وہ لوگ مبالغہ کے طور پر اصل کو فرع اور فرع کو اصل قرار دیتے ہوئے عکس کے ساتھ تشبیہ دیتے تھے کہ بیع بھی سود کی طرح حلال ہے، گویا سود تو حلال ہی ہے بیع بھی اس کی مثل حلال ہے۔ "**بلغه**" کہہ کر **جاء** کا معنی بیان کیا۔

"**وعظ**" کہہ کر **جاء** فعل کو مذکر لانے کی توجیہ کر دی کہ **موعظة** وعظ کے معنی میں ہے۔ یا اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ **موعظة** مؤنث غیر حقیقی ہے اسلئے فعل کو مذکر لانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

"**الٰى اكله الخ**" اس جملہ سے مقصود معتزلہ کے اعتراض کا جواب ہے کہ جب سود خور نے حرام کو حلال سمجھ لیا تو وہ کافر ہو گیا اور کافر کے خلود فی النار میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

**الشق الثانی** ......**يا ايها النبى لم تحرم ما احلّ الله لك من امتك مارية القبطية لما واقعها فى بيت حفصة وكانت غائبة فجاءت و شق عليها كون ذلك فى بيتها حيث قلت هى حرام علىّ تبتغى بتحريمها مرضات ازواجك اى رضاهنّ والله غفور رحيم غفر لك هٰذا التحريم قد فرض الله لكم تحلّة ايمانكم شرع لكم تحليلها**

**بالكفّارة المذكورة فى سورة المائدة ومن الايمان تحريم الامة. وهل كفر ﷺ؟قال مقاتل: اعتق رقبة فى تحريم مارية. وقال الحسن لم يكفر لانّه مغفور له واللّٰه مولكم ناصركم وهو العليم الحكيم ۔(پ۲۸۔تحریم:۱تا۲)**

آیات کریمہ کا ترجمہ کریں، مذکورہ واقعے کا شانِ نزول تحریر کریں، مختصر تفسیر لکھیں۔حضرت ماریہ قبطیہؓ کا تعارف تحریر کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل چار امور ہیں ① آیات کا ترجمہ ② آیات کا شانِ نزول ③ آیات کی تفسیر ④ حضرت ماریہؓ کا تعارف۔

**جواب**...... **① آیات کا ترجمہ:۔** (اے نبی! تو کیوں حرام کرتا ہے اس چیز کو جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے حلال کی ہے) یعنی ماریہ قبطیہ جو آپ ﷺ کے حرم میں ہیں، حفصہؓ کی عدم موجودگی میں آپ ﷺ نے ان سے مباشرت کرلی پس جب حفصہؓ آئیں اس معاملہ کا ان کے گھر میں ان کے بستر پر ہونا ان پر شاق گزرا، جب آپ ﷺ نے فرمایا کہ ماریہ مجھ پر حرام ہے (آپ ﷺ اپنی ازواج کی رضامندی وخوشنودی حاصل کررہے تھے) اس تحریم کے ذریعہ، (اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے) یہ تحریم بھی اس نے معاف کردی (تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تمہاری قسموں کو کھولنے کا طریقہ مقرر) مشروع (کردیا ہے) سورۂ مائدہ والا کفارہ ادا کرکے قسمیں کھولی جاسکتی ہیں، اور اپنی حرم کو حرام کرنا بھی قسم میں شامل ہے، اور کیا آپ ﷺ نے کفارہ ادا کیا؟ مقاتلؒ کہتے ہیں کہ ماریہ کے سلسلہ میں آپ ﷺ نے غلام آزاد کیا تھا اور حسنؒ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے کفارہ ادا نہیں کیا اسلئے کہ آپ ﷺ کی مغفرت ہوچکی (اور اللہ تعالیٰ ہی تمہارا مولیٰ) مددگار (ہے اور وہ جاننے والا حکمت والا ہے)۔

**② آیات کا شانِ نزول:۔** جیسا کہ ترجمہ سے واضح ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حفصہؓ کی عدم موجودگی میں آپ ﷺ نے ان کے گھر میں ماریہ قبطیہؓ سے مباشرت کرلی پس جب حفصہ رضی اللہ عنہا آئیں اور اس معاملہ کا ان کو علم ہوا تو ان پر یہ شاق گزرا اس موقع پر آپ ﷺ نے قسم کھالی کہ میں آئندہ ماریہ قبطیہؓ کے قریب نہیں جاؤں گا، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

**③ آیات کی تفسیر:۔** شانِ نزول میں مذکور واقعہ پر تنبیہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے نبی! اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی دلجوئی وخوشنودی کیلئے اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیز کو اپنے اوپر حرام کیوں کرتے ہو؟ یہ کلام اگرچہ از روئے شفقت ہے مگر اسمیں بھی جواب طلبی وخلافِ اولیٰ ہونا ظاہر ہوتا ہے اسلئے از روئے شفقت خود ہی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ گناہوں کو بخشنے والا اور مہربانی کرنے والا ہے اور آپ ﷺ سے ویسے بھی گناہ سرزد وصادر نہیں ہوا چونکہ اس واقعہ میں آپ ﷺ نے حضرت ماریہؓ کے قریب نہ جانے کی قسم کھائی تھی اسلئے اللہ تعالیٰ اس قسم کو توڑنے اور اسکا کفارہ ادا کرنے کے متعلق فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری قسموں کو کھولنے یعنی تمہارے حرام کردہ امور کو دوبارہ تمہارے لئے حلال کرنے کا طریقہ مقرر کردیا ہے اور وہ اپنے علم وحکمت سے تمہاری مصلحتوں وضرورتوں کو جانتے ہوئے تمہاری بہت سی دشواریوں کا آسان حل بیان کرتا رہتا ہے اسلئے کہ وہ بڑا علم وحکمت والا ہے۔ (کمالین)

**④ حضرت ماریہ قبطیہؓ کا تعارف:۔** یہ آپ ﷺ کی ام ولد ہیں، ان کے بطن سے آپ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے۔مقوقس شاہِ اسکندریہ نے حضرت ماریہ آپ ﷺ کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت ۱۶ھ میں انتقال ہوا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں (سیرتِ مصطفیٰ ﷺ)

## ﴿السوال الثالث﴾　۱۴۳۹ھ

**الشق الاوّل**...... **(وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ) يا محمد (وَرَحْمَتُهٗ) بالعصمة (لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ) من قوم طعمة (اَنْ يُّضِلُّوْكَ) عن القضاء بالحق بتلبيسهم عليك (وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ) زائدة (شَيْءٍ) لان وبال اضلالهم عليهم (وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ) القرآن (وَالْحِكْمَةَ) مافيه من الاحكام (وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ) من الاحكام والغيب (وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ) بذلك وغيره (عَظِيْمًا).**

آیت کا ترجمہ اور پس منظر بیان کرنے کے بعد تفسیر کیجئے اور بتایئے کہ "طائفة منهم" سے کون مراد ہیں، نیز "الحكمة" سے کیا مراد ہے۔ (پ۵۔نساء:۱۱۳) (کمالین ج ۱ ص ۶۱۴)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حاصل چار امور ہیں (۱) آیت کا ترجمہ (۲) آیت کا پس منظر (۳) آیت کی تفسیر (۴) طائفة منهم اور الحكمة کی مراد۔

**جواب** ...... **①** **آیت کا ترجمہ:۔** اور اگر آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا (اے محمد) اور اُس کی رحمت نہ ہوتی (عصمت کی دولت سے سرفراز کر کے) تو ان لوگوں میں سے (قومِ طعمہ) میں سے ایک جماعت نے پختہ ارادہ کر لیا گیا تھا کہ آپ کو غلط راستہ پر ڈال دیں (حق فیصلہ کو آپ ﷺ پر مشتبہ کرنے کے ذریعے) اور یہ لوگ آپ کو غلط راستے پر نہیں ڈال رہے مگر اپنی جانوں کو ہی نقصان پہنچا رہے ہیں (مِنْ زائدہ ہے، اُنکے گمراہ کرنے کا وبال خود اُن ہی کو ہوگا) اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر کتاب (قرآن) اور حکمت (احکامِ قرآن) نازل کئے ہیں اور جو تعلیم دی آپ ﷺ کو اُن باتوں کی جو آپ نہیں جانتے تھے (احکام اور غیب میں سے) اور آپ ﷺ پر (اس معاملہ میں) اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔

**②** **آیت کا پس منظر:۔** بنو بیرق کے ایک منافق شخص (بشیر) نے حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کی بخاری سے آٹا اور ہتھیار چرالئے۔ تلاش کے سلسلہ میں لوگوں کو بشیر پر شبہ ہوا تو بنو بیرق نے بشیر کی حمایت اور براءت کی اور چوری میں حضرت لبید رضی اللہ عنہ کا نام لے دیا۔ حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بھتیجے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے ذریعہ بارگاہِ رسالت میں صورتحال پیش کردی۔ آپ ﷺ نے تحقیق کا وعدہ فرما لیا۔ بنو بیرق کو خبر ہوئی تو اپنے ایک سردار اسیر کے پاس مشورہ کے لئے جمع ہوئے اور پھر سب مل کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ و حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی شکایت کی کہ وہ بلا تحقیق ایک دیندار گھرانہ پر چوری کا الزام لگا رہے ہیں۔ اس سے مقصود آپ ﷺ کی طرفداری اور ہمدردی حاصل کرنا تھا۔ خیر اس میں تو کامیابی نہ ہوئی لیکن جب حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ حاضرِ خدمت ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم ایسے لوگوں پر بے سند کیوں الزام لگاتے ہو؟ غرضیکہ انہوں نے اپنے چچا حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ سے جا کر جب یہ باتیں نقل کیں تو وہ اللہ پر بھروسہ کر کے خاموش ہو گئے جس پر یہ دو رکوع کی آیات "اَجْرًا عَظِیْمًا" تک نازل ہوئیں لیکن جب چوری ثابت ہو گئی اور مال مسروقہ برآمد ہو گیا اور وہ مالک کو دلایا گیا تو بشیر ناراض ہو کر مرتد ہو گیا اور مشرکین مکہ سے جاملا۔ اس پر آیت "وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ الخ" نازل ہوئی مکہ میں جا کر بھی حسب عادت بشیر نے کسی کے نقب لگایا کہ اتفاق سے اس پر دیوار گری اور وہ مر گیا۔

**③** **آیت کی تفسیر:۔** واقعہ کے پس منظر کے بعد تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کو خطاب کر کے ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر میرا فضل اور رحمت آپ کے ساتھ نہ ہوتی جس نے واقعہ کی حقیقت آپ کو بتلادی تو یہ لوگ آپ کو غلطی میں مبتلا کر سکتے تھے مگر یہ میرا فضل اور خصوصی کرم ہے کہ یہ لوگ آپ کو غلطی سے مبتلا نہیں کر سکتے۔ بلکہ خود ہی گمراہی اور ضرر میں مبتلا ہوتے ہیں اور آپ کو یہ ذرہ برابر بھی نقصان و ضرر نہیں پہنچا سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر کتاب و دانشمندی کی ایسی باتیں نازل فرمائیں جن کو آپ نہیں جانتے تھے۔

**④** **طائفة منهم اور الحكمة کی مراد:۔** "طائفة منهم" سے مراد بنو ابیرق، اس کا خاندان اور اس کے حمایتی لوگ ہیں اور الحكمة سے مراد آنحضرت ﷺ کی سنت اور تعلیمات ہیں۔

**الشق الثانی** ...... (ولاتكرهوا فتياتكم) اماء كم (على البغاء) الزنى (ان اردن تحصنا) تعففا عنه وهذه الارادة محل الاكراه فلا مفهوم للشرط (لتبتغوا) بالاكراه (عرض الحياة الدنيا ومن يكرههن فان الله من بعد اكراههن غفور) لهن (رحيم) بهن۔ (ولقد انزلنا اليكم آيات مبينات) بفتح الياء وكسرها فى هذه السورة بيّن فيها ما ذكر او بيّنة (ومثلًا) خبرًا عجيبًا وهو خبر ...... (ومن الذين خلوا من قبلكم) اى من جنس امثالهم اى اخبارهم العجيبة كخبر ...... (موعظة للمتقين) فى قوله تعالى (ولا تأخذكم بهما رأفة فى دين الله) (لولا اذ سمعتموه ظن المؤمنون) (ولولا اذ سمعتموه قلتم) (يعظكم الله ان تعودوا) وتخصيصها بالمتقين لانهم المنتفعون بها۔ (پ۱۸۔نور:۳۳،۳۴)

فيمن نزلت هذه الآية الكريمة؟ عرّفى مفهوم الشرط واذكر حكمه۔ ماهو المراد بقوله جل شانه "آيات مبينات، و مثلًا" كيف تحصل الموعظة فى الآيات التى ذكرها المفسر تفسيرًا للموعظة۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) آیات کے سببِ نزول والا شخص (۲) شرط کا مفہوم و حکم (۳) آیات مبینات، مثلًا کی مراد (۴) آیاتِ مذکورہ سے موعظہ کا حصول۔

**جواب** ...... ① **آیات کے سببِ نزول والا شخص:۔** یہ آیت عبداللہ بن ابی کے متعلق نازل ہوئی، روایات کے مطابق اس کی باندیاں تھیں (جن کی مختلف تعداد ذکر کی گئی ہے) جن سے وہ زنا کی کمائی کرواتا تھا۔انہوں نے خدمتِ نبوی ﷺ میں آکر شکایت کی تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (کمالین، مظہری)

② **شرط کا مفہوم وحکم:۔** بظاہر شرط کا مفہوم یہ ہے کہ اگر وہ عورتیں عفت پسند ہوں اور وہ پاکدامن رہنا چاہیں تو پھر ان کو زنا پر مجبور نہ کرو اور ان سے زبردستی زنا نہ کرواؤ۔اور اگر وہ پاکدامن رہنے کا ارادہ نہ کریں تو پھر انہیں کھلی آزادی دیدی جائے ان کو منع نہ کیا جائے۔

یہ شرط اپنے اس مفہوم مخالف کے اعتبار سے درست نہیں ہے۔قاضی بیضاویؒ نے فرمایا کہ اس جملہ میں **اِنْ** شرطیہ اکراہ کی قید نہیں ہے یعنی یہ قید احترازی نہیں ہے خواہ وہ پاکدامن رہنے کا ارادہ کریں یا نہ کریں بہر صورت ان کو زناء پر مجبور نہ کیا جائے، اُن سے زنا نہ کروایا جائے۔

میں کہتا ہوں کہ اس جگہ **اِنْ** شرطیہ **اِذَا** ظرفیہ کے معنی میں ہے، شرطیہ نہیں ہے اور سببِ نزول کے مطابق بھی یہی ہے کیونکہ واقعہ میں باندیوں نے پاکدامن رہنے کا ارادہ کیا تھا اور واقعہ کو شک کی صورت میں اسلئے ذکر کیا کہ باندیوں کی طرف سے پاکدامنی کی خواہش شاذ و نادر ہی ہوتی ہے اس میں آقاؤں کو زجر و تشنیع بھی ہے کہ باندیوں نے ضعیف العقل ہونے اور نفسانی خواہشات کے غلبہ کے باوجود پاکدامن رہنے کا ارادہ کرلیا تو تم کیسے غیرت مند مرد ہو کہ ان کو زناء پر مجبور کرتے ہو۔ (مظہری، معارف القرآن)

③ **آیات مبینات ، مثلًا کی مراد:۔** قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ آیات سے مراد اسی سورت میں بیان کردہ آیات ہیں جن میں احکام وحدود وغیرہ کو واضح کیا گیا ہے اور ان آیات کو واضح ہونے کی وجہ سے **مبینات** کہا گیا ہے کیونکہ سابقہ کتب اور عقولِ مستقیمہ ان آیات کی تصدیق کرتی ہیں۔

**مثلًا** سے مراد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قصہ اور سابقہ لوگوں میں سے حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کا قصہ ہے۔

④ **آیاتِ مذکورہ سے موعظة کا حصول:۔** "**ولا تأخذكم بهما رأفة فى دين الله**" اس آیت میں عدمِ ترحم کی تعلیم کے ساتھ نصیحت کی گئی ہے کہ زانی پر حد جاری کرنے کے معاملہ میں ترحم (نرم دلی) کے جذبہ کے ساتھ کارروائی نہ کی جائے کہ بالکل سزا نہ دی جائے یا سزا میں تخفیف کی جائے بلکہ پوری پوری سزا دی جائے کیونکہ سابقہ اُمتیں اِسی ترحم ورعایت کی وجہ سے تباہ وہلاک ہوئیں۔

"**لولا اذ سمعتموه ظن المؤمنون**" اس آیت میں اگرچہ امر کا صیغہ نہیں ہے مگر یہ کلمہ تمنا امر سے بھی زیادہ مؤکد ہے تو فرمایا کہ مؤمن کے لئے ضروری ہے کہ جب کسی کی برائی پر کوئی ثبوت یا معتبر گواہی وشہادت نہ ہو تو حسنِ ظن سے کام لیتے ہوئے اُس پر یقین نہیں کرنا چاہیے کیونکہ کسی پاکدامن پر زناء وغیرہ کی تہمت لگانا بہت بڑا گناہ ہے اور حد کا باعث ہے۔

"**ولولا اذ سمعتموه قلتم**" اس آیت میں دوبارہ اللہ تعالیٰ رد کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ تم لوگوں نے جس وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق اس واقعہ کی خبر سنی تھی تو تم پر حیرت ہے کہ تمہارے قلوب نے اُس خبر کو کس طرح قبول کرلیا تامل وتذبذب تو الگ رہا بلکہ سنتے ہی فوراً اسے قبول کرنے سے انکار کردینا چاہیے تھا اور کہنا چاہیے تھا کہ یہ بہت بڑا جھوٹ ہے۔

"**يعظكم الله ان تعودوا**" اس آیت میں واضح طور پر ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خصوصیت کے ساتھ تمہیں یہ وعظ ونصیحت کرتے ہیں اور واضح طور پر تمہیں منع کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کی طرح دوبارہ کوئی بھی اس طرح کی حرکت نہ کی جائے اور کسی پاکدامن، عفیف پر زناء وغیرہ کی تہمت نہ لگائی جائے اگر تم مسلمان ومؤمن ہو تو اس حرکت کا اعادہ نہ کرنا۔

0313 6597513 maktabazakariyaintl@gmail.com

## الورقة الاولى فى التفسير

### السوال الاوّل ۱۴۴۰ھ

**الشق الاوّل** ...... اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۗ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝ (پارہ ۲۔البقرۃ: ۱۵۸،۱۵۹)

آیات کا ترجمہ وخط کشیدہ کلمات کا مطلب لکھئے۔ آیات کا شان نزول تحریر کیجیے۔ متعین اشخاص پر لعنت بھیجنے کا حکم بیان کیجیے۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① آیات کا ترجمہ ② خط کشیدہ کلمات کا مطلب ③ آیات کا شان نزول ④ متعین اشخاص پر لعنت بھیجنے کا حکم۔

**جواب** ...... ① **آیات کا ترجمہ:۔** بے شک صفا ومروہ اللہ تعالیٰ کی یادگاروں میں سے ہیں، جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر ان دونوں پہاڑوں کا طواف کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اور جو شخص خوش دلی سے کرتا ہے کسی خیر کو تو اللہ تعالیٰ قدردانی کرنیوالے خوب جاننے والے ہیں۔ بے شک وہ لوگ جو چھپاتے ہیں ہمارے نازل کیے ہوئے واضح دلائل اور ہدایت کو باوجودیکہ ہم انہیں لوگوں کیلئے کتاب میں کھول کھول کر بیان کر چکے ہیں، ایسے لوگوں پر اللہ بھی لعنت بھیجتا ہے اور دیگر لعنت بھیجنے والے بھی لعنت بھیجتے ہیں۔

② **کلمات مخطوطہ کا مطلب:۔** **شَعَآئِرِ اللّٰهِ:** یہاں مضاف محذوف ہے، **ای اعلام دین الله**، یعنی صفا ومروہ اللہ تعالیٰ کے دین کی علامات ونشانیوں میں سے ہیں۔

**الْكِتٰبِ:** یہاں کتاب سے مراد تورات ہے۔

**حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ:** یہاں پر تلبس مراد ہے، یعنی جو شخص حج وعمرہ کے ساتھ متلبس ہو، حج وعمرہ کا احرام باندھنے والا ہو۔

**فَلَا جُنَاحَ:** یہاں پر عدم جناح بمعنی عدم گناہ دائم ہے یعنی سعی کی وجہ سے گناہ نہ ہوگا۔

**خَيْرًا:** یہ لفظ **منصوب بنزع الخافض** ہے **ای فعل ما لم یجب علیه من طواف و غیرہ۔**

**الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى:** بینات وھدی سے مراد سابقہ کتب میں آپ ﷺ کے متعلق نازل شدہ بشارتیں اور آیات رجم وغیرہ ہیں۔

③ **آیات کا شان نزول:۔** دور جاہلیت میں اساف ونائلہ دو بت تھے، جن کے متعلق مشہور تھا کہ یہ دونوں مرد وعورت تھے، انہوں نے مسجد حرام میں گناہ کا ارتکاب کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو مسخ کر دیا، پھر لوگوں نے عبرت کے لیے ان کو صفا ومروہ پر رکھ دیا تھا، کچھ عرصہ بعد بے وقوفی سے لوگوں نے ان کا طواف شروع کر دیا، اسلام لانے کے بعد لوگوں کو ان کے طواف میں تردد پیدا ہوا تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی کہ صفا ومروہ کی سعی میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (کمالین)

دوسری آیت کے متعلق حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت معاذ بن جبل، سعد بن معاذ اور خارجہ بن زیدؓ نے علماء یہود سے تورات کا کوئی مضمون دریافت کیا تو انہوں نے اس کو چھپالیا اور بتلانے سے صاف انکار کر دیا، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری)

④ **متعین اشخاص پر لعنت بھیجنے کا حکم:۔** جس کافر کے کفر کی حالت میں مرنے کا یقین نہ ہو اس پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے اور چونکہ ہمارے پاس کسی کے کفر پر مرنے کے یقینی علم کا ذریعہ نہیں ہے اس لیے کسی کافر کا نام لے کر اس پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے جن کافروں کا نام لے کر لعنت کی ہے آپ ﷺ کو ان کے کفر پر مرنے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم ہو گیا تھا، البتہ عام کافروں و ظالموں پر بغیر تعیین لعنت کرنا درست ہے۔ (معارف القرآن)

## الشق الثانی

...... اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ (پارہ ۵۔ النساء: ۵۸، ۵۹)

آیات کا ترجمہ کیجیے، خط کشیدہ کلمات کی تفسیر بطرز مصنف کیجیے، آیات کا شان نزول لکھیے۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں تین امور کا حل مطلوب ہے: ① آیات کا ترجمہ ② خط کشیدہ کلمات کی تفسیر ③ آیات کا شان نزول۔

**جواب** ...... ① **آیات کا ترجمہ:۔** بے شک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے تم کو اس بات کا کہ ادا کرو تم امانتیں ان کے اھل کی طرف اور جب تم فیصلہ کرنے لگو تو (حکم دیتا ہے) فیصلہ کرو تم عدل وانصاف کے ساتھ۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت اچھی نصیحت کرتا ہے تم کو بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔ اے ایمان والو! اطاعت کرو (حکم مانو) اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو رسول ﷺ کی اور اپنے میں سے **اولی الامر** کی۔ پھر اگر نزاع کرو تم کسی چیز کے بارے میں تو لوٹاؤ تم اس کو اللہ اور رسول کی طرف اگر تم اللہ پر اور روز

قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بات اچھی ہے اور انجام کے اعتبار سے بہت بہتر ہے۔

**②** **خط کشیدہ کلمات کی تفسیر:۔** **اَلْاَمَانَاتِ:** یہاں امانت سے مراد وہ تمام حقوق ہیں جو کسی کے ذمہ ہوں خواہ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو، یعنی فعلِ مامورات و ترکِ منکرات، خواہ اس کا تعلق انسان کے اپنے نفس سے ہو یعنی ہر عضو کے حق و امانت کی ادائیگی کرے، خواہ اس کا تعلق لوگوں کے حقوق یعنی عاریت و امانت وغیرہ کے ساتھ ہو۔

**نِعِمَّا:** یہ اصل میں "نعم" فعل مدح اور "ما" نکرہ موصوفہ ہے، بمعنی **نعم شيئا**، پھر میم کا میم میں ادغام کیا تو نِعِمَّا ہو گیا۔

**به:** ضمیر کا مرجع مذکورہ دونوں حکم (اداءِ امانت وعدل کے ساتھ فیصلہ) ہیں کہ اداءِ امانت وعدل کے ساتھ فیصلہ کرنا اچھی بات ہے۔

**فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ:** اللہ کی طرف رجوع سے مراد کتاب اللہ کی طرف رجوع کرنا ہے اور رسول ﷺ کی طرف رجوع سے مراد آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کی طرف اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی سنت کی طرف رجوع ہے۔ یعنی عمومی حالات میں کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کی طرف رجوع کرو۔

**تَأْوِيْلًا:** یہ رجوع کرنا تاویل یعنی مآل وانجام کے اعتبار سے بہتر ہے۔

**خَيْرٌ:** یعنی باہم جھگڑا کرنے اور رائے زنی کرنے سے کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کی طرف رجوع کرنا بہتر ہے۔

**③** **آیات کا شانِ نزول:۔** پہلی آیت کا شانِ نزول **شق ثانی سوال ثانی ۱۴۳۸ھ** میں گذر چکا ہے اور دوسری آیت کے متعلق بخاری ومسلم اور اصحابِ سنن نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ یہ آیت حضرت عبداللہ بن حذافہؓ کے متعلق نازل ہوئی جن کو آپ ﷺ نے ایک دستہ کے ساتھ بھیجا تھا۔ ابن جریر وابن ابی حاتم نے سدی کی روایت سے لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو ایک فوجی دستہ کے ساتھ بھیجا، اس لشکر میں حضرت عمار بن یاسرؓ بھی تھے، فوجی لشکر چڑھائی کے ارادے سے روانہ ہو گیا، جب یہ لوگ اس جگہ پہنچے تو سب لوگ بھاگ چکے تھے صرف ایک آدمی باقی تھا، اس نے حضرت عمارؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام کا اظہار کر دیا اور کلمہ پڑھ دیا، حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے اسے پناہ دے دی، جب صبح کے وقت لشکر حملہ آور ہوا تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اسکو کچھ نہ کہو یہ مسلمان ہو چکا ہے اور میری امان میں ہے، حضرت خالد وعمار رضی اللہ عنہما میں سخت کلامی ہوئی، واپسی پر معاملہ پیش ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی پناہ کو قائم رکھا اور آئندہ سردار کے خلاف ایسا کرنے سے منع فرمایا، اس موقع پر بھی دونوں میں سخت کلامی ہوئی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری)

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۰ھ

**الشق الاوّل** ......**يٰاَيها الذين آمنوا ليستأذنكم الذين ملكت ايمانكم من العبيد والاماء والذين لم يبلغوا الحلم منكم من الاحرار وعرفوا امر النساء ثلث مرات في ثلاثة اوقات من قبل صلاة الفجر وحين تضعون ثيابكم من الظهيرة ومن بعد صلاة العشاء ثلث عورات لكم بالرفع خبر مبتدأ مقدر بعده مضاف وقام المضاف اليه مقامه اى هى اوقات و بالنصب بتقدير اوقات منصوبًا بدلا من محل ما قبل قام المضاف اليه مقامه وهى لالقاء الثياب تبدو فيها العورات ليس عليكم ولا عليهم جناح بعدهن طوافون عليكم بعضكم على بعض كذلك يبين الله لكم الايات والله عليم حكيم** ۔(پ۱۸، نور:۵۸)

مکمل عبارت کی تشریح کریں۔ مفسر کی تشریح کے مطابق ثَلٰثُ کی ترکیب کریں۔ اوقاتِ ثلاثہ میں استیذان کا حکم بیان کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت کی تشریح ② ثَلٰثُ کی ترکیب کی وضاحت ③ اوقاتِ ثلاثہ میں استیذان کا حکم۔

**جواب** ...... **①** **عبارت کی تشریح:۔** اس آیت میں پردے کے احکام میں سے ایک حکم کا ذکر ہے کہ اے ایمان والو! تمہارے مملوک خواہ غلام ہوں یا باندیاں ہوں اور تمہارے قریب البلوغ لڑکے جو عورتوں میں دلچسپی رکھتے ہیں اور ان کے مسائل سے واقف ہیں وہ اِن تین اوقات میں سے کسی وقت میں گھر میں آنا چاہیں تو اجازت لیکر گھر میں داخل ہوں وہ تین اوقات یہ ہیں، نمازِ فجر سے پہلے، دوپہر کو جب تم

اپنے کپڑوں کو اتارتے ہو اور نمازِ عشاء کے بعد۔ اسلئے کہ یہ تین اوقات تمہارے پردے کے اوقات ہیں اور ان کے آنے سے بے پردگی و کشف ستر للغیر کا امکان ہے جو لاعلمی میں بھی مناسب نہیں ہے۔ ( ثَـلٰـثُ رفع کی حالت میں مبتدا محذوف کی خبر ہے اور اس مبتدا کے بعد مضاف بھی محذوف ہے اور یہ ثلٰث مضاف الیہ اُسی مضاف کے قائمقام ہے، تقدیرِ عبارت **ھی اوقاتُ ثلاثٌ** ہے۔ نصب کی حالت میں یہ مضاف محذوف اوقات کا مضاف الیہ ہے جو کہ ماقبل کے محل سے بدل واقع ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور مضاف الیہ (ثلٰث) مضاف محذوف کے قائمقام ہے، اب تقدیرِ عبارت **ھی الاوقات الثلٰثۃ لالقاء الثیاب تبدو فیھا العورات** ہے) ان تین اوقات کے علاوہ بقیہ اوقات میں اُن مملوک و بچوں پر اجازت مانگنے کی کوئی پابندی نہیں ہے اور وہ ان بقیہ اوقات میں تم پر بکثرت آنے جانے والے ہیں خدمت و کام کاج وغیرہ کیلئے، اسلئے بقیہ اوقات میں اجازت کی پابندی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے امور و مسائل کو خوب جاننے والا ہے اور خوب حکمت و دانائی والا ہے، اسی لئے تمہارے معاملات و مسائل کے موافق حکمت و دانائی سے مزین احکامات تم پر جاری کرتا رہتا ہے۔

② ثلٰث کی ترکیب کی وضاحت:۔ ابھی تشریح کے ضمن میں وضاحت ہو چکی ہے۔

③ اوقاتِ ثلاثہ میں استیذان کا حکم:۔ بغوی نے لکھا ہے کہ اس آیت کا حکم باقی ہے یا منسوخ ہے اس میں مختلف اقوال ہیں۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اُس وقت لوگوں کے گھروں پر نہ پردے تھے اور نہ حجاب، غلام بچے وغیرہ ایسے ہی گھروں میں آجاتے تھے اور گھر والوں کو ایسی حالت میں دیکھ لیتے تھے جس کی وجہ سے گھر والوں کو ناگواری ہوتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے یہ اجازت کا حکم نازل کیا، پھر جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مالی وسعت دی اور انہوں نے دروازوں کے پردے بنالئے تو اب اجازت کی ضرورت نہیں رہی، گویا اس اعتبار سے علت و سبب کے ختم ہونے کی وجہ سے یہ حکم منسوخ ہوگیا ہے۔

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم یہ حکم منسوخ نہیں ہوا بلکہ لوگوں نے اس کے موافق عمل کرنے میں سہولت سے کام لیا اور اس آیت کے حکم کو زیادہ اہمیت نہیں دی۔ صحیح یہ ہے کہ یہ حکم منسوخ نہیں ہے بلکہ طلبِ اجازت کے حکم کی علت یہ ہے کہ ان اوقات میں پردہ پوشی وغیرہ کا اہتمام نہیں رہتا، آیت **ثلٰث عورات** اسی مفہوم کو ظاہر کر رہی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب اِس زمانہ میں اوقاتِ ثلاثہ میں بھی ستر و پردہ پوشی کا رواج اور نظام قائم ہے تو پھر اِن اوقات میں بھی اجازت طلبی کی ضرورت نہیں ہے (گویا اصل حکم معلول بالعلت ہے)۔ (مظہری ج۸ ص۲۷۰)

اِس اوپر والی کلام سے اِن تین اوقات کی تخصیص کا سبب بھی معلوم ہوگیا کہ ان تین اوقات میں عموماً پردہ پوشی کا اہتمام نہیں رہتا۔ لہٰذا اگر یہ علت دیگر اوقات میں پائی جائے تو وہاں بھی یہی اجازت طلب کرنے والا حکم ہوگا اور اگر یہ علت اِن تین اوقات میں بھی نہ پائی جائے تو پھر ان اوقات میں بھی اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

**الشق الثانی** ...... اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۗ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۗ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۧ (پارہ ۱۔ الفاتحہ)

ترجمہ کیجیے، خط کشیدہ کلمات کی بطرز مصنف تفسیر کیجیے، سورت فاتحہ کی کتنی آیات ہیں اور اس سے پہلے **قولوا** کیوں مقدر مانتے ہیں؟ یوم الدین کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟

﴿ خلاصۂ سوال ﴾...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① سورت کا ترجمہ ② خط کشیدہ کلمات کی تفسیر ③ سورت فاتحہ کی آیات کی تعداد ④ سورت سے پہلے **قُوْلُوْا** مقدر ماننے کی وجہ ⑤ **یَوْمِ الدِّیْنِ** کی تخصیص کی وجہ۔

0313 63578 ... maktabazakariyamultan@gmail.com

**جواب** ...... ① سورت کا ترجمہ:۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے، بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے، قیامت کے دن کا مالک ہے، ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں، ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت عطاء فرما، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا، نہ ان لوگوں کا راستہ جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ گمراہ لوگوں کا راستہ۔

② خط کشیدہ کلمات کی تفسیر:۔ **اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ**: یہ جملہ خبریہ ہے اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرنا ہے کہ وہ مخلوق کی تمام تعریف کا مالک ہے، یعنی مخلوق کی تمام تعریفات اسی کیلئے ہیں، یا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات کا مستحق ہے کہ اسکی تعریف کرو۔

**اَلْعٰـلَمِیْنَ:** وہ انسان، جن، فرشتے و جانور ساری مخلوقات کا مالک ہے، ان مخلوقات میں سے ہر ایک کو عالم کہتے ہیں، چنانچہ عالم الانس اور عالم الجن بولا جاتا ہے۔ اور غیر ذوی العقول پر ذوی العقول کو غلبہ دیتے ہوئے "یاء ونون" کے ساتھ جمع لائی گئی ہے کیوں کہ جمع سالم "واؤ ونون" اور "یاء ونون" کے ساتھ صرف ذوی العقول کے لیے آتی ہے۔ اور جہان کو عالم اس لیے کہتے ہیں کہ عالم علامۃ سے ہے اور جہان اپنے بنانے اور پیدا کرنے والے کی پہچان کا ذریعہ و علامت ہے اس لیے جہان کو عالم کہتے ہیں۔

**اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ:** ہم توحید کے ذریعے صرف آپ ہی کی عبادت و پرستش کرتے ہیں اور اس عبادت وغیرہ پر آپ ہی کی مدد طلب کرتے اور چاہتے ہیں۔

**الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ:** اس سے یہود اور تمام سرکش و نافرمان مراد ہیں۔

**الضَّآلِّیْنَ:** اس سے نصاریٰ اور تمام وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ کے مرتبہ سے ناواقف و غلط کار رہیں۔

③ آیاتِ فاتحہ کی تعداد:۔ اس پر تمام ائمہ متفق ہیں کہ سورۃ فاتحہ کی سات آیات ہیں مگر ساتویں آیت کی تعیین میں اختلاف ہے۔ اور یہ اختلاف دراصل بِسْمِ اللّٰهِ کے فاتحہ کا جزو ہونے میں ہے۔ اگر بِسْمِ اللّٰهِ فاتحہ کا جزو ہے تو صِرَاطَ الَّذِیْنَ سے آخر تک ایک آیت ہے یا بِسْمِ اللّٰهِ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ایک ہی آیت ہیں اور آخری آیت غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ... الخ ہے۔ دوسرا مشہور قول یہ ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ فاتحہ کا جز نہیں ہے اور آخری آیت غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ... الخ ہے۔

④ سورت سے پہلے "قُوْلُوْا" مقدر ماننے کی وجہ:۔ علامہ زمخشری اور امام راغب کے مطابق مصنف رحمہ اللہ کی رائے بھی یہی ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے پہلے قُوْلُوْا کو مقدر مانا جائے تا کہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے مضمون سے تناسب رہے، گویا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ... الخ بھی بندے کا مقولہ ہے جیسا کہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ بندے کا مقولہ ہے، اگر یہ اللہ تعالیٰ کا مقولہ ہوتا تو اَلْحَمْدُ لِیْ ہونا چاہیے تھا۔ (کمالین)

⑤ یوم الدین کی تخصیص کی وجہ:۔ قیامت و جزاء کے دن کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں ظاہری طور پر اشیاء کا کوئی نہ کوئی مالک ہے مگر جزاء و بدلے کے دن کوئی بھی شخص کسی بھی چیز کی ملک کا دعویدار نہیں ہوگا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ؟ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۰ھ

**الشق الاوّل** ......ثُمَّ اَفِیْضُوْا یا قریش مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ ای من عرفة بان تقفوا بها معهم، و کانوا یقفون بالمزدلفة ترفعا عن الوقوف معهم ثم للترتیب فی الذکر وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ من ذنوبکم اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ للمؤمنین رَحِیْمٌ بهم فَاِذَا قَضَیْتُمْ ادیتم مَّنَاسِکَکُمْ عبادات حجکم بان رمیتم جمرة العقبة و حلقتم و طفتم و استقررتم بمنی فَاذْکُرُوا اللّٰهَ بالتکبیر و الثناء کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ کما کنتم تذکرونهم عند فراغ حجکم بالمفاخر اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا من ذکرکم ایاهم و نصب اشد علی الحال من ذکر المنصوب باذکروا اذ لو تأخر عنه لکان صفة له فَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا نصیبا فِی الدُّنْیَا فیؤتاه فیها وَمَالَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ نصیب۔ (پارہ۲۔البقرۃ:۱۹۹،۲۰۰) عبارت کا ترجمہ کیجیے، ان آیات میں کفار کو ان کے کس عمل سے روکا گیا ہے؟ ۔حج کے فرائض و واجبات ذکر کریں۔ اَشَدَّ ذِکْرًا کے منصوب ہونے کی وجہ بیان کیجیے۔

0313 6357810 maktabazakariyamultan@gmail.com

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت کا ترجمہ ② کفار کے ممنوعہ عمل کی وضاحت ③ حج کے فرائض و واجبات ④ اَشَدَّ ذِکْرًا کے منصوب ہونے کی وجہ۔

**جواب** ...... ① عبارت کا ترجمہ:۔ پھر واپس آؤ تم (اے قریش!) جہاں سے دیگر لوگ واپس آتے ہیں (یعنی عرفہ سے، بایں طور کہ تم لوگوں کے ساتھ ہی وقوف کرو، اور قریش دوسروں کے ساتھ وقوف کرنے سے خود کو اونچا سمجھتے ہوئے مزدلفہ میں وقوف کرتے تھے اور ثُمَّ ترتیب کیلئے ہے ذکر میں) اور تم اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو (اپنے گناہوں سے) بیشک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے

(مؤمنین کو) رحم کرنے والا ہے (ان پر) پس جب تم مکمل طور پر ادا کرلو اپنے اعمال کو (یعنی اپنے حج کی عبادات کو، بایں طور کہ جمرۂ عقبہ کی رمی اور حلق سے فارغ ہو جاؤ اور طواف کر کے منی میں قیام پذیر ہو جاؤ) تو اللہ کو یاد کرو (تکبیر و ثناء کے ذریعہ) جیسے تم اپنے آباؤ اجداد کو یاد کرتے ہو (جیسے تم حج سے فراغت کے وقت فخر کے ساتھ ان کا ذکر کرتے تھے) یا اس سے بھی بڑھ کر ذکر کرو (اپنے آباؤ اجداد کے ذکر سے بڑھ کر، اور **اشدّ** کا نصب **ذکرا** سے حال ہونے کی بناء پر ہے جو **اذکروا** کی وجہ سے منصوب ہے، اسلئے کہ اگر اس کو مؤخر کر دیا جاتا تو یہ اس کیلئے صفت بن جاتا) پس بعض لوگ ایسے ہیں جو جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں دے دیجئے (ہمارا حصہ) دنیا میں، چنانچہ وہ ان کو دے دیا جاتا ہے) اور اس شخص کیلئے آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔

**②** کفار کے ممنوعہ عمل کی وضاحت:۔ قریش نسلی و نسبی غرور کی وجہ سے اور تجارت وغیرہ کے انہماک کی وجہ سے حج کیلئے عرفات تک جانا بھی پسند نہ کرتے تھے بلکہ مزدلفہ میں ہی وقوف کر لیتے تھے، جبکہ دیگر لوگ عرفہ میں وقوف کر کے واپس آتے تھے تو اس آیت میں قریش کو مزدلفہ میں وقوف کر کے یہیں سے واپس لوٹنے سے منع کیا گیا ہے۔

**③** حج کے فرائض و واجبات:۔ حج کے تین فرائض ہیں: ① احرام باندھنا ② وقوفِ عرفہ کرنا ③ طوافِ زیارت کرنا۔ بعض نے نیت کو چوتھا فرض قرار دیا ہے۔

حج میں چھ واجبات ہیں: ① وقوفِ مزدلفہ کرنا ② رمیِ جمرات کرنا ③ حلق یا قصر کروانا ④ طوافِ صدر کرنا ⑤ سعی کرنا ⑥ قربانی کرنا (قارن یا متمتع کیلئے)

**④** اشدَّ ذکرًا کے منصوب ہونے کی وجہ:۔ مصدر **ذکرًا** **اذکروا** فعل کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور **اشدّ** اس سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ باقی **اشد** مقدم اسلئے ہے کہ تاخیر کی صورت میں صفت ہونے کا شبہ ہو سکتا ہے اور بلا فاصلہ لفظِ **ذکر** کا تکرار ہو جاتا اور اس تقدیم کی وجہ سے فاصلہ بھی پیدا ہو گیا۔

**الشق الثانی** ......**اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا كَبَآئِرَ مَا تُنۡهَوۡنَ عَنۡهُ** وهى ما ورد عليها وعيد كالقتل والزنا و السرقة وعن ابن عباس هى الى السبعمائةقرب **نُكَفِّرۡ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ** الصغائر بالطاعات **وَ نُدۡخِلۡكُمۡ مُّدۡخَلًا** بضم الميم و فتحها اى ادخالا او موضعا **كَرِيۡمًا** هو الجنة **وَلَا تَتَمَنَّوۡا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعۡضَكُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ** من جهة الدنيا او الدين لئلّا يؤدى الى التحاسد و التباغض **لِلرِّجَالِ نَصِيۡبٌ** ثواب **مِّمَّا اكۡتَسَبُوۡا** بسبب ما عملوا من الجهاد وغيره **وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيۡبٌ مِّمَّا اكۡتَسَبۡنَ** من طاعة ازواجهنّ و حفظ فروجهنّ..... **وَاسۡــئَلُوا** بهمزة و دونها **اللّٰهَ مِنۡ فَضۡلِهٖ** ما احتجتم اليه يعطيكم **اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمًا** ومنه محل الفضل و سوالكم ۔(پارہ ۵۔ نساء: ۳۱،۳۲)

عبارت کا ترجمہ کیجیے۔ کبائر کی تعریف اور تعداد کے بارے میں قولِ راجح ذکر کریں۔ **نکفر عنکم سیّئاتکم** میں تکفیرِ سیئات سے کیا مراد ہے؟ واضح کریں۔ دوسری آیت کا شانِ نزول بیان کیجیے۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت کا ترجمہ ② کبائر کی تعریف اور تعداد میں قولِ راجح ③ تکفیرِ سیئات کی مراد ④ دوسری آیت کا شانِ نزول۔

**جواب** ...... **①** عبارت کا ترجمہ:۔ اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے بچے رہو گے جن کی تم کو ممانعت کی جارہی ہے (اور کبیرہ گناہ وہ ہے جس پر وعید وارد ہوئی ہو، جیسے قتل کرنا، زنا کرنا، چوری کرنا۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ کبائر کی تعداد سات سو تک ہے) ہم تم سے تمہارے گناہ دور کر دیں گے (صغیرہ گناہ طاعات کی وجہ سے معاف کر دیں گے) اور ہم تم کو عزت والی جگہ (جو کہ جنت ہے) میں داخل کریں گے (میم کے ضمہ و فتحہ کے ساتھ، بمعنی ادخال مصدر یا موضعِ ادخال یعنی ظرف ہے) تم اس کی آرزو مت کرو جو فضیلت تم میں سے بعض کو بعض پر اللہ نے عطا فرمائی ہے (دینی یا دنیاوی لحاظ سے۔ تاکہ باہمی حسد و عداوت کا اندیشہ نہ ہو) مردوں کیلئے ان کے اعمال کا حصہ (ثواب) مقرر ہے (جہاد وغیرہ اعمال کے سبب سے) اور عورتوں کیلئے ان کے اعمال کا حصہ مقرر ہے (شوہروں کی اطاعت، شرمگاہوں کی حفاظت سے)..... اور اللہ سے درخواست کرو (ہمزہ کے ساتھ اور ہمزہ کے بغیر) اسکے فضل کی

0315 0531... maktabazakariyamultan@gmail.com

(کہ تمہاری ضروریات وہی پوری کرتا ہے) بلاشبہ اللہ سب کچھ جانتا ہے (اور انہی میں سے مواضعِ فضل اور تمہارے سوالات بھی ہیں)

② کبائر کی تعریف اور تعداد میں قولِ راجح:۔ گناہ کبیرہ کی تعیین اور تعارف میں مختلف روایات ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کبائر کی تعداد نو ہے: ① اشراک باللہ ② قتل النفس بغیر حق خواہ دوسرے نفس کا ہو یا اپنے نفس کا قتل ہو جس کو خودکشی کہتے ہیں ③ مؤمنہ آزاد عاقلہ بالغہ پر زنا کی تہمت لگانا ④ زنا کرنا ⑤ میدانِ جنگ میں کفار کے مقابلہ سے بھاگنا ⑥ کسی پر جادو کرنا ⑦ یتیم کا مال ناحق طریقہ سے کھانا ⑧ جائز امور میں مسلمان والدین کی نافرمانی کرنا ⑨ حدودِ حرم میں گناہ کرنا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان نو پر سود کھانے کا اضافہ کیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان دس پر چوری کرنے اور شراب پینے کا اضافہ کیا ہے۔

بعض حضرات نے ان میں ① لواطت ② جھوٹی گواہی ③ جھوٹی قسم ④ ڈاکہ ڈالنا ⑤ غیبت ⑥ جوا بازی کو بھی شامل کیا ہے تو کل تعداد اٹھارہ ہوگئی۔ بعض نے کہا ہے کہ ہر وہ گناہ جو مذکورہ بالا گناہوں میں سے کسی ایک کے برابر ہو یا اس سے زیادہ ہو کبیرہ ہے۔ بعض نے کہا کہ ہر وہ گناہ جس پر خصوصیت سے شارح کی طرف سے دھمکی وارد ہوئی ہو وہ کبیرہ ہے مثلاً جاندار کی تصویر بنانا۔

بعض حضرات نے کہا کہ ہر وہ معصیت جس پر معمولی سمجھ کر اصرار ہو وہ کبیرہ ہے اور جس سے استغفار کرلے وہ صغیرہ ہے۔

صاحبِ کفایہ کہتے ہیں کہ حق بات یہ ہے کہ یہ دونوں اضافی اسم ہیں ان کی بذاتہ کوئی تعریف نہیں بلکہ ہر گناہ اپنے ماتحت گناہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے کبیرہ ہے اور ہر گناہ اپنے مافوق گناہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے صغیرہ ہے۔ (بیان الفوائد ۲:۱۱۲)

راجح قول کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مقامات پر مختلف گناہوں کا کبیرہ ہونا بیان کیا ہے اور حالات کی مناسبت سے ان کی تعداد بھی کم و زیادہ بیان کی ہے، اسلئے کبائر کسی تعداد میں منحصر نہیں ہیں، بلکہ موقع و حالات کے مناسب جتنا سمجھا گیا وہ بیان کردیا گیا۔

③ تکفیرِ سیئات کی مراد:۔ سیّئات سے مراد صغیرہ گناہ ہیں یہ طاعات کی وجہ سے معاف ہوں گے بشرطیکہ کبائر سے بچے، اگر طاعات کا التزام نہیں ہے یا کبائر سے اجتناب نہیں ہے تو پھر صغائر بھی معاف نہ ہوں گے۔

④ دوسری آیت کا شانِ نزول:۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ مردوں کی بعض خصوصیات پر نظر کرتے ہوئے بطور اظہارِ تمنا عرض کیا کہ کاش! ہم بھی مرد ہوتے تو مردوں کی طرح ہم بھی میراث و دیگر احکام میں ان کے دوش بدوش ہوتے۔ یا کسی دوسری عورت نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مرد کو دوہری میراث ملتی ہے اور عورت کو آدھی میراث ملتی ہے اور گواہی بھی مرد کے مقابلہ میں آدھی ہے، شاید آخرت میں حساب و اجر بھی آدھا ملے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

## الورقة الاولىٰ فى التفسير

## السوال الاول ۱۴۴۱ھ

**الشق الاوّل** ......مَنۡ يَّشۡفَعۡ بين الناس شَفَاعَةً حَسَنَةً موافقة للشرع يَّكُنۡ لَّهٗ نَصِيۡبٌ من الاجر مِّنۡهَا بسببها وَمَنۡ يَّشۡفَعۡ شَفَاعَةً سَيِّئَةً مخالفة له يَّكُنۡ لَّهٗ كِفۡلٌ نصيب من الوزر مِّنۡهَا بسببها وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيۡءٍ مُّقِيۡتًا مقتدرا فيجازى كل احد بما عمل وَاِذَا حُيِّيۡتُمۡ بِتَحِيَّةٍ كأن قيل لكم سلام عليكم فَحَيُّوۡا المحيى بِاَحۡسَنَ مِنۡهَاۤ بأن تقولوا له وعليك السلام و رحمة الله و بركاته اَوۡ رُدُّوۡهَا بأن تقولوا كما قال اى الواجب احدهما والاول افضل اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيۡءٍ حَسِيۡبًا محاسبا فيجازى عليه و منه رد السلام، وخصّت السنة الكافر و المبتدع و الفاسق والمسلم على قاضى الحاجة و من فى الحمام والآكل ـ (پارہ ۵۔ نساء: ۸۵،۸۶) عبارت کا ترجمہ کیجیے۔ شفاعتِ حسنہ وسیئہ کی تشریح اور فضیلت ذکر کریں۔ سلام و ردِّ سلام واجب ہے یا سنت ہے؟ واضح کریں۔ نیز وخصّت السنة الخ کی تفصیل بیان کیجیے۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت کا ترجمہ ② شفاعتِ حسنہ وسیئہ کی تشریح اور فضیلت ③ سلام و ردِّ سلام کا حکم ④ وخصّت السنة الخ کی تفصیل۔

**جواب** ...... ① عبارت کا ترجمہ:۔ جو شخص (لوگوں میں) اچھی شفاعت وسفارش کرے (جو شریعت کے موافق ہو) تو شفاعت کرنے والے کیلئے شفاعت (کے اجر) کا کچھ حصہ ہوگا اور جو بری شفاعت کرے (جو شریعت کے مخالف ہو) اس کیلئے بری سفارش (کے گناہ) کا ایک حصہ ہوگا (گناہ کی وجہ سے) اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے (ایسا قادر کہ ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا)۔ اور جب کبھی تمہیں دعا دی جائے (مثلاً تمہیں السلام علیکم کہا جائے) پس تم اس سے بہتر جواب دو (بایں طور کہ تم وعلیك السلام و رحمة اللّٰه و برکاتہٗ کہو) یا اسی کو لوٹا دو (بایں طور کہ تم اسی طرح کہو جیسے اس نے کہا۔ یعنی ان دونوں میں سے ایک واجب ہے اور اول افضل ہے)، بیشک اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا (پس وہ اس کا بدلہ دیگا اور اسی میں سے سلام کا جواب بھی دینا ہے۔ اور سنت نے کافر، بدعتی، فاسق، قضاءِ حاجت میں مصروف مسلمان، حمام میں مشغول شخص اور کھانا کھانے والے شخص کو خاص کیا ہے یعنی جواب سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

② شفاعتِ حسنہ وسیئہ کی تشریح اور فضیلت:۔ شفاعتِ حسنہ: جس کا طریقہ ومقصد دونوں مشروع ہوں۔

شفاعتِ سیئہ: جس کا طریقہ اور مقصد میں سے کوئی ایک غیر مشروع ہو۔ (کمالین)

شفاعتِ حسنہ: جس میں مسلمانوں کے حق کی رعایت ہو، مسلمان سے ضرر کو دفع کرے اور اس کے فائدہ کی تدبیر کرے اور یہ سب کوشش محض اللہ کے واسطے ہو۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا لوگوں میں باہم صلح کرانا شفاعتِ حسنہ ہے۔ بعض نے کہا لوگوں کے درمیان اچھی بات کہنا شفاعتِ حسنہ ہے جس سے خیر اور ثواب کا حصول ہوتا ہے۔

شفاعتِ سیئہ: جس سے مسلمان اپنے حق سے محروم ہوتا ہو۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا بُری شفاعت چغلی کھاتے پھرنا ہے۔ بعض علماء نے کہا غیبت کرنا اور لوگوں میں بری بات کہنا جس سے شر اور برائی پیدا ہوتی ہو بری شفاعت ہے۔

فضیلت: شفاعت کرنے والے کے لئے شفاعت کے ثواب کا کچھ حصہ ہوگا۔ مجاہد نے کہا اس سے باہمی سفارش مراد ہے سفارشی کی سفارش اگر قبول نہ بھی کی جائے تب بھی سفارشی کو اس کی سفارش کا ثواب ملے گا۔

حضرت ابوموسیٰؓ اشعری نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ کی خدمت میں جب کوئی شخص کچھ مانگنے یا کسی اور کام کے لئے حاضر ہوتا تو آپ ہماری طرف متوجہ ہوکر فرماتے کہ تم سفارش کرو تمہیں ثواب ملے گا اور اللہ اپنے نبی کی زبان پر جو (الفاظ) چاہے گا جاری فرمادے گا۔ مسلمان کیلئے دعا کرنے کا شمار بھی شفاعتِ حسنہ میں ہے۔ حضرت ابودرداءؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے بھائی کیلئے اسکے پس پشت دعا کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں اے اللہ ایسا ہی کردے اور تیرے لئے بھی ایسا ہی ہو۔ (مظہری)

③ سلام وردِ سلام کا حکم:۔ ابتداء بالسلام سنت ہے اور یہی افضل ہے اور سلام کا جواب دینا واجب ہے۔ منفرد کیلئے ابتداء بالسلام سنت عینی اور جماعت کیلئے ابتداء بالسلام سنت کفائی ہے۔ اور سلام کا جواب دینا منفرد کیلئے فرضِ عینی اور جماعت کیلئے فرضِ کفائی ہے (کمالین)

سلام کا جواب فرض کفایہ ہے اگر جماعت میں سے کسی ایک نے دے دیا تو کافی ہے۔ حضرت علیؓ کا ارشاد منقول ہے کہ ایک جماعت گزرے اور ان میں سے ایک سلام کرلے تو کافی ہے اسی طرح بیٹھی ہوئی جماعت میں سے بھی اگر ایک شخص جواب دے دے تو کافی ہے۔ (تفسیر مظہری)

④ وخصّت السنة الخ کی تفصیل:۔ بدعتی، فاسق، قضاءِ حاجت میں مصروف مسلمان، حمام میں مشغول شخص کو جواب سے مستثنیٰ قرار دیا ہے یعنی اگر یہ لوگ سلام کریں تو سلام کا جواب دینا مکروہ ہے۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ شطرنج وچوسر کھیلنے والے، گویّا، قضاءِ حاجت کرنے والے، کبوتر باز اور برہنہ شخص کو سلام نہیں کرنا چاہئے۔ کافر کے سلام کے جواب میں صرف وعلیك کہنا چاہئے۔ (کمالین)

**الشق الثانی** ...... وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ بدلا عن الكفار كَمَا اسْتَخْلَفَ بالبناء للفاعل و المفعول الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ من بنى اسرائيل بدلا عن الجبابرة وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وهو الاسلام بأن يظهره على جميع الاديان و يوسع فى البلاد فيملكوها وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ با لتخفيف و التشديد مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ من الكفار اَمْنًا و قد انجز اللّٰه وعده لهم بما ذكره و اثنى عليهم بقوله يَعْبُدُوْنَنِىْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْئًا هو مستأنف فى حكم التعليل وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ الانعام

منھم بہٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ و اوّل من کفر بہ قتلۃ عثمانؓ فصاروا بعد ان کانوا اخوانا۔ (پارہ۱۸۔نور:۵۵)
عبارت کا ترجمہ کیجیے۔مذکورہ بالا وعدہ کب اور کیسے پورا ہوا؟۔ ھو مستأنف فی حکم التعدیل .....واوّل من کفر بہ قتلۃ عثمانؓ..... کی مختصر تشریح کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے:① عبارت کا ترجمہ ② وعدہ کا وقوع وکیفیت ③ ھو مستأنف فی حکم التعلیل......واوّل من کفر بہ قتلۃ عثمانؓ.....کی تشریح۔

**جواب** ...... **①** عبارت کا ترجمہ:۔ تم میں سے جولوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے اللہ نے ان کے متعلق وعدہ کرلیا ہے کہ زمین پر (کفار کے بجائے) ان کو خلیفہ ضرور بنائے گا جیسے ان سے پہلے لوگوں کو (ظالموں کے مقابلہ میں بنی اسرائیل کو) اس نے حکومت دی تھی اور جس دین کو اللہ نے ان کیلئے پسند کیا ہے اس کو ضرور ضرور قوت عطا کرے گا (اور وہ دین دینِ اسلام ہے، قوت کی صورت یہ ہوگی کہ اُسے دیگر تمام ادیان پر غلبہ عطاء کرے گا اور اُسے تمام ممالک میں پھیلادے گا اور وہ ان تمام ممالک پر قابض ہوں گے) اور خوف کے بعد بجائے ان (کفار کے) خوف کے ان کو امن عنایت کرے گا (یہ لفظ تخفیف وتشدید کے ساتھ ہے۔اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنا یہ ذکر کردہ وعدہ پورا کردیا) وہ میری عبادت کریں گے، کسی چیز کو میرا شریک نہیں ٹھہرائیں گے (یہ جملہ مستانفہ ہے جو کہ ماقبل کی علت کے حکم میں ہے) اور اس (انعام واکرام) کے بعد جولوگ کفر کریں گے سو یہی لوگ فاسق ہیں (اس وعدہ کے باوجود سب سے پہلے اسکی خلاف ورزی کرنے والے وہ لوگ تھے جنہوں نے حضرت عثمانؓ سے قتال کیا اور اسکے بعد برادر کُشی کا سلسلہ شروع ہوا)۔

**②** وعدہ کا وقوع وکیفیت:۔ روافض کہتے ہیں کہ یہ وعدہ امام مہدی کے زمانہ میں پورا ہوگا، جو کہ بالکل غلط ہے۔

یہ وعدہ دورِ نبوی وخلفاءِ راشدین کے زمانہ میں پورا ہوا، چنانچہ مکہ، خیبر، بحرین، پورا جزیرۃ العرب اور یمن آپ ﷺ کے زمانہ میں ہی فتح ہوئے۔ ہجر کے مجوسیوں اور شام کے بعض اطراف سے آپ ﷺ نے جزیہ وصول کیا۔ شاہِ روم ہرقل، شاہِ مصر واسکندریہ مقوقس، شاہانِ عمان وشاہِ حبشہ نجاشی نے آپ ﷺ کو تحائف بھیجے۔ حضرت ابوبکرؓ کے دور میں فتنوں کا خاتمہ ہوا، بلادِ فارس وبلادِ مصر وشام کی طرف اسلامی لشکر بھیجے گئے، بصریٰ ودمشق اور دیگر بعض علاقے فتح ہوئے۔ حضرت عمرؓ کے دور میں پورا ملکِ شام ومصر، فارس کا اکثر حصہ فتح ہوا، قیصر وکسریٰ کا خاتمہ ہوا۔ خلافتِ عثمانیؓ میں اسلامی فتوحات کا دائرہ مشارق ومغارب تک وسیع ہوگیا، بلادِ مغرب، اندلس اور قبرص تک، مشرقِ اقصیٰ میں بلادِ چین تک اور عراق، خراسان، اھواز وغیرہ سب علاقے آپ کے دور میں ہی فتح ہوئے۔ (معارف القرآن)

ابوالعالیہ نے کہا کہ اللہ نے اپنے نبی کو جزیرۃ العرب پر اقتدار عطا فرمایا سب عربوں نے ہتھیار رکھ دیئے اور مسلمان ہوگئے، رسول اللہ ﷺ کی وفات تک مسلمان اسی چین سے رہے پھر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے دور میں بھی امن وچین کی یہی حالت قائم رہی اور حضرت عثمانؓ کا دورِ خلافت بھی اسی طرح گزر گیا اور آخر میں جس خانہ جنگی کی مصیبت میں پھنسنا تھا پھنس گئے اور اللہ کی اس نعمت کے شکر گزار نہ بنے۔ (مظہری)

**③** عبارت کی تشریح:۔ ھو مستأنف فی حکم التعلیل......اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ یعبدوننی لایشرکون بی شیئا یہ بظاہر جملہ مستانفہ ہے مگر حکماً یہ ماقبل والے حکم (استخلاف، تمکین فی الارض، تبدیلی خوف بالامن) کی علت ہے یعنی خلافت ونیابت، دینِ اسلام کا تمام ادیان پر غلبہ اور خوف کو امن سے تبدیل کرنا عبادتِ خداوندی اور عدمِ شرک کے ساتھ معلول ومشروط ہے۔

واوّل من کفر بہ قتلۃ عثمانؓ.... بغوی نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے خداداد نعمت کی ناشکری کرنے والے وہ لوگ تھے جنہوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کیا، جب حضرت عثمانؓ کو انہوں نے شہید کردیا تو اللہ نے وہ نعمت بھی بدل ڈالی جوان کو عطا فرمائی تھی چنانچہ ان پر خوف طاری ہوگیا اور (دینی) بھائی بھائی ہونے کے باوجود آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے۔ (مظہری)

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۱ھ

**الشق الاوّل** ...... يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۚ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ① (پارہ۲۸۔الطلاق:۱)

0313 6350123 maktabatulamaria@gmail.com

ترجمہ کیجیے، خط کشیدہ کلمات کی بطرز مصنف تفسیر کیجیے، سورت کی ابتداء **یا أیھا النبی** سے کیوں ہوئی؟ کیا یہ احکام صرف نبی کریم ﷺ کے ساتھ مخصوص تھے؟۔ **مطلقہ** حائضہ وحاملہ، **متوفی عنھا زوجھا** حائضہ وحاملہ اور آئسہ کی عدت کیا ہے؟ طلاق کس حالت میں دینی چاہئے اور اس کی کیا دلیل ہے؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① آیت کا ترجمہ ② خط کشیدہ کلمات کی تفسیر ③ سورت کو **یــا أیھــا الـنبی** سے شروع کرنے کی وجہ اور مخاطب کی وضاحت ④ مطلقہ، متوفی عنہا زوجہا و آئسہ کی عدت ⑤ طلاق دینے کی حالت و دلیل۔

**جواب** ...... **①** آیت کا ترجمہ:۔ اے نبی! جب آپ لوگ عورتوں کو طلاق دینے لگو تو انہیں ان کی عدت کے وقت طلاق دو اور عدت کو اچھی طرح شمار کرو اور اللہ سے ڈرو جو تمہارا پروردگار ہے اور انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، مگر یہ کہ وہ کسی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں، اور یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں، اور جو شخص اللہ کی مقرر کردہ حدود سے نکل جائے (تجاوز کر جائے) اس نے خود اپنے نفس پر ظلم کیا، تم نہیں جانتے شاید اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی نئی بات پیدا کردے۔

**②** کلمات مخطوطہ کی تفسیر:۔ **طلّقتم**: جب تم طلاق دو یعنی طلاق کا ارادہ کرو، ارادہ مراد ہے تا کہ مابعد والا وقوع طلاق درست ہو سکے۔

**لعد تھن**: ان کی عدت کے وقت طلاق دو یعنی عدت کی ابتداء میں ایسے طہر میں طلاق دو جس میں عورت سے مباشرت نہ کی ہو۔

**احصوا العدة**: عدت کو اچھی طرح شمار کرو تا کہ اگر رجوع کی ضرورت پیش آئے تو عورت کے فارغ ہونے سے قبل عدت میں ہی رجوع ہو سکے۔

**فاحشة مبينة**: وہ کسی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں یعنی کوئی زنا وغیرہ کریں تو پھر بامر مجبوری باہر نکل سکتے ہیں۔

**امرا**: اللہ تعالیٰ کوئی نئی بات پیدا کردے یعنی ایک یا دو طلاق کی صورت میں باہم رجوع کی صورت پیدا ہو جائے۔

**③** سورت کو **یــا أیھــا النبی** سے شروع کرنے کی وجہ اور مخاطب کی وضاحت:۔ یہ احکام عام ہیں امت کے لیے بھی یہی احکام ہیں مگر **أیھــا النبی** سے خاص آپ ﷺ کو خطاب کرنے کی دو توجیہیں بیان کی گئی ہیں: ① یہاں حرف عطف و معطوف محذوف ہیں **ای یا أیھا النبی و امته!** گویا آپ کے رئیس القوم ہونے کی وجہ سے صرف آپ کو خطاب ہے، احکام عام ہیں۔ ② خطاب آپ ﷺ کو ہی ہے مگر احکام سب کیلئے عام ہیں۔ اس صورت میں عبارت محذوف ہے **یا أیھا النبی قل لھم** یعنی اے نبی! آپ اپنی امت سے کہہ دیں، گویا نبی کے واسطہ سے امت کے لیے حکم ہے۔

**④** مطلقہ، متوفی عنہا زوجہا و آئسہ کی عدت:۔ مطلقہ و متوفی عنہا زوجہا حاملہ ہو تو اسکی عدت وضع حمل ہی ہے، مطلقہ حائضہ آزاد کی عدت تین حیض اور لونڈی کی عدت دو حیض ہے۔ متوفی عنہا زوجہا آزاد کی عدت چار ماہ دس دن اور لونڈی کی عدت دو ماہ پانچ دن ہے۔ آئسہ (وہ عورت جو عمر کی زیادتی کی وجہ سے حیض سے ناامید ہو) کی عدت تین ماہ ہے ہر ایک ماہ ایک حیض کے مقابلہ میں ہے۔

**⑤** طلاق دینے کی حالت و دلیل:۔ اس آیت سے طلاق کے متعلق پہلا حکم باجماع امت یہ ثابت ہوا کہ حالتِ حیض میں بھی طلاق دینا حرام ہے اور ایسے طہر میں بھی طلاق دینا حرام ہے جس میں عورت سے مباشرت کی ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں عورت کی عدت طویل ہونے کی وجہ سے عورت کیلئے ضرر کا باعث ہے۔ اس حکم کی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے حیض کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دیدی تھی، آپ ﷺ کو علم ہوا تو سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ عورت کو لوٹا لے پھر ختم حیض تک روکے رکھے یہاں تک کہ عورت پاک ہو جائے پھر حیض آجائے پھر پاک ہو جائے۔ اسکے بعد اگر طلاق دینا چاہے تو طہارت کے وقت جس میں مباشرت نہ کی ہو طلاق دیدے۔ یہی ہے وہ عدت جس کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ (متفق علیہ بحوالہ معارف القرآن ومظہری)

**الشق الثانی** ......(ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتَاهُمَا).... وَكَانَتْ اِمْرَاَةُ نُوْحٍ.... تَقُوْلُ لِقَوْمِهٖ اِنَّهٗ مَجْنُوْنٌ وَامْرَاَةُ لُوْطٍ.... تَدُلُّ عَلٰى اَضْيَافِهٖ اِذَا نَزَلُوْا بِهٖ لَيْلًا بِاِيْقَادِ النَّارِ وَ نَهَارًا بِالتَّدْخِيْنِ (فَلَمْ يُغْنِيَا) اَىْ نُوْحٌ وَّ لُوْطٌ (عَنْهُمَا مِنَ

اللّٰہِ)مِنْ عَذَابِہٖ(شَیْئًا وَّقِیْلَ) لَھُمَا(ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّاخِلِیْنَ) ۔ (پارہ ۲۸۔التحریم:۱۰)

عبارت کا ترجمہ کیجیے، امرأۃ نوح اور امرأۃ لوط کے نام اور ان کی خیانتوں کا ذکر کیجیے، امرأۃ فرعون کون تھیں؟ اور فرعون نے انہیں کس طرح اذیت پہنچائی؟ امرأۃ فرعون کی فضیلت بطرزِ مصنف تحریر کیجیے۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① آیات کا ترجمہ ② امرأۃِ نوح ولوط کے نام اور ان کی خیانتیں ③ امرأۃ فرعون کا تعارف اور اذیت کی وضاحت ④ امرأۃِ فرعون کی فضیلت۔

**جواب** ...... **①** عبارت کا ترجمہ:۔(اللہ تعالیٰ حضرت نوح ولوط علیہما السلام کی بیوی کی مثال بیان کرتا ہے ان لوگوں کیلئے جنہوں نے کفر کیا، یہ دونوں عورتیں ہمارے ایسے دو بندوں کے نکاح میں تھیں جو نیک تھے پس انہوں نے انکے ساتھ خیانت کی) امرأۃِ نوح اپنی قوم سے کہتی تھی کہ یہ مجنون ہے اور امرأۃِ لوط اپنے مہمانوں کی اطلاع کرتی تھی جب وہ رات کے وقت آتے تو آگ جلانے کے ذریعہ اور جب وہ دن کو آتے تھے تو دھواں کرنے کے ذریعہ اطلاع کرتی تھی (تو یہ دونوں بندے) نوح ولوط علیہما السلام (اللہ تعالیٰ کے) عذاب کے (مقابلے میں انکے کچھ کام نہ آئے اور ان عورتوں سے کہا گیا کہ دوسرے داخل ہونے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی جہنم میں داخل ہو جاؤ۔

**②** امرأۃِ نوح ولوط علیہما السلام کے نام اور ان کی خیانتیں:۔ امرأۃ نوح کا نام معارف القرآن میں واغلہ یا داغلہ، کمالین میں واہلہ، تفسیر مظہری میں واعلہ ہے۔ اسکی خیانت یہ تھی کہ یہ لوگوں سے کہتی تھی کہ نوح دیوانہ ہے، اگر کوئی شخص حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لے آتا تو یہ اسکے متعلق قوم کو بتلا دیتی تھی۔ امرأۃِ لوط کا نام معارف القرآن میں بحوالہ قرطبی والہہ، کمالین میں واعلہ اور مظہری میں واہلہ ہے۔ اسکی خیانت یہ تھی کہ جب حضرت لوط علیہ السلام کے پاس کوئی مہمان آتا تو یہ دن کے وقت قوم کو آنے والے مہمان کی اطلاع کیلئے دھواں کر دیتی اور رات کو آنے والے مہمان کی اطلاع کیلئے آگ روشن کر دیتی، گویا اسکی خیانت قوم کو مہمان آنے کی اطلاع کرنا تھا۔

تفسیر مظہری میں لکھا ہے کہ خیانت سے مراد ان کا کافر و منافق ہونا ہے، زانی و بدکار ہونا نہیں۔ کلبی نے کہا کہ خیانت سے مراد یہ کہ انہوں نے دل میں نفاق چھپا رکھا تھا اور بظاہر مؤمن تھیں۔ (مظہری)

**③** امرأۃِ فرعون کا تعارف اور اذیت کی وضاحت:۔ امرأۃ فرعون کا نام آسیہ بنت مزاحم تھا، اس نے ہی موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کی تھی اور یہ موسیٰ علیہ السلام کی مددگار تھی، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جادوگروں پر غالب آ گئے اور ان کی سچائی پر حضرت آسیہ کو یقین آ گیا تو وہ ایمان لے آئیں، فرعون کو اُن کے ایمان کی خبر ہوئی تو اس نے ان کو طرح طرح کی ایذائیں دیں، یہاں تک کہ چومیخا کروا کر دھوپ میں ڈال دیا تاکہ حرکت نہ کر سکیں اور ان کی چھاتی پر بڑا پتھر رکھ دیا، جب سنتری وہاں سے واپس ہوتے تو فرشتے ان پر سایہ کر کے کھڑے ہو جاتے تھے، اسی حال میں انہوں نے یہ دعا کی جو قبول ہوئی اور ان کی روح قبض کر لی گئی۔

**④** امرأۃِ فرعون کی فضیلت:۔ مصنفؒ کی تفسیر کے مطابق جب ان کو سزا دی جارہی تھی اور انہوں نے جنت میں گھر بنانے کی دعا کی تو سزا کے دوران ہی ان پر جنت منکشف ہو گئی جسے دیکھ کر انہیں سزا ہلکی معلوم ہونے لگی۔ ابنِ کیسان کے قول کے مطابق حضرت آسیہ زندہ اٹھائی گئی ہیں اور وہ کھاتی پیتی ہیں۔ فرشتوں کا ان پر دھوپ میں سایہ کرنا اور تکلیف میں ان پر جنت کا منکشف ہونا باعثِ فضیلت ہے۔

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۱ھ

**الشق الاوّل** ......(یٰایھا الّذین اٰمنوا ادخلوا فی السِلمِ) بفتحِ السّین وکسرھا: الاسلام (کآفّۃ) حال من السلم ای فی جمیع شرائعہ (ولا تتّبِعوا خطوٰتِ) طرق (الشیطنِ) ای تزیینہ بالتفریق (انہٗ لکم عدوّ مبِین) بیّن العداوۃ (فاِن زللتم) ملتم عن الدخول فی جمیعہ (مِن بعدِ ما جآء تکم البیّنٰت) الحجج الظاھرۃ علی انّہ حق (فاعلموا انّ اللّٰہ عزِیز) لایعجزہ شیئ عن انتقامہ منکم (حکیم) فی صنعہٖ ۔ (پ۲۔ بقرہ:۲۰۸، ۲۰۹)

عبارت کا دل نشیں ترجمہ و شانِ نزول تحریر کریں۔ تفسیری کلمات کی واضح تشریح کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل تین امور ہیں ① عبارت کا ترجمہ ② آیات کا شانِ نزول ③ تفسیری کلمات کی تشریح۔

**جواب** ...... **①** عبارت کا ترجمہ:۔ (اے ایمان والو! داخل ہو جاؤ اسلام میں) سلم سین کے کسرہ و فتحہ کے ساتھ ہے (پورے کے

پورے ) یہ لفظ سلم سے حال ہے، یعنی تمام احکامِ دین میں داخل ہو جاؤ (اور مت چلو شیطان کے قدم بقدم) اسکے راستہ وطریقہ پر، یعنی تفریق کے ذریعہ اسکی آرائش کی پیروی نہ کرو (بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے) اسکی عداوت ودشمنی بالکل واضح ہے (پھر اگر تم نے لغزش کھائی) تم نے اسلام میں مکمل داخل ہونے سے اعراض کیا (بعد اس کے کہ تم تک واضح دلائل آ گئے) کہ اسلام ہی دینِ حق ہے (تو تم جان لو کہ بیشک اللہ غالب ہے) اسے کوئی چیز اسکے انتقام لینے سے نہیں روک سکتی (حکمت والا ہے) اپنی صنعت وکاریگری میں۔

**② آیات کا شانِ نزول:۔** ابن جریرؒ نے عکرمہؒ سے روایت کیا ہے کہ یہود میں سے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے ان میں سے حضرت عبداللہ بن سلام اور ثعلبہ اور ابن یامین اور اسد واسید کعب کے بیٹے اور سعید بن عمرو اور قیس بن زید نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہم ہفتہ کے دن کی تعظیم کیا کرتے تھے اب بھی ہم کو آپ اجازت دیجئے کہ اس کی توقیر کیا کریں اور تورات بھی تو آخر کتاب الٰہی ہے، اس کو ہم رات کو کھڑے ہو کر پڑھا کریں۔ علامہ بغویؒ نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ اسلام لانے کے بعد بھی یہ لوگ اونٹ کے دودھ اور گوشت کو حرام جانتے تھے اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (مظہری)

حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ جو اہل کتاب کے علماء میں سے تھے ان کے نزدیک ہفتہ کا دن محترم تھا اور اونٹ کا گوشت حرام تھا، ان حضرات کو اسلام لانے کے بعد خیال ہوا کہ شریعت موسوی میں ہفتہ کے دن کی تعظیم واجب تھی اور شریعت محمدیہ میں اس کی بے تعظیمی واجب نہیں، اسی طرح شریعت موسوی میں اونٹ کا گوشت حرام تھا اور شریعت محمدیہ میں اس کا کھانا فرض نہیں، سو اگر ہم بدستور ہفتہ کی تعظیم کرتے رہیں اور اونٹ کا گوشت باوجود حلال اعتقاد رکھنے کے صرف عملاً ترک کر دیں تو شریعت موسوی کی بھی رعایت ہو جائے گی اور شریعتِ محمدیہ کے بھی خلاف نہ ہوگا اور اس میں خدا تعالیٰ کی زیادہ اطاعت اور دین کی زیادہ رعایت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے اس خیال کی اصلاح کرتے ہوئے یہ آیات نازل فرمائیں جن کا حاصل یہ ہے کہ اسلام کامل فرض ہے اور اس کا کامل ہونا تب ہے کہ جو امر اسلام میں قابل رعایت نہ ہو اس کی رعایت دین ہونے کی حیثیت سے نہ کی جائے اور ایسے امر کو دین سمجھنا ایک شیطانی لغزش ہے۔ (جمالین)

**③ تفسیری کلمات کی تشریح:۔** **بفتح السّین وکسرھا:** اس عبارت کے ذریعہ **السلم** کا ضبطِ اعراب ہے۔

**الاسلام : السلم** کا معنی بیان کر دیا کہ سِلم کا معنی اسلام ہے۔

**حال من السلم:** کہہ کر **کافّۃ** کی ترکیب کی طرف اشارہ ہے اور ان لوگوں پر رد ہے جنہوں نے اسے مصدر محذوف **(ادخالا)** کی صفت بنایا ہے، رد کی وجہ یہ ہے کہ ابن ہشام نے کہا ہے کہ **کافّۃ** نکرہ وحال ہونے کیلئے خاص ہے۔

**ای فی جمیع شرائعہ:** سے اشارہ کر دیا کہ اسلام سے جمیع شرائع والاحکام مراد ہیں، اور شرائع کے ذوات الاجزاء ہونے کی وجہ سے **کافّۃ** کا **السلم** سے حال واقع ہونا بھی درست ہے۔

**طرق:** ایک اشکال (شیطان کے قدم نہیں ہیں) کا جواب دے دیا کہ حال یعنی قدم بول کر محل یعنی راستہ مراد ہے۔

**ای تزیینہ بالتفریق:** تقدیرِ عبارت کی طرف اشارہ ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہے کہ تفریق کے ذریعہ شیطانی تزیین یعنی اسکے وساوس کی اتباع وپیروی نہ کرو۔

**بیّن العداوۃ:عدوّ مبین** کے حاصل مفہوم کی طرف اشارہ ہے کہ وہ تمہارا واضح دشمن ہے یعنی اسکی تم سے عداوت ودشمنی واضح ہے۔

**ملتم عن الدخول فی جمیعہ:زللتم** کے معنی ومتعلق کی طرف اشارہ ہے کہ اگر تم نے اسلام میں مکمل داخل ہونے سے اعراض کیا۔

**الحجج الظاھرۃعلٰی انّہ حق: بیّنات** کے معنی ومتعلق کی طرف اشارہ ہے کہ تمہارے پاس دینِ اسلام کے سچا ودینِ برحق ہونے کے واضح دلائل آ گئے۔

**لایعجزہ شیئ عن انتقامہ منکم: عزیز** پر مرتب نتیجہ کا ذکر ہے کہ جب وہ ہستی سب پر غالب ہے تو کوئی چیز اُسے انتقام لینے سے نہیں روک سکتی۔

0313 6307913 maktabazakariyamultan@gmail.com

في صنعه: حکیم کے متعلق کا ذکر ہے کہ وہ ذات اپنی صنعت وکاریگری میں خوب حکمت والی ہے،اس کا کوئی کام وصنعت بے حکمت و بے فائدہ نہیں ہے۔(جمالین وکمالین)

**الشق الثانی**......(یٰاَیُّھَا الذِیْنَ اٰمَنُوا لا تأکلوا اموالکم بینکم بِالباطِلِ) بالحرام فی الشرع کالربا والغصب (اِلّا) لٰکن (ان تکون تِجارةً عن تراضٍ مِنکم) وطیب نفس فلکم ان تأکلوها (ولا تقتلوا انفسکم) بِارتکاب ما یؤدّی الی هلاکها ایًّا کان فی الدنیا او الآخرة بقرینة (اِنَّ اللّٰه کان بکم رحِیما) فی منعه لکم من ذٰلك (ومن یفعل ذٰلك) ای ما نهی عنه (عدوانا) تجاوزًا للحلال، حال (وظلما) تاکید (فسوف نصلِیهِ) ندخله (نارا) یحترق فیها (وکان ذٰلك علی اللّٰهِ یسِیرا) هیِّنًا (اِن تجتنِبوا کبآئِرَ ما تنهون عنه نکفِّر عنکم سیِّاٰتِکم وندخِلکم مدخلا کریما)

عبارت کا ترجمہ کریں۔تفسیری کلمات کی روشنی میں پہلی دونوں آیات کی تفسیر کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے:① عبارت کا ترجمہ ② پہلی دونوں آیات کی تفسیر۔

**جواب**...... ① عبارت کا ترجمہ:۔ (اے ایمان والو! ایک دوسرے کے اموال آپس میں ناحق نہ کھاؤ) شریعت میں حرام کردہ طریقہ سے، جیسے سود وغصب کا مال (مگر یہ کہ تجارت ہو آپس کی رضا مندی سے) اور نفس کی خوشی سے تو پھر تمہارے لئے اس کو کھانا مباح ہے (اور آپس میں ایک دوسرے کو قتل بھی نہ کرو) ہلاکت والی چیز کے ارتکاب کے ذریعہ، خواہ وہ ہلاکت دنیا میں ہو یا آخرت میں ہو (اِنَّ اللّٰہ کان بکم رحِیما) کے قرینہ کی وجہ سے (بیشک اللہ تم پر مہربان ہے) تمہیں اس ہلاکت سے منع کرنے کی وجہ سے (جو شخص یہ عمل کرے گا) یعنی جس سے منع کیا گیا ہے (تعدّی) حلال سے تجاوز کرتے ہوئے، یہ حال ہے (اور ظلم کے طور پر) یہ تاکید ہے (تو ہم عنقریب اس کو آگ میں ڈالیں گے) داخل کریں گے، وہ اس میں جلتا رہے گا (اور یہ امر اللہ تعالیٰ کیلئے بالکل آسان ہے۔ اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے بچے رہو گے جن کی تم کو ممانعت کی جارہی ہے تو ہم تم سے تمہارے چھوٹے گناہ دور کردیں گے اور ہم تمہیں عزت والی جگہ میں داخل کریں گے۔

② پہلی دونوں آیات کی تفسیر:۔ اے ایمان والو! اپنے آپس کے مال ناجائز وباطل طریقہ سے مت کھاؤ، باطل میں دھوکہ، فریب، جعلسازی، ملاوٹ کے ساتھ وہ تمام کاروبار بھی شامل ہیں جن سے شریعت نے منع فرمایا ہے، جیسے قمار، ربا وغیرہ۔ اسی طرح ممنوع اور حرام چیزوں کا کاروبار کرنا بھی شامل ہے مثلاً بلاضرورت فوٹو گرافی، ویڈیو، ٹی وی، وی سی آر، ویڈیو فلمیں اور فحش کیسٹیں وغیرہ ان کا بنانا، بیچنا، مرمت کرنا سب ناجائز ہے۔ البتہ دوسروں کا مال باہمی رضامندی سے کھایا جائے خواہ تجارت کی صورت میں ہو یا اور دیگر کسی طریقہ سے، سب معاش کے طریقوں میں تجارت چونکہ افضل طریقہ ہے اسی لئے بطور خاص تجارت کا ذکر کیا ہے ورنہ ہدیہ ہبہ ملازمت، اجرت وغیرہ سب حلال مال میں داخل ہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ تم خود کو قتل نہ کرو، اس میں باتفاق مفسرین خودکشی بھی داخل ہے اور دوسرں کا قتل بھی، اور ارتکابِ معصیت بھی جو دنیوی اور اخروی ہلاکت کا باعث ہے۔

بیشک اللہ تم پر بڑا ہی مہربان ہے یعنی انتہائی رحمت کی وجہ سے ہی اس نے تمہیں نیکیوں کا حکم دیا اور برائیوں سے روکا ہے۔ بعض علماء نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا کہ اللہ نے بنی اسرائیل کی توبہ قبول ہونے کی یہ شکل بتائی تھی کہ خود ایک دوسرے کو قتل کریں لیکن تم پر اللہ کی یہ رحمت ہے کہ اس نے تمہارے لئے قبول توبہ کی صورت قائم نہیں کی بلکہ ندامت اور استغفار ہی کو تمہاری توبہ قرار دے دیا۔

جو شخص ناحق کسی کا مال کھائے گا یا ناحق کسی کو قتل کرے گا تو قصداً دوسرے پر زیادتی کرنے کی وجہ سے اور اپنی جان پر ظلم کرنے کی وجہ سے ہم آخرت میں اس کو جہنم کی آگ میں داخل کریں گے چونکہ کسی کا مال بغیر استحقاق کے کھانا اور کسی کو ناحق قتل کرنا موجب عذاب ہے اس لئے یہ فعل فی الحقیقت اپنے اوپر خود ظلم ہوگا، اور آگ میں داخل کرنا اللہ کے لئے سہل ہے۔ جو شخص غیر کے مال کو ناجائز طور پر کھانا اور کسی کو ناحق قتل کرنا حلال سمجھتا ہے اس کیلئے یہ دوامی عذاب کی وعید ہے جس سے کبھی رہائی نہ ہوگی اور جو لوگ

حلال نہیں سمجھتے مگر ارتکاب کرتے ہیں ان کیلئے دائمی عذاب کی یہ وعید نہیں بلکہ دوزخ کا مستحق بنانے کو ظاہر کر رہی ہے ہوسکتا ہے کہ اگر اللہ چاہے تو معاف فرما دے۔ (جمالین)

**الشق الثانی** ...... **لَاتَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا قَدْ یَعْلَمُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ یَتَسَلَّلُوْنَ مِنْکُمْ لِوَاذًا) اَیْ یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْمَسْجِدِ فِی الْخُطْبَۃِ مِنْ غَیْرِ اِسْتِیْذَانٍ خُفْیَۃً مُسْتَتِرِیْنَ بِشَیْئٍ وَ قَدْ لِلتَّحْقِیْقِ (فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِہٖ) اَیِ اللّٰہِ اَوْ رَسُوْلِہٖ (اَنْ تُصِیْبَھُمْ فِتْنَۃٌ) بَلَاءٌ (اَوْ یُصِیْبَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ)۔**

عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔ **لَاتَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ** کا مطلب لکھ کر آیت کی جامع تفسیر تحریر کریں۔ **یَتَسَلَّلُوْنَ** اور **لِوَاذًا** کی صرفی تحقیق کرکے بتائیں کہ **لِوَاذًا** ترکیب میں کیا واقع ہے؟ (پارہ ۱۸۔ النور: ۶۳)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت پر اعراب ② عبارت کا ترجمہ ③ جملہ کا مطلب و آیت کی جامع تفسیر ④ **یَتَسَلَّلُوْنَ** اور **لِوَاذًا** کی صرفی تحقیق، **لِوَاذًا** ترکیب۔

**جواب** ...... **①** عبارت پر اعراب:۔ **کما مرّ فی السوال آنفا۔**

**②** عبارت کا ترجمہ:۔ (تم رسول کے بلانے کو آپس میں ایسا قرار نہ دو جیسا کہ تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو، تحقیق تم میں سے جو لوگ دوسروں کی آڑ لے کر چپکے سے، کھسک جاتے ہیں اللہ ان سے خوب واقف ہے) یعنی خطبہ کے دوران مسجد سے اجازت طلب کئے بغیر کسی چیز کی آڑ لیکر چپکے سے نکل جاتے ہیں۔ **قد** تحقیق کیلئے ہے (پس جو لوگ) اللہ یا اسکے رسول (کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو اس سے ڈرنا چاہئے کہ ان پر دنیا میں کوئی فتنہ) آفت (نہ آن پڑے یا آخرت میں ان پر کوئی دردناک عذاب نہ آ جائے۔

**③** جملہ کا مطلب و آیت کی جامع تفسیر:۔ آیت کا حاصل یہ ہے کہ تم لوگ رسول اللہ ﷺ کے بلانے کو جب وہ کسی اسلامی ضرورت کیلئے تمہیں بلائیں تو اُسے ایسا معمولی بلانا نہ سمجھو جیسا تم ایک دوسرے کو بلا لیتے ہو کہ چاہے آیا یا نہ آیا پھر آ کر بھی جب تک چاہا بیٹھا جب چاہا اٹھ کر بغیر اجازت چل دیا، رسول کا بلانا ایسا نہیں بلکہ ان کے اس حکم کی تعمیل واجب ہے اور بغیر اجازت واپس جانا حرام ہے اور اگر کوئی بلا اجازت چلا گیا تو یہ ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس کا جانا مخفی رہ جائے لیکن یہ یاد رکھو کہ اللہ تعالی ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو تم میں سے دوسرے کی آڑ لیکر مجلس نبوی سے کھسک جاتے ہیں تو جو لوگ اللہ کے حکم کی جو بواسطۂ رسول پہنچا ہے مخالفت کرتے ہیں ان کو اس سے ڈرنا چاہئے کہ ان پر دنیا میں کوئی آفت آن پڑے یا ان پر آخرت میں کوئی دردناک عذاب نازل ہو جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ دنیا آخرت دونوں میں عذاب ہو۔

اس جملہ کی ایک تفسیر اوپر بیان کی گئی ہے کہ **دعاء الرسول** سے مراد رسول اللہ ﷺ کا لوگوں کو بلانا ہے جو نحوی قاعدہ سے اضافت الی الفاعل ہے اور آیت کا معنی یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جب لوگوں کو بلائیں تو اس کو عام لوگوں کے بلانے کی طرح نہ سمجھو کہ اس میں آنے نہ آنے کا اختیار رہتا ہے بلکہ اس وقت آنا فرض ہو جاتا ہے اور بغیر اجازت جانا حرام ہو جاتا ہے۔ آیت کے سیاق و سباق سے یہ تفسیر زیادہ مناسب رکھتی ہے اسی لئے مظہری اور بیان القرآن میں اس کو اختیار کیا گیا ہے اور اس کی ایک تفسیر حضرت عبداللہ ابن عباس سے ابن کثیر اور قرطبی وغیرہ نے یہ نقل کی ہے کہ دعاء الرسول سے مراد لوگوں کا رسول ﷺ کو کسی کام کیلئے پکارنا اور بلانا ہے جو نحوی ترکیب میں اضافت الی المفعول ہوگی۔ اس تفسیر کی بنا پر آیت کا معنی یہ ہوگا کہ جب تم رسول اللہ ﷺ کو کسی ضرورت سے بلاؤ یا مخاطب کرو تو عام لوگوں کی طرح آپ کا نام لے کر یا محمد نہ کہو، یہ بے ادبی ہے بلکہ تعظیمی القاب کے ساتھ یا رسول اللہ یا نبی اللہ وغیرہ کہا کرو۔ اس کا حاصل رسول اللہ ﷺ کی تعظیم و توقیر کا مسلمانوں پر واجب ہونا اور ہر ایسی چیز سے بچنا ہے جو ادب کے خلاف ہو یا جس سے آنحضرت ﷺ کو تکلیف پہنچے۔ اس دوسری تفسیر میں ایک عام ادب بزرگوں اور بڑوں کا بھی معلوم ہوا کہ اپنے بزرگوں و بڑوں کو ان کا نام لے کر پکارنا اور بلانا بے ادبی ہے، تعظیمی لقب سے مخاطب کرنا چاہئے۔ (معارف القرآن)

**④** **یَتَسَلَّلُوْنَ** اور **لِوَاذًا** کی صرفی تحقیق، **لِوَاذًا** کی ترکیب:۔

**یَتَسَلَّلُوْنَ**: صیغہ جمع مذکر غائب فعل مضارع معلوم از مصدر **تَسَلُّلًا** (تفعل۔ مضاعف) بمعنی چپکے سے کھسکنا۔

لِوَاذًا یہ باب مفاعلہ کا مصدر ہے بمعنی دوسرے کی پناہ پکڑنا و چمٹنا، کسی چیز کے ذریعہ سے چھپ جانا آڑ پکڑنا۔ (مظہری)

ترکیب: ① یَتَسَلَّلُوْنَ یا یُلَاوِذُوْنَ (فعل محذوف) کا مفعول مطلق ہے ② موضع حال میں واقع ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ (جمالین)

## ﴿الورقة الاولىٰ: فى التفسير﴾

## ﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۴۲ھ

**الشق الاوّل** ......(فَتَلَقّٰى آدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمَاتٍ) الهمه ايّاها، و فى قراءة بنصب آدم، ورفع كلمات اى جاء ته فدعا بها..... (فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ) علىٰ عباده (الرَّحِيْمُ) بهم (قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا) من الجنة (جَمِيْعًا) كرّره ليعطف عليه (فَاِمَّا) فيه ادغام نون ان الشرطية فى المزيدة (يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى) كتاب و رسول (فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ) فامن بى و عمل بطاعتى (فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ) فى الآخرة بان يدخلوا الجنة (وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِآيٰتِنَآ) كتبنا (اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ) ماكثون ابدا لايفنون و لايخرجون۔ (پ۱۔ بقرۃ: ۳۷ تا ۳۹)

عبارت کا ترجمہ کریں۔ تفسیری کلمات کی روشنی میں واضح تفسیر کریں۔ حضرت آدم علیہ السلام کا وہ کونسا عمل تھا جس سے توبہ کیلئے خاص کلمات سکھائے گئے؟ نیز کلمات سے کون سے کلمات مراد ہیں؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت کا ترجمہ ② آیات کی تفسیر ③ توبہ کردہ عمل کی نشاندہی اور کلماتِ توبہ۔

**جواب** ...... ① عبارت کا ترجمہ:۔ (پھر سیکھ لئے آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے چند کلمات) اللہ تعالیٰ نے وہ کلمات انہیں الہام کئے۔ ایک قراءت میں **آدم** کے نصب اور **کلمات** کے رفع کے ساتھ پڑھا گیا ہے یعنی وہ کلمات آدم علیہ السلام کو حاصل ہوئے اور انہوں نے اس کے ذریعہ دعا کی (پس اللہ تعالیٰ انکی طرف متوجہ ہوئے) ان کی توبہ قبول کرلی (بیشک وہ متوجہ ہونے والے ہیں) اپنے بندوں پر، اور ان پر (بہت مہربان ہیں۔ ہم نے کہا کہ تم سب یہاں سے اُتر جاؤ) جنت سے۔ اس جملہ کو مکرر ذکر کیا گیا ہے تا کہ اس پر عطف کیا جاسکے (پھر اگر) اِمّا میں اِنْ شرطیہ کے نون کا میم زائدہ میں ادغام کیا گیا ہے (تمہارے پاس میری طرف سے کوئی پیغامِ ہدایت پہنچے) یعنی کتاب ورسول (تو جو شخص میرے پیغامِ ہدایت کی پیروی کرے گا) مجھ پر ایمان لائے گا اور میری عملی اطاعت کرے گا (ایسے لوگوں پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے) آخرت میں۔ بایں طور کہ وہ جنت میں داخل ہوجائیں گے (اور جو لوگ کفر کریں گے اور ہماری آیات) کتابوں (کی تکذیب کریں گے، یہ لوگ جہنمی ہیں، یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے) اس میں ہمیشہ اس حال میں رہیں گے کہ نہ اس میں فنا ہوں گے اور نہ اس سے نکل سکیں گے۔

② آیات کی تفسیر:۔ درخت کھانے کے نتیجے میں آدم علیہ السلام اور ان کی اہلیہ کو جنت سے نیچے زمین پر اترنے کا حکم دیا گیا، آدم علیہ السلام کی پشیمانی کے عالم میں اللہ تعالیٰ نے شفقت کرتے ہوئے خود ہی معذرت کے الفاظ تلقین فرما دیئے اور حضرت آدم علیہ السلام نے وہ الفاظ و کلمات ادا کئے تو اللہ تعالیٰ نے رحمت کے ساتھ ان پر توجہ فرماتے ہوئے ان کی توبہ قبول کرلی، بیشک باری تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرنے والے وبڑے مہربان ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے معاف فرمانے کے بعد بھی زمین پر جانے کا حکم منسوخ نہیں فرمایا کیونکہ اس میں ہزاروں حکمتیں اور مصلحتیں مضمر تھیں البتہ اس کا طرز بدل دیا کہ زمین پر اترنے کا پہلا حکم حاکمانہ طور پر بطرز سزا تھا اب یہ حکم حکیمانہ انداز سے اس طرح ارشاد ہوا **قلنا اهبطوا منها جميعا الخ** یعنی ہم نے حکم فرمایا کہ سب کے سب اس جنت سے نیچے اُتر جاؤ پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کسی قسم کی ہدایت یعنی احکامِ شرعیہ بذریعہ وحی وانبیاء آئیں تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے ان کو نہ کچھ اندیشہ ہوگا اور نہ ایسے لوگ غمگین ہوں گے، حق تعالیٰ نے حزن وغم دونوں کی نفی فرمادی کیونکہ ان پر کوئی آفت وکلفت واقع نہ ہوگی جس سے حزن یا خوف واقع ہو۔ جو لوگ اس ہدایت کی پیروی نہ کریں گے اور کفر کریں گے، ہمارے احکام کی تکذیب کریں گے تو یہ لوگ دوزخ والے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، نہ وہ وہاں فنا ہوں گے اور نہ کبھی وہاں سے نکل سکیں گے۔

کلماتِ توبہ: ربّنا ظلمنا انفسنا وإن لم تغفر لنا وترحمنا لنکوننّ من الخاسرین (اے ہمارے پروردگار ہم اپنی جانوں پر ظلم کر چکے ہیں اور اگر آپ نے ہمیں معاف نہ فرمایا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم برباد ہو جائیں گے (اعراف:۳۲))

**الشق الثانی**......(وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا) و لا یعجبك فی الاٰخرة لمخالفته لاعتقاده (وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ) انه موافق لقوله (وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ) شدید الخصومة لك و لاتباعك لعداوته لك.... (وَاِذَا تَوَلّٰى) انصرف عنك (سَعٰى) مشی (فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ) من جملة الافساد (وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ) ای لا یرضی به (وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ) فی فعلك (اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ) حملته الانفة و الحمية علی العمل (بِالْاِثْمِ) الذی امر باتقائه (فَحَسْبُهٗ) کافیه (جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ) الفراش هی (وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ) یبیع (نَفْسَهُ) ای یبدلها فی طاعة الله (ابْتِغَآءَ) طلب (مَرْضَاتِ اللّٰهِ) رضاه..... (وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ) (پ۲۔بقرۃ:۲۰۴ تا ۲۰۷)

عبارت کا ترجمہ کریں۔مذکورہ آیات کا پسِ منظر وجامع تفسیر لکھیں۔ الدّ الخصام، اخذته العزّة بالاثم کی تفسیر لکھیں۔ ومن الناس من یشری نفسه.... کن کے بارے میں نازل ہوئی؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت کا ترجمہ۔ ② آیات کا پسِ منظر و تفسیر۔ ③ الدّ الخصام، اخذته العزّة بالاثم کی تفسیر ④ ومن الناس من یشری نفسه....کا شانِ نزول۔

**جواب**...... ① **عبارت کا ترجمہ:۔** (اور لوگوں میں سے وہ آدمی بھی ہے کہ دنیاوی زندگی کے متعلق آپ کو اسکی باتیں پسند آتی ہیں) آخرت کے بارے میں اچھی نہیں لگتیں اس کے اعتقاد کے آپ کے اعتقاد کے خلاف ہونے کی وجہ سے (اور جو کچھ اسکے دل میں ہے اس پر وہ اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہے) کہ جو کچھ اس کے دل میں ہے وہ اس کے قول کے مطابق ہے (حالانکہ وہ تمہارے دشمنوں میں سے سخت ہے) آپ سے اور آپ کے متابعین سے سخت خصومت رکھنے والا ہے آپ سے خصومت رکھنے کی وجہ سے (اور جب وہ آپ کے پاس سے (لوٹتا ہے تو زمین میں اسکی کوشش اسلئے ہوتی ہے کہ وہ اس میں فساد مچائے اور فصلیں ونسلیں تباہ کرے) یہ بھی منجملہ فساد کے ہے (اور اللہ تعالیٰ فساد کو ناپسند کرتا ہے) یعنی اس سے راضی نہیں ہے (اور جب اس سے کہا جائے کہ) اپنی حرکتوں کے بارے میں (اللہ سے ڈر تو اس کو غرور ونخوت) تکبر اور جاہلی تعصب (مزید گناہ پر آمادہ کرتے ہیں) جس سے اس کو بچنے کیلئے کہا گیا ہے (پس اس کو دوزخ ہی کفایت کرے گی اور وہ بیشک برا ٹھکانا ہے) یعنی وہ برا بچھونا ہے (اور لوگوں میں سے وہ شخص بھی ہے جو اللہ کی رضاء وخوشنودی کیلئے اپنی جان کا سودا کرتا ہے) یعنی اللہ کی طاعت میں اس کو قربان کر دیتا ہے (اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے)۔

② **آیات کا پسِ منظر وتفسیر:۔** مدینہ میں اخنس بن شریق ایک شخص تھا وہ بڑا فصیح وبلیغ تھا وہ حضور ﷺ کی خدمت میں آکر قسمیں کھا کھا کر اسلام کا دعویٰ کیا کرتا اور مجلس سے اٹھ کر جاتا تو لوگوں کی فساد وشرارت وایذارسانی میں لگ جاتا، جب اس سے کوئی کہتا کہ اللہ سے ڈر تو وہ غرور وتکبر کی وجہ سے اور زیادہ گناہ کرتا، اسی کے متعلق یہ آیات نازل ہوئی ہیں۔(معارف القرآن)

اب آیات کا حاصل یہ ہے کہ آپ کو اخنس کی بات دنیا ہی میں پسند آتی ہے کیونکہ کلام فصیح اور شیریں ہوتا ہے اور آخرت کے اعتبار سے ناپسندیدہ ہے کیونکہ فضیحت اور رسوائی اس کا انجام ہے اور یا مطلب یہ ہیکہ یہ جو دنیا کی غرض سے دعویٰ محبت کا کرتا ہے اور اسلام ظاہر کرتا ہے فصاحت اور شیرینی کی حیثیت سےبھی آپ ﷺ کو پسندیدہ ہے۔اور یہ منافق اس بات پر جو اس کے دل میں ہے اس پر قسمیں کھاتا ہے کہ جو کچھ میرے دل میں ہے وہ زبان کے مطابق ہے اور کہتا ہے کہ قسم اللہ کی میں آپ پر ایمان لانے والا ہوں اور آپ ﷺ سے محبت کرتا ہوں حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے اور آپ کی ہی وجہ سے یہ منافق مسلمانوں سے اشد درجہ کی عداوت اور خصومت رکھتا ہے۔جب یہ آپ کی مجلس سے لوٹتا ہے تو اس دوڑ دھوپ میں پھرتا رہتا ہے کہ زمین میں کوئی فساد کر دے اور کسی کی کھیتی اور مویشی کو تلف کر دے چنانچہ مختلف روایات کے مطابق اس نے لوگوں کا نقصان کیا اور اللہ تعالیٰ کو یہ فساد وتخریب والا عمل پسند نہیں ہے، پس ایسے بُرے عمل سے بچنا چاہئے، اور یہ منافق اس مخالفت وایذا کے ساتھ اس درجہ مغرور ہے کہ جب اس سے کوئی

کہتا ہے کہ خدا سے ڈر تو تکبر وجاہلی تعصب اسے اور زیادہ گناہ پر آمادہ کرتا ہے، اسلئے ایسے شخص کی سزا جہنم ہی ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو جہاد یا امر بالمعروف میں اپنی جان بیچ دیتے ہیں اور خرچ کر ڈالتے ہیں یعنی اللہ کی رضا طلب کرتے ہوئے نیک عمل کرتے ہیں یا خدا کی رضا اس کی جان خرچ کر دینے کا بدلہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت ہی شفقت اور رحمت کرنے والا ہے کہ اپنے بندوں کو ایسی نفع کی تجارت کا طریقہ سکھایا۔

③ **الدّ الخصام، اخذته العزّة بالاثم** کی تفسیر:۔ **الدّ الخصام**: (وہ سخت جھگڑالو ہے) یعنی یہ منافق مسلمانوں سے اشد درجہ کی عداوت اور خصومت رکھتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض وہ شخص ہے جو **الدّ الخصم** ہو۔ قتادہ فرماتے ہیں جو معصیت کے اندر سخت قساوت والا باطل پر اڑنے والا ہو، کلام حکمت والی کرے اور اعمال اچھے نہ ہوں۔

**اخذته العزّة بالاثم**: یعنی عار وجاہلیت کی غیرت اور تکبر اس کو گناہ پر آمادہ کرتے ہیں۔ عرب کہتے ہیں: **اخذته بکذا** (میں نے اس کو فلاں کام پر برانگیختہ وآمادہ کیا)۔ (مظہری)

④ **ومن الناس من یشری نفسه ....** کا شانِ نزول:۔ یہ آیت ان مخلص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے بے مثال قربانیاں اللہ کی راہ میں پیش کیں۔ بعض روایات میں منقول ہے کہ یہ آیت حضرت صہیب رومی کے متعلق نازل ہوئی ہے کہ جب وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ کیلئے روانہ ہوئے تو راستہ میں کفارِ قریش نے راستہ روک لیا، حضرت صہیب رومی اپنی سواری سے اترے اور ان کے ترکش میں جتنے تیر تھے سب نکال لئے اور قریش سے خطاب کیا کہ اے قبیلۂ قریش تم سب جانتے ہو کہ میں تیراندازی میں تم سب سے زیادہ ماہر ہوں میرا تیر کبھی خطا نہیں کرتا اور میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتا ہوں کہ تم میرے پاس اس وقت تک نہیں پہنچ سکو گے جب تک میرے ترکش میں ایک تیر بھی باقی ہے اور تیروں کے بعد میں تلوار سے کام لوں گا جب تک مجھ میں دم رہے گا پھر جو تم چاہو کر لینا اور اگر تم نفع کا سودا چاہتے ہو تو میں تمہیں اپنے مال کا پتہ دیتا ہوں جو مکہ میں رکھا ہے تم وہ مال لے لو اور میرا راستہ چھوڑ دو اس پر قریش راضی ہوگئے اور حضرت صہیب رومی نے صحیح سالم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر واقعہ سنایا تو رسول اللہ ﷺ نے دو مرتبہ فرمایا: تمہاری بیع نفع بخش رہی تمہاری بیع نفع بخش رہی۔

بعض مفسرین نے کچھ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایسے ہی واقعات کو آیت کا شانِ نزول بتلایا ہے۔ (معارف القرآن)

## السوال الثانی ۱۴۴۲ھ

**الشق الاوّل** ...... (لِلرِّجَالِ) الاولاد و الاقارب (نَصِیْبٌ) حظٌ (مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ) المتوفّون (وَلِلنِّسَاءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ) ای المال (اَوْ كَثُرَ) جعله الله (نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا) مقطوعا بتسلیمه الیهم (وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ) المیراث (اُولُو الْقُرْبٰی) ذو القرابة ممّن لا یرث (وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ) شیئا قبل القسمة (وَقُوْلُوْا) ایّها الاولیاء (لَهُمْ) اذا كان الورثة صغارا (قَوْلًا مَّعْرُوْفًا)۔ (پ۴۔نساء:۷،۸) عبارت کا ترجمہ کریں۔ مذکورہ آیات کا شانِ نزول وجامع تفسیر لکھیں۔ مالِ میراث تقسیم کرنے سے پہلے رشتہ داروں، یتیموں اور مساکین کو کچھ دینا مستحب ہے یا واجب ہے؟ اور کیا یہ حکم اب بھی باقی ہے یا نہیں؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت کا ترجمہ ② آیات کا شانِ نزول وتفسیر۔ ③ میراث کی تقسیم سے پہلے رشتہ دار وغیرہ کو کچھ دینے کا حکم۔

**جواب** ...... ① **عبارت کا ترجمہ**:۔ (لڑکوں) اولاد ور رشتہ داروں (کا بھی حصہ) مقدارِ معینہ (ہے اس میں جو والدین اور قرابت والوں نے چھوڑا ہو) وفات پانے والوں نے (اور عورتوں ولڑکیوں کا بھی حصہ ہے اس میں جو والدین اور قرابت والوں نے چھوڑا ہو) وہ مال (قلیل ہو یا کثیر ہو، اللہ تعالیٰ نے کیا ہے یہ حصہ مقرر) جس کا ان کو دینا لازم ہے (اور جب حاضر ہوں تقسیم میراث (کے وقت رشتہ دار) دور کے رشتہ دار جن کا میراث میں حصہ نہیں ہے (اور یتیم محتاج تو ان کو بھی اس میں سے کچھ دیدو) تقسیم

ترکہ سے پہلے (اور کہہ دو) اے اولیاء! (ان مانگنے والوں کو معقول بات) جب ورثہ چھوٹے و نابالغ ہوں۔

**۲ آیات کا شانِ نزول و تفسیر:۔** ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ دورِ جاہلیت میں ایک ظلم یہ بھی کیا جاتا تھا کہ عورتوں اور چھوٹے بچوں کو وراثت سے حصہ نہیں دیا جاتا تھا، صرف بڑے لڑکے جو لڑنے کے قابل ہوتے تھے وہ تمام مال کے وارث قرار پاتے تھے۔ حضرت اوس بن صامت انصاریؓ کا انتقال ہوا اور پسماندگان میں ایک بیوی ام کحہ اور تین لڑکیاں یا دو کم عمر بیٹے چھوڑے۔ سوید یا قتادہ اور عرفجہ جو میت کے عصبہ تھے وہ کل مال پر قابض ہوگئے، بیوی اور بیٹیوں کو کچھ نہ دیا۔ ام کحہ نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر شکایت عرض کی، رسول اللہ ﷺ نے سوید اور عرفجہ کو طلب فرمایا اور بولے یا رسول اللہ اس عورت کی اولاد اس قابل نہیں کہ گھوڑے پر سوار ہو سکے نہ دیت اور تاوان وغیرہ کا بار اٹھا سکتی ہے نہ دشمن سے لڑ سکتی ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ رسول اللہ نے سوید اور عرفجہ کو بلوا کر فرمایا: ابھی اوس بن ثابت کے مال کو بالکل تقسیم نہ کرنا اللہ نے ترکہ میں اس کی لڑکیوں کو حصہ دار بنایا ہے، مگر حصہ کی تعیین نہیں کی، میں منتظر ہوں کہ لڑکیوں کے بارے میں تعیین کے ساتھ کیا حکم نازل ہوتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت: **یوصیکم اللّٰہ فی اولادکم** نازل فرمائی رسول اللہ نے اس آیت کے مطابق مال تقسیم کرنے کا حکم جاری فرمایا۔ (کمالین و مظہری)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مردوں کی طرح عورتیں اور بچے، بچیاں اپنے والدین اور اقارب کے مال میں حصہ دار ہوں گے، انہیں محروم نہیں کیا جائے گا، یہ الگ بات ہے کہ لڑکی کا حصہ لڑکے کے حصہ سے نصف ہے، یہ عورت پر ظلم نہیں ہے، نہ اس کا استخفاف ہے، بلکہ اسلام کا یہ قانونِ میراث عدل و انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق ہے کیونکہ عورت کو اسلام نے معاش کی ذمہ داری سے فارغ رکھا ہے اور مرد کو اس کا کفیل بنایا ہے۔ علاوہ ازیں عورت کے پاس مہر کی صورت میں مال آتا ہے، اس لحاظ سے عورت کے مقابلہ میں مرد پر کئی گنا زیادہ مالی ذمہ داریاں ہیں اسلئے اگر عورت کا حصہ نصف کے بجائے مرد کے برابر ہوتا تو یہ مرد پر ظلم ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے کسی پر بھی ظلم نہیں کیا کیونکہ وہ عادل بھی ہے اور حکیم بھی ہے۔

دوسری آیت میں ارشاد فرمایا کہ میراث کی تقسیم کے وقت اگر کچھ دور کے رشتہ دار یتیم، مسکین وغیرہ جمع ہو جائیں جن کا کوئی حصہ ضابطہ شرعی سے اس میراث میں نہیں ہے تو ان کے جمع ہو جانے سے تم تنگدل نہ ہو، بلکہ جو مال اللہ تعالیٰ نے تمہیں بلا محنت عطا فرمایا ہے اس میں سے بطور شکرانہ کچھ عطا کر دو اور غنیمت جانو کہ خرچ کا ایک اچھا موقع مل رہا ہے اس موقع پر ان لوگوں کو کچھ نہ کچھ دیدینے سے ان دور کے رشتہ داروں کی دل شکنی اور حسرت کا ازالہ ہو جائے گا، اس میں مرنے والے کا محروم الارث پوتا بھی آ گیا، اس کے چچاؤں اور پھوپھیوں کو چاہیئے کہ اس کو اپنے اپنے حصہ سے بخوشی کچھ دیدیں۔ اگر یہ لوگ اس طرح تھوڑا سا دینے پر بھی راضی نہ ہوں بلکہ دوسروں کے برابر حصہ کا مطالبہ کرنے لگیں تو چونکہ ان کا یہ مطالبہ قانونِ شرع کے خلاف اور غیر منصفانہ ہے اسلئے ان کا مطالبہ پورا کرنے کی تو گنجائش نہیں، لیکن اس پر بھی ان کو کوئی ایسی بات نہ کہی جائے جس سے ان کی دل شکنی ہو، بلکہ معقول طور پر ان کو سمجھایا جائے کہ شرعی قاعدہ سے میراث میں تمہارا کوئی حصہ نہیں ہے، ہم نے جو کچھ دیا ہے وہ محض تبرع دیا ہے۔

ان لوگوں کو تبرعا جو دیا جائے گا وہ مجموعی مال میں سے نہیں، بلکہ بالغین ورثا میں سے جو حاضر ہوں وہ اپنے حصہ میں سے دیں، نابالغ اور غائب کے حصہ میں سے دینا درست نہیں۔ (معارف القرآن و مظہری)

**۳ میراث کی تقسیم سے پہلے رشتہ دار وغیرہ کو کچھ دینے کا حکم:۔** جب میراث تقسیم ہو رہی ہو تو بعض ایسے لوگ بھی موجود ہوتے ہیں جو شرعی اعتبار سے وارث نہیں ہیں قرآن کریم نے یہ ہدایت دی ہے کہ ان کو بھی کچھ دے دینا بہتر ہے، اس ہدایت پر عمل کرنا مستحب یعنی پسندیدہ ہے واجب نہیں ہے۔

بعض حضرات نے کہا کہ یہ حکم آیتِ میراث کے ذریعہ منسوخ ہوگیا ہے، مگر اکثر حضرات نے کہا ہے کہ یہ حکم استحبابی طور پر اب بھی باقی ہے۔ (کمالین)

**الشق الثانی** ...... يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى من الشراب لان سبب نزولها صلوٰة جماعة فی حال السكر حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ بأن تصحوا وَلَا جُنُبًا وهو يطلق على المفرد وغيره اِلَّا عَابِرِىْ

مجتازی سَبِیْلٍ طریق ای مسافرین حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ وانتم جنب أو محدثون اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْلٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ وفی قراءة بلاالف فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا ۔

عبارت کا ترجمہ کریں۔ آیت کا شانِ نزول لکھ کر لا تقربوا الصلاۃ کی مراد واضح کریں۔ جُنُبًا کے منصوب ہونے کی وجہ تحریر کریں۔ دونوں قراءتوں کی روشنی میں اولٰمستم النساء کی تفسیر۔ (پ۵۔نساء:۴۳) (کمالین ج۱ص۵۵۰)

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال کا حل پانچ امور ہیں ① عبارت کا ترجمہ ② آیت کا شان نزول ③ عدمِ قربانِ صلوٰۃ کی مراد ④ جُنُبًا کے منصوب ہونے کی وجہ ⑤ اَوْلٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ کی دونوں قراءتوں کے موافق تفسیر۔

**جواب** ...... **①** آیت کا ترجمہ:۔ اے ایمان والو! نماز کا ارادہ بھی نہ کرو جس وقت تم نشہ کی حالت میں ہو (شراب کی وجہ سے اس لئے کہ آیت کا سببِ نزول نشہ کی حالت میں جماعت سے نماز پڑھنا ہے) جب تک سمجھنے نہ لگو جس بات کو تم زبان سے کہتے ہو (بایں طور کہ تم ہوش میں آجاؤ) اور نہ ناپاکی کی حالت میں (اور وہ مفرد اور غیر مفرد پر بولا جاتا ہے) ہاں راہ چلتا مسافر ہو (راستہ سے گزرنے والا یعنی مسافر ہو) تاوقتیکہ غسل نہ کرو۔ اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو (اور تم جنابت کی حالت میں ہو یا بے وضو ہو) یا تم میں سے کوئی جائے ضرورت سے فارغ ہو کر آئے یا تم نے بیوی کو چھوا ہو (اور ایک قراءۃ میں لمستم بغیر الف کے ہے) اور تم کو پانی نہ ملے تو اس صورت میں تمہیں پاکیزہ مٹی سے تیمّم کر لینا چاہئے۔

**②** آیت کا شانِ نزول:۔ ابتدائے اسلام میں شراب حلال تھی۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ دعوت کی اور شرکاء نے شراب پی، اسی اثناء میں مغرب کی نماز کا وقت آگیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امامت کرائی اور اسی نشہ کی حالت میں سورۃ کافرون پڑھتے ہوئے لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ کی بجائے اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ پڑھ دیا جس میں بلا ارادہ خلافِ توحید شرکیہ الفاظ ادا ہوگئے، بعد میں تنبیہ ہونے پر ندامت ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا، اس پر آیت لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ الخ نازل ہوئی جس میں ضمنی طور پر دوسرے مناسب احکام بھی آگئے۔

**③** عدمِ قربانِ صلوٰۃ کی مراد:۔ اس بارے میں مفسرین کے دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ آیت میں لفظِ صلوٰۃ سے مراد نماز ہی ہے اور مطلب یہ ہے کہ تم نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ نشہ کا غلبہ ختم ہوجائے اور یہ حکم ہر صورت میں واجب العمل ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ صلوٰۃ سے مراد موضعِ صلوٰۃ یعنی مسجد ہے مطلب یہ ہے کہ نشہ کی حالت میں مسجد میں نہ جایا کرو، جب نشہ اتر جایا کرے اور ہوش آجائے تو پھر مسجد میں جاسکتے ہو، البتہ اس حکم میں کسی حد تک گنجائش ہے۔

**④** جُنُبًا کے منصوب ہونے کی وجہ:۔ یہ لا تقربوا کی ضمیرِ فاعل سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

**⑤** اَوْلٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ کی دونوں قراءتوں کے موافق تفسیر:۔ حنفیہؒ کے نزدیک لٰمستم باب مفاعلہ سے ہے، اور چھونا سے بطور کنایہ جماع مراد ہے، حضرت علی، حضرت عائشہ، حضرت ابن عباس، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم، حسنؒ، مجاہدؒ وقتادہؒ کا یہی قول ہے۔

شافعیہ کے نزدیک لمستم مجرد سے ہے اور اس کا حقیقی معنیٰ چھونا اور بیرونی جلد سے لگنا ہی ہے حضرت ابن مسعود، حضرت عمر، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم اور امام شعبیؒ کا یہی قول ہے اور دلیل یہی ہے کہ لمس کا لفظ یہاں پر اپنے حقیقی معنیٰ میں ہے اس میں کسی تاویل، کنایہ و مجاز کی ضرورت نہیں ہے۔

حنفیہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ اگر لَمستم مجرد سے ہو اور حقیقی معنیٰ چھونا ہی مراد ہو تو اس صورت میں یہ آیت جامع للاحکام نہ ہوگی، کیونکہ آیت کے پہلے حصہ فاغسلوا وجوهكم الخ میں محدث وجنبی کی طہارت بالماء کا ذکر ہو چکا ہے اور اس حصہ کے دونوں جزء او جاء احد منكم من الغائط اور اولٰمستم سے تیمّم للحدث کا حکم تو معلوم ہوگا مگر تیمّم للجنابۃ کا حکم معلوم نہ ہوگا، لہٰذا آیت کو جامع للاحکام بنانے کیلئے ضروری ہے کہ لٰمستم کو باب مفاعلہ سے تسلیم کیا جائے تاکہ اس سے تیمّم للجنابۃ کا حکم بھی ثابت ہوجائے۔

نیز اگر لمس سے مراد چھونا ہی ہو تو پھر اولمستم النساء کے ذریعہ کلام کو طویل کرنے کی کیا ضرورت تھی، بے وضو آدمی کے لئے تیمّم کا جواز او جاء احد منكم من الغائط کے ذریعہ ہی معلوم ہو چکا ہے۔ (تفسیر مظہری)

03136007975 maktabazakariyamultan@gmail.com

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۲ھ

**الشق الاوّل** ......(وَلَا يَأْتَلِ) يَحْلِفُ (أُولُوا الْفَضْلِ) اَیْ اَصْحَابُ الْغِنٰی ( مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ) لَا ( يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسَاكِيْنَ وَالْمُهَاجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ) نَزَلَتْ فِیْ اَبِیْ بَکْرٍ حَلَفَ اَنْ لَا يُنْفِقَ عَلٰى مِسْطَحٍ....لَمَّا خَاضَ فِی الْاِفْکِ بَعْدَ اَنْ کَانَ يُنْفِقُ عَلَيْهِ وَنَاسٍ مِنَ الصَّحَابَةِ اَقْسَمُوْا اَنْ لَا يَتَصَدَّقُوْا عَلٰى مَنْ تَكَلَّمَ بِشَيْئٍ مِنَ الْاِفْكِ (وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا) عَنْهُمْ فِیْ ذٰلِكَ (اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ) لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۔ (پارہ۱۸۔النور:۲۲)

اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔شانِ نزول تحریر کریں اور بتائیں کہ حضرت ابوبکر و مسطح رضی اللہ عنہما میں کیا رشتہ تھا؟ واقعۂ افک تحریر کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت پر اعراب ② عبارت کا ترجمہ ③ آیت کا شانِ نزول اور حضرت ابوبکر و مسطح رضی اللہ عنہما میں رشتہ ④ واقعۂ افک کی وضاحت۔

**جواب** ...... ① عبارت پر اعراب:۔ **كما مرّ فی السوال آنفا۔**

② عبارت کا ترجمہ:۔ (مال دار) یعنی دولت مند (لوگ تم میں سے اس بات کا عہد نہ کریں) قسم نہ کھائیں (کہ وہ قرابت دار و مساکین اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہ دیں گے) یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی، انہوں نے قسم کھائی کہ مسطح رضی اللہ عنہ پر آئندہ خرچ نہ کروں گا...جبکہ انہوں نے واقعۂ افک میں حصہ لیا باوجودیکہ وہ اس پر خرچ کیا کرتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بھی کچھ نے یہ قسم کھائی تھی کہ وہ کسی ایسے شخص پر خرچ نہ کریں گے جس نے واقعۂ افک میں زبانی طور پر حصہ لیا (اور چاہیے کہ انہیں معاف کر دیں اور ان سے درگزر کریں) اس معاملہ میں (کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کر دے؟ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا رحم کرنے والا ہے) مؤمنین کیلئے۔

③ آیت کا شانِ نزول اور حضرت ابوبکر و مسطح رضی اللہ عنہما میں رشتہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جب منافقین نے تہمت لگائی تو چند مسلمان اپنی سادگی و بھولے پن کی وجہ سے ان میں شریک ہو گئے، ان مسلمانوں میں حضرت مسطح رضی اللہ عنہ بھی تھے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی تھے، جن کی کفالت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کیا کرتے تھے، جب براءتِ عائشہ رضی اللہ عنہا کی آیات نازل ہوئیں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے غصے اور ناراضی کی وجہ سے حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کا وظیفہ بند کر دیا تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس عمل سے منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ آیت کے نزول کے بعد انہوں نے اپنی لغزش کی معافی چاہی اور بدستور حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کی مدد کرتے رہے اور فرمایا کہ آئندہ کبھی ان کی مدد بند نہ ہوگی۔

④ واقعۂ افک کی وضاحت:۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بنی المصطلق میں جس کو غزوہ مریسیع بھی کہا جاتا ہے ۶ھ میں تشریف لے گئے تو امہات المومنین میں سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ساتھ تھیں، حضرت عائشہ کا اونٹ جس پر ان کا ہودج (پردہ دار شغدف) ہوتا تھا اور چونکہ اس وقت احکام پردہ کے نازل ہو چکے تھے تو معمول یہ تھا کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے ہودج میں سوار ہو جائیں پھر لوگ اس ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیتے تھے، غزوہ سے فراغت اور مدینہ طیبہ کی طرف واپسی میں ایک روز یہ قصہ پیش آیا کہ ایک منزل میں قافلہ ٹھہرا آخر شب میں کوچ سے کچھ پہلے اعلان کیا گیا کہ قافلہ روانہ ہونے والا ہے تاکہ لوگ اپنی اپنی ضرورتوں سے فارغ ہو کر تیار ہو جاویں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو قضاءِ حاجت کی ضرورت تھی اس سے فراغت کیلئے جنگل کی طرف چلی گئیں وہاں اتفاق سے ان کا ہار ٹوٹ کر گر گیا اس کی تلاش میں ان کو دیر لگ گئی، جب واپس اپنی جگہ پہنچیں تو دیکھا کہ قافلہ روانہ ہو چکا ہے ان کے اونٹ کا قصہ یہ ہوا کہ جب کوچ ہونے لگا تو عادت کے مطابق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہودج یہ سمجھ کر اونٹ پر سوار کر دیا گیا کہ حضرت صدیقہ اس میں موجود ہیں اٹھاتے وقت بھی کچھ شبہ اسلئے نہ ہوا کہ اس وقت حضرت صدیقہ کی عمر کم اور بدن میں نحیف تھیں کسی کو یہ اندازہ ہی نہ ہوا کہ ہودج خالی ہے چنانچہ اونٹ کو ہانک دیا گیا۔ حضرت صدیقہ نے اپنی جگہ واپس آ کر قافلہ کو نہ پایا تو بڑی دانشمندی اور وقار و استقلال سے کام لیا کہ قافلہ کے پیچھے دوڑنے یا ادھر ادھر تلاش کرنے کے بجائے اپنی جگہ

چادر اوڑھ کر بیٹھ گئیں اور خیال کیا کہ جب آنحضرت ﷺ اور رفقاء کو یہ معلوم ہوگا کہ میں ہودج میں نہیں ہوں تو مجھے تلاش کرنے کیلئے یہاں پہنچیں گے، اگر میں ادھر ادھر کہیں اور گئی تو ان کو تلاش میں مشکل ہوگی اسلئے اپنی جگہ پر چادر میں لپٹ کر بیٹھ رہیں، آخر رات کا وقت تھا نیند کا غلبہ ہوا وہیں لیٹ کر آنکھ لگ گئی۔ دوسری طرف قدرت نے یہ سامان کیا کہ حضرت صفوان بن معطل صحابی جن کو رسول اللہ ﷺ نے اسی خدمت کے لئے مقرر کیا ہوا تھا کہ وہ قافلہ کے پیچھے رہیں اور قافلہ روانہ ہونے کے بعد گری پڑی کوئی چیز رہ گئی ہو تو اس کو اٹھا کر محفوظ کرلیں۔ وہ صبح کے وقت اس جگہ پہنچے، ابھی روشنی پوری نہ تھی اتنا دیکھا کہ کوئی آدمی پڑا سورہا ہے، قریب آئے تو حضرت عائشہ کو پہچان لیا کیونکہ انہوں نے پردہ کے احکام نازل ہونے سے پہلے ان کو دیکھا ہوا تھا، پہچاننے کے بعد انتہائی افسوس کے ساتھ ان کی زبان سے اناللہ وانا الیہ راجعون نکلا، یہ کلمہ صدیقہ کے کان میں پڑا تو آنکھ کھل گئی اور چہرہ ڈھانپ لیا، حضرت صفوان نے اپنا اونٹ قریب لاکر بٹھا دیا، حضرت صدیقہ اس پر سوار ہوگئیں اور خود اونٹ کی نکیل پکڑ کر پیدل چلنے لگے یہاں تک کہ قافلہ میں مل گئے، عبداللہ بن ابی منافق رسول اللہ ﷺ کا دشمن تھا اس کو ایک بات ہاتھ لگ گئی اور کم بخت نے واہی تباہی بکنا شروع کیا اور بعض بھولے بھالے مسلمان (جیسے حضرت حسان وحضرت مسطح مردوں میں سے اور حضرت حمنہ عورتوں میں سے) بھی سنی سنائی اس کا تذکرہ کرنے لگے جب اس منافق کے بہتان کا چرچا ہوا تو خود رسول اللہ ﷺ کو اس سے سخت صدمہ پہنچا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کو تو انتہائی صدمہ پہنچنا ظاہر ہی ہے عام مسلمانوں کو بھی اس سے سخت رنج وافسوس ہوا، آخر اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیقہ کی براءت اور بہتان باندھنے یا اس میں شریک ہونے والوں کی مذمت میں سورت نور کی آیات نازل فرمادیں، نتیجہ یہ ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے تہمت لگانے والوں پر شرعی ضابطہ کے مطابق حد قذف جاری کی، ہر ایک کو اسّی اسّی کوڑے لگائے، اس موقع پر عبداللہ بن ابی منافق جس نے اصل تہمت گھڑی تھی اس پر دوہری حد جاری فرمائی پھر مومنین نے توبہ کرلی اور منافقین اپنے حال پر قائم رہے (معارف القرآن)

## ﴿الورقة الاولیٰ: فی التفسیر﴾

## ﴿السوال الاوّل﴾ ١٤٤٣ھ

**الشق الاوّل** ......اَوْ(مثلهم) كَصَيِّبٍ(ای کا صحاب مطر. و اصله صَيوبٌ مِن صَابَ يَصُوبُ ای ينزل) مِنَ السَّمَآءِ (السحاب) فِيْهِ(ای السحاب) ظُلُمٰتٌ (متكاثفة)وَّ رَعْدٌ (هو الملك المؤكل به و قيل صوته) وَّبَرْقٌ(لمعان صوته الذی يزجر به) يَجْعَلُوْنَ(ای اصحاب الصيب) اَصَابِعَهُمْ(ای انا ملهم) فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِنَ (اجل)الصَّوَاعِقِ (شدة صوت الرعد لئلّا يسمعوها)حَذَرَ (خوف) الْمَوْتِ(من سما عها)۔(پ ا۔بقرة:١٩)

صرف آیت کا ترجمہ کریں۔ کلماتِ تفسیریہ کے فوائد بیان کریں۔ آیت میں مذکور تشبیہ کی وضاحت کریں۔

﴿خلاصہ سوال﴾......اس سوال کا حل تین امور ہیں: ① آیت کا ترجمہ ② کلماتِ تفسیریہ کے فوائد ③ تشبیہ کی وضاحت۔

**جواب** ......❶ **آیت کا ترجمہ:۔** یا ان کی ایسی مثال ہے جیسے آسمان سے برستی تیز بارش ہو، اس میں اندھیریاں بھی ہوں اور گرج وچمک بھی ہو۔ یہ لوگ کڑک کی آواز پر موت کے خوف سے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیتے ہیں۔

❷ **کلماتِ تفسیریہ کے فوائد:۔** **مثلهم:** کہہ کر معطوف علیہ کی طرف اشارہ کردیا کہ **كصيّب** کا عطف **كمثل الذی استوقد نارا** پر ہے اور اس مثال کا تعلق بھی منافقین کے ساتھ ہے۔

**ای کاصحاب مطر:** کہہ کر اشارہ کیا کہ مضاف (اصحاب) محذوف ہے اور صیّب بمعنی بارش ہے، بمعنی بادل نہیں ہے۔

**اصله صیوب الخ:** سے صیّب کی اصل کو بیان کیا کہ اسکی اصل **صَيُوْبٌ** ہے اور یہ **صاب یصوب** بمعنی نزول سے مشتق ہے۔

**ای السحاب:** کہہ کر **السماء** کے متعدد معانی میں سے **السحاب** (بادل) والا معنی متعین کردیا۔

**فیه ای السحاب:** کہہ کر ضمیر کا مرجع بیان کردیا۔

**هو الملك المؤكل الخ:** کہہ کر رعد کی مراد کی طرف اشارہ ہے کہ اس سے مراد بادلوں کو ہانکنے پر مقرر فرشتہ ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ اس فرشتہ کی آواز ہے۔

0313 3377513 maktabazakariyamultan@gmail.com

**لمعان صوته الخ:** برق کی مراد بیان کی کہ بادلوں کو جس کوڑے سے ہانکا جاتا ہے وہ کوڑا ہے۔

**ای اصحاب الصیّب:** کہہ کر **یجعلون** کا فاعل متعین کردیا۔

**ای انامِلھم:** کہہ کر اشارہ کردیا کہ یہاں مجازی طور پر کُل بول کر جزء مراد ہے، یعنی وہ لوگ انگلیوں کے پورے کانوں میں کر لیتے ہیں۔

**من اجل الصواعق شدّة صوة الرعد الخ:** **یجعلون** کی علت اور وجہ کی طرف اشارہ ہے کہ اہلِ بارش کڑک کی وجہ سے جو رعد کی شدتِ آواز سے ہوتی ہے یہ انگلیوں کو اپنے کانوں میں کر لیتے ہیں تاکہ یہ اس کو سُن نہ سکیں۔

③ تشبیہ کی وضاحت:۔ اس آیت میں منافقین کی دوسری مثال پیش فرمائی کہ جیسے تیز بارش ہو، اندھیریاں چھائی ہوئی ہوں، گرج بھی ہو اور بجلی کی چمک بھی ہو موت کا سامنا ہو، جو لوگ وہاں موجود ہوں کڑک کی آواز سے خوف زدہ ہو رہے ہیں اور ڈر رہے ہیں کہ ابھی موت آجائے گی۔ کڑک کی آواز کی وجہ سے کانوں میں انگلیاں دیئے ہوئے ہیں۔ سخت بجلی ان کی آنکھوں کی روشنی سلب کرنے کو ہے اسی حیرانی اور پریشانی میں کھڑے کھڑے جب ذرا بجلی چمکتی ہے تو اس کی روشنی میں ایک دو قدم چل لیتے ہیں اور جب اندھیرا چھا جاتا ہے تو حیران سرگرداں کھڑے رہ جاتے ہیں۔ منافقوں کی یہی حالت ہے جب غلبۂ اسلام کو دیکھتے ہیں اور اس کا نور پھیلتا ہوا نظر آتا ہے تو اسکی طرف بڑھنے لگتے ہیں پھر جب دنیا کی محبت زور پکڑتی ہے اور دنیاوی فائدے کفر اختیار کیے رہنے میں نظر آتے ہیں تو کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں یعنی ایمان کی طرف بڑھنے سے رک جاتے ہیں۔

علامہ بیضاویؒ لکھتے ہیں کہ منافقین کو اصحابِ صیب (بارش والوں) سے تشبیہ دی اور ان کے ظاہری ایمان کو جو کفر اور دھوکے بازی کے ساتھ ملا ہوا تھا ایسی بارش سے تشبیہ دی جس میں اندھریاں ہوں، گرج اور بجلی ہو۔ یہ تشبیہ اس اعتبار سے ہے کہ بارش اگرچہ فی نفسہ نافع ہے لیکن جب مذکورہ صورت میں بارش نازل ہوئی تو اس کا نفع ضرر سے بدل گیا اور منافقین نے جو نفاق اسلئے اختیار کیا کہ مؤمنین کی طرف سے جو تکالیف پہنچنے والی ہوں اور کھلے کافروں کی طرف سے جو تکالیف پہنچتی ہوں ان سے بچاؤ ہو جائے ان کی اس منافقت کو کانوں میں انگلیاں دینے سے تشبیہ دی جیسے کوئی شخص بجلیوں کی کڑک سے اپنے کانوں میں انگلیاں دے رہا ہو اور موت سے ڈر رہا ہو تو جس طرح کانوں میں انگلیاں دینے سے اللہ تعالیٰ کے قضاو قدر کے فیصلے کو نہیں ٹالا جا سکتا اس طرح سے منافقت اختیار کرنے سے مصائب و آلام سے حفاظت نہیں ہو سکتی۔ اور شدت الامر کی وجہ سے جو ان کی حیرانی اور یہ پریشانی تھی کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں اسے بجلی سے تشبیہ دی کہ کوئی موقع پاتے ہیں تو ذرا اپنے مقاصد میں آگے بڑھ جاتے ہیں مگر ساتھ ہی یہ خوف لگا ہوا ہے کہ بجلی ان کی آنکھیں نہ اچک لے۔ لہذا چند قدم چلتے ہیں پھر جب بجلی کی چمک ختم ہو جاتی ہے تو بلاحس و حرکت کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں۔ (انوار البیان)

**الشق الثانی** ...... كُتِبَ (فرض) عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ (ای اسبابه) اِنْ تَرَكَ خَيْرًا (مالا) الْوَصِيَّةُ (مرفوع بكُتِبَ و متعلق باذا ان كانت ظرفية و دالّ على جوابها ان كانت شرطية و جواب اِنْ اى فليوص) لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ (بالعدل بان لا يزيد على الثلث و لا يفضل الغنى) حَقًّا (مصدر مؤكد لمضمون الجملة قبله) عَلَى الْمُتَّقِيْنَ (الله و هٰذا منسوخ باٰية الميراث و بحديث لا وصيّة لوارث). (پ۲۔بقرہ:۱۸۰)

صرف آیت کا ترجمہ کریں۔ **اذا** کے ظرفیہ و شرطیہ ہونے کی صورت میں جو نحوی ترکیب بیان کی گئی ہے اس کی وضاحت کریں۔ خط کشیدہ عبارت کا مطلب بیان کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال کا حل تین امور ہیں: ① آیت کا ترجمہ ② **اذا** کے ظرفیہ و شرطیہ ہونے کی صورت میں نحوی ترکیب ③ خط کشیدہ عبارت کا مطلب۔

**جواب** ...... ① آیت کا ترجمہ:۔ تم پر فرض کیا گیا کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے تو اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کیلئے دستور کے مطابق وصیت کرے۔ بشرطیکہ مال چھوڑا ہو۔ یہ متقی لوگوں کیلئے لازمی حکم ہے۔

② **اذا** کے ظرفیہ و شرطیہ ہونے کی صورت میں نحوی ترکیب:۔ مصنفؒ نے **اذا** کی ترکیب کے متعلق دو صورتیں ذکر کی ہیں: ① **اذا** ظرفیہ ہو، شرطیہ نہ ہو، اس صورت میں مفہوم یہ ہوگا: **كُتب عليكم اَن يوصى احدُ كم وقت حضور الموت** (تم پر موت

حاضر ہونے کے وقت وصیت کرنا فرض کیا گیا ہے)② **اذا** شرطیہ ہو یعنی ظرف متضمن معنی شرط ہو، اس صورت میں جواب شرط (**فَلْيُوْصِ**) محذوف ہوگا اور اس پر لفظ وصیت دال ہوگا۔ اس صورت میں مفہوم یہ ہوگا: **کُتب علیکم اِن حضر احدکم الموتُ فلیوصِ** (اگر تم میں سے کسی کے پاس موت حاضر ہو تو اُس کو چاہئے کہ وصیت کرے)۔

③ خطِ کشیدہ عبارت کا مطلب:۔ وصیت کا مذکورہ حکم آیتِ میراث کے نزول سے پہلے دیا گیا تھا، اب یہ حکم آیتِ میراث: **یوصیکم اللّٰہ فی اولادکم الخ** اور آپ ﷺ کے فرمان: **اِن اللّٰہ قد اعطی کل ذِی حق حقہ فلا وصِیة لوارث** (اللہ نے ہر حق دار کو اس کا حق دیدیا، لہذا اب کسی وارث کیلئے وصیت کرنا جائز نہیں) کی وجہ سے اسکی فرضیت منسوخ ہے، اس حدیثِ متواتر کا اعلان آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر تقریباً ڈیڑھ لاکھ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مجمع کے سامنے فرمایا۔ (جمالین)

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۳ھ

**الشق الاوّل** ......**اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ وَ لَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا۔ وَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا۔** (پ۵۔النساء:۱۰۵تا۱۰۷)

آیات کا ترجمہ کریں۔ شانِ نزول بیان کریں۔ آیات کی تفسیر واضح کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل تین امور ہیں: ① آیات کا ترجمہ ② آیات کا شانِ نزول ③ آیات کی تفسیر۔

**جواب** ...... ① آیات کا ترجمہ:۔ بیشک ہم نے آپ کی طرف سچی (حق پر مشتمل) کتاب نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس طریقہ کے مطابق فیصلہ وانصاف کریں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سمجھایا ہے اور آپ دغا باز وخیانت کرنے والوں کے طرفدار نہ بنیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں بیشک اللہ بہت بخشنے والا مہربان ہے۔ اور آپ نہ جھگڑیں ان کی طرف سے جو خود اپنی ہی جانوں سے خیانت کرتے ہیں، بیشک اللہ تعالیٰ کسی خیانت کرنے والے گنہگار کو پسند نہیں کرتا۔

② آیات کا شانِ نزول:۔ مدینہ میں ایک خاندان بنوابیرق کے نام سے معروف تھا، ان میں ایک شخص کا نام ابن ابیرق، بشیر یا طعم تھا، یہ شخص درحقیقت منافق تھا، مدینہ میں رہتے ہوئے بھی صحابہ کرامؓ کی توہین میں اشعار لکھ کر دوسروں کے ناموں سے ان کی اشاعت کیا کرتا تھا۔ حضرت قتادہ بن نعمانؓ کے چچا حضرت رفاعہؓ نے کچھ گیہوں کا آٹا خرید کر ایک بوری میں اپنے لئے رکھا ہوا تھا، اسی میں کچھ اسلحہ وغیرہ بھی رکھ کر ایک چھوٹی کوٹھڑی میں محفوظ کیا ہوا تھا، اس منافق نے نقب لگا کر یہ بوری نکال لی، حضرت رفاعہؓ نے صبح کو یہ ماجرا دیکھا تو اپنے بھتیجے قتادہ کے پاس آئے اور واقعہ کا ذکر کیا، تفتیش شروع ہوئی تو بعض لوگوں نے بتایا کہ آج رات بنو ابیرق کے گھر میں آگ روشن تھی، ہمارا خیال ہے کہ وہی کھانا پکایا گیا ہے، بنوابیرق کو جب راز فاش ہونے کی خبر ملی تو خود آئے اور کہا کہ یہ کام لبید بن سہلؓ کا ہے، حضرت لبید کو سب جانتے تھے کہ مخلص مسلمان اور نیک بزرگ ہیں ان کو جب یہ خبر ہوئی تو وہ تلوار کھینچ کر آئے اور کہا کہ چوری میرے سر لگاتے ہو؟ اب میں تلوار اس وقت تک میان میں نہ رکھوں گا جب تک چوری کی حقیقت واضح نہ ہو جائے، بنوابیرق نے آہستہ سے کہا کہ آپ بےفکر رہیں آپ کا نام کوئی نہیں لیتا، نہ آپ کا یہ کام ہو سکتا ہے۔ بعض نے لکھا کہ بنو ابیرق نے چوری ایک یہودی کے نام لگائی اور ہوشیاری سے آٹے کی بوری کو تھوڑا سا پھاڑ دیا تھا جس سے آٹا گرتا رہا اور رفاعہ کے مکان سے اس یہودی کے مکان تک اس آٹے کے آثار پائے گئے، شہرت ہونے کے بعد چوری کیا ہوا اسلحہ اور زرہیں بھی اس یہودی کے پاس رکھوا دیں اور تحقیق کے وقت اسی کے گھر سے برآمد ہوئیں، یہودی نے قسم کھائی کہ زرہیں مجھے ابن ابیرق نے دی ہیں۔ ادھر حضرت قتادہ اور رفاعہ کو مختلف صورتوں سے یہ گمان غالب ہوگیا کہ یہ کارروائی بنوابیرق کی ہے، حضرت قتادہ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر چوری کا واقعہ اور بسلسلہ تفتیش بنوابیرق پر غالب گمان کا ذکر کر دیا، بنوابیرق کو خبر ملی تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت رفاعہ اور قتادہ کی شکایت کی کہ بلا ثبوتِ شرعی چوری ہمارے نام لگا رہے ہیں حالانکہ مسروقہ مال یہودی کے گھر سے برآمد ہوا ہے، آپ ان کو روکیں کہ ہمارے نام نہ لگائیں، یہودی پر دعوی کریں۔ ظاہری

حالات وآثار سے آنحضرت ﷺ کا بھی اسی طرف رجحان ہوگیا کہ یہ کام یہودی کا ہے، بنوابیرق پر الزام صحیح نہیں، بغوی کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ارادہ ہوگیا کہ یہودی پر چوری کی سزا جاری کردی جائے اور اس کا ہاتھ کاٹا جائے، جب حضرت قتادہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ آپ بغیر دلیل اور ثبوت کے ایک مسلمان گھرانے پر چوری کا الزام لگا رہے ہیں؟ حضرت قتادہ اس معاملہ سے بہت رنجیدہ ہوئے، اسی طرح حضرت رفاعہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے ایسا ارشاد فرمایا تو انہوں نے بھی صبر کیا اور کہا: **واللّٰہ المستعان** ۔اس معاملہ پر کچھ وقت نہ گزرا تھا کہ قرآن کریم کا ایک پورا رکوع اس بارے میں نازل ہوگیا جس کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ پر واقعہ کی حقیقت منکشف کردی گئی اور ایسے معاملات کے متعلق عام ہدایات دی گئیں۔قرآن کریم نے بنوابیرق کی چوری کھول دی اور یہودی کو بری کردیا۔(بشیر بن ابیرق مدینہ سے بھاگ کر مکہ چلا گیا اور مشرکین کے ساتھ مل گیا، اگر وہ پہلے سے منافق تھا تو اب کھلا کافر ہوگیا اور اگر پہلے مسلمان تھا تو اب مرتد ہوگیا۔تفسیر بحرمحیط میں ہے کہ اللہ اور رسول کی مخالفت کے وبال نے بشیر بن ابیرق کو مکہ میں بھی چین سے نہ رہنے دیا، اسی طرح پھرتے پھرتے آخر اس نے ایک اور شخص کے مکان میں نقب لگائی تو دیوار اس کے اوپر گرگئی اور وہ وہیں دب کر مرگیا) بنوابیرق نے مجبور ہوکر مال مسروقہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کردیا، آپ نے رفاعہؓ کو واپس دلایا اور انہوں نے سب اسلحہ جہاد کیلئے وقف کردیا۔(معارف القرآن)

**③ آیات کی تفسیر:۔** پہلی آیت میں آنحضرت ﷺ کو چوری کے واقعہ کی اصل حقیقت بتلا کر ارشاد فرمایا کہ ہم نے آپ پر قرآن اور وحی اسی لئے نازل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو علم و معرفت آپ کو عطا فرمایا ہے اسکے مطابق فیصلہ کریں اور خائنوں کی یعنی بنوابیرق کی طرف داری نہ کریں، اگرچہ ظاہری حالات وقرائن کی بنا پر چوری کے معاملہ میں یہودی کی طرف آپ کا رجحان کوئی گناہ نہ تھا مگر واقعہ کے خلاف ضرور تھا۔نیز ثابت ہوا کہ جھوٹے مقدمہ ودعوی کی پیروی یا وکالت کرنا یا اسکی تائید وحمایت کرنا سب حرام ہے۔

اسی لئے دوسری آیت میں آپ کو استغفار کا حکم دیا گیا کہ انبیاء علیہم السلام کا مقام بہت بلند ہے، ان سے اتنی بات بھی پسند نہیں۔ اور گناہ خواہ متعدی ہو یا لازمی یعنی حقوق العباد سے متعلق ہو یا حقوق اللہ سے، ہر قسم کا گناہ توبہ واستغفار سے معاف ہوسکتا ہے۔

تیسری آیت میں پھر اسکی تاکید فرمائی کہ خیانت کرنے والوں کی طرف سے آپ کوئی جواب دہی و وکالت نہ کریں، کیونکہ خیانت کرنے والے لوگ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہیں۔(ایضا)

**الشق الثانی** ......**وَقَوْلِهِمْ (مفتخرين) إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ (فی زعمهم ای بمجموع ذلك عذبنا هم قال تعالى تكذ يبا لهم فى قتله) وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ (المقتول و المصلوب وهو صاحبهم بعيسىٰ اى القى الله عليه شبهه فظنّوه ايّاه)** (پ۶۔النساء:۱۵۷)

آیت کا ترجمہ کریں۔تفسیری کلمات کی روشنی میں تفسیر بیان کریں۔حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ مدلل انداز میں بیان کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل تین امور ہیں: ① آیت کا ترجمہ ② آیت کی تفسیر ③ حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ۔

**جواب** ...... **① آیت کا ترجمہ:۔** اور انہوں نے کہا (فخر کرتے ہوئے) کہ بلاشبہ ہم نے اللہ کے رسول مسیح ابن مریم کو قتل کردیا (اپنے گمان میں، الغرض ان تمام باتوں کی وجہ سے ہم نے ان کو عذاب دیا ہے۔اللہ تعالیٰ ان کے دعویٔ قتل کی تکذیب کرتے ہوئے فرماتے ہیں) حالانکہ انہوں نے نہ ان کو قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا لیکن ان کو شبہ میں ڈال دیا گیا (مقتول ومصلوب جو ان کا ساتھی ورفیق تھا وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل ہوگیا تھا یعنی اللہ تعالیٰ نے مقتول کو عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنادیا اور انہوں نے اُسی کو عیسیٰ بن مریم سمجھ لیا)۔

0313 ... maktabazakariyamultan@gmail.com

**② آیت کی تفسیر:۔** اللہ تعالیٰ اس آیت میں یہود کے دعوی کی تردید کررہے ہیں۔ یہود فخریہ انداز میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق دعوی کرتے ہیں کہ ہم نے ان کو قتل کردیا ہے۔اللہ تعالیٰ ان کے دعوی کی تردید وتکذیب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہودیوں نے نہ ان کو قتل کیا ہے اور نہ سولی پر چڑھایا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شبہ میں ڈال دیا اور انہوں نے اپنے ہی ساتھی کو جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنادیا تھا، انہوں نے اُسی کو عیسیٰ بن مریم سمجھ کر قتل کردیا اور خوش ہوگئے۔

**③ حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ:۔** یہود کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی پر چڑھائے گئے اور پھر دفن کردیئے گئے۔دوبارہ نہ زندہ

ہوئے اور نہ آسمانوں کی طرف اٹھائے گئے۔ عیسائیوں کا کہنا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی پر بھی چڑھائے گئے دفن بھی کئے گئے اور پھر زندہ ہوکر آسمانوں پر بھی چلے گئے۔ اہلسنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ سولی پر چڑھائے گئے، نہ دفن کئے گئے بلکہ زندہ ہی آسمانوں پر اٹھائے گئے ہیں اور قربِ قیامت میں نازل ہوں گے اور شریعتِ محمدیہ ﷺ کی پاسداری اور پیروی کریں گے کیونکہ سابقہ تمام شریعتیں ختم ہوچکی ہیں اب قیامت تک شریعتِ محمدیہ ﷺ باقی ہے۔

اہلسنت والجماعت کے دلائل: ① آیت کریمہ "**وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم**"۔ ② آیت کریمہ "**وما قتلوه يقينا بل رفعه الله اليه**" ہے۔ اسکے علاوہ متعدد احادیث سے بھی ثابت ہے مثلاً "**ان عيسى لم يمت وانه راجع اليكم قبل يوم القيامة**"۔ اسی طرح ایک حدیث میں ہے "**بانه سينزل ويقتل الدجال ثم انه تعالى يتوفاه بعد ذلك...... لاتقوم الساعة حتى ينزل عيسى بن مريم حكما مقسطا واماما عادلا فيكسر الصليب ويقتل الخنزير وايقتض المال حتى لايقبله احد**۔ اسی طرح اجماعِ امت سے بھی آپ علیہ السلام کی حیات ثابت ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ سے پانچ وعدے کئے ہیں ان میں سے کچھ پورے ہوگئے اور کچھ کا پورا ہونا ابھی باقی ہے: ① ان کی موت یہود کے ہاتھوں نہیں ہوگی وقتِ موعود پر قربِ قیامت طبعی موت واقع ہوگی۔ ② فی الحال عالم بالا کی طرف اٹھانے کا وعدہ تھا یہ وعدہ اسی وقت پورا کردیا گیا۔ ③ ان کو دشمنوں کی تہمتوں سے پاک کرنے کا وعدہ تھا اور یہ وعدہ آنحضرت ﷺ کے تشریف لانے پر پورا ہوا کہ آپ ﷺ نے یہود کے تمام الزامات کو بذریعہ آیاتِ قرآنی صاف کردیا۔ ④ آپ کے متبعین کو منکرین پر قیامت تک غالب رکھنے کا وعدہ تھا یہ وعدہ بھی پورا ہوا، کیونکہ یہاں اتباع سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا اعتقاد و اقرار مراد ہے اور اس اتباع میں نصاریٰ ومسلمان سب داخل ہیں اور نصاریٰ ومسلمانوں کو یہود کے مقابلہ میں ہمیشہ غلبہ حاصل رہا اور یقیناً قیامت تک یہ غلبہ حاصل رہے گا۔ ⑤ قیامت کے دن ان تمام مذہبی اختلافات کے درمیان فیصلہ کرنے کا وعدہ تھا اور یہ وعدہ اپنے وقت پر ضرور پورا ہوگا۔ (معارف القرآن ۲:۷۶)

## السوال الثالث ۱۴۴۳ھ

**الشق الاوّل** ...... **اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِىْ (اى غير المحصنين لرجمها بالسنة وال فيما ذكر موصولة وهو مبتداء ولشبهه بالشرط دخلت الفاء فى خبره وهو) فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (اى ضربة يقال جلده ضرب جلده ويزاد على ذلك بالسنة تغريب عام والرقيق على النصف مما ذكر) وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِىْ دِيْنِ اللّٰهِ (اى حكمه بان تتركوا شيئا من حد هما) اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا (اى الجلد) طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (قيل ثلاثة وقيل اربعة عدد شهود الزنا)**۔ (پ۱۸۔النور:۲)

آیت کریمہ کا ترجمہ فرمائیں۔ سورۃ النور کی خصوصیات بیان فرمائیں۔ آیات کریمہ میں غیر شادی شدہ زانی کی سزا کا ذکر ہے تو شادی شدہ کی سزا کا ذکر کہاں ہے؟ تفصیل سے بیان کریں۔

﴿خلاصہ سوال﴾...... اس سوال کا حل تین امور ہیں ① آیت کا ترجمہ ② سورۃ النور کی خصوصیات ③ شادی شدہ زانی کی سزا کا محلِ ذکر۔

**جواب** ...... ① آیت کا ترجمہ:۔ بدکار عورت اور بدکار مرد (حدیث کی وجہ سے کہ اس کا تعلق غیر شادی شدہ جوڑے سے ہے **الزانية والزاني** پر الف لام **الذى** کے معنیٰ میں ہے اور یہی مبتداء ہے کیونکہ اس کا مضمون شرط کا ہے اسی لئے خبر یعنی **فاجلدوا** پر فاء داخل ہے) میں سے ہر ایک کو زناء کی وجہ سے سو، سو کوڑے لگاؤ (اور زیادتی کی جائے گی اس پر سنت کی وجہ سے ایک سال کی جلاوطنی کی، اور غلام کی مذکورہ نصف سزا ہے) اور تمہارے پاس اِن کے متعلق اللہ کے دین کے معاملہ میں کوئی رحم کا جذبہ نہ آئے (بایں طور کہ تم انکی حد میں سے کچھ ترک کردو) اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، اس میں بطورِ عبرت جب انہیں سزا دی جارہی ہو تو مسلمانوں کا ایک گروہ موقعہ پر حاضر ہو (کہا گیا کہ اُن کی تعداد تین ہو اور یہ بھی کہا گیا کہ اُن کی تعداد چار ہو جو کہ زناء کے گواہوں کی تعداد ہے۔

② سورۃ النور کی خصوصیات:۔ اس سورت میں زیادہ تر احکام عفت کی حفاظت اور ستر وحجاب کے متعلق ہیں، اور اسی کی تکمیل کے

لئے حدِ زنا کا ذکر ہے چونکہ اس سورت میں عفت کے اہتمام کیلئے متعلقہ احکام ذکر کئے گئے ہیں، اسی لئے عورتوں کو اس سورت کی تعلیم کی خصوصی ہدایات آئی ہیں۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اہلِ کوفہ کے نام اپنے ایک خط میں تحریر فرمایا تھا **علّموا نساء کم سورۃ النور** (اپنی عورتوں کو سورہ نور کی تعلیم دو) اور اس سورت کی ابتداء ان الفاظ سے کی گئی ہے۔ **سورۃ انزلنٰھا و فرضنٰھا** جس سے اس سورت کے خاص اہتمام کی طرف اشارہ ہے۔

③ شادی شدہ زانی کی سزا کا محل ذکر:۔ سورۃ نور کی مذکورہ آیت کریمہ میں صرف غیر شادی شدہ زانی مرد و عورت کی سزا کا ذکر ہے اور شادی شدہ زانی مرد و عورت کی سزا کا ذکر صحیح مسلم، مسند احمد، نسائی، ابوداؤد، ترمذی و ابن ماجہ میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس طرح آئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ **خذوا عنی خذوا عنی قد جعل اللّٰہ لھن سبیلا البکر بالبکر جلد مائۃ وتغریب عام والثیب بالثیب جلد مائۃ والرجم** (مجھ سے علم حاصل کرلو مجھ سے علم حاصل کرلو، کہ اللہ تعالیٰ نے زانی مرد و عورت کے لیے وہ سبیل جس کا وعدہ سورہ نساء میں کیا تھا وہ یہ ہے کہ غیر شادی شدہ مرد و عورت کیلئے سو کوڑے اور سال بھر کی جلاوطنی ہے اور شادی شدہ مرد و عورت کیلئے سو کوڑے و سنگساری ہے)۔

اسی طرح صحیحین میں مذکور ہے کہ غیر شادہ شدہ مرد نے جو ایک شادی شدہ عورت کا ملازم تھا اسکے ساتھ زنا کیا اقرار سے واقعہ ثابت ہوگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **لاقضینّ بینکما بکتاب اللّٰہ** (میں تم دونوں کا فیصلہ کتاب اللہ کے مطابق کرونگا) پھر حکم فرمایا کہ غیر شادی شدہ لڑکے کو سو کوڑے لگائے جائیں اور عورت شادی شدہ تھی اسلئے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ عورت کو رجم و سنگسار کیا جائے۔

نیز ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ زنا کی سزا میں ہم شرعی حیثیت سے رجم کرنے پر مجبور ہیں کیونکہ وہ اللہ کی حدود میں سے ایک حد ہے خوب سمجھ لو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی رجم کیا ہے اور ہم نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد رجم کیا ہے۔ اور اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ لوگ کہیں گے: عمر نے کتاب اللہ میں اپنی طرف سے کچھ بڑھا دیا ہے تو میں قرآن کریم کے کسی گوشہ و حاشیہ میں اس کو لکھوا بھی دیتا، اور عمر بن خطاب گواہ ہے، عبدالرحمٰن بن عوف گواہ ہے اور فلاں فلاں صحابی گواہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہم نے بھی رجم کیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگرچہ آیتِ رجم مستقل آیت نہیں ہے لیکن جس ذاتِ اقدس پر آیت زنا نازل ہوئی اس ذات کی طرف سے ناقابلِ التباس وضاحت کے ساتھ یہ تفصیل مذکور ہے اور یہ صرف زبانی تعلیم و محض ارشاد ہی نہیں بلکہ متعدد مرتبہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مجمع میں اس پر عمل بھی ہوا ہے۔ (تلخیص از معارف القرآن ۶:۳۴۶)

**الشق الثانی** ....... **وَاِنۡ كُنَّ اُولَاتِ حَمۡلٍ فَاَنۡفِقُوۡا عَلَيۡهِنَّ حَتّٰى يَضَعۡنَ حَمۡلَهُنَّ فَاِنۡ اَرۡضَعۡنَ لَـكُمۡ (اولادکم منھنّ) فَاٰتُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ (علی الارضاع) وَاۡتَمِرُوۡا بَيۡنَكُمۡ (و بینھنّ) بِمَعۡرُوۡفٍ (بجمیل فی حق الاولاد بالتوافق علٰی اجر معلوم علی الارضاع) وَاِنۡ تَعَاسَرۡتُمۡ (تضایقتم فی الارضاع فامتنع الاب من الاجرۃ و الام من فعلہ) فَسَتُرۡضِعُ لَهٗۤ (للاب) اُخۡرٰى (و لا تکرہ الامّ علی ارضاعہ)۔** (پ ۲۸۔ الطلاق: ۶)

آیت کا ترجمہ و عبارت کی تشریح کریں۔ کیا مطلقہ غیر حاملہ کیلئے نفقہ ہے؟ اسکے متعلق فقہاء کا اختلاف تحریر کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ....... اس سوال کا حل تین امور ہیں ① آیت کا ترجمہ ② عبارت کی تشریح ③ مطلقہ غیر حاملہ کے نفقہ میں فقہاء کا اختلاف۔

**جواب** ....... ① آیت کا ترجمہ:۔ اگر وہ عورتیں حمل والیاں ہوں تو ان پر اس وقت تک خرچ کرو جب تک وہ بچہ جن دیں۔ پھر اگر وہ عورتیں تمہارے لیے بچے کو دودھ پلائیں تو تم ان کو اجرت دو۔ اور (اجرت ادا کرنے میں) باہم مناسب طور پر طے کر لیا کرو۔ اور اگر باہم کشمکش کروگے (ایک دوسرے کیلئے مشکل پیدا کروگے) تو کوئی دوسری عورت دودھ پلائے گی۔

② عبارت کی تشریح:۔ عام حالات میں عورت کی عدت تین مہینے کے قریب قریب پوری ہو جاتی ہے لیکن چونکہ حمل کی مدت اس سے لمبی بھی ہوسکتی ہے، اسلئے اس حالت کے متعلق خاص طور پر حکم دیا گیا ہے کہ بچے کی پیدائش تک مطلقہ عورت کا نفقہ جاری رہے گا، چاہے اس میں کتنی ہی دیر لگے۔

مطلقہ عورت خود اپنے بچے کو دودھ پلانے کیلئے اپنے سابقہ شوہر اور بچے کے باپ سے اجرت کا مطالبہ کرسکتی ہے اور آیت میں

ترغیب دی گئی ہے کہ اجرت آپس کی رضامندی سے طے کرلینی چاہئے، نہ تو شوہر اس میں بخل سے کام لے کیونکہ اگر آپس کی رضامندی سے بات طے نہ ہوسکی تو کسی اور عورت کو رکھنا پڑے گا اور ظاہر ہے کہ وہ رواج کے مطابق اجرت مانگے گی، لہٰذا کیوں نہ بچے کی ماں ہی کو وہ اجرت دیدی جائے، نیز ماں کو بھی رواج سے زیادہ اجرت کا مطالبہ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس صورت میں بچے کا باپ کسی اور عورت سے دودھ پلوانے پر مجبور ہوگا، اور ماں کیلئے یہ اچھی بات نہیں ہے کہ وہ محض زیادہ پیسوں کے لالچ میں اپنے بچے کو کسی اور سے دودھ پلوائے۔ (آسان تفسیر)

③ **مطلقہ غیر حاملہ کے نفقہ میں فقہاء کا اختلاف:۔** فقہاء کا اتفاق ہے کہ مطلقہ رجعیہ ومبتوتہ حاملہ عدت کے دوران نفقہ وسکنی دونوں کی مستحق ہوتی ہے۔ البتہ مطلقہ مبتوتہ غیر حاملہ کے بارے میں اختلاف ہے اس بارے میں تین مذاہب ہیں: ① امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کے نزدیک مبتوتہ غیر حاملہ کا نفقہ اور سکنی بھی مطلقاً شوہر پر واجب ہے، حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا بھی یہی مسلک ہے۔ نیز سفیان ثوری، ابراہیم نخعی، ابن شبرمہ، ابن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں ② امام احمد، امام اسحاق اور اہل ظاہر رحمۃ اللہ علیہم کا مسلک یہ ہے کہ اس کیلئے نفقہ ہے نہ سکنی۔ حضرت علی، حضرت ابن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم کی طرف بھی یہی قول منسوب ہے۔ نیز حسن بصری، طاؤس، عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہم کا بھی یہی مسلک ہے ③ امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک سکنی واجب ہے نفقہ واجب نہیں فقہاء سبعہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھی یہی مسلک ہے۔

عدمِ نفقہ اور عدمِ سکنی پر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا استدلال حضرت فاطمہؓ بنت قیس کی روایت سے ہے۔

امام شافعی وامام مالک رحمۃ اللہ علیہما عدمِ نفقہ پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی کی روایت سے استدلال کرتے ہیں البتہ فرماتے ہیں کہ **اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم ولا تضارّوھنّ لتضیّقوا علیھنّ** کی آیت سکنی کے بارے میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے معارض ہے لہٰذا ہم نے روایت کو ترک کردیا اور کتاب اللہ کو اختیار کرلیا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی دلیل: **وللمطلّقٰت متاع بالمعروف** اس آیت میں متاع سے نفقہ اور سکنی دونوں مراد ہیں اور مطلقات کا لفظ عام ہے جو مطلقہ رجعیہ اور مبتوتہ دونوں کو شامل ہے۔ دوسری دلیل: **اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم ولا تضارّوھنّ لتضیّقوا علیھنّ** امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے تین طریقوں سے مسلکِ احناف کو ثابت کیا ہے:

① جس طرح سکنی ایک مالی حق ہے اور اس آیت کی رو سے واجب ہے اسی طرح نفقہ بھی مالی حق ہونے کی وجہ سے واجب ہوگا۔

② **ولا تضاروھن** سے مطلقات کو ضرر پہنچانے سے روکا گیا ہے اور ضرر جس طرح عدمِ سکنی سے لاحق ہوتا ہے اسی طرح عدمِ نفقہ سے بھی لاحق ہوتا ہے۔ ③ **لتضیقوا علیھن** تنگی اور تضیق جس طرح عدمِ سکنی میں ہے اسی طرح عدمِ نفقہ میں بھی ہے۔

تیسری دلیل: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقہ مبتوتہ غیر حاملہ کے لئے سکنی اور نفقہ مقرر نہیں کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم ایک عورت کے قول کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کو نہیں چھوڑیں گے شاید کہ اس کو یاد ہے یا وہ نفقہ اور سکنی بھول گئی ہے حالانکہ اللہ نے فرمایا **لا تخرجوھن من بیوتھن** (مسلم)

جوابات: حدیثِ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا حضرت عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جرح کی وجہ سے مطعون ہے مذکورہ نصوص کے مقابلہ میں حجت نہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انکار پر کسی صحابی کا انکار منقول نہیں حضرت زید بن ثابت، حضرت اسامہ بن زید، حضرت جابر رضی اللہ عنہم نے بھی اس روایت کو مجروح کیا ہے۔ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا اپنے شوہر اور گھر والوں کیخلاف زبان درازی کیا کرتی تھیں اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو شوہر کے گھر سے ہٹادیا۔ باقی رہا نفقہ اس کا جواب یہ ہے کہ فاطمہ کے خاوند کے وکیل نے کچھ نفقہ پیش کیا تھا فاطمہ نے قلت کی وجہ سے اسے رد کردیا اور زائد کا مطالبہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زائد کی نفی فرمائی۔ (تفصیل درسِ ترمذی ج۳ ص۴۸۲، المسائل والدلائل ص ۵۳۰)

## الورقة الاولی: (منتخباتِ جلالین)

### السوال الاوّل ۱۴۴۴ھ

**الشق الاوّل** ......وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰھِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ ھٰذَا (الْمَکَانَ) بَلَدًا اٰمِنًا (ذَا اَمْنٍ و قَدْ اَجَابَ اللّٰہُ دُعَائَہٗ

**فَجَعَلَهٗ حَرَمًا لَا یُسفَكُ فِیهِ دَمُ اِنسَانٍ وَ لَا یُظلَمُ فِیهِ اَحَدٌ وَلَا یُصَادُ صَیدُهٗ وَ لَا یُختَلٰی خَلَاهُ) وَارزُقْ اَهلَهٗ مِنَ الثَّمَرَاتِ(و قَدْ فَعَلَ بِنَقلِ الطَّآئِفِ مِنَ الشَّامِ اِلَیهِ وَ کَانَ اَقفَرَ لَا زَرعَ بِهٖ وَ لَا مَاءَ)۔**(پ ا۔بقرۃ:۱۲۶)

عبارت پر اعراب لگائیں۔آیت وتفسیری عبارت کا ترجمہ کریں۔**لا یُصَادُ صَیدُهٗ وَ لَا یُختَلٰی خَلَاه** کی تفصیل ذکر کریں۔**و قَدْ فَعَلَ بِنَقلِ الطَّآئِفِ الخ** کی مکمل تشریح کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت پر اعراب ② آیت وتفسیری عبارت کا ترجمہ ③ **لا یُصَادُ صَیدُهٗ وَ لَا یُختَلٰی خَلَاه** کی تفصیل ④ **و قَدْ فَعَلَ بِنَقلِ الطَّآئِفِ الخ** کی تشریح۔

**جواب** ...... **①** عبارت پر اعراب:۔**کما مرّ فی السوال آنفا۔**

**②** آیت وتفسیری عبارت کا ترجمہ:۔اور (یاد کرو) جس وقت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! اس جگہ کو ایک آباد شہر بنا دیجئے (یعنی پُرامن، حق تعالیٰ نے ان کی اس دعا کو قبول فرما کر اس جگہ کو حرم قرار دیدیا کہ اب اس میں نہ کسی کو قتل کیا جا سکتا ہے اور نہ کسی پر ظلم کیا جا سکتا ہے، نہ کسی جانور کا شکار کھیلا جا سکتا ہے اور نہ گھاس اکھاڑی جا سکتی ہے) اور اس کے بسنے والوں کو پھل عنایت فرمائیے (چنانچہ طائف کے خطہ کو ملک شام سے یہاں منتقل کر کے اللہ نے اس دعا کو قبول فرما لیا، حالانکہ پہلے یہ جگہ بے آب وگیاہ، چٹیل میدان تھا)۔

**③ لا یُصَادُ صَیدُهٗ وَ لَا یُختَلٰی خَلَاه** کی تفصیل:۔اگر حرم میں رہتے ہوئے کسی نے قتل کیا یا زخمی کیا یا باہر سے زخمی کر کے آیا تو بالاتفاق قصاص اور سزا دی جائے گی لیکن اگر کوئی باہر سے قتل کر کے حرم میں داخل ہوا تو امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا، بلکہ اس کو تنگ کر کے کسی طرح حیلہ سے باہر نکلنے پر مجبور کر دیں گے اور حیلہ سے جب باہر نکل جائے گا تو قصاص لے لیں گے۔امام شافعی کی نزدیک ہر صورت میں قصاص اور حدود جاری کی جائے گی۔(کمالین)

مکہ مکرمہ کے اشجار ونباتات کی تین قسمیں ہیں: ① جو کسی شخص نے اپنی محنت سے اُگائے ہوں، ان کو کاٹنا یا اکھیڑنا بالاتفاق جائز ہے۔② جو کسی نے اُگائے تو نہیں لیکن وہ ان ہی نباتات کی جنس سے ہیں جنہیں لوگ عام طور پر اُگاتے ہیں۔ان کو بھی کاٹنا اور اکھیڑنا جائز ہے۔③ خودرو پودے اور گھاس وغیرہ، اس قسم میں سے صرف ''اذخر'' گھاس کا کاٹنا اور اکھیڑنا جائز ہے، باقی کسی چیز کا اکھیڑنا یا کاٹنا جائز نہیں۔البتہ خودرو گھاس یا پودوں اور درختوں میں سے اگر کوئی پودا وغیرہ مرجھا گیا ہو، یا جل گیا ہو، یا ٹوٹ گیا ہو تو اس کو کاٹنا بھی جائز ہے۔ الغرض وہ گھاس اور پودے وغیرہ جو خود اُگے ہوں، وہ نہ تو **ماانبته الناس** کی جنس میں سے ہوں، نہ ٹوٹے ہوئے ہوں، نہ جلے ہوئے ہوں اور نہ مرجھائے ہوئے ہوں نیز ''اذخر'' بھی نہ ہو، ایسے پودوں اور گھاس وغیرہ کا کاٹنا جائز نہیں اور کاٹنے کی صورت میں جزاء واجب ہوگی۔(کشف الباری)

**④ و قَدْ فَعَلَ بِنَقلِ الطَّآئِفِ الخ** کی تشریح:۔مشہور یہ ہے کہ طائف بلادِ شام واردن یا فلسطین کے قریب کی آباد وشاداب بستی تھی حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے حضرت جبریل کے ذریعہ اس بستی کو منتقل فرما دیا اور اس بستی نے بیت اللہ کا سات چکر طواف کر کے مکہ معظّمہ سے تین منزل کے فاصلہ پر قیام کیا اسی لئے اس کو طائف کہتے ہیں۔اسی دعا کے نتیجہ میں اس بستی میں پھل بکثرت ہوتے ہیں اور مکہ میں ہر وقت بکثرت آتے ہیں۔(مظہری وکمالین)

**الشق الثانی** ......**وَاِنْ کُنتُمْ عَلٰی سَفَرٍ(اَیْ مُسَافِرِینَ وَ تَدَایَنتُمْ) وَ لَمْ تَجِدُوْا کَاتِبًا فَرِهَانٌ(وَفِی قِرَاءَةٍ فُرُهُنٌ) مَقبُوضَةٌ(تَستَوثِقُونَ بِهَا و بَیَّنَتِ السُّنَّةُ جَوَازَ الرَّهنِ فِی الحَضَرِ و وُجُودِ الکَاتِبِ فَالتَّقیِیدُ بِمَا ذُکِرَ لِاَنَّ التَّوَثُّقَ فِیهِ اَشَدُّ وَاَفَادَ قَولُهٗ مَقبُوضَةٌ اِشتِرَاطَ القَبضِ فِی الرَّهنِ وَالاِکتِفَاءَ بِهٖ مِنَ المُرتَهِنِ وَوَکِیلِهٖ)۔**

عبارت پر اعراب لگائیں۔پوری عبارت کا ترجمہ کریں۔**بیّنت السنة** کس سوالِ مقدر کا جواب ہے؟ سوال وجواب کی وضاحت کریں۔(پ ۳۔بقرۃ:۲۸۳)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل تین امور ہیں: ① عبارت پر اعراب ② عبارت کا ترجمہ ③ **بیّنت السنة الخ** سوال و

جواب کی وضاحت۔

**جواب** ...... ① عبارت پر اعراب:۔ **کما مرّ فی السوال آنفا۔**

② عبارت کا ترجمہ:۔ اور اگر تم کہیں سفر میں ہو (یعنی تم مسافر ہو اور ادھار کا معاملہ کرنے لگو) اور کوئی کاتب نہ پاؤ تو گروی رکھنے کی چیز قبضہ میں دیدی جائے (اور ایک قرآت میں فَرُھُنٌ ہے۔ جس سے قرض دینے والوں کو اطمینان ہو جائے اور سنت سے حالتِ حضر اور کاتب کی موجودگی میں بھی رہن کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ یہ دونوں قیدیں صرف اسلئے ہیں کہ اس حالت میں توثیق کی زیادہ حاجت پیش آتی ہے اور لفظ مقبوضہ کی شرط سے یہ فائدہ ہوا کہ رہن میں قبضہ کی شرط معلوم ہوئی اور یہ کہ مرتہن اور اس کے وکیل دونوں میں سے کسی ایک کا قبضہ کافی ہوگا۔

③ بیّنت السنة الخ سوال وجواب کی وضاحت:۔ سوال یہ ہے کہ آیت کریمہ کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ حالتِ سفر میں جب کاتب موجود نہ ہو اس وقت اعتماد کیلئے رہن رکھنا جائز ہے، اسکے برعکس حالتِ سفر میں جب کاتب موجود ہو یا حالتِ حضر میں رہن رکھنا جائز نہیں ہے، حالانکہ ان صورتوں میں بھی رہن رکھنا جائز ہے۔

بیّنت السنة سے شارح نے اس سوال کا جواب دیا کہ اعتماد کیلئے سفر و حضر کی سب صورتوں میں رہن رکھنا جائز ہے۔ حالتِ حضر و کاتب کی موجودگی میں رہن کا جواز آپ ﷺ کے عمل سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بیس صاع گیہوں کے بدلہ میں ایک یہودی کے پاس اپنی زرہ رہن رکھی تھی۔

باقی آیت میں تخصیص کی وجہ شدتِ حاجت ہے کہ سفر میں عام طور پر باقاعدہ سامانِ کتابت یا کاتب و شاہد دستیاب نہیں ہوتا اور دَین ضائع ہونے کے احتمالات زیادہ ہوتے ہیں۔

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۴ھ

**الشق الاوّل** ...... **یٰاَیّھا الذین آمنوا لا یحلّ لکم ان ترثوا النساء (ای ذاتھنّ) کرھا (بالفتح والضم لغتان، ای مکرھیھنّ علی ذٰلك) ولا (اَن) تعضلوھنّ (ای تمنعوا ازواجکم عن نکاح غیرکم بامساکھنّ ولا رغبة لکم فیھن ضرارا) لتذھبوا ببعض ما آتیتموھنّ (من المھر) الّا ان یأتین بفاحشة مبیّنة۔**

آیت کریمہ اور عبارتِ مفسر دونوں کا سلیس ترجمہ کیجیے۔ آیت مبارکہ کا شان نزول تحریر کیجیے۔ کَرْھًا کیوں منصوب ہے؟ **فاحشة مبینة** سے کیا مراد ہے؟ (پ۴۔ النساء: ۱۹)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت کا ترجمہ ② آیت کا شان نزول ③ کَرْھًا کے نصب کی وجہ ④ **فاحشة مبینة** کی مراد۔

**جواب** ...... ① عبارت کا ترجمہ:۔ اے ایمان والو! تمہارے لیے یہ حلال نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث ہو جاؤ (فتحہ وضمہ کے ساتھ دولغتیں ہیں۔ تقدیر عبارت مُکرھیھنّ علیٰ ذٰلك ہے) اور (نہ) تم ان عورتوں کو اس غرض سے مقید رکھو (یعنی منع کرو تم اپنی عورتوں کو دوسروں کے ساتھ نکاح کرنے سے۔ کہ تمہیں ان میں رغبت نہ ہو محض ضرر و نقصان پہنچانے کے ارادہ سے) کہ جو مال تم نے ان کو دیا ہے (مہروں) میں سے کچھ واپس لے لو، مگر یہ کہ وہ عورتیں کوئی صریح فحش کام کر بیٹھیں۔

② آیت کا شان نزول:۔ بغوی نے لکھا ہے کہ دورِ جاہلیت میں جب کوئی شخص بیوی کو چھوڑ کر مرجاتا تھا تو ایسی حالت میں اس شخص کا قریبی عزیز آکر اپنا کپڑا اس عورت پر یا اسکے خیمہ پر ڈالکر اس کا حقدار بن جاتا تھا اس عورت کو اپنی ذات پر خود کوئی حق نہ رہتا تھا اب اگر چاہتا تو بغیر کسی جدید مہر کے صرف مردہ کے مہر پر ہی اس سے نکاح کر لیتا تھا اور اگر خود نکاح کرنا نہ چاہتا تو کسی دوسرے سے نکاح کر دیتا اور مہر خود لے لیتا اور اگر چاہتا تو بالکل ہی نکاح سے روک دیتا تاکہ عورت مجبور ہو کر وہ مال واپس کر دے جو مردہ کے ترکہ سے اس کو ملا ہے اور اس طرح اپنی جان چھڑا لے۔ اس آیت میں اس فعل کی ممانعت کر دی گئی۔ بغوی نے اتنا مزید لکھا ہے کہ اگر عورت مرجاتی تو جس نے اس پر اپنا کپڑا ڈالا ہوتا تھا وہی اس کا وارث ہوتا تھا اور اگر مردہ شوہر کے کسی قریب ترین عزیز کے کپڑا

0313-8807919 maktabazakariyamultan@gmail.com

ڈالنے سے پہلے وہ بیوہ اپنے میکے چلی جاتی تھی تو پھر اس کو اپنا خود اختیار ہوتا تھا۔یہی دستور رائج تھا کہ دورِ اسلامی میں ابوقیس بن اسلت انصاری کا انتقال ہوگیا اوراس کی بیوہ کبیشہ بنت معن انصاریہ رہ گئی ابوقیس کے بیٹے نے جس کا نام حصن یا قیس بن ابی قیس تھا، اس نے اپنا کپڑا کبیشہ پرڈال دیا اوراسکے نکاح کا وارث ہوگیا لیکن اس کو یونہی چھوڑے رکھا، نہ قربت کی، نہ خرچ دیا۔مقصد یہ تھا کہ تنگ کرکے اس سے وہ مال وصول کرلے جوتر کہ میں اس کو ملا ہے اورفدیہ لے کر چھوڑ دے، کبیشہؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ ابوقیس مرگیا ہے اوراس کا بیٹا میرے نکاح کا وارث ہوگیا ہے اب نہ وہ مجھے خرچ دیتا ہے، نہ میرے پاس آتا ہے، نہ میرا راستہ چھوڑتا ہے۔حضور ﷺ نے فرمایا: تو اس وقت تک اپنے گھر میں بیٹھ جا کہ تیرے متعلق اللہ کا حکم نازل ہوجائے، اس موقع پر یہ آیت: **لا یحلّ لکم ان ترثوا النساء کرھا** نازل ہوئی۔(مظہری)

③ **کَرْھًا** کے نصب کی وجہ:۔ یہ **ترثوا** کی ضمیرِ فاعل سے یا **النساء** سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

④ **فاحشۃ مبینۃ** کی مراد:۔ حضرت ابن مسعوداورقتادہؓ کے نزدیک فاحشہ سے شوہر کی نافرمانی مراد ہےاورحسن بصری کے نزدیک زنا مراد ہےیعنی اگرعورت ناشزہ ہوجائے یاارتکابِ زنا کرے تو شوہر کیلئے اس سے عوضِ خلع طلب کرنا جائز ہے۔(مظہری)

حضرت ابن عباس، عائشہ اور ضحاکؒ وغیرہ کے نزدیک شوہر کی نافرمانی اور بدزبانی مراد ہے۔ابوقالبہ حسن بصری نے بے حیائی اورزنا مرادلیا ہے۔مطلب یہ ہے کہ اگران عورتوں سے کوئی بے حیائی کا کام سرزد ہوگیا، یاوہ نافرمانی اور بدزبانی کے ساتھ پیش آتی ہیں، جس سے مجبور ہوکر مرد طلاق پر آمادہ ہورہا ہے تو چونکہ قصورعورت کا ہے، اسلئے شوہر کو یہ حق حاصل ہے کہ اس کو اس وقت تک اپنے نکاح میں روکے رکھے جب تک اس سے اپنا دیا ہوا مال واپس وصول نہ کرلے یا مقررکردہ مہر معاف نہ کرالے۔(معارف القرآن)

**الشق الثانی** ......"**وَمَنۡ يَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا**" **بِأَنْ يَّقْصِدَ قَتْلَهٗ بِمَا يُقْتَلُ غَالِبًا بِإِيْمَانِهٖ** "**فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيۡهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَلَعَنَهٗ**" **اَبْعَدَهٗ مِنْ رَّحْمَتِهٖ** "**وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيۡمًا**" **فِى النَّارِ وَهٰذَا مُؤَوَّلٌ** ...

مکمل ترجمہ کریں۔قتلِ عمد کی تعریف وحکم بیان کریں۔وہٰذا مؤوّل سے جوتین تاویلات کی گئی ہیں ان کی وضاحت کریں۔

**جواب** ......مکمل جواب کما مرّ فی الاول من السوال الثالث۱۴۳۸ھ۔

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۴ھ

**الشق الاوّل** ......"**یٰایھا الذین آمنوا لیستأذنکم الذین ملکت ایمانکم**" **من العبید والاماء** "**والذین لم یبلغوا الحلم منکم**" **من الاحرار وعرفوا امر النساء** "**ثلٰث مراتٍ**" **فی ثلاثۃ اوقات** "**من قبل صلاۃ الفجر وحین تضعون ثیابکم من الظھیرۃ ومن بعد صلاۃ العشاء ثلٰث عورات لکم**" **بالرفع...و بالنصب**.... "**لیس علیکم ولا علیھم**" **ای الممالیک و الصبیان**" **جناح**" **فی الدخول علیکم بغیر استیذان**" **بعدھنّ**" **ای بعد الاوقات الثلاثۃ، ھم**" **طوّافون علیکم**" **للخدمۃ**" **بعضکم**" **طائف**" **علی بعض**" **والجملۃ مؤکدۃ لما قبلھا**۔

مکمل عبارت کا ترجمہ ومختصر تشریح کریں۔**ثَلٰثُ عوراتٍ** کا اعراب حسبِ بیانِ کتاب تحریر کریں۔استیذان کا یہ حکم معمول بہ ہے یا منسوخ ہے؟تفصیل بیان کریں۔

**جواب** ......مکمل جواب کما مرّ فی الشق الاول من السوال الثانی ۱۴۴۰ھ۔

**الشق الثانی** ......**اَسکِنُوھُنّ (ای المطلقات) مِن حیث سکنتم (ای بعض مساکنکم) مِن وُجُدکم (ای سعتکم...) ولا تُضارّوھنّ لِتُضیّقوا علیھنّ (المساکن فیحتجن الی الخروج و النفقۃ فیفتدین منکم) واِن کُنّ اولات حمل فانفقوا علیھنّ حتّٰی یَضعن حملھُنّ۔** (پ۲۸۔الطلاق:۶)

عبارت کا مطلب خیز ترجمہ کیجیے۔خط کشیدہ کلمات کی لغوی وصرفی تحقیق بیان کیجیے۔ **من وجدکم** کی ترکیبی حیثیت بیان کیجیے۔

آیت میں حمل کی شرط کا فائدہ بیان کیجیے اور بتائیے کہ معتدہ غیر حاملہ کے نفقہ کے سلسلے میں ائمہ کے درمیان کیا اختلاف ہے؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت کا ترجمہ ② خط کشیدہ کلمات کی لغوی وصرفی تحقیق

③ من وجدکم کی ترکیبی حیثیت ④ آیت میں حمل کی شرط کا فائدہ اور معتدہ غیر حاملہ کے نفقہ میں ائمہ کا اختلاف۔

**جواب** ...... ① عبارت کا ترجمہ:۔ تم ان عورتوں (مطلقات) کو اپنی وسعت (گنجائش) کے موافق رہنے کا مکان دو جہاں تم رہتے ہو (اپنے مکانات میں سے) اور ان کو تنگ کرنے کیلئے ضرر مت پہنچاؤ (مکان دے کر، پس وہ نکلنے پر مجبور ہو جائیں۔ یا نفقہ دینے لگیں اور تم سے فدیہ لینے پر مجبور ہو جائیں) اور اگر وہ عورتیں حمل والیاں ہوں تو حمل پیدا ہونے تک ان پر خرچ کرو۔

② خط کشیدہ کلمات کی لغوی وصرفی تحقیق:۔ وُجْدِكُمْ: یہ باب ضرب کا مصدر ہے بمعنی وسعت واستغنا۔

لَاتُضَارُّوْهُنَّ: صیغہ جمع مذکر امر حاضر معروف از مصدر مُضَارَّةً (مفاعلہ۔مضاعف) بمعنی مخالفت کرنا۔ تکلیف وضرر پہنچانا۔

لِتُضَيِّقُوْا: صیغہ جمع مذکر حاضر فعل مضارع معروف از مصدر تضییقا (تفعیل۔اجوف) بمعنی تنگ کرنا۔سختی کرنا۔

يَضَعْنَ: صیغہ جمع مؤنث غائب فعل مضارع معلوم از مصدر وَضْعًا (فتح۔مثال) بمعنی رکھنا۔گرانا، گھٹانا۔

③ مِنْ وُجْدِكُمْ کی ترکیبی حیثیت:۔ یہ اپنے ماقبل یعنی حیث سکنتم سے عطفِ بیان ہے یا بدل ہے۔

④ حمل کی شرط کا فائدہ ومعتدہ غیر حاملہ کے نفقہ میں اختلاف:۔ کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الثالث ۱۴۴۳ھ

## ﴿الورقة الاولیٰ فی التفسیر (منتخبات جلالین)﴾

## ﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۴۵ھ

**الشق الاوّل** ...... فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا (مِنْهُمْ) قَوْلًا غَيْرَ الَّذِىْ قِيْلَ لَهُمْ (فَقَالُوْا: حَبَّةٌ فِىْ شَعْرَةٍ وَدَخَلُوْا يَزْحِفُوْنَ عَلٰى اَسْتَاهِهِمْ) فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا (فِيْهِ وُضِعَ الظَّاهِرُ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ مُبَالَغَةً فِىْ تَقْبِيْحِ شَأْنِهِمْ) رِجْزًا (عَذَابًا طَاعُوْنًا) مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ (بِسَبَبِ فِسْقِهِمْ اَىْ خُرُوْجِهِمْ عَنِ الطَّاعَةِ فَهَلَكَ مِنْهُمْ فِىْ سَاعَةٍ سَبْعُوْنَ اَلْفًا اَوْ اَقَلُّ)۔ (پ۱۔ بقرہ:۵۹)

عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کیجیے۔ کلمات تفسیریہ کی اس طرح تشریح کیجیے کہ ان کی اغراض واضح ہو جائیں۔ آیت کریمہ میں مذکورہ واقعہ تفصیل سے تحریر کیجیے۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا خلاصہ درج ذیل امور ہیں: ① عبارت پر اعراب ② عبارت کا ترجمہ ③ تفسیری کلمات کی تشریح واغراض کی وضاحت ④ واقعہ کی تفصیل۔

**جواب** ...... ① عبارت پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

② عبارت کا ترجمہ:۔ سو بدل ڈالا (انہیں سے) ظالموں نے اس بات کو جو ان سے کہے ہوئے کلمہ کے برخلاف تھی (بجائے حطة کے حبة فی شعر کہنے لگے اور سرین کے بل شہر میں داخل ہوئے) اسلئے ہم نے ظالموں پر اتاری (یہاں اسم ضمیر کی بجائے اسمِ ظاہر لانے سے ان کی تقبیحِ شان میں مبالغہ کرنا ہے) آسمانی بلائیں (طاعون) ان کی نافرمانی کی وجہ سے (ان کے گناہوں یعنی اطاعت سے انحراف کرنے کی وجہ سے چنانچہ انمیں سے ستر ہزار یا اس سے کچھ کم فوراً ہلاک ہوگئے)۔

③ تفسیری کلمات کی تشریح واغراض کی وضاحت:۔ منھم: اشارہ کیا کہ یہ تبدیلی کلمات والاعمل سب نے نہیں کیا تھا بلکہ ان میں سے بعض نے کیا تھا۔

فَقَالُوْا: حَبَّةٌ الخ سے بتلایا کہ انہوں نے قولاً وفعلاً دونوں طرح مخالفت کی تھی، حطة کی جگہ حبة کہا اور جھکنے کی بجائے سرین کے بل شہر میں داخل ہوئے۔

0313 6837313 maktabazakariyamultan@gmail.com

فِيْهِ وُضِعَ الظَّاهِرُ الخ سے بتلایا کہ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا میں علیھم (اسمِ ضمیر) کی جگہ علی الذین ظلموا (اسمِ ظاہر) کو ذکر کیا تاکہ ان کی برائی مزید کھل کر سامنے آجائے۔

عَذَابًا طَاعُوْنًا: کہہ کر رِجْزًا کے مصداق کی طرف اشارہ ہے کہ طاعون کی صورت میں ان پر خدائی عذاب نازل ہوا۔

بِسَبَبِ فِسْقِهِمْ الخ کہہ کر بتلایا کہ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ میں "ب" سببیہ ہے اور فسق سے مراد خروج عن الطاعة ہے۔

**فَهَلَكَ مِنْهُمْ فِىْ سَاعَةٍ سَبْعُوْنَ اَلْفًا اَوْ اَقَلَّ:** نزولِ عذاب کے نتیجہ کا ذکر ہے کہ طاعون کی وجہ سے ساعتِ واحدہ میں کم و بیش ستر ہزار لوگ ہلاک ہو گئے تھے۔

④ **واقعہ کی تفصیل:۔** بنی اسرائیل کا یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل چالیس سال میدانِ تیہ میں حیران وسرگرداں پھرتے رہے اور حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی معیت میں ان کو بیت المقدس میں داخل ہونا نصیب ہوا۔ اپنے جس علاقہ کو یہ چھوڑ کر مصر چلے گئے تھے وہاں قوم عمالقہ آباد تھی، وہ بڑے قد آور اور قوت وشوکت والے لوگ تھے، سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے جب بنی اسرائیل سے فرمایا کہ چلو اس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے تو ان لوگوں نے کہا کہ اس میں تو بڑے جابر قسم کے لوگ آباد ہیں، ہمارے بس میں نہیں کہ ہم ان سے مقابلہ کریں تم اور تمہارا رب دونوں وہاں جا کر قتال کریں، ان کی اس حرکت پر چالیس سال کیلئے بیت المقدس کی سرزمین ان پر حرام کر دی گئی پھر یوشع علیہ السلام کی سرکردگی میں بیت المقدس فتح ہوا۔ جب بیت المقدس میں داخل ہونے لگے تو حکم ہوا کہ اللہ جل شانہ کا شکر ادا کرتے ہوئے داخل ہوں کہ اس نے ان کا علاقہ ان کو واپس فرمایا اور اس میں فتح یابی نصیب فرمائی اور ان کو وادیٔ تیہ کی حیرانی وپریشانی سے نجات دی اور اس شکر کے اظہار کیلئے عملی طور پر یہ تجویز فرمایا کہ جھکتے ہوئے تواضع کے ساتھ داخل ہوں، غرور وتکبر نہ کریں اور ایسی کوئی صورت اختیار نہ کریں جس سے استہزاء کی کیفیت ظاہر ہو اور ان کو یہ حکم دیا تھا کہ حِطّۃ (اے اللہ! ہم گناہوں کی بخشش کا سوال کرتے ہیں) کہتے ہوئے داخل ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا تھا کہ ایسا کرو گے تو ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے۔ مگر ظالموں نے اس حکم کو بدل دیا، عمل کو تو اس طرح بدلا کہ جھکتے ہوئے داخل ہونے کی بجائے بچوں کی طرح اپنے دھڑوں وسُرینوں پر گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے جس میں ایک طرح کا استہزا ہے اور جو معافی مانگنے کا حکم ہوا تھا اس میں حِطّۃ کی بجائے حبۃ کہتے ہوئے داخل ہوئے، جب انہوں نے ایسی حرکت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے فاسقانہ کرتوتوں کی وجہ سے ان پر عذاب نازل فرمایا اور ساعتِ واحدہ میں ستر ہزار ہلاک ہو گئے تھے۔ (انوار البیان)

**الشق الثانی** ......**مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ (اَىْ نُزِلْ حُكْمَهَا اِمَّا مَعَ لَفْظِهَا اَوْلَا وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِضَمِّ النُّوْنِ مِنْ اَنْسَخَ اَىْ نَأْمُرُكَ اَوْ جِبْرَئِيْلَ بِنَسْخِهَا) اَوْ نُنْسِهَا (نُؤَخِّرْهَا فَلَا نُزِلْ حُكْمَهَا وَنَرْفَعُ تِلَاوَتَهَا اَوْ نُؤَخِّرْهَا فِى اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِلَا هَمْزٍ مِنَ النِّسْيَانِ اَىْ نُنْسِكْهَا وَنَمْحُهَا مِنْ قَلْبِكَ) نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا (اَنْفَعُ لِلْعِبَادِ فِى السُّهُوْلَةِ اَوْ كَثْرَةِ الْاَجْرِ) اَوْ مِثْلِهَا (فِى التَّكْلِيْفِ وَالثَّوَابِ) اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ۔** (پ ا۔ بقرہ:۱۰۶)

عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کیجیے۔ آیت کا شانِ نزول اور آیت کی تفسیر قلمبند کیجئے۔ نسخ کا معنی اور اس کی صورتیں قلم بند کیجیے۔

**جواب** ...... ① **عبارت کا ترجمہ:۔** ہم جس کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں (خواہ مع الفاظ حکم کو منسوخ کریں یا الفاظ کے بغیر۔ ایک قرات میں نون کے ضمہ کے ساتھ باب افعال سے مشتق ہے یعنی ہم آپ کو یا جبرائیل کو اس کے نسخ کا حکم دیتے ہیں) یا بھلا دیتے ہیں (اس کو مؤخر کر دیتے ہیں، اسکے حکم کو زائل نہیں کرتے اور اسکی تلاوت کو اٹھا لیتے ہیں یا اسکو لوحِ محفوظ میں مؤخر وموقوف کر دیتے ہیں۔ ایک قرات میں ہمزہ کے بغیر نسیان سے مشتق ہے یعنی ہم اس کو آپ کے قلب سے محو کر دیتے ہیں) تو ہم اس سے بہتر (جو بندوں کیلئے سہولت یا کثرتِ اجر میں زیادہ نفع مند ہو) یا اس جیسی آیت لے آتے ہیں (تکلیف وثواب میں)۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

② تا ④ **بقیہ مکمل جواب کما مرّ فی الشق الاول من السوال الاول ۱۴۳۷ھ۔**

0313 63579-13 maktabazubairiyamultan@gmail.com

## السوال الثانی ۱۴۴۵ھ

**الشق الاوّل** ......**و ان كان (وقع غريم) ذو عسرة فنظرة (له اى عليكم تأخيره) الٰى ميسرة (بفتح السين وضمها اى وقت يسره) وان تصدّقوا (بالتشديد علٰى ادغام التاء فى الاصل فى الصاد وبالتخفيف علٰى حذفها اى تتصدقوا علٰى المعسر بالابراء (خير لكم ان كنتم تعلمون) انّه خير فافعلوه، وفى الحديث: من انظر معسرا او وضع عنه اظله الله فى ظلّه يوم لا ظلّ الّا ظلّه۔ رواه مسلم۔** (پ۳۔ بقرة:۲۸۰)

عبارت کا ترجمہ کیجیے۔ تفسیر کی روشنی میں آیت کریمہ کی مکمل تشریح کیجیے۔ فنظرة الٰی میسرة کی ترکیب نحوی کیجیے۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل تین امور ہیں: ① عبارت کا ترجمہ ② آیت کی تشریح ③ فنظرة الٰی میسرة کی ترکیب۔

**جواب** ...... ① **عبارت کا ترجمہ:۔** اور اگر (کوئی قرض دار) تنگ دست ہو جائے تو اس کے آسودہ ہو جانے تک مہلت دینی ہے (تمہارے اوپر وصول یابی کو مؤخر کرنا ہے) (سین کے فتح وضمہ کے ساتھ، یعنی اسکی وسعت وخوشحالی تک) اور اگر تم صدقہ ہی کر دو (تشدید کے ساتھ، تاء کا صاد میں ادغام کرنے کے ساتھ اور تخفیف کے ساتھ تاء کو حذف کرنے کی صورت میں۔ یعنی تنگدست کو معاف کر کے بری کر دو) تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم سمجھو (کہ یہ بہتر ہے تو تم یہ کرلو۔ حدیث میں ہے: جس شخص نے کسی تنگدست کو مہلت دی یا اس کا قرض معاف کر دیا تو اللہ تعالی اس کو ایسے دن میں اپنے سائے میں رکھے گا جس دن اسکے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا)۔

② **آیت کی تشریح:۔** اس آیت میں تنگ دست قرض دار کو مہلت دینے کی ترغیب دی گئی ہے کہ جب تک تنگدست کے پاس مال میسر نہ ہو تو اس کو مہلت دیدو اور یہ بھی فرمایا کہ اگر اس تنگدست پر صدقہ کر دو یعنی اپنا قرض بالکل ہی معاف کر دو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے۔ سود خوروں کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ ادھار کی وجہ سے اصل مال پر زائد رقم لیتے ہیں اور جب قرضدار وقت پر ادا نہ کر سکے تو دل سے خوش ہوتے ہیں اور سود کی رقم کو اصل کے ساتھ ملا کر مزید سود لگا دیتے ہیں، اللہ تعالی نے اس کے خلاف حکم دیا کہ اول تو اصل رقم سے زائد نہ ٹھہراؤ اور غریب کی حاجت پوری کرنے کیلئے قرض دے دو، پھر جب دیکھو کہ مقررہ مدت پوری ہونے کے باوجود وہ ادائیگی پر قادر نہیں ہے تو اس کو مہلت دیدو اور اگر بالکل معاف ہی کر دو تو یہ اور زیادہ بہتر ہے۔ معاف کرنے کو صدقہ سے تعبیر فرمایا جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح صدقہ دینے سے مال بڑھتا ہے اور مال میں برکت ہوتی ہے اسی طرح قرضدار کا قرضہ معاف کر دینے میں بھی وہی برکات حاصل ہوں گی جو صدقہ دینے کی برکات ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی تنگدست کو مہلت دی یا اس کا قرضہ معاف کر دیا تو اللہ تعالی اسے قیامت کے دن اپنے سایہ میں رکھے گا، جس دن کوئی دوسرا سایہ نہ ہوگا۔

③ **فنظرة الٰی میسرة کی ترکیب:۔** ف جزائیہ نظرة موصوف الٰی میسرة جار مجرور ملکر کائنة اسم فاعل کے متعلق ہو کر صفت، موصوف وصفت ملکر (یا جار ومجرور ملکر نظرة کے متعلق ہو کر) خبر ہے مبتدا محذوف الحکم کی، مبتدا خبر ملکر جملہ اسمیہ ہو کر جزا ہوئی شرط مقدم کی۔ (اعراب القرآن)

**الشق الثانی** ......اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ (صَنَمَانِ لِقُرَيْشٍ) وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا (اَبِيْ سُفْيَانَ وَاَصْحَابِهٖ حِيْنَ قَالُوْا لَهُمْ اَنَحْنُ اَهْدٰى سَبِيْلًا وَنَحْنُ وُلَاةُ الْبَيْتِ وَنَسْقِى الْحَاجَّ وَنَقْرِى الضَّيْفَ وَنَفُكُّ الْعَانِيَ وَنَفْعَلُ اَمْ مُحَمَّدٌ وَقَدْ خَالَفَ دِيْنَ آبَائِهٖ وَقَطَعَ الرَّحِمَ وَفَارَقَ الْحَرَمَ) هٰۤؤُلَاۤءِ (اَیْ اَنْتُمْ) اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا اَقْوَمَ طَرِيْقًا۔ (پ۵۔ نساء: ۵۱)

عبارت کا مطلب خیز ترجمہ کیجیے۔ آیت کریمہ کا شان نزول لکھئے۔ الجبت اور الطاغوت سے کیا مراد ہے؟

**جواب** ......مکمل جواب کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الثانی ۱۴۳۷ھ۔

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۵ھ

**الشق الاول** ......ولا يبدين (يظهرن) زينتهنّ الّا ما ظهر منها (وهو الوجه والكفان، فيجوز نظره لاجنبی اِن لم يخف فتنة فی احد الوجهين والثانی يحرم لانّه مظنة الفتنة، ورجح حسما للباب) وليضربن بخمرهنّ علٰی جيوبهنّ (ای يسترن الرؤوس والاعناق والصدور بالمقانع)۔ (پ۱۸۔ النور: ۳۱)

عبارت کا ترجمہ کیجئے۔ تفسیر کی روشنی میں آیت کی مکمل وضاحت کیجئے۔ "لا يبدين، خمر، جيوب" کی لغوی تحقیق کیجئے۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا خلاصہ درج ذیل امور ہیں: ① عبارت کا ترجمہ ② آیت کی تفسیر ③ الفاظ کی لغوی تحقیق۔

**جواب** ...... ① **عبارت کا ترجمہ:۔** اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں سے ظاہر ہو جائے (اور وہ چہرہ وہتھیلیاں ہیں، پس دو اقوال میں سے ایک قول کے مطابق اگر فتنہ کا خوف نہ ہو تو اجنبی کیلئے اسکی طرف دیکھنا جائز ہے اور دوسرے قول میں

دیکھنا حرام ہے اسلئے کہ یہ فتنہ کا محل ہے، اور فتنہ کا دروازہ بند کرنے کیلئے اسی قول کو ترجیح دی گئی ہے) اور اپنے دوپٹوں کو اپنے گریبانوں پر ڈالے رکھیں (یعنی اپنے سر، گردن اور سینوں کو دوپٹوں سے ڈھانپے رکھیں)۔

**②** آیت کی تفسیر:۔ فرمایا کہ عورتوں کو چاہئے کہ اپنی زیبائش کو ظاہر نہ کریں زیبائش خواہ خلقی ہو یا کسبی ہو۔ خلقی زیبائش سے مراد جسم کی پیدائشی ساخت ہے اور کسبی سے پوشاک اور ظاہری ٹیپ ٹاپ جیسے سرمہ، مہندی، پاؤڈر، لپ اسٹک وغیرہ مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کسی کے سامنے کسی قسم کی زیبائش کا اظہار نہ کرے۔ سوائے ان محارم کے جن کا ذکر آئندہ آیت میں کیا گیا ہے۔

البتہ جس قدر زیبائش کا ظہور ناگزیر ہے اس کے کھلا رکھنے میں بدرجہ مجبوری کوئی مضائقہ نہیں ہے بشرطیکہ فتنہ کا خوف نہ ہو، احادیث وآثار سے معلوم ہوتا ہے کہ چہرہ اور ہتھیلیاں **الّا ما ظھر** میں داخل ہیں، اگر ان کو مطلقاً چھپانے کا حکم دیا جائے تو اس میں سخت قسم کی دشواری پیش آئے گی، چنانچہ فقہاء نے علتِ مشترکہ کی وجہ سے قدموں کو بھی اس حکم میں داخل کیا ہے، خلقی زیبائش میں سب سے زیادہ نمایاں چیز سینہ کا ابھار ہے اس کے ستر کی خاص طور پر تاکید فرمائی اور جاہلیت کی رسم کو مٹانے کی صورت بھی بتلادی، جاہلیت میں عورتیں دوپٹہ سر پر ڈال کر اس کے دونوں پلّو پشت پر ڈال لیتی تھیں اس طرح سینہ کی ہیئت نمایاں رہتی تھی یہ گویا کہ حسن کا مظاہرہ تھا، قرآن کریم نے بتادیا کہ دوپٹہ کو سر سے لا کر گریبان پر ڈالنا چاہئے تاکہ کان، گردن اور سینہ پوری طرح مستور ہو جائیں، اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے **ولیضربن بِخمرِھنّ علٰی جیوبِھِنّ** سے بیان فرمایا ہے۔

**③** الفاظ کی لغوی تحقیق:۔ لَایُبْدِیْنَ: صیغہ جمع مذکر غائب فعل منفی مضارع معلوم از مصدر اِبْدَاءٌ (افعال۔ ناقص) بمعنی ظاہر کرنا۔

خُمُرٌ: یہ خِمَارٌ کی جمع ہے بمعنی اوڑھنی، دوپٹہ، پردہ۔ جُیُوْبٌ: یہ جَیْبٌ کی جمع ہے بمعنی گریبان۔ دل وسینہ۔

**الشق الثانی**...... **یا ایھا النبی لم تحرم ما احلّ اللّٰہ لك (من امتك ماریة القبطیة لما واقعھا فی بیت حفصة وکانت غائبة فجاء ت و شق علیھا کون ذٰلك فی بیتھا حیث قلت ھی حرام علیّ) تبتغی (بتحریمھا) مرضات ازواجك (ای رضاھنّ) واللّٰہ غفور رحیم (غفر لك ھٰذا التحریم) قد فرض اللّٰہ (شرع) لکم تحلّة ایمانکم (تحلیلھا)۔** (پ۲۸۔ تحریم: ۱ تا ۲)

عبارت مذکورہ کا سلیس ترجمہ کیجیے۔ آیت کریمہ کا شانِ نزول لکھیں۔ تحریمِ حلال یمین ہے یا نہیں؟ واضح کرتے ہوئے بتائیے کہ حضور ﷺ نے کفارہ دیا تھا یا نہیں؟

**جواب**...... مکمل جواب **کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الثانی ۱۴۳۹ھ۔**

لا الٰہ الّا انت سبحانك انّی کنت من الظالمین

مکتبہ زکریا ملتان پاکستان
0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

مکتبہ زکریا
ملتان پاکستان
0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

تنظیم المدارس، کنزالمدارس، نظام المدارس، وفاق المدارس العربیہ اور دیگر بورڈز
کی کتابیں، داخلہ جات، امتحانی مسائل کے حل، گزشتہ پیپرز، اور دیگر اپڈیٹس حاصل
کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ وزٹ کریں۔

www.ahlesunnatboardspak.com

## Follow Our Social Media Account:

1. **Whatsapp Channel (https://whatsapp.com/channel/0029VaFmkdD0VycHbvDRY70I)**
2. **Youtube (https://youtube.com/@ahlesunnatboards)**
3. **Tiktok (https://www.tiktok.com/@ahlesunnatboardspak)**
4. **Facebook Page (https://www.facebook.com/ahlesunnatboardspak)**

# الورقة الثانية: فی اصول الحدیث و العقائد

## الورقة الثانية فی اصول الحدیث

### السوال الاوّل ۱۴۳۹ھ

**الشق الاوّل** ......حدیثِ متواتر کی تعریف وشرائط بیان کریں۔ ذخیرۂ احادیث میں متواتر کی مثال تحریر کریں۔ متواتر کا حکم بیان کرتے ہوئے اُس کی اقسام تحریر کریں۔ (ص ۱۸: مکتبہ یادگارِ شیخ)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں پانچ امور حل طلب ہیں ① تواتر کی تعریف ② متواتر کی شرائط ③ ذخیرۂ احادیث میں متواتر کی مثال ④ متواتر کا حکم ⑤ متواتر کی اقسام۔

**جواب** ...... ① متواتر کی تعریف:۔ لغوی طور پر یہ تواتر بمعنی لگا تار و مسلسل آنا سے مشتق ہے۔ اصطلاح میں متواتر وہ حدیث ہے جس کے روایت کرنیوالے ہر زمانہ میں اس قدر کثیر ہوں کہ ان سب کے جھوٹ پر اتفاق کر لینے کو عقل سلیم محال سمجھے یا اسی طرح ان سے اتفاقی طور پر بلا قصد جھوٹ کے واقع ہونے کو عقل سلیم محال سمجھے۔

② متواتر کی شرائط:۔ خبر متواتر کی چار شرطیں ہیں ① کثرتِ عدد، جن کی کم از کم تعداد دس ہے ② جھوٹ کا محال ہونا (خواہ عادتاً ہو یا اتفاقاً ہو) ③ شروع سے آخر تک رواۃ کی یہی کثرت موجود ہو ④ خبر کا تعلق امر محسوس سے ہو جس سے سامع کو علم یقینی کا فائدہ حاصل ہو۔

③ ذخیرۂ احادیث میں متواتر کی مثال:۔ ذخیرۂ احادیث میں متواتر کی مثال موجود ہونے نہ ہونے میں مختلف اقوال ہیں۔ چنانچہ بعض کا قول ہے کہ حدیث متواتر بالکل معدوم ہے، پائی ہی نہیں جاتی لیکن یہ بات درست نہیں ہے اس لئے کہ اس بات کی بنیاد کثرتِ اسانید پر قلتِ اطلاع ہے۔ متواتر احادیث کی ایک مناسب اور معقول تعداد موجود ہے جن میں حوضِ کوثر والی حدیث، موزوں پر مسح کی حدیث، نماز میں رفع یدین کی حدیث، **نضّر الله امرأ الخ** والی حدیث، شفاعت والی حدیث، **الائمة من قريش** وغیرہ کو متواتر احادیث میں شمار کیا گیا ہے۔ البتہ خبرِ آحاد کی بنسبت ان کی تعداد بہت کم ہے۔

④ متواتر کا حکم:۔ خبرِ متواتر علمِ ضروری یعنی یقینی کا فائدہ دیتی ہے اور علمِ یقینی وہ علم ہے جس کی پختہ و جازم تصدیق کرنے پر انسان مجبور ہو جاتا ہے جیسا کہ کوئی شخص خود معاملے کا مشاہدہ کرتا ہے اسی لئے خبر متواتر تمام کی تمام مقبول ہوتی ہیں اس کے راویوں کے حالات پر بحث کی ضرورت نہیں ہوتی۔

⑤ متواتر کی اقسام:۔ متواتر کی دو قسمیں ہیں: لفظی و معنوی۔

متواتر لفظی: جس کے لفظ اور معنیٰ دونوں تواتر سے ثابت ہوں جیسے **من كذب على متعمدًا فليتبوّأ مقعده من النار** اس حدیث کو ۷۳ سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے پھر بقیہ طبقات میں ہمیشہ یہی کثرت باقی رہی ہے۔

متواتر معنوی: جس کے معنیٰ تواتر سے ثابت ہوں مگر الفاظ متواتر نہ ہوں جیسے دعا میں ہاتھ اٹھانے کی احادیث۔ اس بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سو (۱۰۰) کے قریب احادیث مروی ہیں مگر معاملات و واقعات مختلف ہیں تو اِن میں سے ہر واقعہ اور قضیہ متواتر نہیں ہے ان سب میں جو قدرِ مشترک ہے وہ دعا میں ہاتھ اٹھانا ہے جو مجموعی سندوں کے اعتبار سے تواتر سے ثابت ہے۔

**الشق الثانی** ......خبر واحد کی تعریف وحکم بیان کریں، سندوں کی تعداد کے اعتبار سے خبرِ واحد کی اقسام مع امثلہ بیان کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل دو امور ہیں ① خبرِ واحد کی تعریف وحکم ② سندوں کی تعداد کے اعتبار سے خبرِ واحد کی اقسام۔

**جواب** ...... ① خبرِ واحد کی تعریف وحکم:۔ (لغوی معنیٰ: ایک) وہ حدیث جس میں خبرِ متواتر کی شرائط جمع نہ ہوں یعنی جس کے راوی اس قدر کثیر نہ ہوں جن کے جھوٹ پر متفق ہونے کو عقلِ سلیم محال سمجھے۔

خبرِ واحد علمِ نظری کا فائدہ دیتی ہے یعنی وہ علم جس کا دارومدار غور وفکر اور نظر واستدلال پر ہو۔

② سندوں کی تعداد کے اعتبار سے خبرِ واحد کی اقسام مع امثلہ:۔ خبرِ مشہور: (لغوی معنیٰ: عام ومشہور) وہ حدیث جس کے راوی کسی

بھی زمانہ میں تین سے کم کہیں نہ ہوں۔ تین یا تین سے زائد ہی ہوں مگر حدِ تواتر کو نہ پہنچیں جیسے **ان اللہ لا یقبض العلم انتزاعًا الخ۔** خبرِ مشہور خواہ اصطلاحی ہو یا غیر اصطلاحی اُسے مطلقاً صحیح یا غیر صحیح سے موقوف نہیں کیا جا سکتا بلکہ بعض مشہور صحیح ہیں، بعض حسن اور بعض ضعیف ہیں لیکن اگر مشہور اصطلاحی صحیح ثابت ہو جائے تو یہ اُس خبر کیلئے عمدہ خوبی وفضیلت ہے کہ وہ اُسے عزیز اور غریب پر راجح قرار دیتی ہے۔

خبرِ عزیز: (لغوی معنی: قلیل ونادر۔ یا مضبوط وٹھوس) وہ حدیث جس کے راوی کسی بھی زمانہ میں دو سے کم کہیں نہ ہوں، دو یا دو سے زائد ہی ہوں جیسے **لا یؤمن احدکم حتّی اکون احبّ الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین۔**

خبرِ غریب: (لغوی معنی: اکیلا، منفرد ومسافر) وہ حدیث ہے جس کا راوی کہیں نہ کہیں کسی زمانہ میں ایک ہو جیسے حدیث **انما الاعمال بالنیات** کو روایت کرنے میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ متفرد ہیں۔

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۹ھ

**الشق الاوّل** ......خبرِ مستفیض کی لغوی واصطلاحی تعریف کریں۔ مخضرم کسے کہتے ہیں اور ایسے کتنے لوگ ہیں؟۔

**جواب** ...... ① خبرِ مستفیض کی لغوی واصطلاحی تعریف:۔ مستفیض کا لفظ **فاض الماء فیضًا** سے مشتق ہے، اس کا معنی کثیر و زیادہ ہونا ہے یہ جملہ اس وقت کہا جاتا ہے جب وادی پانی سے بھر کر چاروں اطراف سے بہنے لگے۔

اصطلاحی تعریف میں تین قول مشہور ہیں ① یہ خبرِ مشہور کے مترادف ہے (وہ حدیث جس کے راوی کسی بھی زمانہ میں تین سے کم کہیں نہ ہوں۔ تین یا تین سے زائد ہی ہوں مگر حدِ تواتر کو نہ پہنچیں) ② یہ مشہور سے خاص ہے کہ اس میں سند کے دونوں اطراف کے برابر ہونے کی شرط ہے، جبکہ مشہور میں یہ شرط نہیں ہے۔ ③ یہ مشہور سے عام ہے۔ (خیر الجلیس)

بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ خبرِ مشہور ومستفیض میں کوئی فرق نہیں بلکہ ایک ہی شئ ہے البتہ لفظی اعتبار سے فرق کیا گیا کہ محدثین کے نزدیک ایسی حدیث مشہور ہے اور فقہاء کے ہاں مستفیض ہے۔ بعض حضرات مشہور اور مستفیض کے درمیان فرق کرتے ہیں کہ مستفیض وہ حدیث ہے جس کے راوی ابتداء سے لیکر انتہاء تک تعداد کے لحاظ سے مساوی وبرابر ہوں اور مشہور اس سے عام ہے جس میں تعداد کا مساوی وبرابر ہونا ضروری نہیں ہے۔ بعض حضرات نے یہ فرق اس طرح بیان کیا ہے کہ مستفیض وہ خبر ہے جس کو امت نے تلقی بالقبول سے نوازا ہو اس میں عدد وتعداد کا اعتبار نہ ہو اور خبرِ مشہور میں تعددِ طرق کا اعتبار ہوتا ہے۔ (عمدۃ النظر)

② مخضرم کی تعریف وتعداد:۔ وہ آدمی جس نے آپ ﷺ کا زمانہ بھی پایا اور اسلام بھی قبول کیا مگر آپ ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل نہ ہوا۔ امام مسلم نے ان کی تعداد بیس کے قریب بیان کی ہے، مگر صحیح قول کے مطابق ان کی تعداد اس سے زیادہ ہے۔

**الشق الثانی** ......خبرِ مقبول کی معمول بہ اور غیر معمول بہ ہونے کے اعتبار سے اقسام مع تعریف بیان کریں۔ ناسخ اور منسوخ کی معرفت کے طریقے تحریر کریں اور اس موضوع کی اہم تصنیفات کے نام لکھیں۔ (ص ۴۷)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) خبرِ مقبول کی معمول بہ اور غیر معمول بہ ہونے کے اعتبار سے اقسام مع تعریف (۲) ناسخ اور منسوخ کی معرفت کے طریقے (۳) ناسخ ومنسوخ کی اہم تصنیفات۔

**جواب** ...... ① خبرِ مقبول کی معمول بہ اور غیر معمول بہ ہونے کے اعتبار سے اقسام مع تعریف:۔ خبرِ مقبول کی معمول بہ اور غیر معمول بہ ہونے کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں ① محکم ومختلف الحدیث ② ناسخ ومنسوخ۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

① محکم ومختلف الحدیث: محکم وہ حدیث ہے جو اپنے جیسی متعارض حدیث سے سلامت اور خالی ہو، اکثر احادیث محکم ہی ہیں باقی متعارض ومختلف احادیث مجموعی ذخیرۂ احادیث کے اعتبار سے بہت کم ہیں۔

مختلف الحدیث: وہ حدیث جس کے مخالف اُس جیسی کوئی حدیث موجود ہو مگر دونوں میں تطبیق ممکن ہو یعنی وہ صحیح یا حسن حدیث کہ ایک دوسری حدیث جو مرتبہ اور قوت میں اُس جیسی ہو وہ ظاہری معنیٰ میں پہلی حدیث کی مخالف ہو مگر اہلِ علم کیلئے اُن دونوں کے معانی و مدلولات میں تطبیق دینا ممکن ہو جیسے حدیث **لا عدوی ولا طیرۃ** اور **فرّ من المجذوم فرارک من الاسد** میں بظاہر تعارض ہے

کیونکہ پہلی حدیث مرض کے متعدی ہونے کی نفی کرتی ہے جبکہ دوسری حدیث میں تعدیہ کا اثبات ہے تو محدثین نے ان دونوں حدیثوں کو جمع کیا ہے بایں طور کہ مرض کے متعدی ہونے کی نفی کی گئی ہے کیونکہ آپ ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے کہ کوئی چیز کسی چیز کو متعدی نہیں ہوتی نیز ایک موقع پر آپ ﷺ سے جب خارشی اونٹ کے دوسرے اونٹ کو خارشی کرنے کا تذکرہ کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ پہلے اونٹ کو کس نے بیماری لگائی تھی۔ باقی مجذوم سے بھاگنے کا حکم غلط عقیدے کا راستہ بند کرنے کیلئے ہے۔

④ ناسخ ومنسوخ: شارح کا اپنے پہلے حکم کو دوسرے حکم کے ذریعے اٹھانا اور زائل کرنا نسخ کہلاتا ہے، پہلے حکم کو منسوخ اور دوسرے حکم کو ناسخ کہا جاتا ہے۔

**۲ ناسخ اور منسوخ کی معرفت کے طریقے:۔** ① رسول اللہ ﷺ خود تصریح فرما دیں جیسے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا اب تمہیں اجازت ہے بے شک وہ آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔
② صحابی تصریح کردے جیسے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دو امور میں سے آخری امر یہ تھا کہ آگ کی پکی ہوئی چیز سے وضوء کی تجدید نہیں کرتے تھے۔ ③ تاریخ کے ذریعے معلوم ہو جیسے شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث **افطر الحاجم والمحجوم** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث **ان النبی ﷺ احتجم وھو محرم صائم** کے ذریعے منسوخ ہے۔ اسلئے کہ بعض سندوں میں یہ وضاحت پائی جاتی ہے کہ حضرت شداد رضی اللہ عنہ والی روایت فتح مکہ کے دن کی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما والی روایت تاریخ کے اعتبار سے مؤخر ہونے کی وجہ سے ناسخ ہے۔
④ اجماع کے ذریعے نسخ کا علم ہو جیسے **من شرب الخمر فاجلدوہ فان عاد فی الرابعة فاقتلوہ**۔ اس حدیث کے متعلق امام نووی فرماتے ہیں کہ اجماع اس حدیث کے منسوخ ہونے پر دلالت کرتا ہے اور اجماع ناسخ نہیں ہے بلکہ ناسخ پر دلالت ہوتا ہے۔

**۳ ناسخ ومنسوخ کی اہم تصنیفات:۔** ① ابوبکر محمد بن موسیٰ کی تصنیف ''الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ''
② امام احمدؒ کی تصنیف ''الناسخ والمنسوخ'' ③ علامہ عبدالرحمن ابن جوزیؒ کی تصنیف ''تجرید الاحادیث المنسوخہ''

## السوال الثالث ۱۴۳۹ھ

**الشق الاوّل** ...... حدیثِ معلق ومرسل کی تعریف کریں۔ نیز مرسل کا حکم بھی تحریر کریں۔ متابع وشاہد کے درمیان کیا فرق ہے؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل تین امور ہیں ① حدیثِ معلق ومرسل کی تعریف ② مرسل کا حکم ③ متابع وشاہد کے درمیان فرق

**جواب** ...... **۱ حدیثِ معلق ومرسل کی تعریف:۔** معلق: (لغوی معنی جوڑا ہوا) وہ حدیث جس کی سند کی ابتداء یعنی صحابی کی جانب سے ایک یا زائد راوی مسلسل حذف ہوں۔ اسکی دو صورتیں ہیں: مکمل سند حذف ہو مثلاً یوں کہا جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، یا صحابی کے علاوہ باقی ساری سند حذف ہو، یا صرف صحابی یا تابعی مذکور ہوں باقی سند حذف ہو جیسے امام بخاریؒ نے حدیث نقل کی ہے **وقال ابوموسیٰ غطّی النبی رکبتیه حین دخل عثمان**۔ یہ حدیث معلق ہے کیونکہ امام بخاریؒ نے صحابی کے علاوہ اس کی مکمل سند حذف کردی ہے۔

حدیثِ معلق مردود اور غیر مقبول ہے کیونکہ اس میں مقبول کی لازمی شرط ''اتصال'' مفقود ہے اور اُن محذوف راویوں کے حالات کا علم نہیں ہے۔

مرسل: (لغوی معنی چھوڑا ہوا) وہ حدیث جس کی سند کے آخر میں تابعی کے بعد راوی منقطع ہو یعنی راوی حذف ہو یعنی کوئی تابعی خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو وہ یوں کہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، یا کہے کہ آپ ﷺ کی موجودگی میں ایسا کیا گیا جیسے **عن سعید ابن المسیب ان رسول اللہ ﷺ نھی عن المزابنة**۔ اس حدیث کی سند کے آخر میں حضرت سعید بن مسیبؒ جلیل القدر تابعی ہیں انہوں نے اپنے اور حضور ﷺ کے درمیان صحابی کا واسطہ ذکر کئے بغیر اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

(**نوٹ**: محدثین کی اصطلاح میں مرسل کی یہ مذکورہ صورت ہے۔ فقہاء واصولیین کے نزدیک مرسل عام ہے، ان کے نزدیک ہر منقطع روایت مرسل ہے، خواہ اس میں کسی بھی طریق سے انقطاع ہو۔)

② **مرسل کا حکم:۔** حدیثِ مرسل اصل میں ضعیف وغیر مقبول ہے اسلئے کہ اس میں مقبول کی شرطوں میں سے ایک شرط ''اتصال'' مفقود ہے اور اُس محذوف راوی کے حالات کا علم نہیں کہ وہ صحابی ہے یا غیر صحابی ہے۔ غیر صحابی ہونے کی حالت میں احتمال ہے کہ وہ ضعیف ہو۔ مگر علماء محدثین نے اس کے حجت ہونے میں اختلاف کیا ہے کیونکہ اس میں عموماً صحابی ساقط ہوتا ہے اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم عادل ہیں، اُن کے مجہول الحال ہونے سے کوئی ضرر واقع نہیں ہوتا۔

حدیثِ مرسل کے متعلق علماء کے تین اقوال ہیں: ① جمہور محدثین، اصولیین وفقہاء کے نزدیک مرسل ضعیف وغیر مقبول ہے اس لئے کہ محذوف راوی کی حالت مجہول ہے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ راوی غیرِ صحابی ہو۔ ② امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ وامام احمدؒ اور علماء کی ایک جماعت کے نزدیک مرسل صحیح اور حجت ہے بشرطیکہ ارسال کرنے والا راوی ثقہ ہو اور وہ ثقہ سے ہی ارسال کرتا ہو۔ اس لئے کہ ثقہ تابعی کے متعلق یقین ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق **قال رسول اللہ** تب ہی کہے گا جب وہ ثقہ سے سنے گا۔ ③ امام شافعیؒ اور دیگر بعض اہلِ علم کے نزدیک مرسل کے قابلِ قبول ہونے کی چار شرطیں ہیں: (۱) ارسال کرنے والا کبار تابعین میں سے ہو۔ (۲) ارسال کرنیوالا جس سے ارسال کرتا ہے اُس کا نام لے تو ثقہ نام لے۔ (۳) جب دوسرے حفاظِ حدیث اُسی حدیث کو مرسل روایت کریں تو اُس کی مخالفت نہ کریں۔ (۴) درج ذیل پانچ شرائط میں سے کوئی ایک شرط پائی جائے:

۱......وہ حدیث ایک اور مسند طریق سے مروی ہو۔ ۲......وہ حدیث دوسری مرسل اسانید کے ساتھ مروی ہو مگر اسے مرسل وہ بیان کریں جنہوں نے پہلی مرسل حدیث کے رجال کے علاوہ دوسرے راویوں سے حصولِ علم کیا ہو۔

۳......وہ حدیث صحابی کے قول کے موافق ہو۔ ۴......اُس حدیث کے موافق اور مقتضی پر اکثر علماءِ حدیث نے فتویٰ دیا ہو۔

۵......اُس حدیث کے موافق اور مقتضی پر اکثر اہلِ علم نے فتویٰ دیا ہو۔

صحابی کی مرسل حدیث یعنی وہ روایت جس میں صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے قول یا فعل کی خبر دے جسے اُس نے نہ سنا ہو اور نہ اس کا مشاہدہ کیا ہو، اس کے متعلق جمہور محدثین وعلماء کا مشہور وصحیح مذہب یہی ہے کہ وہ قابلِ استدلال اور صحیح ہے کیونکہ صحابی کا تابعین سے روایت کرنا شاذ ونادر ہے اور جب وہ تابعین سے روایت کرتے ہیں تو اُسے واضح کرتے ہیں اور جب وہ وضاحت کے بغیر **قال رسول اللہ** صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تو اس کی حقیقت یہی ہے کہ انہوں نے اس روایت کو دوسرے صحابی سے سنا ہے اور صحابی کو سند سے نکال دینا سند کے لئے ضرر اور نقصان کا باعث نہیں ہے۔

③ **متابع وشاہد کے درمیان فرق:۔** ① کوئی حدیث لفظاً یا معناً منفرد ہو مگر اسکی تائید میں اُسی صحابی سے مزید کوئی روایت مل جائے تو یہ تابع و متابع ہے۔ اگر اسی غریب ومنفرد روایت کی کوئی دوسرا صحابی موافقت ومشارکت کرے تو یہ شاہد ہے۔ ② کسی غریب حدیث کے راویوں کو لفظی مشارکت حاصل ہو تو یہ تابع ومتابع ہے۔ اور اگر کسی غریب حدیث کے راویوں کو معنوی مشارکت حاصل ہو تو یہ شاہد ہے۔ (خیر الجلیس، عمدۃ النظر)

**الشق الثانی** ......تدلیس کا معنیٰ واقسام بیان کریں۔ مدلس کی وجہ تسمیہ بیان کریں۔ مدلس ومرسلِ خفی میں فرق واضح کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) تدلیس کا معنی (۲) تدلیس کی اقسام (۳) مدلّس کی وجہ تسمیہ (۴) مدلس اور مرسلِ خفی میں فرق۔ (ص ۶۵)

**جواب** ...... ① **تدلیس کا معنی:** تدلیس باب تفعیل کا مصدر ہے اور مجرد میں اس کا مادہ ''دلس'' ہے اور دلس کا معنی اصل معاملہ کو چھپانا اور تاریکی کو روشنی میں ملا جلا دینا ہے چونکہ مدلّس بھی تدلیس کے ذریعہ روایت کی سند کے معاملہ کو بالکل تاریک کر دیتا ہے کہ روایت پڑھنے وسننے والے کے سامنے بالکل معاملہ واضح نہیں ہوتا اس لئے اس کو مدلّس کہتے ہیں۔

خبرِ مدلّس: وہ روایت جس کا راوی اپنے اصل مروی عنہ کا نام حذف کر کے اس سے اوپر والے شیخ سے اس طرح روایت کرے کہ اصل مروی عنہ کا محذوف ہونا بالکل معلوم نہ ہو بلکہ یہ محسوس ہو کہ اس نے اس سے اوپر والے شیخ ہی سے روایت سنی ہے مثلاً عنعنہ کے طریقہ سے یا قال کہہ کر روایت کرے۔

② تدلیس کی اقسام:۔ ملاعلی قاریؒ نے تین اقسام نقل کی ہیں: تدلیس الاسناد، تدلیس الشیوخ، تدلیس التسویہ۔

① تدلیس الاسناد: تدلیس الاسناد یہ ہے کہ راوی اپنے شیخ اور مروی عنہ کو یا شیخ الشیخ کو حذف کر کے اوپر والے شیخ سے روایت کرے یا یہ کہ راوی اپنے ہم عصر سے روایت کرے جس سے اس کی ملاقات نہ ہوئی ہو یا ملاقات ہوئی ہو مگر اس سے اس کا عدم سماع ثابت ہو یا سماع ثابت ہو مگر وہ خاص روایت اس شیخ سے نہ لی ہو بلکہ اسکے کسی ضعیف شاگرد سے سنی ہو مگر اس کا واسطہ ساقط کر کے شیخ سے اس طرح روایت کرے کہ جس سے سماع کا وہم ہوتا ہے مثلاً عن سے یا قال کہہ کر روایت کرے مندرجہ ذیل حضرات کی تدلیس اسی قبیل سے ہے: (۱) اعمش (۲) ثوری (۳) ابن اسحٰق (۴) بقیہ بن الولید (۵) ولید بن مسلم۔

تدلیس الاسناد کا حکم: تدلیس کی یہ قسم ناجائز اور بہت زیادہ مذموم ہے اور حضرت شعبہ اس کی بہت زیادہ مذمت بیان کرتے تھے۔

② تدلیس الشیوخ: تدلیس الشیوخ یہ ہے کہ راوی اپنے مروی عنہ شیخ کا غیر معروف نام یا غیر معروف نسبت یا غیر معروف صفت ذکر کرے اور اس کا مقصد یہ ہو کہ لوگ اسے پہچان نہ سکیں کیونکہ وہ ضعیف یا ادنیٰ درجہ کا راوی ہے جیسے ابن مجاہد المقری نے کہا ''حدثنا محمد بن سند'' یہ محمد بن سند اس ابن مجاہد کا شیخ ہے، ابن مجاہد نے اس کی نسبت بیان کرنے میں تدلیس کی ہے۔ محمد بن سند سے ابوبکر محمد بن الحسن النقاش مراد ہے اور سند اس کا کوئی دادا ہے، اس کا نسب اس طرح ہے محمد بن الحسن بن زیادہ بن ہارون بن جعفر بن سند۔

تدلیس الشیوخ کا حکم: تدلیس کی یہ قسم ناجائز تو نہیں ہے مگر نامناسب اور مذموم ہے اور یہ پہلی قسم کے مقابلہ میں اخف ہے۔

③ تدلیس التسویہ: تدلیس التسویہ یہ ہے کہ راوی اپنے مروی عنہ شیخ کو حذف نہ کرے بلکہ شیخ سے اوپر سند کے اندر موجود کسی ضعیف یا معمولی راوی کو تحسین سند کی غرض سے حذف کر دے اور اس مقام پر ایسا لفظ ذکر کرے جس میں سماع کا احتمال ہو۔ مثلاً راوی (مدلس) کا استاد اور شیخ ثقہ ہے، شیخ الشیخ بھی ثقہ ہے مگر تیسرے نمبر کا مروی عنہ ضعیف ہے اور چوتھے نمبر کا شیخ بھی ثقہ......الی آخرہ۔ اب مدلس راوی اس تیسرے نمبر کے ضعیف راوی کو حذف کر کے دوسرے آدمی کو چوتھے کے ساتھ ملا دیتا ہے اب درمیان سے ضعیف راوی نکل گیا تو یہ سند ثقات عن الثقات کے درجہ کی ہوگئی۔ تدلیس کی یہ قسم حرام ہے یہ سراسر دھوکہ اور فریب ہے، اسلئے کہ سند میں غور کرنے والا اس سند کو ثقات عن ثقات کے درجہ کی سند سمجھ کر اس پر صحت کا حکم لگا دے گا حالانکہ حقیقت اسکے برعکس ہے۔

③ مدلّس کی وجہ تسمیہ:۔ **تفصیله كما مرّ آنفا فی الامر الاوّل۔**

④ مدلس اور مرسلِ خفی میں فرق:۔ مدلس اور مرسل خفی میں فرق یہ ہے کہ تدلیس میں راوی (مدلس) کی شیخ سے (معاصرت کے ساتھ ساتھ) ملاقات بھی ثابت ہوتی ہے مگر سماع نہیں ہوتا یا مطلق سماع تو ہوتا ہے مگر روایت کردہ حدیث کا سماع نہیں ہوتا جبکہ مرسل خفی میں معاصرت تو ثابت ہوتی ہے مگر اس سے ملاقات نہیں ہوئی ہوتی۔ اس فرق کا حاصل یہ ہوا کہ تدلیس میں ملاقات کا ثبوت ہوتا ہے جبکہ مرسل خفی میں ملاقات کا ثبوت نہیں ہوتا۔ لہٰذا صاحب خلاصہ کی طرح جن حضرات نے تدلیس میں مطلق معاصرت (خواہ ملاقات کے بغیر ہو) کا اعتبار کیا ہے انہوں نے تدلیس کی تعریف میں مرسل خفی کو بھی داخل کر لیا ہے کیونکہ مرسل خفی میں بھی صرف معاصرت ہوتی ہے ملاقات نہیں ہوتی تو اس لحاظ سے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں رہا لیکن یہ تساوی اور عدم فرق درست نہیں، بلکہ صحیح یہ ہے کہ ان میں فرق اور تباین ہے۔

## ﴿الورقة الثانية فی مصطلح الحديث﴾

### ﴿السؤال الاوّل﴾ ١٤٤٠ھ

**الشق الاوّل** ...... معنعن ومؤنن کی تعریف ومثال لکھیں۔ حدیثِ معنعن کے متصل یا منقطع ہونے میں علماء کے اقوال لکھیں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال میں دو امور مطلوب ہیں (۱) معنعن ومؤنن کی تعریف ومثال (۲) حدیثِ معنعن کے متصل یا منقطع ہونے کے متعلق علماء کے اقوال۔

**جواب** ...... ① معنعن ومؤنن کی تعریف ومثال:۔ حدیثِ معنعن: وہ حدیث ہے جو عَنْ، عَنْ سے روایت کی گئی ہو یعنی راوی سمعت یاحدثنی وغیرہ کی جگہ لفظ عَنْ استعمال کرے جیسے **حدثنا سفیان عن اسامة بن زید عن عثمان بن عروة عن عروة عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ ان الله وملئكته يصلون على ميامن الصفوف۔**

حدیثِ مؤنَّن: وہ حدیث جو اَنَّ کے لفظ سے روایت کی جائے جیسے **حدثنا فلانٌ انَّ فلانًا قال الخ۔**
امام احمدؒ اور ایک جماعت کے نزدیک یہ منقطع ہے حتیٰ کہ اس کا اتصال واضح ہو جائے اور جمہور علماء کے نزدیک اس کا حکم بھی عَنْعَنۃ والا ہی ہے مذکورہ شروط کے ہوتے ہوئے یہ سماع پر محمول ہوگا۔

**②** __حدیثِ معنعن کے متصل یا منقطع ہونے کے متعلق علماء کے اقوال:۔__ حدیث معنعن کو اتصال پر محمول کیا جائے یا انقطاع پر؟ تین صورتوں میں بالاتفاق انقطاع پر محمول کیا جاتا ہے:

① راوی اور مروی عنہ کا زمانہ ایک نہ ہو ② دونوں کا زمانہ تو ایک ہو مگر زندگی بھر دونوں میں ملاقات نہ ہونا ثابت ہو ③ دونوں کا زمانہ ایک ہو اور عدمِ لقاء ثابت نہ ہو، مگر راوی مُدلس ہو، یعنی اس میں استاذ کا نام چھپانے کا مرض ہو۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ راوی اور مروی عنہ میں معاصرت ہو یعنی دونوں کا زمانہ ایک ہو اور عدمِ لقاء (ملاقات نہ ہونا) بھی ثابت نہ ہو بلکہ ان کی باہم ملاقات ممکن ہو، اور راوی میں تدلیس کا مرض بھی نہ ہو، اور وہ بصیغہ عن روایت کرے تو اس سند میں اختلاف ہے بعض نام نہاد محدثین اس صورت میں بھی حدیثِ معنعن کو منقطع اور نا قابلِ استدلال قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک حدیثِ معنعن کو متصل قرار دینے کے لئے ضروری ہے کہ راوی اور مروی عنہ میں زندگی میں کم از کم ایک بار ملاقات ثابت ہو تو پھر اس راوی کی مروی عنہ سے تمام معنعن روایتیں متصل قرار دی جائیں گی ورنہ محض معاصرت اور امکانِ لقاء کی وجہ سے حدیثِ معنعن کو اتصال پر محمول نہیں کیا جائے گا۔ (فیض المنعم ص ۱۳۷) ''تیسیر مصطلح الحدیث'' میں انہی شرائط کو دوسرے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

**الشق الثانی** ...... طعن کی مراد اور راوی میں طعن کے اسباب واضح کریں۔ حدیثِ موضوع ومتروک کی تعریف بیان کریں۔ وضع کے اسباب کی مختصراً نشاندہی کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں: ① طعن کی مراد وراوی میں طعن کے اسباب ② حدیثِ موضوع ومتروک کی تعریف ③ وضع کے اسباب کی نشاندہی۔ (ص ۷۵)

**جواب** ...... **①** __طعن کی مراد وراوی میں طعن کے اسباب:۔__ راوی میں طعن سے مراد یہ ہے کہ کسی نے اس پر جرح کی ہو یا اُس میں عدالت اور دین کے پہلو سے گفتگو کی ہو اسی طرح اُس کے ضبط وحفظ اور تیقظ و بیدار مغزی کے پہلوؤں پر گفتگو کی گئی ہو۔

راوی میں طعن کے دس اسباب ہیں جن میں سے پانچ کا تعلق راوی کی عدالت سے ہے اور پانچ کا تعلق ضبط سے ہے۔ جن اسباب کا تعلق راوی کی عدالت سے ہے وہ جھوٹ، جھوٹ کی تہمت، بدعت، جہالت، فسق ہیں اور جن اسباب کا تعلق ضبط سے ہے وہ یہ ہیں ① غلطیاں کثرت سے کرتا ہو اور نہ ہونے والی غلطیاں کرتا ہو ② حافظہ کمزور ہو یا خلط ملط کرتا ہو ③ روایت کرنے میں غفلت سے کام لیتا ہو، اہتمام نہ کرتا ہو ④ وہم بہت زیادہ کرتا ہو ⑤ ثقہ راویوں کی مخالفت کرتا ہو۔

**②** __حدیثِ موضوع ومتروک کی تعریف:۔__ حدیثِ موضوع: (لغوی طور پر یہ **وضع الشیئ** سے ماخوذ ہے بمعنی گرانا ومٹانا) اصطلاح میں وہ خود ساختہ اور جھوٹی بات جس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کی گئی ہو۔

ضعیف روایات میں سے موضوع حدیث سب سے بری اور قبیح قسم ہے بلکہ بعض علماء نے اسے ایک مستقل بالذات قسم قرار دیتے ہوئے ضعیف روایات کی انواع میں شمار ہی نہیں کیا۔

محدثین کا اجماع ہے کہ موضوع روایت کو جانتے ہوئے اُس کا حال بیان کئے بغیر آگے روایت کرنا جائز نہیں ہے البتہ اُس کے موضوع ہونے کو بیان کر کے اُس کو ذکر کیا جا سکتا ہے۔

حدیثِ متروک: (لغوی طور پر یہ **ترک** سے ماخوذ ہے بمعنی چھوڑا ہوا وبے فائدہ) وہ حدیث جس کی سند میں ایسا راوی ہو جو متہم بالکذب ہو۔

راوی پر جھوٹ کی تہمت کے اسباب دو امور ہیں: ① وہ حدیث صرف اسکے واسطہ سے مروی ہو اور عام قواعد شرعیہ کے مخالف ہو۔

② وہ راوی معمول کی عام بات چیت میں جھوٹا مشہور ہو مگر اس سے حدیثِ نبوی ﷺ میں جھوٹ ظاہر نہ ہو (کیونکہ اگر حدیث نبوی ﷺ میں جھوٹ ظاہر ہو جائے تو وہ حدیث موضوع کہلاتی ہے)۔ ضعیف احادیث میں سے موضوع کے بعد دوسرا مرتبہ متروک کا ہے۔

③ وضع کے اسباب کی نشاندہی:۔ ① تقرب الی اللہ حاصل کرنے کیلئے ایسی احادیث وضع کرنا کہ لوگوں کو نیکی اور بھلائی کے کاموں میں رغبت اور بُرے وگناہ کے کاموں سے نفرت پیدا ہو۔ ایسی احادیث بنانے والے لوگ زہد واصلاح کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ یہ سب سے بُرے واضعین ہیں کیونکہ لوگ ان پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی موضوع احادیث بھی قبول کر لیتے ہیں۔
② اپنے مذہب کی نصرت وتائید کیلئے احادیث وضع کرنا۔ جیسے خوارج وشیعہ اور دیگر فرقوں کے ظہور کے بعد انہوں نے اپنے اپنے مذہب کی تائید میں احادیث وضع کیں۔ ③ جب بے دین وملحد لوگ کھلم کھلا اسلام کے خلاف مکروفریب اور دجل نہ کر سکے تو انہوں نے اسلام کو قبیح وبدشکل بنانے اور اس میں عیب وطعن کرنے کی غرض سے احادیث وضع کیں۔ انہی لوگوں میں سے محمد بن سعید شامی اسی فعلِ شنیع کی وجہ سے پھانسی پر لٹکایا گیا۔ ④ کمزور ایمان واعتقاد والے لوگ حکمرانوں کا قرب حاصل کرنے کیلئے ایسی احادیث بناتے ہیں جو حکمرانوں کے انحراف والے راستہ سے مناسبت رکھتی ہیں۔ ⑤ کمائی ورزق کی طلب کیلئے بعض قصہ گو واعظ اپنے وعظ و خطاب کے ذریعہ پیسہ بٹورنے کیلئے انہیں ایسے تسلی بخش اور عجیب وغریب واقعات سناتے ہیں تاکہ لوگ ان کی طرف توجہ دیں اور انہیں کچھ رقم عطاء کریں۔ ⑥ شہرت کیلئے ایسی عجیب وغریب احادیث بیان کرنا جو کسی بھی ماہر حدیث کے پاس نہ ہوں۔ یہ لوگ حدیث کی سند کو الٹ پلٹ دیتے ہیں تاکہ وہ حدیث عجیب وغریب اور نادر ہونے کی وجہ سے لوگوں کی رغبت کا سبب ہو۔

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۰ھ

**الشق الاوّل** ......خبرِ غریب کی تعریف کریں۔ خبرِ غریب کی کتنی اقسام ہیں؟ ہر قسم کی تعریف ومثال تحریر کریں۔ غریب نسبی کی اقسام مع امثلہ کی وضاحت کریں۔ غریب اور فرد کے درمیان نسبت واضح کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① خبرِ غریب کی تعریف ② خبرِ غریب کی اقسام مع امثلہ ③ غریب نسبی کی اقسام مع امثلہ ④ غریب اور فرد میں نسبت کی تفصیل۔

**جواب** ...... ① خبرِ غریب کی تعریف:۔ (لغوی معنی: اکیلا، منفرد ومسافر) اصطلاح میں وہ حدیث جس کا راوی کسی نہ کسی زمانے میں ایک ہو یعنی جسے روایت کرنے والا شخص تنہا اور منفرد ہو خواہ سند کے تمام طبقوں میں یا بعض طبقوں میں یا ایک ہی طبقہ میں ہو اور سند کے باقی طبقوں میں موجود افراد کی زیادتی کوئی نقصان نہیں دے گی کیونکہ اعتبار کم سے کم تعداد کا ہوتا ہے۔

② خبرِ غریب کی اقسام مع امثلہ:۔ غرابت کی دو قسمیں ہیں: ① غریبِ مطلق: غرابت وتفرد اصلِ سند میں ہو یعنی سند کی ابتداء (صحابی) میں ہی تفرد ہو جیسے **انّما الاعمال بالنّیات** کے راوی صرف حضرت عمرؓ ہیں اور یہ تفرد آخر سند تک برقرار ہے۔
② غریبِ نسبی: سند کے درمیان میں کسی خاص راوی کی طرف نسبت کرتے ہوئے غرابت وتفرد ہو۔ جیسے **انّ النبی ﷺ دخل مکة وعلی رأسه المغفر** یہ حدیث امام مالک، زہری سے اور وہ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں، گویا اس روایت کو زہری سے روایت کرنے میں امام مالک متفرد ہیں۔ سند ومتن کے اعتبار سے غریب کی اقسام: ① جو سند ومتن دونوں اعتبار سے غریب ہو، یعنی اکیلا راوی کسی متن کو نقل کرنے میں متفرد ہو۔ ② جو صرف سند کے اعتبار سے غریب ہو، جیسے کسی حدیث کے متن کو متعدد صحابہؓ نقل کریں مگر اسکی سند ہر صحابی سے اکیلے اکیلے مروی ہو۔

③ غریبِ نسبی کی اقسام مع امثلہ:۔ ① ثقہ وقابلِ اعتماد راوی کسی حدیث کی روایت میں متفرد ہو، مثلاً اس حدیث کو فلاں ثقہ راوی کے علاوہ اور کسی راوی نے روایت نہیں کیا۔ ② کوئی متعین راوی کسی متعین راوی سے روایت کرنے میں متفرد ہو، مثلاً اس حدیث کو فلاں راوی سے صرف فلاں راوی نے ہی روایت کیا ہے۔ ③ کسی شہر یا ملک کے لوگ کسی حدیث کی روایت میں متفرد ہوں، مثلاً صرف اہلِ مکہ یا اہلِ شام نے فلاں حدیث کو روایت کیا ہے۔ ④ کسی شہر یا ملک کے لوگ کسی دوسرے شہر یا ملک کے رواۃ سے کسی حدیث کی روایت میں متفرد ہوں، مثلاً اس حدیث کو صرف اہلِ شام نے ہی اہلِ حجاز سے روایت کیا ہے، یا اس حدیث کو صرف اہلِ بصرہ نے ہی اہلِ مدینہ سے روایت کیا ہے۔

④ غریب اور فرد کے درمیان نسبت کی تفصیل:۔ غریب اور فرد لغت اور اصطلاح کے اعتبار سے ایک دوسرے کے مترادف ہیں

0313 6307913 maktabazakariyamultan@gmail.com

البتہ اہل اصطلاح نے کثرت اور قلت استعمال کے اعتبار سے ان میں فرق کیا ہے، فرق یہ ہے کہ فرد کا استعمال اکثر فرد مطلق میں اور غریب کا استعمال اکثر فرد نسبی میں ہوتا ہے اور یہ فرق اسم کے اعتبار سے ہے لیکن جب فعل کا استعمال ہوگا تو ہر ایک دوسرے کے لئے استعمال ہوگا لہٰذا فرد مطلق اور فرد نسبی دونوں کے لئے **تفرد به فلان** اور **اغرب به فلان** استعمال ہوتے ہیں۔

**الشق الثانی** ......راوی کے مقبول ہونے کی شرائط تحریر کریں۔ جرح وتعدیل کے مراتب اور اُن کا حکم ذکر کریں۔ (ص ١٢٦)

**جواب** ...... **①** راوی کے مقبول ہونے کی شرائط:۔ جمہور علماء کا اجماع ہے کہ حدیث کے راوی کیلئے بنیادی شرطیں دو ہیں۔

① عدالت: یعنی راوی مسلمان ہو، عاقل، بالغ ہو، اسبابِ فسق سے سلامت اور اخلاقِ اسلامی کا پابند ہو۔

عدالت کے ثبوت کیلئے دو امور ہیں: (۱) عدالت بیان کرنیوالے صراحت کریں خواہ تمام علماءِ تعدیل یا بعض۔ (۲) مشہور اور منظرِ عام پر آنے کی وجہ سے اُسکی عدالت مشہور ہو، اُس کی تعریف اور مدح عام ہو کہ اُس کے بعد کسی تعدیل کی ضرورت نہ رہے۔

② ضبط: یعنی راوی ثقہ راویوں کی مخالفت نہ کرتا ہو، نہ اس کا حافظہ برا ہو، نہ زیادہ غلطیاں کرنے والا اور غفلت برتنے والا ہو اور نہ بہت زیادہ وہم کا شکار ہوتا ہو۔ حفظ وضبط کی پہچان روایت میں اُس کی ثقہ اور معتمد راویوں سے موافقت کرنے پر موقوف ہے پس اگر وہ روایت میں اکثر اُن کی موافقت کرتا ہے تو وہ ضابط ہے، معمولی اور شاذ و نادر مخالفت اُس کے لئے مضر نہیں ہے البتہ اگر مخالفت زیادہ ہو تو وہ ضبط میں خلل شمار ہوگی اور وہ قابلِ حجت نہ رہے گا۔

**②** جرح وتعدیل کے مراتب وحکم:۔ علامہ ابن ابی حاتمؒ نے الجرح والتعدیل میں جرح وتعدیل کے چار چار مراتب بیان کئے ہیں اور بعض علماء نے اُن پر دو مرتبوں کا اضافہ کیا ہے تو مجموعی طور پر چھ چھ مراتب ہوگئے۔

تعدیل کے مراتب: ① جو توثیق میں مبالغے پر دلالت کریں یا افعل التفضیل کے وزن پر ہو جیسے **فلان الیه المنتهی فی الثبت یافلان اثبت الناس**۔ ② توثیق کی صفات میں سے کسی ایک یا دو صفات کے ساتھ تاکید شدہ ہو جیسے **ثقة ثقة یاثقة ثبة**۔ ③ جو توثیق پر دلالت کرنے والی صفات میں سے ایک کے ساتھ غیر مؤکد ہو جیسے **ثقة یاحجة**۔ ④ جو الفاظ ضبط کو واضح کئے بغیر راوی کی تعدیل پر دال ہوں جیسے **صدوقٌ ، محله الصدق ، لا بأس به**۔ ⑤ ایسے الفاظ جن میں جرح وتعدیل پر دلالت نہ ہو جیسے **فلانٌ شیخ یاروی عنه الناس**۔ ⑥ ایسے الفاظ جو جرح کے قریب کا شعور دلائیں **صالح الحدیث یا یکتب حدیثه**۔

پہلے تین مرتبوں والے راویوں سے حجت پکڑی جاتی ہے اگرچہ اُن میں سے بعض بعض سے زیادہ قوی ہوں۔ چوتھے اور پانچویں مرتبے والے راویوں سے حجت نہیں پکڑی جائے گی البتہ اُن کی حدیث لکھی جائے گی اور اسے جانچا جائے گا۔ چھٹے مرتبے والوں کی حدیث سے حجت نہیں لی جائے گی البتہ اُن کی احادیث صرف اعتبار کے لئے لکھی جائیں گی جانچ پڑتال کے لئے نہیں۔

جرح کے مراتب: ① جو راوی کے حفظ میں کمزوری اور نرمی پر دلالت کرے، یہ سب سے آسان اور کم ترین جرح ہے جیسے **لین الحدیث، فیه کلامٌ**۔ ② جس سے حجت نہ لینے کی صراحت ہو یا اُس کے مشابہ لفظ ہوں جیسے **فلان لایحتج به، ضعیفٌ ،له مناکیرُ**۔ ③ جس سے نہ لکھنے کی صراحت یا اُس جیسے لفظ ہوں جیسے **فلانٌ لایکتب عنه ، ضعیفٌ جِدًا**۔ ④ جھوٹ کی تہمت ہو یا اُس جیسے الفاظ ہوں جیسے فلاں پر جھوٹ کی تہمت ہے، یا حدیثیں بنانے اور وضع کرنے کی تہمت ہے، یا وہ حدیث چوری کرتا ہے، یا وہ ساقط ہے، یا وہ چھوڑا گیا ہے، یا وہ ثقہ نہیں ہے۔ ⑤ وہ الفاظ جو راوی کے جھوٹا ہونے پر دلالت کریں مثلاً **کذابٌ، دجّالٌ، یضع الحدیث**۔ ⑥ جو جھوٹ میں مبالغے پر دلالت کرے مثلاً فلاں سب سے زیادہ جھوٹا ہے، اس پر جھوٹ بولنے کی انتہاء ہے، یا وہ جھوٹ کا رکن اور اس کی کان ہے۔

پہلے دو مرتبہ والوں سے حجت نہیں پکڑی جائے گی لیکن اُن کی حدیث صرف اعتبار کے طور پر لکھی جائے گی اور آخری چار مراتب والوں کی حدیث سے نہ حجت پکڑی جائے گی، نہ اُن کی حدیث لکھی جائے گی اور نہ اُن کا اعتبار کیا جائے گا۔

## السوال الثالث ١٤٤٠ھ

**الشق الاوّل** ......حصولِ حدیث کے طریقوں کی مکمل تفصیل تحریر کریں۔

0313 ... Maktabazakariyamultan@gmail.com

**جواب** ...... حصولِ حدیث کے طریقوں کی مکمل تفصیل:۔ حدیث کو حاصل کرنے کے آٹھ طریقے ہیں:

① شیخ کے الفاظ کو سننا یعنی استاد پڑھے اور طالب علم براہِ راست سنے، خواہ استاد اپنے حافظے سے بیان کرے یا کتاب سے دیکھ کر اور طالب علم خواہ صرف سنے یا لکھ بھی لے۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ سماع کا سب سے بلند طریقہ ہے۔ اس طریقے سے حاصل کردہ حدیث کو **سمعت یا حدثنی** کے الفاظ سے آگے نقل کرنا درست ہے۔ ② قرات علی الشیخ: یعنی طالب علم پڑھے اور استاد سنے، خواہ طالب علم خود پڑھے یا کوئی دوسرا طالب علم پڑھے اور وہ سنے اور خواہ یہ قراۃ حفظ سے ہو یا کتاب سے دیکھ کر ہو اسی طرح استاد خواہ اپنے حفظ سے سنے یا کتاب کو سامنے رکھ کر سنے۔ اس طریقے سے حاصل کردہ حدیث کو **اخبرنی** کے الفاظ سے آگے نقل کیا جاتا ہے۔ ③ اجازت: یعنی لفظی طور پر یا لکھ کر روایت کرنے کی اجازت دینا مثلاً استاد اپنے شاگرد سے کہے کہ میں تجھے اجازت دیتا ہوں کہ تُو مجھ سے فلاں کتاب روایت کرسکتا ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک کسی معین چیز کی معین شخص کو اجازت دینے سے اجازت درست ہے۔ اُسکے علاوہ غیر معین شخص یا غیر معین کتاب کی اجازت میں کثیر اختلاف ہے۔ افضل اور اولیٰ یہ ہے کہ اسے **اجازلی فلانٌ** سے آگے نقل کیا جائے۔ ④ مناولہ: یہ اجازت کی قسموں میں سے بلند ترین اور اعلیٰ قسم ہے یعنی استاد طالب علم کو اپنی کتاب دے اور کہے کہ یہ میری فلاں سے روایت ہے تُو اِسے بیان کرسکتا ہے۔ اور وہ طالب علم خواہ اسے اپنی ملکیت میں رکھے یا نقل کرنے کیلئے عاریتاً رکھے۔ اسکی دوسری صورت یہ ہے کہ شیخ روایت کرنے کی اجازت نہ دے بلکہ محض اپنے شاگرد کو اپنی کتاب دیکر یہ کہے کہ یہ میری روایات ہیں۔ ان میں سے پہلی قسم (اجازت کے ساتھ) کو روایت کرنا جائز ہے جبکہ دوسری قسم (بغیر اجازت) کو صحیح قول کے مطابق روایت کرنا درست نہیں ہے۔ اسے **ناولنی واجازلی** کے الفاظ سے آگے نقل کرنا احسن اور **حدثنا مناولۃ واجازۃ** کے الفاظ سے نقل کرنا جائز ہے۔ ⑤ کتابت: یعنی استاد اپنی سنائی گئی روایات کسی موجود یا غائب شخص کو اپنے خط کے ساتھ یا اپنے حکم کے ساتھ لکھوا کر دے اس کی بھی دو قسمیں ہیں (الف) اُس میں اجازت بھی درج ہو (ب) روایت کرنے کی اجازت درج نہ ہو۔ پہلی قسم مناولہ کی پہلی قسم کی طرح ہے یعنی اُس طریقے سے روایت کرنا صحیح ہے اور دوسری قسم میں بھی صحیح قول کے مطابق روایت کی اجازت ہے۔ اسے کتابت کی تصریح کے ساتھ مثلاً **کتب الیّ فلانٌ** اور سماع و قراءت کے مقید الفاظ مثلاً **حدثنا فلانٌ** یا **اخبرنی کتابۃ** وغیرہ کے الفاظ سے روایت کیا جاتا ہے۔ ⑥ اعلام: یعنی استاد شاگرد کو خبر دے کہ یہ حدیث یا یہ کتاب میرا سماع ہے، بہت سے محدثین، اصولیین و فقہاء کے نزدیک اس کو روایت کرنا جائز ہے مگر صحیح قول کے مطابق اس کو روایت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ بسا اوقات استاد خبر دیتا ہے کہ یہ حدیث میری روایت ہے مگر اُسے آگے بیان کرنا جائز نہیں ہوتا کیونکہ اس میں خلل اور خرابی ہوتی ہے، البتہ اگر روایت کی اجازت دے تو درست ہے اِس کو **اعلمنی شیخی بکذا** کے الفاظ سے روایت کیا جاتا ہے۔ ⑦ وصیت: یعنی شیخ اپنی موت یا سفر کے وقت کسی شخص کو اپنی کسی کتاب کے ساتھ وصیت کرے جسے وہ خود روایت کرتا ہے بعض سلف کے نزدیک اِس کو روایت کرنا جائز ہے مگر صحیح قول کے مطابق اس کو روایت کرنا جائز نہیں ہے اور اس کو **اوصٰی الیّ فلانٌ بکذا، حدثنی فلانٌ وصیۃ** کے الفاظ سے روایت کیا جاتا ہے۔ ⑧ وجادت: (لغوی معنی پانا) یعنی شاگرد اپنے استاد کے خط سے لکھی ہوئی کچھ احادیث پائے جنہیں وہ بیان کرتا تھا اور شاگرد انہیں پہچان لے یعنی اس میں شاگرد نے نہ سماع کیا ہے اور نہ اُسے اجازت ہے، اس طریقہ سے روایت کرنا منقطع کہلاتا ہے مگر دوسرے طریق سے یہ روایت متصل بھی ہوتی ہے، اِسے **وجدت بخط فلان او قرأت بخط فلان کذا** کے الفاظ سے روایت کیا جاتا ہے۔

**الشق الثانی** ...... حدیث کے ضبط و کتابت کا حکم ذکر کریں۔ نیز نابینا شخص کی روایت اور روایت بالمعنیٰ کا حکم و شرائط بیان کریں۔

﴿ خلاصہ سوال ﴾ ...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں: ① حدیث کے ضبط اور کتابت کا حکم ② نابینا شخص کی روایت کا حکم ③ روایت بالمعنیٰ کا حکم و شرائط۔ (ص ۱۴۳ و ۱۴۸)

0313...5913 Maktabazakariyamultan@gmail.com

**جواب** ...... ① حدیث کے ضبط اور کتابت کا حکم:۔ سلفِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعینؒ کے کتابت و ضبطِ حدیث کے متعلق دونوں طرح کے اقوال ہیں: ① حضرت عبداللہ بن عمر، عبداللہ مسعود، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کے نزدیک مکروہ و ناجائز ہے۔

② حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت انس، حضرت عمر بن عبدالعزیز اور اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک مباح و جائز ہے۔

اسکے بعد علماء کا کتابتِ حدیث کے جواز پر اجماع ہوگیا کہ اگر حدیث کتابوں میں مدوّن نہ کی جاتی تو آخر زمانوں میں ضائع ہوجاتی۔

اس اختلاف کا سبب دراصل ارشاداتِ نبوی میں اختلاف تھا۔ مسلم کی حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ نہ لکھا کرو، جس نے مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ لکھا ہے وہ اسے مٹادے۔ جبکہ صحیحین کی ہی دوسری روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابوشاہ کو لکھ دو اسی طرح عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو لکھنے کی اجازت دی گئی تو علماء نے ان احادیث میں تطبیق دیتے ہوئے کہا کہ یہ لکھنے کی اجازت اُس شخص کیلئے تھی جسے بھولنے کا خوف تھا اور منع اُسے کیا گیا تھا جو بھولنے سے محفوظ تھا اور بعض نے کہا کہ ممانعت اُس وقت تھی جب قرآن وحدیث میں التباس واختلاط کا خوف تھا پھر جب اس خوف سے امن ہو گیا تو لکھنے کی اجازت دے دی گئی۔

② نابینا شخص کی روایت کا حکم:۔ جس نابینا راوی کو اپنے سماع سے کچھ بھی یاد اور محفوظ نہ ہو، اس حدیث کے لکھنے میں جسے وہ سن چکا ہو اور اس کے ضبط وکتابت کی حفاظت پر ثقہ راوی سے مدد لے اور اُس پر قراءت کے وقت احتیاط سے کام لے بایں طور کہ اس کا غالب گمان یہی ہو کہ وہ تغییر وتبدیل سے محفوظ ہے، اُس کی روایت اکثر حضرات کے نزدیک درست ہے اور نابینا آدمی کا حکم اُس بینا کی مانند ہے جو اَن پڑھ ہو اور یاد بھی نہ کرتا ہو۔

③ روایت بالمعنیٰ کا حکم وشرائط:۔ علماء سلف وخلف کا روایت بالمعنیٰ میں اختلاف ہے: جمہور محدثین، فقہاء واصولیین کی ایک جماعت نے اس سے منع کیا ہے جیسے محمد ابن سیرینؒ، ابوبکر رازیؒ وغیرہ۔ جبکہ محدثین، فقہاء واصولیین میں سے جمہور سلف وخلف نے اسکو جائز کہا ہے جن میں ائمہ اربعہ بھی شامل ہیں البتہ جن حضرات نے روایت بالمعنیٰ کو جائز قرار دیا ہے اُن کے نزدیک چند شرائط ہیں: ① راوی الفاظ اور اُن کے معنی ومقاصد کو جانتا ہو ② راوی اُن عوارض کو جانتا ہو اور اُن پر خبردار ہو جو اُسکے معنی کو پھیرتے اور محال بناتے ہیں۔

## الورقة الثانية فی اصول الحدیث

## السوال الاوّل ۱۴۴۱ھ

**الشق الاوّل** ......**سقط من الاسناد** سے کیا مراد ہے؟ اور اس کی کتنی قسمیں ہیں؟ **سقط ظاهر** کی اقسام کیا ہیں؟ تعریف کیجیے۔ صحیحین کی معلقات کا کیا حکم ہے؟

﴿ خلاصۂ سوال ﴾...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① سقط من الاسناد کی مراد ② سقوط ظاہر کی اقسام کا تعارف ③ صحیحین کی معلقات کا حکم۔

**جواب** ...... ① سقط من الاسناد کی مراد:۔ سقط من الاسناد کا مطلب سند میں سے راوی کا ساقط ہونا ہے گویا سلسلۂ سند میں ایک یا زائد راویوں کا حذف ہونا ہے، خواہ عمداً ہو یا سہواً، سند کے شروع سے ہو یا درمیان سے ہو یا آخر سے، سقوط ظاہراً ہو یا پوشیدہ ہو۔

② سقوط ظاہری کی اقسام کا تعارف:۔ محدثین نے سقوط جلی وظاہری کی چار اقسام ذکر کی ہیں:

① معلق ② مرسل: ان دونوں کی وضاحت... کما مر فی الشق الاول من السوال الثالث ۱۴۳۹ھ

③ معضل: وہ حدیث جس کی سند سے دو یا زائد راوی مسلسل ایک ہی جگہ سے حذف وساقط ہوں جیسے امام حاکم نے معرفۃ علوم الحدیث میں اپنی سند سے قعنبی تک روایت کیا ہے اور قعنبی امام مالک سے روایت کرتے ہیں، امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: مجھے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت پہنچی کہ آپ ﷺ نے فرمایا: **للمملوك طعامه و كسوته بالمعروف ولا يكلف من العمل الا ما يطيق** (غلام کا حق ہے کہ اسے دستور کے مطابق کھانا ولباس دیا جائے اور اس کی طاقت کے مطابق اس سے کام لیا جائے)

اس سند میں دو راوی امام مالک وحضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کے درمیان ایک ہی جگہ سے ساقط ہیں، دوسری جگہ پر یہ سند راویوں کے ساتھ اس طرح ہے: **عن مالك عن محمد بن عجلان عن ابيه عن ابی هريرة**۔ معضل کا حکم یہ ہے کہ یہ مرسل اور منقطع سے بھی زیادہ کمزور وبری حالت میں ہے کہ اس کی سند میں محذوف راوی زیادہ ہیں، لہٰذا یہ ضعیف ہے۔

④ منقطع: وہ روایت جس کی سند متصل نہ ہو بایں طور کہ اس پر مرسل، معلق ومعضل کی تعریف صادق نہ ہو یعنی اس میں انقطاعِ سند ہو مگر مرسل، معلق ومعضل کے طریق پر نہ ہو، اسکی مثال عبدالرزاق کی ذکر کردہ وہ حدیث جو انہوں نے ثوری سے **عن ابی اسحق عن زيد بن يثبع عن حذيفة مرفوعاً** بیان کی ہے: **ان ولّيتموها ابابكر فقوی امين** (اگر تم ابوبکر کو والی بناؤ گے تو وہ طاقتور اور

مکتبہ زکریا ملتان پاکستان 0313-6357313 maktabazakariyamultan@gmail.com

امین ہے) اس سند میں ثوری وابواسحٰق کے درمیان شریک راوی حذف ہے اور یہ ایسا انقطاع ہے جس پر مرسل، معلق یا معضل کی تعریف صادق نہیں آتی۔ منقطع کا حکم یہ ہے کہ ساقط راوی کے مجہول الحال ہونے کی وجہ سے اسکے ضعیف ہونے پر علماء کا اتفاق ہے۔

③ **صحیحین کی معلقات کا حکم:۔** صحیحین میں مذکور معلق کا حکم یہ ہے کہ جو حدیث یقینی الفاظ سے مذکور ہو جیسے **قَالَ، حَکٰی، ذَکَرَ** تو ایسی روایات کو راوی کی طرف منسوب کرنا تو ٹھیک ہے مگر رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت ٹھیک نہیں ہے۔ اور جو حدیث مجہول الفاظ سے مذکور ہو جیسے **قِیْلَ، حُکِیَ، ذُکِرَ** وغیرہ تو ایسی روایات کو راوی کی طرف منسوب کرنا بھی درست نہیں ہے، کیوں کہ ان میں صحیح بھی ہوتی ہیں اور حسن وضعیف بھی، مگر سخت ضعیف نہیں ہوتیں، کیوں کہ وہ صحیحین میں یا ان میں سے کسی ایک میں مذکور ہیں، لہٰذا صحیح کو غیر سے پہچاننے کے لیے اس کی سند پر بحث وتمحیص کی جائے گی اور پھر مناسب حکم لگایا جائے گا۔ (خیر الجلیس)

**الشق الثانی**...... **حدیثِ موضوع** کی تعریف وحکم لکھئے، **وضعِ حدیث** پہچاننے کے کیا طریقے ہیں؟ **حدیثِ موضوع** سے متعلق مشہور کتابوں کے نام مع مصنف لکھئے۔

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث موضوع کی تعریف وحکم ② وضع حدیث پہچاننے کے طریقے ③ احادیث موضوعہ سے متعلق مشہور کتابوں کے نام مع مصنف۔

**جواب**...... ① **موضوع کی تعریف وحکم:۔ کما مر فی الشق الثانی من السوال الاول ۱٤٤٠ھ**

② **وضعِ حدیث پہچاننے کے طریقے:۔** وضع حدیث کو پہچاننے کے طریقے درج ذیل ہیں: ① واضع خود اقرار کرے کہ میں نے یہ حدیث وضع کی ہے، جیسے ابوعصمہ نوح بن ابی مریم نے اقرار کیا ہے کہ اس نے ہر ایک قرآنی سورت کی فضیلت میں حدیث وضع کی ہے اور اس حدیث کو ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ ② واضع کوئی ایسی بات کرے جو وضع کا اقرار شمار ہو، مثلاً کوئی راوی کسی شیخ سے کوئی روایت نقل کرے مگر اپنی تاریخ پیدائش ایسی بیان کرے جو شیخ کی وفات کے بعد ہو اور بیان کردہ روایت بھی صرف اسی کے پاس ہو اس کا کوئی اور راوی نہ ہو۔ ③ راوی سے متعلق وضع کا کوئی قرینہ ہو، جیسے راوی رافضی ہو اور وہ اہلِ بیت کی فضیلت میں کوئی غیر معروف حدیث بیان کرے۔ ④ خود الفاظ حدیث میں وضع کا قرینہ موجود ہو، مثلاً حدیث کے الفاظ بدمزہ ہوں، یا وہ پھُس پھُسا کلام ہو یا وہ قرآن کے بالکل خلاف کلام ہو۔

③ **احادیثِ موضوعہ سے متعلق مشہور کتب کے نام مع مصنف:۔** وضع حدیث سے متعلق چند مشہور کتابیں یہ ہیں:

① **کتاب الموضوعات:** یہ علامہ عبدالرحمٰن ابن الجوزی رحمہ اللہ کی تصنیف ہے، اس فن میں انہوں نے سب سے پہلے تصنیف کی ہے، مگر انہوں نے احادیث پر موضوع کا حکم لگانے میں احتیاط نہیں کیا، اسی لیے علماء نے ان پر تنقید کی ہے۔

② **اللآلئ المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ:** یہ امام سیوطی رحمہ اللہ کی تصنیف ہے جو علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ کی کتاب کا ہی اختصار وتعاقب ہے، اور اس میں وہ موضوعات بھی ہیں جو علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ سے رہ گئی تھیں۔

③ **تنزیۃ الشریعۃ المرفوعۃ عن الاحادیث الشنیعۃ الموضوعۃ:** یہ ابن العراق الکنانی کی تصنیف ہے جو مذکورہ دونوں کتابوں کی تلخیص ہے، یہ ایک جامع محیط اور ترتیب سے آراستہ کتاب ہے۔

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱٤٤١ھ

**الشق الاوّل**...... امام ترمذی رحمہ اللہ کے قول **حدیث حسن صحیح** کا مطلب بیان کیجیے۔ کیا امام بخاری وامام مسلم رحمہ اللہ نے تمام صحیح احادیث اپنی صحیح میں بیان کردی ہیں؟ **مستدرک حاکم** کا تعارف ومرتبہ ذکر کیجیے۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① امام ترمذی رحمہ اللہ کے قول کا مطلب ② کیا بخاری ومسلم میں تمام صحیح احادیث مذکور ہیں؟ ③ مستدرک حاکم کا تعارف ومرتبہ۔

**جواب**...... ① **امام ترمذیؒ کے قول حدیث حسن صحیح کا مطلب:۔** سوال: امام ترمذی کا ایک ہی حدیث کو حسن صحیح کہنا کیسے درست ہے حالانکہ حسن اور صحیح میں فرق ہے۔ جواب: یہاں کلمہ واؤ (برائے جمع) محذوف ہے اور امام ترمذیؒ کا منشاء یہ ہے کہ یہ حدیث ایک طریق سے حسن اور دوسرے طریق سے صحیح ہے اور یہ اس وقت ہے جب ایک حدیث کے متعدد طرق ہوں۔ اگر کسی حدیث کی ایک ہی سند

ہو پھر امام ترمذیؒ کا مطلب یہ ہے کہ ایک جماعت کے نزدیک یہ حدیث حسن اور دوسری جماعت کے نزدیک صحیح ہے، گویا اس لفظ سے اس بات کی طرف اشارہ ہوگا کہ اس حدیث کو حسن وصحیح کہنے میں علماء کا اختلاف ہے یا پھر اسکے قائل کے نزدیک کوئی قول راجح نہیں ہے۔

② کیا بخاری ومسلم میں تمام صحیح احادیث مذکور ہیں؟ امام بخاری وامام مسلمؒ نے اپنی اپنی صحیح میں نہ ہی تمام صحیح احادیث کا احاطہ کیا ہے اور نہ ہی احاطہ کا اہتمام کیا ہے، چنانچہ امام بخاریؒ کا قول ہے کہ میں نے اپنی صحیح میں صرف صحیح احادیث جمع کی ہیں اور بہت سی صحیح احادیث میں نے طوالت کے خوف سے چھوڑ دی ہیں، اسی طرح امام مسلمؒ کا قول ہے کہ میرے پاس جتنی صحیح احادیث موجود تھیں میں نے ان سب کو اپنی کتاب میں جمع نہیں کیا بلکہ میں نے صرف وہ احادیث اپنی صحیح میں شامل کی ہیں جن کی صحت پر علماء محدثین کا اتفاق واجماع تھا۔

③ مستدرکِ حاکم کا تعارف ومرتبہ:۔ یہ کتب احادیث میں سے ایک مشہور ضخیم کتاب ہے، اس میں مؤلف نے صحیح بخاری ومسلم کی شرائط کے مطابق یا ان میں سے کسی ایک کی شرائط کے مطابق اُن صحیح احادیث کو جمع کیا ہے جن کو امام بخاری ومسلم رحمہما اللہ نے ترک کر دیا تھا، نیز اس میں بعض ایسی احادیث بھی ہیں جو بخاری ومسلم کی شرائط کے مطابق تو نہیں ہیں مگر مؤلف کے مطابق وہ صحیح ہیں، بعض جگہ مؤلف نے ایسی احادیث بھی ذکر کی ہیں جو صحیح نہیں ہیں مگر ایسی احادیث پر مؤلف نے متنبہ کیا ہے۔ گویا مؤلف نے تصحیح احادیث میں تساہل سے کام لیا ہے اس لیے ان کی ذکر کردہ احادیث میں تتبع وتحقیق کے ذریعہ ان کے مناسب حکم لگانا چاہیے، امام ذہبی رحمہ اللہ نے تتبع کے ذریعہ اس کی اکثر احادیث پر ان کے مناسب حکم لگایا ہے۔

**الشق الثانی** ......شاذ و محفوظ کی تعریف ومثال ذکر کیجیے، بدعتی کی روایت مقبول ہے یا نہیں؟ بدعت کی اقسام واضح کیجئے۔ کیا مبتدع کی حدیث کا کوئی خاص نام ہے؟ اگر ہے تو کیا ہے؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① شاذ ومحفوظ کی تعریف ومثال ② بدعتی کی روایت کا حکم ③ بدعت کی اقسام ④ مبتدع کی روایت کا نام۔

**جواب** ...... ① شاذ ومحفوظ کی تعریف ومثال:۔ شاذ: مقبول راوی کی وہ روایت جو اس نے اپنے سے افضل، اعلیٰ واوثق راوی کے خلاف بیان کی ہو، جیسے امام ابوداؤد اور امام ترمذیؒ سے مروی ہے: **عبد الواحد بن زیاد عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی ھریرۃ مرفوعاً اذا صلی احدکم الفجر فلیضطجع عن یمینہ** (جب تم میں سے کوئی فجر کی سنتیں پڑھ لے تو دائیں کروٹ پر لیٹ جائے) امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں عبدالواحد نے ایک بڑی تعداد کی مخالفت کی ہے کیوں کہ دیگر راویوں نے اس حدیث کو آپ ﷺ کے فعل سے بیان کیا ہے، صرف عبدالواحد نے قول سے بیان کیا ہے۔ شاذ روایت مردود وغیر مقبول ہے۔

محفوظ: یہ شاذ کے مدمقابل حدیث ہے یعنی وہ روایت جو اوثق راوی ثقہ راوی کی مخالفت میں بیان کرے۔ جیسے مذکورہ مثال میں متعدد راویوں کی ذکر کردہ آپ ﷺ کی فعلی روایت۔ محفوظ روایت مقبول وقابلِ عمل ہے۔

② بدعتی کی روایت کا حکم:۔ اگر بدعتی کی بدعت مکفرہ ہے تو یہ روایت مردود وغیر مقبول ہے، اگر اس کی روایت میں بدعت مفسقہ پائی جائے تو جمہور کے نزدیک اس کی روایت مقبول ہونے کی دو شرطیں ہیں: ① وہ بدعتی اپنی ایجاد کردہ بدعت کی دعوت دینے والا نہ ہو۔ ② وہ ایسی روایت بیان نہ کرے جو اس کی بدعت کو رواج دے۔

③ بدعت کی اقسام:۔ بدعت کی دو قسمیں ہیں: ① بدعتِ مکفرہ: وہ بدعت جس کا مرتکب کافر قرار دیا جاتا ہے بایں طور کہ وہ ایسا اعتقاد رکھے جو کفر کو مستلزم ہو۔ ② بدعت مفسقہ: وہ بدعت جس کا مرتکب اسکے ارتکاب کی وجہ سے کافر تو نہ ہو البتہ فاسق کہلاتا ہو۔

0313 0337915 maktabazakariyamultan@gmail.com

④ مبتدع کی روایت کا نام:۔ بدعتی کی روایت کا خاص نام نہیں ہے، پس اسکی روایت مردود ہے، البتہ اوپر مذکور شرائط کی وجہ سے قبول ہے۔

## ﴿السوال الثالث﴾ ١٤٤١ھ

**الشق الاوّل** ...... کیا تحملِ حدیث کے لیے اسلام اور بلوغت شرط ہے؟ **قراءۃ علی الشیخ** اور **سماع من لفظ الشیخ** کا رتبہ بیان کیجیے۔ سماع کے الفاظِ ادا کیا ہیں؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① تحمل حدیث کے لیے بلوغت واسلام کی شرط ② قراءۃ

علی الشیخ اور سماع من لفظ الشیخ کا رتبہ ③ سماع کے الفاظ ادا۔

**جواب** ...... ① **تحمل حدیث کے لیے بلوغت اور اسلام کی شرط:۔** صحیح قول کے مطابق حدیث پڑھنے اور لینے کے لیے اسلام اور بلوغت شرط نہیں ہے مگر ادائی و روایت کے لیے شرط ہے۔ بعض علماء نے حصولِ حدیث وتحملِ حدیث کے لیے بلوغت کی شرط لگائی ہے مگر یہ درست نہیں ہے، اس لیے کہ مسلمانوں نے صغار صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایات کو قبول کیا ہے۔

② **قراءۃ علی الشیخ اور سماع من لفظ الشیخ کا رتبہ:۔ سماع من لفظِ الشیخ :** یعنی استاد پڑھے اور شاگرد براہ راست سنے، خواہ استاد کتاب سے پڑھے یا حافظہ سے بیان کرے، جمہور علماء کے نزدیک تحملِ حدیث کے طریقوں میں سے یہ سب سے بلند اور اعلیٰ طریقہ ہے۔

**قراءۃ علیٰ الشیخ :** یعنی طالب علم و شاگرد پڑھے اور استاد سنے، اس طریقہ کے رتبہ و منزلت میں تین اقوال ہیں: ① امام بخاریؒ، امام مالکؒ اور حجاز و کوفہ کے اکثر علماء کے نزدیک یہ سماع کے ہی برابر ہے۔ ② جمہور اہل مشرق سے منقول ہے کہ یہ سماع سے کم ہے اور یہی قول صحیح ہے۔ ③ امام ابوحنیفہؒ و ابن ابی ذائب کا قول اور امام مالکؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ یہ سماع سے بلند مرتبہ ہے۔

③ سماع کے الفاظ:۔ اکیلے ہونے کی صورت میں سَمِعْتُ وحَدَّثَنِیْ اور زائد ہونے کی صورت میں سَمِعْنَا وحَدَّثَنَا کے الفاظ ہیں۔

**الشق الثانی** ...... **سند عالی اور سند سافل** کی اصطلاحی تعریف اور مرتبہ ذکر کیجیے، سابق ولاحق کی تعریف کیجیے، مکثرینِ حدیث صحابہ کتنے تھے؟ ان کے نام کیا کیا ہیں؟ **عبادلہ** کون ہیں؟

﴿ خلاصۂ سوال ﴾...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① سند عالی اور سند سافل کی اصطلاحی تعریف اور مرتبہ ② سابق ولاحق کی تعریف ③ مکثرین حدیث صحابہ کی تعداد و اسماء ④ عبادلہ کا مصداق۔

**جواب** ...... ① **سندِ عالی وسندِ سافل کی تعریف ومرتبہ:۔** جس سند کے راویوں کی تعداد دوسری سند کے راویوں کی بنسبت اسی حدیث کے وارد ہونے کے لحاظ سے کم ہو وہ سند عالی ہے اور جس سند کے راویوں کی تعداد اس حدیث کی دوسری سند کے اعتبار سے زائد ہو اس کو سند سافل و نازل کہتے ہیں۔ اسکی مثال یہ ہے کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ قتیبہ عن مالک کی سند سے ایک حدیث بیان کرتے ہیں جس میں ہمارے اور قتیبہ کے درمیان آٹھ واسطے ہیں اور یہی حدیث بعینہٖ ابو العباس السراج شیخ البخاری کے طریق سے بیان کریں تو ہمارے اور قتیبہ کے درمیان سات واسطے ہیں، اس میں اول سند سافل اور ثانی سند عالی ہے۔ صحیح قول کے مطابق علو افضل ہے کیوں کہ یہ حدیث سے خلل ونقص کے احتمال کی کثرت کو دور کر دیتا ہے جب کہ نزول سے اس بارے میں بے پروائی برتی گئی ہے۔ یہی جمہور علماء کا قول ہے۔ یہ اس وقت ہے جب دونوں سندیں قوت وصحت میں برابر ہوں اور اگر نازل سند کسی فائدہ کے ساتھ ممتاز ہو مثلاً اس کے رجال زیادہ ثقہ، حافظ یا فقیہ ہوں تو پھر نازل وسافل کا رتبہ زیادہ ہوگا۔

② سابق ولاحق کی تعریف:۔ کسی شیخ سے روایت کرنے والے دو راویوں کی موت میں تقدم وتاخر ہو یعنی دونوں کی وفات میں بعد و دوری ہو تو پہلے وفات پانے والے کو سابق اور بعد والے کو لاحق کہتے ہیں۔ جیسے محمد بن اسحٰق السراج سے روایت کرنے میں امام بخاری اور الخفافؒ شریک ہیں مگر ان کی وفات میں ۱۳۵ سال یا اس سے بھی زیادہ بعد ہے، کیوں کہ امام بخاریؒ کی وفات ۲۵۶ھ میں اور الخفافؒ کی وفات ۳۹۳ھ میں یا اس سے بھی بعد ہے۔ تو اس مثال میں امام بخاریؒ کو سابق اور الخفافؒ کو لاحق کہا جائے گا۔

③ مکثرین حدیث صحابہ کی تعداد و اسماء:۔ کثرت سے احادیث بیان وروایت کرنے والوں میں چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماء سرفہرست ہیں: ① حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ: ان کی مرویات کی تعداد ۵۳۷۴ ہے۔ ② حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما: ان کی مرویات کی تعداد ۲۶۳۰ ہے۔ ③ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ: ان کی مرویات کی تعداد ۲۲۸۶ ہے۔ ④ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا: ان کی مرویات کی تعداد ۲۲۱۰ ہے۔ ⑤ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما: ان کی مرویات کی تعداد ۱۶۶۰ ہے۔ ⑥ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما: ان کی مرویات کی تعداد ۱۵۴۰ ہے۔

④ عبادلہ کا مصداق:۔ عبادلہ سے مراد وہ صحابی ہیں جن کا نام عبداللہ ہے۔ ان کی تعداد تین سو کے قریب ہے۔ مگر مشہور طور پر اس

سے مراد یہ چار صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم ہیں۔ اور بعض کے نزدیک حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔

## ﴿الورقة الثانية فی اصول الحدیث﴾

### ﴿السوال الاول﴾ ١٤٤٢ھ

**الشق الاوّل** ......اصولِ حدیث کی ابتدائی تین مشہور کتابیں اور ان کے مصنفین کے نام تحریر کریں۔ محدِّث وحافظ کی تعریف کریں۔ **الموالی** کی لغوی واصطلاحی تعریف بیان کریں اور موالی کی تین قسمیں مع مثال ذکر کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① اصولِ حدیث کی ابتدائی تین مشہور کتابیں اوران کے مصنفین کے نام ② محدّث وحافظ کی تعریف ③ **الموالی** کی لغوی واصطلاحی تعریف ④ موالی کی تین اقسام مع مثال۔

**جواب** ...... ① اصولِ حدیث کی ابتدائی تین مشہور کتابیں اوران کے مصنفین کے نام:۔ ① **المحدث الفاصل بین الراوی و الواعی:** یہ قاضی ابومحمد حسن بن عبدالرحمٰن بن خلاد رامہرمزی (متوفی ٣٦٠ھ) کی تصنیف ہے۔ ② **معرفة علوم الحدیث:** یہ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم نیشاپوری (متوفی ٤٠٥ھ) کی تصنیف ہے۔ ③ **المستخرج علی معرفة علوم الحدیث:** یہ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی (متوفی ٤٣٠ھ) کی تصنیف ہے، اس میں انہوں نے امام حاکم کی شرائط پر رہی ہوئی ابحاث کو مکمل کیا ہے۔

② محدِّث وحافظ کی تعریف:۔ محدث: وہ شخص جو روایۃً ودرایۃً علمِ حدیث کے ساتھ مشغول ہو، اور اُسے بہت سی احادیث وروایات اوران کے رجال کا علم ہو۔ حافظ: اکثر محدثین کے نزدیک یہ لفظ محدّث کا ہی ہم معنی ہے جبکہ بعض کے نزدیک یہ محدث سے بلند درجہ ہے کہ رُواۃ کے ہر طبقے میں اس کی معرفت وواقفیت اسکی جہالت وعدمِ واقفیت سے زیادہ ہوتی ہے۔ (خیر الجلیس)

حافظ وہ محدث ہے جس نے مجموعۂ احادیث میں سے ایک لاکھ احادیث کا احاطہ کیا ہو اور اُسے ان احادیث کی سند، متن اور جرح وتعدیل پر مکمل عبور حاصل ہو۔ (عمدۃ النظر)

③ **الموالی** کی لغوی واصطلاحی تعریف:۔ موالی مولی کی جمع ہے، یہ الفاظِ متضادہ میں سے ہے، لغوی طور پر اس کا اطلاق مالک و غلام اور آزاد کرنے والے وآزاد کئے ہوئے سب افراد پر ہوتا ہے۔ اصطلاح میں وہ شخص جس نے عہد وپیمان کیا ہو، یا آزاد کردہ غلام ہو یا اس نے کسی غیر کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ہو۔

④ موالی کی تین اقسام مع مثال:۔ ① مولی الحلف: جیسے امام مالک بن انسؒ اصبحی تیمی۔ یہ نسلی طور پر اصبح قوم میں سے ہونے کی وجہ سے اصبحی ہیں اوران کی قوم (اصبح) نے قریش کی شاخ تیم سے عہد وپیمان کیا تھا اوران کے حلیف بنے تھے اس وجہ سے یہ تیمی ہیں۔ ② مولی العتاقہ: جیسے ابوالبختر سعید بن فیروز طائی تابعی۔ یہ طَیِّ قبیلہ کے آزاد کردہ غلام ہونے کی وجہ سے طائی ہیں کہ ان کے آقا وسردار کا تعلق قبیلہ طَیِّ سے تھا، تو ولاءِ عتاقہ کی وجہ سے یہ طائی ہیں۔ ③ مولی الاسلام: محمد بن اسماعیل بخاری جعفی۔ ان کے دادا مغیرہ مجوسی تھے اور وہ الیمان بن اخنس جعفی کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے تھے تو انہی کی طرف نسبت کرتے ہوئے یہ جعفی ہیں۔

### ﴿السوال الثالث﴾ (آئینہ قادیانیت) ١٤٤٢ھ

**الشق الاوّل** ......ختمِ نبوت کا معنیٰ ومطلب اور ختمِ نبوت کی اہمیت بیان کریں۔ آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس کے ساتھ اس منصب کے خاص ہونے کو بیان کریں۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں ① ختمِ نبوت کا معنیٰ ② ختمِ نبوت کی اہمیت ③ خاتم النبیین والی صفت کے آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہونے کی وضاحت۔

**جواب** ...... ① ختمِ نبوت کا معنیٰ:۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے جس سلسلۂ نبوت کی ابتداء فرمائی اُسکی انتہاء آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس پر ہوئی، گویا آپ ﷺ پر نبوت ختم ہوگئی، آپ ﷺ آخری نبی ہیں، آپ ﷺ کے بعد کسی کو نبی نہیں بنایا جائے گا۔

② ختمِ نبوت کی اہمیت:۔ ختمِ نبوت کا عقیدہ اُن اجماعی عقائد میں سے ہے جو اسلام کے اصول اور ضروریاتِ دین میں شمار کئے

گئے ہیں۔عہدِ نبوت سے لے کر آج تک اس پر ایمان رہا ہے اور آنحضرت ﷺ بغیر کسی تاویل اور تخصیص کے خاتم النبیین ہیں۔
قرآن کریم کی کم وبیش ایک سو (۱۰۰) آیات، آنحضرت ﷺ کی دوسو دس (۲۱۰) احادیث متواترہ سے یہ مسئلہ ثابت ہے۔
علامہ انور شاہ کشمیریؒ لکھتے ہیں کہ امت محمدیہ ﷺ کا سب سے پہلا اجماع اِسی مسئلہ پر منعقد ہوا۔ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ لکھتے ہیں کہ امتِ محمدیہ ﷺ میں سب سے پہلا اجماع اس مسئلے پر ہوا کہ مدعیٔ نبوت کو قتل کیا جائے۔
آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اسلام کے تحفظ کیلئے جتنی جنگیں لڑی گئیں اُن میں شہید ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد ۲۵۹ ہے جبکہ عقیدۂ ختمِ نبوت کے تحفظ کیلئے سب سے پہلی جنگ جو مسیلمہ کذاب کے خلاف یمامہ میں لڑی گئی اُس ایک جنگ میں ۱۲۰۰ صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین شہید ہوئے جن میں سے ۷۰۰ قرآن مجید کے حافظ و عالم تھے۔

**③ خاتم النبیین والی صفت کے آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہونے کی وضاحت:۔** قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے متعلق رب العالمین، آپ ﷺ کیلئے رحمت للعالمین، قرآن مجید کیلئے ذکر للعالمین اور بیت اللہ کیلئے ھدی للعالمین فرمایا گیا ہے اس سے جہاں آنحضرت ﷺ کی نبوت ورسالت کی آفاقیت و عالمگیریت ثابت ہوتی ہے وہیں پر آپ ﷺ کے وصفِ ختمِ نبوت کا اختصاص بھی آپ ﷺ کیلئے ثابت ہوتا ہے، اسلئے کہ سابقہ تمام انبیاء علیہم السلام اپنے اپنے علاقہ، مخصوص قوم اور مخصوص وقت کیلئے تشریف لائے، جب آپ ﷺ تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے کل کائنات کو آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کیلئے ایک اکائی (ون یونٹ) بنادیا اور یہ صرف آپ ﷺ کا اعزاز و اختصاص ہے۔
آپ ﷺ نے اپنے لئے جن چھ خصوصیات کا ذکر فرمایا اُن میں ارشاد فرمایا **اُرسلتُ الی الخلق کافۃ وختم بی النبیون** (مَیں تمام مخلوق کیلئے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں اور مجھ پر نبوت کا سلسلہ ختم کردیا گیا ہے)۔ آپ ﷺ کی امت آخری اُمت ہے، آپ ﷺ کا قبلہ (بیت اللہ) آخری قبلہ ہے، آپ ﷺ پر نازل شدہ کتاب (قرآن مجید) آخری آسمانی کتاب ہے اور آپ ﷺ آخری نبی ہیں، یہ آپ ﷺ کی ذات کے ساتھ منصبِ ختمِ نبوت کے اختصاص کے تقاضے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے پورے کئے۔ چنانچہ ارشادِ نبوی ہے **انا اٰخر الانبیاء وانتم اٰخر الاُمم** (مَیں آخری نبی ہوں اور تم آخری اُمت ہو)۔
علامہ سیوطیؒ نے خصائص الکبریٰ میں خاتم النبیین ہونا آپ ﷺ کی خصوصیت قرار دیا ہے اِسی طرح علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا خاتم ہونا آپ ﷺ کے مخصوص فضائل وکمالات میں سے خود آپ ﷺ کا اپنا ذاتی کمال ہے۔ (ص ۲۵)

**الشق الثانی**......مرزائی اجرائے نبوت پر جن آیات واحادیث میں تحریف کرتے ہیں ان میں سے تین کو ذکر کرکے ان کا جواب لکھیں۔

**جواب**......**اجرائے نبوت پر قادیانی استدلالات وجوابات:۔** ① **وبالآخرۃ ھم یوقنون:** اس آیت کا صحیح ترجمہ ومفہوم یہ ہے کہ متقی لوگ آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں جبکہ قادیانی لوگ اس کا ترجمہ پچھلی وحی پر ایمان لانا کرتے ہیں اور پھر اس سے اجراءِ نبوت پر استدلال کرتے ہیں۔
پہلا جواب: اس جگہ آخرت سے مراد قیامت ہے جیسا کہ دوسری جگہ صراحتاً مذکور ہے **وان الدار الآخرۃ لھی الحیوان** (آخرت کی زندگی ہی اصل زندگی ہے)۔ **خسر الدنیا والآخرۃ** (دنیا وآخرت میں خائب وخسارے والا ہے)۔ **ولاجر الآخرۃ اکبر** (آخرت کا اجر بہت زیادہ ہے)۔ الغرض قرآن کریم میں آخرت کا لفظ پچاس سے زائد مرتبہ استعمال ہوا ہے اور ہر جگہ اس سے مراد سزا وجزاء کا دن ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے تفسیر ابن جریر میں مروی ہے **بالآخرۃ ای بالبعث والقیامۃ والجنۃ والنار والحساب والمیزان**۔ گویا اس سے قیامت کا دن مراد ہے، نہ کہ پچھلی وحی۔
دوسرا جواب: خود مرزا قادیانی اس آیت کا ترجمہ کرتا ہے کہ طالبِ نجات وہ ہے جو پچھلی آنے والی گھڑی یعنی قیامت پر یقین رکھے اور جزاء وسزا مانتا ہو۔ اور پھر لکھتا ہے کہ مَیں قیامت پر یقین رکھتا ہوں۔ حکیم نور الدین خلیفۂ قادیان بھی اِس آیت کا یہی ترجمہ لکھتا ہے کہ آخرت کی گھڑی پر یقین کرتے ہیں۔
تیسرا جواب: الآخرۃ مؤنث ہے جبکہ لفظِ وحی مذکر ہے لہٰذا اس کی صفت مؤنث کیسے ہوسکتی ہے؟ قرآن کریم میں (**وان الدار**

**الآخرۃ لھی الحیوان**) اس کی طرف مؤنث کی ضمیر لوٹائی گئی ہے۔ لہٰذا مرزائیوں کا اس آیت کا ترجمہ آخری وحی کرنا جہاں تحریف وزندقہ ہے وہیں قادیانی اکابر کی تصریحات کے بھی خلاف ہے۔

④**قولوا خاتم الانبیاء ولا تقولوا لا نبی بعدہ:** قادیانی کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کے مذکورہ قول سے معلوم ہوتا ہے کہ انکے نزدیک نبوت جاری تھی۔

پہلا جواب: حضرت عائشہؓ کی طرف اس قول کی نسبت واضح وبے حد زیادتی ہے، دنیا کی کسی کتاب میں اسکی سندِ متصل موجود نہیں ہے۔ ایک منقطع السند قول سے نصوصِ قطعیہ واحادیثِ متواترہ کے خلاف استدلال کرنا سراپا دجل وفریب ہے۔

دوسرا جواب: حضرت عائشہؓ کا یہ قول آپ ﷺ کے فرمان **انا خاتم النبیّین لا نبیّ بعدی** کے صریحاً خلاف ہے، اور جب فرمانِ نبوی وقولِ صحابی میں تعارض ہو جائے تو فرمانِ نبوی کو قولِ صحابی پر ترجیح ہوگی۔ نیز یہ فرمانِ نبوی متعدد صحیح سندوں سے مذکور ہے جبکہ قولِ صحابی کی سند منقطع ہے، وہ صحیح حدیث کے مقابلہ میں کیسے قابلِ حجت ہوسکتا ہے۔

تیسرا جواب: حضرت عائشہؓ سے کنز العمال میں مروی ہے **لم یبق من النبوۃ بعدہ شیئ الّا مبشرات**۔ اس واضح فرمان کے بعد اس قول کو حضرت عائشہؓ کی طرف منسوب کرنا غلط ہے۔

③**رؤیا المسلم جزء من ستۃ وأربعین جزء من النبوۃ:** آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھے خوابوں کے علاوہ نبوت کا کوئی جزو باقی نہیں اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا کہ سچا خواب نبوت کا چھیالیسواں جزو ہے ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جب نبوت کا ایک جزو باقی ہے تو نفسِ نبوت باقی ہے جیسے پانی کا ایک قطرہ بھی باقی ہو تو اسکو پانی کہا جاسکتا ہے۔

جواب یہ ہے کہ اگر صرف جزو کے موجود ہونے کا مطلب کُل کا موجود ہونا ہے تو پھر اس طرح نماز کے ایک جزو مثلاً صرف اللہ اکبر کو پوری نماز، وضو کے ایک جزو مثلاً ہاتھ دھونے کو پورا وضو اور روزہ کے معمولی جزو مثلاً ایک منٹ کے روزہ کو بھی پورا روزہ کہنا چاہیے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر دنیاوی طور پر صرف ایک اینٹ کو پورا مکان، صرف ایک چٹکی نمک کو پلاؤ اور صرف ایک دھاگہ کو کپڑا، صرف ایک ناخن کو مکمل انسان اور صرف ایک رسّی کو مکمل چارپائی کہنا چاہیے حالانکہ کوئی عقلمند اسکا قائل نہیں ہے، پس جس طرح ان تمام مثالوں میں ایک جزو کے موجود ہونے سے کُل کا موجود ہونا لازم نہیں آتا بالکل اسی طرح نبوت کے چھیالیسویں حصہ سے نبوت کا باقی رہنا لازم نہیں آتا۔ باقی پانی کے ایک قطرہ والی مثال کا جواب یہ ہے کہ پانی کا ایک قطرہ بھی مکمل پانی ہے اور پورا سمندر بھی پانی ہی ہے، جبکہ مرزائیوں نے پانی کے قطرہ کو پانی کا ایک جزو سمجھ لیا حالانکہ وہ قطرہ پانی کا جزو نہیں ہے بلکہ مکمل پانی ہے اگرچہ معمولی مقدار ہے فرق صرف یہ ہے کہ سمندر میں پانی کے اجزاء زیادہ ہیں اور قطرہ میں کم ہیں مگر بہرحال دونوں میں پانی کے مکمل اجزاء (ہائیڈروجن وآکسیجن) موجود ہیں، پس پانی کے قطرات کو پانی کے اجزاء نہیں کہہ سکتے بلکہ اسکے اجزاء ہائیڈروجن وآکسیجن ہیں پس جیسے تنہا ہائیڈروجن وتنہا آکسیجن کو پانی کہنا غلط ہے اسی طرح نبوت کے کسی ایک جزو کو بھی نبوت کہنا غلط ہے۔ (ص ۶۱)

## ﴿الورقۃ الثانیۃ: فی اصول الحدیث﴾

### ﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۴۳ھ

**الشق الاوّل** ...... منکر کی لغوی واصطلاحی تعریف، مثال اور مرتبہ لکھیں۔ منکر اور شاذ میں فرق واضح کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) **منکر** کی لغوی واصطلاحی تعریف (۲) **منکر** کی مثال اور مرتبہ (۳) **منکر** اور **شاذ** میں فرق۔

**جواب** ...... ① **المنکر** کی لغوی واصطلاحی تعریف:۔ لغت میں یہ **انکار** سے اسم مفعول کا صیغہ ہے اور اقرار کی ضد ہے بمعنی انکار کی ہوئی روایت۔ اصطلاح میں ① وہ روایت جسکی سند میں کوئی ایسا راوی ہو جو فحش اغلاط یا کثیر الغفلت یا قلتِ تقویٰ میں معروف ہو یا اس کا فسق ظاہر ہو۔ ② وہ روایت جس کا راوی خود ضعیف ہو مگر وہ اس روایت کے خلاف روایت کرے جسے ثقہ راوی نے روایت کیا ہو۔

② **منکر** کی مثال اور مرتبہ:۔ **عن ابی حاتم عن حبیب بن حبیب عن ابی اسحق عن العزار بن حریث عن**

**ابن عباس عن النبی ﷺ قال من اقام الصلوٰۃ واٰتی الزکوٰۃ وحج البیت وصام وقری الضیف دخل الجنۃ** ۔اس حدیث کوابواسحاق کے شاگردوں میں سے صرف حبیب نے مرفوعاً نقل کیا ہے اسکے علاوہ دیگرتمام ثقہ شاگردوں نے ابواسحٰق سے اس حدیث کوموقوف بیان کیا ہےتو یہ حدیثِ موصول منکر کی مثال ہے۔

منکرانتہائی ضعیف حدیث کی اقسام میں سے ہے کیونکہ یہ یا اُس راوی کی روایت ہوتی ہے جوفحش اغلاط یا کثیر الغفلت یاقلتِ تقویٰ میں معروف ہوتا ہے یا اُس راوی کی روایت ہوتی ہے جوخود ضعیف ہواورثقہ راوی کی مخالفت کرتا ہو،اسلئے یہ روایت بہت ضعیف ہوتی ہےاوراس شدتِ ضعف کی وجہ سے متروک کے بعدوالے مرتبہ میں شمار ہوتی ہے۔

③ <u>منکر اور شاذ میں فرق:۔</u> شاذ میں مقبول وثقہ راوی اپنے سے بہتراورزیادہ ثقہ راوی کی مخالفت کرتا ہے جبکہ منکر میں ضعیف راوی ثقہ راوی کی مخالفت کرتا ہے۔

**الشق الثانی**......**یقسم الخبر المقبول بالنسبۃ الی تفاوت مراتبہ الٰی قسمین رئیسین ھما صحیح و حسن، و کل منھما ینقسم الٰی قسمین فرعیین، ھما لذاتہ و لغیرہ۔** خبرمقبول کی چاراقسام( صحیح لذاتہٖ ،صحیح لغیرہٖ ،حسن لذاتہٖ ،حسن لغیرہٖ ) کی تعریف مع امثلہ بیان کریں۔خبرِ واحدکی قوت اورضعف کے اعتبار سے اقسام بیان کریں۔(ص۲۹)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں دوامور مطلوب ہیں ① صحیح لذاتہٖ ،حسن لذاتہٖ ،صحیح لغیرہٖ ،حسن لغیرہٖ کی تعریف مع امثلہ ② خبرِ واحدکی قوت اورضعف کے اعتبار سے اقسام۔

**جواب**...... ① <u>صحیح لذاتہٖ ،حسن لذاتہٖ ،صحیح لغیرہٖ ،حسن لغیرہٖ کی تعریف مع امثلہ:۔</u> صحیح لذاتہٖ : وہ حدیث ہے جس کے کل راوی عادل کامل الضبط ہوں اوراسکی سندمتصل ہو،معلل وشاذ ہونے سے محفوظ ہوجیسے **عن محمد بن جبیر بن مطعم عن ابیہ قال سمعت رسول اللہ ﷺ قرأفی المغرب بالطور۔**

حدیث کے صحیح لذاتہٖ ہونے کی چندشرائط ہیں: ① اسکی سندمتصل ہواس میں ارسال وانقطاع نہ ہو ② تمام راوی عادل ہوں ③ تمام راوی کامل الضبط ہوں ④ اسکی سندشاذ اورمعلل ہونے سے محفوظ ہو۔اس پرعمل واجب ہےاوراسکے عمل کے وجوب پر محدثین،اصولیین اورفقہاء کااجماع ہےاوریہ شرعی دلائل میں سے ایک حجت ہےاوراس پرعمل ترک کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

حسن لذاتہٖ : وہ حدیث جسکی سندمتصل ہو،اُسے نقل کرنے والےسب راوی عادل ہوں مگرضبط اوریادداشت خفیف اورکم ہواوروہ حدیث معلل وشاذ ہونے سے محفوظ ہوگویااسکے راوی میں صرف ضبط ناقص ہےباقی سب شرائطِ صحیح لذاتہٖ کی اس میں موجود ہیں جیسے **عن ابی بکر بن ابی موسٰی الاشعری قال سمعت ابی بحضرت العدو یقول قال رسول اللہ ﷺ ان ابواب الجنۃ تحت ظلال السیوف** ۔اس سند کے چارراوی ثقہ ہیں سوائےجعفربن سلیمان ضبعی کے کہ وہ حسن الحدیث ہےلہٰذااُس کی روایت کردہ حدیث حسن ہوگی۔

صحیح لغیرہٖ :اس حدیث حسن لذاتہٖ کوکہا جاتا ہے کہ جسکی سندیں متعدد ہوں جیسے **عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال لولا ان اشق علٰی امتی لامرتھم بالسواک عند کل صلوٰۃ** ۔اس حدیث کی سند میں محمد بن عمروراوی صداقت،صیانت اور حفاظت میں مشہور ہےلیکن یہ متقن نہیں ہے حتیٰ کہ ان کے حافظہ کی کمزوری کی وجہ سےبعض محدثین نے انہیں ضعیف کہا ہے جبکہ بعض محدثین نے اُن کی سچائی اورعظمت کی وجہ سےانہیں ثقہ کہا ہےتوان کی روایت کردہ حدیث حسن ہے مگرجب دیگراسناد سے اس کی تائید ہوگئی تو حافظہ کی کمزوری والی کمی اورخوف زائل ہوگیا لہٰذا یہ حدیث صحیح لغیرہٖ ہوگئی۔

صحیح لغیرہٖ کامرتبہ حسن لذاتہٖ سے زیادہ ہے لیکن صحیح لذاتہٖ سے اس کا مرتبہ کم ہے۔

حسن لغیرہٖ :اس حدیث ضعیف کوکہا جاتا ہےجس کی سندیں متعدد ہوں اوراسکے ضعف کاسبب راوی کا فسق یاکذب نہ ہو،مطلب یہ کہ ضعیف حدیث دوامور کی وجہ سے درجہ حسن کوپہنچ جاتی ہے: ① وہ حدیث ایک یازائد دوسری سندوں سے مروی ہواوروہ سندیں پہلی سند جیسی یااُس سے قوی ہوں۔ ② اُسکے ضعف کاسبب راوی کے حافظہ کی کمزوری ہویاسند میں انقطاع ہویاکوئی راوی مجہول ہوجیسے **شعبۃ**

**عن عاصم بن عبیدالله عن عبدالله بن عامر بن ربیعة عن ابیه ان امراة من بنی فزارة تزوجت علی نعلین فقال رسول الله ﷺ ارضیت من نفسك ومالك بنعلین قالت نعم فاجاز** اس حدیث کی سند میں عاصم راوی اپنے حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے ضعیف ہے مگر یہ حدیث دیگر کئی طُرق سے بھی مروی ہے اسلئے امام ترمذیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔

اس کا مقام اور مرتبہ حسن لذاتہٖ سے کم ہے، اِسی بنیاد پر جب حسن لذاتہٖ اور حسن لغیرہٖ میں تعارض واقع ہوجائے تو حسن لذاتہٖ کو مقدّم اور راجح سمجھا جائے گا اور مجموعی طور پر یہ حدیث مقبول کی اقسام میں سے ہے اس سے حجت پکڑنا جائز ہے۔

**②** خبرِ واحد کی قوت اور ضعف کے اعتبار سے اقسام:۔ خبرِ واحد خواہ مشہور ہو یا عزیز یا غریب ہو اپنی قوت اور ضعف کے اعتبار سے دو قسم پر ہے: ① خبرِ مقبول: وہ خبر جس کی خبر دینے والے کا صدق غالب وراجح ہو۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس سے استدلال کرنا اور اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ ② خبرِ مردود: وہ خبر جس کے خبر دینے والے کے صدق کو غالب وراجح نہ کہا گیا ہو۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس سے نہ حجت پکڑی جائے گی اور نہ اس پر عمل کیا جائے گا۔

## السوال الثانی ۱۴۴۳ھ

**الشق الاوّل** ...... **حدیث قدسی، حدیث موقوف، حدیث مقطوع** پر ایسی گفتگو کیجیے کہ کوئی پہلو تشنہ نہ رہے۔

**جواب** ...... اصطلاحات کی وضاحت:۔ **الحدیث القدسی**: لغوی اعتبار سے قدسی کا لفظ قدس کی طرف منسوب ہے بمعنیٰ مطہر وپاکیزہ یعنی وہ حدیث جو ذاتِ قدسیہ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو، اصطلاحی تعریف کہ وہ حدیث جو آپ ﷺ کی طرف سے ہم تک منقول ہو اور آپ ﷺ اس کی سند اللہ تعالیٰ تک بیان کریں۔ فرق: حدیثِ قدسی اور قرآن مجید میں ایک فرق یہ ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ اور معنیٰ دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں جبکہ حدیثِ قدسی میں الفاظ رسول اللہ ﷺ کی جانب سے ہوتے ہیں۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت سے عبادت مقصود ہوتی ہے جبکہ حدیثِ قدسی کی تلاوت بطورِ عبادت نہیں کی جاتی۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ قرآن مجید کے ثبوت میں تواتر کی شرط ہے جبکہ حدیثِ قدسی میں تواتر کی شرط نہیں ہے۔

احادیثِ قدسیہ کی تعداد دو سو سے کچھ زائد بیان کی گئی ہے۔ حدیثِ قدسیہ کی مثال وہ حدیث ہے جو امام مسلمؒ نے اپنی کتاب صحیح مسلم شریف میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے کہ وہ آپ ﷺ سے اور آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا **یاعبادی انی حرمت الظلم علی نفسی وجعلته بینکم محرما فلا تظالموا** (اے میرے بندو! مَیں نے ظلم کو اپنے لئے بھی حرام ٹھہرایا ہے اور تمہارے اوپر بھی ظلم حرام ہے اس لئے تم بھی ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو)۔

حدیثِ قدسی کیلئے دو صیغے استعمال ہوتے ہیں: ① راوی کہے **قال رسول الله ﷺ فیما یرویه عن ربّه عزّوجل** (رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب سے روایت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا) ② **قال الله تعالی فیما رواه عنه رسول الله ﷺ** (اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا جیسا کہ اس سے اسکے رسول نے روایت کیا)

**الحدیث الموقوف**: لغۃً یہ وقف سے اسم مفعول کا صیغہ ہے بمعنیٰ وقف کیا ہوا گویا راویٔ حدیث اس حدیث کی سند میں صحابی پر ٹھہر جاتا ہے اور توقف کرتا ہے باقی سلسلۂ سند کو ذکر نہیں کرتا۔ اصطلاح میں حدیثِ موقوف وہ قول، فعل یا تقریر ہے جس کی اضافت کسی صحابی کی طرف ہو جیسے امام بخاریؒ کی روایت ہے **قال علی ابن ابی طالب حدّثوا الناس بما یعرفون اترید ون ان یکذب الله ورسوله** (لوگوں کو وہ چیز بیان کرو جس کو وہ سمجھ سکیں کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا جائے)۔

بسا اوقات موقوف کا لفظ صحابی کے علاوہ کسی اور کی طرف سے منقول حدیث یا خبر پر بھی استعمال کیا جاتا ہے مگر اُس کے ساتھ قید لگائی جاتی ہے جیسے **هٰذا حدیث وقفه فلانٌ علی الزهری اوعلی عطاء او نحو ذٰلك**۔

حدیثِ موقوف چونکہ کبھی صحیح ہوتی ہے اور کبھی حسن وضعیف ہوتی ہے اسلئے عمومی قانون یہ ہے کہ اس سے حجت نہیں پکڑی جائے گی کیونکہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے افعال واقوال ہیں۔ اگر اِس کا صحیح ہونا ثابت ہوجائے تو ضعیف احادیث کیلئے یہ تقویت کا باعث بنتی ہے۔ یہ اُس وقت ہے جب قولِ صحابی مرفوع کے حکم میں نہ ہو لیکن جب موقوف مرفوع کے حکم میں ہو تو وہ مرفوع کی طرح حجت اور دلیلِ قطعی ہے۔

**الحدیث المقطوع:** لغوی طور پر یہ قطع سے اسم مفعول کا صیغہ ہے بمعنیٰ کٹا ہوا اور یہ وصل کی ضد ہے۔

اصطلاحی طور پر حدیثِ مقطوع وہ قول یا فعل ہے جو تابعی یا اُس سے نچلے طبقے والے تبع تابعی کی طرف منسوب ہو یعنی وہ قول یا فعل جس کی سند تابعی یا تبع تابعی یا کسی نچلے طبقے کے راوی کی طرف بیان کی گئی ہو۔ مقطوع قولی کی مثال جیسے اہلِ بدعت کے پیچھے نماز پڑھنے کے متعلق حسن بصریؒ کا قول ہے **صلّ وعلیه بدعته** (تم اس کے پیچھے نماز پڑھ لو اُسکی بدعت کا وبال اُسی پر ہوگا)۔

مقطوع فعلی کی مثال ابراہیم بن محمدؒ کا فرمان ہے **کان مسروق یرخی الستر بینه وبین اهله ویقبل علی صلاته ویخلیهم ودنیاهم** (حضرت مسروقؒ اپنے اور گھر والوں کے درمیان پردہ لٹکا دیتے تھے اور نماز میں مشغول ہو جاتے تھے اور گھر والوں اور دنیا کو چھوڑ دیتے تھے)۔

احکامِ شرعیہ میں مقطوع روایات حجت نہیں ہیں اگرچہ اُن کی سند درست ہی ہو اس لئے کہ یہ ایک عام مسلمان کا قول اور فعل ہے لیکن اگر اُس میں کوئی ایسی قرینہ موجود ہے جو اس کے مرفوع ہونے پر دلالت کرے تو اُس وقت اُس کا حکم مرفوع مرسل والا ہوگا مثلاً تابعی کے ذکر کے وقت راوی کہے **یرفعه** (تابعی نے اسے مرفوعاً روایت کیا ہے)۔

**الشق الثانی** ......**تعریف الاختلاط اصطلاحا: فساد العقل او عدم انتظام الاقوال بسبب خرف او عمی او احتراق کتب او غیر ذٰلك......**

اختلاط کا لغوی واصطلاحی معنی بیان کریں۔ مختلط کی روایت کا حکم بیان کریں۔ جن راویوں کو اختلاط ہوا ان میں سے تین کے نام تحریر کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل تین امور ہیں: ① اختلاط کا لغوی واصطلاحی معنی ② مختلط کی روایت کا حکم ③ تین مختلط راویوں کے نام۔

**جواب** ...... **①** اختلاط کا لغوی واصطلاحی معنی:۔ اختلاط کا لغوی معنی عقل کا خراب ہونا۔ ذہنی طور پر معذور ہونا ہے۔ اصطلاح میں طویل العمر ہونے، نابینا ہونے یا کتابوں کے جل جانے کی وجہ سے ذہنی طور پر معذور ہونا اور عقل کا فاسد وخراب ہونا۔

**②** مختلط کی روایت کا حکم:۔ مختلط راوی کی جو روایات اختلاط سے پہلے کی ہیں وہ مقبول ہیں۔ جو روایات اختلاط کے بعد کی ہیں، یا جن روایات کے متعلق معلوم نہیں کہ اختلاط سے پہلے کی ہیں یا اختلاط کے بعد کی ہیں وہ سب روایات مردود ہیں۔

**③** تین مختلط راویوں کے نام:۔ ① عطاء بن سائب: یہ بڑھاپہ وذہنی معذوری کی وجہ سے مختلط ہوئے۔ ② عبدالرزاق بن ہمام الصغانی: یہ نابینا ہونے کی وجہ سے مختلط ہوئے۔ ③ عبداللہ بن لہیعہ المصری: یہ کتابیں جل جانے کی وجہ سے مختلط ہوئے۔

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۳ھ

**الشق الاوّل** ......حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اہل اسلام، یہود ونصاریٰ وقادیانیوں کا عقیدہ تفصیلاً تحریر کریں۔ قادیانیوں کی وجوہِ تکفیر کیا کیا ہیں؟ وضاحت کریں۔ لاہوری وقادیانی فرقوں میں کیا فرق ہے؟ نیز دونوں گروہوں کا حکم تحریر کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں ① حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اہل اسلام، یہود ونصاریٰ وقادیانیوں کا عقیدہ ② قادیانیوں کی وجوہِ تکفیر ③ لاہوری وقادیانی فرقوں میں فرق اور انکا حکم۔

**جواب** ...... **①** حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اہل اسلام، یہود ونصاریٰ وقادیانیوں کا عقیدہ:۔ عقیدۂ ختم نبوت کی طرح حیات عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفع ونزول کا عقیدہ بھی اسلام کے بنیادی عقائد اور ضروریات دین میں شامل ہے جو قرآن کریم کی نصوص قطعیہ، احادیثِ متواترہ اور اجماعِ امت سے ثابت ہے اور جس کو علمائے امت نے کتبِ تفسیر، شروحِ احادیث اور کتبِ علمِ کلام میں مکمل توضیحات وتشریحات کے ساتھ منقح فرما دیا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اسلامی عقیدہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اسلامی عقیدہ یہ ہے کہ وہ حضرت مریم علیہا السلام کے بطن مبارک سے محض نفخۂ جبرائیل علیہ السلام سے پیدا ہوئے، پھر بنی اسرائیل کے آخری نبی بن کر مبعوث ہوئے، یہود نے ان سے بغض وعداوت کا معاملہ کیا، آخر کار جب ایک موقع پر انکے قتل کی مذموم کوشش کی تو بحکمِ خداوندی فرشتے ان کو اٹھا کر زندہ سلامت آسمان پر لے گئے اور اللہ تعالیٰ نے انکو طویل عمر عطا فرمادی اور قربِ قیامت میں جب دجال کا ظہور ہوگا اور وہ دنیا میں فتنہ وفساد پھیلائے گا تو

حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ قیامت کی ایک بڑی علامت کے طور پر نازل ہونگے اور دجال کو قتل کرینگے۔ دنیا میں آپ علیہ السلام کا نزول ایک امام عادل کی حیثیت سے ہوگا اور اس امت میں آپ علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ ہونگے اور قرآن وحدیث (اسلامی شریعت) پر خود بھی عمل کرینگے اور لوگوں کو بھی اس پر چلائیں گے۔ انکے زمانہ میں (جو اس امت کا آخری دور ہوگا) اسلام کے سوا دنیا کے تمام مذاہب مٹ جائینگے اور دنیا میں کوئی کافر نہیں رہے گا۔ اسلئے جہاد کا حکم موقوف ہوجائیگا، نہ خراج وصول کیا جائیگا اور نہ جزیہ، مال وزر اتنا عام ہوگا کہ کوئی دوسرے سے قبول نہیں کریگا، نزول کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نکاح بھی فرمائیں گے اور انکی اولاد بھی ہوگی پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوجائیگی اور مسلمان آپ کی نماز جنازہ پڑھ کر حضور اقدس ﷺ کے روضۂ اقدس میں دفن کردینگے۔ یہ تمام امور احادیث صحیحہ متواترہ میں پوری وضاحت کیساتھ بیان کئے گئے ہیں جنکی تعداد ایک سو سے متجاوز ہے۔ (تفصیل کیلئے التصریح بما تواتر فی نزول المسیح)

اسلامی عقیدہ کے اہم اجزاء یہ ہیں: ① حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور وہی مسیح ہدایت ہیں جن کی بشارت کتبِ سابقہ میں دی گئی ہے، وہ سچے نبی کی حیثیت سے ایک مرتبہ دنیا میں مبعوث ہوچکے ہیں۔

② یہود کے ناپاک اور گندے ہاتھوں سے ہر طرح محفوظ رہے۔ ③ زندہ بجسدِ عنصری آسمان پر اٹھالئے گئے۔

④ وہاں بقیدِ حیات موجود ہیں۔ ⑤ قیامت سے پہلے اسکی ایک بڑی علامت کے طور پر بعینہٖ وہی مسیح ہدایت (حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام) نزول فرما کر مسیح ضلالت (دجال) کو قتل کرینگے۔ ان سے الگ کوئی اور شخص ان کی جگہ مسیح کے نام سے دنیا میں نہیں آئے گا۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہودیوں کا نقطۂ نظر: یہودیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ مسیح ہدایت ابھی نہیں آیا اور عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نامی جس شخص نے اپنے آپ کو مسیح اور رسول اللہ کہا ہے (نعوذ باللہ) وہ جادوگر اور جھوٹا دعویٰ نبوت کرنیوالا تھا۔ اسی لئے یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بغض وعداوت کا معاملہ کیا اور ان کو قتل کرنے اور سولی پر چڑھانے کا منصوبہ بنایا بلکہ ان کے بقول یہ منصوبہ پایہ تکمیل کو پہنچا دیا جیسا کہ ارشاد ہے **وقولهم انا قتلنا المسيح عيسىٰ بن مريم رسول الله** (نساء:۱۵۷) (اور ان کے اس کہنے پر کہ ہم نے قتل کیا مسیح عیسیٰ مریم کے بیٹے کو جو رسول تھا اللہ کا)۔

دعویٰ قتلِ عیسیٰ بن مریم میں تو تمام یہود متفق ہیں البتہ ان میں ایک فرقہ یہ کہتا ہے کہ قتل کئے جانے کے بعد اہانت اور تشہیر کے لئے عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر لٹکایا گیا اور دوسرا فریق کہتا ہے کہ سولی پر چار میخ کئے جانے کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا گیا۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق مسیحی نقطۂ نظر: اور نصاریٰ کا متفقہ عقیدہ ہے کہ مسیح ہدایت آچکے ہیں اور وہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام ہیں، اسکے بعد ان میں دو فرقے بن گئے: ① ایک بڑا فرقہ یہ کہتا ہے کہ ان کو یہود نے قتل کیا، سولی پر چڑھایا پھر اللہ تعالیٰ نے زندہ کر کے ان کو آسمان پر اٹھالیا اور سولی پر چڑھایا جانا، عیسائیوں کے گناہوں کا کفارہ ہوگیا، اسی لئے عیسائی صلیب کی پوجا کرتے ہیں۔

② دوسرا فرقہ یہ کہتا ہے کہ بغیر قتل وصلب کے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا۔

پھر یہ دونوں فرقے بالاتفاق اس بات کے قائل ہیں کہ مسیح ہدایت عین قیامت کے دن جسم ناسوتی یا جسم لاہوتی میں خدا بن کر آئیں گے اور مخلوق کا حساب لیں گے۔ حاصل یہ کہ تمام یہود اور نصاریٰ کی بڑی اکثریت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت الصلیب کی قائل ہے اور یہود وتمام نصاریٰ کو ایک مسیحِ ہدایت کا انتظار ہے۔ یہود کو تو اس وجہ سے کہ ابھی یہ پیشین گوئی پوری نہیں ہوئی اور نصاریٰ کو اسلئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے دن برائے فیصلہ خلائق خدا کی شکل میں آنے والے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق قادیانی عقائد: مرزا قادیانی نے کتب ''ازالہ اوہام، تحفہ گولڑویہ، نزولِ مسیح اور حقیقت الوحی'' وغیرہ میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ مرزا بشیر احمد ایم اے قادیانی نے اپنی کتاب (حقیقی اسلام) میں تحریر کیا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ ''اس بحث کے دوران میں (مرزا قادیانی) نے مندرجہ ذیل اہم مسائل پر نہایت زبردست روشنی ڈالی: ① یہ کہ حضرت مسیح ناصری دوسرے انسانوں کی طرح ایک انسان تھے جو دشمنوں کی شرارت سے صلیب پر ضرور چڑھائے گئے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو اس لعنتی موت سے بچا لیا اسکے بعد وہ خفیہ خفیہ اپنے ملک سے نکل کر حضرت مسیح آہستہ آہستہ سفر کرتے ہوئے کشمیر میں پہنچے اور وہیں ان کی وفات ہوئی (۸۷ برس کے بعد) اور وہیں ان کی قبر (سری نگر کے محلّہ خانیار میں، ناقل) موجود ہے ② ... ③ کوئی فرد بشر اس جسم

عنصری کیساتھ آسمان پر نہیں جاسکتا، اسلئے مسیح کے زندہ آسمان پر چلے جانے کا خیال بھی باطل ہے ④ بے شک مسیح کی آمد ثانی کا وعدہ تھا مگر اس سے مراد ایک مثیلِ مسیح کا آنا تھا نہ کہ خود مسیح کا۔ ⑤ یہ کہ مثیلِ مسیح کی بعثت کا وعدہ خود آپ (مرزا قادیانی) کے وجود میں پورا کیا گیا اور آپ ہی وہ مسیح موعود ہیں جسکے ہاتھ پر دنیا میں حق صداقت کی آخری فتح مقدر ہے۔ خود مرزا غلام احمد قادیانی نے قسم کھا کر لکھا ہے ''میں وہی مسیح موعود ہوں جسکی رسول اللہ ﷺ نے ان احادیث صحیحہ میں خبر دی ہے جو صحیح بخاری اور مسلم اور دوسری صحاح میں درج ہیں **وكفى بالله شهيدا** (حقیقی اسلام)

② قادیانیوں کی وجوہ تکفیر:۔ شہرۂ آفاق مقدمہ بہاولپور میں حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری ﷫ نے مرزا قادیانی اور اس کے پیروکاروں کی چھ وجوہ کفر متعین فرمائی تھیں: ① ختم نبوت کا انکار ② دعویٰ نبوت اور اس کی تصریح کہ ایسی ہی نبوت مراد ہے جیسے پہلے انبیاء علیہم السلام کی تھی ③ ادعائے وحی اور اپنی وحی کو قرآن کی طرح واجب الایمان قرار دینا ④ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین ⑤ آنحضرت ﷺ کی توہین ⑥ عام امت محمدیہ کی تکفیر۔ (روئیداد مقدمہ مرزائیہ بہاولپور)

مرزا غلام احمد قادیانی کی تمام تحریرات کفر کا ڈھیر ہیں جس میں ہزاروں کفر موجود ہیں اس کی ایک ایک عبارت مرقع کفر ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری ﷫ فرمایا کرتے تھے کہ ''مسیلمہ کذاب اور مسیلمہ پنجاب (مرزا) کا کفر فرعون کے کفر سے بڑھ کر ہے۔ (احتساب قادیانیت)

③ لاہوری وقادیانی فرقوں میں فرق اور انکا حکم:۔ مرزا غلام احمد قادیانی اور نورالدین کے زمانہ تک تمام قادیانی ایک ہی تھے، پھر مارچ ۱۹۱۴ء میں نورالدین کی موت کے بعد لاہوری گروپ کے امیر محمد علی اور اسکے حواریوں کا خیال یہ تھا کہ اب قادیانی جماعت کا امیر وخلیفہ محمد علی کو بنایا جائیگا مگر مرزا قادیانی کے خاندان کے افراد اور مریدوں نے نوعمر مرزا محمود کو خلیفہ بنادیا اس موقع پر محمد علی نے علیحدہ ہو کر لاہوری گروپ بنالیا۔ اس طرح قادیانی ولاہوری دو گروپ وجود میں آگئے یہ صرف اقتدار کا اختلاف تھا اسلئے کہ اب بھی لاہوری گروپ مرزا قادیانی کو اس کے تمام دعاوی میں سچا سمجھتا ہے اور ان دعاوی کو اپنے ایمان کا حصہ سمجھتا ہے اور اسکے عقائد کی ترویج واشاعت کرتا ہے۔

جب لاہوری گروپ پر اقتدار کی ہوس کا الزام لگا تو انہوں نے کہا کہ ہمارا قادیانی گروہ سے عقائد کا اختلاف ہے: ① قادیانی گروپ مرزا کے نہ ماننے والوں کو کافر کہتے ہیں اور ہم ان کو کافر نہیں کہتے۔ ② قادیانی گروپ مرزا قادیانی کو "**مبشرا برسول يأتي من بعد اسمه احمد**" (الصّف) کا مصداق قرار دیتے ہیں اور ہم مرزا کو اس کا مصداق نہیں سمجھتے۔ ③ قادیانی گروپ مرزا کو حقیقی نبی قرار دیتا ہے جبکہ ہم اسے حقیقی نبی قرار نہیں دیتے۔ مسلمانوں نے دونوں گروہوں کو ایک ہی سکّہ کے دو رُخ قرار دیا، جب امیرِ شریعت حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری ﷫ سے لاہوریوں وقادیانیوں میں فرق کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷫ نے فرمایا بر ہردو لعنت، خنزیر خنزیر ہی ہوتا ہے خواہ گورا ہو یا کالا ہو، کفر کفر ہے خواہ لاہوری ہو یا قادیانی ہو۔

تمام علماءِ اسلام نے دونوں گروہوں کے کفر کا فتویٰ دیا اور قومی اسمبلی وسپریم کورٹ تک سب نے دونوں کو کافر وغیر مسلم قرار دیا۔

**الشق الثانی** ......قادیانی ختم نبوت کے معنی میں کیا تحریف کرتے ہیں؟ ظلی، بروزی، تشریعی وغیر تشریعی اصطلاحات پر جامع نوٹ لکھیں۔ نیز عقیدۂ ختمِ نبوت پر تحریر شدہ کتب کے اسماء تحریر کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال میں چار امور حل طلب ہیں ① ختم نبوت کے معنی میں قادیانی تحریف ② ظلی، بروزی، تشریعی وغیر تشریعی اصطلاحات پر نوٹ ③ عقیدۂ ختم نبوت پر تحریر شدہ کتب کے اسماء۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

**جواب** ...... ① ختم نبوت کے معنی میں قادیانی تحریف:۔ قادیانی کہتے ہیں کہ خاتم النبیین کا معنی نبیوں کی مہر ہے یعنی پہلے اللہ تعالیٰ نبوت عطا فرماتے تھے، اب جو شخص آپ ﷺ کی اتباع کرے گا آپ ﷺ اس پر مہر لگائیں گے تو وہ شخص نبی بن جائے گا۔ ہمارے نزدیک قادیانیوں کا یہ موقف سراسر غلط، فاسد، باطل، بے دینی، تحریف، دجل وافتراء پر مبنی ہے۔

② ظلی، بروزی، تشریعی وغیر تشریعی کا معنی اور قادیانی دعویٰ کا جواب:۔ ''ظل'' سایہ کو کہتے ہیں جیسے کوئی کہے کہ مرزا قادیانی شیطان کی تصویر (ظل) تھا۔ ''بروز'' کا معنی ہے کہ کسی شخص کی جگہ کوئی اور ظاہر ہوجائے جیسے کوئی کہے کہ مرزا قادیانی نے شیطان کی شکل اختیار

کرلی،اس کی جگہ ظاہر ہوگیا۔

قادیانی جماعت کا عقیدہ ہے کہ نعوذباللہ مرزاغلام احمد قادیانی ملعون ظلی نبی تھا یعنی آنحضرت ﷺ کے اتباع کی وجہ سے وہ آنحضرت ﷺ کا ظل ہوگیا۔اس اعتبار سے اس کا یہ مطلب ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ اتحاد ہوگیا اور آپ ﷺ کا وجود مرزا قادیانی کا وجود ہے جیسا کہ اس نے لکھا ہے **صار وجودی وجوده**...... یعنی مسیح موعود (مرزا قادیانی) نبی کریم ﷺ سے الگ کوئی چیز نہیں بلکہ وہی ہے جو بروزی رنگ میں دوبارہ دنیا میں آئے گا تو اس صورت میں کیا اس بات میں کوئی شک رہ جاتا ہے کہ قادیان میں اللہ نے پھر محمد ﷺ (مرزا) کو اتارا۔(کلمۃ الفصل)

مرزا قایادنی کے محمد رسول اللہ (معاذ اللہ) ہونے کی وجہ یہ ہے کہ قادیانی عقیدے کے مطابق حضرت خاتم النبیین محمد ﷺ کا دوبار دنیا میں آنا مقدر تھا پہلی بار آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں محمد ﷺ کی شکل میں آئے اور دوسری بار قادیان میں مرزا غلام احمد قادیانی کی بروزی شکل میں آئے یعنی مرزا کی بروزی شکل میں محمد ﷺ کی روحانیت مع اپنے تمام کمالاتِ نبوت کے دوبارہ جلوہ گر ہوئی ہے چنانچہ ملاحظہ ہو:

''اور جان کہ ہمارے نبی کریم ﷺ جیسا کہ پانچویں ہزار میں مبعوث ہوئے (یعنی چھٹی صدی مسیحی میں) ایسا ہی مسیح موعود (مرزا قادیانی) کی بروزی صورت اختیار کر کے چھٹے ہزار (یعنی تیرھویں صدی ہجری) کے آخر میں مبعوث ہوئے۔(خطبہ الہامیہ خزائن)

آنحضرت ﷺ کے دو بعث ہیں یا بہ تبدیل الفاظ یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایک بروزی رنگ میں آنحضرت ﷺ کا دوبارہ آنا دنیا میں وعدہ دیا گیا تھا۔جو مسیح موعود اور مہدی معہود (مرزا قادیانی) کے ظہور سے پورا ہوا۔(تحفۂ گولڑویہ، خزائن)

قادیانی مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کے لئے ظلی اور بروزی کی اصطلاح استعمال کر کے مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں ان الفاظ کی آڑ میں بھی وہ دراصل رحمتِ دوعالم ﷺ کی ذات اقدس کی توہین کے مرتکب ہوتے ہیں چنانچہ مرزا غلام احمد قادیانی لکھتا ہے ''خدا ایک اور محمد ﷺ اس کا نبی ہے اور وہ خاتم الانبیاء ہے اور سب سے بڑھ کر ہے،اب بعد اس کے کوئی نبی نہیں مگر وہی جس پر بروزی طور پر محمدیت کی چادر پہنائی گئی جیسا کہ تم جب آئینہ میں اپنی شکل دیکھو تو تم دو نہیں ہوسکتے بلکہ ایک ہی ہو اگرچہ بظاہر دو نظر آتے ہیں صرف ظل اور اصل کا فرق ہے''۔(کشتی نوح)

قارئین محترم: مرزا غلام احمد قادیانی کا کفر یہاں ننگا ناچ رہا ہے،اس کا کہنا کہ میں ظلی بروزی محمد ہوں، کیا معنی؟ کہ جب آئینہ میں حضور ﷺ کی شکل دیکھنا چاہو تو وہ غلام احمد ہے دونوں ایک ہیں،قطع نظر اس خبث وبدطینتی کے مجھے یہاں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ ظلی وبروزی کہہ کر مرزا غلام احمد قادیانی کی جھوٹی نبوت کو قادیانی جو فریب کا چولا پہناتے ہیں وہ اصولی طور پر غلط ہے اس لئے کہ:

① نقطۂ محمدیہ......ایسا ہی ظل الوہیت ہونے کی وجہ سے مرتبہ الٰہیہ سے اس کو ایسی مشابہت ہے جیسے آئینہ کے عکس کو اپنی اصل سے ہوتی ہے اور امہات صفات الٰہیہ یعنی حیات،علم،ارادہ،قدرت،سمع،بصر،کلام مع اپنے جمیع فروع کے اتم اور اکمل طور پر اس (آنحضرت ﷺ) میں انعکاس پذیر ہیں۔(سرمہ چشم آریہ،حاشیہ خزائن) ② حضرت عمر کا وجود ظلی طور پر گویا آنجناب ﷺ کا وجود ہی تھا۔(ایام الصلح،خزائن) ③ خلیفہ درحقیقت رسول کا ظل ہوتا ہے۔(شہادۃ القرآن،خزائن)

اگراب کسی قادیانی کی ہمت ہے کہ وہ کہہ دے کہ آنحضرت ﷺ خدا ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور خلفاء نبی اور رسول ہیں (نعوذباللہ) مثلاً بقول مرزا قادیانی آنحضرت ﷺ ظلی خدا ہوکر صحیح اور حقیقی اور سچے اور واقعی خدا بن جائیں گے؟ یا محمود قادیانی کے باپ مرزا قادیانی کے اقرار سے خلفاء آنحضرت ﷺ کے ظل ہوتے ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے ظل ہیں تو کیا خلفاء اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ظلی نبی ہوکر واقعی اور سچے اور صحیح اور حقیقی نبی قرار پائیں گے؟ اس کا جواب یقیناً نفی میں ہوگا تو مرزا قادیانی بزعم خود اگر ظلی نبی (خاکم بدہن) ثابت بھی ہوجائے تو پھر بھی وہ سچا اور حقیقی اور واقعی اور صحیح نبی نہیں ہوگا بلکہ محض نقلی نبی ہی ہوگا۔

④ حدیث شریف میں ہے **السلطان (المسلم) ظل اللہ فی الارض** کیا سلطان (بادشاہ) خدا بن جاتا ہے یا اس کا وجود خدا کا وجود بن جاتا ہے؟ غرض ظلی وبروزی خالص قادیانی ڈھکوسلہ ہے۔

تشریعی: اس سے مراد نئی شریعت اور نئی کتاب وغیرہ کا ملنا ہے جسے منصبِ رسالت کہا جاتا ہے۔

غیرتشریعی: اس سے مراد منصبِ نبوت ہے یعنی جس ہستی کوئی کتاب و نئی شریعت نہ دی گئی ہو بلکہ اُسے سابقہ رسول کی شریعت و احکامات کی تبلیغ کیلئے ہی بھیجا گیا ہو۔

مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے اقوال کے تین دور ہیں: ① رسول کی حقیقت و ماہیت میں داخل ہے کہ نبی دینی علوم کو بذریعہ جبرائیل علیہ السلام حاصل کرے اور یہ بھی ثابت ہے کہ اب وحیِ رسالت تا قیامت منقطع ہے۔ (ازالۂ اوہام) اللہ کو شایانِ شان نہیں کہ خاتم النبیین کے بعد کوئی نبی بھیجے اور نہ یہ شایانِ شان ہے کہ سلسلۂ نبوت کی ازسرنو تعمیر شروع کردے بعد اِس کے کہ اُس کو قطع کر چکا ہو۔ (آئینۂ کمالات) مجھے کب جائز ہے کہ میں نبوت کا دعویٰ کر کے اسلام سے خارج ہو جاؤں اور کافروں کی جماعت سے جاملوں۔ (حمامۃ البشریٰ) ② میرے نزدیک نبی وہ ہے جس پر خدا کا کلام یقینی وقطعی طور پر بکثرت نازل ہو جو غیب پر مشتمل ہو اسلئے خدا نے میرا نام نبی رکھا مگر بغیر شریعت کے (تجلیات الٰہیہ) ③ سورت فتح کی آیت **محمد رسول اللّٰہ** کے تحت لکھتا ہے کہ رسول کے لفظ سے اِس عاجز کو یاد کیا گیا ہے۔ (تبلیغِ رسالت)

نیز **ھو الذی ارسل رسولہ** کے تحت لکھتا ہے کہ اِس آیت میں صاف طور پر اِس عاجز کو رسول کہہ کر پکارا گیا ہے (براہینِ احمدیہ)

خاتم النبیین کی تفسیر اور متعدد آیاتِ قرآنی واحادیثِ نبویہ اور لغتِ عرب کے حوالہ جات بالتفصیل گزر چکے ہیں، اُن میں کہیں تشریعی، غیر تشریعی اور ظلی بروزی کی کوئی تفصیل و تخصیص نہیں ہے۔

نیز مرزا قادیانی اپنے پہلے دور کے اقوال میں واضح طور پر سلسلۂ نبوت کے بالکل ختم ہونے کی وضاحت کر چکا ہے۔

③ عقیدۂ ختم نبوت پر تحریر شدہ کتب کے اسماء:۔ ① ختم نبوت کامل (مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ)
② مسک الختام فی ختم نبوت سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم (مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ)
③ عقیدۃ الامۃ فی معنی ختم نبوۃ (علامہ خالد محمودؒ)۔ ④ ختمِ نبوت قرآن وسنت کی روشنی میں (مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ)
⑤ فلسفۂ ختمِ نبوت (مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ)۔ ⑥ مسئلہ ختمِ نبوت علم وعقل کی روشنی میں (مولانا محمد اسحٰق سندیلوی رحمۃ اللہ علیہ)
⑦ ختمِ نبوت (پروفیسر یوسف سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ)۔ ⑧ خاتم النبیین (مولانا محمد انور شاہ کشمیری۔ ترجمہ: مولانا محمد یوسف لدھیانوی)
⑨ عالمگیر نبوت (مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ) ⑩ عقیدۂ ختمِ نبوت (مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ)

## الورقة الثانية فی اصول الحديث والعقائد
## (تيسير مصطلح الحديث و آئینہ قادیانیت)
## السوال الاوّل ۱۴۴۴ھ

**الشق الاوّل**......للتدليس قسمان رئيسيان: هما تدليس الاستاد و تدليس الشيوخ....

تدلیس اور اس کی دونوں قسموں کی تعریف لکھئے۔ تدلیس اور ارسالِ خفی میں فرق بیان کیجیے۔ تدلیس کا حکم بیان کیجیے۔

**جواب**......كما مرّ فی الشق الثانی من السوال الثالث ۱۴۳۹ھ۔

**الشق الثانی**......المزيد فی متصل الاسانيد تعريفه : اصطلاحا زيادة راو فی اثناء سند ظاهره الاتصال مثاله ما روى ابن المبارك قال: حدثنا سفيان عن عبد الرحمٰن بن يزيد حدثنی بسر بن عبيد الله قال: سمعت ابا دريس قال: سمعت واثلة يقول ....

المزید فی متصل الاسانید کے اصطلاحی معنی کی وضاحت کیجیے۔ مثال کی وضاحت کرتے ہوئے بتائیے کہ مذکورہ سند میں زائد راوی کون کون ہیں؟ اور ان کے زائد ہونے کی وجہ کیا ہے؟ زیادتی کو رد کرنے کی جو دو شرطیں بیان کی گئی ہیں، ان کی تشریح کیجیے۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① المزید فی متصل الاسانید کا اصطلاحی معنی ② مذکورہ سند میں زائد راوی کی تعیین اور مزائد ہونے کی وجہ ③ زیادتی کو رد کرنے کی شرائط کی تشریح۔

03 ... maktabazakariyamultan@gmail.com

**جواب** ...... ① **المزید فی متصل الاسانید کا اصطلاحی معنی:۔** حدیث کی ایسی سند جو ظاہراً متصل ہو اس سند میں کسی راوی کی زیادتی کی جائے۔ جیسے عبداللہ ابن المبارک بیان کرتے ہیں: **قال حدثنا سفیان عن عبد الرحمٰن بن یزید حدثنی بسر بن عبید اللّٰہ قال سمعت ابا ادریس قال سمعت واثلۃ یقول سمعتُ ابا مرثد یقول سمعتُ رسول اللّٰہ ﷺ یقول: لاتجلسوا علی القبور و لا تصلّوا الیھا** (آپ ﷺ نے فرمایا: نہ تم قبروں پر بیٹھو اور نہ تم قبروں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو)۔

② **مذکورہ سند میں زائد راوی کی تعیین اور زائد ہونے کی وجہ:۔** اس سند میں سفیان اور ابوادریس کے ناموں کی زیادتی ہے اور اس زیادتی کا سبب وہم ہے۔ سفیان کا اضافہ ابن مبارک سے پہلے کسی راوی کا وہم ہے، کیوں کہ ابن مبارک سے ایک ثقہ جماعت نے سفیان کے نام کے بغیر یہ حدیث روایت کی ہے، حتیٰ کہ بعض ثقات نے اخبار کی صراحت کرتے ہوئے عن ابن المبارک قال اخبرنا عبدالرحمٰن بن یزید بیان کیا ہے۔ اور ابوادریس والی زیادتی ابن مبارک کا وہم ہے، کیوں کہ ایک ثقہ جماعت نے عبدالرحمٰن بن یزید سے ابوادریس کے نام کے بغیر یہ حدیث روایت کی ہے، حتیٰ کہ بعض ثقات نے بسر کے واثلہ سے سماع کی صراحت بھی کی ہے۔

③ **زیادتی کو رد کرنے کی شرائط کی تشریح:۔** زیادتی کو رد کرنے اور اُسے وہم قرار دینے کی دو شرطیں بیان کی گئی ہیں: ① جو راوی زیادتی نقل نہیں کرتا وہ زیادتی کرنے والے سے زیادہ ثقہ، متقن وحافظ ہو۔ ② جس سند میں زیادتی نہیں ہے اس میں سماع کی تصریح ہو۔ زیادتی والی جگہ پر یہ دونوں شرطیں یا ان میں سے کوئی ایک شرط نہ پائی گئی تو یہ زیادتی مقبول ہوگی۔ اور یہ زیادتی سے خالی سند منقطع شمار ہوگی، یہ انقطاع خفی ہوگا اور اسکو مرسلِ خفی کہتے ہیں۔

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۴ھ

**الشق الاوّل** ......**معرفۃ المؤتلف والمختلف: لغۃً المؤتلف: اسم فاعل من الائتلاف بمعنی الاجتماع والتلاقی وھو ضدّ النفرۃ والمختلف: اسم فاعل من الاختلاف ضد الاتفاق۔اصطلاحا ان تتفق الاسماء او الالقاب او الکنی او الانساب خطاً وتختلف لفظاً۔**

پوری عبارت کا ترجمہ کیجیے۔ کتاب میں درج کی گئی چاروں مثالیں تحریر کیجیے۔ المؤتلف والمختلف کو پہچانے کا ضابطہ ہے یا نہیں؟ اگر ضابطہ ہے تو کیا ہے؟ وضاحت سے بیان کیجیے۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں تین امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت کا ترجمہ ② کتاب میں درج مثالوں کی وضاحت ③ مؤتلف ومختلف کی پہچان کا ضابطہ۔

**جواب** ...... ① **عبارت کا ترجمہ:۔** مؤتلف ومختلف کی پہچان: مؤتلف کا لغوی معنی: یہ ائتلاف مصدر سے اسم فاعل کا صیغہ ہے بمعنی جمع ہونا وملاقات کرنا اور یہ نفرت کی ضد ہے۔ مختلف کا لغوی معنی: یہ اختلاف مصدر سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، یہ اتفاق کی ضد ہے۔ اصطلاحی معنی یہ ہے کہ راویوں کے نام یا لقب یا کنیت یا نسبت خط وکتابت میں متفق ہوں اور لفظ وتلفظ میں مختلف ہوں۔

② **کتاب میں درج مثالوں کی وضاحت:۔** ① **سلام:** یہ لام کی تخفیف (سَلام) وتشدید (سَلّام) کے ساتھ دو الگ الگ نام ہیں۔ ② **مسور:** یہ پہلا نام میم کی زیر، سین ساکن اور واؤ مخفف کے ساتھ (مِسْوَر) ہے اور دوسرا نام میم کے پیش، سین مفتوح مخفف اور واؤ کی تشدید کے ساتھ (مُسَوّر) ہے۔ ③ **البزاز و البزار:** یہ آخری حرف کے نقطہ کے ساتھ (بزاز) اور نقطہ کے بغیر (بزار) دو الگ الگ نام ہیں۔ ④ الثوری والتوزی: ان میں پہلا ثاء وراء کے ساتھ (ثوری) اور دوسرا تاء وزاء کے ساتھ (توزی) ہے۔

③ **مؤتلف ومختلف کی پہچان کا ضابطہ:۔** ① مؤتلف ومختلف کی پہچان میں اکثر کوئی عمومی ضابطہ واصول نہیں ہے کیوں کہ یہ عام ہیں صرف حفظ اور یاد کرنے سے محفوظ ہوتے ہیں، ہر نام کو الگ الگ یاد کیا جاتا ہے۔ ② بعض میں ضابطہ واصول موجود ہے اور ان کی دو قسمیں ہیں: کچھ خاص کتابوں میں مذکور بعض اسماء کیلئے کچھ ضابطہ اور قانون مقرر ہے جیسے صحیحین اور موطا میں جب لفظ ''یسار'' واقع ہو تو اسے یا اور سین کے ساتھ پڑھا جائے گا، سوائے محمد بن بشار کے کہ یہ لفظ بشار یعنی با اور شین کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ وہ اسماء جن

میں کسی ایک کتاب یا مخصوص کتابوں کے لحاظ سے نہیں بلکہ عام ضابطہ ہے۔ مثلاً ہم کہتے ہیں کہ ہر جگہ لام کی تشدید کے ساتھ پڑھا جائے گا سوائے پانچ موقعوں کے۔ پھر ان پانچ کو ذکر کر دیا جائے۔

**الشق الثانی** ......(المضطرب، المتروك، المقلوب، المنكر، المدرج، المعضل، المعلق) مذکورہ اصطلاحات کی تعریف لکھئے: حدیث کو بالمعنی روایت کرنے کا کیا حکم ہے؟ اگر جائز ہے تو اسکی شرائط ذکر کیجیے۔ تحملِ حدیث کی اقسام بیان کیجیے۔

**جواب** ......مکمل جواب کمامرّ فی السوال الاول ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۳ و السوال الثالث ۱۴۳۹ و ۱۴۴۰ھ

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۴ھ

**الشق الاوّل** ......حدیث: مسجدی آخر المساجد اور حدیث: انّك خاتم المهاجرين سے قادیانی کس طرح اجرائے نبوت پر استدلال کرتے ہیں؟ صحیح تشریح بھی بیان کیجیے۔ لاہوری اور قادیانیوں میں کیا فرق ہے؟ لاہوریوں کی وجوہِ تکفیر بیان کیجیے۔

**جواب** ...... ❶ مسجدی آخر المساجد وانّك خاتم المهاجرين سے قادیانی استدلال و صحیح تشریح:۔ قادیانی کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: مسجدی آخر المساجد ظاہر ہے کہ حضور کی مسجد کے بعد دنیا میں ہر روز مسجدیں بن رہی ہیں تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے بعد نبی بھی بن سکتے ہیں۔

جواب: یہ اشکال بھی قادیانی دجل کا شاہکار ہے، اسلئے کہ جہاں ''مسجدی آخر المساجد'' کے الفاظ احادیث میں آئے ہیں، وہاں روایات میں ''آخر مساجد الانبیاء'' کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت مبارک یہ تھی کہ وہ اللہ رب العزت کا گھر (مسجد) بناتے تھے، تو انبیاء کرام علیہم السلام کی مساجد میں سے آخری مسجد مسجد نبوی ہے۔ تو یہ ختم نبوت کی دلیل ہوئی، نہ کہ اجرائے نبوت کی۔ الترغیب والترہیب میں ''خاتم مساجد الانبیاء'' کے الفاظ صراحت سے موجود ہیں۔ نیز کنز العمال میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے منقول ہے: قال رسول اللہ ﷺ انا خاتم الانبیاء ومسجدی خاتم مساجد الانبیاء۔

**انك خاتم المهاجرين:** قادیانی کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباس سے فرمایا: اطمئن يا عم (عباس) فانك خاتم المهاجرين في الهجرة كما انا خاتم النبيين في النبوة (کنز العمال) پس اگر حضرت عباس کے بعد ہجرت جاری ہے تو حضور ﷺ کے بعد نبوت بھی جاری ہے۔

جواب: قادیانی اس روایت میں بھی دجل سے کام لیتے ہیں، اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت عباس مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ کے سفر پر روانہ ہو گئے تھے، مکہ مکرمہ سے چند کوس باہر تشریف لے گئے تو راستہ میں مدینہ طیبہ سے آنحضرت ﷺ دس ہزار قدسیوں کا لشکر لے کر مکہ مکرمہ فتح کرنے کیلئے تشریف لے آئے، راستہ میں ملاقات ہوئی تو حضرت عباس کو افسوس ہوا کہ میں ہجرت کی سعادت سے محروم رہا، حضور ﷺ نے حضرت عباس کو تسلی و حصولِ ثواب کی بشارت دیتے ہوئے یہ فرمایا۔ اسلئے واقعتاً مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے والے آخری مہاجر حضرت عباس تھے، اس لئے کہ ہجرت دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف کی جاتی ہے، مکہ مکرمہ رحمت دو عالم ﷺ کے ہاتھوں ایسے فتح ہوا جو قیامت کی صبح تک دار الاسلام رہے گا، تو مکہ مکرمہ سے آخری مہاجر واقعی حضرت عباس ہوئے۔ پس آپ ﷺ کا فرمان: اے چچا تم خاتم المہاجرین ہو تمہارے بعد جو بھی مکہ مکرمہ چھوڑ کر آئے گا اسے مہاجر کا لقب نہیں ملے گا۔ اسلئے امام بخاری فرماتے ہیں کہ: لا ہجرۃ بعد الفتح۔ حافظ ابن حجر عسقلانی اصابہ میں فرماتے ہیں: ہاجر قبل الفتح بقلیل وشہد الفتح (حضرت عباس نے فتح مکہ سے قدرے پیشتر ہجرت کی اور آپ فتح مکہ میں حاضر تھے)۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

❷ لاہوری اور قادیانیوں میں فرق و لاہوریوں کی وجوہِ تکفیر: کما مرّ فی الشق الاول من السوال الثالث ۱۴۴۳ھ

**الشق الثانی** ......عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے حضرت صدیق اکبر کے دور سے لے کر آج تک جو خدمات سرانجام دی گئی ہیں ان کا مختصر مگر جامع تذکرہ سپردِ قرطاس کیجیے۔

**جواب** ......عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کیلئے دورِ صدیقی سے آج تک سرانجام دی گئی خدمات:۔

آپ کی ختم نبوت میں امت مسلمہ کی وحدت کا راز مضمر ہے۔ اس لئے اس مسئلہ میں کبھی بھی یہ امت دورائے کا شکار نہیں ہوئی، بلکہ

جس وقت کسی شخص نے اس مسئلہ کے خلاف رائے دی امت نے اسے سرطان کی طرح اپنے جسم سے علیحدہ کر دیا۔ختم نبوت کا تحفظ یا بالفاظ دیگر منکرینِ ختم نبوت کا استیصال دین کا ہی ایک حصہ ہے۔دین کی نعمت کا اتمام آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس پر ہوا۔اسلئے دین کے اس شعبہ کو بھی اللہ رب العزت نے خود آنحضرت ﷺ سے وابستہ فرمادیا اور سب سے پہلے خود آپ ﷺ نے اپنے زمانہ میں پیدا ہونے والے جھوٹے مدعیانِ نبوت کا استیصال کر کے امت مسلمہ کو اپنے عمل مبارک سے کام کرنے کا عملی نمونہ پیش فرمادیا۔ چنانچہ اسود عنسی کے استیصال کیلئے آپ ﷺ نے حضرت فیروز دیلمی کو اور طلیحہ اسدی کے مقابلہ میں حضرت ضرار بن ازور کو روانہ فرمایا، جو امت کیلئے خود آنحضرت ﷺ کا عملی سبق ہے۔

امت کیلئے خیر و برکت اور فلاح دارین اس سے وابستہ ہے کہ ختم نبوت کے عقیدہ کا جان جوکھوں میں ڈال کر تحفظ کرے اور منکرین ختم نبوت کو ان کے انجام تک پہنچائے۔امت نے آنحضرت ﷺ کے اس مبارک عمل کو اپنے لئے اِس طور پر مشعلِ راہ بنایا کہ خیرالقرون کے زمانہ سے لے کر آج تک ایک لمحہ کیلئے بھی امت اس سے غافل نہیں ہوئی۔

حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ کے عہدِ خلافت میں ختم نبوت کے تحفظ کی پہلی جنگ یمامہ کے میدان میں مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑی گئی۔اس جنگ میں سب سے پہلے حضرت عکرمہ پھر حضرت شرحبیل بن حسنہ اور آخر میں حضرت خالد بن ولیدؓ نے مسلمانوں کے لشکر کی کمان فرمائی۔اس پہلے معرکہ ختم نبوت میں بارہ سو صحابہ کرام شہید ہوئے۔جن میں سات سو قرآن مجید کے حافظ و قاری تھے اور بہت سے صحابہ بدریین تھے۔

اسلام کی چودہ سو سال کی تاریخ گواہ ہے کہ باقی تمام فتنوں سے مباحثہ، مجادلہ، مناظرہ و مباہلہ وغیرہ ہوئے۔لیکن جھوٹے نبیوں سے تو گفتگو کی بھی شریعت نے اجازت نہیں دی اور فصولِ عمادی میں کلماتِ کفر شمار کرتے ہوئے لکھا ہے: وکذا لو قال انا رسول اللہ الخ (ترجمہ: اور ایسے ہی اگر کہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں یا فارسی زبان میں کہے من پیغامبرم اور مراد یہ ہو کہ میں پیغام لے جاتا ہوں تو کافر ہو جائے گا اور جب اس نے یہ بات کہی اور کسی شخص نے اس سے معجزہ طلب کیا تو بعض کے نزدیک یہ طالب معجزہ بھی کافر ہو جائے گا، لیکن متاخرین نے فرمایا ہے کہ اگر طلبِ معجزہ سے طالبِ معجزہ کی نیت محض اس کی رسوائی اور اظہار عجز ہو تو کافر نہ ہوگا)۔ خلاصۃ الفتاوی کتاب الفاظ الکفر فصل ثانی میں امام عبدالرشید بخاری فرماتے ہیں کہ: ولو ادعی رجل النبوۃ الخ (ترجمہ: اور اگر کسی شخص نے نبوت کا دعوی کیا اور دوسرے نے اس سے معجزہ طلب کیا تو بعض فقہا کے نزدیک یہ طالب معجزہ بھی مطلقا کافر ہو جائے گا اور بعض نے یہ تفصیل فرمائی ہے کہ اگر اس نے اظہارِ عجز و رسوائی کیلئے معجزہ طلب کیا تھا تو یہ کافر نہ ہوگا۔ چنانچہ امت کی چودہ سو سال کی تاریخ گواہ ہے کہ جب کبھی کسی اسلامی حکومت میں کسی شخص نے جھوٹی نبوت کا دعوی کیا تو امت نے اس سے دلائل و معجزات مانگنے کی بجائے اس کے وجود سے ہی اللہ تعالی کی دھرتی کو پاک کر دیا۔ ہمارے برصغیر پاک و ہند میں انگریز نے مرزا غلام احمد قادیانی کی بطور خود کاشتہ پودا آبیاری کی، مسلمان قوم مظلوم، محکوم و غلام تھی، لاچار امت کو قادیانی گروہ سے مناظرہ کی راہ اختیار کرنی پڑی۔اللہ تعالی نے دلائل و براہین، مقدمات و مناظروں، منبر و محراب، عدالتوں و اسمبلی، مکۃ المکرمہ و افریقہ تک جہاں بھی کسی فورم پر قادیانی کیس گیا امت مسلمہ کو کامیابی نصیب کی۔ یہ مختلف راستے مجبوراً اختیار کرنا پڑے، ورنہ شرعاً جھوٹے مدعی نبوت اور اس کے پیروکاروں کا وہی علاج ہے جو صدیق اکبرؓ نے اپنے عہد زریں میں مسیلمہ کذاب کا یمامہ کے میدان میں کیا تھا، اور یقین فرمایئے کہ جب کبھی اس خطہ میں اسلام کی حکومت قائم ہوگی، سنت صدیقؓ دہرائی جائے گی۔

0313 6357913 maktabazakariya...@gmail.com

## ﴿الورقة الثانية فی اصول الحدیث و العقائد﴾

## ﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۴۵ھ

**الشق الاوّل**......تقسم الاحاد بالنسبة الی عدد طرقه الی ثلاثة اقسام: هو المشهور العزیز الغریب۔

خبر مشہور کی لغوی و اصطلاحی تعریف کیجیے۔مشہور غیر اصطلاحی کی تعریف کیجیے اور اس کی انواع میں سے چند ذکر کیجیے۔خبر مشہور اصطلاحی اور مشہور غیر اصطلاحی کا حکم بیان کیجیے۔

**جواب** ① خبر مشہور کی لغوی و اصطلاحی تعریف:۔ ...... **كما مرّ في الشق الثاني من السوال الاول ١٤٣٩هـ۔**

② مشہور غیر اصطلاحی کی تعریف کیجیے اور اس کی اقسام:۔ خبر مشہور کی اصطلاحی تعریف اوپر گذر چکی جس کے مطابق اس کے ناقلین کم از کم رواۃ کے ہر طبقہ میں تین افراد ہونے چاہئیں مگر اصطلاح سے ہٹ کر عام عرف میں مشہور ہر اس خبر کو کہہ دیا جاتا ہے جو لوگوں میں مشہور ہو جائے خواہ اس کی اصل ہو یا نہ ہو، سند میں لوگ تھوڑے ہوں یا زیادہ ہوں۔ اس طرح غیر اصطلاحی مشہور تین طرح کی احادیث کو شامل ہوگی: ① وہ حدیث جس کی صرف ایک سند ہو، اس سے زیادہ نہیں۔ ② وہ حدیث جس کی ایک سے زیادہ سندیں ہوں۔ ③ وہ حدیث جس کی سرے سے کوئی سند نہ ہو، مگر مشہور ہو جائے۔

خبر مشہور غیر اصطلاحی کی مشہور ترین قسمیں مندرجہ ذیل ہیں: ① وہ حدیث جو صرف اہلِ حدیث (وہ حضرات جن کا خصوصی شغل علمِ حدیث ہو وہ اس حدیث کو عام طور پر جانتے ہوں) کے ہاں مشہور ہو، اس کی مثال حدیث انس: **ان رسول اللّٰهِ ﷺ قنت شهرا بعد الركوعِ يدعو علىٰ رِعل وذكوان** ہے۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں موجود ہے۔ ② وہ حدیث اہلِ حدیث کے ساتھ ساتھ دیگر علوم و فنون کے علماء اور عوام میں بھی مشہور ہو، مثلاً حدیث ابو ہریرہ **المسلِم من سلِم المسلِمون مِن لِسانِهٖ ويدِهٖ** اسے سب جانتے ہیں اور متعدد کتب احادیث میں ہے۔ ③ وہ حدیث جو خصوصیت کے ساتھ فقہاء کے ہاں مشہور ہو، مثلاً حدیث ابن عمر **ابغض الحلال اِلى اللّٰهِ الطلاق** یہ حدیث فقہاء کے درمیان مشہور و مستعمل ہے اور صحیح علی شرط مسلم ہے۔

④ وہ حدیث جو اصولِ فقہ والوں کے ہاں مشہور ہو جیسے حدیث ابن عباس **رفِع عن امتِى الخطأ والنِسيان وما استكرِهوا عليه** یہ اصولیین کے ہاں بہت زیادہ مستعمل و مشہور ہے اور متعدد کتب میں مروی ہے۔ ⑤ وہ حدیث جو نحویین کے ہاں مشہور ہو جیسے حدیث **نِعم العبد صهيب لو لم يخفِ اللّٰه لم يعصِه** مگر یہ بے اصل ہے، حدیث کی کسی کتاب میں منقول نہیں۔ ⑥ وہ حدیث عام لوگوں کے ہاں مشہور ہو جیسے حدیث **العجلة مِن الشيطان** امام ترمذی نے اسے نقل کر کے حسن کہا ہے۔ (تسہیل علوم حدیث)

③ خبر مشہور اصطلاحی اور مشہور غیر اصطلاحی کا حکم:۔ خبر مشہور چاہے اصطلاحی ہو یا غیر اصطلاحی چونکہ اس کی سند سے بحث کی جاتی ہے اور سند کبھی تو موجود ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی۔ پھر جس حدیث مشہور کی سند ہو وہ کبھی صحیح درجہ کی ہوتی ہے، کبھی حسن یا ضعیف درجہ کی اور کبھی موضوع حدیث بھی مشہور ہو جاتی ہے جیسے اس کی ایک مثال اوپر گذری یعنی **نِعْمَ العبدُ صهيبٌ لو لم يخفِ اللّٰه لم يَعْصِهٖ** (صہیب کیا ہی اچھا بندہ ہے، اگر اللہ کا خوف نہ ہوتا تو اس کی نافرمانی نہ کرتا) یہ حدیث نحویین کے ہاں مشہور تو ہے مگر بالکل بے اصل و بے سند اور موضوع ہے۔ اسی لیے حدیث مشہور کو نہ تو بالکلیہ صحیح کہا جا سکتا ہے، نہ حسن یا ضعیف اور نہ ہی موضوع وغیرہ بلکہ اس کے تحت ہر طرح کی حدیث موجود ہے، سند کی تحقیق شرط ہے تاکہ صحت و ضعف وغیرہ کا حکم لگایا جا سکے۔ البتہ جو حدیث اصطلاحی مشہور ہو یعنی اس پر اصطلاح محدثین کے مطابق مشہور کی تعریف صادق آتی ہو اور وہ صحیح حدیث ہو تو اس کا درجہ حدیث عزیز و غریب سے بڑھ کر ہے اور عند التعارض اس کو اپنے مابعد والی اقسام پر ترجیح حاصل ہوگی۔ (ایضا)

**الشق الثانی** ...... **ينقسم الخبر المشهور علىٰ قسمين معمول به و غير معمول به، وينبثق عن ذٰلك نوعان وهما: المحكم ومختلف الحديث والناسخ و المنسوخ۔** عبارت کی تشریح کرتے ہوئے اس میں مذکور اقسام کی تعریف لکھیے۔ ناسخ اور منسوخ کیسے پہنچانے جاتے ہیں؟ اگر دو متعارض مقبول روایتیں ہوں تو کیا کیا جائے گا؟

**جواب** ...... ① و ② **كما مرّ في الشق الثاني من السوال الثاني ١٤٣٩هـ۔**

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

③ دو مقبول روایات میں تعارض کا حکم:۔ جب کسی شخص کے سامنے کسی مسئلے میں دو حدیثیں باہم متعارض پیش ہوں تو اس کیلئے عمل کرنے کے واسطے چند مراحل ہیں: ① جب احادیث کے درمیان تطبیق اور موافقت کرنا ممکن ہو تو موافقت کرنا ہی لازم ہے، اسے چاہیے کہ مطابقت پیدا کر کے دونوں پر عمل کرے۔ ② اگر تطبیق کی کوئی صورت نظر نہ آئے تو اس کے تین احکامات ہیں: (۱) ایک حدیث کا دوسری کیلئے ناسخ ہونا معلوم ہو جائے تو ناسخ پر عمل کرنا واجب ہے اور منسوخ پر عمل نہیں ہوگا۔ (۲) اگر نسخ کا علم نہ ہو تو ترجیح کی صورتوں میں سے کسی صورت کے ساتھ ایک حدیث کو دوسری پر راجح قرار دیں گے اور پھر راجح پر عمل کریں گے اور مرجوح کو چھوڑ

دیں گے۔ جیسے ایک حدیث میں ہے کہ مسِ ذَکر سے وضوٹوٹ جاتا ہے اور دوسری حدیث میں ہے کہ ذَکر بمنزلِ ناک ہے یعنی جیسے ناک کو چھونا ناقضِ وضونہیں اسی طرح مسِ ذکر بھی ناقضِ وضونہیں۔ (احناف و دیگر حضرات نے دوسری حدیث کو پچاس سے زائد وجوہات کی بناء پر ترجیح دی ہے جن کا حاصل یہ ہے: راوی کی صفات سے ترجیح۔ تحملِ حدیث کی بناء پر ترجیح۔ روایت کی کیفیت دیکھ کر ترجیح۔ احادیث کے وقتِ ورود کے انداز سے ترجیح۔ الفاظِ حدیث کی بناپر ترجیح) (۳) اگر کوئی مرجح سمجھ میں نہ آئے اور کسی بھی حدیث کو دوسری پر ترجیح نہ دے سکیں تو دونوں کے متعلق توقف کیا جائے گا اور ظاہر پر عمل ساقط ہو جائے گا۔ (تسہیل علوم حدیث)

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۵ھ

**الشق الاوّل** ......**یجوز عند اهل الحدیث وغیرهم روایة الاحادیث الضعیفة والتساهل فی اسانیدها من غیر بیان ضعفها بخلاف الاحادیث الموضوعة .... بشرطین.... اختلف العلماء فی العمل بالحدیث الضعیف والذی علیه جمهور العلماء انّه یستحب العمل به فی فضائل الاعمال لٰکن بشروط ثلاثة الخ**

حدیث ضعیف کی تعریف کیجیے۔ خط کشیدہ جملہ کا مطلب تحریر کیجیے۔ ضعیف حدیث روایت کرنے کی دو شرطیں اور ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی تین شرطیں لکھئے۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا خلاصہ درج ذیل امور ہیں: ① حدیث ضعیف کی تعریف ② خط کشیدہ جملہ کا مطلب ③ ضعیف حدیث کو روایت کرنے اور عمل کرنے کی شرائط۔

**جواب**...... ① **حدیث ضعیف کی تعریف:۔** ضعیف کا لغوی معنی کمزور ہے، اصطلاحِ محدثین میں وہ حدیث جس کے اندر حسن کی کوئی شرط مفقود ہو یعنی حسن ہونے کی جو شرائط مقرر ہیں ان میں سے اکثر شرطیں یا ان میں سے کوئی ایک شرط نہ پائی جائے۔ بیقو ہم نے اپنے اشعار میں اس کے متعلق کہا ہے کہ جو حدیث حسن کے درجے تک نہ پہنچ سکے وہ ضعیف ہے۔

جس طرح حدیث صحیح کے مختلف اعتبارات سے مختلف مراتب ہیں اسی طرح حدیثِ ضعیف بھی اپنے راوی کے اندر ضعف کے کم یا زیادہ ہونے کے اعتبار سے مختلف درجات اور مراتب میں منقسم ہے۔ چنانچہ کبھی راوی کے اعتبار سے حدیث کو صرف ضعیف کہا جائے گا، کبھی ضعیفٌ جداً، کبھی واہی اور کبھی منکر۔ البتہ ضعیف کی سب سے بدتر قسم کو موضوع کہا جاتا ہے۔

② **خط کشیدہ جملہ کا مطلب:۔** ضعیف حدیث کو روایت کرتے وقت اسکے ضعف کی وضاحت کرنا ضروری نہیں ہے، لیکن اگر کسی جگہ موضوع حدیث کو روایت کیا جائے تو یہ بتانا لازم ہوگا کہ یہ حدیث من گھڑت اور موضوع ہے، اسکے بغیر اس کی روایت ناجائز ہوگی۔

③ **ضعیف حدیث کو روایت کرنے اور عمل کرنے کی شرائط:۔** وہ ضعیف حدیث جو موضوع نہ ہو، علماء وائمہ نے اس کی روایت میں زیادہ سختی نہیں برتی بلکہ نرمی سے کام لیا ہے، چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ سفیان ثوریؒ اور عبدالرحمٰن بن مہدی جیسے ائمہ نے اس میں تساہل کیا ہے، احادیث کے ضعف کی وضاحت کرنا بھی ضروری نہیں البتہ اس کیلئے دو شرطوں کا لحاظ ضروری ہے: ① ضعیف حدیث کا تعلق عقائد سے نہ ہو جیسے اللہ تعالیٰ کی صفات وغیرہ، پس اگر ضعیف احادیث عقائد سے متعلق ہوں تو ان کے ضعف کو بتانا لازم ہوگا۔
② ضعیف حدیث حلال وحرام جیسے احکام شرعیہ سے متعلق نہ ہو، پس اگر ضعیف احادیث ان احکام سے متعلق ہوں تو پھر بھی ضعف کی وضاحت ضروری ہوگی۔ الغرض مواعظ وغیرہ میں ضعیف احادیث کی روایت ضعف بیان کیے بغیر جائز ہے بشرطیکہ موضوع نہ ہوں۔ اس میں احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ جب ضعیف روایت بیان کی جائے تو براہِ راست رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت نہ کریں کہ آپ نے ایسا فرمایا بلکہ یوں کہا جائے کہ رسول اللہ سے اس طرح فرمانا منقول ہے وغیرہ۔

جمہور کے قول کے مطابق حدیثِ ضعیف سے اعمال کی فضیلت ثابت کی جاسکتی ہے اور اس پر عمل فضائل اعمال میں مستحب کے درجے میں آتا ہے، البتہ عمل بالضعیف کیلئے تین شرطیں ہیں: ① ضعف شدید نہ ہو۔ اس سے وہ ضعیف نکل گئی جس کی سند میں کوئی کذاب متہم بالکذب یا فحش غلطی کرنے والا موجود ہو، لہٰذا موضوع اور متروک حدیثوں پر عمل جائز نہیں اگرچہ وہ فضائل اعمال سے متعلق کیوں نہ ہوں مثلاً ماہ رجب اور ربیع الاول میں خصوصی عبادات کی فضیلت والی اکثر احادیث موضوع ہیں۔ ② وہ حدیث

کسی قاعدہ اور اصل کے تحت داخل ہو۔ اس سے وہ ضعیف نکل گئی جو کسی ثابت شدہ بنیاد اور اصل کے ماتحت نہ آئے۔ ③ عمل کرتے وقت ثبوت کے بجائے احتیاط کا اعتقاد رکھے۔

**الشق الثانی** ......**وسبب الخلاف فی حکم کتابته انّه وردت احادیث متعارضة فی الاباحة والنهی فمنها حدیث النهی مارواه مسلم انّ رسول اللّٰه ﷺ قال لا تکتبوا عنّی ومن کتب عنّی غیر القرآن فلیمحه.... لقد جمع العلماء بین احادیث النهی وبین احادیث الاباحة علی وجوه.**

حدیث لکھنے و نہ لکھنے میں سلف کا اختلاف مع دلائل تحریر کیجیے۔ کیا یہ اختلاف اب بھی باقی ہے؟ احادیثِ اباحت و نہی میں تطبیق دیجیے۔

**جواب** ......**مکمل جواب کما مرّفی الشق الثانی من السوال الثالث ١٤٤٠ھ۔**

## السوال الثالث ١٤٤٥ھ

**الشق الاوّل** ......قادیانی ختم نبوت کے معنی میں کیا تحریف کرتے ہیں؟ قادیانی موقف مختصر بیان کرکے اس کی تردید کیجیے۔

**جواب** ...... ① ختم نبوت کے معنی میں قادیانی تحریف، موقف وتردید:۔ قادیانی کہتے ہیں کہ خاتم النبیین کا معنی نبیوں کی مہر ہے یعنی پہلے اللہ تعالیٰ نبوت عطا فرماتے تھے، اب جو شخص آپ ﷺ کی اتباع کرے گا آپ اس پر مہر لگائیں گے تو وہ نبی بن جائے گا۔

ہمارے نزدیک قادیانیوں کا یہ موقف سراسر غلط، فاسد، باطل، بے دینی، تحریف، دجل وافتراء پر مبنی ہے۔ مفتی محمد شفیعؒ صاحب نے اس موقعہ پر چیلنج کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: اگر مرزا صاحب اور ان کی امت کوئی صداقت رکھتے ہیں تو لغت عرب اور قواعد عربیت سے ثابت کریں کہ خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ کی مہر سے انبیاء بنتے ہیں۔ تفسیر قرآن کے معیار میں پہلا نمبر قرآن مجید اور دوسرا احادیث نبی ﷺ اور تیسرا اقوالِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رکھا گیا ہے، خدارا خاتم النبیین کی اس تفسیر کو قرآن کی کسی ایک آیت، احادیث نبویہ کے وسیع وعریض ذخیرہ میں کسی ایک حدیث میں یہ تفسیر دکھلائیں۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ صحیحین یا صحاح ستہ کی حدیث ہو، بلکہ کسی ضعیف سے ضعیف حدیث میں ہی دکھلا دو کہ نبی کریم ﷺ نے خاتم النبیین کا یہ معنی بتلایا ہو کہ آپ ﷺ کی مہر سے انبیاء بنتے ہیں۔ اگر یہ بھی نہیں ہوسکتا تو کم از کم کسی صحابی یا کسی تابعی کا قول ہی پیش کردو جس میں خاتم النبیین کا یہ معنی بیان کیا گیا ہو۔ مرزا قادیانی اور ان کی ساری امت مل کر ایڑی چوٹی کا زور لگالیں تب بھی ان میں سے کوئی ایک چیز پیش نہ کرسکیں گے۔

قرآن عزیز کی نصوص، احادیث نبویہ کی تصریحات، صحابہ کرام وتابعین رضی اللہ عنہم کے آثار، سلف صالحین اور ائمہ تفسیر کے کھلے کھلے بیانات اور لغتِ عرب اور قواعد عربیت کا واضح فیصلہ اس تحریف کی تردید کرتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ آیت خاتم النبیین کا وہ معنی جو مرزائی فرقہ نے گھڑا ہے وہ باطل ہے، اسلئے کہ یہ معنی محاوراتِ عرب کے بالکل خلاف ہے، ورنہ لازم آئے گا کہ خاتم القوم اور آخر القوم کا بھی یہی معنی ہو کہ اس کی مہر سے قوم بنتی ہے اور خاتم المهاجرین کا معنی ہوگا کہ اس کی مہر سے مہاجرین بنتے ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی کتاب ازالہ اوہام میں خاتم النبیین کا معنی "نبیوں کا ختم کرنے والا" کیا ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے لفظ خاتم کو کئی جگہ جمع کی طرف مضاف کیا ہے، مرزا نے اپنی کتاب تریاق القلوب میں اپنے متعلق تحریر کیا ہے: میرے ساتھ ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی، جس کا نام جنت تھا، پہلے وہ لڑکی پیٹ میں سے نکلی تھی، اسکے بعد میں نکلا تھا اور میرے بعد میرے والدین کے گھر میں اور کوئی لڑکی یا لڑکا نہیں ہوا اور میں ان کیلئے خاتم الاولاد تھا۔ اگر خاتم الاولاد کا ترجمہ ہے کہ مرزا قادیانی اپنے ماں باپ کے ہاں آخری ولد تھا، مرزا کے بعد اسکے ماں باپ کے ہاں کوئی لڑکی یا لڑکا، صحیح یا بیمار، چھوٹا یا بڑا، کسی قسم کا کوئی پیدا نہیں ہوا تو خاتم النبیین کا بھی یہی ترجمہ ہوگا کہ رحمت دوعالم ﷺ کے بعد ظلی وبروزی، مستقل وغیر مستقل، کسی قسم کا کوئی نبی نہیں بنایا جائے گا۔ اگر خاتم النبیین کا معنی یہ ہو کہ حضور ﷺ کی مہر سے نبی بنیں گے تو خاتم الاولاد کا بھی یہی ترجمہ مرزائیوں کو کرنا ہوگا کہ مرزا کی مہر سے مرزا کے والدین کے ہاں بچے پیدا ہوں گے۔ اس صورت میں اب مرزا قادیانی مہر لگاتے جائیں گے اور مرزا قادیانی کی ماں بچے جنتی چلی جائے گی۔

پھر قادیانی جماعت کا مؤقف یہ ہے کہ رحمت دوعالم ﷺ سے لے کر مرزا قادیانی تک کوئی نبی نہیں بنا، خود مرزا نے لکھا ہے، غرض اس حصہ کثیر وحی الٰہی اور امور غیبیہ میں اس امت میں سے میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء، ابدال

اوراقطاب اس امت میں سے گزر چکے ہیں ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا، پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کیلئے میں ہی مخصوص کیا گیااور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں (حقیقت الوحی)۔اس عبارت سے یہ ثابت ہوا کہ چودہ سو سال میں صرف مرزا کو ہی نبوت ملی اور پھر مرزا کے بعد قادیانیوں میں نام نہاد خلافت ہے، نبوت نہیں۔اس لحاظ سے بقول قادیانیوں کے حضور ﷺ کی مہر سے صرف مرزا ہی نبی بنا تو گویا حضور ﷺ خاتم النبی ہوئے، خاتم النبیین نہ ہوئے۔مرزا محمود نے لکھا ہے:ایک بروز محمدی جمیع کمالات محمدیہ کے ساتھ آخری زمانہ کیلئے مقدر تھا، سووہ ظاہر ہوگیا۔

ہمارے نزدیک قادیانیوں کا یہ موقف سراسر غلط، فاسد، باطل، بے دینی، تحریف، دجل و افتراء پر مبنی ہے۔قرآن کریم میں آپ ﷺ کی رسالت اور ختم نبوت کو بیان کرنے کیلئے **خاتم النبیین** کا لفظ ذکر کیا گیا ہے۔**خاتم** کا مادہ قرآن مجید میں سات مقامات پر استعمال ہوا ہے:① **ختم اللہ علی قلوبھم** (بقرہ)۔② **ختم علی قلوبکم** (انعام)۔③**ختم علی سمعہ وقلبہ** (جاثیہ)۔④ **الیوم نختم علی افواھھم**(یٰس)۔⑤ **فان یشأ اللہ یختم علی قلبک**(شوریٰ)
⑥ **رحیق مختوم** (مطففین)۔⑦ **ختامہ مسک** (مطففین)

ان تمام مقامات کے اوّل وآخر، سیاق وسباق کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ **ختم** کے مادہ کا لفظ جہاں کہیں استعمال ہوا ہے اس کا قدرِ مشترک یہ ہے کہ کسی چیز کو ایسے طور پر بند کرنا، اسکی ایسی بندش کرنا کہ باہر سے کوئی چیز اس میں داخل نہ ہوسکے اور اندر سے کوئی چیز اس سے باہر نہ نکالی جاسکے مثلاً پہلی آیت کو دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کے دلوں پر مہر کردی کہ کفر انکے دلوں سے باہر نہیں نکل سکتا اور باہر سے ایمان ان کے دلوں کے اندر داخل نہیں ہوسکتا۔اب زیر بحث آیت **خاتم النبیین** کا اس قرآنی تفسیر کے اعتبار سے ترجمہ کریں تو اس کا معنی ہوگا کہ رحمتِ دو عالم ﷺ کی آمد پر حق تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے سلسلہ پر ایسے طور پر بندش کردی، بند کردیا، مہر لگادی کہ اب کسی نبی کو نہ اس سلسلہ سے نکالا جاسکتا ہے اور نہ کسی نئے شخص کو سلسلۂ نبوت میں داخل کیا جاسکتا ہے۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہوں گے ہر ایک یہی کہے گا کہ میں نبی ہوں حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں۔اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے لفظ **خاتم النبیین** کی تفسیر **لانبی بعدی** کے ساتھ خود فرمادی ہے۔ امام ابوجعفر ابن جریر طبریؒ اپنی عظیم الشان تفسیر میں حضرت قتادہؓ سے خاتم النبیین کی تفسیر میں روایت فرماتے ہیں **عن قتادة ولٰکن رسول اللہ وخاتم النبیین ای آخرھم** (حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے آیت **ولٰکن رسول اللہ وخاتم النبیین** کی تفسیر میں فرمایا کہ آپ ﷺ آخر النبیین ہیں)۔اس قول سے بھی معلوم ہوا کہ خاتم النبیین کا معنی آخر النبیین ہے۔اس میں کہیں تشریعی غیر تشریعی اور بروزی وظلی وغیرہ کی کوئی تفصیل نہیں ہے۔

قرآن وحدیث کی تصریحات اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ کی تفاسیر اور ائمہ سلف رحمہم اللہ کی شہادتوں سے بھی قطع نظر کرلیا جائے اور فیصلہ صرف لغت عرب پر رکھ دیا جائے تب بھی لغتِ عرب یہ فیصلہ دیتی ہے کہ خاتم النبیین کا معنی آپ ﷺ سب انبیاء علیہم السلام کے آخر ہیں، آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوسکتا۔

**الشق الثانی** ......وحی الہام اور کشف کا معنی بیان کریں۔وحی والہام میں فرق بیان کریں۔مذکورہ اصطلاحات میں قادیانی نظریہ وعقیدہ بیان کرتے ہیں؟ تردید بھی کیجیے۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل تین امور ہیں:① وحی، الہام وکشف کا معنی ② وحی والہام میں فرق ③ قادیانی عقیدہ وتردید۔

**جواب** ...... **①** وحی، الہام وکشف کا معنی:۔ وحی: وہ کلام الٰہی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ فرشتہ کسی نبی کو بھیجا جائے یہ انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے اگر بذریعہ القاء فی القلب ہوتو اسکو وحیِ الہام کہتے ہیں جو اولیاء پر ہوتی ہے اور اگر بذریعہ خواب ہوتو اسکو رؤیا صالحہ کہتے ہیں اور لغوی طور پر ان سب کو وحی کہہ سکتے ہیں۔

الہام: کسی خیر واچھی بات کا بلانظر وفکر اور بلاکسی سببِ ظاہری کے من جانب اللہ دل میں کسی القاء (بات ڈالنا) کا ہونا جو علم بطریق حواس حاصل ہو وہ ادراک حسی ہے اور جو علم بغیر حس وعقل من جانب اللہ بلاکسی سبب کے دل میں ڈالا جائے وہ الہام ہے۔

کشف: عالمِ غیب کی کسی چیز سے پردہ اٹھا کر دکھلانا گویا کشف سے پہلے جو چیز چھپی ہوئی تھی وہ کشف کے بعد ظاہر و آشکار ہوگئی۔

کشف اپنے مفہوم کے اعتبار سے الہام سے عام ہے مگر کشف کا زیادہ تر تعلق امورِ حسیہ سے اور الہام کا زیادہ تعلق امورِ قلبیہ سے ہوتا ہے۔

② وحی والہام میں فرق:۔ وحیِ نبوت قطعی ہوتی ہے اور معصوم عن الخطاء ہوتی ہے، نبی پر اُس کی تبلیغ فرض ہوتی ہے اور اُمت پر اس کا اتباع لازم ہوتا ہے، جبکہ الہام ظنی ہوتا ہے، معصوم عن الخطاء نہیں ہوتا اور اولیاء معصوم نہیں ہوتے اِسی وجہ سے اولیاء کا الہام دوسروں پر حجت نہیں اور نہ الہام سے کوئی حکمِ شرعی ثابت ہوسکتا ہے حتیٰ کہ الہام سے استحباب بھی ثابت نہیں ہوسکتا۔ نیز احکامِ شرعیہ کا علم بذریعہ وحی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے اور غیر انبیاء پر جو الہام ہوتا ہے وہ بشارت یا تفہیم کی قسم سے ہوتا ہے، احکام پر مشتمل نہیں ہوتا، جیسے حضرت مریم علیہا السلام کو جو وحی الہام ہوئی وہ از قسمِ بشارت تھی، نہ کہ از قسمِ احکام۔

نیز الہام بااعتبار وحی کے خفی و مبہم ہوتا ہے اور وحی صاف و واضح ہوتی ہے۔ (ص ۵۵)

③ قادیانی عقیدہ و تردید:۔ قادیانی کشف و الہام اور وحی میں تحریف نہیں کرتے بلکہ تلبیس کرتے ہیں، کہ نہ صرف کشف و الہام بلکہ وحیِ نبوت کو مرزا غلام احمد قادیانی کیلئے جاری مانتے ہیں۔ خود مرزا قادیانی نے بے شمار عبارتوں میں اپنے لئے وحی کا دعوی کیا ہے اور قادیانیوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کی نام نہاد وحی کو ایک مستقل کتاب کی شکل میں شائع کیا ہے اور اس کا نام انہوں نے تذکرہ رکھا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی کا مدعی مدعیِ نبوت ہے اور یہ بجائے خود مستقل کفر ہے۔

علماءِ شریعت کی طرح تمام صوفیاء بھی اس پر متفق ہیں کہ نبوت و رسالت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو بھی نبوت کا دعوی کرے وہ مرتد اور دائرہ اسلام سے قطعاً خارج ہے۔ البتہ نبوت و رسالت کے کچھ کمالات اور اجزاء باقی ہیں جو اولیاءِ امت کو عطا کئے جاتے ہیں مثلاً: کشف، الہام، رؤیائے صادقہ (سچے خواب) اور کرامتیں۔ اس قسم کے کمالات نبوت کے اجزاء ہیں، وہ ابھی بھی باقی ہیں۔ لیکن ان کمالات کی وجہ سے کسی شخص پر نبی کا اطلاق کسی طرح جائز نہیں اور نہ ان کے کشف اور الہام پر ایمان لانا واجب ہے۔ ایمان فقط کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر ہے۔ نبی کا تو خواب بھی وحی ہے، مگر ولی کا خواب اور الہام شرعاً حجت نہیں، نبی کے خواب سے ایک معصوم کا ذبح کرنا اور قتل کرنا بھی جائز ہے، مگر ولی کے الہام سے قتل کا جواز تو درکنار اس سے استحباب کا درجہ بھی ثابت نہیں ہوتا۔ غرض کسی بھی بڑے سے بڑے بزرگ کا کشف والہام شرعی مسئلہ کے اثبات کیلئے کوئی مستقل دلیل نہیں ہے۔ اس کو اس طرح سمجھو کہ اگر کسی شخص میں کچھ کمالات اور خصلتیں بادشاہ اور وزیر کی مثل پائی جائیں تو اس بناء پر وہ شخص بادشاہ اور وزیر نہیں بن سکتا اور اگر کوئی اس بناء پر بادشاہت اور وزارت کا دعوی کرے اور اپنے کو وزیر اور بادشاہ کہنے لگے تو فوراً گرفتاری کے احکامات جاری ہوجائیں گے۔ اسی طرح اگر کسی شخص میں نبوت کے کچھ کمالات برائے نام پائے جائیں تو اس سے اس شخص کا منصبِ نبوت پر فائز ہونا لازم نہیں آتا بلکہ اگر کوئی شخص اپنے نبی و رسول ہونے کا دعوی کرے تو وہ مرتد اور اسلام کا باغی سمجھا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! نبوت کا کوئی جز و سوائے اچھے خوابوں کے باقی نہیں۔ گویا نبوت بالکلیہ ختم ہوچکی اور سلسلۂ وحی منقطع ہوگیا، البتہ اجزائے نبوت میں سے ایک جزو مبشرات باقی ہے یعنی جو سچے خواب مسلمان دیکھتے ہیں، یہ بھی نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزو ہے، جس کو دوسری حدیث میں اس طرح ارشاد فرمایا کہ: سچا خواب نبوت کا چھیالیسواں جزو ہے۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

**نستغفرک و نتوب الیک**

تنظیم المدارس، کنزالمدارس، نظام المدارس، وفاق المدارس العربیہ اور دیگر بورڈز
کی کتابیں، داخلہ جات، امتحانی مسائل کے حل، گزشتہ پیپرز، اور دیگر اپڈیٹس حاصل
کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ وزٹ کریں۔

www.ahlesunnatboardspak.com

## Follow Our Social Media Account:

1. **Whatsapp Channel (https://whatsapp.com/channel/0029VaFmkdD0VycHbvDRY70I)**
2. **Youtube (https://youtube.com/@ahlesunnatboards)**
3. **Tiktok (https://www.tiktok.com/@ahlesunnatboardspak)**
4. **Facebook Page (https://www.facebook.com/ahlesunnatboardspak)**

# الورقة الثالثة : فی الفقه(هدایه ثانی)

## الورقة الثالثة فی الفقه(هدایه ثانی)

### السوال الاوّل ۱۴۳۱ھ

**الشق الاوّل** ......وَ اِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِامْرَأَتِهٖ وَ اللّٰهِ لَا اَقْرَبُكِ اَوْ قَالَ وَاللّٰهِ لَا اَقْرَبُكِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ فَهُوَ مُوْلٍ فَاِنْ وَطِيَهَا فِی الْاَرْبَعَةِ الْاَشْهُرِ حَنِثَ فِیْ یَمِیْنِهٖ وَ لَزِمَتْهُ الْكَفَّارَةُ وَسَقَطَ الْاِیْلَاءُ وَ اِنْ لَمْ یَقْرَبْهَا حَتّٰی مَضَتْ اَرْبَعَةُ اَشْهُرٍ بَانَتْ مِنْهُ بِتَطْلِیْقَةٍ۔ (ص ۴۱۱۔ رحمانیہ) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔ ایلاء کی لغوی وشرعی تعریف کریں۔ مدتِ ایلاء پوری ہونے کے بعد تفریقِ قاضی ضروری ہونے کے بارے میں ائمہ کا اختلاف مدلل تحریر کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں چار امور حل طلب ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) ایلاء کی لغوی وشرعی تعریف (۴) مدتِ ایلاء پوری ہونے کے بعد تفریقِ قاضی کے ضروری ہونے میں اختلاف مع الدلائل۔ (اشرف الہدایہ ۵:۵۸)

**جواب** ...... ① عبارت پر اعراب:۔ **كما مرّ فی السوال آنفا۔**

② عبارت کا ترجمہ:۔ اور جب مرد (شوہر) نے اپنی بیوی سے کہا کہ بخدا میں تجھ سے قربت نہیں کروں گا یا کہا بخدا میں تجھ سے چار ماہ قربت نہیں کروں گا تو یہ شخص ایلاء کرنے والا ہو جائے گا پس اگر چار ماہ میں عورت کے ساتھ وطی کر لی تو اپنی قسم میں حانث ہو جائے گا اور اس پر کفارہ لازم ہوگا اور ایلاء ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر اس عورت سے قربت نہیں کی حتی کہ چار ماہ گزر گئے تو وہ اس سے ایک طلاق کے ساتھ بائنہ ہو جائے گی۔

③ ایلاء کی لغوی وشرعی تعریف:۔ ایلاء کا لغوی معنی قسم کھانا ہے اور شریعت کی اصطلاح میں چار ماہ یا اس سے زائد مدت میں اپنی منکوحہ کے پاس نہ جانے کی قسم کھانا ایلاء ہے امام صاحبؒ کے نزدیک اس کی شرط یہ ہے کہ وہ طلاق دینے کا اہل ہو اور صاحبینؒ کے نزدیک شرط یہ ہے کہ وہ وجوب کفارہ کا اہل ہو۔

④ مدتِ ایلاء پوری ہونے کے بعد تفریقِ قاضی کے ضروری ہونے میں اختلاف مع الدلائل:۔ مدتِ ایلاء (یعنی چار ماہ کی مدت مرد نے قریب نہ جانے کی قسم کھانے کے بعد قربان نہیں کیا) گزر گئی تو زوجین کے مابین از خود تفریق واقع ہو کر ایک طلاق بائنہ ہوگی یا قاضی کی تفریق ضروری ہے اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

علماءِ احنافؒ کے نزدیک چار ماہ گزرنے کے بعد یہ عورت ایک طلاق کے ساتھ بائنہ ہو جائے گی اور بینونت کے لئے تفریقِ قاضی ضروری نہیں ہے اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ یہ عورت مدتِ ایلاء گزر جانے کے بعد قاضی کے تفریق کرنے سے بائنہ ہوگی یعنی مدتِ ایلاء (چار ماہ) گزر جانے کے بعد فرقت کا حکم موقوف رہے گا چنانچہ اگر شوہر نے رجوع کرنے اور فرقت کرنے سے انکار کر دیا اور بیوی نے قاضی سے تفریق کا مطالبہ کیا تو قاضی کی تفریق طلاق رجعی ہوگی اور مبسوط میں ہے کہ طلاق بائن ہوگی۔

امام شافعیؒ کی دلیل: یہ ہے کہ شوہر نے چار ماہ یا زائد مدت وطی نہ کرنے کی قسم کھا کر عورت کے حقِ جماع کو روک لیا ہے اور ظاہر ہے کہ اس سے شوہر کا ارادہ عورت کو ضرر پہنچانا اور ضیق میں مبتلا کرنا ہے، پس اضرار کی وجہ سے چونکہ شوہر امساک بالمعروف سے رک گیا ہے، اس لئے قاضی تسریح بالاحسان میں شوہر کے قائم مقام ہو کر دونوں میں تفریق کر دے گا اور قاضی کی یہ تفریق طلاق بائن ہوگی۔ یہ ایسا ہے جیسا کہ شوہر اگر مقطوع الذکر یا عنین ہو تو قاضی شوہر کے قائم مقام ہو کر دونوں میں تفریق کر دیتا ہے اور ان دونوں میں علتِ مشترکہ امساک بالمعروف کا فوت ہونا اور عورت سے ضرر کو دور کرنا ہے۔

احنافؒ کی دلیل: یہ ہے کہ شوہر نے عورت کے حقِ جماع کو روک کر اس پر ظلم کیا ہے۔ پس شریعت نے شوہر کو اس ظلم کا بدلہ اس طرح دیا کہ مدتِ ایلاء گزر جانے کے بعد نعمتِ نکاح کو زائل کر دیا تا کہ عورت متعلقہ ضرر سے چھٹکارا پا سکے۔ اور ظاہر بات ہے کہ طلاقِ رجعی کے ذریعہ سے عورت چھٹکارہ نہیں پا سکتی اس لئے یہ طلاق بائن ہوگی۔ اور یہ مذہب حضرت عثمان، حضرت علی، عبادلہ ثلاثہ

اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے منقول ہے اور ان کا پیشوا ہونا ہمارے لئے کافی ہے۔

نیز زمانہ جاہلیت میں ایلاء طلاقِ بائن علی الفور تھی یعنی ایلاء کے فوراً بعد شوہر دائمی طور پر اپنی بیوی سے وطی نہیں کرسکتا تھا پس شریعت نے اس حکم کو مدتِ ایلاء گزر جانے تک مؤجل ومؤخر کردیا ہے لہٰذا اس حکم میں تاجیل کے علاوہ کوئی تصرف نہیں ہوگا۔ پس جس طرح ایلاء کی وجہ سے زمانۂ جاہلیت میں طلاق بائن واقع ہوتی تھی اسی طرح اس وقت بھی طلاقِ بائن ہوگی البتہ فی الفور نہیں بلکہ علی التراخی ہوگی اور جیسے زمانۂ جاہلیت میں بینونت تفریقِ قاضی پر موقوف نہیں تھی اسی طرح اسلام کے بعد بھی بینونت تفریقِ قاضی پر موقوف نہیں رہے گی۔

**الشق الثانی** ...... وَ اِذَا خَرَجَ اَحَدُ الزَّوْجَيْنِ اِلَيْنَا مِنْ دَارِ الْحَرْبِ مُسْلِمًا وَقَعَتِ الْبَيْنُوْنَةُ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَا تَقَعُ وَلَوْ سُبِيَ اَحَدُ الزَّوْجَيْنِ وَقَعَتِ الْبَيْنُوْنَةُ بَيْنَهُمَا بِغَيْرِ طَلَاقٍ وَ اِنْ سُبِيَا مَعًا لَمْ تَقَعِ الْبَيْنُوْنَةُ وَ قَالَ الشَّافِعِيُّ وَقَعَتْ ۔ (ص ۳۶۶۔رحمانیہ)(اشرف الہدایہ ۴:۱۶۶)

**شكلی العبارة ثم ترجمیها ترجمة رائعة۔ اشرحی صورة المسألة بوضوح ۔ اذكری اختلاف الأئمة مع بيان منشأ اختلافهم و أدلتهم ۔اذا اسلم زوج الكتابية هل يبقى النكاح بينهما أو تقع الفرقة بينهما۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال کا حاصل چھ امور ہیں۔(۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) صورتِ مسئلہ کی تشریح (۴) مسئلہ مذکورہ میں اختلاف کا منشاء (۵) ائمہ کا اختلاف مع دلائل (۶) کتابیہ کے زوج کے مسلمان ہونے پر نکاح یا فرقت کا حکم۔

**جواب** ...... **۱** عبارت پر اعراب:۔ **كما مرّ فی السوال آنفا۔**

**۲** عبارت کا ترجمہ:۔ اور جب زوجین میں سے کوئی ایک مسلمان ہو کر ہماری طرف دار الحرب سے نکل آیا تو ان دونوں کے دریان بینونت واقع ہوگئی اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ (بینونت) واقع نہیں ہوئی اور اگر احد الزوجین کو گرفتار کرلیا گیا تو ان دونوں میں بغیر طلاق کے بینونت واقع ہوجائیگی اور اگر دونوں ایک ساتھ گرفتار کئے گئے تو بینونت واقع نہیں ہوگی اور امام شافعیؒ نے کہا کہ واقع ہوجائیگی۔

**۳** صورتِ مسئلہ کی تشریح:۔ اس عبارت میں تباین فی الزوجین کا مسئلہ مذکور ہے اس کی تین صورتیں ہیں ان میں سے ایک صورت متفق علیہ اور دوصورتیں مختلف فیہ ہیں۔ متفق علیہ صورت یہ ہے کہ احد الزوجین کو دار الحرب سے گرفتار کرکے دار الاسلام میں لے آئے تو اس صورت میں بالاتفاق زوجین کے درمیان بینونت واقع ہوجائے گی امام صاحبؒ کے نزدیک تباینِ دارین اور امام شافعیؒ کے نزدیک سبی وگرفتاری کی وجہ سے بینونت واقع ہوجائے گی۔

پہلی مختلف فیہ صورت یہ ہے کہ اگر احد الزوجین مسلمان ہوکر دار الحرب سے دار الاسلام میں آگیا تو احناف کے نزدیک ان دونوں میں بینونیت واقع ہوجائے گی اور امام شافعیؒ کے نزدیک بینونت واقع نہ ہوگی۔

دوسری مختلف فیہ صورت یہ ہے کہ دونوں زوجین گرفتار کئے گئے اور دار الحرب سے دار الاسلام میں اکٹھے لائے گئے تو اس صورت میں احناف کے نزدیک بینونت واقع نہیں ہوگی۔ لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک بینونت واقع ہوجائے گی۔

**۴** مسئلہ مذکورہ میں اختلاف کا منشاء (سببِ بینونیت):۔ مذکورہ مختلف فیہ صورتوں میں اختلاف کا منشاء بینونت کے وقوع کا سبب ہے؟ ہمارے نزدیک بینونت وجدائی کا سبب زوجین کے درمیان حقیقتاً یا حکماً تباینِ دارین کا ہونا ہے، نہ کہ گرفتاری۔ جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بینونت کا سبب گرفتاری ہے۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ اسی کے قائل ہیں۔

**۵** ائمہ کا اختلاف مع دلائل:۔ جیسا کہ ابھی معلوم ہوا کہ احنافؒ کے نزدیک بینونت کا سبب اختلاف دارین ہے خواہ حقیقتاً ہو یا حکماً جبکہ ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک بینونت کا سبب گرفتاری ہے نہ کہ تباینِ دارین۔

0313 6537 515 maktabazakariyamultan@gmail.com

ائمہ ثلاثہؒ کی دلیل: یہ ہے کہ تباینِ دارین کا اثر یہ ہے کہ اس کی وجہ سے ولایت منقطع ہوجاتی ہے اور انقطاعِ ولایت فرقت میں اثر انداز نہیں ہے جیسے ایک حربی امان لے کر دار الاسلام میں داخل ہوگیا پس تباینِ دارین کی وجہ سے اس حربی مستامن کی ولایت تو منقطع ہوگئی لیکن اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان فرقت واقع نہیں ہوئی۔ اسی طرح کوئی مسلمان امان لے کر دار الحرب میں چلا گیا پس اس کی ولایت تو منقطع ہوگئی لیکن اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان فرقت واقع نہیں ہوئی۔ پس ثابت ہوگیا کہ تباینِ

دارین کو انقطاعِ ولایت میں تو دخل ہے لیکن فرقت میں کوئی دخل نہیں۔

رہا قید ہونا تو وہ قید کرنیوالے کیلئے خالص ہونے کا تقاضا کرتا ہے اور یہ خالص ہونا اسی وقت ممکن ہے جبکہ نکاح منقطع ہو جائے۔

پس معلوم ہوا کہ قید ہونا انقطاعِ ولایت اور فرقت دونوں کا سبب ہے خواہ دونوں ساتھ ساتھ قید ہوں یا الگ الگ قید ہوں۔

احنافؒ کی دلیل یہ ہے کہ تباینِ دارین حقیقتاً اور حکماً انتظام مصالح کے منافی ہے اور جو چیز انتظامِ مصالح کے منافی ہو وہ نکاح کو قطع کر دیتی ہے جیسے محرمیت فی النکاح۔ پس تباینِ دارین نکاح کو قطع کر دے گا۔ حقیقتاً تباینِ دارین یہ ہے کہ ان دونوں میں شخصی تباعد پایا جائے یعنی زوجین میں سے ایک دارالحرب میں ہو اور دوسرا دارالاسلام میں ہو۔ اور تباینِ حکمی یہ ہے کہ جس دار میں داخل ہو وہاں سے واپس ہونے کا ارادہ نہ ہو بلکہ رہنے اور ٹھہرنے کا ارادہ ہو۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ گرفتاری موجب ملک رقبہ ہے اور ملکِ رقبہ ابتداءً و بقاءً نکاح کے منافی نہیں ہے مثلاً ایک آدمی منکوحہ کو خریدے تو مشتری کیلئے ملکِ رقبہ ثابت ہوگی مگر غیر کا نکاح باقی رہے گا اسی طرح برعکس صورت۔ پس گرفتاری خریدنے کی مانند ہے یعنی جس طرح خریدنے سے نکاح فاسد نہیں ہوتا اسی طرح گرفتاری سے بھی عدمِ منافات کی وجہ سے فاسد نہیں ہوگا۔

مستأمن پر قیاس کرنے کا جواب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک مطلقاً تباینِ دارین فرقت کا سبب نہیں ہے بلکہ وہ تباینِ دارین فرقت کا سبب ہے جو حقیقتاً و حکماً دونوں طرح ہو اور حربی مستأمن و مسلم مستأمن میں اگرچہ حقیقتاً تباین ہے مگر حکماً تباین نہیں ہے ان دونوں کا واپس لوٹنے کا ارادہ ہے لہٰذا ان پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

❻ کتابیہ کے زوج کے مسلمان ہونے پر نکاح یا فرقت کا حکم:۔ اگر کتابیہ کا شوہر مسلمان ہو گیا تو وہ دونوں سابقہ نکاح پر باقی رہیں گے۔ کیونکہ مسلمان مرد اور کتابیہ عورت کے درمیان جب ابتداءً نکاح صحیح ہے تو بقاءً بدرجہ اولیٰ نکاح صحیح ہوگا۔ اسلئے کہ بقاء ابتداء سے آسان ہے۔

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۱ھ

**الشق الاوّل** ......**وَاَمَّا الضَّرْبُ الثَّانِیُ وَ هُوَ الْکِنَایَاتُ لَا یَقَعُ بِهَا الطَّلَاقُ اِلَّا بِالنِّیَّةِ أَوْ بِدَلَالَةِ الْحَالِ وَ هِیَ عَلٰی ضَرْبَیْنِ مِنْهَا ثَلَاثَةُ أَلْفَاظٍ یَقَعُ بِهَا طَلَاقٌ رَجْعِیٌّ وَلَا تَقَعُ بِهَا اِلَّا وَاحِدَةٌ وَ هِیَ قَوْلُهٗ اِعْتَدِیْ وَ اسْتَبْرِئِیْ رِحْمَكِ وَ أَنْتِ وَاحِدَةٌ ۔ اَمَّا الْأُوْلٰی فَلِاَنَّهَا تَحْتَمِلُ الْاِعْتِدَادَ عَنِ النِّکَاحِ وَتَحْتَمِلُ اِعْتِدَادَ نِعَمِ اللّٰهِ تعالی فَاِنْ نَوَی الْاَوَّلَ تَعَیَّنَ بِنِیَّتِهٖ فَیَقْتَضِیْ طَلَاقًا سَابِقًا وَالطَّلَاقُ یُعْقِبُ الرَّجْعَةَ۔** (ص۳۸۹۔رحمانیہ)

**شکلی العبارة ثم ترجمیها سلسة لما ذا تحتاج الکنایات الی النیة أو دلالة الحال؟ اشرحی الألفاظ الثلاثة المذکورة ۔ ما هو الضرب الأول المذکور قبل الکنا یات؟** (اشرف الہدایہ ۴:۲۶۰)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل پانچ امور ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) الفاظِ کنایات میں نیت اور دلالۃِ حال کی طرف احتیاج کی وجہ (۴) مذکورہ کنائی الفاظ کی تشریح (۵) کنایات سے قبل قسم اوّل کی نشاندہی۔

**جواب** ...... ❶ عبارت پر اعراب:۔ **کما مرّ فی السوال آنفا۔**

❷ عبارت کا ترجمہ:۔ بہر حال دوسری قسم وہ کنایات ہیں جن کے ذریعہ طلاق نہیں واقع ہوگی مگر نیت یا دلالتِ حال کے ساتھ۔ اور وہ کنایات دو قسم پر ہیں ان میں سے تین الفاظ ایسے ہیں جن سے طلاقِ رجعی واقع ہوگی اور ان سے ایک ہی طلاق واقع ہوگی اور وہ الفاظ اس کا قول **اعتدی، استبرئ رحمك، انت واحدة** ہیں۔ بہر حال پہلا لفظ (**اعتدّی**) تو وہ احتمال رکھتا ہے نکاح سے شمار کرنے کا اور اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے کا، پس اگر اول کی نیت کی تو اس کی نیت سے یہ معنی متعین ہو گئے پس یہ تقاضا کرے گا کہ اس سے پہلے طلاق ہو چکی ہو اور طلاق کے بعد رجعت ہوتی ہے۔

❸ الفاظ کنایات میں نیت اور دلالۃ حال کی طرف احتیاج کی وجہ:۔ الفاظ کنایات میں نیت اور دلالتِ حال کی ضرورت اسلئے ہے کہ یہ الفاظ کنایہ صرف طلاق کیلئے موضوع نہیں ہیں بلکہ طلاق اور غیر طلاق دونوں کا احتمال رکھتے ہیں اور جب ایک لفظ دو معنی کا احتمال رکھتا ہو تو

اس میں مزاحمت ہوگی لہٰذانیت کے ساتھ ایک معنی کو متعین کرنا ضروری ہے یا کم از کم تعیینِ معنی کیلئے دلالت کا پایا جانا ضروری ہے۔

④ مذکورہ تینوں الفاظ کی تشریح:۔ اعتدی: یہ لفظ دو معانی کا احتمال رکھتا ہے ① تو ایامِ عدت کو شمار کر ② ''اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کر۔ پس اگر شوہر نے پہلے معنی کی نیت کی تو اس کی نیت سے پہلا معنی متعین ہو جائے گا اور یہ معنی طلاق کے مقدم ہونے کا تقاضا کرے گا کیونکہ طلاق کے بغیر عدت کو شمار کرنا صحیح نہیں ہے۔ لہٰذا اس سے پہلے طلاق کو مقدر ماننا ضروری ہوگا اور اگر دوسرے معنی کی نیت کی تو اس وقت طلاق نہ ہوگی کیونکہ اس معنی کا طلاق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اِسۡتَبۡـرِئِیۡ رِحۡمَكِ: یہ لفظ بھی دو معنی کا احتمال رکھتا ہے اوّل معنی یہ کہ عدت گزار یہ لفظ کیونکہ عدت گزارنے سے مقصود رحم کو پاک کرنا ہوتا ہے تو گویا اس نے مقصودِ عدت کو صراحۃً ذکر کر دیا ہے۔ لہٰذا اس معنی کے لحاظ سے یہ لفظ اعتدی کے معنی میں ہو جائے گا۔ دوسرا معنی یہ کہ تو حیض سے اپنے رحم کو پاک کرتا کہ تجھے مسنون طریقہ پر طلاق دی جا سکے''۔ اس صورت میں بھی اگر شوہر نے پہلے معنی کی نیت کی تو وہی معنی متعین ہو جائے گا او یہ معنی اعتدی کے معنی اوّل کی طرح طلاقِ سابق کا مقتضی ہوگا۔

انت واحدۃ: اس میں بھی دو معانی کا احتمال ہے اول یہ کہ واحدۃ کو مصدر محذوف کی صفت قرار دیا جائے یعنی تطلیقۃ واحدۃ اور دوسرا معنی یہ کہ شوہر بیوی کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ تو میرے نزدیک زمانہ میں یکتا ہے یا تو میری قوم میں یکتا ہے تجھ جیسی کوئی دوسری عورت نہیں ہے۔ لہٰذا اگر شوہر نے اول معنی کی نیت کی تو گویا اس نے انت تطلیقۃ واحدۃ کہا اور اس کلام سے ایک طلاق رجعی واقع ہو جاتی ہے اور جو کلمہ اس کے معنی میں ہو اس سے بھی ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔ اور اگر ثانی معنی مراد لیا تو طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ اس معنی میں طلاق والا معنی نہیں پایا جاتا۔

⑤ کنایات سے قبل قسم اوّل کی نشاندہی:۔ کنایات سے قبل مصنفؒ نے جس طلاق کا ذکر کیا ہے وہ طلاق کی پہلی قسم صریح طلاق ہے جو نیت اور دلالتِ حال کی محتاج نہیں ہے۔

**الشق الثانی** ......**والمباراۃ کالخلع کلاھما یسقطان کل حق لکل واحد من الزوجین علی الآخر مما یتعلق بالنکاح عند أبی حنیفۃؒ۔** (ص۴۱۶۔رحمانیہ)(اشرف الہدایہ ج۵ص۸۷)

**ما معنی المباراۃ والخلع؟ اشرحی صورۃ المباراۃ۔ اذکر اختلاف الأئمۃ الحنفیۃ فی المباراۃ مع أدلتھم۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) مبارات وخلع کا معنی (۲) مبارات کی صورت (۳) مبارات میں ائمہ کا اختلاف۔

**جواب** ...... ① مبارات وخلع کا معنی:۔ مبارات یہ بَـارَأَ شَـرِیۡکَہٗ سے مشتق ہے بمعنی اپنے ساتھی کو بری کرنا اور شریعت کی اصطلاح میں زوجین میں سے ہر ایک کا اپنے صاحب کو ہر اس حق سے بری کر دینا جو نکاح سے متعلق ہے۔

خلع کا لغوی معنی اتارنا والگ کرنا ہے اور اصطلاح میں مِلکِ نکاح کے ازالہ کو خلع کہتے ہیں جو کہ لفظِ خلع یا اسکے ہم معنیٰ الفاظ کے ذریعے ہو جس کی صحت عورت کے قبول کرنے پر موقوف ہو۔ بالفاظِ دیگر عورت سے لفظِ خلع کے ساتھ ملکِ نکاح کے مقابلہ میں مال لینا۔ خلع کا حکم یہ ہے کہ اسکے ذریعہ طلاقِ بائن واقع ہوتی ہے اور خلع شوہر کی طرف سے یمین اور عورت کی طرف سے معاوضہ ہے۔

② مبارات کی صورت:۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ زوجین میں سے ایک کا دوسرے کو بری کرنا خلع کی مانند ہے۔ یعنی مبارات اور خلع دونوں میں سے ہر ایک ایسا ہے کہ شوہر اور بیوی کو ہر اس حق سے جو نکاح کے متعلق ہے بری کر دیتا ہے مثلاً مہر اور گذشتہ ایام کا نفقہ البتہ خلع اور مبارات میں عدت کا نفقہ اور سکنی ساقط نہیں ہوتا۔ لیکن اگر عورت نے عدت کے نفقہ پر ہی خلع کیا تو نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ البتہ سکنی ساقط نہ ہوگا اسلئے کہ سکنی شریعت کا حق ہے اور شریعت کا حق کسی کے ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتا۔

③ مبارات میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل:۔ امام صاحبؒ کے نزدیک مبارات سے نکاح کے متعلق تمام حقوق ساقط ہو جاتے ہیں اور امام محمدؒ کے نزدیک خلع اور مبارات میں وہی حقوق ساقط ہوتے ہیں جن کو زوجین نے بیان کیا ہے اور جن کو بیان نہیں کیا وہ ساقط نہیں ہوں گے۔ امام ابو یوسفؒ خلع کے مسئلہ میں امام محمدؒ کے ساتھ ہیں اور مبارات کے مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ ہیں۔

امام محمدؒ کی دلیل: خلع اور مبارات میں سے ہر ایک عقدِ معاوضہ ہے اور معاوضات میں وہی چیز معتبر ہوتی ہے جس کو بیان کیا جائے

لہٰذا خلع اور مبارات میں وہی حقوق ساقط ہونگے جن کو زوجین نے بیان کیا ہے اور جن کو بیان نہیں کیا وہ ساقط نہیں ہونگے۔
امام ابو یوسفؒ کی دلیل: مبارات باب مفاعلہ کا مصدر ہے جو کہ براءة سے ماخوذ ہے اور مفاعلہ جانبین سے فعل کا تقاضا کرتا ہے۔
لہٰذا مبارات کا تقاضا یہ ہے کہ زوجین میں سے ہر ایک دوسرے سے بری ہو جائے اور لفظ براءت اگرچہ مطلق ہونے کی وجہ سے ہر حق کو شامل ہے لیکن اس سے مقصود اس جھگڑے کو ختم کرنا ہے جو نکاح کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ اسی لئے براءت کو ان حقوق کے ساتھ مقید کیا جائے گا جو نکاح سے ثابت ہوئے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل: یہ ہے کہ خلع کا معنی جدا کرنا اور الگ کرنا ہے۔ اسی سے خَلَعَ النَّعْلَ (پاؤں سے جوتے الگ کرنا) اور خَلَعَ الْعَمَلَ (کام کرنے والے کا کام سے الگ ہو جانا) آتے ہیں پس معلوم ہوا کہ خلع بھی مبارات کی طرح مطلق ہے۔ لہٰذا نکاح اور اس کے احکام وحقوق میں دونوں کے اطلاق پر عمل کیا جائے گا یعنی خلع اور مبارات کے ذریعے تمام احکام نکاح اور حقوقِ نکاح ساقط ہو جائیں گے خواہ زوجین نے ان کو بیان کیا ہو یا نہ بیان کیا ہو۔

## ﴿السوال الثالث﴾ ١٤٣١ھ

**الشق الاوّل** ...... ومن مسته امرأة بشهوة حرمت عليه امّها وابنتها وقال الشافعي لا تحرم وعلى هذا الخلاف مسّه امرأة بشهوة ونظره الى فرجها ونظرها الى ذكره عن شهوة ۔ له ان المس والنظر ليسا في معنى الدخول ولهذا لا يتعلق بهما فساد الصوم والاحرام و وجوب الاغتسال فلا يلحقان به ۔ ولنا ان المس والنظر سبب داعٍ الى الوطى فيقام مقامه في موضع الاحتياط۔ (ص۳۲۹۔ رحمانیہ)

ترجم العبارة بحيث يتضح المفهوم ۔ قبل هذه العبارة ذكر الخلاف في حرمة المصاهرة بالزنا ما هو ذلك الخلاف ، وما هو الفرق بين الخلاف المذكور في هذه العبارة وتلك المسئلة ، ام لا فرق بينهما؟ عليك بايضاح دليل الشافعي و دليل السادات الحنفية في العبارة المذكورة ۔ (اشرف الہدایہ ج۴ ص۳۱)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) زنا کے ذریعہ حرمتِ مصاہرہ کے ثبوت میں اختلاف کی وضاحت (۳) حرمتِ مصاہرت بالزنا اور مسئلۂ متن میں فرق (۴) عبارت میں مذکور دلائل کی وضاحت۔

**جواب** ...... ① عبارت کا ترجمہ:۔ وہ شخص جس کو کسی عورت نے مَس کیا شہوت کے ساتھ تو اِس مرد پر اس عورت کی ماں اور بیٹی حرام ہو گئیں اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ حرام نہیں ہوئی، اور اسی اختلاف پر مرد کا شہوت کے ساتھ عورت کو مَس کرنا ہے اور مرد کا عورت کی شرمگاہ کی طرف دیکھنا اور عورت کا مرد کی شرمگاہ کی طرف شہوت کے ساتھ دیکھنا۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ مَس اور نظر دخول کے حکم میں نہیں ہیں، اسی وجہ سے ان دونوں کے ساتھ فسادِ صوم، فسادِ احرام اور وجوبِ غسل متعلق نہیں ہوگا لہٰذا دونوں دخول کیساتھ لاحق نہیں ہونگے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مَس اور نظر ایسا سبب ہے جو دواعی الی الوطی ہے۔ پس احتیاط کے موقع میں اسے وطی کے قائمقام کیا جائیگا۔

② زنا کے ذریعہ حرمتِ مصاہرہ کے ثبوت میں اختلاف کی وضاحت:۔ زنا سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟
احناف کا مذہب یہ ہے کہ زنا سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے چنانچہ زانی پر مزنیہ کے اصول اور فروع حرام ہو جائیں گے اور مزنیہ پر زانی کے اصول اور فروع، اصول سے ماں دادی نانی وغیرہ مراد ہے اور فروع سے بیٹی پوتی، نواسی وغیرہ مراد ہے۔
شوافع کا مذہب یہ ہے کہ زنا سے حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوتی چنانچہ ان کے نزدیک زانی کے اصول اور فروع مزنیہ کے لئے حلال ہوں گے اور مزنیہ کے اصول اور فروع زانی کے لئے حلال ہوں گے۔
امام شافعیؒ کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ زنا فعلِ حرام اور معصیت ہے اور مصاہرت یعنی دامادی کا رشتہ ایک نعمت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بیانِ احسانات کے موقع پر مصاہرت کا ذکر فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہے **وهو الذى خلق من الماء بشرًا فجعله نسبًا وصهرا** (یعنی اللہ وہ ہے جس نے پانی سے آدمی کو پیدا کیا پھر اس کو نسب والا اور دامادی کے رشتہ والا بنایا)۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ فعلِ حرام کسی نعمت کے حصول کا سبب نہیں ہو سکتا، لہٰذا زنا سے حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوگی۔
ہماری دلیل یہ ہے کہ استحقاقِ حرمات میں ولد اصل ہے یعنی ولد پر واطی وموطوءہ کے اصول وفروع حرام ہو جاتے ہیں پھر یہ

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

حرمت ولد سے طرفین یعنی خود واطی اور موطوءہ کی طرف متعدی ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں واطی وموطوءہ پر بھی ایک دوسرے کے اصول وفروع حرام ہوجاتے ہیں اس لئے کہ ولد نے واطی وموطوءہ کے درمیان اتحاد وجزئیت پیدا کردی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ولدِ واحد کو مکمل طور پر مرد وعورت دونوں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، چنانچہ ایک ہی بچہ کو فلاں مرد (واطی) کا بیٹا بھی کہا جاتا ہے اور فلاں عورت (موطوءہ) کا بیٹا بھی کہا جاتا ہے، پس اس ولد کی وجہ سے واطی اور موطوءہ دونوں ایک دوسرے کا جزو ہوئے اور اپنے جزء سے استمتاع حرام ہے، اس لئے واطی وموطوءہ دونوں پر ایک دوسرے کے اصول وفروع حرام ہوں گے اور یہ جزئیت زنا ونکاح دونوں سے ثابت ہوتی ہے، اس لئے زنا سے بھی حرمتِ مصاہرت ثابت ہوجائے گی۔

باقی اشکال (بچہ پیدا ہونے کے بعد خود موطوءہ بھی واطی کیلئے جزئیت کی وجہ سے حلال نہیں رہنی چاہیے) کا جواب یہ ہے کہ استمتاع بالجز حرام ہے مگر یہاں ضرورۃً دفعِ حرج کیلئے اجازت دی گئی ہے تاکہ مقصدِ نکاح (توالد وتناسل) فوت نہ ہو۔

امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب: یہاں وطی زنا ہونے کی حیثیت سے حرمتِ مصاہرت کا سبب نہیں ہے بلکہ وطی سببِ ولد ہونے کی وجہ سے ولد کے قائمقام ہے تو درحقیقت ولد حرمتِ مصاہرت کا سبب ہے اور ولد میں کوئی معصیت وقصور نہیں ہے بلکہ قصور زانی اور زانیہ کا ہے۔

③ حرمتِ مصاہرت بالزنا اور مسئلہ متن میں فرق:۔ یہ اختلاف مسِ حلال میں ہے مسِ حرام میں نہیں کیونکہ جب امام شافعیؒ کے نزدیک وطیِ حرام سے حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوتی تو محض مسِ حرام سے بطریقِ اولیٰ حرمت ثابت نہیں ہوگی لہٰذا یہ اختلاف مسِ حلال میں ہے جبکہ گزشتہ مسئلہ میں اختلاف وطیِ حزام (مسِ حرام) میں تھا۔

④ عبارت میں مذکور دلائل کی وضاحت:۔ اگر کسی عورت نے شہوت کے ساتھ مرد کو مَس کیا یا اس کی شرمگاہ کی طرف دیکھا یا اس کے برعکس مرد نے عورت کو شہوت کے ساتھ مَس کیا یا اس کی شرمگاہ کو دیکھا تو حنفیہ کے نزدیک اس سے بھی حرمتِ مصاہرت ثابت ہوجائے گی اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے بھی حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوگی۔

امام شافعیؒ کی دلیل: یہ ہے کہ مَس اور نظر دخول کے حکم میں نہیں ہیں کیونکہ دخول والے احکام ان کے ساتھ متعلق نہیں ہوتے مثلاً روزہ کی حالت میں دخول مفسدِ صوم ہے، احرام کی حالت میں دخول مفسدِ احرام ہے اور اس سے غسل بھی لازم ہے جبکہ مَس اور نظر سے نہ روزہ واحرام فاسد ہوتے ہیں اور نہ غسل لازم ہوتا ہے، لہٰذا مَس ونظر کو دخول کے ساتھ لاحق نہیں کیا جائے گا۔

حنفیہ کہ پہلی دلیل: مَس ونظر ایسے سبب ہیں جو داعی الی الوطی ہیں، پس ہم نے احتیاطاً داعی الی الوطی کو وطی کے قائمقام قرار دے کر اس پر وطی کا حکم لگا دیا۔ دوسری دلیل: (یہ دلیل عبارت میں نہیں ہے) حضرت ام ہانی ؓ کی حدیث ہے **عن رسول اللہ ﷺ من نظر الی فرج امرأۃ حرمت علیہ امھا وبنتھا۔**

تیسری دلیل: حدیثِ ابنِ عمر ؓ ہے **انہ قال اذا جامع الرجل المرأۃ قبلھا او لمسھا بشھوۃ او نظر الی فرجھا بشھوۃ حرمت علی ابیہ وابنہ و حرمت علیہ امھا وابنتھا۔**

امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ اگر مَس ونظر سے فسادِ صوم واحرام وغیرہ احکام ثابت ہوجاتے تو مَس ونظر بھی حقیقی وطی ہوتے حالانکہ یہ حقیقۃً وطی نہیں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ مَس ونظر شہوت سے بھی حرمتِ مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے۔

**الشق الثانی** ......**وَلَوْ حَلَفَ لَايَأْتَدِمُ فَكُلُّ شَيْءٍ اُصْطُبِغَ بِهٖ اِدَامٌ وَالشِّوَاءُ لَيْسَ بِاِدَامٍ وَ الْمِلْحُ اِدَامٌ وَ هٰذَا عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ وَ اَبِي يُوسُفَ وَ قَالَ مُحَمَّدٌ كُلُّ مَا يُؤْكَلُ مَعَ الْخُبْزِ غَالِبًا فَهُوَ اِدَامٌ۔** (ص۴۸۶۔ رحمانیہ)

**شکل العبارۃ ثم ترجمھا ترجمۃ سلسۃ ۔ اشرح العبارۃ حسب بیان صاحب الھدایۃ ۔ ما ھو المعتبر فی الفاظ الیمین ، العرف او اللغۃ۔** (اشرف الہدایہ ج۶ ص۸۹)

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) عبارت کی تشریح (۴) الفاظِ یمین میں عرف یا لغت کے معتبر ہونے کی وضاحت۔

**جواب** ...... ① عبارت پر اعراب:۔ **کما مرّ فی السوال آنفا۔**

② عبارت کا ترجمہ:۔ اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ وہ سالن استعمال نہیں کرے گا۔ تو ہر وہ چیز جو پکائی جائے گی سالن ہے اور بھونا سالن شمار نہ ہوگا۔ اور نمک بھی سالن ہے۔ یہ مسئلہ تو شیخینؒ کے نزدیک ہے اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو عموماً روٹی کے ساتھ استعمال کی جاتی ہے وہ سالن ہے۔

③ عبارت کی تشریح:۔ مسئلہ کی وضاحت یہ ہے کہ اگر حالف نے مطلق سالن نہ کھانے کی قسم کھائی تو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہر اس چیز کے کھانے سے حانث ہو جائے گا جو عرفِ عام میں بطور سالن کے کھائی جاتی ہے۔ چنانچہ ہر وہ شئی جس سے روٹی کو رنگا گیا ہو وہ ادام ہے چونکہ بھونے ہوئے گوشت میں یہ بات حاصل نہیں ہوتی لیکن نمک سے حاصل ہوتی ہے اس لئے بھونا ہوا گوشت وغیرہ ادام نہ ہوگا اور نمک ادام ہوگا۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہر وہ شیئ جو عموماً روٹی کے ساتھ کھائی جاتی ہے وہ ادام کے زمرے میں داخل ہے چنانچہ مطلقاً روٹی کے ساتھ کھائی جانے والی چیز ادام ہے۔ امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت اور امام شافعی و امام احمد کا بھی یہی قول ہے۔

امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ لفظ **ادام** مداومت سے ماخوذ ہے اور مداومت کا معنی **موافقت** ہے اور جو چیز روٹی کے ساتھ کھائی جانے والی ہو اس چیز پر **ادام** کا حکم لگایا جائے گا جس طرح گوشت، انڈا اور اس طرح کی دیگر اشیاء روٹی کے ساتھ کھائی جانے کی وجہ سے روٹی کے موافق ہوتی ہیں۔ لہٰذا مطلق ادام کی قسم کھانے والا ان اشیاء کے کھانے سے حانث ہو جائیگا۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ عرفِ عام میں **ادام** اس چیز کو کہا جاتا ہے جو بالتبع روٹی کے ساتھ کھائی جائے بالتبع کھانے کی دو صورتیں یا دو حکم ہیں ① تبع حقیقی ② تبع حکمی۔ تبع حقیقی میں روٹی کے ساتھ ملانا یہ ہے کہ "ادام" اُسی کے ساتھ پایا جائے اور تبع حکمی کی صورت یہ ہے کہ عام طور پر **ادام** اس کے بغیر تنہا نہ کھایا جائے۔

④ الفاظِ یمین میں عرف یا لغت کے معتبر ہونے کی وضاحت:۔ الفاظِ یمین میں لغت کی بجائے عرف کا اعتبار ہے لہٰذا جس علاقہ اور شہر میں کوئی کلمہ یمین کی غرض سے بولا جاتا ہے لیکن دوسرے علاقہ میں یمین کے طور پر استعمال نہیں ہوتا یا لغت کے اعتبار سے ایک کلمہ یمین نہیں لیکن عرف میں یمین کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے تو وہ اس کلمہ کے بولنے سے حالف سمجھا جائے گا۔

## ﴿الورقة الثالثة فی الفقه﴾

## ﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۲ھ

**الشق الاوّل** ...... **و من زوّج أمته ثم قتلها قبل أن يدخل بها زوجها فلا مهرلها۔** (ص ۳۶۱۔رحمانیہ)

**اشرح صورة المسئلة واذكر اختلاف الائمة مستوفيا لأدلتهم۔ ان قتلت حرة نفسها فما هي صورة المسئلة؟**

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں (۱) صورتِ مسئلہ کی تشریح (۲) ائمہ کا اختلاف مع الدلائل (۳) آزاد منکوحہ کی خودکشی کی صورتِ مسئلہ۔ (اشرف الہدایہ ج۴ ص ۱۴۳)

**جواب** ...... ① صورتِ مسئلہ کی تشریح:۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ کسی شخص نے اپنی باندی کا کسی سے نکاح کر دیا پھر مولیٰ نے اس باندی کو زوج کے دخول سے پہلے قتل کر دیا تو اس صورت میں شوہر پر مہر واجب نہیں ہوگا۔

② ائمہ کا اختلاف مع الدلائل:۔ اس مذکورہ مسئلہ میں امام صاحب اور صاحبینؒ کا اختلاف ہے۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ صورت میں باندی کیلئے شوہر پر مہر واجب نہیں ہوگا اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ شوہر پر اسکے مولیٰ کیلئے مہر واجب ہوگا۔

صاحبینؒ کی دلیل: اس کو طبعی موت پر قیاس کرنا ہے یعنی یہ باندی قبل الدخول طبعی موت مرجاتی تو بالاتفاق شوہر پر مہر واجب ہوتا لہٰذا اس صورت میں بھی شوہر پر مہر واجب ہوگا اور اس قیاس کی علت یہ ہے کہ جس شخص کو قتل کیا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنے مقررہ وقت پر مرا ہے نیز مولیٰ کا اپنی باندی کو قتل کرنا ایسے ہے جیسے کسی اجنبی نے باندی کو قتل کر دیا ہو اور اجنبی کے قتل سے بالاتفاق شوہر پر مہر لازم ہے اسی طرح یہاں پر مولیٰ کے قتل کرنے سے بھی مہر لازم ہوگا۔

امام صاحبؒ کی دلیل: مولیٰ نے باندی کو قتل کر کے مبدل (منافعِ بضع) کو سپرد کرنے سے روک لیا چنانچہ بدل یعنی مہر کو روک

کر مولیٰ کو بدلہ دیا جائے گا۔ اور یہ ایسے ہی جیسے کسی آزاد عورت نے مرتدہ ہو کر مبدل یعنی بضع کو روک لیا تو اس مرتدہ کو بدل یعنی مہر روک کر بدلہ دیا جائے گا، اسی طرح یہاں بھی مولیٰ کو بدل یعنی مہر روک کر بدلہ دیا جائے گا۔

صاحبین کی دلیل کا جواب: قتل اگرچہ مقررہ وقت پر موت ہے لیکن احکام دنیا میں قتل کو تلف کرنا قرار دیا گیا ہے چنانچہ قتلِ عمد میں قصاص اور خطا میں دیت لازم ہوتی ہے پس جس طرح قتل کو قصاص و دیت کے حق میں اتلاف قرار دیا گیا ہے اسی طرح مہر کے حق میں بھی اتلاف قرار دیا گیا ہے گویا کہ مولیٰ نے مفقود علیہ کو سپرد کرنے سے پہلے تلف کر دیا لہٰذا اس کا بدل یعنی مہر بھی ساقط ہو جائیگا۔

③ آزاد منکوحہ کی خودکشی کی صورت مسئلہ:۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ آزاد عورت نے اپنے آپ کو قبل الدخول قتل کر ڈالا یعنی خودکشی کر لی تو حنفیہ کے نزدیک اس عورت کے لئے شوہر پر مہر واجب ہوگا لیکن امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ عورت کیلئے شوہر پر مہر واجب نہ ہوگا جیسے مرتدہ ہونے میں مہر ساقط ہو جاتا ہے اسی طرح خودکشی کی وجہ سے بھی مہر ساقط ہو جائے گا۔

**الشق الثانی** ...... **وَلَوْ قَالَ لَهَا طَلِّقِيْ نَفْسَكِ ثَلٰثًا فَطَلَّقَتْ وَاحِدَةً فَهِيَ وَاحِدَةٌ وَلَوْ قَالَ لَهَا طَلِّقِيْ نَفْسَكِ وَاحِدَةً فَطَلَّقَتْ نَفْسَهَا ثَلٰثًا لَمْ يَقَعْ شَيْءٌ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَ قَالَا يَقَعُ وَاحِدَةٌ**

**شکلی العبارة و اشرحی صورة المسئلة ۔ اذکری اختلاف الائمة و أدلتهم ۔ هل یصح ایجاب الطلاق اکثر من الثلاث۔** (ص ۳۹۵۔رحمانیہ)(اشرف الہدایہ ۴:۲۸۷)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حاصل چار امور ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) صورتِ مسئلہ کی تشریح (۳) ائمہ کا اختلاف مع الدلائل (۴) تین سے زائد طلاق کے ایجاب کے صحیح ہونے کی وضاحت۔

**جواب** ...... ① عبارت پر اعراب:۔ **کما مرّ فی السوال آنفا۔**

② صورتِ مسئلہ کی تشریح:۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ شوہر نے اپنی بیوی کو تین طلاق دینے کا اختیار دیا مثلاً کہا **طلقی نفسک ثلاثا** اور بیوی نے اپنے اوپر ایک طلاق واقع کرتے ہوئے **طلقت نفسی واحدة** کہا تو یہ ایک طلاق واقع ہو جائیگی اور اگر شوہر نے اپنی بیوی کو ایک طلاق کا اختیار دیا مثلاً یہ کہا **طلقی نفسک واحدة** اور اس عورت نے اپنے نفس کو تین طلاقیں دیدیں تو امام صاحبؒ کے نزدیک کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی اور صاحبینؒ کے نزدیک ایک طلاق واقع ہوگی۔

③ ائمہ کا اختلاف مع الدلائل:۔ اگر شوہر نے اپنی بیوی کو ایک طلاق واقع کرنے کا اختیار دیا لیکن عورت نے اختیار سے تجاوز کرتے ہوئے تین کو اختیار کر لیا تو اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام صاحبؒ کے نزدیک اس صورت میں کوئی طلاق واقع نہ ہوگی اور یہی مذہب امام زفرؒ اور امام مالکؒ کا ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک ایک طلاق واقع ہوگی اور اسی کے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ بھی قائل ہیں۔

صاحبینؒ کی دلیل: شوہر نے عورت کو جس کا مالک بنایا تھا عورت نے اس کو اور اس سے زائد کو واقع کیا ہے، چنانچہ جس کا مالک بنایا وہ تو واقع ہو جائیگی اور باقی جس کا مالک نہیں بنایا وہ لغو ہو جائیں گی۔ یہ ایسے ہو گیا جیسے شوہر نے اپنی بیوی کو بذاتِ خود ایک ہزار طلاقیں دیں تو تین طلاقیں جن کا وہ شرعاً مالک ہے وہ واقع ہو جائیں گی اور باقی جن کا وہ مالک نہیں ہے وہ لغو ہونگی۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: یہ ہے کہ عورت نے وہ کام کیا ہے جو کہ خاوند نے اسکے سپرد ہی نہیں کیا اور جس کو سپرد کیا وہ اس نے کیا نہیں ہے کیونکہ شوہر نے عورت کو ایک طلاق کا مالک بنایا تھا اور عورت نے تین طلاقیں دی ہیں اور تین ایک کا غیر ہے اسلئے کہ تین عدد مرکب مجتمع کا نام ہے اور واحد فرد ہے اس میں ترکیب نہیں لہٰذا ایک اور تین کے درمیان تضاد ہوا اس وجہ سے کہ ایک غیر مرکب ہے اور تین مرکب ہے اور تین عدد ہے اور ایک غیر عدد۔ پس جب عورت نے سپرد کی ہوئی طلاق کا غیر اپنے اوپر واقع کیا تو وہ از سرِ نو طلاق دینے والی ہوئی اور عورت جب ابتداءً اپنے اوپر طلاق واقع کرتی ہے تو وہ طلاق واقع نہیں ہوتی۔

④ تین سے زائد طلاق کے ایجاب کے صحیح ہونے کی وضاحت:۔ اگر شوہر اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دینا چاہے تو دے سکتا ہے البتہ ان میں سے صرف تین واقع ہوں گی کیونکہ شوہر مالک ہونے کی حیثیت سے طلاق کا تکلم کرتا ہے۔ پس وہ جتنا مرضی تکلم کرے مگر نافذ بقدرِ محل ہوں گی اور محل چونکہ صرف تین کا ہے اسلئے تین نافذ ہوں گی باقی لغو جائیں گی۔ اسی کے ضمن میں صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل کا

جواب بھی ہوگیا ہے۔

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۲ھ

**الشق الاول** ......وَ مَنْ وَ جَبَتْ عَلَيْهِ كَفَّارَتَا ظِهَارٍ فَاَعْتَقَ رَقَبَتَيْنِ لَايَنْوِىْ اَحَدُهُمَا جَازَ عَنْهُمَا وَ كَذَا اِذَا صَامَ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ اَوْ اَطْعَمَ مِائَةً وَّ عِشْرِيْنَ مِسْكِيْنًا جَازَ وَ اِنْ اَعْتَقَ عَنْهُمَا رَقَبَةً وَاحِدَةً اَوْ صَامَ شَهْرَيْنِ كَانَ لَهٗ اَنْ يَجْعَلَ ذَالِكَ عَنْ اَيِّهِمَا شَاءَ وَ اِنْ اَعْتَقَ عَنْ ظِهَارٍ وَ قَتْلٍ لَمْ يُجْزِئْ عَنْ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا (ص۴۲۲۔رحمانیہ)

**شکل العبارة ثم اشرح صورة المسئلتين اذكر اختلاف الائمة بأدلتهم بوضوح تام۔**(اشرف الہدایہ ۵:۱۱۹)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) صورتِ مسئلہ کی تشریح (۳) ائمہ کا اختلاف مع الدلائل۔

**جواب** ...... ① عبارت پر اعراب:۔ **کما مرّ فی السوال آنفا۔**

② صورتِ مسئلہ کی تشریح:۔ اس عبارت میں دو مسئلے ذکر کئے گئے ہیں۔ اوّل مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص پر ظہار کے دو کفارے لازم ہیں تو اس نے دو غلام آزاد کردیئے ان دونوں میں سے ایک کو متعین کرنے کی نیت نہیں کی تو یہ کفارہ دونوں کی طرف سے جائز ہوگا۔ اور اسی طرح جب چار ماہ کے روزے رکھے اور دو ماہ کو متعین نہیں کیا یا ایک سو بیس مسکینوں کو کھانا کھلایا تو ان تمام صورتوں میں دونوں کی طرف سے یہ کفارہ جائز ہے۔

دوسرے مسئلہ کی دو صورتیں ہیں: ایک صورت یہ ہے کہ ایک شخص پر ظہار کے دو کفارے واجب ہیں، اس نے دونوں کی طرف سے ایک غلام آزاد کیا یا دو ماہ کے پے درپے روزے رکھے تو اس شخص کو یہ اختیار حاصل ہے کہ دونوں کفاروں میں سے جس ایک کی طرف سے چاہے مقرر کردے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص پر ایک کفارۂ ظہار واجب تھا اور ایک کفارۂ قتل واجب تھا پھر اس شخص نے ایک غلام آزاد کیا یا دو ماہ لگاتار روزے رکھے تو اس صورت میں دونوں کفاروں میں سے کوئی بھی ادا نہیں ہوگا۔

③ ائمہ کا اختلاف مع الدلائل:۔ دوسرے مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے، احنافؒ کے نزدیک اول صورت (ظہار کے دو کفارے واجب تھے) میں ایک کفارہ ادا ہوجائے گا۔ اور ثانی صورت (کفارۂ ظہار اور کفارۂ قتل واجب تھا) میں ایک غلام آزاد کرنے سے کسی کی طرف سے بھی ادا نہ ہوگا۔ جبکہ امام زفرؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں کسی ایک سے بھی کفارہ ادا نہ ہوگا اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں اس کو اختیار ہے جس کے لئے چاہے کفارہ قرار دے دے۔

امام شافعیؒ کی دلیل: یہ ہے کہ تمام کفارات مقصود (ستر اور گناہ کے اثر کو زائل کرنا) کے متحد ہونے کے اعتبار سے ایک جنس ہیں اور جنس واحد میں نیت غیر مفید ہے اس وجہ سے اصل کفارہ کی نیت باقی رہی اور اگر یہ شخص اصل کفارہ کی نیت کرتا تو اسکو ان دونوں کفاروں میں سے ایک کیلئے مقرر کرنے کا اختیار ہوتا پس اسی طرح یہاں بھی دونوں کفاروں میں سے جس ایک کیلئے چاہے مقرر کردے۔

امام زفرؒ کی دلیل: یہ ہے کہ اس شخص نے صورت اوّل میں ہر ایک کفارۂ ظہار کے لئے اور اسی طرح ثانی صورت میں کفارۂ ظہار اور کفارۂ قتل میں سے ہر ایک کے لئے نصف نصف غلام آزاد کیا ہے اور کفارہ میں آدھا غلام آزاد کرنے سے کفارہ ادا نہیں ہوتا۔ اب یہ آزاد کرنا تبرع شمار ہوگا۔ چونکہ دونوں کفاروں کی طرف سے آزاد کرنے کے بعد اس کے ہاتھ سے معاملہ بھی نکل گیا اس وجہ سے اس کو کسی ایک کے واسطے مقرر کرنے کا بھی اختیار نہ ہوگا۔

0313 6357913 maktabazakariyaultan@gmail.com

احنافؒ کی دلیل: یہ ہے کہ دو کفارے جنسِ واحد میں ہیں تو متعین کرنے کی نیت کرنا غیر مفید ہے لہٰذا اوّل صورت میں دونوں کفاروں کی نیت سے غلام آزاد کرنے کی نیت لغو ہوگی اور جب نیت لغو ہوگئی تو ایسا ہوگیا گویا کہ اس نے ظہار کے دو کفاروں میں ایک غلام آزاد کرنے میں دونوں کی نیت نہیں کی تو اسے اختیار ہے کہ وہ دونوں ظہار میں سے جسکی طرف چاہے پھیر دے پس ایسے ہی یہاں پہلی صورت میں ہے۔ اور اگر دو کفارے مختلف الاجناس ہیں تو ان میں متعین کرنے کی نیت مفید ہوتی ہے لہٰذا جب اس شخص نے کفارۂ قتل اور کفارۂ ظہار میں بالارادہ ایک غلام آزاد کیا تو یہ غلام کسی ایک کی طرف سے آزاد نہیں ہوگا بلکہ دونوں کی طرف سے ہوگا

اور کامل نہ ہونے کی وجہ سے کفارہ ادا نہ ہوگا۔ پس دوسری صورت میں مختلف الجنس کفارے ہیں تو نیت درست ہوگی۔
رہی یہ بات کہ قتل اور ظہار دونوں کا حکم ایک ہے یعنی کفارہ بالاعتاق، پس جب دونوں کا حکم ایک ہے تو مختلف الاجناس کیسے ہوئے؟ تو جواب یہ ہے کہ حکم یعنی کفارے میں جنس کا مختلف ہونا سبب کے اختلاف کی وجہ سے ہے اسلئے کہ قتل یقیناً ظہار سے مختلف ہے اور اختلافِ سبب حکم میں اختلاف پر دلالت کرتا ہے کیونکہ حکم ملزوم ہے اور سبب لازم ہے اور اختلاف لوازم سے ملزومات کے اختلاف پر دلالت ہوتی ہے۔

**الشق الثانی** ......قال و علی المبتوتة والمتوفی عنها زوجها اذا كانت بالغة مسلمة الحداد (ص۴۳۲۔رحمانیہ)

**ما هو معنى الحداد؟ اذكر اختلاف الائمة فی مسئلة الحداد و ادلتهم. هل یجوز الحداد فیما سوی المبتوتة والمتوفی عنها زوجها؟** (اشرف الہدایہ ج۵ص۱۶۳)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) حداد کا معنی (۲) مسئلۂ حداد میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل (۳) مبتوتہ اور متوفیٰ عنہا زوجہا کے علاوہ کیلئے حداد کا حکم۔

**جواب** ...... ① حداد کا معنی:۔ حداد و احداد کا لغوی معنی سوگ ہے اور فقہاء کی اصطلاح میں حداد یا احداد کا معنی عورت کا سوگ منانا یعنی عورت خوشبو، زینت، سرمہ اور تیل خواہ خوشبودار ہو یا غیر خوشبودار ہو سب کو چھوڑ دے۔

② مسئلۂ حداد میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل:۔ متوفی عنہا زوجہا کے چار ماہ دس دن تک سوگ کرنے میں اتفاق ہے البتہ مبتوتہ (یعنی وہ عورت جس سے حقِ رجعت منقطع ہوگیا ہو خواہ تین طلاقوں کی وجہ سے یا ایک طلاق بائنہ کے واقع ہونے سے یا اس عورت کے خلع کرنے کی وجہ سے وہ اگر مسلمان اور بالغہ ہے تو اس پر سوگ کرنا احناف کے نزدیک واجب ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس پر سوگ کرنا واجب نہیں ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل: سوگ ایسے شوہر کے فوت ہونے پر افسوس ظاہر کرنے کیلئے ہوتا ہے جس نے اپنی موت تک اپنی بیوی سے اپنا معاہدہ پورا کیا ہو اور مبتوتہ میں اسکے شوہر نے اس کو بائنہ کرنے کی وجہ سے وحشت میں مبتلا کر دیا ہے چونکہ مبتوتہ کے خاوند نے یہ معاہدہ پورا نہیں کیا اسلئے اسکے فوت (علیحدہ) ہونے پر کوئی افسوس نہیں ہوگا لہٰذا اس کا اظہار بطورِ احداد لازم نہیں ہے۔

احنافؒ کی دلیل: آپ ﷺ نے معتدہ عورت کو رنگِ حنا استعمال کرنے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ حنا خوشبو ہے۔ اس حدیث میں معتدۂ وفات اور معتدۂ غیرِ وفات کی کوئی تفصیل نہیں ہے۔

عقلی دلیل: یہ ہے کہ حداد اس نکاح کی نعمت کے فوت ہونے پر اظہارِ افسوس کیلئے ہے جو نکاح عورت کی حفاظت اور ضروریات کی کفایت کا سبب ہے۔ اور بینونت کا واقع ہونا عورت کے اس حق کو شوہر کی موت سے زیادہ قطع کرنے والا ہے کیونکہ نکاح کا حکم وفات کے بعد عدت گزرنے تک باقی رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ عورت اپنے مرد کو غسلِ موت دے سکتی ہے مگر بائنہ کرنے کے بعد اگر شوہر مرا تو غسل نہیں دے سکتی۔ تو جب مبتوتہ اور متوفیٰ عنہا زوجہا دونوں نعمت کے زائل ہونے میں مساوی ہیں تو افسوس کے اظہار میں بھی مساوی ہونی چاہئیں لہٰذا جب متوفی عنہا زوجہا پر حداد لازم ہے تو مبتوتہ پر بھی حداد واجب ہونا چاہئے۔

③ مبتوتہ اور متوفیٰ عنہا زوجہا کے علاوہ میں حداد کا حکم:۔ مبتوتہ اور متوفیٰ عنہا زوجہا جب مسلمہ اور بالغہ ہوں تو ان پر حداد واجب ہے اور ان کے علاوہ پر حداد نہیں ہے لہٰذا کافرہ، صغیرہ، باندی اور ام ولد جب عدت میں ہو یا عورت نکاحِ فاسد کی عدت میں ہو تو حداد نہیں اس لئے کہ کافرہ احکام کی مخاطبہ نہیں ہے اور صغیرہ احکام کی مکلّف نہیں ہے اسی طرح باندی پر بھی حداد واجب نہیں اس لئے کہ باندی اللہ تعالیٰ کے ان حقوق کی مخاطبہ ہے جن کی وجہ سے مولیٰ کا حق باطل نہیں ہوتا۔ امِ ولد اور نکاحِ فاسد والی عورت پر نعمت نکاح فوت نہ ہونے کی وجہ سے حداد واجب نہیں ہے۔

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۲ھ

**الشق الاوّل** ......و من حلف لیصعدنّ السماء او لیقلبنّ هذا الحجر ذهبا انعقدت یمینه وحنث عقیبها.

**اشرح صورة المسئلة بوضوح اذكر اختلاف الائمة بادلتهم ما الفرق بین هذه المسئلة و مسئلة**

0313 6307313 maktabazakariyamultan@gmail.com

**الکوزفی قول القائل "ان لم اشرب الماء الذی فی هذا الکوز الیوم و لیس فی الکوز ماء"؟**

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) صورتِ مسئلہ کی تشریح (۲) ائمہ کا اختلاف مع الدلائل (۳) مذکورہ مسئلہ اور مسئلہ الکوز میں فرق کی وجہ۔ (ص ۴۸۷۔رحمانیہ) (اشرف الہدایہ ۶:۹۳)

**جواب** ...... ① صورتِ مسئلہ کی تشریح:۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے آسمان پر چڑھنے یا پتھر کو سونا بنانے کی قسم کھائی تو اس صورت میں اس حالف پر قسم منعقد ہو جائے گی کیونکہ اس نوعیت کی قسموں کی تکمیل فی نفسہٖ ممکن ہے لیکن ایسی قسموں کی تعمیل سے عاجز ہونے کی بناء پر حنث لازم آئے گا۔ چونکہ یہ امور یعنی آسمان پر چڑھنا وغیرہ اپنے صدور کے حوالے سے بذاتِ خود ممکن ہیں اور انعقادِ یمین کے لئے خود ممکن ہونا کافی ہے۔

② ائمہ کا اختلاف مع الدلائل:۔ احناف اور امام زفرؒ کا اختلاف ہے کہ اگر کسی شخص نے آسمان پر چڑھنے یا پتھر کو سونا بنانے کی قسم کھائی تو اس پر قسم منعقد ہوگی یا نہیں؟ احنافؒ کے نزدیک قسم منعقد ہو جائیگی لیکن امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ قسم منعقد نہ ہوگی۔

امام زفرؒ کی دلیل: آسمان پر چڑھنا اور پتھر کو سونا بنانا عادۃً محال ہے اور یہ عادۃً حقیقی محال کے مشابہ ہے لہٰذا سرے سے یمین منعقد ہی نہ ہوگی۔ احنافؒ کی دلیل: قسم سے بَری ہونا حقیقتاً متصور ہے، اسلئے کہ آسمان پر چڑھنا حقیقتاً ممکن ہے کیا یہ بات نہیں دیکھی گئی کہ فرشتے آسمانوں پر چڑھتے ہیں، اسی طرح پتھر کو سونا بنانا بھی ممکن ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہیں کہ پتھر کو سونا بنادیں جب یہ کام ہو سکتے ہیں تو یمین منعقد ہو جائے گی اور بعد میں یمین اپنے خلیفہ یعنی کفارہ کو واجب کرنے والی ہوگی۔ اور پھر عادۃ عجز ثابت ہونے سے حانث ہو جائیگا جیسا کہ قسم کھانے والا مر جائے تو اس کے حانث ہونے کا حکم دیا جاتا ہے اگرچہ اس کا دوبارہ زندہ ہونا ممکن ہو۔

③ مذکورہ مسئلہ اور مسئلہ الکوز میں فرق کی وجہ:۔ مذکورہ مسئلہ اور مسئلۃ الکوز (اگر آج میں نے وہ پانی جو اس کوزہ میں ہے نہ پیا تو میری بیوی کو تین طلاق حال یہ ہے کہ کوزہ میں پانی نہیں ہے) میں فرق ہے اوّل مسئلہ میں یمین منعقد ہو جائے گی اور ثانی مسئلہ میں یمین منعقد نہیں ہوگی۔ فرق کی وجہ یہ ہے کہ اوّل مسئلہ میں قسم کی نوعیت ایسی ہے کہ فی ذاتہ اس کی تکمیل ممکن ہے اور ثانی مسئلہ میں قسم کی نوعیت ایسی ہے کہ فی ذاتہ اس کی تکمیل ممکن نہیں ہے کیونکہ پانی اس میں موجود ہی نہیں ہے اور قسم شُربِ ماء پر ہے جب کوزہ میں پانی ہی نہیں تو تکمیلِ شرط ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا اوّل صورت میں یمین منعقد ہو جائے گی اور عادۃً محال ہونے کی وجہ سے حنث متحقق ہو جائے گا لیکن ثانی صورت میں یمین ہی منعقد نہیں ہوگی کیونکہ اس قسم کی تکمیل ممکن نہیں ہے۔

---

**الشق الثانی** ...... **قال ویستحب ان یشهد علی الرجعة شاهدین فان لم یشهد صحت الرجعة وقال الشافعی فی احد قولیه لا یصح وهو قول مالك لقوله تعالی واشهدوا ذوی عدل منکم والامر للایجاب ولنا اطلاق النصوص عن قید الاشهاد ولأنه استدامة للنکاح والشهادة لیست شرطًا فیه فی حالة البقاء کما فی الفیئ فی الایلاء الا انها تستحب لزیادة الاحتیاط کیلا یجری التناکر فیها وما تلاه محمول علیه الّا انه قرنها بالمفارقة وهو فیها مستحب۔** (ص ۴۰۶۔رحمانیہ)

**اشرح العبارة بذکر مفهومها وایضاح ما فیها۔ ما معنی اطلاق النصوص؟ ما المراد بالفیئ فی الایلاء؟ وماذا عنی بقوله...... قرنها بالمفارقة وهو فیها مستحب؟** (اشرف الہدایہ ج۵ ص۳۳)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) عبارت کی تشریح (۲) اطلاق النصوص کا معنی اور **فیئ فی الایلاء** کی مراد (۳) **قرنها بالمفارقة وهوفیها مستحب** کا معنی۔

**جواب** ...... ① عبارت کی تشریح:۔ حنفیہ کے نزدیک طلاقِ رجعی کے بعد مرد کیلئے رجوع پر دو گواہ بنانا مستحب ہے، اگر کوئی گواہ نہیں بنا تا تب بھی رجوع کرنا صحیح ہے۔ امام شافعیؒ و امام مالکؒ کا ایک ایک قول یہ ہے کہ گواہوں کے بغیر رجوع کرنا صحیح نہیں ہے۔

شوافع و مالکیہ کی دلیل: آیت کریمہ **فاذا بلغن اجلهن فامسکوهن بمعروف اوفارقوهن بمعروف واشهدوا ذوی عدل منکم** ہے۔ اس آیت میں عدت ختم ہونے کے قریب مطلقہ کو بغیر ضرر پہنچائے روکنے یا چھوڑنے کا حکم ہے اور اس میں

گواہ بنانے کا حکم ہے اور **اشھدوا** امر کا صیغہ ہے جو وجوب کیلئے آتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ رجعت پر گواہ بنانا واجب ہے۔

حنفیہ کی پہلی دلیل: رجعت کے متعلق جتنی نصوص ہیں وہ مطلق ہیں مثلاً **فامسکوھن بمعروف، الطلاق مرّتان فامساك بمعروف، وبعولتهنّ احق بردّهن، فلاجناح عليهما ان يتراجعا،** ارشادِ نبوی ﷺ **مُر ابنك فليراجعها**۔ اگر رجعت میں گواہی کی شرط لگائی جائے تو ان نصوصِ مطلقہ پر زیادتی لازم آئے گی جو کہ ناجائز ہے۔

دوسری دلیل: عقلی دلیل یہ ہے کہ رجعت بقاءِ نکاح کا نام ہے لہٰذا جیسے بقاءِ نکاح کیلئے شہادت شرط نہیں ہے اسی طرح رجعت کے لئے بھی شہادت شرط نہیں ہونی چاہیے۔ نیز ایلاء میں بھی رجعت بقاءِ نکاح ہے اور اس میں بھی شہادت شرط نہیں ہے لہٰذا رجعت کے لئے بھی شہادت شرط نہیں ہونی چاہیے۔ مگر ہم نے احتیاط کی زیادتی کی وجہ سے شہادت کو مستحب قرار دیا ہے تاکہ عدت کے بعد لاعلمی کی وجہ سے لوگوں میں بدگوئی نہ پھیل جائے کہ فلاں نے اپنی بیوی کو طلاق دی تھی اور پھر اس کو عدت گزرنے کے بعد اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔

باقی پیش کردہ آیت کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم استحباب پر محمول ہے اور اس کی دلیل وقرینہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شہادت کو مفارقت کے ساتھ ملاتے ہوئے **اوفارقوھنّ بمعروف واشھدوا ذوی عدل منکم** ذکر کیا ہے اور مفارقت میں بالاتفاق شہادت مستحب ہے، لہٰذا رجعت وامساک میں بھی شہادت مستحب ہی ہونی چاہیے۔ (اشرف الہدایہ ج۵ ص۴۳)

② اطلاق النصوص کا معنی اور فیئ فی الایلاء کی مراد:۔ **اطلاق النصوص** کا معنی یہ ہے کہ نصوصِ رجعت مطلق ہیں، ان میں شہادت کی قید نہیں ہے جیسا کہ عبارت کی تشریح میں گزرا۔

**فیئ فی الایلاء** کی مراد ایلاء میں رجوع کرنا ہے، اس کی تشریح بھی ابھی گزر چکی ہے۔

③ **قرنها بالمفارقة وهوفيها مستحب** کا معنی:۔ اس جملہ کا معنی ابھی دلیل کے جواب میں گزر چکا ہے۔

## الورقة الثالثة فی الفقه

## السوال الاوّل ۱۴۳۳ھ

**الشق الاوّل** ......قال و ان تزوج مسلم ذمية بشهادة ذميين جاز۔ (ص۳۲۶۔رحمانیہ)

**اذکر صورة المسئلة بوضوح۔ حرر اختلاف الائمة مستوفیا لأدلتهم۔** (اشرف الہدایہ ج۴ ص۲۱)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا خلاصہ دو امور ہیں (۱) صورتِ مسئلہ کی وضاحت (۲) ائمہ کا اختلاف مع الدلائل۔

**جواب** ...... ① صورتِ مسئلہ کی وضاحت:۔ ماقبل میں عقدِ نکاح کے گواہوں کے مسلمان ہونے کی شرط ذکر کی گئی ہے اور یہ مسئلہ اسی پر متفرع ہے کہ اگر کسی مسلمان نے ذمیہ کتابیہ سے دو ذمی کتابیوں کی گواہی سے نکاح کیا تو یہ نکاح جائز ہے یا جائز نہیں ہے؟ شیخینؒ کے نزدیک یہ نکاح جائز ہے اور امام محمدؒ اور امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ جائز نہیں ہے۔

② ائمہ کا اختلاف مع الدلائل:۔ مذکورہ مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ شیخینؒ کے نزدیک دارالاسلام میں ذمیہ سے کسی مسلمان کا نکاح دو ذمی کتابی کی گواہی سے جائز ہے۔ اور امام محمدؒ اور زفرؒ کے نزدیک ناجائز ہے۔

امام محمدؒ وامام زفرؒ کی دلیل: یہ ہے کہ نکاح میں ایجاب وقبول کے سننے کا نام شہادت ہے اور کافر کی شہادت مسلمان کیخلاف معتبر نہیں ہے۔ گویا کہ ذمیوں نے مسلمان کا کلام سنا ہی نہیں گویا انہوں نے ذمیوں کے سماع کو عدمِ سماع پر قیاس کیا ہے اور جب انہوں نے ایجاب وقبول کو سنا ہی نہیں تو شہادت بھی نہیں پائی گئی اور جب شہادت نہ پائی گئی تو نکاح بھی منعقد نہیں ہوا۔

شیخینؒ کی دلیل: یہ ہے کہ نکاح میں دو چیزیں ہیں ① اس میں شوہر کیلئے ملکِ بضع کو ثابت کیا جاتا ہے ② اس میں عورت کیلئے مال بطورِ مہر کے واجب ہوتا ہے۔ یہ بات مسلّم ہے کہ شہادت ایسی چیز کیلئے ہوتی ہے جو قابلِ احترام ہو اور بضع قابلِ احترام ہے اور لزومِ مال میں کوئی احترام وعظمت نہیں ہے، حتیٰ کہ اگر عقدِ نکاح کے وقت مال کا ذکر نہ کیا جائے تب بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ نکاح میں گواہی ملکِ بضع کو شوہر کے واسطے ثابت کرنے کیلئے ہے۔ نہ کہ شوہر پر مال کو واجب کرنے کیلئے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ گواہی مسلمان شوہر کے حق میں ہے اور ذمیہ کے خلاف ہے اور کافر کی گواہی مسلمان کے حق میں تو قبول ہے اس

کے خلاف قبول نہیں ہے۔لہٰذا ذمیوں کی گواہی ذمیہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے قبول ہوگی اور نکاح منعقد ہو جائے گا۔

باقی امام محمدؒ وامام زفرؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ سماع کو عدم سماع پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔اس لئے کہ جس صورت پر اس مسئلہ کو قیاس کیا گیا ہے اس میں جب ان دو گواہوں نے زوج کا کلام سنا ہی نہیں تو عقد منعقد نہ ہوا کیونکہ عقد دونوں کی کلام سے منعقد ہوتا ہے اور شہادت عقد پر مشروط ہے جبکہ یہاں کلام سنا گیا ہے اور مسلمان کے حق میں یہ گواہی ہے۔

**الشق الثانی** ......وَاِنْ تَزَوَّجَ حُرٌّ اِمْرَأَةً عَلٰی خِدْمَتِهٖ اِیَّاهَا سَنَةً اَوْ عَلٰی تَعْلِیْمِ الْقُرْآنِ فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا وَ اِنْ تَزَوَّجَ عَبْدٌ اِمْرَأَةً بِاِذْنِ مَوْلَاهُ عَلٰی خِدْمَتِهٖ سَنَةً جَازَ وَلَهَا خِدْمَتُهٗ۔ (ص۳۴۹۔رحمانیہ)

**شکل العبارة۔ اذکر اختلاف الحنفیة والامام الشافعی فی المسئلة المکتوبة بالدلائل۔ حقق الاختلاف بین الامام محمد والشیخین بالأدلة اذا تزوج حرا مرأة علی خدمته۔**(اشرف الہدایہ ۴:۹۲)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حاصل تین امور ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) حنفیہؒ اور شافعیہؒ کا خدمت پر نکاح میں اختلاف مع الدلائل (۳) ائمہ حنفیہؒ کا آزاد کے خدمت کرنے پر نکاح میں اختلاف مع الدلائل۔

**جواب** ......❶ عبارت پر اعراب:۔ **کما مرّ فی السوال آنفا۔**

❷ حنفیہؒ اور شافعیہؒ کا خدمت پر نکاح میں اختلاف مع الدلائل:۔ اگر کسی حُر نے کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ وہ اس کے مہر میں ایک سال خدمت کرے گا یا قرآن پاک کی تعلیم دے گا عورت نے اسے قبول کر لیا اب مرد کے ذمہ کیا ہے؟ اس میں احنافؒ اور شوافعؒ کا اختلاف ہے۔ احنافؒ کے نزدیک مرد پر مہرِ مثل واجب ہوگا، خدمت یا تعلیم قرآن خاوند پر لازم نہ ہوگی جبکہ امام شافعیؒ خدمت اور تعلیم قرآن کو خاوند پر لازم قرار دیتے ہیں۔

امام شافعیؒ کی دلیل: یہ ہے کہ عقدِ نکاح عقدِ معاوضہ ہے لہٰذا جو چیز معوض بن سکتی ہے یعنی اس کا عوض لیا جا سکتا ہے وہ چیز عقد نکاح میں عوض یعنی مہر بھی بن سکتی ہے تا کہ معاوضہ کے معنی متحقق ہو جائیں اور چونکہ خدمت اور تعلیم قرآن کا عوض لیا جاتا ہے اس لئے یہ دونوں خود عوض بن سکتے ہیں اور یہ ایسا ہے جیسا کہ دوسرے آزاد مرد کی خدمت کو مہر بنانا اور شوہر کا عورت کی بکریاں چرانے کو مہر بنانا چونکہ یہ دونوں صورتیں بالاتفاق جائز ہیں لہٰذا تعلیم قرآن اور خدمت کو بھی مہر بنانا جائز ہوگا۔

احنافؒ کی پہلی دلیل: عقدِ نکاح اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ کی وجہ سے ابتغاء بالمال مشروع ہے اور تعلیم قرآن مال نہیں اور اسی طرح منافعِ حر بھی مال نہیں ہیں کیونکہ مال ہونے کیلئے ضروری ہے کہ وہ دو زمانوں میں باقی رہے اور منافع خدمت حر دو زمانوں میں باقی نہیں رہتے۔لہٰذا تعلیم قرآن اور خدمت حر کے عوض ابتغاء مشروع نہیں ہوگا۔اس دلیل کی بناء پر خدمتِ حرآخر اور بکریاں چرانے کو مہر بنانا بھی درست نہیں ہوگا کیونکہ یہ بھی منافع ہیں۔ باقی ہمارے نزدیک خدمتِ غلام کو مہر بنانا اسلئے درست ہے کہ خدمتِ غلام ابتغاء بالمال ہے اسلئے غلام جب خدمت کرے گا تو اپنا رقبہ سپرد کر دے گا اور رقبہ مال ہے لہٰذا اس صورت میں مہر مال ہوگا اور آزاد کی خدمت مال نہیں ہے۔

دوسری دلیل: یہ ہے کہ اگر آزاد شوہر کی خدمت کو مہر بنایا گیا تو عورت عقدِ نکاح کی وجہ سے مستحق نہیں ہو سکتی کیونکہ اس استحقاق میں قلبِ موضوع ہے۔کیونکہ ضابطہ ہے کہ عورت خادمہ اور مرد مخدوم ہو اگر عورت کا مہر شوہر کی خدمت کو بنا لیا جائے تو عورت مخدومہ اور مرد خادم بن جائے گا اور یہ بالاتفاق موضوعِ نکاح کے خلاف ہے۔

باقی امام شافعیؒ کا دوسرے آزاد کی خدمت پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔کیونکہ حرآخر اپنے رقبہ کو سپرد کر دے گا جیسے کسی آزاد کو اجارہ پر لے لیا گیا تو وہ حر مستاجر اپنے رقبہ کو سپرد کر دیتا ہے اور اس سے عقدِ نکاح کے موضوع کے خلاف لازم نہیں آئے گا کہ خادمہ مخدومہ اور مخدوم خادم بن جائے۔لہٰذا یہ قیاس قیاس مع الفارق ہے۔باقی غلام کی خدمت کو مہر بنانے میں اگرچہ صورتاً قلبِ موضوع ہے، لیکن حقیقتاً قلب موضوع نہیں کیونکہ وہ غلام درحقیقت اپنے مولیٰ کی خدمت کرتا ہے جس کو مولیٰ نے اپنی اجازت سے اس کی بیوی کے حوالے کیا ہے، تو جب اپنے مولیٰ کی خدمت کرتا ہے تو قلبِ موضوع نہ ہوا اور بکریاں چرانے پر قیاس کرنا بھی درست نہیں کیونکہ وہ خانگی امور میں سے ہے۔

❸ ائمہ حنفیہؒ کا آزاد کے خدمت کرنے پر نکاح میں اختلاف مع الدلائل:۔ امام محمدؒ اور شیخینؒ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر شوہر

نے اپنی خدمت کو مہر مقرر کیا تو شوہر پر خدمت لازم ہوگی یا قیمت یا مہرِ مثل۔امام محمدؒ کے نزدیک اس خدمت کی قیمت لازم ہوگی جبکہ شیخینؒ کے نزدیک مہرِ مثل لازم ہوگا۔

امام محمدؒ کی دلیل: یہ ہے کہ مسمّی یعنی خدمتِ زوج مال تو ہے لیکن اس کو سپرد کرنے سے شوہر عاجز آگیا ہے کیونکہ خدمت کرنے کی صورت میں قلبِ موضوع لازم آئیگا اور قاعدہ ہے کہ اگر کوئی شخص مہرِ مسمّی کے سپرد کرنے سے عاجز آجائے تو اسکی قیمت واجب ہوتی ہے جیسے کسی نے عبدِ غیر کو مہر بنایا تو اس صورت میں عبدِ غیر کی قیمت واجب ہوگی کیونکہ وہ عبدِ غیر کو سپرد کرنے سے عاجز ہے۔

شیخینؒ کی دلیل: آزاد مرد کی خدمت مال نہیں ہے اور اسکی دلیل یہ ہے کہ نکاح میں خدمت کا عورت کو کسی حال میں استحقاق نہیں ہے اگر حر کی خدمت مال ہوتی تو اس کا استحقاق ضرور ہوتا، لہٰذا خدمتِ حر مال نہیں ہے۔چنانچہ خدمتِ حر کو مہر کے طور پر ذکر کرنا ایسے ہے جیسے کسی مسلمان کا عقد کے وقت خمر اور خنزیر کو مہر کے طور پر ذکر کرنا۔یعنی جس طرح اس صورت میں مہرِ مثل واجب ہوتا ہے اسی طرح موجودہ صورت میں بھی مہرِ مثل واجب ہوگا۔کیونکہ جس طرح مسلمان کے حق میں خمر اور خنزیر مال نہیں اور اس کا سپرد کرنا جائز نہیں اسی طرح بوجہ قلبِ موضوع ہونے کے خدمتِ حر کو بھی مال نہ ہونے کی وجہ سے سپرد کرنا جائز نہیں تو حکم اپنی اصل پر باقی رہے گا اور اصل مہرِ مثل ہے۔لہٰذا موجودہ صورت میں مہرِ مثل واجب ہوگا۔اسی دلیل سے امام محمدؒ کا جواب بھی ہوگیا کہ خدمتِ حر مال ہوتا تو آپ کی بات درست تھی جبکہ وہ مال ہی نہیں ہے۔

## السوال الثانی ۱۴۳۳ھ

**الشق الاوّل** ......قَالَ الطَّلَاقُ عَلٰی ثَلٰثَةِ اَوْجُهٍ حَسَنٌ وَاَحْسَنُ وَبِدْعِیٌّ فَالْاَحْسَنُ اَنْ يُطَلِّقَ الرَّجُلُ اِمْرَاَتَهٗ تَطْلِيْقَةً وَاحِدَةً فِیْ طُهْرٍ لَمْ يُجَامِعْهَا فِيْهِ وَ يَتْرُكُهَا حَتّٰى تَنْقَضِیَ عِدَّتُهَا..... وَ السُّنَّةُ فِی الطَّلَاقِ مِنْ وَجْهَيْنِ..... (ص۳۷۳۔رحمانیہ)(اشرف الہدایہ ج۴ص۱۹۹)

**ترجمی العبارۃ ثم عرّفی الطلاق لغۃ و اصطلاحا۔اذکری أقسام الطلاق الثلٰثۃ حسب طرز المصنفؒ۔بیّن اختلاف الائمۃ فی بعض اقسام الطلاق واذکری حکم الطلاق الثلاثۃ بکلمۃ واحدۃ۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل پانچ امور ہیں: ① عبارت کا ترجمہ ② طلاق کی لغوی اور اصطلاحی تعریف ③ طلاق کی اقسام ثلاثہ کی وضاحت ④ طلاق کی بعض اقسام میں امام مالکؒ و امام شافعیؒ کا اختلاف ⑤ ایک کلمہ کے ساتھ تین طلاق کا مسئلہ۔

**جواب** ...... ① عبارت کا ترجمہ:۔ طلاق کی تین اقسام ہیں: حسن، احسن اور بدعی۔طلاقِ احسن یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو ایک ہی طلاق ایک ایسے طہر میں دے جس میں اس سے مباشرت نہ کی ہو اور اسکو چھوڑ دے یہاں تک کہ اسکی عدت گزر جائے......طلاقِ سنت کے دو طریقے ہیں.......

② طلاق کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:۔ طلاق مصدر ہے جو تطلیق کے معنی میں جیسے سلام تسلیم کے معنی میں اور کلام تکلیم کے معنی میں ہے۔اور طلاق کا لغوی معنی رَفْعُ الْقَيْدِ (قید کو اٹھانا) ہے اور فقہاء کی اصطلاح میں اَلطَّلَاقُ هُوَ عِبَارَةٌ عَنْ حُكْمٍ شَرْعِیٍّ بِرَفْعِ الْقَيْدِ النِّكَاحِیِّ بِاَلْفَاظٍ مَخْصُوْصَةٍ یعنی (فقہاء کے نزدیک طلاق اس حکمِ شرعی کا نام ہے جو قیدِ نکاح کو مخصوص الفاظ کے ساتھ ختم کردے)۔

③ طلاق کی اقسامِ ثلاثہ کی وضاحت:۔ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ طلاق کی تین قسمیں ہیں: ① طلاق احسن یہ ہے کہ مرد اپنی عورت کو ایک طلاق ایسے طہر میں دے جس طہر میں وطی نہ کی ہو اور اس کو چھوڑ دے (رجوع نہ کرے) یہاں تک کہ اس کی عدت گزر جائے ② طلاقِ حسن (طلاق سنی) یہ ہے کہ مرد اپنی مدخول بہا بیوی کو تین طلاق تین طہروں میں دے یعنی ہر طہر میں ایک طلاق دے ③ طلاق بدعی یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو ایک کلمہ کے ساتھ یا ایک ہی طہر میں علیحدہ کلمات کے ساتھ تین طلاق دے۔

**اَلسُّنَّةُ فِی الطَّلَاقِ مِنْ وَجْهَيْنِ:** اس جملہ سے طلاقِ سنت کی دو اقسام کی طرف اشارہ ہے: ① سنت فی الوقت ② سنت فی العدد۔سنت فی الوقت کا مطلب یہ ہے کہ ایسے وقت میں طلاق دے کہ طہر ہو، حیض کا زمانہ نہ ہو اور صحبت بھی نہ کی ہو۔سنت فی العدد یہ ہے

کہ ایک طہر میں ایک ہی طلاق دے، بیک وقت تین طلاق نہ دے۔

④ طلاق کی بعض اقسام میں امام مالکؒ وامام شافعیؒ کا اختلاف:۔

حنفیہ ومالکیہ کا اختلاف: امام مالکؒ احناف سے طلاق کی قسم ثانی (طلاق حسن) میں اختلاف کرتے ہیں۔

احنافؒ کے نزدیک مرد کا اپنی بیوی کو تین طلاق تین طہروں میں دینا جائز ہے بلکہ سنت ہے جبکہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ طلاق بدعت ہے۔ امام مالکؒ کی دلیل: یہ ہے کہ طلاق میں اصل ممانعت ہے کہ طلاق نہ دو جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے **تَزَوَّجُوْا وَلَا تُطَلِّقُوْا** یعنی نکاح کرو اور طلاق نہ دو اور اباحت طلاق عورت سے چھٹکارا پانے کی حاجت کی وجہ سے ہے اور حاجت ایک طلاق سے پوری ہو جاتی ہے۔ لہٰذا دوسری طلاق مباح نہ ہوگی۔

احنافؒ کی پہلی دلیل: حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حالت حیض میں اپنی بیوی کو طلاق دیدی۔ پھر ارادہ کیا کہ دوسری دو طلاق دو طہر میں دیں لیکن جب حضور ﷺ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے ابن عمر! ایسا کرنے کا تو اللہ تعالیٰ نے تجھے حکم نہیں دیا بلکہ تو سنت سے چوک گیا ہے۔ سنت یہ ہے کہ تو طہر کا انتظار کرے پھر ہر طہر میں ایک طلاق دے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ متفرق طور پر تین طہر میں تین طلاقیں دینا سنت ہے۔

دوسری عقلی دلیل: اباحتِ طلاق کا مدار حاجت ہے اور حاجت یہ امرِ باطن ہے اور امرِ باطن پر مطلع ہونا ناممکن ہے لہٰذا اباحتِ طلاق کا حکم اس کی حاجت کی دلیل پر ہے اور اس کی دلیل تجدد اور رغبت ہے جو کہ طہر کے زمانہ میں ہوتی ہے لہٰذا طہر کے زمانہ میں طلاق دینے کا اقدام کرنا ہے اور جب بھی دلیلِ حاجت میں تکرار ہوگا یعنی جب بھی طہر آئے گا تو جواز فی الطلاق میں تکرار ہوگا اور جب حاجت الی الطلاق میں تکرار ہے تو طلاق میں تکرار بھی مباح ہوگا، اسلئے ہمارے نزدیک متفرق طور پر تین طلاق واقع کرنا مباح ہے، بدعت نہیں ہے۔

حنفیہ وشافعیہ کا اختلاف: ایک لفظ سے تین طلاق یا ایک طہر میں تین طلاق کے حرام یا مباح ہونے میں حنفیہ وشافعیہ کا اختلاف ہے۔ حنفیہ کے نزدیک یہ حرام ہے البتہ طلاق واقع ہو جائے گی اور طلاق دینے والا گنہگار رہوگا لیکن امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ہر طلاق مباح ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل: یہ ہے کہ طلاق تصرفِ مشروع ہے اور طلاق سے حکمِ طلاق یعنی وقوعِ طلاق حاصل ہوتا ہے۔ حاصل یہ کہ طلاق پر اثرِ شرعی (وقوعِ طلاق) مرتب ہوتا ہے اور جس چیز پر اثرِ شرعی مرتب ہو جائے وہ امرِ مشروع کہلائے گا۔ لہٰذا طلاق امرِ مشروع ہوئی اور جو چیز مشروع ہو وہ ممنوع نہیں ہو سکتی کیونکہ مشروعیت ممانعت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔

امام شافعیؒ پر اعتراض ہوتا ہے کہ حالتِ حیض میں طلاق دینا ممنوع ہے لیکن اگر کوئی شخص اس حالت میں طلاق دے دیتا ہے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ یہاں پر ممانعت اور مشروعیت جمع ہو رہے ہیں؟

امام شافعیؒ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ حالتِ حیض میں نفسِ طلاق حرام نہیں بلکہ عورت پر عدت کو طول دینا حرام ہے کیونکہ جب حیض میں طلاق دی تو یہ حیض بالاجماع عدت میں شمار نہیں ہوگا۔ اسی لئے جس طہر میں جماع کیا اس طہر میں نفس طلاق حرام نہیں بلکہ عدت کے معاملہ کا مشتبہ ہونا حرام ہے کیونکہ ہمیں معلوم نہیں کہ وہ حاملہ ہے تا کہ وضعِ حمل کے ساتھ عدت گزارے یا غیر حاملہ ہے تا کہ ہمارے نزدیک حیض کیساتھ اور امام شافعیؒ کے نزدیک طہر کے ساتھ عدت گزارے۔

احنافؒ کی دلیل: یہ ہے کہ طلاق میں اصل ممانعت ہے طلاق کی وجہ سے وہ نکاح منقطع ہو جائے گا جس کے ساتھ مصالح دینیہ اور مصالح دنیویہ وابستہ ہیں۔ مصالح دینی تو یہ ہیں کہ نکاح کے ذریعہ شرمگاہ اس زنا سے محفوظ ہو جاتی ہے جو تمام ادیان میں حرام ہے اور مصالح دنیویہ یہ ہیں کہ نکاح کے بعد عورت کیلئے نفقہ اور سکنیٰ ہوگا اور مرد کیلئے اکتسابِ ولد ہوگا اور جس چیز سے دینی اور دنیاوی مصالح فوت ہو جائیں شریعت میں اس کا وقوع جائز نہ ہونا چاہئے۔ اس لئے عقل کا تقاضا تو یہ ہے کہ طلاق مطلقاً جائز نہ ہو مگر ہم نے عورت سے چھٹکارا پانے کی ضرورت کو مباح کر دیا اور تین طلاق کو جمع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اسلئے کہ تین سے کم کے ذریعہ بھی مقصود حاصل ہو جاتا ہے اس وجہ سے ہمارے نزدیک تین طلاق جمع کرنا حرام ہے۔

⑤ ایک کلمہ کے ساتھ تین طلاق کا مسئلہ:۔ ایک کلمہ سے یا ایک ہی مجلس میں دفعۃً واحدۃً دی جانے والی تین طلاقیں ائمہ اربعہ کے

نزدیک تین ہی واقع ہوتی ہیں۔ جمہور صحابہ وتابعین کا یہی مسلک ہے، ابن العربی اور ابوبکر رازی نے تین طلاق کے وقوع پر اجماع نقل کیا ہے۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ وامام مالکؒ کے نزدیک یہ مکروہ تحریمی وبدعت ہے اور امام شافعیؒ وامام احمدؒ کے نزدیک یہ خلافِ اولیٰ ہے۔ ابنِ تیمیہؒ، بعض اہلِ ظاہر اور آج کل کے لامذہب لوگوں کے نزدیک اس سے ایک طلاقِ رجعی واقع ہوتی ہے اور روافض کے نزدیک ایک بھی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

اہلِ ظواہر وغیرہ کی پہلی دلیل: واقعہ عبد یزید یا واقعہ رکانہ ہے۔ امام ابوداؤدؒ نے اس کو ترجیح دی کہ یہ واقعہ رکانہ کا ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اس کے باوجود نبی کریم ﷺ نے ان کو رجوع کا حکم دیا۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ ایک مجلس میں دی جانے والی تین طلاقیں تین شمار نہیں ہوتیں ورنہ رجوع کا حکم نہ دیتے۔

قال ابوداؤد وحدیث نافع بن جبیر ؓ سے امام ابوداؤدؒ نے اس کا جواب دیا کہ عبد یزید یا رکانہ نے طلاق بتہ دی تھی اور استدلال تب ہوتا جب تین طلاقیں دیتے۔ وجہ ترجیح یہ ہے کہ طلاق بتہ کا ذکر کرنے والے گھر کے آدمی ہیں اور ضابطہ ہے **صاحب البيت ادرى مافيه**۔ دوسری دلیل: واقعۂ ابوالصہباء ہے، انہوں نے حضرت ابن عباس ؓ سے سوال کیا کہ کیا تمہیں معلوم ہوا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دیتا تھا تو عہد نبوی ﷺ، عہد صدیقی ؓ اور عہدِ فاروقی ؓ کی ابتداء میں ان تین طلاق کو ایک ہی شمار کیا جاتا تھا، پھر بعد میں حضرت عمر ؓ نے تین طلاق کو تین ہی قرار دیا؟ تو حضرت ابنِ عباس ؓ نے جواب دیا کہ جی ہاں! عہدِ نبوی ﷺ، عہدِ صدیقی ؓ اور عہدِ فاروقی ؓ میں تین طلاق کو ایک ہی شمار کیا جاتا تھا۔

جوابات: ① یہ حدیث ابوالصہباء خاص صورت (غیر مدخول بھا عورت) پر محمول ہے اور غیر مدخول بھا تو ایک طلاق سے بائنہ ہوجاتی ہے۔ دوسری اور تیسری طلاق دینے کی ضرورت ہی نہیں رہتی ② حدیث ابوالصہباء کا مصداق ایک خاص صورت ہے وہ یہ ہے کہ جب کوئی یوں طلاق دیتا **انت طالق، طالق، طالق** تو ثانی ثالث سے اوّل کی تاکید مقصود ہوتی تھی نہ کہ تاسیس اور وہ زمانہ خیر القرون کا تھا اس لئے بقول ان کے ثانی وثالث کو اول کی تاکید پر محمول کرتے جب حضرت عمر ؓ نے دیکھا کہ لوگ اس میں غلو کرنے لگ گئے تو فرمایا اب جو تین دفعہ لفظ طلاق کہے گا تو اب ہم اس کو تاسیس پر محمول کرینگے تاکید پر محمول نہیں کرینگے ③ نیز یہ حدیث ابوالصہباء حضرت ابن عباس ؓ کے سامنے پیش کی گئی حالانکہ ان کا فتویٰ تو تین طلاق کا ہے۔ تو ان کا اس روایت کیخلاف فتویٰ دینا، یہ دلیل ہے اس بات کی کہ یہ منسوخ ہے یا مصروف عن الظاہر ہے یا غیر مدخول بھا عورت پر محمول ہے یا اس خاص صورت پر محمول ہے جس کا اوپر بیان ہوا ④ اس میں حضور ﷺ کے زمانہ کا ذکر ہے آپ ﷺ کے قول وفعل کا کوئی ذکر نہیں ⑤ یہ حدیث سنداً بھی کوئی وزنی نہیں کہ اس کی بناء پر نصوص کثیرہ کو چھوڑ اجائے۔

جمہور کے دلائل: حضرت حسن بن علی ؓ نے اپنی ایک بیوی کو طلاق دی، بعد میں ان کو افسوس ہوا اور فرمانے لگے **لولا أني سمعت جدي أو حدثني أبي أنه سمع جدي يقول: أيما رجل طلق امرأته ثلاثا عند الأقراء أوثلاثا مبهمة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره، لراجعتها.** سنن دارقطنی میں حضرت عبادہ بن صامت ؓ کی روایت ہے کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دیں، اس کے بیٹے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے، ہمارے باپ نے ہماری والدہ کو ہزار طلاقیں دی ہیں تو اس پر حضور ﷺ نے فرمایا **ان أباكم لم يتق الله تعالىٰ فيجعل له من أمره مخرجا، بانت منه بثلاث على غير السنة وتسعمائة وسبعة وتسعون اثم في عنقه.**

پھر اگر یہ تسلیم بھی کیا جائے کہ عہدِ نبوی اور عہدِ صدیقی میں تین طلاقیں بنیت تاکید ایک شمار ہوتی تھیں اور قضاءً اس سلسلے میں طلاق دینے والے کے قول کا اعتبار کیا جاتا تھا تاہم حضرت فاروق اعظم ؓ کے زمانے میں مطلقاً تین طلاقوں کے وقوع پر اجماع منعقد ہوگیا، انہوں نے یہ فیصلہ فرمایا کہ تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی اگرچہ وہ بنیتِ تاکید ہوں اور تمام صحابہ نے اس کو تسلیم کرلیا کسی نے مخالفت نہیں کی چنانچہ امام طحاویؒ، حافظ ابن عبد البرؒ، ابن العربیؒ، حافظ ابن حجرؒ اور علامہ ابن الہمامؒ نے طلقات ثلاث کے وقوع پر اجماع نقل کیا ہے۔ (کشف الباری کتاب الطلاق ص ۴۲۳، المسائل والدلائل ص ۵۳۷)

**الشق الثانی** ......فَاِنْ كَانَتِ الْمَبْتُوتَةُ صَغِيْرَةً يُجَامَعُ مِثْلُهَا فَجَاءَ تْ بِوَلَدٍ لِتِسْعَةِ اَشْهُرٍ لَمْ يَلْزَمْهُ حَتّٰى تَأْتِيَ بِهٖ لِاَقَلِّ مِنْ تِسْعَةِ اَشْهُرٍ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَ مُحَمَّدٍ وَ قَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ يَثْبُتُ النَّسَبُ مِنْهُ اِلٰى سَنَتَيْنِ۔

ترجمی العبارة ثم شکلیها۔ اذکری اختلاف الفقهاء الحنفیة مستوفیا لأدلتهم (ص۴۳۵۔رحمانیہ)(اشرف الہدایہ ۵:۱۷۸)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) عبارت پر اعراب (۳) مذکورہ مسئلہ میں حنفیہ کا اختلاف مع الدلائل۔

**جواب** ...... ❶ عبارت کا ترجمہ:۔ پس اگر مطلقہ بائنہ ایسی صغیرہ ہے کہ اس کی مثل سے جماع کیا جا سکتا ہے پھر (طلاق کے وقت سے) اس نے نو ماہ پر بچہ جنا تو مرد کے ذمہ اس کا نسب لازم نہ ہوگا حتی کہ اگر نو ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہوا تو نسب ثابت ہوگا یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ دو سال تک اس سے نسب ثابت ہوگا۔

❷ عبارت پر اعراب:۔ **كما مرّ فی السوال آنفا۔**

❸ مذکورہ مسئلہ میں فقہاءِ حنفیہ کا اختلاف مع الدلائل:۔ اگر وہ عورت جس کو ایک طلاق بائن یا تین طلاقیں دی گئی ہوں اور وہ ایسی نابالغہ ہے جس کے ساتھ جماع کیا جا سکتا ہے۔اور پھر طلاق کے وقت سے نو ماہ پر اس نے بچہ جنا اور اس عورت نے عدت گزرنے کا بھی اقرار نہیں کیا تو ایسی صورت میں اسکے شوہر کے ذمہ نسب لازم ہوگا یا نہیں؟ اس میں احنافؒ کا اختلاف ہے۔

طرفینؒ کے نزدیک اس صغیرہ نے طلاق کے وقت سے نو ماہ سے کم میں بچہ جنا تو اسکے شوہر کے ذمہ نسب لازم ہوگا اور اگر نو ماہ کے بعد بچہ جنا تو نسب لازم نہ ہوگا۔اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ طلاق کے وقت سے دو سال تک اگر بچہ پیدا ہوا تو شوہر کے ذمہ نسب لازم ہوجائے گا۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل: ہماری کلام **مراهقه** مدخول بھا میں ہے اور **مراهقه** مدخول بھا حاملہ ہونے کا احتمال رکھتی ہے اور حاملہ ہونے کے وقت میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ وہ طلاق کے وقت ہی حاملہ تھی تو اس صورت میں وضعِ حمل سے اسکی عدت گزر جائیگی اور نسب ثابت ہو جائیگا۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ وہ تین ماہ کے ساتھ عدت گزر جانے کے بعد حاملہ ہوئی ہے پس یہ **مراهقه** بالغہ کے مشابہ ہوگئی اسلئے کہ اس نے عدت گزرنے کا اقرار نہیں کیا لہٰذا بالغہ کی طرح دو سال تک اسکے بچہ کا نسب ثابت ہو جائیگا۔

طرفینؒ کی دلیل: یہ ہے کہ اس عورت کی عدت گزر جانے کا ایک وقتِ معین سب کو معلوم ہے اور وہ عدت کے تین ماہ ہیں۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے **وَالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ** یعنی جن عورتوں کو حیض کا خون نہیں آتا ان کی عدت تین ماہ ہیں پس ان تین ماہ کے گزر جانے پر شریعت اس کی عدت گزرنے کا حکم دیدے گی خواہ یہ عورت عدت گزرنے کا اقرار کرے یا اقرار نہ کرے اور انقضاءِ عدت پر دلالت کرنے میں شریعت کا حکم عورت کے اقرار سے بڑھ کر ہے کیونکہ حکمِ شرع خلاف کا احتمال نہیں رکھتا ہے اور عورت کا اقرار خلاف اور جھوٹ کا احتمال رکھتا ہے۔ پس اگر عورت عدت گزرنے کا اقرار کر لیتی اور اس کے بعد چھ ماہ پر بچہ پیدا ہوتا تو نسب ثابت نہ ہوتا، اسی طرح جب شریعت نے عدت گزرنے کا حکم دیا اور چھ ماہ پر بچہ پیدا ہوا تو بھی نسب ثابت نہیں ہوگا۔ پس ثابت ہو گیا کہ اگر **مراهقه** نے طلاق کے وقت سے نو ماہ پر بچہ جنا تو اس بچہ کا نسب ثابت نہیں ہوگا۔

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۳ھ

**الشق الاوّل** ......وان امتنعت من تسليم نفسها حتى يعطيها مهرها فلها النفقة لأنه منع بحق فكان فوت الاحتباس بمعنى من قبله فيجعل كلا فائت وان نشزت فلا نفقة لها حتى تعود الى منزله لان فوت الاحتباس منها واذا عادت جاء الاحتباس فتجب النفقة بخلاف ما اذا امتنعت من التمكين فی بيت الزوج لأن الاحتباس قائم والزوج يقدر على الوطى كرها وان كانت صغيرة لا يستمتع بها فلا نفقة لها لأن امتناع الاستمتاع لمعنى فيها والاحتباس الموجب ما يكون وسيلة الى مقصود مستحق بالنكاح ولم يوجد بخلاف المريضة على ما نبين ، وقال الشافعی لها النفقة لانها عوض عن الملك عنده كما فی المملوكة بملك اليمين ۔(ص۴۴۲۔رحمانیہ)(اشرف الہدایہ ج۵ ص۲۰۵)

**المذكور فى العبارة خمس صُوَر للزوجة، مختلف حكمها فى ثبوت النفقة و عدمها، ماهى الصور وماهى احكامها و دليلُ كل حكم؟ اوضحى دليل الشافعیؒ لنفقة الصغيرة و دليل الحنفية لعدمها لها۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں دو امور مطلوب ہیں (١) عبارت میں مذکور صورِ خمسہ میں ثبوت وعدمِ ثبوتِ نفقہ کا حکم مع الوجہ (٢) صغیرہ کے لئے ثبوت وعدمِ ثبوتِ نفقہ کے دلائل۔

**جواب** ...... **١** عبارت میں مذکور صورِ خمسہ میں ثبوت وعدمِ ثبوتِ نفقہ کا حکم مع الوجہ:۔ ① اگر عورت نے اپنے آپ کو شوہر کے حوالہ کرنے سے روک لیا یہاں تک کہ شوہر اس کا مہرِ معجّل دیدے تو اس صورت میں عورت کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا بلکہ شوہر پر واجب ہے۔ دلیل یہ ہے کہ عورت کا اپنے آپ کو روکنا اپنے حق کی وصولی کیلئے ہے اور اس میں احتباس کا فوت ہونا مرد کی جانب سے ہوا، نہ کہ عورت کی جانب سے اور جب عورت کی جانب سے احتباس فوت نہیں ہوا تو اس کا نفقہ بھی ساقط نہیں ہوگا ② اگر عورت نے نافرمانی اور سرکشی کی تو اس کے واسطے نفقہ نہیں ہوگا، یہاں تک کہ وہ سرکشی چھوڑ کر شوہر کے گھر واپس آوے کیونکہ اس نے اپنا محبوس ہونا اپنی طرف سے دور کیا، یعنی نفقہ اس کے احتباس پر واجب تھا اور جب اس نے احتباس خود کھویا تو نفقہ بھی ساقط ہوگیا اور جب وہ لوٹ کر شوہر کے گھر آ گئی تو پھر محبوس ہوگئی لہٰذا پھر نفقہ واجب ہو جائیگا ③ اسکے برخلاف اگر عورت شوہر کے گھر رہتے ہوئے اس کو وطی کی قدرت نہ دے تو عورت کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا، کیونکہ احتباس موجود ہے اور شوہر اس سے زبردستی کر سکتا ہے ④ اگر عورت ایسی صغیرہ ہے کہ اس کے ساتھ جماع نہیں کیا جاسکتا تو اس کیلئے شوہر پر نفقہ واجب نہیں ہوگا، خواہ یہ شوہر کے مکان میں ہو یا شوہر کے مکان میں نہ ہو، یہاں تک کہ جماع کے قابل ہو جائے۔ یہی جمہور علماء کا قول ہے۔ دلیل یہ ہے کہ جماع کا ممتنع ہونا ایسی وجہ سے ہے جو عورت میں موجود ہے یعنی صغیرہ کا اپنے آپ کو شوہر کے سپرد نہ کرنا۔ پس صغیرہ (نافرمان) کی مثل ہوگئی اور جو احتباس نفقہ واجب کرتا ہے وہ ہے جو نکاح کے مقصود (جماع یا دواعی جماع) حاصل ہونے کا وسیلہ ہو اور ایسا احتباس پایا نہیں گیا اس وجہ سے صغیرہ کے لئے اس کے شوہر پر نفقہ بھی واجب نہیں ہوگا ⑤ برخلاف مریضہ کے کہ اس کا نفقہ ساقط نہیں ہوتا۔ قیاس یہ ہے کہ مرضی کی صورت میں عورت کے واسطے نفقہ واجب نہ ہو جبکہ اسے ایسا مرض ہو جو جماع سے مانع ہو کیونکہ جماع کے لئے احتباس فوت ہوگیا اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ احتباس موجود ہے کیونکہ شوہر اس سے مانوس ہوگا اور اس کو چھوئے گا اور وہ اس کے گھر کی حفاظت کرتی ہے اور مانع وطی ایک عارضہ کی وجہ سے ہے۔ پس یہ بیماری حیض کے مشابہ ہوگئی۔

امام شافعیؒ نے فرمایا کہ صغیرہ کے واسطے نفقہ واجب ہے۔ دلیل یہ ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک نفقہ شوہر کی ملک کا عوض ہے جیسے اس عورت کا نفقہ جس کی ذات کا مالک ہوتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ نفقہ واجب ہونے کا سبب حاجت ہے اور حاجت میں صغیرہ اور کبیرہ سب برابر ہیں۔ ہماری دلیل: یہ ہے کہ ملک کا عوض تو مہر ہے کیونکہ عوض وہ ہے جو داخلِ عقد ہو کر مذکور ہو اور عقد کے تحت مہر داخل ہوتا ہے نہ کہ نفقہ۔ پس ثابت ہوگیا کہ ملک کا عوض مہر ہے اور جب ملک کا عوض مہر ہے تو نفقہ عوض نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ ایک شئی کے کئی عوض جمع نہیں ہوتے ہیں۔ پس صغیرہ کے واسطے مہر ہوگا نہ کہ نفقہ۔ (اشرف الہدایہ ج۵ ص۲۰۶ و ۲۰۸)

**٢** صغیرہ کیلئے ثبوت وعدمِ ثبوتِ نفقہ کے دلائل:۔ ابھی مذکورہ مسائلِ خمسہ کی وجہ کے ضمن میں یہ دلائل گزر چکے ہیں۔

**الشق الثانی** ......**فان زوجهما الاب او الجد يعنى الصغير والصغيرة فلا خيار لهما بعد بلوغهما .... وان زوجهما غير الاب والجد فلكل واحد منهما الخيار اذا بلغ ان شاء اقام على النكاح وان شاء فسخ وهذا عند ابى حنيفة ومحمد وقال ابو يوسف لا خيار لهما. (كتاب النكاح- باب فى الاولياء والاكفاء)**

پہلے مسئلہ میں بلوغت کے بعد خیار ثابت نہ ہونے کی وجہ تحریر کریں۔ دوسرے مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف مدلل ذکر کریں۔ دلیل کے ساتھ بتائیں کہ کیا غلام، صغیر ومجنون کو کسی پر ولایت حاصل ہے؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① باپ دادا کے نکاح کرنے کی صورت میں بلوغت کے بعد خیار ثابت نہ ہونے کی وجہ ② غیرِ اب وجد کے نکاح کرنے کی صورت میں خیار ملنے میں ائمہ کا اختلاف مع دلائل ③ غلام، صغیر و

مجنون کو کسی پر ولایت حاصل ہونے کی وضاحت مع دلیل۔

**جواب** ...... ① باپ دادا کے نکاح کرنے کی صورت میں بلوغت کے بعد خیار ثابت نہ ہونے کی وجہ:۔ اگر چھوٹے نابالغ بچے یا بچی کی شادی باپ نے یا دادا نے کرادی تو بالغ ہونے کے بعد ان کو اس نکاح کے توڑنے کا خیار نہیں ہوگا۔

وجہ یہ ہے کہ باپ کو بیٹے کے ساتھ شفقت کاملہ بھی ہے اور ان کے عاقل بالغ ہونے کی وجہ سے عقل بھی ہے۔ اس لئے مشفق اور عاقل کے نکاح کرانے کی صورت میں نکاح توڑنے کا حق نہیں ہوگا۔ (باپ نہ ہوتے وقت دادا بھی اسی درجے میں شمار ہوتا ہے) اور لڑکا و لڑکی کے بالغ ہونے کے بعد انکی رضامندی سے باپ یا دادا انکی شادی کراتے تو ان لوگوں کو اس نکاح کے توڑنے کا اختیار نہ ہوتا، اسی طرح انکی نابالغی میں باپ دادا نے نکاح کرایا تو انکو نکاح توڑنے کا اختیار نہیں ہوگا۔

② غیرِ اب وجد کے نکاح کرنے کی صورت میں خیار ملنے میں ائمہ کا اختلاف مع دلائل:۔ نابالغ لڑکا و لڑکی کی شادی باپ اور دادا کے علاوہ نے کروائی تو ان دونوں کو خیارِ بلوغ ہوگا یعنی بالغ ہوتے ہی اعلان کردے کہ میں اس نکاح سے راضی نہیں ہوں تو طرفینؒ کے نزدیک وہ نکاح توڑ سکتے ہیں۔ دلیلیہ ہے کہ باپ اور دادا کے علاوہ میں یا تو عقل ناقص ہوگی مثلاً ماں ولیہ بنے تو شفقت کاملہ ہے لیکن عقل ناقص ہے۔ اسلئے کہا جاسکتا ہے کہ صحیح جگہ پر نکاح نہیں کرایا پس نکاح توڑنے کا حق دیا جائے گا۔ اور قاضی، بھائی، چچا یا چچازاد بھائی نے شادی کرائی تو ان لوگوں میں عقل تو ہے لیکن شفقت کاملہ نہیں ہے اسلئے کہا جاسکتا ہے کہ صحیح جگہ پر نکاح نہیں کرایا، پس بالغ ہونے کے بعد نکاح توڑنے کا حق ہوگا، اور فطرت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ دوسرے کے دیئے ہوئے زندگی کے ساتھی کو تبدیل کرنے کا اختیار ہو۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے یتیموں کے متعلق فرمایا: **اذا زوجا وهما صغيران انهما بالخيار**۔ دوسری روایت میں ہے: **عن ابن طاؤس عن ابيه قال في الصغيرين هما بالخيار اذا شبا**۔

امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ باپ اور دادا کے علاوہ نے شادی کرائی تب بھی اس کو اختیار نہیں ملے گا۔ جس طرح باپ اور دادا نے شادی کرائی ہو تو فسخ کا اختیار نہیں ہے۔ ان کی دلیل یہ اثر ہے: **عن حماد قال النكاح جائز ولا خيار لها**۔ معلوم ہوا کہ یتیمہ کو خیارِ بلوغ نہ ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ صغیر اور صغیرہ کو بھی باپ اور دادا کے غیر نے شادی کرائی تو اختیار نہیں ہوگا۔

طرفین کی دلیل: باپ دادا کے علاوہ مثلاً بھائی میں رشتہ داری ناقص ہے اسلئے ممکن ہے کہ شفقت بھی کم ہو اور نکاح کا جو مقصد ہے وہ پورا نہ ہو، اس میں کمی رہ جائے، اسلئے اسکی تلافی اسی طرح ممکن ہے کہ لڑکا اور لڑکی کو بالغ ہونے کے بعد خیار بلوغ دیا جائے، اور کفو ملنے میں کمی رہ جائے تو بالغ ہونے کے بعد نکاح کو توڑ کر اس کمی کو پورا کیا جائے، اسلئے باپ اور دادا کے علاوہ میں خیارِ بلوغ ملنا چاہئے۔

③ غلام، صغیر و مجنون کو کسی پر ولایت حاصل ہونے کی وضاحت مع دلیل:۔ غلام، نابالغ بچہ اور مجنون کو دوسروں کی شادی کرانے کی ولایت نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو خود اپنے اوپر ولایت نہیں ہے تو ان لوگوں کو دوسروں پر ولایت کیسے ہوگی۔ مثلاً غلام کو اپنی شادی کرانے کا حق نہیں ہے، اس کی شادی اس کا مولی کراتا ہے تو اس کو دوسروں کی شادی کرانے کا حق کیسے ہوگا؟ بچے کو عقل کی کمی ہے اسلئے اس کو دوسرے پر کیسے ولایت ہوگی؟ مجنون کو بھی عقل نہیں ہے اسلئے اس کو دوسروں پر ولایت کیسے ہوگی۔

نیز نکاح کرانے کی ولایت اسلئے ہوتی ہے کہ مصلحت دیکھ کر نکاح کرائے اور ان لوگوں کے پاس اتنی صلاحیت نہیں کہ مصلحت سوچیں، پس ان لوگوں کو ولایت سے کوئی فائدہ نہیں ہے اس لئے ان لوگوں کو دوسرے پر ولایت نہیں ہوگی۔

## ﴿الورقة الثالثة فى الفقه﴾

0313 6357913 m...tan@gmail.com

## ﴿السوال الاوّل﴾ ۱٤٣٤ھ

**الشق الاوّل** ...... وَلَا حَقَّ لَهُنَّ فِي الْقَسْمِ حَالَةَ السَّفَرِ فَيُسَافِرُ الزَّوْجُ بِمَنْ شَاءَ مِنْهُنَّ وَ الْاَوْلٰى اَنْ يَّقْرَعَ بَيْنَهُنَّ فَيُسَافِرُ بِمَنْ خَرَجَتْ قُرْعَتُهَا۔ (ص ۳۶۸۔ رحمانیہ) (اشرف الہدایہ ج ۴ ص ۱۷۵)

**شكلى العبارة وترجميها۔ اذكرى معنى القسم و اشرحى العبارة بالادلة الواضحة بحيث يتضح به اختلاف الامام الشافعیؒ۔ هل يجوز للمرأة ان تهب قسمها للاخرىٰ و هل يجوز لها الرجوع بعد الهبة۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا خلاصہ پانچ امور ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) قَسم کا لغوی و اصطلاحی معنی (۴) عبارت کی تشریح مع اختلاف والدلائل (۵) عورت کے اپنی باری سوکن کو ہبہ کرنے اور اس سے رجوع کرنے کا حکم۔

**جواب** ...... ① عبارت پر اعراب:۔ **کما مرّ السوال آنفا۔**

② عبارت کا ترجمہ:۔ سفر کی حالت میں منکوحات کا تقسیم میں کوئی حق نہیں ہے۔ پس شوہر ان میں سے جس کے ساتھ چاہے سفر کرے اور بہتر یہ ہے کہ ان میں قرعہ ڈالے پس جس کا قرعہ نکلے اس کے ساتھ سفر کرے۔

③ قَسم کا لغوی و اصطلاحی معنی:۔ لغوی معنی تقسیم کرنا ہے۔ اصطلاح میں متعدد زوجات و منکوحات میں برابری کرنا قَسم ہے۔ متعدد زوجات میں یہ عدل و برابری واجب و لازم ہے۔ اگر ان میں یہ برابری و عدل نہ ہو سکنے کا غالب گمان ہو تو یہ تعددِ نکاح ممنوع ہے اور باعثِ گناہ ہے۔

④ عبارت کی تشریح مع الاختلاف والدلائل:۔ ایک شخص کی اگر ایک سے زائد بیویاں ہوں تو حالتِ سفر میں تقسیم اور باری کا ان کے لئے کوئی حق نہیں ہے، خاوند جس بیوی کو اپنے ساتھ سفر میں لے جانا چاہے لے جا سکتا ہے بہتر یہ ہے کہ ان میں قرعہ اندازی کرے جس کا نام قرعہ میں نکلے اس کو ساتھ لے کر جائے۔ اور یہ ایام دوسری بیویوں کے حق میں محسوب بھی نہ ہوں گے البتہ قرعہ اندازی کے اولیٰ یا واجب ہونے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حالتِ سفر میں خاوند کیلئے اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی کرنا اولیٰ ہے جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک قرعہ اندازی واجب ہے حتیٰ کہ اگر بغیر قرعہ اندازی کے کسی ایک کے ساتھ سفر کیا تو مدتِ سفر محسوب ہوگی یعنی اتنی مدت دوسری بیوی کے ساتھ قیام کرے گا۔

امام شافعیؒ کی دلیل: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ جب سفر کا ارادہ فرماتے تھے تو اپنی عورتوں میں قرعہ اندازی فرماتے تھے، پس جس کے نام قرعہ نکل آتا اسی کے ساتھ سفر کرتے۔ تو یہ فعلِ نبی ﷺ وجوب پر دال ہے۔

اس کا یہ جواب ہے کہ آپ ﷺ کا یہ عمل ازواجِ مطہرات کی خوش دلی کے لئے تھا لہٰذا یہ فعلِ قرعہ اندازی استحباباً ہوگا نہ کہ وجوباً۔ مزید یہ کہ آپ ﷺ پر تقسیم (باری مقرر کرنا) واجب ہی نہ تھا جب تقسیم واجب نہیں تو قرعہ اندازی کیسے واجب ہو سکتی ہے۔

امام صاحبؒ کی قرعہ اندازی کے استحباب پر پہلی دلیل ابھی امام شافعیؒ کی دلیل کے جواب میں گزر چکی ہے۔ دوسری دلیل: مسافرت میں عورت کیلئے کوئی حق نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر وہ کسی کو بھی اپنے ساتھ سفر میں نہ لے جائے تو اس کو اس کا اختیار ہے، اسی طرح یہ بھی اختیار ہے کہ ان میں سے کسی ایک کے ساتھ سفر کرے، جب اختیار ہوا تو قرعہ اندازی کرنا مستحب ہوا نہ کہ واجب۔

⑤ عورت کے اپنی باری سوکن کو ہبہ کرنے اور اس سے رجوع کرنے کا حکم:۔ اگر منکوحات میں سے کسی ایک نے اپنی باری کسی سوکن کو ہبہ کر دی تو یہ شرعاً جائز ہے کیونکہ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دی تو جب آپ ﷺ نماز کیلئے نکلے تو حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے آپ کا کپڑا پکڑ لیا اور کہنے لگیں کہ بخدا مجھ کو مردوں کی کوئی حاجت نہیں رہی لیکن میری خواہش یہ ہے کہ میرا حشر آپ کی ازواج مطہرات میں ہو اور درخواست کی کہ اللہ کے رسول آپ سودہ رضی اللہ عنہا سے رجوع فرما لیں اور سودہ رضی اللہ عنہا اپنی باری کا دن عائشہ رضی اللہ عنہا کیلئے مقرر کر دیگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اپنی باری سوکن کو ہبہ کرنا جائز ہے۔

جس عورت نے اپنی باری کا دن اپنی سوکن کو دے دیا اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے اس حق کو واپس لے لے کیونکہ اس نے ایسا حق ساقط کیا جو ابھی تک واجب ہی نہیں ہوا، لہٰذا وہ ساقط ہی نہیں ہوگا۔ پس یہ رجوع اپنی باری دینے سے رکنا ہے، نہ کہ کسی ساقط شدہ چیز کو واپس لینا ہے پس معلوم ہوا کہ اپنی باری سے رجوع کرنا جائز ہے۔

**الشق الثانی** ...... **و اذا اختلط اللبن بلبن الشاة و اللبن هو الغالب تعلق به التحريم و ان غلب لبن الشاة لم يتعلق به التحريم و اذا اختلط لبن امرأتين تعلق التحريم باغلبهما عند ابى يوسف۔** (ص ۳۷۱۔ رحمانیہ)

**ترجمی العبارة واضحة ۔ اختلف ساداتنا الحنفية فی المسئلة المكتوبة فعليك ذكر أقوالهم و**

**أدلتهم (اذا نزل للبكر لبن فارضعت صبيًا) هل تعلق به الحرمة ام لا؟ اكتبيها بالدليل۔** (اشرف الہدایہ ۱۸۸:۴)

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال کا حاصل تین امور ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) مذکورہ مسئلہ میں حنفیہ کا اختلاف مع الدلائل (۳) باکرہ کے دودھ سے حرمتِ رضاعت کے ثابت ہونے کی وضاحت مع الدلیل۔

**جواب** ...... ① عبارت کا ترجمہ:۔ اور جب عورت کا دودھ بکری کے دودھ کے ساتھ مل گیا اور عورت کا دودھ غالب ہے تو اس کے ساتھ تحریم متعلق ہوگی اور اگر بکری کا دودھ غالب ہے تو اس کے ساتھ تحریم متعلق نہیں ہوگی اور جب دو عورتوں کا دودھ مل گیا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان دونوں میں سے اغلب کے ساتھ تحریم متعلق ہوگی۔

② مذکورہ مسئلہ میں حنفیہ کا اختلاف مع الدلائل:۔ اس عبارت میں مذکور پہلے مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ بکری کے دودھ پر عورت کا دودھ غالب تھا اور اس کو کسی بچہ نے پی لیا تو اس سے بالاتفاق حرمتِ رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر دو عورتوں کا دودھ مل گیا اور اس کو ایک بچے نے مدتِ رضاعت کے اندر پی لیا تو کیا حرمتِ رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں۔ اس مسئلہ میں احناف کا آپس میں اختلاف ہے۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ غالب کا اعتبار ہے جس عورت کا دودھ غالب تھا اسکے ساتھ حرمتِ رضاعت ثابت ہوگی اور امام شافعیؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام محمدؒ اور امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ دونوں کے ساتھ حرمتِ رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ امام ابو حنیفہؒ سے اسکے متعلق دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت میں امام ابو یوسفؒ کے ساتھ ہیں۔ دوسری روایت میں امام محمدؒ اور امام زفرؒ کے ساتھ ہیں۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل: یہ ہے کہ دونوں عورتوں کا دودھ مل کر ایک چیز بن گیا ہے۔ اور اس پر رضاعت کا حکم تب لگائیں گے جب اقل کو اکثر کے تابع کریں گے چنانچہ جس کا دودھ اکثر ہے اس سے حرمتِ رضاعت ثابت ہوگی دوسری سے نہیں۔

امام محمدؒ اور زفرؒ کی دلیل: یہ ہے کہ جنس اپنی جنس پر غالب نہیں آتی کیونکہ غلبہ اس وقت متحقق ہوتا ہے جبکہ شیٔ مغلوب معدوم ہو جائے اور شیٔ اپنی جنس میں ملکر معدوم نہیں ہوتی بلکہ اس میں اضافہ ہی ہوتا ہے اس لئے کہ دونوں کا مقصود متحد ہے پس جب ایک شیٔ اپنی جنس میں ملکر معدوم نہیں ہوتی تو ان میں سے کوئی کسی کے تابع نہیں ہوگا اور جب ایک دوسرے کے تابع نہیں تو تحریم دونوں کے ساتھ مستقلاً متعلق ہوگی، نہ کہ ایک کے ساتھ۔

③ باکرہ کے دودھ سے حرمتِ رضاعت ثابت ہونے کی وضاحت مع الدلیل:۔ اگر باکرہ عورت کے پستان سے دودھ نکلا پھر وہ دودھ باکرہ نے کسی بچہ کو پلا دیا تو باتفاق ائمہ اربعہؒ اس دودھ سے حرمتِ رضاعت ثابت ہو جائے گی۔

پہلی دلیل: یہ ہے کہ "وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ" مطلق ہے باکرہ اور ثیبہ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

دوسری دلیل: یہ ہے کہ باکرہ کا دودھ بھی نشو و نما کا سبب ہے لہٰذا اس سے بعضیت کا شبہ ثابت ہو جائے گا اور اسی جزئیت و بعضیت کے شبہ کی وجہ سے احتیاطاً حرمتِ رضاعت ثابت کر دی جائے گی۔ البتہ امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ باکرہ کا دودھ نادر ہونے کی وجہ سے مرد کے دودھ کے مشابہ ہے لہٰذا اس دودھ سے حرمتِ رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۴ھ

**الشق الاوّل** ...... **وَلَوْ قَالَ لَهَا اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَاَنْتِ طَالِقٌ وَ وَاحِدَةً وَ وَاحِدَةً فَدَخَلَتْ وَقَعَتْ عَلَيْهَا وَاحِدَةٌ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَا تَقَعُ ثِنْتَانِ وَلَوْ قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً وَ وَاحِدَةً اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَدَخَلَتْ طُلِّقَتْ ثِنْتَيْنِ بِالْاِجْمَاعِ۔** (ص ۳۸۸۔ رحمانیہ)

**شكلى العبارة ۔ الضمير فى قوله "ولو قال لها" يرجع الى المدخولة او غير المدخولة؟ زيّنى القرطاس بكتابة المسئلة الاختلافية المشهورة بالأدلة كما زينه المصنفؒ۔** (اشرف الہدایہ ج۴ ص ۲۵۹)

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) ضمیر کے مرجع کی تعیین (۳) مسئلہ میں اختلاف مع الدلائل۔

**جواب** ...... ① عبارت پر اعراب:۔ **كما مرّ فى السوال آنفا۔**

② ضمیر کے مرجع کی تعیین:۔ مصنفؒ کی عبارت **ولو قال لها** میں **ها** ضمیر کا مرجع غیر مدخول بہا ہے یعنی اگر غیر مدخولہ کو یہ کلام کہی تو کتنی طلاقیں واقع ہوں گی۔

③ مذکورہ مسئلہ میں اختلاف مع الدلائل:۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر متعدد طلاقیں شرط پر معلق کی گئی ہیں اور ایک کا دوسری پر واؤ کے ذریعہ عطف کیا گیا ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں ① شرط مقدم ہوگی ② شرط مؤخر ہوگی۔ اگر شرط مؤخر ہے مثلاً یوں کہا **انت طالق واحدة و واحدة ان دخلت الدار** پھر عورت گھر میں داخل ہوگئی تو بالاتفاق دونوں واقع ہو جائینگی اور اگر شرط مقدم ہے مثلاً یوں کہا **ان دخلت الدار فانت طالق واحدة و واحدة** اور غیر مدخول بہا گھر میں داخل ہوگئی تو اس صورت میں اختلاف ہے۔

صاحبینؒ کے نزدیک اس صورت میں دو طلاق واقع ہونگی اور امام صاحبؒ کے نزدیک ایک طلاق واقع ہوگی۔

صاحبینؒ کی دلیل: یہ ہے کہ کلمہ واؤ مطلق جمع کے لئے آتا ہے۔ لہٰذا شرط کے مقدم ہونے کی صورت میں دونوں طلاقیں جمع ہو کر شرط کے ساتھ معلق ہوں گی اور یکبارگی واقع ہوں گی جیسا کہ **ان دخلت الدار فانت طالق ثنتين** کہنے کی صورت میں دونوں طلاقیں یکبارگی واقع ہوتی ہیں، جیسا کہ شرط کے مؤخر ہونے کی صورت میں دو طلاق واقع ہوتی ہیں اسی طرح شرط کے مقدم ہونے کی صورت میں بھی دو طلاق واقع ہوں گی۔ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: یہ ہے کہ واؤ مطلقاً جمع کیلئے آتی ہے اور یہ اتصال و ترتیب دونوں کا احتمال رکھتی ہے پس اگر اتصال کے معنی کی رعایت کی جائے تو دو طلاقیں واقع ہوں گی اور اگر ترتیب کے معنی کا لحاظ کیا جائے تو ایک واقع ہوگی جیسا کہ **انت طالق واحدة و واحدة** طلاق منجز میں صرف ایک واقع ہوگی۔ پس معلوم ہوا کہ ایک طلاق سے زائد میں شک ہے اور شک کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی لہٰذا ایک سے زائد واقع نہ ہوگی۔

صاحبینؒ کے تقدم شرط کی صورت کو تاخیر شرط کی صورت پر قیاس کرنے کا جواب یہ ہے کہ یہ قیاس صحیح نہیں ہے کیونکہ تاخیر کی صورت میں شرط اوّل کلام کو بدل دینے والی ہے۔ لہٰذا اوّل کلام شرط پر موقوف رہے گی پس وجودِ شرط کے بعد دونوں طلاقیں دفعۃً واقع ہو جائیں گی اور تقدم کی صورت میں اوّل کلام کو بدلنے والی کوئی چیز موجود نہیں ہے اسلئے اوّل کلام آخر کلام پر موقوف نہیں ہوگی۔ دونوں طلاقیں علی الترتیب واقع ہوں گی۔ نیز **انت طالق ثنتين** پر قیاس کرنا بھی درست نہیں ہے کیونکہ **ثنتين** کی تصریح کے وقت ترتیب کا احتمال ہی نہیں رہا اور حرف واؤ کے ساتھ ترتیب کا احتمال ہے پس اس فرق کے ہوتے ہوئے قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

اور اگر حرف فاء کے ساتھ عطف کیا مثلاً **انت طالق واحدة فواحدة** کہا تو امام کرخیؒ کے بیان کے مطابق یہ بھی مختلف فیہ ہے یعنی امام صاحبؒ کے نزدیک ایک اور صاحبینؒ کے نزدیک دو واقع ہوں گی گویا کہ امام کرخیؒ نے عطف بواؤ اور عطف بالفاء کو برابر کر دیا حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے اور فقیہ ابولیثؒ کہتے ہیں کہ فاء کی صورت میں بالاتفاق ایک طلاق واقع ہوگی اور یہی درست ہے کیونکہ فاء تعقیب یعنی ترتیبِ حکم پر دلالت کرنے کیلئے آتا ہے۔

**الشق الثانی** ...... **"فصل" قال و من حلف لايكلم حينا اوزمانا او الحين او الزمان فهو على ستة اشهر و كذالك الدهر عندهما۔**

**اشرحی العبارة من قوله و من حلف...... الى قوله فهو على ستة اشهر كما شرحها صاحب الهداية ۔ اكتبى اختلاف الامام ابى حنيفةؒ و صاحبيه فى لفظ الدهر ۔ هذا الاختلاف فى لفظ الدهر المنكّر او المعرّف أو فى كليهما ۔** (ص۴۸۹۔ رحمانیہ) (اشرف الہدایہ ج۶ ص۱۰۰)

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں۔ (۱) عبارت کی تشریح (۲) لفظِ الدہر میں امام صاحب اور صاحبینؒ کا اختلاف (۳) تعریف و تنکیر کے اعتبار سے لفظِ دھر میں فرق۔

**جواب** ...... ① عبارت کی تشریح:۔ اگر حالف نے لفظ حین یا زمان کے ساتھ قسم کھائی خواہ ان لفظوں کو نکرہ (**حينا، زمانا**) استعمال کیا ہو یا معرفہ (**الحين، الزمان**) استعمال کیا ہو بہرصورت قسم کا اطلاق چھ ماہ کی قلیل مدت پر مبنی ہوگا کیونکہ یہ دونوں لفظ (**حين وزمان**) قلیل اور کثیر دونوں طرح کی مدت کیلئے مستعمل ہوتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا **هَلْ اَتٰى عَلَى**

الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ (کبھی گزرا ہے انسان پر ایک وقت زمانے میں) اس آیت میں لفظ حین طویل مدت کیلئے استعمال ہوا ہے۔
قرآن کریم ہی میں دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے تُؤْتِیْ اُکُلَهَا کُلَّ حِیْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا اس میں حین کا لفظ قلیل مدت کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر وَ ذَالِكَ سِتَّةُ اَشْهُرٍ سے کی ہے کیونکہ حین تازہ کھجور کا وہ وقت ہے جو خشک ہونے تک درکار رہتا ہے اور وہ چھ ماہ ہے۔ اور چھ ماہ چونکہ اوسط اور درمیانی مدت ہے اس وجہ سے صورتِ مذکورہ میں حین سے مراد چھ ماہ ہے۔ اور یہ اس وقت ہے جب حالف کی کوئی نیت نہیں تھی۔ کیونکہ تھوڑی مدت میں تکلم سے انکار مقصود نہیں ہوتا اس لئے کہ اتنے تھوڑے سے وقت میں ترک کلام کا سلسلہ رکھنا عادۃً پایا جاتا ہے۔ اور حین سے اکثر زمان مؤخر بھی مقصود نہیں ہوتا کیونکہ وہ بمنزلِ ابد کے ہوتا ہے اور اگر اس سے خاموش ہو جائے۔ یعنی اگر حالف نے ترکِ کلام پر مبنی قسم کو حین یا زمان کے اختیار کرنے سے خاموشی اختیار کرلی تو اس سے ترکِ کلام کا دائمی سلسلہ متحقق ہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ درمیانی مدت جو کہ چھ ماہ ہے اس کا تعین ہوگا۔ اور اگر اس نے کسی وقت معین کی نیت کی ہے تو پھر اسی نیت کے مطابق قسم کا اعتبار ہوگا۔

② لفظ الدهر میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف:۔ اگر حالف نے اپنی قسم میں لفظِ دھر نکرہ بولا تو امام صاحبؒ کے نزدیک اس کا کوئی معنی نہیں ہے۔ البتہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ لفظِ دھر حین اور زمان کی مانند ہے یعنی جس طرح حین اور زمان چھ ماہ پر بولا جاتا ہے، اسی طرح لفظِ دھر بھی چھ ماہ پر بولا جاتا ہے۔

صاحبینؒ کی دلیل: یہ ہے کہ لفظِ دھر بھی حین اور زمان کی طرح مستعمل ہے چنانچہ مارأيتك منذ حين اور مارأيتك منذ دهر دونوں کا معنی ایک ہے۔ اہلِ عرب کے نزدیک ان دونوں مقولوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

امام صاحبؒ کی دلیل: یہ ہے کہ جب لفظِ دہر نکرہ استعمال کیا جائے تو اس صورت میں لفظِ دھر کی تقدیر میں توقف ہے اس لئے کہ لغات کا ادراک قیاس سے نہیں کیا جاتا بلکہ اسماء اور الفاظ کی لغوی مقدار نقل پر موقوف ہے اور لفظِ دھر بصورت نکرہ کی مقدار کے حوالہ سے کوئی نص موجود نہیں ہے۔

③ تعریف و تنکیر کے اعتبار سے لفظِ دھر میں فرق:۔ استعمال کے لحاظ سے لفظِ دھر دونوں طرح سے استعمال ہوتا ہے۔ (بغیر الف لام کے یعنی نکرہ بھی اور الف لام کیساتھ یعنی معرفہ بھی)۔ صاحبینؒ کے نزدیک خواہ معرفہ استعمال ہو یا نکرہ معنی میں کوئی توقف نہیں البتہ اگر نکرہ ہے تو اس سے چھ ماہ کی مدت مراد ہوتی ہے اور معرفہ کی صورت میں دوام مراد ہوتا ہے اور امام صاحبؒ کے نزدیک فرق ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر دھر کو معرفہ لایا تو عرفاً بالاتفاق دوام مراد ہوگا اور اگر نکرہ بولا تو اس کے معنی میں توقف ہوگا۔

## السوال الثالث ۱۴۳۴ھ

**الشق الاوّل** ......قال ولو حلف لا يأكل لحمًا فاكل لحم السمك لايحنث والقياس ان يحنث لانه يسمى لحمًا فى القرآن ، وجه الاستحسان ان التسمية مجازية لان اللحم منشاه من الدّم ولا دم فيه لسكونه فى الماء وان اكل لحم خنزير او لحم انسان يحنث لانه لحم حقيقى الا انه حرام واليمين قد يعقد للمنع من الحرام ۔ (ص۴۸۵۔رحمانیہ)

ترجمی العبارة المذكورة ۔ كيف يحنث بأكل السمك من حلف انه لا يأكل لحمًا مع ان السمك سماه الله تعالىٰ بلحم طرى ، وكيف يحنث باكل لحم الخنزير والانسان مع انه حرام اكله ؟ بيّنى الامر وشأنه ۔ من حلف لا يأكل رأسا ماذا يكون المراد به ؟ (اشرف الہدایہ ج۶ ص۸۳)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) گوشت نہ کھانے کی قسم اٹھانے والے کے مچھلی، خنزیر وانسان کا گوشت کھانے سے حانث ہونے کی وجہ (۳) من حلف لایأكل رأسًا کی مراد۔

**جواب** ...... ① عبارت کا ترجمہ:۔ اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ میں گوشت نہیں کھاؤں گا مگر اس نے مچھلی کا گوشت کھالیا تو حانث نہیں ہوگا، قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ حانث ہو جائے کیونکہ قرآن پاک میں مچھلی کے گوشت کو بھی گوشت ہی کہا گیا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے

**ومن کل تأکلون لحمًا طریا** (یعنی مچھلی کا تازہ گوشت) اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ اس کا نام گوشت رکھنا مجازی ہے کیونکہ گوشت کی پیدائش خون سے ہوتی ہے اور مچھلی میں خون نہیں ہوتا کیونکہ وہ پانی میں رہتی ہے اور اگر خنزیر یا انسان کا گوشت کھالیا تو بھی حانث نہیں ہوگا۔ اسلئے کہ ان دونوں کے گوشت اگرچہ حقیقتاً گوشت ہیں مگر یہ حرام قطعی ہے اور کبھی قسم قطعًا حرام سے باز رکھنے کیلئے ہوتی ہے۔

② <u>گوشت نہ کھانے کی قسم اٹھانے والے کے مچھلی، خنزیر و انسان کا گوشت کھانے سے حانث ہونے کی وجہ:۔</u> نصِ قرآنی کے اعتبار سے مچھلی کے گوشت کو بھی گوشت ہی کہا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے **ومن کل تأکلون لحمًا طریا** (تازہ گوشت)۔ مگر اسے مجازاً گوشت کہا گیا ہے کیونکہ حقیقۃً گوشت وہ ہے جو خون سے پیدا ہوا اور مچھلی میں خون نہیں ہوتا کیونکہ وہ پانی میں رہتی ہے۔ نیز عرف میں مطلق گوشت خریدنے میں مچھلی کی طرف ذہن نہیں جاتا اسلئے مچھلی کا گوشت کھانے سے حالف حانث نہ ہوگا۔

باقی خنزیر و انسان کا گوشت کھانے سے حانث ہونے کی وجہ یہ ہے کہ گوشت اگرچہ حرام قطعی ہے مگر بعض اوقات قطعی حرام چیز سے باز رکھنے کے لئے بھی قسم کھائی جاتی ہے، لہٰذا یہ قسم بھی صحیح ہوگی اور گوشت نہ کھانے کی قسم کھانے والا انسان یا خنزیر کا گوشت کھانے سے حانث ہوجائے گا۔

③ <u>**من حلف لایأکل رأسًا** کی مراد:۔</u> اگر کسی نے رأس (سری) نہ کھانے کی قسم کھائی تو اس کی اس قسم سے وہ سریاں مراد ہوں گی جو عرفِ عام میں تنور میں پکائی جاتی ہیں اور شہروں میں فروخت کی جاتی ہیں، پس اس صورت میں اگر وہ بکری و بھیڑ کی سری کھائے گا تو حانث ہوگا، ورگرنہ نہیں۔

**الشق الثانی** ......**وَنِكَاحُ الْمُتْعَةِ بَاطِلٌ وَهُوَ اَنْ يَقُوْلَ لِامْرَأَةٍ اَتَمَتَّعُ بِكِ كَذَا مُدَّةً بِكَذَا مِنَ الْمَالِ قَالَ مَالِكٌ هُوَ جَائِزٌ لِاَنَّهٗ كَانَ مُبَاحًا فَيَبْقٰى اِلٰى اَنْ يَظْهَرَ نَاسِخُهٗ ...... وَالنِّكَاحُ الْمُوَقَّتُ بَاطِلٌ**۔ (ص ۳۳۳۔ رحمانیہ)

**شکّلی العبارۃ ثم ترجمیھا۔ اشرحی مسألۃ نکاح المتعۃ بوضوح مع ذکر اختلاف الائمۃ وادلتھم۔ ما ھو الفرق بین نکاح المتعۃ والنکاح الموقت؟** (اشرف الہدایہ ج۴ ص۴۵)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) نکاحِ متعہ میں اختلاف مع الدلائل (۴) متعہ و نکاحِ مؤقت میں فرق۔

**جواب** ...... ① <u>عبارت پر اعراب:۔</u> **کمامرّ فی السوال آنفا۔**

② <u>عبارت کا ترجمہ:۔</u> نکاحِ متعہ باطل ہے اور وہ یہ ہے کہ مرد کسی عورت سے کہے کہ میں تجھ سے اتنی مدت تک اتنے مال کے بدلہ میں نفع اٹھاؤں گا۔ امام مالکؒ نے کہا کہ نکاحِ متعہ جائز ہے اس لئے کہ متعہ مباح تھا پس وہ باقی رہے گا جب تک کہ کوئی ناسخ ظاہر نہ ہوجائے اور نکاحِ مؤقت باطل ہے۔

③ <u>نکاحِ متعہ میں اختلاف مع الدلائل:۔</u> اہلِ تشیع کے نزدیک متعہ نہ صرف حلال ہے بلکہ عظیم ترین عبادت ہے جبکہ اس کے بالمقابل پوری امتِ مسلمہ متعہ کی حرمت پر متفق ہے۔

روافض کے ہاں جو متعہ رائج ہے یہ خالص زنا ہے، ان کے متعہ میں گواہ نہیں ہوتے، ولی نہیں ہوتا، نفقہ واجب نہیں ہوتا، سکنی، عدت، میراث اور نسب نام کی کوئی چیز ثابت نہیں ہوتی، بس ایک مرد ایک عورت سے تمتع حاصل کرنے کے لئے اجرت کے عوض معاہدہ کرلیتا ہے اور ظاہر ہے کہ اسی باہمی رضامندی سے عام طور پر زنا بھی ہوتا ہے یہ اور بات ہے کہ زنا میں اجرت کا طے ہونا کوئی ضروری نہیں، زنا بغیر اجرت کے بھی ہوتا ہے اور اجرت کے ساتھ بھی اور متعہ میں اجرت ہوتی ہے، کسی بھی دینِ سماوی میں کبھی بھی جس طرح زنا حلال نہیں ہوا اسی طرح روافض کا مذکورہ متعہ بھی حلال نہیں ہوا۔

متعہ کی حلت پر روافض قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں **فما استمتعتم بہ منھن فاٰتوھن اجورھن فریضۃ ولاجناح علیکم فیما تراضیتم بہ من بعد الفریضۃ ان اللہ کان علیمًا حکیمًا**۔ روافض کہتے ہیں کہ اس آیت میں متعہ کا بھی ذکر ہے اور اجرت کا بھی، نیز حضرت ابی بن کعب اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت میں **الی اجل**

**مسمی** کا اضافہ بھی ہے۔اجل، متعہ اور اجرت تینوں چیزوں کا ذکر ہے اور اسی کا نام متعہ ہے لہٰذا متعہ کا ثبوت قرآن میں موجود ہے، لیکن یہ تلبیس ہے۔اس آیت سے پہلی آیت میں اللہ جل شانہ نے محرمات کی تفصیل بیان فرمائی ہے **حرمت علیکم امھاتکم وبناتکم الخ،** اسکے بعد متصل دوسری آیت میں **واحل لکم ماوراء ذلکم ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین** میں ان عورتوں کی نشاندہی فرمائی گئی ہے جن سے نکاح حلال اور جائز ہے یعنی محرمات کے علاوہ باقی عورتوں سے نکاح جائز ہے پھر **واحل لکم** پر تفریع قائم کرتے ہوئے فرمایا گیا **فما استمتعتم به الخ** یعنی جب تم نے ان حلال عورتوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح کرلیا اور اس سے استمتاع بھی کرلیا تو اس کا پورا مہر اس کو دو۔اس سیاق وسباق کو دیکھنے سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ **فما استمتعتم به الخ** سے کسی مستقل چیز کا حکم نہیں دیا جارہا ہے بلکہ یہ ماقبل کی کلام پر تفریع اور اسکا تتمہ ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ اس میں **اجورھن** لفظ آیا ہے تو اطلاعاً عرض ہے کہ یہاں **اجورھن** بالاتفاق **مھورھن** کے معنی میں ہے،مہر کے لئے قرآن نے دوسری آیات میں بھی **اجر** کا لفظ استعمال کیا ہے جیسے **فانکحوھن باذن اھلھن وآتوھن اجورھن** اور **لاجناح علیکم ان تنکحوھن اذا اتیتموھن اجورھن الخ،** ان دونوں آیات میں **اجورھن** بالاتفاق **مھمورھن** کے معنی میں ہے۔ مہر کیلئے لفظ ''اجرت'' کے استعمال کی وجہ یہ ہے کہ مہر عورت کے منافع کا عوض ہوتا ہے اسکی ذات کا عوض نہیں ہوتا اور جو چیز منافع کے عوض میں ہوتی ہے اس کو اجرت کہتے ہیں۔ جہاں تک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قرأت کا تعلق ہے تو ان کی وہ قرأت شاذہ ہے جس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

''**فما استمتعتم به......**'' سے اگر رافضیوں کا متعہ مراد لیا جائے تو اس سے ایک اور خرابی یہ لازم آئے گی کہ آیت میں تعارض پیدا ہوجائے گا کیونکہ آیت کے ابتدائی حصہ میں کہا گیا کہ محرمات کے علاوہ جن عورتوں سے بھی تم نکاح کرو اس نکاح سے عفت اور پاکدامنی کے طلبگار بنو، نکاح سے شہوت رانی مقصد نہیں ہونی چاہیے چنانچہ فرمایا گیا **محصنین غیر مسافحین** اب اگر **فما استمتعتم به الخ** سے روافض کا متعہ مراد لیا جائے تو وہ تو ہوتا ہی شہوت رانی کے لئے ہے جس کی پہلے ممانعت کی گئی ہے، اس طرح اوّل اور آخر کلام میں تعارض پیدا ہوگا۔

حدیث کے علاوہ قرآن مجید کی بھی کئی آیات متعہ کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں چنانچہ **والذین ھم لفروجھم حافظون، الا علی ازواجھم او ماملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین، فمن ابتغی وراء ذلک فاولئك ھم العادون** میں دو قسم کی عورتوں کے ساتھ ہمبستری کی اجازت دی گئی ہے، ایک ازواج یعنی وہ عورتیں جن سے عقد نکاح کے ذریعہ انسان تمتع حاصل کرسکتا ہے اور دوسری ملکِ یمین کے ذریعہ سے انسان کی ملکیت میں آنے والی باندیاں، ان دو قسموں کے علاوہ کسی اور سے اپنی شہوت پوری کرنے والوں کے بارے میں کہا گیا کہ ایسے لوگ سرکش اور باغی ہیں اور ظاہر ہے جس عورت سے متعہ کیا جاتا ہے وہ ان دو قسموں میں سے کسی میں بھی داخل نہیں ہے۔اس کو آپ زوجہ نہیں کہہ سکتے کہ زوجہ کیلئے میراث، سکنی، عدت اور اس سے پیدا ہونے والے بچہ کا نسب ثابت ہوتا ہے جبکہ متعہ میں عورت کیلئے ان میں سے کسی چیز کا ثبوت روافض نہیں مانتے، اسی طرح اس پر باندی کا اطلاق بھی نہیں کیا جاسکتا کہ باندی فروخت کی جاسکتی ہے لیکن جس عورت سے متعہ کیا جاتا ہے اس کو فروخت نہیں کرسکتے اسلئے متعہ کرنے والے لوگ **فمن ابتغی وراء ذلک فاولئك ھم العادون** میں داخل ہیں اور اس آیت سے حرمت متعہ بالکل صاف طور پر ثابت ہورہی ہے۔

اسی طرح دوسری آیت **وان خفتم ان لا تقسطوا فی الیتامی فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنی وثلاث ورباع، فان خفتم ان لاتعدلوا فواحدۃ او ماملکت ایمانکم** سے بھی متعہ کی حرمت ثابت ہوتی ہے (نساء)۔ یہاں بھی نکاح کی اجازت ہے یا ملکِ یمین کی اور متعہ نہ نکاح ہے اور نہ اس میں ملکِ یمین کی شکل پائی جاتی ہے، نیز یہاں یہ قید ہے کہ نکاح بیک وقت صرف چار عورتوں کے ساتھ کیا جاسکتا ہے، عدد مقرر ہے جبکہ متعہ بیک وقت روافض کے ہاں دس عورتوں سے بھی کیا جاسکتا ہے بلکہ ہزار عورتوں سے بھی کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کی اس آیت سے بھی متعہ کی حرمت ثابت

0313 6367915 maktabazakariyamultan@gmail.com

ہوتی ہے **ولیستعفف الذین لایجدون نکاحا حتی یغنیھم اللہ من فضلہ** (نور) (اور جن لوگوں کو نکاح پر قدرت نہیں وہ اپنے آپ کو قابو میں رکھیں حتی کہ جب اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کردے) (تب نکاح کرلیں)۔ یہ آیت صاف صاف بتا رہی ہے کہ اگر کسی شخص کی مالی استطاعت اتنی نہیں ہے کہ وہ نکاح اور نفقہ وغیرہ کے اخراجات برداشت کر سکے تو اس کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ عفیف رہنے کی کوشش کرے اور اپنے نفس کو ضبط وقابو میں رکھے، جب اللہ تعالیٰ اس کی مالی حالت مستحکم فرمادیں گے تب وہ نکاح کرے اگر متعہ کے جواز کی کوئی صورت اسلام میں جائز ہوتی تو آیت میں اس اسلوب کو اختیار کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی، غناء سے قبل اس کو عفیف اور قابو میں رہنے کے بجائے متعہ کا حکم دے دیا جاتا۔

اسی طرح قرآن کی سورۃ فرقان کی آیت "**ھوالذی خلق لکم من الماء بشرا فجعلہ نسبا وصھرا**" میں نسب اور مصاہرت کے سلسلہ کو اللہ کی نعمتوں میں شمار کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ نسب اور مصاہرت کا ترتب نکاح پر ہوتا ہے متعہ پر نہیں ہوتا پھر اگر متعہ بقولِ روافض عظیم عبادت ہے تو جس طرح نکاح میں اظہار اور اعلان ہوتا ہے، تہنیت ومبارکباد پیش کی جاتی ہے تو یہ لوگ متعہ میں ایسا کیوں نہیں کرتے، آج تک کسی رافضی کو فخر سے یہ کہتے کسی نے نہیں سنا ہوگا کہ اس نے اپنی مادر محترمہ یا بہن کے متعہ کا ذکر کیا ہو اور اس عظیم عبادت کے انعقاد پر خوشی کا اظہار کیا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے دل خود اندر سے اس پر مطمئن نہیں ہیں لیکن شہوت رانی اور دین اسلام سے برگشتگی اور انحراف کی وجہ سے انہوں نے خالص زنا کو متعہ کا نام دے کر اس کے جواز کا ڈھنڈورا پیٹنا شروع کیا، اللہ تعالیٰ ہمیں شیطان کے ہتھکنڈوں سے بچائیں۔ (آمین) ابتدائے اسلام میں جو متعہ حلال تھا وہ درحقیقت نکاحِ موقت تھا، یہاں روایت میں جس متعہ کی حرمت کا ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے متعہ سے ممانعت فرمائی اس متعہ سے رافضیوں کا متعہ مراد نہیں جیسا کہ بتادیا گیا کہ متعۂ روافض زنا ہے اور زنا کی اجازت اسلام میں کبھی بھی نہیں دی گئی، ابتدائے اسلام میں جس متعہ کی اجازت تھی وہ درحقیقت نکاحِ موقت تھا، نکاحِ موقت، زنا اور نکاح صحیح کے درمیان کی چیز ہے، نکاح موقت پر نہ نکاح صحیح کا اطلاق درست ہے اور نہ اسکو زنا کہہ سکتے ہیں، نکاح صحیح اس کو اسلئے نہیں کہہ سکتے کہ نکاح صحیح میں میراث اور فرقت کے بعد عدت ہوتی ہے جبکہ نکاحِ موقت میں یہ چیزیں نہیں ہوتیں، تاہم اسکو زنا بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ عقد گواہوں کی موجودگی میں ہوتا ہے اور اسمیں استبراء بھی ہوتا ہے۔

نیز ولی کی اجازت بھی ہوتی ہے اسلئے اس کو زنا نہیں کہہ سکتے۔ (کشف الباری، مغازی ص ۴۳۵ تا ۴۴۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف یہ بات بعض روایات میں منسوب ہے کہ وہ جوازِ متعہ کے قائل تھے لیکن ان کی طرف یہ نسبت انکے اقوال شاذہ کی بنیاد پر ہے لہٰذا اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے رجوع بھی ثابت ہے۔

**④ متعہ ونکاحِ موقت میں فرق:**۔ متعہ اور نکاحِ موقت میں عموماً دو فرق بیان کئے جاتے ہیں۔

① متعہ میں عندالعقد ایسا کلمہ بولنا ضروری ہوتا ہے جسکے مادہ میں میم، تاء اور عین ہو اور نکاحِ موقت میں یہ شرط نہیں ہے۔

② نکاحِ موقت میں گواہوں کا ہونا ضروری ہے جبکہ متعہ میں گواہ بھی لازم نہیں ہے۔

## ﴿الورقة الثالثة فی الفقه﴾

## ﴿السؤال الاوّل﴾ ۱۴۳۵ھ

**الشق الاوّل** ......و اذا تزوجها علی حیوان غیر موصوف صحت التسمیة ولها الوسط منه والزوج مخیران شاء اعطاها ذلك و ان شاء اعطاها قیمته .قال: معنی هذه المسئلة أن یسمی جنس الحیوان دون الوسط بأن یتزوجها علی فرس أوحمار، أما إذا لم یسم الجنس بأن یتزوجها علی دابة لاتجوز التسمیة ویجب مهرالمثل. (ص ۳۵۱۔ رحمانیہ) (اشرف الہدایہ ج ۴ ص ۱۰۷)

ترجمی العبارة ثم اشرحی صورة المسئلة بوضوح اذکر اختلاف الائمة مستوفیا لأدلّتهم.متی یجب مهرالمثل؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) صورتِ مسئلہ کی تشریح (۳) ائمہ کا اختلاف مع

الدلائل (۴) مہرِ مثلی کے وجوب کا وقت۔

**جواب** ...... ① **عبارت کا ترجمہ:۔** اور جب کسی شخص نے کسی عورت سے ایسے حیوان پر نکاح کیا جس کی صفت بیان نہیں کی گئی ہے تو یہ تسمیہ صحیح ہے اور اس عورت کے لئے اس حیوان میں سے اوسط درجہ کا حیوان ہوگا اور شوہر کو اختیار ہے کہ اگر چاہے تو عورت کو یہ وسط غلام دے اور اگر چاہے تو اس کو اس کی قیمت دیدے۔

② **صورۃِ مسئلہ کی تشریح:۔** صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ ایک مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اور مہر ایسے حیوان کو بنایا جس کی صفت بیان نہیں کی گئی تو ہمارے نزدیک مہر کا تسمیہ درست ہے اور شوہر پر یہ بات واجب ہوگی کہ وہ عورت کو اس جنس کا متوسط حیوان دے اور شوہر کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ متوسط درجہ کے حیوان کی قیمت دیدے کیونکہ متوسط کا اندازہ قیمت سے ہوتا ہے اور وہ اصل ہے۔

مطلب یہ ہے کہ شوہر نے جنسِ حیوان بیان کردی مثلاً یہ کہا کہ میں نے گھوڑے پر یا گدھے پر نکاح کیا، لیکن یہ بیان نہیں کیا کہ گھوڑا یا گدھا ادنیٰ درجہ کا ہوگا یا اعلیٰ یا اوسط درجہ کا اور اگر جنس بیان نہیں کی مثلاً دابہ کا لفظ بول دیا جو گدھا یا گھوڑا وغیرہ سب پر بولا جاتا ہے تو تسمیہ ہی صحیح نہیں ہوگا اس صورت میں خاوند پر مہرِ مثل واجب ہوگا۔

③ **ائمہ کا اختلاف مع الدلائل:۔** احنافؒ اور شوافعؒ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر مہر میں جنسِ حیوان کو ذکر کیا لیکن صفت بیان نہیں کی آیا خاوند پر مہرِ مثل واجب ہوگا یا مسمّی کا اوسط لازم ہوگا؟ احنافؒ کے نزدیک تسمیہ درست ہے البتہ صفت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے مسمّیٰ حیوان کا اوسط لازم ہوگا اور شوافعؒ کے نزدیک تسمیہ درست نہیں ہے اسلئے خاوند پر مہرِ مثل لازم ہوگا۔

امام شافعیؒ کی دلیل: یہ ہے کہ جو چیز عقدِ بیع میں ثمن نہیں بن سکتی وہ عقدِ نکاح میں مہرِ مسمّی بھی نہیں بن سکتی چونکہ غیر موصوف حیوان عقدِ بیع میں ثمن نہیں بن سکتا لہٰذا عقدِ نکاح میں حیوانِ غیر موصوف مہرِ مسمّی بھی نہیں بن سکتا اور ان دونوں یعنی مقیس علیہ اور مقیس میں علت مشترکہ یہ ہے کہ دونوں عقدِ معاوضہ ہیں۔

احنافؒ کی دلیل سے قبل دو باتیں بطورِ تمہید سمجھیں۔ ① ضابطہ یہ ہے کہ ایک التزام مال ہوتا ہے اور دوسرا معاوضہ ولزومِ مال ،التزامِ مال کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے اوپر بغیر کسی عوض کے مال لازم کردے جیسے اقرار جب کوئی شخص کسی شئی کا اقرار کرلیتا ہے تو یہ جائز ہے لیکن اس پر تعیین لازم ہے اور وہ شئی اس پر ادا کرنا لازم ہوجاتا ہے لیکن اس کے عوض اسے کچھ نہیں دیا جاتا ہے اور معاوضہ ولزومِ مال کا مطلب یہ ہے کہ کسی پر کسی شئی کے عوض اور بدل میں مال لازم ہوجائے ② التزام مال اصل جہالت سے بھی فاسد نہیں ہوتا جیسے شریعت نے دیت میں سو اونٹ غیر موصوف مقرر کئے۔ جبکہ معاوضہ ولزومِ مال مطلقاً جہالت کو برداشت نہیں کرتا اصل جہالت سے بھی فاسد ہوجاتا ہے۔ اب امام صاحب کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ نکاح ابتداءً التزامِ مال ہے اور انتہاءً معاوضہ ہے یعنی شوہر اپنے اوپر کسی عوض کے بغیر مال لازم کرتا ہے اور التزامِ مال اصل جہالت سے بھی فاسد نہیں ہوتا لہٰذا غیر موصوف حیوان کو مہر بنانا درست ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ ہم نے یہ شرط لگائی کہ مسمّیٰ مال معلوم الوسط ہو تاکہ زوجین میں سے ہر ایک کی رعایت ہوسکے اور مسمّی معلوم الوسط اسی وقت ہوسکتا ہے جبکہ جنس یعنی نوع بیان کردی گئی ہو کیونکہ جنس یعنی نوعِ حیوان جید ردی اور متوسط پر مشتمل ہوتی ہے۔ اور متوسط کا تعلق دونوں سے ہے اس لئے کہ وسط جید کے لحاظ سے ردی ہے اور ردی کی طرف نسبت کرتے ہوئے جید ہے۔

الغرض نکاح ابتداءً التزامِ مال ہے اور انتہاءً معاوضہ ہے التزامِ مال کا تقاضا تو یہ ہے کہ اصل جہالت سے بھی نکاح فاسد نہ ہو جیسے اقرار التزامِ مال ہے یہ اصلِ جہالت کو بھی برداشت کرلیتا ہے اور معاوضہ کا تقاضا یہ ہے کہ نکاح مطلقاً جہالت کو برداشت نہ کرے، نہ جہالتِ فاحشہ اور نہ ہی جہالتِ یسیرہ جیسے بیع عقدِ معاوضہ ہے یہ بالکل جہالت کو برداشت نہیں کرتی تو ہم نے دونوں مشابہتوں کی رعایت کرتے ہوئے کہا کہ نکاح جہالت فاحشہ یعنی اصل جہالت کو تو برداشت نہیں کرتا البتہ جہالت یسیرہ اور خفیفہ کو برداشت کرلے گا۔ اس لئے احناف نے کہا کہ مہر میں بیانِ جنس ضروری ہے، بیانِ وصف ضروری نہیں، لہٰذا حیوان غیر موصوف پر نکاح درست ہے اور دابہ مطلقہ پر نکاح صحیح نہیں ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ نکاح کو بیع پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ بیع کی بنیاد تنگی پر ہے اور نکاح کی بنیاد نرمی و

مصالحت پر ہے۔

④ مہرِ مثلی کے وجوب کا وقت:۔ مصنفؒ نے مہرِ مثلی کے وجوب کی دو صورتیں بیان کی ہیں۔ ① نکاح کیا مگر مہر کے متعلق سکوت اختیار کیا گیا، نہ مہر کو ذکر کیا اور نہ نفی کی گئی۔ ② نکاح کیا اور مہر نہ ہونے کی شرط لگا دی تو ان دونوں صورتوں میں مہرِ مثلی لازم ہوگا، بشرطیکہ بیوی سے دخول کیا ہو یا زوج کا انتقال ہو جائے۔ (اشرف الہدایہ)

**الشق الثانی** ...... و ینعقد نکاح الحرة العاقلة البالغة برضائها و ان لم یعقد علیها ولی بکرا کانت او ثیبا.

ترجمی العبارة ثم اذکری فوائد القیود فی العبارة ۔ عرّفی الولی ۔ حرری اقوال الفقهاء الکرام فی النکاح بعبارات النساء بیّن ادلتهم. (ص ۳۳۵۔رحمانیہ)(اشرف الہدایہ ج ۴ ص ۴۹)

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال کا حاصل چار امور ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) عبارت میں مذکور قیود کے فوائد (۳) ولی کی تعریف (۴) نکاح بعبارۃ النساء میں فقہاء کا اختلاف۔

**جواب** ...... ① عبارت کا ترجمہ:۔ حرہ عاقلہ بالغہ کا نکاح اس کی رضامندی سے منعقد ہو جاتا ہے اگرچہ کسی ولی نے اس کا عقد نہ کیا ہو، وہ حرہ باکرہ ہو یا ثیبہ ہو۔

② عبارت میں مذکور قیود کے فوائد:۔ اس عبارت میں آزاد عورت کے انعقادِ نکاح کے لئے چار قیود ذکر کی گئی ہیں۔ ① حرہ ② عاقلہ ③ بالغہ ④ رضاء۔ پہلی قید کا فائدہ یہ ہے کہ اگر عورت باندی ہے تو اس کا نکاح مولیٰ کی اجازت کے بغیر منعقد نہیں ہو گا۔ دوسری قید کا فائدہ یہ ہے کہ اگر حرہ بالغہ تو ہے لیکن عاقلہ نہیں بلکہ مجنونہ ہے تو بغیر ولی کے نکاح نہیں ہوگا۔

تیسری قید کا فائدہ یہ ہے کہ اگر عورت حرہ عاقلہ تو ہے لیکن بالغہ نہیں ہے تب بھی ولی کے بغیر نکاح درست نہیں ہے۔

چوتھی قید کا فائدہ یہ ہے کہ اگر کسی فضولی نے کسی حرہ بالغہ عاقلہ کا نکاح اس کی رضاء کے بغیر کرا دیا تو صحیح نہ ہوگا۔

③ ولی کی تعریف:۔ ولی کا لفظ ولایۃ سے مشتق ہے اور ولایۃ کا معنی تَنْفِیْذُ الْاَمْرِ عَلَی الْغَیْرِ (دوسرے پر کسی کام کو نافذ کرنا) ہے چنانچہ ولی کی تعریف یہ ہوئی اَلْوَلِیُّ مَنْ یُّنَفِّذُ الْاَمْرَ عَلَی الْغَیْرِ (ولی وہ شخص ہے جو غیر پر کسی کام کو نافذ کرے)

④ نکاح بعبارۃ النساء میں فقہاء کا اختلاف مع الدلائل:۔ حرہ عاقلہ بالغہ عورت کا نکاح از خود اسکی رضامندی سے ولی کے بغیر منعقد ہو سکتا ہے یا نہیں؟ ظاہر الروایہ کے مطابق شیخینؒ کے ہاں یہ نکاح معتبر ہے لہٰذا اسکی رضاء سے نکاح منعقد ہو جائے گا اور غیر ظاہر الراویہ میں امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ یہ نکاح معتبر نہیں جبکہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ نکاح ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا، اگر ولی اجازت دیدے گا تو معتبر، وگرنہ نہیں۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک تعبیرِ مرأۃ معتبر نہیں لہٰذا عورت کا بغیر ولی کے کیا ہوا نکاح نافذ نہ ہوگا۔

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کی دلیل: یہ ہے کہ نکاح سے مطلوب مقاصدِ نکاح (توالد و تناسل اور عورت کا فراش) ہیں اور ان مقاصد کو عورتوں کے سپرد کرنے میں ان مقاصد میں خلل ڈالنا ہے اس لئے کہ عورتیں ناقصات العقل ہوتی ہیں لہٰذا عورتوں کو نکاح کا اختیار دینا درست نہیں ہے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات تو درست ہے کہ نکاح سے مقصود مقاصدِ نکاح ہیں اور عورت کے ناقصات العقل ہونے کی وجہ سے ان کی طرف سپرد کرنا ان مقاصد کو خلل پر پیش کرنا ہے۔ لیکن خلل اور ضرر موہوم ہے جو ولی کی اجازت سے مرتفع ہو جائے گا اس لئے عورت کی تعبیر موقوفاً معتبر ہوگی۔ شیخینؒ کی دلیل: یہ ہے عورت حرہ عاقلہ بالغہ نے اپنا نکاح خود کر کے اپنے خالص حق میں تصرف کیا ہے اسی وجہ سے بضع کا بدل یعنی مہر اسی کے لئے ہوگا اور یہ عورت بالغہ اور عاقلہ ہونے کی وجہ سے ولایت علی نفسہا رکھتی ہے لہٰذا اہل تصرف میں سے ہے یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے ذاتی مال میں تصرف کا اختیار رکھتی ہے (ایک روایت کے مطابق امام محمدؒ نے بھی شیخینؒ کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا) لہٰذا عورت کا از خود نکاح درست ہے۔

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۵ھ

**الشق الاوّل** ...... ونفقة الاولاد الصغار علی الاب لایشارکه فیها احد کما لایشارکه فی نفقة الزوجة ..... وان کان الصغیر رضیعا فلیس علی امه ان ترضعه ..... و یستأجر الاب من ترضعه عندها..... وان

**استأجرها و هی زوجته او معتدته لترضع ولدها لم تجز .** (اشرف الہدایہ ج۵ص۲۲۷)

عبارت میں مذکور مسائل کی وضاحت کریں اور ہر مسئلہ کی مختصر وجہ تحریر کریں۔ بالغ لڑکے یا لڑکی کا نفقہ والد پر کس وقت لازم ہے؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل دو امور ہیں: ① مسائل کی وضاحت مع الوجہ ② والد پر بالغ لڑکے یا لڑکی کے نفقہ کا لزوم؟

**جواب** ...... ① مسائل کی وضاحت مع الوجہ:۔ نابالغ اولاد کا نفقہ والد کے ذمہ لازم ہے اور اس میں اس کے ساتھ کوئی دوسرا فرد شریک نہ ہوگا، جیسا کہ بیوی کے نفقہ میں خاوند کے ساتھ کوئی دوسرا فرد شریک نہیں ہے، اسلئے کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے (**وعلى المولود لهٗ رزقهنّ وكسوتهنّ بالمعروف**) اور مولود لہ والد ہے، پس جب مولود کی وجہ سے والدہ کا نفقہ وکسوہ والد پر لازم ہے تو خود مولود کا نفقہ بطریقِ اولیٰ لازم ہوگا۔ اور عدمِ اشتراک کی دلیل یہ ہے کہ والدہ اور مولود یعنی ولد میں سے کوئی بھی شرکت کو قبول نہیں کرتا، کیونکہ بیک وقت ایک ہی عورت دو مردوں کی منکوحہ اور ایک ہی بچہ بیک وقت دو مردوں کا بیٹا نہیں ہو سکتا، لہٰذا ان کے لئے ثابت شدہ نفقہ بھی شرکت کو قبول نہیں کرے گا۔

اگر صغیر دودھ پیتا بچہ ہو تو قضاءً والدہ پر اس کو دودھ پلانا بھی لازم نہیں ہے، کیونکہ بچہ کی کفالت وکفایت والد پر لازم ہے اس میں کوئی بھی اس کے ساتھ شریک نہیں ہے، اور دودھ پلائی کی اجرت نفقہ کی مانند ہے، لہٰذا یہ بھی والد پر لازم ہوگی۔

نیز ممکن ہے کہ بچہ کی ماں کسی عذر کی وجہ سے دودھ پلانے پر قادر نہ ہو، لہٰذا والدہ کو دودھ پلانے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔ البتہ اگر والدہ معذور نہ ہو تو دیانۃً (عنداللہ) اس پر بچہ کو دودھ پلانا لازم ہے۔

والد دودھ پلانے کیلئے ایسی عورت کو اجرت پر رکھے جو اسکی ماں کے پاس رہ کر اس کو دودھ پلائے، گویا دودھ پلانے کی اجرت باپ پر لازم ہوگی البتہ اگر ماں چاہے تو وہ عورت اسکی ماں کے پاس رہ کر اس کو دودھ پلائے، کیونکہ بچہ کی پرورش ماں کا حق ہے۔

اگر باپ نے بچہ کی ماں کو ہی دودھ پلانے کیلئے اجرت پر مقرر کیا حالانکہ وہ اسکی منکوحہ یا معتدہ ہے تو یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ دیانۃً (عنداللہ) اس پر بچہ کو دودھ پلانا لازم ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے (**والوالدات يرضعن اولادهنّ**) یعنی مائیں اپنی اولاد کو دودھ پلائیں۔ اور اس کو عاجز ہونے کی وجہ سے دودھ پلانے سے معذور رکھا گیا تھا، پس جب وہ اجرت کے ساتھ دودھ پلانے پر راضی ہے تو معلوم ہوا کہ وہ دودھ پلانے پر قادر ہے، پس اس پر دودھ پلانا لازم ہے اور اجرت لینا جائز نہیں ہے۔

البتہ مطلقہ کی عدت گزرنے کے بعد باپ نے بچہ کی ماں کو دودھ پلانے کیلئے اجرت پر رکھا تو یہ جائز ہے، اسلئے کہ اب نکاح بالکلیہ زائل ہو گیا ہے اور یہ عورت اجنبیہ کی مثل ہوگئی، اور اجنبیہ کی طرح اس کو بھی دودھ پلانے کیلئے اجرت پر لینا جائز ہے۔

② والد پر بالغ لڑکے یا لڑکی کے نفقہ کا لزوم:۔ بالغہ لڑکی اور اپاہج لڑکے کا نفقہ ثلث کے اعتبار سے لازم ہے والد پر دو ثلث اور والدہ پر ایک ثلث لازم ہے کیوں کہ ان افراد کی موت کی صورت میں والدین کو اسی حساب سے میراث ملتی ہے لہٰذا نفقہ بھی اسی اعتبار سے لازم ہوگا۔ ظاہر الروایہ کے مطابق پورا نفقہ والد کے ذمہ ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: **و على المولود له رزقهن و كسوتهن بالمعروف**، اور اپاہج بالغ لڑکا بچہ کی مثل ہے، لہٰذا اس کا نفقہ بھی باپ پر لازم ہے۔

**الشق الثانی** ...... **"باب طلاق المريض" اذا طلق الرجل امرأته فی مرض موته طلاقا بائنا فمات و هی فی العدة ورثته و ان مات بعد انقضاء العدة فلا ميراث لها. و ان طلقها ثلثا بأمرها او قال لها اختاری فاختارت نفسها او اختلعت منه ثم مات و هی فی العدة لم ترثه.** (ص۴۰۲۔ رحمانیہ)

0313 63579 15 maktabazakariyamultan@gmail.com

**ترجمی العبارة . أی المريض مراد فی قوله باب طلاق المريض . اذكری وجه توريث المرأة من زوجها فی المسئلة الأولى و عدم توريث المرأة من زوجها فی العدة فی المسئلة الثانية . ما هو قول الامام الشافعیؒ فی المسئلة الأولى.** (اشرف الہدایہ ج۵ص۱۵)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں۔ (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) مریض کا مصداق (۳) پہلے مسئلہ میں عورت کے وارث ہونے اور دوسرے مسئلہ میں وارث نہ ہونے کی وجہ (۴) پہلے مسئلہ میں امام شافعیؒ کا قول۔

**جواب** ...... ① **عبارت کا ترجمہ:۔** یہ باب مریض کی طلاق کے بارے میں ہے اور جب مرد نے اپنی بیوی کو اپنی مرضِ وفات میں طلاق بائن دی اور پھر مر گیا اس حال میں کہ اس کی عورت عدت میں ہے تو (عورت) اس کی وارث ہوگی اور اگر وہ (عورت کی) عدت گزرنے کے بعد مرا تو عورت کے لئے میراث نہیں ہوگی۔ اور اگر (شوہر نے) عورت کے کہنے سے اس کو تین طلاقیں دیدیں، یا اپنی عورت سے کہا تو اپنے آپ کو اختیار کرلے، پس عورت نے اپنے نفس کو اختیار کرلیا یا عورت نے مرد سے خلع کیا تو پھر شوہر مر گیا اس حال میں کہ وہ عورت عدت میں ہے تو وہ عورت شوہر کی وارث نہ ہوگی۔

② **مریض کا مصداق:۔** اس باب میں جو مریض کا لفظ آیا ہے اس سے مراد وہ مریض ہے جس نے حالتِ مرض میں اپنی بیوی کو طلاق دی ہو اور اسی مرض میں اس کا انتقال ہوا ہو بالفاظِ دیگر اس سے مریضِ وفات (مرض الوفاۃ والا مریض) مراد ہے۔

③ **پہلے مسئلہ میں عورت کے وارث ہونے اور دوسرے مسئلہ میں وارث نہ ہونے کی وجہ:۔** پہلے مسئلہ میں عورت کے خاوند کی میراث کے وارث ہونے کی وجہ یہ ہے کہ شوہر کے مرضِ وفات میں عورت کا بیوی ہونا عورت کے وارث ہونے کا سبب ہے کیونکہ شوہر کے مرضِ وفات میں بیوی کا حق اس کے مال کے ساتھ متعلق ہو جاتا ہے، پس اس حالت میں شوہر نے طلاق بائن دے کر اس کے حقِ وراثت کو باطل کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ لہٰذا اس کے اس غلط ارادے کو اسی پر لوٹا دیا جائے گا بایں طور کہ طلاق کے عمل کو عدت گزرنے کے زمانے تک کیلئے مؤخر کردیا تا کہ عورت سے حرمانِ وراثت کا ضرر دور ہو۔

دوسرے مسئلہ کی تینوں صورتوں میں عورت اپنے حق کو باطل کرنے پر خود راضی ہوگئی (اسلئے کہ پہلی صورت میں عورت نے خود تین طلاقوں کی درخواست کی ہے اور دوسری صورت میں خود اپنے نفس کو اختیار کرکے فرقت کا ارتکاب کیا ہے جو دلیلِ رضا ہے اور تیسری صورت میں خلع کے ذریعہ اپنے اوپر مال لازم کیا ہے تا کہ فرقت حاصل ہو جائے، یہ بھی رضامندی کی دلیل ہے) اور طلاق کے عمل کو عورت کے حق کی وجہ سے مؤخر کیا گیا تھا، جب عورت خود اپنے حق کو باطل کرنے پر راضی ہوگئی تو دوسروں پر اسکے حق کی حفاظت لازم نہیں رہی۔ البتہ اگر عورت نے اپنے شوہر سے طلاق رجعی مانگی مگر شوہر نے اسکو اپنی مرضِ وفات میں تین طلاقیں دیں تو یہ عورت اسکی وارث ہوگی کیونکہ طلاق رجعی نکاح کو زائل نہیں کرتی، لہٰذا یہ نہیں کہا جائیگا کہ عورت طلاق رجعی کا سوال کر کے اپنے حق کو باطل کرنے پر راضی ہوگئی ہے۔

④ **پہلے مسئلہ میں امام شافعیؒ کا قول:۔** ابھی اوپر ذکر کئے گئے پہلے مسئلہ میں امام شافعیؒ کا قول یہ ہے کہ اگر شوہر نے مرضِ وفات میں طلاق دے دی اور اس کے بعد وہ مر گیا عام ہے کہ عورت عدت میں تھی یا عدت گزار چکی تھی دونوں صورتوں میں عورت خاوند کی میراث میں وارث نہ ہوگی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ زوجین کے درمیان وراثت کا سبب زوجیت کا رشتہ ہے اور طلاقِ بائن کی وجہ سے یہ رشتہ باطل ہو گیا ہے لہٰذا وراثت کا حکم بغیر سبب کے ثابت نہ ہوگا۔

حنفیہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ شوہر کے مرضِ وفات میں اس کا شوہر ہونا عورت سے میراث پانے کا سبب نہیں ہے کیونکہ شوہر کے مرضِ وفات میں عورت کا حق اس کے مال کے ساتھ متعلق ہوتا ہے، نہ کہ مرد کا حق عورت کے مال کیساتھ۔ لہٰذا مرد کے حق میں سببِ میراث باطل ہو جائے گا خاص طور پر جب شوہر اس کو طلاق دے کر سببِ میراث باطل کرنے پر راضی بھی ہو گیا ہے۔

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۵ھ

**الشق الاوّل** ...... **قَالَ وَ اِنْ حَلَفَ لَا يَاكُلُ فَاكِهَةً فَاَكَلَ عِنَبًا اَوْ رُمَّانًا اَوْ رُطَبًا اَوْقِثَّاءً اَوْ خِيَارًا لَمْ يَحْنَثْ وَ اِنْ اَكَلَ تُفَّاحًا اَوْ بِطِّيخًا اَوْ مِشْمِشًا حَنَثَ وَ هٰذَا عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَ قَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ حَنَثَ فِىْ الْعِنَبِ وَ الرُّطَبِ وَ الرُّمَّانِ اَيْضًا ۔ ترجمی العبارة سلسة ثم شكليها ۔ اذكرى اختلاف ساداتنا الحنفية بادلتهم بوضوح تام ۔ عرفی اليمين لغة و شرعا ۔** (ص۴۸۶۔رحمانیہ) (اشرف الہدایۃ ۶:۸۸)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل چار امور ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) عبارت پر اعراب (۳) مذکورہ مسئلہ میں اختلاف مع الدلائل (۴) یمین کی لغوی و اصطلاحی تعریف۔

**جواب** ...... ① **عبارت کا ترجمہ:۔** اگر کسی شخص نے قسم اٹھائی کہ فاکہہ نہیں کھائے گا پھر اس نے انگور یا انار یا کھجور یا ککڑی یا کھیرا

کھالیا تو وہ حانث نہ ہوگا اور اگر اس نے سیب یا خربوزہ یا مشمش کھائی تو حانث ہو جائے گا اور یہ حکم امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ عنب، کھجور اور انار کھانے سے بھی حانث ہو جائے گا۔

② عبارت پر اعراب:۔ **كما مرّ في السوال آنفا۔**

③ مذکورہ مسئلہ میں اختلاف مع الدلائل:۔ اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ فاکہہ نہیں کھائے گا، پھر اس نے انگور یا تر کھجور یا انار کھالیا تو حانث ہوگا یا نہیں تو اس میں حنفیہ کا اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مذکورہ تین اشیاء (انگور، تر کھجور، انار) میں سے کسی ایک کے کھانے سے حانث نہیں ہوگا جبکہ صاحبینؒ کے نزدیک حانث ہو جائے گا۔ اصل اختلاف کا مدار اس بات پر ہے کہ یہ تینوں چیزیں پھل اور فاکہہ ہیں یا نہیں۔ صاحبینؒ کے نزدیک انگور، انار اور تر کھجور پھل ہی ہیں۔ لہٰذا ان کے کھانے سے حانث ہو جائے گا۔ اور امام صاحبؒ کے نزدیک یہ پھل نہیں بلکہ غذا و دوا ہیں اس وجہ سے ان کے کھانے سے حانث نہیں ہوگا۔ صاحبینؒ کی دلیل: یہ ہے کہ انگور، انار اور تازہ کھجور میں تفکہ کے معنی موجود ہیں اور ان کا شمار پھلوں میں ہے بلکہ یہ دوسرے فواکہ کی بنسبت عمدہ ہیں اور ان کے ساتھ تلذذ و تعیش حاصل کیا جاتا ہے۔

امام صاحبؒ کی دلیل: یہ ہے کہ ان تینوں اشیاء میں غذا اور دوا والا معنی موجود ہے یعنی یہ دوا اور غذا کے زمرے میں آتے ہیں جس کی وجہ سے ان میں تلذذ والے معنی کی کمی ہوئی جس کی وجہ سے پھل کے زمرے میں یہ اشیاء نہ آئیں گی بلکہ یہ تینوں اشیاء انسانی زندگی کی ضرورت کے طور پر استعمال ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ اشیاء اگر خشک ہو جائیں تو بطور مصالحہ جات کے اشیاء خوردنی میں کشمش، انار دانہ و چھوہارے کے نام سے استعمال ہوتی ہیں۔ لہٰذا صاحبینؒ کا ان کو فاکہہ کہنا درست نہیں ہے۔

④ یمین کی لغوی و اصطلاحی تعریف:۔ یمین لغت میں **القوت** (مضبوطی) کو کہتے ہیں اور فقہاء کی اصطلاح میں بعض نے یوں تعریف کی ہے **عقد قوی به عزم الحالف على الفعل او الترك** (یعنی ایسا قوی عقد جسکے ساتھ حالف نے فعل کے کرنے اور چھوڑنے پر پختہ عزم و ارادہ کرلیا ہو) اور بعض نے یوں تعریف کی ہے **تقوية احد طرفي الخبر بذكر الله تعالىٰ او التعليق۔**

**الشق الثانی** ...... **وَلَا حَقَّ لَهُنَّ فِي حَالَةِ السَّفَرِ فَيُسَافِرُ الزَّوْجُ بِمَنْ شَاءَ مِنْهُنَّ وَ الْاَوْلٰى اَنْ يُّقْرِعَ بَيْنَهُنَّ فَيُسَافِرُ بِمَنْ خَرَجَتْ قُرْعَتُهَا وقال الشافعي القرعة مستحقه لما روى ان النبي ﷺ كان اذا اراد سفرًا اقرع بين نسائه الا انا نقول ان القرعة لتطييب قلوبهن فيكون من باب الاستحباب وهذا لأنه لا حق للمرأة عند مسافرة الزوج الا يرىٰ ان له ان لا يستصحب واحدة منهن۔** (ص ۳۶۸۔ رحمانیہ) (اشرف الہدایہ ۴:۱۷۵)

**عليك بالترجمة للعبارة۔ بيّنى الامور التى لابد من رعاية القسم فيها بين الزوجات وما لاتلزم رعايتها۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل دو امور ہیں ① عبارت کا ترجمہ ② متعدد زوجات میں امورِ لزوم رعایت و عدم رعایت کی وضاحت

**جواب** ...... ① عبارت کا ترجمہ:۔ سفر کی حالت میں منکوحات کا تقسیم میں کوئی حق نہیں ہے، پس شوہر ان میں سے جس کے ساتھ چاہے سفر کرے اور بہتر یہ ہے کہ ان میں قرعہ ڈالے، پھر جس کا قرعہ نکلے اس کے ساتھ سفر کرے، اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ قرعہ حق واجب ہے کیونکہ مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ جب سفر کا ارادہ کرتے تو اپنی عورتوں میں قرعہ ڈالتے، مگر ہم کہتے ہیں کہ قرعہ عورتوں کی دلجوئی کے لئے تھا لہٰذا وہ استحباب کے قبیل سے ہوگا اس لئے کہ شوہر کے سفر کرنے کے وقت عورت کا کوئی حق نہیں ہے، کیا نہیں دیکھتا کہ شوہر کے لئے جائز ہے کہ ان میں سے کسی کو بھی سفر میں اپنے ساتھ نہ لے۔

0313 6607915 maktabazakariyamultan@gmail.com

② متعدد زوجات میں امورِ لزوم رعایت و عدم رعایت کی وضاحت:۔ شب باشی یعنی رات گزارنے میں، دیگر حوائج ضروریہ و اخراجات، نان نفقہ وغیرہ میں تقسیم میں برابری ضروری ہے، باکرہ و ثیبہ، جدیدہ و قدیمہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ البتہ جماع و مباشرت میں برابری ضروری نہیں ہے کیونکہ جماع و مباشرت کا مدار نشاط و طبیعت کی شگفتگی پر ہے اور یہ اس کے اختیار میں نہیں ہے۔ اسی طرح طبعی میلان و محبت کی زیادتی میں بھی تقسیم نہیں ہے۔ الغرض اُن امور میں تقسیم و بٹوارہ ہے جو آدمی کے اختیار میں ہیں اور جو

امور آدمی کے اختیار میں نہیں ہیں ان میں تقسیم بھی نہیں ہے۔ (اشرف الہدایہ ج۴ص ۱۷۳)

## ﴿الورقة الثالثة فی الفقه﴾

## ﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۶ھ

**الشق الاوّل**......ولایجوز للولی اجبار البکر البالغة علی النکاح فاذا استأذنها الولی فسکتت او ضحکت فهو اذن ۔ (ص ۳۳۵۔رحمانیہ) (اشرف الہدایہ ج۴ص۵۰)

**ماهی علة ولایة الاجبار عند الأحناف والشوافع اذکرها ۔ کم صُوَرًا لهذه المسئلة اتفاقیة واختلافیة نظرًا الی علة ولایة الاجبار ۔ اکتبی الفرق بین استیذان الولی وغیر الولی بالدلیل ۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں (۱) احناف وشوافع کے نزدیک ولایتِ اجبار کی علت کی وضاحت (۲) مسئلہ مذکورہ کی اتفاقی واختلافی صورتیں (۳) ولی اور غیرِ ولی کے استیذان میں فرق مع الدلیل۔

**جواب**...... ❶ احناف وشوافع کے نزدیک ولایتِ اجبار کی علت کی وضاحت:۔ احناف کے نزدیک باکرہ بالغہ کو نکاح پر مجبور نہیں کیا جاسکتا چنانچہ اگر اس کی رضامندی کے بغیر نکاح کیا گیا تو وہ اس کی اجازت پر موقوف رہے گا اگر اس نے اجازت دیدی تو ٹھیک ہے اور اگر اس نے رد کر دیا تو یہ نکاح باطل ہوگا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک باکرہ بالغہ کو نکاح پر مجبور کرنا جائز ہے۔ ان کی دلیل باکرہ بالغہ کو صغیرہ پر قیاس کرنا ہے کہ جیسے صغیرہ اگر باکرہ ہو تو اس کو نکاح پر مجبور کرنا جائز ہے اسی طرح بالغہ بھی اگر باکرہ ہو تو اس کو نکاح پر مجبور کرنا جائز ہے اور دونوں میں علتِ مشترکہ تجربہ نہ ہونے کی وجہ سے نکاح کے معاملات سے ناواقف ہونا ہے چونکہ وہ باکرہ نکاح کے معاملات سے ناواقف ہے اسی وجہ سے اسکا باپ اس کے مہر پر اس کے حکم کے بغیر قبضہ کرسکتا ہے۔

احناف کی طرف سے مہر پر قبضہ کرنے کا جواب یہ ہے کہ جب باپ نے مہر پر قبضہ کیا تو لڑکی کے سکوت کی وجہ سے دلالۃً رضامندی پائی گئی ہے چنانچہ اگر لڑکی نے صراحۃً منع کر دیا تو باپ مہر پر قبضہ نہیں کرسکتا۔

احناف کی دلیل: باکرہ بالغہ آزاد ہے اور آزاد پر کسی کو ولایتِ اجبار نہیں ہوتی لہٰذا باکرہ بالغہ پر بھی کسی کو ولایتِ اجبار نہیں ہوگی۔

باقی صغیرہ کے آزاد ہونے کے باوجود اس پر ولایتِ اجبار کا حاصل ہونا عقل کے قصور کی وجہ سے ہے اور بالغ ہونے سے عقل کامل ہوجاتی ہے اور بالغہ کی عقل کے کامل ہونے کی دلیل شریعت کے احکام (نماز روزہ وغیرہ) کا اس پر نافذ وجاری ہونا ہے۔

نیز بالغہ لڑکی بالغ لڑکے کی مثل ہے جیسے بالغ لڑکے پر ولی کو ولایتِ اجبار نہیں ہے اسی طرح لڑکی پر بھی نہیں ہے۔

نیز جیسے باکرہ بالغہ اپنے مال میں تصرف کرسکتی ہے اور ولی کو اس کے مال میں تصرف کی اجازت وگنجائش نہیں ہے اسی طرح نکاح کے معاملہ میں بھی ولی کو باکرہ بالغہ پر ولایتِ اجبار نہیں ہوگی۔

الغرض احناف کے نزدیک ولایتِ اجبار کی علت صغیرہ ہونا اور شوافع کے نزدیک باکرہ ہونا ہے۔

❷ مسئلہ مذکورہ کی اتفاقی واختلافی صورتیں:۔ اگر لڑکی صغیرہ وباکرہ ہے تو بالاتفاق اس پر ولایتِ اجبار حاصل ہے اور اگر صرف صغیرہ ہے تو احناف کے نزدیک اس پر ولایتِ اجبار حاصل ہے اور اگر صرف باکرہ ہے صغیرہ نہیں ہے تو پھر شوافع کے نزدیک اسپر ولایتِ اجبار حاصل ہے اور اگر صغیرہ بھی نہیں ہے اور باکرہ بھی نہیں ہے تو بالاتفاق ولایتِ اجبار حاصل نہیں ہے۔

الغرض اس مسئلہ کی چار صورتیں ہیں۔ دو صورتیں اتفاقی اور دو صورتیں اختلافی ہیں۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

❸ ولی اور غیرِ ولی کے استیذان میں فرق مع الدلیل:۔ اگر ولی نے باکرہ بالغہ سے نکاح کی اجازت مانگی اور وہ سن کر خاموش ہوگئی یا ہنس پڑی یا تبسم کیا تو یہ خاموش رہنا یا ہنسنا یا تبسم کرنا اس کی طرف سے اجازت ہوگا اور رضامندی کی علامت ودلیل ہوگا۔ اس کی دلیل آپ ﷺ کا ارشاد **البکر تستأمر فی نفسها فان سکتت فقد رضیت** (باکرہ سے اس کی ذات کے متعلق اجازت لی جائے اگر وہ خاموش رہے تو یہ رضامندی ہے) ہے۔

عقلی دلیل: یہ ہے کہ چپ رہنے اور ہنسنے میں رضامندی کی جہت غالب ہے کیونکہ باکرہ اظہارِ رغبت سے تو شرماتی ہے لیکن

انکار سے نہیں شرماتی، لہٰذا اگر وہ راضی نہ ہوتی تو صاف صاف انکار کر دیتی۔

اگر باکرہ بالغہ سے غیر ولی نے اجازت طلب کی یا ولیِ اقرب کی موجودگی میں ولیِ ابعد نے نکاح کی اجازت طلب کی تو ان دونوں صورتوں میں سکوت یا ضحک رضامندی کی دلیل نہیں ہے بلکہ اجازت کے لئے زبان سے کلام کرنا ضروری ہے کیونکہ اجنبی یا ولیِ ابعد کی بات کے جواب میں خاموشی اختیار کرنا التفات نہ کرنے کی وجہ سے ہے اس عدم التفات کو رضا کی دلیل نہیں کہا جاسکتا۔

البتہ اگر اجازت طلب کرنے والا ولی کا قاصد ہو تو وہ ولی کے قائم مقام ہو کر ولی کے حکم میں ہوگا۔

**الشق الثانی**......فان تزوجها علی هذین العبدین فاذا احدهما حرفلیس لها الاالباقی اذا ساوی عشرة دراهم عند ابی حنیفة۔ (ص۳۵۳۔رحمانیہ) اذکری أقوال الحنفیة فی المسئلة المذکورة۔ حرری دلائلهم ۔ اذا کانت قیمة الباقی منهما اقل من عشرة دراهم فماذاحکمه ۔ عرّفی النکاح لغةً وشرعًا۔ (اشرف الہدایہ ۴:۱۱۳)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) مسئلہ میں اختلاف مع الدلائل (۲) مسئلہ ثانیہ کا حکم (۳) نکاح کا لغوی وشرعی معنیٰ۔

**جواب** ...... ❶ مسئلہ مذکورہ میں اختلاف مع الدلائل:۔ کسی شخص نے دو غلاموں کی جانب اشارہ کر کے ان کو مہر بنایا۔ اتفاق سے ان میں ایک آزاد تھا اور ایک غلام تو اس بارے میں امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ ان دونوں میں جو غلام ہے اگر اس کی مالیت دس درہم کے برابر ہے تو صرف وہ غلام واجب ہوگا اور اگر دس درہم سے کم مالیت ہے تو دس درہم پورے کر دیئے جائیں۔ امام ابو یوسفؒ کا مسلک یہ ہے کہ غلام واجب ہوگا اور آزاد کو غلام فرض کر کے اس کی قیمت کا اندازہ کر لیا جائے جو قیمت ہوگی وہ بھی شوہر پر واجب ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک تمام مہرِ مثل تک غلام واجب ہوگا یعنی اگر مہرِ مثل غلام کی قیمت سے زائد ہے تو مہرِ مثل مکمل کیا جائے مثلاً غلام کی قیمت ایک ہزار درہم ہے اور عورت کا مہرِ مثل دو ہزار درہم ہیں تو عورت کو غلام کے ساتھ مزید ایک ہزار درہم دے دیئے جائیں تا کہ مہرِ مثل مکمل ہو سکے۔ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: یہ ہے کہ تسمیہ اور اشارہ اگر جمع ہو جائیں تو اشارہ معتبر ہوتا ہے اور آزاد کی طرف اشارہ اس کو عقد سے خارج کر دے گا کیونکہ آزاد مہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے تو گویا ایک ہی غلام پر نکاح منعقد ہوا اور یہی ایک غلام مہرِ مسمّٰی ہے اور مہرِ مسمّٰی کا وجوب مہرِ مثل کے وجوب کے لئے مانع ہے اگرچہ مسمّٰی کم ہی کیوں نہ ہو اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ غلام باقی اور مہرِ مثل دونوں کو واجب کر دیں کیونکہ یہ دونوں جمع نہیں ہو سکتے ہیں۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل: یہ ہے کہ شوہر نے دو غلاموں کو ذکر کر کے عورت کو دو غلاموں کی سلامتی کا لالچ دیا ہے اور ان دونوں میں سے ایک کی تسلیم سے عاجز آ گیا ہے لہٰذا اس کی قیمت واجب ہوگی۔ امام محمدؒ کی دلیل: یہ ہے کہ اگر یہ دونوں آزاد ہوتے تو مہرِ مثل واجب ہوتا پس جب ایک غلام ہے تو غلام واجب ہوگا تمام مہرِ مثل تک یعنی اگر غلام کی قیمت مہرِ مثل سے کم ہے تو اس کمی کو پورا کر دیا جائے۔ امام محمدؒ کی دلیل کی بنیاد اس پر ہے کہ وہ اتحادِ جنس کی صورت میں اشارہ کا اعتبار کرتے ہیں۔

❷ مسئلہ ثانیہ کا حکم:۔ ابھی مذکورہ اختلاف کی وضاحت میں اس کا حکم گزر چکا ہے۔

❸ نکاح کا لغوی وشرعی معنیٰ:۔ نکاح کا لغوی معنیٰ "ضم" (ملانا) ہے پھر وطی کے ضم پر مشتمل ہونے کی وجہ سے یہ وطی کے معنیٰ میں منقول ہے پھر نکاح کے سببِ ضم ہونے کی وجہ سے یہ عقدِ نکاح کی طرف منقول ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں **النکاح هو عقدٌ یرد علی ملك المتعة قصدًا** (نکاح ایسے عقد کا نام ہے جو من حیث القصد ملکِ متعہ کو ثابت کرے۔

0313 6357913

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۶ھ

**الشق الاوّل**......ولو قال انت طالق من واحدة الی ثنتین أو مابین واحدة الی ثنتین فهی واحدة وان قال من واحدة الی ثلٰث او مابین واحدة الی ثلٰث فهی ثنتان وهذا عند ابی حنیفة وقالا فی الأولی هی ثنتان وفی الثانیة ثلٰث۔ (ص۳۸۰۔رحمانیہ)(اشرف الہدایہ ج۴ص ۲۲۷)

ترجمی العبارة ۔ اکتبی قول الامام ابی حنیفة وصاحبیه والامام زفرؒ فی المسئلة المذکوره مع سَردِ أدلتهم ۔ حرری حکم المسئلة التالیة: ولو قال انت طالق واحدة فی ثنتین و نوی الضرب

**والحساب۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل چار امور ہیں۔(۱) عبارت کا ترجمہ (۲) **انت طالق من واحدة الی ثنتین الخ** میں اختلاف (۳) ائمہ کے دلائل (۴) مسئلہ تالیہ کا حکم۔

**جواب** ...... ① عبارت کا ترجمہ:۔ اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو ایک سے دو تک طلاق والی ہے یا ایک سے دو تک کے مابین طلاق والی ہے تو ایک طلاق واقع ہوگی اور اگر کہا ایک سے تین تک یا ایک سے تین تک کے مابین طلاق والی ہے تو دو طلاق واقع ہونگی، یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ پہلی میں دو اور دوسری میں تین طلاقیں واقع ہوں گی۔

② **انت طالق من واحدة الی ثنتین الخ** میں اختلاف:۔ اس عبارت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے دو مسئلے ذکر کئے ہیں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پہلے مسئلہ **انت طالق من واحدة الی ثنتین** یا **انت طالق ما بین واحدة الی ثنتین** میں ایک طلاق واقع ہوگی اور دوسرے مسئلہ **انت طالق من واحدة الی ثلاث** یا **انت طالق ما بین واحدة الی ثلاث** میں دو طلاق واقع ہوں گی اور صاحبینؒ کے نزدیک پہلے مسئلہ میں دو اور دوسرے مسئلہ میں تین واقع ہوں گی اور امام زفرؒ کے نزدیک پہلے مسئلہ میں کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی اور دوسرے مسئلہ میں ایک طلاق واقع ہوگی۔　　دراصل یہ اختلاف اس بات پر متفرع ہے کہ غایتِ ابتداء وغایت انتہاء مغیا میں داخل ہوں گی یا نہیں ہونگی۔ صاحبینؒ کے نزدیک دونوں غایتیں مغیا میں داخل ہونگی۔ امام صاحبؒ کے نزدیک دونوں داخل نہیں ہونگی۔ امام زفرؒ کے نزدیک صرف غایتِ ابتداء مغیا میں داخل ہوگی۔

③ ائمہ کے دلائل:۔ امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ غایت مغیا میں داخل نہیں ہوتی کیونکہ اگر غایت مغیا میں داخل ہو تو غایت غایت ہی نہ رہے گی جیسا کہ کسی نے کہا **بعت منك من هذا الحائط الی هذا الحائط** اس صورت میں دونوں دیواریں بیع میں داخل نہیں ہونگی۔

صاحبینؒ کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ عرفِ عام میں اس قسم کی کلام سے کل مراد ہوتا ہے مثلاً کسی نے کسی دوسرے سے کہا **خذ من مالی من درهم الی مائة** تو یہاں اس شخص کو سو کے سو لینے کا اختیار ہے، ایسا نہیں کہ دونوں غایتیں خارج کر کے (۹۸) اٹھانوے درہم لینے کا اختیار ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دونوں غایتیں مغیا میں داخل ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: یہ ہے کہ اگر غایتیں دو عدد ذکر کی جائیں تو اس کی دو صورتیں ہیں، ان دونوں کے درمیان کوئی عدد ہوگا یا نہیں ہوگا۔ اگر درمیان میں کوئی عدد ہے تو اس سے مراد الاکثر من الاقل ہوگا یعنی اقل عدد سے اوپر والا عدد ہوگا مثلاً **من واحدة الی ثلاث** میں غایتین کے درمیان ایک عدد ہے اور اس میں اقل عدد واحد ہے اور اس سے اکثر یعنی اس سے اوپر دو ہے تو یہ ثنتین الاکثر من الاقل ہوا، لہٰذا اس صورت میں دو طلاقیں واقع ہوں گی اور اگر درمیان میں کوئی عدد نہیں ہے تو مراد الاقل من الاکثر ہوگا یعنی اکثر سے کم مراد ہوگا مثلاً **من واحدة الی ثنتین** میں دونوں غایتوں کے درمیان کوئی عدد نہیں ہے تو اس صورت میں الاقل من الاکثر مراد ہوگا اور اکثر ثنتین کا عدد ہے اور اس سے کم ایک ہے لہٰذا ایک کا عدد مراد ہوگا۔

④ مسئلہ تالیہ کا حکم:۔ مرد نے اپنی منکوحہ سے کہا **انت طالق واحدة فی ثنتین** اور ضرب وحساب کی نیت کی یا کوئی نیت نہیں کی دونوں صورتوں میں ایک طلاق واقع ہوگی جبکہ امام زفرؒ کے نزدیک دو طلاقیں واقع ہوں گی کیونکہ اس طرح کی کلام سے عموماً ضرب کا ہی ارادہ ہوتا ہے اور ضرب کی صورت میں دو طلاقیں بنتی ہیں۔

**الشق الثانی** ...... **وَاِذَا طَلَّقَ الْحُرَّةَ تَطْلِيْقَةً اَوْ تَطْلِيْقَتَيْنِ وَانْقَضَتْ عِدَّتُهَا وَتَزَوَّجَتْ بِزَوْجٍ اٰخَرَ ثُمَّ عَادَتْ اِلَى الزَّوْجِ الْاَوَّلِ عَادَتْ بِثَلٰثِ تَطْلِيْقَاتٍ وَيَهْدِمُ الزَّوْجُ الثَّانِىْ مَادُوْنَ الثَّلٰثِ كَمَا يَهْدِمُ الثَّلٰثَ۔** (ص۴۱۰۔رحمانیہ)

**ترجمی العبارة ثم شكليها۔ اشرحی العبارة حسب بيان صاحب الهداية۔** (اشرف الہدایہ ج۵ص۵۴)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) عبارت پر اعراب (۳) عبارت کی تشریح۔

**جواب** ...... ① عبارت کا ترجمہ:۔ اور جب کسی مرد نے آزاد عورت کو ایک یا دو طلاقیں دیں اور اُس کی عدت گزر گئی اور اُس

عورت نے کسی دوسرے شوہر سے نکاح کرلیا پھر یہ پہلے شوہر کے پاس لوٹ آئی تو یہ عورت تین طلاقوں کے ساتھ لوٹے گی اور زوجِ ثانی تین سے کم طلاقوں کو منہدم کردے گا جس طرح کہ تین طلاقوں کو منہدم کردیتا ہے۔

② عبارت پر اعراب:۔ **کما مرّ فی السوال آنفا۔**

③ عبارت کی تشریح:۔ اگر کسی مرد نے اپنی آزاد بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دیں پھر اُس عورت نے دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کرلیا اور پھر دوسرے شوہر کی طلاق اور عدت کے بعد پہلے شوہر کے پاس دوبارہ آگئی تو یہ عورت مکمل تین طلاقوں کے ساتھ واپس آئے گی یعنی زوجِ اول ازسرِ نو تین طلاقوں کا مالک ہوگا اور زوجِ ثانی تین طلاقوں سے کم یعنی (ایک اور دو) کو اسی طرح منہدم کردیتا ہے جس طرح تین کو منہدم کردیتا ہے۔ یہ مسئلہ شیخینؒ کے نزدیک ہے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ زوجِ ثانی تین طلاقوں سے کم کو منہدم نہیں کرتا بلکہ زوجِ اوّل تین میں سے بقیہ طلاقوں کا مالک رہے گا یعنی اگر پہلے ایک طلاق دے چکا ہے تو اب دو کا مالک ہوگا اور اگر پہلے نکاح میں دو طلاقیں دے چکا ہے تو اب ایک طلاق کا مالک ہوگا، امام شافعیؒ اور امام زفرؒ کا بھی یہی قول ہے۔

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۶ھ

**الشق الاوّل** ......**من حلف لایشرب من دجلة فشرب منها باناء لم یحنث حتی یکرع منها کرعا عند ابی حنیفة وقالا اذا شرب منها باناء یحنث وان حلف لایشرب من ماء دجلة فشرب منها باناء حنث۔**

(ص۴۸۷۔ رحمانیہ)

**ترجمی العبارة واذکری تفسیر الکرع ۔ اکتبی أقوال فقهاء الحنفیة فی ضوء الدلائل ۔ هل یحنث الحالف اذا شرب من ماء النهر الذی یخرج من دجلة۔** (اشرف الہدایہ ج۶ ص۹۱)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں چار امور حل طلب ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) **کرع** کی تفسیر (۳) مسئلہ مذکورہ میں فقہاء کے اقوال مع الدلائل (۴) مسئلہ ثانیہ کا حکم۔

**جواب** ...... ① عبارت کا ترجمہ:۔ اور جس شخص نے قسم کھائی کہ دریائے دجلہ سے پانی نہیں پیئوں گا پھر اس نے کسی برتن سے اسکا پانی پی لیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک حانث نہیں ہوگا حتیٰ کہ دریا سے منہ لگا کر پیئے (تو پھر حانث ہوگا) اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جب اس نے کسی برتن سے پیا تو حانث ہوجائے گا اور اگر قسم کھائی کہ دریائے دجلہ کے پانی سے نہیں پیئے گا تو پھر اس نے کسی برتن سے بھی پی لیا تو حانث ہوجائے گا۔

② **کرع** کی تفسیر:۔ **کرع** کا معنی بغیر کسی برتن اور ہاتھ، چلّو وغیرہ کے بلاواسطہ و براہِ راست منہ کے ذریعہ (جانوروں کی مثل) پانی پینا ہے۔

③ مسئلہ مذکورہ میں فقہاء کے اقوال مع الدلائل:۔ اگر کسی شخص نے قسم اٹھائی کہ میں دریائے دجلہ سے نہیں پیئوں گا پھر اس نے کسی برتن کے ذریعہ اس کا پانی پی لیا تو اس کے حانث ہونے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام صاحبؒ کے نزدیک یہ شخص جب تک بلاواسطہ دریا سے منہ لگا کر پانی نہیں پیئے گا اس وقت تک یہ حانث نہیں ہوگا جبکہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ برتن کے ذریعہ پانی پینے کی صورت میں بھی یہ شخص حانث ہوجائے گا۔ صاحبینؒ کی دلیل: یہ ہے کہ عرف میں اس طرح کی قسم سے مطلقاً پانی پینا ہی مراد ہوتا ہے لہٰذا مطلقاً کسی برتن کے ذریعہ پانی پینے سے بھی یہ شخص حانث ہوجائے گا۔

امام صاحبؒ کی دلیل: یہ ہے کہ اس متکلم کی کلام میں **منها** (اس دریا سے) کا لفظ ہے اور اسکا حقیقی معنی منہ لگا کر پینا ہے اور اس طرح پینا لوگوں میں مروج بھی ہے اور اس سے منہ لگا کر پینے کی صورت میں سب کے نزدیک حانث بھی ہوجاتا ہے پس جب تک معنی حقیقی مراد لینا ممکن ہو مجازی معنی مراد لینا ممنوع ہوتا ہے اگرچہ مجازی معنی عُرف میں رائج ہوں اور اگر اس نے قسم کھا کر یہ کہا کہ میں دجلہ کے پانی سے نہیں پیئوں گا پھر اگر اس نے برتن کے ذریعہ پانی پی لیا تو پھر امام صاحبؒ کے نزدیک بھی حانث ہوجائے گا اسلئے کہ برتن میں لینے کے بعد بھی وہ دجلہ کا ہی پانی ہے اسلئے کسی بھی صورت میں اس کا پانی پینے سے حانث ہوجائے گا۔

④ مسئلہ ثانیہ کا حکم:۔ اگر کسی نے قسم کھائی کہ دجلہ سے نہیں پیئوں گا یا دجلہ کے پانی سے نہیں پیئوں گا پھر اگر اس نے دجلہ سے نکلنے

والی چھوٹی نہر سے پانی پی لیا تو پھر بھی یہی اوپر والی تفصیل ہی ہے کہ اگر اس نے دجلہ سے نہ پینے کی قسم کھائی تو حانث نہیں ہوگا اور اگر دجلہ کا پانی نہ پینے کی قسم کھائی تو پھر حانث ہو جائے گا۔

**الشق الثانی**......واذا زوّجت المرأة نفسها من غیر کفء فللأولیاء ان یفرقوا بینهما دفعًا لضرر العار من انفسهم ثم الکفاء ۃ تعتبر فی ............(ص ۳۴۱۔رحمانیہ)

**ماهی الکفاء ۃ؟ فی ایّ شیئٍ تعتبر الکفاء ۃ؟ اشرحی المسألة مستوفیًا لاختلاف الائمة وادلتهم۔**

﴿خلاصہ سوال﴾......اس سوال کا حل دو امور ہیں(۱) کفاءت کا مفہوم وامورِ معتبرہ فی الکفاء ۃ (۲) مسئلہ میں اختلاف مع الدلائل۔

**جواب**...... **①** کفاءت کا مفہوم اورامورِ معتبرہ فی الکفاءۃ:۔ کفاءۃ کا تعارف:۔ لغت میں کفاءۃ وکفو کا معنی ہمسری اور برابری ہے اور فقہاء کی اصطلاح میں کفاءۃ فی النکاح یہ ہے کہ حسب ونسب، دین ودنیا، عمر اور حسن وجمال وغیرہ میں شوہر عورت کا مساوی و برابر ہو۔ مبسوط میں ہے کہ مرد کے حق میں درج ذیل امور میں کفاء ۃ معتبر ہے: ① نسب ② حریت ③ مال ④ پیشہ ⑤ حسب۔بعض نے تقویٰ، اسلام اَبْ اور عقل کو بھی امورِ معتبرہ فی الکفاءۃ میں شمار کیا ہے اور منہاج میں ہے کہ امام شافعیؒ امور معتبرہ فی الکفاءۃ میں سلامتِ عیوب، حریت، عفت اور پیشہ کو بھی شمار کرتے ہیں۔امام احمد بن حنبلؒ امور مذکورہ میں دین اور مذہب کا بھی اضافہ کرتے ہیں۔

**②** مسئلہ میں اختلاف مع الدلائل:۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ دین میں کفاءت ضروری ہے، کسی مسلمان مرد کا کافرہ عورت سے اور کافر مرد کا مسلمان عورت سے نکاح جائز نہیں ہے البتہ کتابیہ عورتیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

دین کے علاوہ کسی اور چیز میں بھی کفاءت ضروری ہے یا نہیں؟ تو اس میں اختلاف ہے امام مالک کا مذہب اور امام احمد کی ایک روایت یہ ہے کہ صرف دین میں کفاءت ضروری ہے اسکے علاوہ باقی کسی چیز میں کفو ہونا ضروری نہیں ہے۔

جمہور علماء کے نزدیک چار چیزوں میں کفاءت کی رعایت کی جائے گی: ① دین ② نسب ③ حرفت وصنعت ④ حریت۔

دلائل: **قال علیه السلام الا لایزوّج النساءَ الا الاولیاءُ ولا یزوجنّ الامن الاکفاء۔**

دلیل عقلی: عام طور پر متکافئین (جن دو میں کفو ہو) ہی ایک دوسرے کی انتظامی مصلحتوں کو سمجھ سکتے ہیں، دونوں برابر درجے کے ہوں تب ہی گھر کی مصلحت اچھی چلتی ہے، اسلئے کہ عورت مرد کا فراش بنتی ہے، اسکے نیچے لیٹتی ہے، اور یہ فطری بات ہے کہ عورت اعلیٰ درجے کی ہو تو وہ اپنے سے نیچے درجے کی فراش بننا پسند نہیں کرتی، پس ضروری ہے کہ شوہر نسب اور پیشے کے اعتبار سے عورت کے برابر ہو۔

دین: دین یعنی دیانت میں کفاءت اس لئے ضروری ہے کہ اس کے ذریعہ سے لوگ فخر کرتے ہیں اور نسب کے فخر سے زیادہ فخر والی چیز ہے جب چھوٹے یا بُرے نسب والا ہونا عیب ہے تو فاسق ہونا بطریقِ اولیٰ عیب ہے۔

نسب: نسب میں کفاءت اس لئے ضروری ہے کہ نسب وخاندان کے ذریعہ سے ہی لوگ فخر کرتے ہیں۔

حرفت: حرفت وصنعت وپیشہ میں کفاءت اس لئے ضروری ہے کہ چھوٹے پیشہ والے کو ذلیل وحقیر سمجھا جاتا ہے۔

مال: مال ومتاع میں کفاءت اس لئے ضروری ہے کہ زوج نے مہر اور نان ونفقہ کی ادائیگی کرنی ہے اگر وہ کم درجہ کا مالدار ہو تو اس کے لئے یہ ادائیگی مشکل ہو جائے گی لہٰذا ان تمام چیزوں میں کفاءت وبرابری ضروری ہے، کمی زیادتی کی صورت میں آپس میں زندگی کی گاڑی چلنا مشکل ہو سکتی ہے اور شادی کا مقصد پورا نہ ہوگا۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

## ﴿الورقة الثالثة فی الفقه﴾

## ﴿السؤال الاوّل﴾ ۱۴۳۷ھ

**الشق الاوّل**......و ان تزوجها ولم یسم لها مهرا ثم تراضیا علی تسمیته فهو لها ان دخل بها او مات عنها و ان طلقها قبل الدخول بها فلها المتعة فان زادها فی المهر بعد العقد لزمته الزیادة خلافا لزفرؒ۔

ترجمی العبارة جمیلة ۔ و ان طلقها قبل الدخول بها فلها المتعة، فی هذه المسئلة اختلاف لابی

**یوسف و الامام الشافعی فبیّنیه بالدلیل ۔ اکتبی اختلاف زفرفی عدم لزوم الزیادة فی ضوء الدلیل العقلی ۔ ما هو مقدار الثیاب فی المتعة و هل یعتبر حاله او حالها فی المتعة۔**(ص ۳۴۷۔رحمانیہ)(اشرف الہدایہ ۴:۸۷)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) دخول سے پہلے طلاق کی صورت میں متعہ کے لزوم میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل (۳) مہر پر زیادتی کے عدمِ لزوم میں امام زفرؒ کا اختلاف مع الدلائل (۴) متعہ میں کپڑوں کی مقدار اور متعہ کے کپڑوں میں مرد یا عورت کا حال معتبر ہونے کی وضاحت۔

**جواب** ...... ① عبارت کا ترجمہ:۔ اگر مرد نے عورت سے نکاح کیا اور اس کیلئے مہر کو ذکر نہیں کیا پھر وہ دونوں اس مہر کے تسمیہ پر رضا مند ہو گئے تو یہ متعین کردہ مقدار اس عورت کیلئے ہوگی اگر مرد نے اسکے ساتھ دخول کیا یا اس کو چھوڑ کر مر گیا۔ اور اگر اس کو قبل الدخول طلاق دی تو اس کیلئے متعہ ہوگا۔ پس اگر اس عورت کیلئے عقد کے بعد مہر میں زیادتی کردی تو مرد پر زیادتی لازم ہوگی۔ یہ مسئلہ امام زفرؒ کے خلاف ہے۔

② دخول سے پہلے طلاق دینے کی صورت میں متعہ کے لزوم میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل:۔ عقدِ نکاح کے وقت زوجین نے مہر کا ذکر نہیں کیا پھر عقد کے بعد ایک مقدار پر دونوں رضا مند ہو گئے اور اس کے بعد شوہر نے دخول سے پہلے طلاق دے دی تو طرفینؒ کے نزدیک متعہ لازم ہوگا۔ امام ابو یوسفؒ کا پہلا قول اور امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ متعین کردہ مہر کا نصف لازم ہوگا۔ اور امام ابو یوسفؒ کا دوسرا قول طرفینؒ کے ساتھ ہی ہے۔

امام شافعیؒ کے مذہب اور امام ابو یوسفؒ کے قول اوّل کی دلیل یہ ہے کہ زوجین نے باہمی اتفاق سے مہر کی جو مقدار مقرر کی ہے یہ مقدار مفروض و متعین ہے اور آیت **فنصف ما فرضتم** سے مفروض کی تنصیف ثابت ہے۔ خواہ مفروض حالتِ عقد میں ہو یا عقد کے بعد ہو۔ لہٰذا جس صورت میں بھی طلاق قبل الدخول پائی گئی نصفِ مفروض واجب ہوگا، متعہ واجب نہیں ہوگا۔

طرفینؒ کی دلیل: یہ ہے کہ عقدِ نکاح کے وقت اگر مہر ذکر نہ کیا جائے تو مہرِ مثل واجب ہو جاتا ہے۔ پس مذکورہ صورت میں بھی نکاح کے وقت مہر مذکور نہ ہونے کی وجہ سے مہرِ مثل واجب ہو گیا۔ بعد میں زوجین نے ایک مقدار پر اتفاق کر لیا تو یہ بعد میں متعین کردہ مقدار در حقیقت تعیین ہے اس کی جو عقد کی وجہ سے واجب ہوا تھا اور عقد کی وجہ سے مہرِ مثل واجب ہوا تھا اور مہرِ مثل کی تنصیف نہیں ہوتی۔ لہٰذا جو اس کے مرتبہ میں ہے اس کی بھی تنصیف نہیں ہوگی۔ اور جب تنصیف نہیں ہو سکتی تو متعہ ہی واجب ہوگا۔

③ مہر پر زیادتی کے عدمِ لزوم میں امام زفرؒ کا اختلاف مع الدلیل العقلی:۔ عقدِ نکاح کے بعد مقررہ مہر پر اگر شوہر نے زیادتی کر دی اور عورت نے اسی مجلس میں قبول کر لیا تو ہمارے نزدیک شوہر پر یہ زیادتی لازم ہوگی۔ اور امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ یہ زیادتی صحیح نہیں ہے۔ امام زفرؒ کی دلیل: یہ ہے کہ مہر پر زیادتی مستقلاً ہبہ ہے، لہٰذا یہ ہبہ اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہوگا، پس اگر بیوی نے قبضہ کر لیا تو مالک ہوگی ورنہ نہیں۔ (اگر عورت نے مہر میں کچھ کمی کردی تو یہ درست ہے، اسلئے کہ مہر عورت کا حق ہے اور کمی حالتِ بقاء میں لاحق ہو رہی ہے جو کہ عورت کے اختیار کی حدود میں ہے)

④ متعہ میں کپڑوں کی مقدار اور متعہ کے کپڑوں میں مرد یا عورت کا حال معتبر ہونے کی وضاحت:۔ متعہ کی مقدار تین کپڑے ہیں ① کرتہ ② اوڑھنی ③ چادر۔ اور ان کی تعیین و تقدیر حضرت عائشہ و ابن عباس رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ یہ متعہ مالکیہ کے نزدیک مستحب ہے اور حنفیہ اسکے وجوب و لزوم کے قائل ہیں۔ صاحبِ قدوریؒ کی عبارت میں **من کسوة مثلها** سے اس طرف اشارہ ہے کہ متعہ میں عورت کے حال کا اعتبار ہوگا۔ متعہ واجبہ میں امام کرخیؒ کا یہی قول ہے۔ دلیل یہ ہے کہ متعہ مہرِ مثل کے قائم مقام ہے۔ اور مہرِ مثل میں عورتوں کا حال معتبر ہوتا ہے لہٰذا جو اسکے قائمقام ہے اس میں بھی عورت ہی کا حال معتبر ہوگا۔

صحیح قول یہ ہے کہ متعہ میں مرد کے حال کا اعتبار ہوگا اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد **عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ** ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے مرد کے حال کا اعتبار کیا ہے نہ کہ عورت کے حال کا۔ پس معلوم ہوا کہ مرد کا حال معتبر ہے۔ صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ بہر صورت متعہ نصفِ مہرِ مثل سے زائد نہ ہو اور پانچ درہم سے کم نہیں ہونا چاہیے۔

**الشق الثانی** ......**ثم مدة الرضاع ثلثون شهرا عند ابی حنیفة۔** (ص ۳۶۹۔رحمانیہ)(اشرف الہدایہ ج ۴ ص ۱۷۸)

maktabazakariyamultan@gmail.com

**عرفی الرضاع لغةً و شرعًا ۔ اکتبی قول الامام ابی حنیفة و صاحبیه والامام الشافعی و زفر فی مدة الرضاع ۔ حرّری دلائلهم العقلیة والنقلیة ۔هل یتعلق بالرضاع تحریم اذا مضت مدة الرضاع۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حاصل چار امور ہیں (۱) رضاعت کی لغوی وشرعی تعریف (۲) مدۃِ رضاعت میں ائمہ کے اقوال (۳) ائمہ کے عقلی نقلی دلائل (۴) مدتِ رضاعت کے بعد حرمتِ رضاعت کا حکم۔

**جواب** ...... **①** رضاعت کی لغوی اور شرعی تعریف:۔ رضاعت کا لغوی معنی ہے **مص اللبن من الثدی** (پستان سے دودھ کا پینا) ہے اور شریعت کی اصطلاح میں **ھو مص مخصوص من ثدی مخصوص فی وقت مخصوص** مخصوص انسان (دودھ پیتے بچہ) کا مخصوص پستان (انسان کے پستان) سے مخصوص وقت (مدتِ رضاعت) میں دودھ پینا۔

**②** و **③** مدتِ رضاعت میں ائمہ کے اقوال ودلائل:۔ مدتِ رضاعت میں ائمہ کا اختلاف ہے چنانچہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مدتِ رضاعت اڑھائی سال ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک دوسال ہے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا بھی یہی مذہب ہے اور امام زفرؒ کے نزدیک تین سال ہے اور امام مالکؒ سے ایک روایت دوسال ایک ماہ اور ایک روایت دوسال دو ماہ کی بھی مروی ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ مدتِ رضاعت کی کوئی حد نہیں ہے اور بعض نے پندرہ سال مدتِ رضاعت بیان کی ہے۔

امام زفرؒ کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ دوسال کے بعد ایسی مدت کا ہونا ضروری ہے جس میں بچہ دودھ کے علاوہ دوسری غذاء کا عادی بن جائے تاکہ دودھ کے ذریعے جونشوونما ہو رہی تھی وہ منقطع ہوجائے اور ایک سال کی مدت ایسی ہے جس میں بچہ کا ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا ممکن ہے کیونکہ سال بھر کی مدت چاروں فصلوں (موسموں) پر مشتمل ہے اس وجہ سے مدتِ رضاعت تین سال مقرر کی گئی ہے۔

صاحبینؒ وائمہ ثلاثہؒ کی دلیل: اللہ تعالیٰ کا قول **وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا** ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ بیان فرمائی ہے اور ادنیٰ مدتِ حمل چھ ماہ ہے لہٰذا مدتِ فصال چوبیس ماہ یعنی دوسال باقی رہی اسلئے وہ کہتے ہیں کہ رضاعت دوسال تک ہے اسکے بعد دودھ چھڑا دیا جائے اور انکی تائید ارشادِ باری تعالیٰ **وَفِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ** سے اور اسی طرح **وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ كَامِلَیْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ** سے بھی ہوتی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی پہلی دلیل: اللہ تعالیٰ کا ارشاد **وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا** ہی ہے طریقِ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں (حمل اور فصال) کو ذکر فرما کر ان دونوں کے لئے ایک مدت بیان کی ہے۔ پس یہ مدت ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے پوری پوری ہوگی، نہ یہ کہ دونوں پر تقسیم کی جائے گی اور اس کی مثال ایسے ہے کہ ایک شخص کا زید پر ہزار روپیہ اور دس من گندم ہے اور قرض خواہ نے کہا میں نے زید کو دونوں قرضوں میں ایک سال کی مہلت دی تو یہ ایک سال کی مدت کو دونوں قرضوں پر تقسیم نہیں کیا جائے گا بلکہ ہر ایک کیلئے ایک سال کی مہلت ہوگی۔ پس یہاں بھی اسی طرح ہے البتہ ان دونوں میں سے ایک میں مدت کم کردینے والی دلیل موجود ہے اور وہ دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول **الولد لا یبقی فی بطن امه اکثر من سنتین** (بچہ اپنی ماں کے پیٹ میں دوسال سے زائد نہیں رہتا) ہے اور دوسرے (فصال) میں مدت کم کرنے والی دلیل کے نہ پائے جانے کی وجہ سے مدت اپنے حال پر باقی رہے گی۔ امام صاحبؒ کی دوسری دلیل: یہ ہے کہ رضیع کے لئے تغیرِ غذاء ضروری ہے تاکہ دودھ کے ذریعہ نشوونما منقطع ہوکر دوسری چیز سے نشوونما حاصل کرسکے پس اس تغیرِ غذاء کیلئے اتنی مدت درکار ہوگی جس میں بچہ دودھ کے علاوہ دوسری چیز کا عادی ہوجائے کیونکہ بیک وقت دودھ چھڑانا بچہ کے لئے مہلک ہے اور امام صاحبؒ نے اس کو ادنیٰ مدتِ حمل کے ساتھ مقرر کیا ہے اس لئے کہ یہ مدت غذاء کو بدل دینے والی ہے کیونکہ جنین کی غذاء رضیع کی غذاء کے مغایر ہے اس لئے کہ جنین کی غذاء ماں والی غذاء تھی پھر پیدا ہونے کے بعد اس کی غذاء دودھ ہوگئی پھر فطیم کی غذاء کبھی دودھ اور کبھی طعام ہے۔

صاحبینؒ وائمہ ثلاثہؒ کی دلیل **لا رضاع بعد الحولین** وغیرہ کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں دوسال کے بعد دودھ پینے کی نفی نہیں ہے بلکہ استحقاقِ اجرت کی نفی ہے یعنی اگر مطلقہ اپنے بچہ کو اجرت پر دودھ پلائے تو بچہ کے باپ پر صرف دوسال کی اجرت ہے اس پر قرینہ

یہ ہے کہ آیت میں **حولین** کے بعد **فان ارادا فصالا عن تراض منهما** کے الفاظ ہیں ان میں دودھ چھڑانے کو تراضی پر معلق کیا گیا ہے اگر دو سال کے بعد دودھ پینا حرام ہوتا تو اسے تراضی کے ساتھ مقید نہ کیا جاتا۔ الحاصل تغیرِ غذاء چھ ماہ میں ہوتا ہے لہٰذا بچہ کو دو سال کے بعد دوسری غذاء کا عادی بنانے کیلئے مزید چھ ماہ ہونا ضروری ہیں۔ (فتویٰ صاحبینؒ کے قول پر ہے)

④ **مدتِ رضاعت کے بعد حرمتِ رضاعت کا حکم:۔** اگر مدتِ رضاعت کے گزرنے کے بعد بچہ کو دودھ پلایا تو اس سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔ پہلی دلیل: آپ ﷺ کا ارشاد ہے **لا رضاع بعد الفصال** (دودھ چھڑانے کے بعد رضاعت نہیں ہے)

دوسری دلیل: یہ ہے کہ حرمتِ رضاعت اس لئے ہے کہ دودھ کے ذریعہ نشو ونما ہوتی ہے اور یہ نشو ونما مدت کے اندر ہوگی مدت کے بعد نہیں ہوگی کیونکہ بڑا بچہ دودھ کے ذریعہ نشو ونما نہیں پاتا بلکہ اس کی پرورش کا ذریعہ دوسری غذائیں ہوتی ہیں پس جب حرمت کا تعلق نشو ونما کی وجہ سے تھا اور مدت کے بعد نشو ونما نہیں ہے اس لئے مدت کے بعد حرمت کا تحقق بھی نہیں ہوگا۔

## السوال الثانی ۱۴۳۷ھ

**الشق الاوّل** ......**و طلاق السكران واقع و طلاق الأخرس واقع بالاشارة و طلاق الأمة ثنتان حراكان زوجها او عبدا و طلاق الحرّة ثلاث حراكان زوجها او عبدا.** (ص ۳۷۷۔ رحمانیہ)(اشرف الہدایۃ ۴:۲۱۵)

**ترجمی العبارة و حرّری مسئلة عدد الطلاق هل هو معتبر بحال الرجال او بحال النساء مع ذكر الأدلة۔**

﴿خلاصہ سوال﴾......اس سوال کا حل دو امور ہیں ① عبارت کا ترجمہ ② طلاق کی تعداد میں مرد یا عورت کا حال معتبر ہونے میں اختلاف مع الدلائل

**جواب** ...... ① **عبارت کا ترجمہ:۔** اور نشہ سے مست آدمی کی طلاق واقع ہے اور گونگے کی طلاق اشارہ سے واقع ہوگی اور باندی کی طلاقیں دو ہیں اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام اور حرہ کی طلاقیں تین ہیں اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام۔

② **طلاق کی تعداد میں مرد یا عورت کا حال معتبر ہونے میں اختلاف مع الدلائل:۔** طلاقِ مغلظہ کی تعداد میں (جو کہ تین یا دو ہے) اعتبار مرد کا ہے، یا عورت کا اس بارے میں اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عددِ طلاق میں عورت کا اعتبار ہے (یعنی اگر عورت آزاد ہے تو تین اور باندی ہے تو دو طلاقیں ہیں) اور امام شافعیؒ کے نزدیک مرد کا اعتبار ہے۔ (یعنی اگر مرد آزاد ہے عورت خواہ باندی ہے یا آزاد تو تین اور اگر مرد غلام ہے عورت خواہ آزاد ہے یا باندی ہے تو دو طلاقیں ہیں)۔ امام شافعیؒ کی پہلی دلیل آپ ﷺ کا ارشاد **الطلاق بالرجال والعدة بالنساء** ہے طلاق مردوں کیساتھ ہے اور عدت عورتوں کیساتھ ہے طریقِ استدلال یہ ہے کہ اس حدیث میں طلاق کو عدت کے مقابلہ میں ذکر کیا گیا ہے اس طور پر کہ ان میں سے ہر ایک علیحدہ علیحدہ جنس کیساتھ مختص ہے اور عدت بحسب المقدار بالاتفاق عورتوں کے ساتھ مختص ہے۔ چنانچہ اگر باندی ہے تو اس کی عدت دو حیض اور اگر آزاد ہے تو اسکی عدت تین حیض ہیں۔ لہٰذا طلاق بحسب المقدار مردوں کیساتھ مختص ہوگی تاکہ مقابلہ صحیح ہو جائے۔ لہٰذا آزاد مرد تین طلاقوں کا اور غلام مرد دو طلاقوں کا مالک ہوگا خواہ عورت آزاد ہو یا باندی ہو۔

امام شافعیؒ کی دوسری دلیل: یہ ہے کہ مالک ہونے کی صفت کرامت ہے اور ہر وہ چیز جو کرامت ہو آدمیت اس کا تقاضا کرتی ہے کیونکہ آدمی اللہ تعالیٰ کے مکرم کرنے سے مکرم ہے، اللہ تعالیٰ کے قول **وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ** کی وجہ سے اور آدمیت والا معنی آزاد میں اکمل ہے کیونکہ آزاد ان چیزوں کی صلاحیت رکھتا ہے جن کی غلام صلاحیت نہیں رکھتا۔ مثلاً قضاء، ولایت، شہادت پس جب آدمیت والا معنی آزاد میں زیادہ کامل ہے تو اس کا مالک ہونا بھی مملوک کے مقابلہ میں زیادہ ابلغ ہوگا۔ لہٰذا آزاد تین طلاقوں کا مالک ہوگا خواہ اس کی بیوی آزاد ہو یا باندی اور غلام دو طلاقوں کا مالک ہوگا خواہ عورت آزاد ہو یا باندی ہو۔

احنافؒ کے دلائل: ① آپ ﷺ کا ارشاد ہے **طلاق الامة ثنتان و عدتها حيضتان** طریقِ استدلال یہ ہے کہ الامۃ پر الف لام جنس کا ہے عہد کا نہیں ہے، کیونکہ یہاں معہود موجود نہیں، تو معنی یہ ہوگا کہ جنسِ امۃ کی طلاق دو ہیں اب اگر عددِ طلاق میں مردوں کا اعتبار ہو جیسا کہ امام شافعیؒ کا مذہب ہے، تو اگر لونڈی آزاد آدمی کے نکاح میں ہو تو پھر اسکی طلاق تین ہوں گی تو جنسِ امۃ کی طلاقیں دو نہ رہیں، اسلئے ہم کہتے ہیں کہ عددِ طلاق میں عورت کا اعتبار ہے، نہ کہ مردوں کا ② عورت کا حلال ہو کر محلِ

نکاح ہونا عورت کے حق میں نعمت ہے کیونکہ اس کی وجہ سے وہ نفقہ، کسوہ اور سکنٰی وغیرہ کی مستحق ہوگی۔ اور ہر وہ چیز جو عورت کے حق میں نعمت ہو تو وہ چیز عورت کی رقیت کی وجہ سے آدھی ہو جاتی ہے، تو اس کا تقاضا یہ تھا کہ لونڈی کی ڈیڑھ طلاق ہوتی لیکن چونکہ طلاق تجزی کو قبول نہیں کرتی اس لئے دوسری طلاق کو مکمل کر کے لونڈی کی طلاق دو کر دی گئیں۔

صاحب ہدایہ نے امام شافعیؒ کی ذکر کردہ حدیث کا جواب دیا ہے کہ **الطلاق بالرجال** کا معنی **ایقاع الطلاق بالرجال** ہے یعنی طلاق واقع کرنا مردوں کے اختیار میں ہے لہٰذا اس سے امام شافعیؒ کا استدلال کرنا درست نہیں ہے۔ نیز یہ حدیث موقوف ہے اور شوافع کے نزدیک حدیثِ موقوف قابلِ استدلال نہیں ہے۔

**الشق الثانی** ......**وَاِذَا ارْتَدَّ اَحَدُ الزَّوْجَيْنِ عَنِ الْاِسْلَامِ وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بِغَيْرِ طَلَاقٍ وَهٰذَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ اِنْ كَانَتِ الرِّدَّةُ مِنَ الزَّوْجِ فَهِيَ فُرْقَةٌ بِطَلَاقٍ هُوَ يَعْتَبِرُهٗ بِالْاِبَاءِ وَاَبُوْحَنِيْفَةَ فَرَّقَ بَيْنَهُمَا۔**

**شكّلى العبارة ثم ترجمها۔ اشرحى المسألة مع اختلاف الائمة و توجيه اقوالهم حسب بيان صاحب الهداية۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) مسئلہ کی تشریح مع الاختلاف والتوجیہ۔ (ص۳۶۷۔رحمانیہ)(اشرف الہدایہ۱۶۹:۴)

**جواب** ...... ① عبارت پر اعراب:۔ **كمامرّ في السوال آنفا۔**

② عبارت کا ترجمہ:۔ اور جب زوجین میں سے کوئی ایک اسلام سے مرتد ہو جائے تو بغیر طلاق کے فرقت واقع ہو جائے گی یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر مرتد ہونا شوہر کی طرف سے ہو تو یہ طلاق کے ذریعے فرقت ہے، وہ قیاس کرتے ہیں اِسے اسلام سے انکار کرنے پر اور امام ابو حنیفہؒ نے دونوں میں فرق کیا ہے۔

③ مسئلہ کی تشریح مع الاختلاف والتوجیہ:۔ اگر احد الزوجین اسلام سے مرتد ہو گیا العیاذ باللہ تو دونوں میں فی الحال فرقت واقع ہو جائے گی خواہ شوہر نے بیوی کے ساتھ دخول کیا یا نہیں۔

شیخینؒ کے نزدیک یہ فرقت طلاق نہیں ہے بلکہ فسخ ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک اگر ردت شوہر کی جانب سے ہے تو یہ فرقت طلاق ہے ورنہ نہیں۔ امام محمدؒ مرتد ہونے کو شوہر کے انکار عن الاسلام پر قیاس کرتے ہیں، یعنی اگر عورت مسلمان ہوگئی اور شوہر نے اسلام لانے سے انکار کر دیا تو یہ شوہر کی طرف سے طلاق ہے۔ اسی طرح شوہر کا مرتد ہونا شوہر کی طرف سے طلاق ہے اور مقیس و مقیس علیہ کے درمیان مماثلت یہ ہے کہ جس طرح شوہر اسلام لانے سے انکار کر دینے کی وجہ سے امساک بالمعروف سے رُک گیا حالانکہ وہ اس پر قادر تھا تو قاضی تسریح بالاحسان میں اس کے قائمقام ہو کر تفریق کر دے گا اور یہ تفریق طلاق ہوگی۔ اسی طرح ردت کی وجہ سے شوہر امساک بالمعروف سے رُک گیا، پس قاضی تسریح بالاحسان میں اسکے قائمقام ہوگا۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل: یہ ہے کہ فرقت ایسے سبب سے واقع ہوئی جس میں زوجین شریک ہیں اور طلاق صرف شوہر کی طرف سے ہوتی ہے، بیوی کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا لہٰذا ارتداد کی وجہ سے جو تفریق ہوگی وہ طلاق نہیں ہوگی بلکہ فسخِ نکاح ہوگا۔

امام ابو حنیفہؒ نے انکار عن الاسلام میں اور ارتداد میں فرق کیا ہے، چنانچہ شوہر کے انکار عن الاسلام کی وجہ سے جو فرقت ہے اس کو طلاق قرار دیا اور ارتداد کی وجہ سے جو فرقت ہے اس کو طلاق قرار نہیں دیا۔ ان دونوں میں وجہ فرق یہ ہے کہ ردت نکاح کے منافی ہے کیونکہ ردت عصمتِ جان اور عصمتِ مال کے منافی ہے، چنانچہ مرتد کی جان اور مال مباح ہیں اس کو اگر کوئی قتل کر دے تو قاتل پر قصاص یا دیت واجب نہیں ہوتی اور مرتد کی ملک اور نکاح باطل ہو جاتے ہیں اور رہی طلاق سو وہ نکاح کے منافی نہیں ہے کیونکہ طلاقِ تحقق نکاح کے بعد نکاح کو اٹھانے والی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر شوہر طلاق کے بعد نکاح کرنا چاہے تو نکاح کر سکتا ہے۔ الغرض طلاق منافیِ نکاح نہیں ہے اور مرتد ہونا منافیِ نکاح ہے لہٰذا ردت کو طلاق قرار دینا محال ہے۔

اسکے برخلاف اسلام لانے سے انکار کرنا تو وہ اپنی اصلی حالت کفر پر رہنا چاہتا ہے اسلئے وہ ذمی بنا رہا لہٰذا اسکا خون مباح نہیں ہوا، اسکا انکار عن الاسلام منافیِ نکاح نہیں ہے اور ردت منافیِ نکاح ہے۔ پس ردت کو انکار عن الاسلام پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

صاحب ہدایہؒ نے فرمایا کہ انکار عن الاسلام کی وجہ سے شوہر امساک بالمعروف سے رُک گیا پس تسریح بالاحسان واجب ہوگا

اور تسریح بالاحسان نام ہے طلاق کا، اس وجہ سے انکار عن الاسلام کی وجہ سے تفریق کو طلاق قرار دیا گیا اور چونکہ ردت منافیٔ نکاح ہے اور انکار عن الاسلام منافیٔ نکاح نہیں ہے اسی وجہ سے انکار عن الاسلام کی وجہ سے فرقت قضاءِ قاضی پر موقوف رہے گی کیونکہ انکار عن الاسلام منافیٔ نکاح نہیں ہے اور ارتداد کی وجہ سے فرقت قضاءِ قاضی پر موقوف نہیں رہے گی کیونکہ منافیٔ نکاح کا حکم قضاء پر موقوف نہیں رہتا جیسے محرمیت کی وجہ سے فرقت قضاء پر موقوف نہیں ہوتی۔ (اشرف الہدایہ ج۴ص۱۷۰)

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۷ھ

**الشق الاوّل** ......**وإذا أسلمت المرأة وزوجها كافر عرض القاضى عليه الاسلام فإن أسلم فهى امرأته وإن أبى فرق بينهما، وكان ذلك طلاقا عند أبى حنيفة ؒ ومحمد ؒ، وإن أسلم الزوج و تحته مجوسية عرض عليها الإسلام فإن أسلمت فهى امرأته وإن أبت فرق القاضى بينهما، ولم تكن الفرقة بينهما طلاقا، وقال أبويوسف ؒ: لاتكون الفرقة طلاقا فى الوجهين، أما العرض فمذهبنا.**

**اشرحى المسألتين المذكورتين فى العبارة، اذكرى اختلاف الأئمة الحنفية مع ذكر أدلتهم. العرض مذهب الحنفية فما هو رأى الشافعية؟ وما الدليل على ذلك من الفريقين۔** (اشرف الہدایہ ج۴ص۱۶۲)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں: (۱) عبارت میں مذکور مسائل کی تشریح (۲) ائمہ کا اختلاف مع الدلائل (۳) عرضِ اسلام میں اختلاف مع الدلائل۔

**جواب** ...... ❶ عبارت میں مذکور مسائل کی تشریح:۔ مسئلہ یہ ہے کہ کوئی کافر عورت مسلمان ہوگئی اور اس کا شوہر کافر ہی ہے خواہ کتابی ہو یا غیر کتابی تو اب قاضی شوہر پر اسلام پیش کرے گا اگر قاضی کے اسلام پیش کرنے پر شوہر مسلمان ہو گیا تو وہ عورت اس کی بیوی ہے اور نکاح بدستور رہے گا اور اگر شوہر نے اسلام لانے سے انکار کر دیا تو قاضی دونوں میں تفریق کر دے گا اور یہ تفریق طرفین ؒ کے نزدیک طلاق ہے، فسخِ نکاح نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ شوہر مسلمان ہو گیا اور اس کے تحت مجوسیہ ہے تو قاضی مجوسیہ عورت پر اسلام پیش کرے گا اگر وہ اسلام لے آئی تو یہ اس کی بیوی ہے، نکاح بدستور باقی ہے اور اگر اسلام لانے سے انکار کر دیا تو قاضی دونوں میں تفریق کر دے گا اور یہ فرقت طلاق نہیں ہوگی بلکہ فسخِ نکاح ہوگا۔ امام ابو یوسف ؒ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں تفریق طلاق نہیں ہوگی، خواہ شوہر اسلام لانے سے انکار کرے یا عورت انکار کرے بلکہ فسخِ نکاح ہوگا۔

❷ ائمہ کا اختلاف مع الدلائل:۔ امام ابو یوسف ؒ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ فرقت ایسے سبب سے واقع ہوئی جس میں زوجین دونوں شریک ہیں یعنی سبب ان دونوں میں سے ہر ایک کی طرف سے متحقق ہے کہ ایک مسلمان ہوا اور دوسرے نے اسلام لانے سے انکار کیا تب فرقت واقع ہوئی اور ہر وہ فرقت جو ایسے سبب سے ہو جس میں عورت و مرد دونوں شریک ہوں وہ طلاق نہیں ہوگی مثلاً احد الزوجین دوسرے کا مالک ہو گیا تو اس کی وجہ سے جو فرقت ہوگی وہ طلاق نہیں ہوگی بلکہ فسخِ نکاح ہوگا۔

طرفین ؒ کی دلیل یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں فرق ہے اور وجہ فرق یہ ہے کہ اسلام سے انکار کی وجہ سے شوہر امساک بالمعروف سے رک گیا حالانکہ وہ اسلام قبول کر کے امساک بالمعروف پر قادر تھا اور شریعت کا اصول ہے کہ اگر شوہر امساک بالمعروف سے رک جائے تو قاضی تسریح بالاحسان میں شوہر کے قائم مقام ہوگا اور تسریح نام ہے طلاق کا لہٰذا قاضی کی یہ تفریق طلاق کہلائے گی جیسا کہ مقطوع الذکر اور عنین کی صورت میں عورت کے مطالبہ پر قاضی تفریق کر دے گا اور یہ تفریق طلاق ہوگی۔ اسی طرح یہاں مرد کی جانب سے تفریق طلاق ہے اور بہر حال عورت تو وہ طلاق کی اہلیت ہی نہیں رکھتی لہٰذا اس کے انکار عن الاسلام کے وقت قاضی تسریح بالاحسان میں اس کا قائم مقام نہیں ہو سکتا کیونکہ تسریح (طلاق) عورت کی طرف سے متصور ہی نہیں ہے۔

❸ عرضِ اسلام میں اختلاف مع الدلائل:۔ صاحب ہدایہ ؒ فرماتے ہیں کہ زوجین میں سے ہر ایک کے اسلام لانے کی صورت میں دوسرے پر اسلام پیش کرنا ہمارا مذہب ہے اور امام شافعی ؒ فرماتے ہیں کہ دوسرے پر اسلام پیش نہیں کیا جائیگا۔ امام شافعی ؒ کی دلیل یہ ہے کہ اسلام پیش کرنے میں ذمیوں کے ساتھ تعرض کرنا ہے حالانکہ عقدِ ذمہ کے ذریعہ ہم نے اس بات کی ضمانت دی ہے کہ ہم ان

کے ساتھ کوئی تعرض نہیں کریں گے مگر چونکہ ملکِ نکاح دخول سے پہلے غیر مؤکد ہے اسلئے اسلام لاتے ہی نکاح منقطع ہوجائے گا اور دخول کے بعد ملکِ نکاح مؤکد ہوجاتی ہے اس لئے وقوعِ فرقت تین حیض کے گزرنے تک مؤخر ہوجائے گا۔ جیسا کہ طلاق میں یعنی طلاق دخول سے پہلے نفسِ نکاح کو منقطع کردیتی ہے اور دخول کے بعد نکاح انقضاءِ عدت کے بعد منقطع ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ عورت کے مسلمان ہونے یا مجوسیہ کے شوہر کے مسلمان ہونے سے مقاصدِ نکاح فوت ہوگئے اور افوات امرِ حادث ہے اس لئے اس کے واسطے ایسے سبب کا ہونا ضروری ہے جس پر اس کی بنیاد قائم ہوسکے۔ اب دو ہی صورتیں ہیں: مقاصد نکاح کے فوات کا سبب اسلام کو قرار دیں یا اس شخص کے کفر کو جو ابھی تک کفر پر باقی ہے، صورتِ اوّل تو ممکن نہیں کیونکہ اسلام طاعت اور فرمانبرداری ہے وہ مقاصدِ نکاح جیسی نعمتوں کے فوت ہونے کا سبب نہیں ہوسکتا۔ اور صورتِ ثانیہ بھی ممکن نہیں کیونکہ **من بقی علی کفرہ** کا کفر پہلے سے موجود ہے اور اس کفر نے نہ تو ابتداءً نکاح کو منع کیا اور نہ بقاءً مقاصدِ نکاح (نعمتوں) کو فوت کیا۔ پس ان دونوں کے علاوہ کسی تیسری چیز کا ہونا ضروری ہے جس کو سبب قرار دیا جاسکے اس وجہ سے قاضی **من بقی علی کفرہ** پر اسلام پیش کرے پس اگر وہ مسلمان ہوگیا تو الحمدللہ مقاصدِ نکاح ہی حاصل ہوجائیں گے فرقت کی ضرورت ہی نہیں۔ اور اگر اسلام لانے سے انکار کردیا تو فرقت ثابت ہوجائے گی۔ پس یہ اسلام سے انکار مقاصدِ نکاح کے فوت ہونے کا سبب ہوگا کیونکہ اسلام سے انکار سلبِ نعمت کا سبب بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اور چونکہ فواتِ مقاصدِ نکاح کے لئے فرقت لازم ہے لہٰذا جو فوات کا سبب ہوگا وہی اس کے لازم یعنی فرقت کا سبب ہوگا۔ اس لئے احناف کہتے ہیں کہ **من بقی علی کفرہ** پر اسلام پیش کیا جائے گا تاکہ اس کے اسلام سے انکار کو تفریق کا سبب بنایا جاسکے۔ رہا امام شافعیؒ کا یہ کہنا کہ ذمیوں کے ساتھ تعرض ممتنع ہے تو ہم کہتے ہیں کہ جبری تعرض ممتنع ہے لیکن اس کے ساتھ اختیاری طور پر نفسِ بات چیت کرنا ممتنع نہیں ہے۔ ہمارے مذہب کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو مؤطا میں ابن شہاب الزہری سے روایت ہے کہ ولید بن مغیرہ کی بیٹی صفوان ابن امیہ کے نکاح میں تھی، فتح کے دن وہ مسلمان ہوگئی اور اس کا شوہر صفوان ابن امیہ اسلام سے بھاگ گیا تو حضور ﷺ نے اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق نہیں کی یہاں تک کہ صفوان مسلمان ہوگیا اور اسکے پاس اس کی بیوی اسی نکاح سے باقی رہی۔

طحاوی اور ابن العربی نے ذکر کیا کہ حضرت عمرؓ نے نصرانی اور نصرانیہ کے درمیان نصرانی کے اسلام سے انکار کردینے کی وجہ سے تفریق کی۔

**الشق الثانی** ......**وَمَنْ قَالَ لِامْرَأَتِهٖ طَلِّقِيْ نَفْسَكِ وَلَانِيَّةَ لَهٗ اَوْنَوٰى وَاحِدَةً فَقَالَتْ طَلَّقْتُ نَفْسِيْ فَهِيَ وَاحِدَةٌ رَجْعِيَّةٌ وَاِنْ طَلَّقَتْ نَفْسَهَا ثَلَاثًا وَقَد اَرَادَ الزَّوْجُ ذٰلِكَ وَقَعْنَ عَلَيْهَا وَلَوْ نَوَى الثِّنْتَيْنِ لَايَصِحُّ وَاِنْ قَالَ لَهَا طَلِّقِيْ نَفْسَكِ فَقَالَتْ اَبَنْتُ نَفْسِيْ طُلِّقَتْ، وَلَوْ قَالَتْ قَدِاخْتَرْتُ نَفْسِيْ لَمْ تُطَلَّقْ۔**

**شکلی العبارۃ۔ اشرحی وقوع الواحد فی الصورۃ الاولی والثلاث فی الصورۃ الثانیۃ، ولماذالاتصح نیۃ الثنتین۔ وضّحی الفرق بین قولھا: ابنت نفسی وبین قولھا:قداخترت نفسی، اذکری رأی ابی حنیفۃ رحمہ اللّٰہ فی قولھا:أبنت نفسی۔** (اشرف الہدایہ ج۴ص۲۸۳)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں: (۱) عبارت پر اعراب (۲) مذکورہ مسئلہ میں دوطلاق کی نیت کے صحیح نہ ہونے کی وجہ (۳) **ابنت نفسی** اور **قد اخترت نفسی** میں فرق (۴) **اَبَنْتُ نفسی** میں امام ابوحنیفہؒ کا قول۔

**جواب** ...... ① عبارت پر اعراب:۔ **کمامرّ فی السوال آنفا۔**

0313 6357913 maktabazakariyah

② مذکورہ مسئلہ میں دوطلاق کی نیت کے صحیح نہ ہونے کی وجہ:۔ زوج نے اپنی زوجہ سے کہا **طَلِّقِيْ نَفْسَكِ**، عورت نے کہا **طَلَّقْتُ نَفْسِيْ** تو اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اسلئے کے یہ اسم جنس کا فرد حقیقی ہے اور اگر زوجہ نے کہا کہ **طلقت نفسی ثلاثا** اور زوج نے تین طلاق کی نیت بھی کی تھی تو پھر تین طلاق واقع ہوجائیں گی اس لئے کہ یہ فرد حکمی ہے، البتہ اگر زوج نے دوطلاق کی نیت کی تو پھر یہ نیت صحیح نہیں ہے اور دوطلاق واقع نہ ہونگی، اسلئے کے دوعدد ہے اور مصدر میں عدد کی نیت درست نہیں، البتہ اگر منکوحہ باندی ولونڈی ہوتو پھر دو کی نیت بھی صحیح ہے اسلئے کہ دوطلاق اسکے حق میں جنس یعنی فرد حکمی ہے۔

③ **ابنت نفسي** اور **قد اخترت نفسي** میں فرق:۔ ان دونوں کے درمیان وجہ فرق یہ ہے کہ ابانت الفاظِ طلاق میں سے ہے چنانچہ شوہر نے اگر اپنی بیوی سے بنیتِ طلاق **اَبَنْتُكِ** کہا یا عورت نے **ابنتُ نفسي** کہا اور شوہر نے **اجزت ذالك** کہہ دیا تو عورت مطلقہ بائنہ ہوجائے گی۔ پس اس صورت میں عورت کا کلام **ابنت نفسي** شوہر کے کلام **طلقي نفسك** کے اصل طلاق میں موافق ہوگیا مگر عورت نے جواب میں وصفِ بینونت کا اضافہ کردیا پس اصل طلاق ثابت ہوجائے گی اور وصف زائد لغو ہوجائے گا اور یہ ایسا ہے جیسا کہ **طلقي نفسك** کے جواب میں عورت نے **طلقت نفسي تطليقة بائنة** کہا ہو۔ برخلاف لفظ اختیار کے کیونکہ اختیار الفاظِ طلاق میں سے نہیں ہے، چنانچہ اگر مرد نے اپنی بیوی سے بنیت طلاق **اخترتك** کہا یا **اختاري** کہا یا عورت نے ابتداءً **اخترت نفسي** کہا اور مرد نے جواب میں **اجزت** کہا تو ان تینوں صورتوں میں طلاق واقع نہیں ہوگی۔

④ **اَبَنْتُ نفسي** میں امام ابوحنیفہؒ کا قول:۔ امام ابوحنیفہؒ سے روایت ہے کہ مرد کے قول **طلقي نفسك** کے جواب میں اگر عورت نے **ابنت نفسي** کہا تو اس سے بھی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اس صورت میں بھی عورت کا کلام مرد کے کلام کے موافق نہیں ہے۔ اس وجہ سے کہ مرد نے طلاق کو سپرد کیا ہے اور عورت نے ابانت کو واقع کیا ہے اور ابانت طلاق کے مغایر ہے۔

## ﴿الورقة الثالثة فى الفقه﴾

## ﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۸ھ

**الشق الاوّل** ......**وينعقد بلفظ النكاح والتزويج والهبة والتمليك والصدقة وقال الشافعي لاينعقد الابلفظ النكاح والتزويج ۔ حرّرى اختلاف الامام ابى حنيفة والامام الشافعي بسرد الادلة ۔ هل ينعقد النكاح بلفظ البيع والاجارة والاحلال والاعارة والوصية ۔** (ص۳۲۵۔رحمانیہ)(اشرف الہدایہ ۴:۱۸)

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال کا خلاصہ دو امور ہیں (۱) الفاظِ نکاح میں امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا اختلاف مع الدلائل (۲) بیع، اجارہ، احلال، اعارہ اور وصیت کے الفاظ سے انعقادِ نکاح کا حکم۔

**جواب** ...... ① الفاظِ نکاح میں امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا اختلاف مع الدلائل:۔ الفاظِ نکاح میں امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے درمیان اختلاف ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک لفظِ نکاح، تزویج، ہبہ و تملیک اور صدقہ کے الفاظ سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے بلکہ صاحب شرح الوقایہؒ نے احنافؒ کے قول کی روشنی میں ایک ضابطہ وضع کیا ہے کہ ہر وہ لفظ جو تملیکِ عین فی الحال کیلئے وضع کیا گیا ہو اس سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک نکاح صرف لفظِ نکاح و تزویج سے منعقد ہوتا ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ لفظ جس معنی میں مستعمل ہوگا حقیقت ہوگا یا مجاز اور لفظِ تملیک، ہبہ اور صدقہ نکاح کے معنی میں نہ حقیقت ہیں اور نہ مجاز۔ حقیقت تو اس لئے نہیں کہ نکاح کا معنی الضم ہے اور تزویج کے حقیقی معنی تلفیق کے ہیں اور تملیک وغیرہ میں یہ معنی (الضم) نہیں پائے جاتے اور مجاز اس لئے نہیں کہ مالک اور مملوک کے درمیان تباین ہوتا ہے اور احد المتباینین علاقہ کے نہ ہونے کی وجہ سے دوسرے کے لئے مجاز نہیں بن سکتا۔ احنافؒ کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ تملیک وغیرہ کے الفاظ نکاح کے معنی میں مجازاً مستعمل ہیں اور ان کے درمیان علاقہ سببیت ہے کیونکہ تملیک ملکِ رقبہ کے واسطہ سے ملکِ متعہ کا سبب ہے محلِ متعہ میں مثلاً اگر کوئی شخص کسی باندی کے رقبہ کا مالک بن گیا تو رقبہ یعنی ذات کے ضمن میں اس کے متعہ کا بھی مالک بن جائے گا اور ملکِ متعہ لفظِ نکاح سے حاصل ہوجاتا ہے تو گویا لفظ تملیک سبب اور نکاح مسبب ہے۔ اور اصول ہے کہ سبب بول کر مسبب مراد لینا مجازاً درست ہے، اگرچہ اس کا برعکس درست نہیں ہے۔ لہٰذا تملیک وغیرہ الفاظ سے نکاح مراد لیا جاسکتا ہے۔

② بیع، اجارہ، اعارہ، احلال اور وصیت کے الفاظ سے انعقادِ نکاح کا حکم:۔ لفظِ بیع سے اصح قول کے مطابق بطریق مجاز نکاح منعقد ہوجاتا ہے اسلئے کہ بیع ایسی ملک کا موجب ہے جو ملکِ متعہ کا سبب ہے کیونکہ جب کسی نے باندی کو فروخت کیا تو مشتری رقبہ کے ضمن میں اس باندی کے متعہ کا بھی مالک ہوجائیگا اور اس باندی سے خدمت کے علاوہ وطی بھی حلال ہوگی بشرطیکہ کوئی حرمت کی وجہ نہ پائی جائے۔ اجارہ وغیرہ الفاظ کے ساتھ نکاح منعقد نہیں ہوتا کیونکہ اجارہ اعارہ اور احلال ملکِ متعہ کا سبب نہیں ہیں، لہٰذا علاقہ

سببیت نہ ہونے کی وجہ سے طریقِ مجاز نہ پایا گیا۔ اسی طرح لفظِ وصیت سے بھی نکاح منعقد نہ ہوگا کیونکہ وصیت کا لفظ اگرچہ موجبِ ملک ہے لیکن اس ملک کا موجب ہے جو بعد الموت ہو اور انعقادِ نکاح کیلئے ایسی ملک درکار ہے جو فی الحال موجود ہو۔

**الشق الثانی** ......ویجوز للمحرم والمحرمة ان یتزوجا فی حالة الاحرام و قال الشافعیؒ لا یجوز (ص ۳۳۰۔ رحمانیہ)

**انت تعرفین ان مسئلة نکاح المحرم وانکاحه مسئلة اختلافیة شهیرة بین الفقهاء فعلیك بیانها مع دلائلها۔ انکری حکم تزوج الکتابیات والمجوسیات والوثنیات والصابیات فی ضوء الأدلة۔** (اشرف الہدایہ ج۴ ص ۳۵)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حاصل دو امور ہیں (۱) **نکاح المحرم و انکاحه** میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل (۲) کتابیات مجوسیات وغیرہ کے نکاح کا حکم مع الدلائل۔

**جواب** ...... ❶ **نکاح المحرم و انکاحه** میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل:۔ ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک حالتِ احرام میں نکاح کرنا ناجائز اور باطل ہے اور ایسے ہی انکاح (نکاح کرانا) بھی ناجائز ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے ہاں نکاح اور انکاح دونوں جائز ہیں البتہ جماع اور دواعیِ جماع حلال ہونے کے وقت تک جائز نہیں۔

ائمہ ثلاثہؒ کی دلیل: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث **ان المحرم لایَنکح ولا یُنکِح** (کہ محرم نہ نکاح کرے اور نہ نکاح کرائے) ہے اسی طرح ائمہ ثلاثہؒ کی دلیل حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کی وہ روایت ہے جس میں یہ بات مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے جب نکاح کیا اس وقت بھی حلال تھے اور جب رخصتی ہوئی اس وقت بھی حلال تھے اور آخر میں ابورافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ہی آپ ﷺ کا قاصد تھا۔ احنافؒ کی دلیل: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے **ان النبی ﷺ تزوج میمونة وهو محرم** کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے وقت آپ ﷺ محرم تھے۔ احنافؒ کی طرف سے ائمہ ثلاثہؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم کراہت پر محمول ہے اور کراہت بھی اس کے لئے جو اپنے اوپر قابو نہ پاسکے اور وطی میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو۔

دونوں حدیثوں میں تطبیق: ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک دونوں روایتوں میں تطبیق یہ ہے کہ حلال ہونے کی حالت میں نکاح والی روایت اپنی حقیقت پر محمول ہے اور **تزوج وهو محرم** (حالتِ احرام میں نکاح) یہ مؤوّل ہے اور تاویل یہ ہے کہ نکاح کا چرچا اور ظہور اس وقت ہوا جب آپ ﷺ محرم تھے۔ احنافؒ کے ہاں تطبیق بین الروایتین یہ ہے کہ **تزوج وهو محرم** یہ اپنی حقیقت پر محمول ہے اور **تزوج وهو حلال** والی روایت مؤول ہے یعنی جب آپ ﷺ مدینہ سے سرف (جگہ کا نام ہے) پہنچے تو آپ ﷺ محرم تھے اسی وقت آپ ﷺ نے حالتِ احرام میں نکاح کیا پھر تین دن مکہ میں رہے اور عمرہ کرکے حلال ہوکر واپس لوٹے تو آپ ﷺ نے (سرف) مقام میں رخصتی اور ولیمہ کیا اب نکاح کا ظہور اور چرچا ہوا چونکہ نکاح کا ظہور حلال ہونے کی حالت میں تھا اسی لئے بعض نے کہہ دیا **تزوج وهو حلال** یعنی آپ ﷺ کے نکاح کا معاملہ حلال ہونے کی حالت میں ہوا۔

حنفیہؒ کی وجوہِ ترجیح: ① حدیثِ ابن عباس رضی اللہ عنہما اصح مافی الباب ہے اور اس موضوع کی کوئی روایت اسکے مقابلہ کی نہیں ہے۔ ② حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت تواتر کے ساتھ مروی ہے چنانچہ بیس سے زائد فقہاء اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ ③ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے متعدد شواہد موجود ہیں مثلاً نسائی، طحاوی اور مسند بزار وغیرہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہی مروی ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کا نکاح حالتِ احرام میں ہوا۔ ④ اصحابِ سیر وتواریخ کی تصریحات سے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تائید ہوتی ہے مثلاً ابن ہشام، محمد بن اسحٰق اور ابن اسعد رحمہم اللہ وغیرہ نے جس طرح یہ واقعہ بیان کیا ہے اسکا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے عمرة القضاء کے سفر میں سرف کے مقام پر پہنچ کر یہ نکاح کیا تھا جبکہ آپ ﷺ محرم تھے (کیونکہ میقات ذوالحلیفہ تھی اور سرف داخلِ حِل ہے جہاں حاجی یا معتمر کا بغیر احرام کے گزرنا ممنوع ہے) اور پھر عمرہ سے واپس آتے ہوئے سرف مقام ہی میں آپ ﷺ نے بنا (رخصتی) فرمائی اور ولیمہ کیا جبکہ آپ ﷺ حلال تھے۔

❷ کتابیات، مجوسیات وغیرہ کے نکاح کا حکم مع الدلائل:۔ آزاد کتابیہ عورت کے ساتھ بالاتفاق نکاح کرنا جائز ہے اور حنفیہ کے

نزدیک کتابیہ باندی سے بھی نکاح جائز ہے۔ دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ ہے (تمہارے واسطے اہل کتاب میں سے پاک دامن عورتیں حلال کی گئی ہیں)

''مجوسیات'' یعنی آتش پرست عورتوں سے بالاتفاق نکاح جائز نہیں ہے۔ دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اہلِ کتاب سے جو معاملہ کرتے ہو مجوس کے ساتھ بھی وہی معاملہ کرو۔ سوائے اس کے کہ مجوس کی عورتوں سے نکاح بھی نہ کرو اور ان کا ذبیحہ بھی نہ کھاؤ۔ معلوم ہوا کہ مجوسیہ عورت سے نکاح جائز نہیں ہے۔ ''وثنیات'' یعنی بت پرست عورتوں سے بھی نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن ہے (کہ شرک کرنے والی عورتوں سے نکاح نہ کرو)۔

''صابیات'' کے ساتھ نکاح کرنے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ جواز کے قائل ہیں اور صاحبینؒ عدم جواز کے قائل ہیں۔ دراصل اس اختلاف کا سبب صابی کی تعریف ہے، امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ صابی وہ ہے جو انبیاء علیہم السلام میں سے کسی ایک نبی پر ایمان رکھتا ہو اور کسی آسمانی کتاب کا اقرار کرتا ہو، پس اس وقت صابی اہل کتاب ہے اور اہل کتاب سے نکاح جائز ہے جیسا کہ ابھی گزرا ہے تو صابیہ سے بھی نکاح جائز ہوا۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ صابی ستاروں کی پرستش کرتا ہے اور کسی آسمانی کتاب کا اقرار نہیں کرتا پس یہ بت پرستوں کے حکم میں ہوگا جس طرح بت پرستوں سے نکاح جائز نہیں اسی طرح صابیات سے بھی نکاح جائز نہیں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ یہ اختلاف لفظی ہے، خارج میں اگر صابی اہلِ کتاب میں سے ہے تو پھر بالاتفاق نکاح جائز ہے اور اگر صابی مشرک ہے تو پھر بالاتفاق نکاح ناجائز ہے۔

## ﴿السوال الثانی﴾ ١٤٣٨ھ

**الشق الاوّل** ......ولو قال انت طالق اذا لم اطلقك لم تطلق حتی یموت عند ابی حنیفة وقالا تطلق حین سکت۔ (ص ٣٨٣۔ رحمانیہ) (اشرف الہدایہ ج ۵ ص ٢٣٧)

**اذکری اختلاف ابی حنیفة و صاحبیه فی المسئلة المذکورة مبرهنا و مدللا۔ هذا الاختلاف بین الامام الاعظم و صاحبیه اذا لم تکن للزوج نیة اما اذا نوی الزوج النیة فاذکری حکم هذه المسئلة۔ ولو قال انت طالق ان لم اطلقك لم تطلق حتی یموت الزوج و بینی حکم طلاقها اذا ماتت هی قبل موته۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (١) مذکورہ مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل (٢) مذکورہ مسئلہ میں زوج کی نیت ہونے کی صورت میں حکم (٣) انت طالق ان لم اطلقك کے بعد عورت کے مرنے پر طلاق کا حکم۔

**جواب** ...... ① مسئلہ مذکورہ میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل:۔ مرد نے اپنی منکوحہ سے انت طالق اذا لم اطلقك یا اذاما لم اطلقك کہا تو ان الفاظ سے طلاق کے وقوع میں امام ابو حنیفہ اور صاحبینؒ کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ موت سے کچھ دیر پہلے یاس (ناامیدی و مایوسی) کے وقت طلاق واقع ہوگی اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ خاموش ہوتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی۔

صاحبینؒ کی دلیل: لفظ اذا اور اذاما وقت کے معنی میں مستعمل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ (جس وقت آفتاب بے نور ہو جائے گا) میں لفظ اذا وقت کیلئے ہے۔ اسی طرح شاعر کے شعر اذا تکون کریهة ادعی لها و اذا یحاس الحیس یدعی جندب (جس وقت کوئی ناگوار چیز پائی جائے تو اس کیلئے میں بلایا جاتا ہوں اور جب حلوا تیار کیا جاتا ہے تو جندب کو بلایا جاتا ہے) میں بھی اذا وقت کیلئے مستعمل ہے۔ اس شعر میں لفظ اذا دو جگہ ہے اور دونوں جگہ وقت کیلئے ہے کیونکہ اگر شرط کیلئے ہوتا تو تکون اور یحاس دونوں لفظ شرط کی وجہ سے مجزوم ہوتے یعنی تکن اور یحس ہوتے مگر شاعر نے دونوں افعال کو غیر مجزوم استعمال کیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اذا دونوں جگہ شرط کیلئے نہیں بلکہ وقت کیلئے ہے۔ پس جب لفظ اذا وقت کیلئے ہے تو یہ لفظ اذا متی اور متی ما کے مرتبہ میں ہوگیا۔ لہٰذا جو حکم متی کا ہے وہی حکم لفظ اذا کا ہوگا اور جو حکم متی ما کا ہے وہی حکم اذاما کا ہوگا۔ اور متی، متی ما کا حکم یہ ہے کہ سکوت کے فوراً بعد طلاق واقع ہو جاتی ہے، الہٰذا اذا اور اذاما کی صورت میں بھی سکوت کے فوراً بعد طلاق واقع ہو جائے گی نہ کہ عمر کے آخری لمحہ میں۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل: یہ ہے کہ لفظ اذا وقت کے علاوہ شرط کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ صاحبِ ہدایہ نے استدلال میں ایک

شعر پیش کیا۔ **واستغن ما اغناك ربك بالغنی، و اذا تصبك خصاصة فتجمل** (بے پرواہی رکھ جب تک تجھے رب نے غنی بنایا ہے مالداری کے ساتھ۔ اور اگر تجھے تنگدستی لاحق ہو تو تو صبرِ جمیل اختیار کر)۔ اس شعر میں **اذا** شرط کے لئے ہے اس لئے کہ اس شعر میں **تصبك** مجزوم ہے، اگر **اذا** شرط کے لئے نہ ہوتا پھر یہ **تصیبك** ہوتا۔

الغرض **اذا** شرط کے لئے بھی آتا ہے جیسا کہ ابھی گزرا اور ظرف کے لئے بھی آتا ہے جیسا کہ صاحبینؒ کی دلیل میں گزرا ہے۔ اب اگر **اذا** کو شرط کے معنی میں لیں تو فی الحال طلاق واقع نہیں ہونی چاہئے جیسا کہ لفظ **ان** کی صورت میں فی الحال واقع نہیں ہوتی اور اگر **اذا** کو ظرف کے لئے مانیں تو فی الحال طلاق واقع ہونی چاہئے جیسا کہ لفظِ **متی** کی صورت میں فی الحال واقع ہوتی ہے، تو وقوعِ طلاق میں شک ہو گیا اور شک کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی اس لئے یہاں فی الحال طلاق واقع نہ ہوگی۔

**②** مسئلہ مذکورہ میں زوج کی نیت ہونے کی صورت میں حکم:۔ صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ مسئلہ میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف اس وقت ہے جب زوج نے اپنے کلام سے کوئی نیت نہ کی ہو اور اگر اس نے لفظ **اذا** سے وقت کی نیت کی ہے تو طلاق فی الحال واقع ہو جائے گی اور اگر شرط کی نیت کی ہے تو آخر عمر میں طلاق واقع ہو گی کیونکہ لفظ **اذا** دونوں معنوں کا احتمال رکھتا ہے۔ اور محتمل نیت سے مراد ہو سکتا ہے۔

**③** **انت طالق ان لم اطلقك** کے بعد عورت کے مرنے پر طلاق کا حکم:۔ اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا **انت طالق ان لم اطلقك** اور اسکے بعد بیوی شوہر کے مرنے سے پہلے مر گئی تو اس کی موت سے کچھ پہلے طلاق واقع ہو جائے گی جس طرح زوج کے مرنے سے پہلے اس کی بیوی کو طلاق ہو جاتی ہے اور یہی صحیح ہے۔ نوادر میں اسکے خلاف بھی روایت نقل کی گئی ہے۔

**الشق الثانی** ......**باب الظهار و اذا قال الرجل لا مرأته انت علی كظهر امی فقد حرمت علیه لایحل له و طیها ولا مسها ولا تقبیلها حتی یكفر عن ظهاره۔** (ص ۴۱۷۔ رحمانیہ) (اشرف الہدایہ ۵:۹۳)

**ترجمی العبارة۔ عرفی الظهار لغة و اصطلاحا۔ اشرحی العبارة وبیّن كفارة الظهار مرتبة۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) ظہار کی لغوی اور اصطلاحی تعریف (۳) عبارت کی تشریح (۴) کفارۂ ظہار کی ترتیب کے ساتھ وضاحت۔

**جواب** ...... **①** عبارت کا ترجمہ:۔ یہ باب ظہار کے بیان میں ہے۔ اور جب مرد نے اپنی بیوی سے کہا **انت علیّ كظهر امی** تو یہ عورت اس پر حرام ہو گئی اس مرد کے لئے اس عورت کے ساتھ وطی کرنا حلال نہیں ہے اور نہ اس کو چھونا اور نہ اس کا بوسہ لینا حلال ہے یہاں تک کہ اپنے ظہار کا کفارہ دے۔

**②** ظہار کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:۔ ظہار لغت میں مرد کا اپنی منکوحہ کو **اَنْتِ عَلَیَّ كَظَهْرِ اُمِّیْ** کہنا ہے۔ اور شریعت کی اصطلاح میں مرد کا اپنی بیوی کو یا اسکے کسی ایسے جزوِ شائع کو جس سے سارے جسم کو یا ذات کو تعبیر کیا جا سکتا ہو اپنی محرمات ابدیہ (ماں، بہن، بیٹی وغیرہا) کے ایسے عضو سے تشبیہ دینا جس کو دیکھنا اس کیلئے جائز نہیں (ماں کی پشت بھی اسکی ایک مثال ہے) ظہار ہے۔

**③** عبارت کی تشریح:۔ عبارت میں مذکور مسئلہ کی تشریح یہ ہے کہ اگر کسی مرد نے اپنی بیوی سے **انت علیّ كظهر امی** کہا تو یہ عورت اس پر حرام ہو گئی۔ نہ اسکے ساتھ وطی کرنا حلال رہا اور نہ اس کو چھونا اور بوسہ لینا حلال رہا۔ حتیٰ کہ شوہر اپنے ظہار کا کفارہ دیدے۔ اسکی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد **وَالَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَائِهِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ الخ** ہے۔ اس آیت میں تصریح کی گئی ہے کہ اگر ظہار کے بعد رجوع کا ارادہ ہو تو پہلے کفارۂ ظہار ادا کرے پھر جماع اور اسکے متعلقات حلال ہونگے۔

صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں ظہار طلاق شمار ہوتی تھی، یعنی جس طرح طلاق سے نکاح زائل ہو کر حرمت ثابت ہو جاتی ہے اسی طرح ظہار سے نکاح زائل ہو جاتا تھا اور حرمت ثابت ہو جاتی تھی۔ پس شریعتِ اسلام نے اصلیت تو برقرار رکھی مگر اس کا حکم بدل دیا۔ چنانچہ فرمایا کہ ظہار سے نکاح تو زائل نہیں ہوتا البتہ کفارہ دینے تک بیوی سے وطی کرنا حرام ہے۔

ظہار کی وجہ سے حرمت اس لئے ہے کہ ظہار کرنا جرم ہے اور جرم اس وجہ سے ہے کہ ظہار کرنا نازیبا اور جھوٹ بات ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا پس جب ظہار کرنا فحش اور جھوٹ بات ہے تو ایسا کہنے پر اس شخص کو یہ سزا دینا مناسب ہوگا کہ اس کی بیوی کو اس پر حرام کر دیا جائے تاوقتیکہ کفارہ ادا کرے اور وہ جرم کفارہ سے دور ہو جاتا ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ اور حضور ﷺ نے فرمایا اتبع السيئة الحسنة تمحها پس جب کفارہ سے جنایت دور ہوگئی تو حرمت بھی ختم ہو جائے گی۔

پھر جب ظہار کی وجہ سے وطی کرنا حرام ہوا تو وہ تمام چیزیں حرام ہو جائیں گی جو دواعی الی الوطی ہیں مثلاً عورت کو چھونا اس کا بوسہ لینا تاکہ یہ چیزیں اس کو وطی میں مبتلا نہ کر دیں جیسا کہ حالتِ احرام میں وطی اور دواعی سب حرام ہیں۔ اس کے برخلاف حائضہ اور روزہ دار عورت کے ساتھ صرف وطی حرام ہے نہ کہ دواعیِ وطی۔ اسکی دلیل یہ ہے کہ حیض اور روزہ کا وجود کثرت سے ہوتا ہے پس اگر بوسہ وغیرہ کو حرام کیا گیا تو یہ مفضی الی الحرج ہوگا اور رہا ظہار اور احرام ان کا وقوع بھی کبھار شاذ و نادر ہوتا ہے اسلئے ظہار اور احرام کی حالت میں وطی کے ساتھ دواعی بھی حرام کئے گئے ہیں اور حیض و روزہ میں دواعیِ وطی کو حرام نہیں کیا گیا۔

④ کفارۂ ظہار کی ترتیب کے ساتھ وضاحت:۔ اگر مظاہر اپنی بیوی سے اختلاط رکھنا چاہتا ہے تو اس پر کفارہ لازم ہے اور وہ کفارہ عندالاحناف یہ ہے کہ ایک قابل المنفعت غلام یا باندی آزاد کرے خواہ کافر ہو یا مؤمن، لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک مسلمان رقبہ آزاد کرنا شرط ہے اور اگر اس کی طاقت نہیں تو پھر مسلسل ساٹھ روزے رکھے اگر روزوں کی طاقت نہیں تو ساٹھ مسکینوں کو صبح و شام پیٹ بھر کر کھانا کھلائے یا ہر ایک مسکین کو نصف صاع گندم یا ایک صاع جو یا ان کی قیمت دیدے۔ تحریر رقبہ اور روزوں والا کفارہ قبل المباشرت ادا کرنا ضروری ہے۔ اور طعام والے کفارہ کے درمیان اگر مباشرت کر لی تب بھی کفارہ ادا ہو جائے گا۔

## السوال الثالث ۱۴۳۸ھ

**الشق الاوّل** ...... ومن قال وهوفى الكعبة أوفى غيرها:على المشى إلى بيت الله تعالى أوإلى الكعبة فعليه حجة أوعمرة ما شيًا وان شاء ركب وأهرق دما، ولوقال:على الخروج أوالذهاب إلى بيت الله تعالى فلاشيئ عليه ولوقال:على المشى إلى الحرم أوإلى الصفاوالمروة فلاشيئ عليه وهذاعندأبى حنيفة۔ (اشرف الہدایہ ۶:۱۱۵)

اشرحى المسائل المذكورة. وضّحى الفرق بينها. اذكرى اختلاف الأئمة فى المسئلة الأخيرة مع أدلتهم.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل تین امور ہیں: (۱) مسائل کی تشریح (۲) مسائل میں فرق (۳) على المشى الى الحرم الخ میں اختلاف مع الدلائل۔

**جواب** ...... ① مسائل کی تشریح:۔ پہلے مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ کسی شخص نے بیت اللہ کی طرف یا کعبہ کی طرف چلنا اپنے اوپر لازم کیا تو اس کو استحساناً پیدل ہی حج یا عمرہ کرنا چاہیے مگر سوار ہو کر بھی حج یا عمرہ جائز ہے البتہ اس صورت میں دم (قربانی) لازم ہوگا۔ اگرچہ قیاس یہ ہے کہ دم لازم نہ ہو کیونکہ پیدل چلنا کوئی عبادت مقصودہ نہیں ہے، مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد کی وجہ سے ہم نے قیاس کو چھوڑ دیا۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کسی شخص نے بیت اللہ کی طرف چلنا یا جانا اپنے اوپر لازم کیا تو اس پر حج یا عمرہ میں سے کچھ لازم نہیں ہے۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے حرم یا صفا و مروہ کی طرف نکلنا یا جانا اپنے اوپر لازم کیا تو اس صورت میں بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس پر کچھ لازم نہیں ہے، البتہ صاحبینؒ کے نزدیک اس صورت میں حج یا عمرہ لازم ہے۔

② مسائل میں فرق:۔ پہلے مسئلہ والی کلام (جب اس نے على المشى الى بيت الله او الى الكعبة کہا) تو لوگوں کے عُرف میں ایسے کلام سے مقصود کعبہ تک جا کر حج یا عمرہ ادا کرنا ہے اور دوسرے مسئلہ والی کلام یعنی على الخروج او الذهاب الىٰ بيت الله کہا تو ایسے کلام سے اپنے اوپر حج یا عمرہ لازم کرنا متعارف نہیں ہے لہٰذا حکم قیاس کے موافق ہی ہوگا یعنی کچھ لازم نہ ہوگا۔

③ علىّ المشى الى الحرم الخ میں اختلاف مع الدلائل:۔ اگر کسی شخص نے کہا کہ مجھ پر حرم یا مسجد حرام یا صفا و مروہ کی طرف چلنا لازم ہے تو اس پر کچھ لازم نہیں ہے، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جب اس نے حرم یا مسجد حرام کی طرف چلنا اپنے اوپر لازم کیا

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

تو اس پر حج یا عمرہ لازم ہوگا۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ حرم کہنے سے بیت اللہ بھی شامل ہوتا ہے کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے سے متصل ہیں اسی طرح مسجدِ حرام کہنا بھی بیت اللہ کو شامل ہوگا اس لئے کہ حرم یا مسجد حرام کا ذکر مثل بیت اللہ کے ذکر کے ہے، لہٰذا اس صورت میں بھی **علی المشی الی بیت اللہ** کہنے کی مثل حج یا عمرہ لازم ہوگا۔ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ ایسے الفاظ سے احرام باندھنے کا التزام لوگوں کے محاورہ میں مشہور نہیں ہے اور لفظ کے حقیقی معنی کا لحاظ کرتے ہوئے احرام واجب کرنا ممکن نہیں ہے، پس جب چلنے کا لفظ احرام باندھنے کے معنی میں موضوع بھی نہیں ہے اور عرف میں بھی اس سے احرام باندھنا مراد نہیں ہوتا تو گویا دونوں طرح سے اس لفظ کی احرام پر دلالت نہ ہوئی لہٰذا اس لفظ سے احرام واجب کرنا ممتنع ہوگیا اور قیاس کے موافق کچھ لازم نہ ہوگا۔

**الشق الثانی**......**وَالْحِدَادُ اَنْ تَتْرُكَ الطِّيْبَ وَالزِّيْنَةَ وَالْكُحْلَ وَالدُّهْنَ الْمُطَيِّبَ وَغَيْرَ الْمُطَيِّبِ اِلَّا مِنْ عُذْرٍ وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ اِلَّا مِنْ وَجَعٍ وَالْمَعْنٰى فِيْهِ وَجْهَانِ: اَحَدُهُمَا مَاذَكَرْنَاهُ مِنْ اِظْهَارِ التَّأَسُّفِ وَالثَّانِيْ اَنَّ هٰذِهِ الْاَشْيَاءَ دَوَاعِي الرَّغْبَةِ فِيْهَا وَهِيَ مَمْنُوْعَةٌ عَنِ النِّكَاحِ فَتَجْتَنِبُهَا كَيْلَا تَصِيْرَ ذَرِيْعَةً اِلَى الْوُقُوْعِ فِي الْمُحَرَّمِ۔ (باب العدة ۔ فصل فی الحداد)** عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔ واضح تشریح کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل تین امور ہیں ① عبارت پر اعراب ② عبارت کا ترجمہ ③ عبارت کی تشریح۔

**جواب**...... ① عبارت پر اعراب:۔ **کما مرّ فی السوال آنفا۔**

② عبارت کا ترجمہ:۔ سوگ منانا یہ ہے کہ چھوڑ دے خوشبو، زینت، سرمہ، اور تیل خوشبودار ہو یا بغیر خوشبو کا ہو، مگر عذر سے، اور جامع صغیر میں ہے کہ مگر درد سے۔ سوگ منانے کی دو وجہ ہیں: ایک وہ جو ہم نے ذکر کی کہ افسوس کا اظہار کرنا، دوسری یہ کہ یہ چیزیں نکاح کی طرف رغبت دلانے والی ہیں، حالانکہ یہ عورت نکاح سے منع کی گئی ہے۔

③ عبارت کی تشریح:۔ سوگ میں عورت کو چاہئے کہ جتنی بھی چیزیں زینت کی ہیں ان سب کو چھوڑ دے۔ مثلاً خوشبو، سرمہ اور تیل وغیرہ۔ البتہ مرض اور بیماری کی وجہ سے کوئی مجبوری ہو جائے تو استعمال کرسکتی ہے۔

دلیل: حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ عورت سوگ میں سرمہ نہ لگائے، بھڑکیلا رنگ والا کپڑا نہ پہنے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ معتدہ عصفر میں رنگا ہوا اور گیرو رنگ میں رنگا ہوا کپڑا نہیں پہن سکتی، زیور نہیں پہن سکتی، خضاب نہیں کرسکتی اور سرمہ نہیں لگا سکتی۔ البتہ مجبوری میں یہ چیزیں استعمال کرسکتی ہیں اس کی دلیل ام حکیم رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ مجبوری ہو تو رات میں دوائی کے طور پر خوشبو لگا سکتی ہے۔ ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی دوسری حدیث میں ہے کہ طہر و پاکی کے وقت مجبوری کے طور پر معمولی خوشبو استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مجبوری کے وقت زینت کی چیزوں کو استعمال کرنا جائز ہے۔ تیل سے بھی زینت ہوتی ہے اسلئے تیل چاہے خوشبودار ہو یا بغیر خوشبو کے ہو بغیر مجبوری کے نہ لگائے۔ قدوری میں من عذر اور جامع صغیر میں من وجع ہے دونوں کا مفہوم تقریباً ایک ہی ہے۔ (اثمار الہدایہ)

## ﴿الورقة الثالثة فی الفقه﴾

## ﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۹ھ

**الشق الاوّل**......**و من ادعت عليه امرأة انه تزوجها و اقامت بينة فجعلها القاضی امرأته و لم يكن تزوجها وسعها المقام معه وان تدعه يجامعها و هذا عند ابی حنيفة۔** (ص۳۳۴۔رحمانیہ)(اشرف الہدایہ ۴:۲۷)

**ترجمی العبارة المسطورة ۔ هذه المسئلة الاختلافية شهيرة بين الامام ابی حنيفة والجمهور و تعرف بقضاء القاضی فی العقود و الفسوخ أينفذ ظاهرًا وباطنًا ام ينفذ ظاهرًا فقط فعليك بيانها بالأدلة ۔ اذكری حكم الأملاك المرسلة كما اشاراليها صاحب الهداية بقوله بخلاف الأملاك المرسلة۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں: (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) قضاءِ قاضی کے ظاہراً اور باطناً نافذ ہونے میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل (۳) املاکِ مرسلہ کا حکم۔

0313 0331913 maktabazakariyamultan@gmail.com

**جواب** ...... ① عبارت کا ترجمہ:۔ وہ شخص جس پر ایک عورت نے دعویٰ کیا کہ اس نے مجھ سے نکاح کیا ہے اور اس عورت نے گواہ بھی قائم کردیئے پس قاضی نے اس عورت کو اس شخص کی بیوی بنا دیا حالانکہ اس مرد نے اس عورت سے نکاح نہیں کیا تھا؟ تو اس عورت کیلئے اس مرد کے ساتھ قیام کرنے اور اس مرد کو اس عورت سے جماع کرنے کیلئے چھوڑ دینے کی گنجائش ہے۔(یہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے)

② قضاءِ قاضی کے ظاہراً و باطناً نافذ ہونے میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل:۔ جھوٹی گواہی سے قاضی کے فیصلۂ عقود و فسوخ میں امام ابوحنیفہؒ کا مذہب و امام ابو یوسفؒ کا قولِ اوّل یہ ہے کہ یہ فیصلہ ظاہراً اور باطناً نافذ ہوگا۔

البتہ قضاءِ قاضی کے ظاہراً و باطناً نافذ ہونے کے لئے پانچ شرائط ہیں، اگر وہ تمام شرائط موجود ہوں گی تو پھر قضاءِ قاضی ظاہراً و باطناً نافذ ہے، وگرنہ صرف ظاہراً نافذ ہے، باطناً نافذ نہیں ہے۔

① قاضی کا وہ فیصلہ عقود یا فسوخ کے متعلق ہو مثلاً میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا تھا، یا عورت کہے کہ مجھے خاوند نے طلاق دیدی تھی ② وہ دعوٰی املاک مرسلہ کے متعلق نہ ہو، املاکِ مرسلہ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص ملکیت کا دعوٰی کرے مگر ملکیت میں آنے کا سبب بیان نہ کرے، مثلاً ایک شخص نے دعوٰی کیا کہ یہ کتاب جو مدعٰی علیہ کے پاس ہے یہ میری ہے اور گواہ پیش کردے، مگر ملکیت میں آنے کی وجہ بیان نہ کرے تو مدعی کے حق میں قاضی کا فیصلہ صرف ظاہراً نافذ ہوگا، باطناً نافذ نہیں ہوگا ③ وہ معاملہ انشاء کا احتمال رکھتا ہو یعنی اس بات کا احتمال رکھتا ہو کہ وہ عقد اب قائم کردیا جائے مثلاً نکاح وطلاق، اگر وہ معاملہ انشاء کا احتمال نہ رکھتا ہو مثلاً میراث کا دعوٰی (میراث ایک مرتبہ ہی ورثاء کی طرف منتقل ہوجاتی ہے، اسکے بعد اس میں انشاء کا احتمال نہیں ہے) تو ایسی صورت میں بھی قضاءِ قاضی باطناً نافذ نہیں ہے ④ وہ محل قابل للعقد بھی ہو مثلاً کوئی آدمی اپنی محرم عورت کے متعلق منکوحہ ہونے کا دعوٰی کرے اور بینہ سے نکاح ثابت بھی کردے تو قاضی کا فیصلہ صرف ظاہراً نافذ ہوگا، باطناً نافذ نہیں ہوگا ⑤ قاضی نے بینہ کی بنیاد پر یا مدعٰی علیہ کے قسم سے انکار کی بنیاد پر فیصلہ کیا ہو، اگر قاضی نے مدعٰی علیہ کی قسم پر فیصلہ کیا تو پھر بھی یہ فیصلہ صرف ظاہراً نافذ ہوگا، باطناً نافذ نہیں ہوگا۔(تقریر ترمذی ۱:۲۷۱)

امام محمدؒ و امام شافعیؒ کا مذہب اور امام ابو یوسفؒ کا قولِ ثانی یہ ہے کہ یہ فیصلہ صرف ظاہراً نافذ ہوگا باطناً نافذ نہ ہوگا۔

مذہب ثانی کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ گواہ جھوٹے ہیں اس لئے قاضی نے حجت میں غلطی کی اور **خطا فی الحجة نفوذِ** باطنی کو منع کرتا ہے لہٰذا قاضی کا یہ فیصلہ ظاہراً تو نافذ ہوگا جس کے نتیجہ میں شوہر پر نفقہ اور کسوہ واجب ہوگا لیکن باطناً نافذ نہیں ہوگا جس کی وجہ سے شوہر کے لئے اس عورت سے وطی حلال نہیں ہوگی اس کی نظیر یہ ہے کہ اگر شہادت کے بعد شاہدین کا غلام ہونا یا کافر ہونا ظاہر ہوا تو قاضی نے اگر فیصلہ دیا تھا تو وہ ظاہراً نافذ ہوگا باطناً نہیں۔ امام صاحبؒ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ کافر و غلام پر واقف ہونا آسان ہے اسلئے کہ کفار و غلاموں کو مخصوص علامتوں سے پہچانا جاسکتا ہے اور گواہ کے سچے و جھوٹے ہونے پر مطلع ہونا مشکل ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: یہ ہے کہ چونکہ قاضی کا حقیقتِ صدق پر مطلع ہونا متعذر ہے البتہ تعدیل وغیرہ سے یہ ثابت ہوگیا کہ گواہ قاضی کے نزدیک صادق ہیں اور گواہوں کا صادق ہونا ہی حجت ہے اور جب حجت قائم ہوگئی تو قاضی پر فیصلہ کرنا لازم ہے حتیٰ کہ اگر ایسی صورت میں قاضی یہ سمجھے کہ فیصلہ دینا لازم نہیں تو کافر ہوگا اور اگر لازم سمجھے اور تاخیر کرے تو فاسق ہوگا۔

نیز اس قول کی تائید حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے بھی ہوتی ہے کہ جب اسی طرح کا مقدمہ آپ کے سامنے آیا تو آپ نے نکاح کا فیصلہ کردیا پس عورت نے کہا کہ اے امیر المؤمنین ہمارا نکاح نہیں ہوا تھا اگر آپ نے فیصلہ کر ہی دیا ہے تو ہمارا نکاح بھی کردیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ **شاهداك زوّجاك** (تیرے گواہوں نے تیرا نکاح کردیا ہے) پس معلوم ہوا کہ قاضی کا فیصلہ ظاہراً و باطناً نافذ ہے۔

③ املاکِ مرسلہ کا حکم:۔ املاکِ مرسلہ میں چونکہ سببِ ملک مذکور نہیں ہوتا ہے اس لئے قاضی اسبابِ کثیر اور ترجیح بلا مرجح کے ایک سبب کو متعین نہیں کرسکتا اس لئے نفوذ باطنی ممکن ہی نہیں۔ لہٰذا بالاتفاق یہ فیصلہ صرف ظاہراً نافذ ہوگا باطناً نافذ نہیں ہوگا۔

**الشق الثانی** ...... **و من تزوج امرأة ثم اختلفا فی المهر فالقول قول المرأة الی تمام مهر مثلها و القول قول الزوج فیما زاد علی مهر المثل و ان طلقها قبل الدخول بها فالقول قوله فی نصف المهر و هذا عند ابی حنیفة و محمد.** (ص۳۵۵-رحمانیہ)(اشرف الہدایہ ج۴ص۱۲۲)

**ترجمی العبارة و اذکری اختلاف ابی حنیفة و محمد و ابی یوسف فی المسئلة المذکورة بالأدلة۔**
**اکتبی حکم اختلاف الزوجین فی أصل المهر المسمی وما ذاحکم الاختلاف فی المهر بعد موت احدهما۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حاصل چار امور ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) مہر کی مقدار میں زوجین کے اختلاف کے متعلق ائمہ کا اختلاف مع الدلائل (۳) اصلِ مہرِ مسمّی میں زوجین کے اختلاف کا حکم (۴) موت احدہما کے بعد مہر میں اختلاف کا حکم۔

**جواب**...... ❶ عبارت کا ترجمہ:۔ اور جس شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا پھر دونوں نے مہر (کی مقدار) میں اختلاف کیا۔ تو عورت کا قول معتبر ہوگا اس کے تمام مہرِ مثل تک اور شوہر کا قول اس صورت میں (معتبر) ہوگا جب مہرِ مثل پر مقدار زائد ہو اور اگر اس کو قبل الدخول طلاق دی تو شوہر کا قول (معتبر) ہوگا نصفِ مہر میں یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے۔

❷ مہر کی مقدار کے متعلق زوجین کے اختلاف کے متعلق ائمہ کا اختلاف مع الدلائل:۔ مرد اور عورت کے درمیان مہر کی مقدار میں اختلاف ہو گیا خواہ یہ اختلاف قیامِ نکاح کے وقت ہوا یا فرقت بعد الدخول کے وقت ہوا یا احد الزوجین کی وفات کے بعد ہوا، اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے کہ کس کی بات معتبر ہوگی؟ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک تینوں صورتوں میں مہرِ مثل کی مقدار تک عورت کا قول معتبر ہوگا اور مہرِ مثل کی مقدار سے زائد میں شوہر کا قول معتبر ہوگا اور اگر دخول سے پہلے ہی طلاق کی صورت میں اختلاف ہوا تو نصفِ مہر کے سلسلہ میں صرف شوہر کا قول معتبر ہوگا عورت کا نہیں۔ اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اگر شوہر نے معمولی چیز (دس درہم سے کم) کا قول نہیں کیا تو خواہ اختلاف قبل الطلاق ہو یا بعد الطلاق دونوں صورتوں میں شوہر کا قول معتبر ہوگا۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل: یہ ہے کہ عورت مہر میں زیادتی کی مدعیہ ہے اور شوہر زیادتی کا منکر ہے اور قاعدہ ہے کہ مدعی کے پاس گواہ نہ ہونے کی صورت میں منکر کا قول مع الیمین معتبر ہوتا ہے لہٰذا ذکر کردہ چاروں صورتوں میں شوہر کا قول معتبر ہوگا۔ باقی منافعِ بضع مال نہ ہونے کی وجہ سے غیر متقوم ہیں لیکن ضرورۃً بضع کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے یا توالد و تناسل کے پیشِ نظر منافعِ بضع کو متقوم بنایا گیا ہے پس مہرِ مسمّی میں شوہر کا قول معتبر ہوگا۔

طرفین کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ مدعی کے پاس بینہ اگر موجود نہ ہوں تو مدعی علیہ کا قول مع الیمین معتبر ہوتا ہے اور مدعی علیہ وہ شخص کہلاتا ہے جس کا قول ظاہرِ حال کے موافق ہو اور چونکہ نکاح میں موجبِ اصلی مہرِ مثل ہے۔ لہٰذا جس کا قول مہرِ مثل کے موافق ہوگا اس کا قول ظاہرِ حال کے موافق کہلائے گا اور وہی مدعی علیہ ہوگا اور اس کی بات معتبر ہوگی۔ چنانچہ مہرِ مثل اگر شوہر کے قول سے کم یا اس کے مساوی ہے تو شوہر کا قول معتبر ہے اور اگر مہرِ مثل عورت کے قول کے مساوی یا اس سے زائد ہے تو عورت کا قول معتبر ہوگا۔

❸ اصلِ مہرِ مسمّی میں زوجین کے اختلاف کا حکم:۔ اگر زوجین کے مابین اصلِ مسمّی میں اختلاف ہو گیا ایک کہتا ہے کہ عقدِ نکاح کے وقت ذکر کیا گیا تھا اور دوسرا کہتا ہے کہ مہر ذکر نہیں کیا گیا تھا تو اس صورت میں بالاتفاق زوج پر مہرِ مثل واجب ہوگا۔ طرفینؒ کے نزدیک تو اسلئے کہ مہرِ مثل ہی اصل ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس لئے کہ مہرِ مسمّی میں اختلاف کی وجہ سے فیصلہ متعذر ہے لہٰذا مہرِ مثل کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

❹ موت احدہما کے بعد مہر میں اختلاف کا حکم:۔ اگر زوجین میں سے کسی ایک کی موت کے بعد مہر میں اختلاف ہوا تو اصلِ مہر و مقدارِ مسمّی دونوں صورتوں میں وہی حکم ہوگا جو زوجین کی زندگی میں اختلاف کی صورت میں تھا یعنی اگر مقدار میں اختلاف ہے تو طرفین کے نزدیک مہرِ مثل حکم ہوگا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک شوہر کا قول معتبر ہوگا۔ اور اگر اصلِ مسمّی میں اختلاف ہے تو دخول کے بعد بالاتفاق مہرِ مثل واجب ہوگا اور دخول سے پہلے متعہ واجب ہوگا۔

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۹ھ

**الشق الاوّل**......ویصح النکاح وان لم یسم فیه مهر وکذا اذا تزوجها بشرط ان لامهرلها واقل المهر عشرة دراهم ولوسمی اقل من عشرة فلها العشرة۔ (ص۳۴۵۔رحمانیہ)

**عرّفی المهر۔ بینی المسائل الثلاث الاختلافیة الآتیة بالادلة العقلیة والنقلیة (۱) وکذا اذا تزوجها بشرط**

**ان لامھرلھا(۲) واقل المھر عشرۃ دراھم (۳) ولوسمی اقل من عشرۃ فلھا العشرۃ۔** (اشرف الہدایۃ ۴:۸۱)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں دوامور مطلوب ہیں (۱) مہر کی تعریف (۲) مذکورہ مسائل میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل۔

**جواب** ...... ❶ مہر کی تعریف:۔ مرد وعورت کے درمیان انعقادِ نکاح کے نتیجہ میں مرد پر جو مال لازم ہوتا ہے اسکو مہر کہتے ہیں۔

❷ مذکورہ مسائل میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل:۔ ① مہر نہ ہونے کی شرط پر نکاح کا حکم: اگر کسی شخص نے کسی عورت سے مہر نہ ہونے کی شرط پر نکاح کیا تو ہمارے نزدیک نکاح درست ہوجائے گا جبکہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مہر نہ ہونے کی شرط پر نکاح درست نہیں ہے۔ ہمارے دلائل: ① آیت کریمہ **فانکحوا ماطاب لکم** ہے کہ اگر ہم نے ذکرِ مہر کی شرط لگادی تو نص پر زیادتی کرنا لازم آئے گا جو کہ صحیح نہیں ہے ② **لاجناح علیکم ان طلقتم النساء مالم تمسوھن او تفرضوا لھن فریضۃ** ہے اس آیت میں بغیر تسمیۂ مہر کے صحتِ طلاق کا حکم لگایا گیا ہے اور طلاق نکاحِ صحیح کے بعد واقع ہوتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ تسمیۂ مہر کے بغیر نکاح درست ہے ③ یہ ہے کہ نکاح لغوی طور پر عقدِ انضمام اور عقدِ ازدواج کو کہتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ نکاح فقط عقد کا نام ہے۔ صحتِ نکاح کیلئے مہر کا ذکر ضروری نہیں ہے اور یہ تینوں دلائل مہر کے عدمِ ذکر کے ہیں اور عدمِ ذکر ونفیِ ذکر میں حکم مختلف نہیں ہوتا۔ پس معلوم ہوا کہ نفیِ مہر کی شرط پر نکاح درست ہے۔ امام مالکؒ کی دلیل: یہ ہے کہ نکاح عقدِ معاوضہ ہے اور جس طرح عقدِ بیع میں ثمن نہ ہونے کی شرط لگادی تو بیع باطل ہے اسی طرح عدم مہر کی شرط پر نکاح بھی درست نہیں ہے۔

ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ اس بات پر سب کا اجماع ہے کہ اگر مہر کا ذکر ترک کردیا جائے اور صراحتاً نفی نہ کی جائے تو نکاح درست ہے لہٰذا اسی طرح اگر مہر کی نفی کردی جائے تب بھی نکاح درست ہونا چاہیے کیونکہ ترکِ ذکر اور نفیِ ذکر میں حکم مختلف نہیں ہوتا مثلاً بیع میں ثمن کی نفی کی جائے یا ثمن کا ذکر ترک کیا جائے دونوں صورتوں میں عقدِ بیع باطل ہوگا۔

② اقلِ مہر کی مقدار میں اختلاف مع الدلائل: مہر کی اکثر مقدار کی کوئی حد نہیں، البتہ مہر کی اقل مقدار میں اختلاف ہے۔ احنافؒ کے نزدیک اقلِ مہر دس درہم ہے۔ امام مالکؒ نے فرمایا کہ اقلِ مقدارِ مہر ربع دینار یا تین درہم ہیں۔ ابن شبرمہؒ نے کہا کہ کم از کم پانچ درہم ہیں اور ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ اقلِ مہر چالیس درہم ہے اور سعید ابن جبیرؒ کے نزدیک کم از کم پچاس درہم ہونے چاہئیں۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جس کو عقدِ بیع میں ثمن بنایا جاسکتا ہے اس کو عقدِ نکاح میں مہر بھی بنا سکتے ہیں۔

امام شافعیؒ کی دلیل: یہ ہے کہ مہر عورت کا حق ہے چنانچہ وصول کرنے اور ساقط کرنے میں عورت خود مختار ہے معلوم ہوا کہ مہر عورت ہی کا حق ہے لہٰذا اس کی مقدار متعین کرنے کا حق بھی عورت ہی کو ہوگا۔

ہماری دلیل: حدیث رسول اللہ ﷺ ہے کہ دس درہم سے کم مہر ہی نہیں ہے۔ دوسری عقلی دلیل یہ ہے کہ مہر بضع کی شرافت کو ظاہر کرنے کیلئے شریعت کا حق ہے لہٰذا اتنی مقدار معین کی جائے جس سے شرافتِ محل اور شرافتِ بضع ظاہر ہوسکے۔ ہم نے دیکھا کہ نصابِ سرقہ دس درہم ہے تو گویا دس درہم چوری کرنے پر ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ انسان کے ایک عضو یعنی ہاتھ کی کم از کم قیمت دس درہم ہے چنانچہ اسی پر قیاس کرکے نکاح میں بھی ملکِ بضع کی قیمت کم از کم دس درہم مقرر کی گئی ہے۔

③ دس درہم سے کم مہر مقرر کرنے کا حکم: اگر انعقادِ نکاح کے وقت دس درہم سے کم مہر مقرر کیا گیا تو اس صورت میں ہمارے نزدیک عورت کیلئے دس درہم لازم ہوں گے اور امام زفرؒ کے نزدیک مہرِ مثل واجب ہوگا۔

امام زفرؒ کی دلیل: قیاس ہے۔ حاصلِ قیاس یہ ہے کہ ایسی چیز کو مہر بنانا جو مہر بننے کی صلاحیت نہ رکھتی ہو وہ عدمِ تسمیہ کے مانند ہے اور عدمِ تسمیہ کی صورت میں مہرِ مثل واجب ہوتا ہے لہٰذا اس صورت میں بھی مہرِ مثل واجب ہوگا۔

حنفیہ کی دلیل: یہ ہے کہ دس درہم سے کم کے تسمیہ کا فساد حقِ شرع کی وجہ سے ہے اور حقِ شرع دس درہم سے پورا ہوجاتا ہے لہٰذا دس درہم پورے کردیئے جائیں، زیادہ کی ضرورت نہیں۔ اب رہی یہ بات کہ دس درہم پر عورت بھی راضی ہے یا نہیں تو ہم کہتے ہیں کہ جب وہ بھلی مانس دس سے کم پر راضی ہوگئی تو دس درہم پر بدرجہ اولیٰ راضی ہوگی۔ حاصل یہ کہ مہر میں شارع اور زوجہ دونوں کا حق ہے لہٰذا ان دونوں کی رعایت ضروری ہوگی اور دس درہم میں دونوں کی رعایت ہوجاتی ہے کیونکہ شارع کا تو حق ہی دس درہم تک ہے اور زائد میں اگرچہ

عورت کا حق ہے لیکن وہ دس درہم سے کم پر راضی ہونے کی وجہ سے زائد میں اپنا حق ساقط کر چکی ہے جس کا اسکو پورا پورا اختیار ہے۔

امام زفرؒ کے قیاس کا جواب یہ ہے کہ دس سے کم کے تسمیہ کو عدمِ تسمیہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، اسلئے کہ انسان کبھی تکرماً اور تفضلاً تناسلِ جمیل کو طلب کرنے کیلئے اپنے پورے حق کو ساقط کر دینے پر راضی ہو جاتا ہے اور شئی قلیل پر راضی نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہاں ہے کہ عورت اپنے تکرم اور تفضّل کو ظاہر کرنے کیلئے بلاعوض تملیک پر راضی ہو سکتی ہے لیکن ترفعاً عوضِ قلیل اور معمولی چیز پر راضی نہیں ہو سکتی پس اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اگر عورت بالکل مہر نہ لینے پر راضی ہو جائے تو وہ دس سے کم پر بھی راضی ہو جائیگی لہٰذا یہ قیاس غلط ہے۔

**الشق الثانی**......**ویجوز تزوج الامة مسلمة کانت او کتابیة۔**

**اکتبی اختلاف الفقهاء الکرام فی تزوّج الامة فعلیك بیانها بالدلیل۔ هل یجوز للرجل ان یتزوج امةً علی حرة۔** (ص۳۳۰۔رحمانیہ) (اشرف الہدایۃ ۳۶ ۴:)

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال کا حل دو امور ہیں (۱) باندی سے نکاح کرنے میں اختلاف مع الدلائل (۲) آزاد عورت کی موجودگی میں باندی سے نکاح کا حکم۔

**جواب** ...... ① باندی سے نکاح کرنے میں اختلاف مع الدلائل:۔ احناف کے نزدیک مطلق باندی سے نکاح کرنا جائز ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا کتابیہ ہو۔ امام شافعیؒ کے نزدیک کتابیہ باندی سے نکاح جائز نہیں ہے۔ امام مالکؒ کا مذہب اور امام احمدؒ کی ایک روایت یہی ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل: یہ ہے کہ باندی کے ساتھ نکاح کا جواز ضرورۃً ثابت ہے کیونکہ باندی سے نکاح کا مطلب اپنے جزء یعنی اولاد کو غلام بنانا ہے اسلئے کہ غیر کی باندی سے پیدا شدہ اولاد غیر کی مملوک ہوگی اور رقیق بنانا درحقیقت ہلاک کرنا ہے گویا وہ باندی سے نکاح کر کے اپنے جز کو ہلاک کرنا چاہتا ہے جو کہ ممنوع ہے لہٰذا باندی کے ساتھ نکاح ناجائز ہونا چاہیے مگر شدید حاجت و ضرورت کی وجہ سے شریعت نے جائز قرار دیا ہے اور جو چیز ضرورۃً ثابت ہو وہ بقدرِ ضرورت ثابت ہوتی ہے اور ضرورت صرف مسلمان باندی سے نکاح کی صورت میں پوری ہوگئی لہٰذا کتابیہ سے نکاح کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اسی وجہ سے امام شافعیؒ نے قدرت علی الحرۃ کو باندی کے ساتھ نکاح کرنے سے مانع قرار دیا ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ باندی سے نکاح کرنے سے مقصود اپنے جزء کو غلام بنانا نہیں ہے بلکہ آزاد جزء کو حاصل کرنے سے رکنا ہے اور شریعت نے اصل جزء کو ہی حاصل نہ کرنے (عزل) کی اجازت دی ہے تا کہ اصل بچہ ہی پیدا نہ ہو لہٰذا وصفِ حریت کو حاصل نہ کرنے کی اجازت بدرجہ اولیٰ ہوگی۔

احنافؒ کی دلیل: یہ ہے کہ باندی کے ساتھ نکاح کی اجازت و جواز مطلق ہے آیت کریمہ **فانکحوا ماطاب لکم من النساء، احل لکم ماوراء ذالکم** میں مطلقاً عورت سے نکاح کے جواز کو عام رکھا گیا ہے خواہ آزاد ہو یا باندی ہو۔

② آزاد عورت کی موجودگی میں باندی سے نکاح کا حکم:۔ اگر پہلے سے ہی آزاد عورت نکاح میں موجود ہے تو احناف کے نزدیک بعد میں باندی سے نکاح کرنا جائز ہے جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک آزاد مرد کیلئے یہ صورت جائز نہیں ہے مگر غلام کیلئے یہ جائز ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر آزاد عورت راضی ہے تو پھر باندی سے نکاح درست ہے ورنہ درست نہیں ہے۔

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۹ھ

**الشق الاوّل**......**وان قال لها ان کلمت ابا عمرو وابا یوسف فانت طالق ثلاثا ثم طلقها واحدة فبانت وانقضت عدتها فکلمت اباعمرو ثم تزوجها فکلمت ابایوسف فهی طالق ثلاثا مع الواحدة الاولی وقال زفرؒ لایقع: وهٰذه علی وجوه۔** (ص۴۰۰۔رحمانیہ) (اشرف الہدایہ ج۴ص۳۱۰)

**ترجمی العبارة ثم وضّحی أربعة وجوه للمسئلة المذکورة۔ اذکری اختلاف ائمتنا الحنفیة مبرهنا ومدللا۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) مسئلہ مذکورہ کی وجوہ اربعہ (۳) ائمہ کا اختلاف مع الدلائل۔

**جواب** ...... ① عبارت کا ترجمہ:۔ اگر مرد نے اپنی منکوحہ سے کہا کہ اگر تو نے ابوعمرو اور ابو یوسف سے کلام کیا تو تجھے تین طلاق ہیں پھر

اس نے اسکو ایک طلاق دی سو وہ بائنہ ہوگئی اور اسکی عدت گزر گئی پھر اس نے ابوعمرو سے کلام کیا (اسکے بعد) پھر اس مرد نے اس عورت سے نکاح کیا اور پھر ابویوسف سے کلام کیا تو یہ عورت مطلقہ ثلاثہ ہے پہلی ایک طلاق کے ساتھ، اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ طلاق واقع نہیں ہوگی۔

② مسئلہ مذکورہ کی وجوہ اربعہ:۔ صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ کی متعدد وجوہ ہیں ① دونوں شرطیں (ابوعمرو سے کلام، ابویوسف سے کلام) ملک میں پائی جائیں تو بالاتفاق طلاق واقع ہوگی کیونکہ طلاق کی شرط ملک میں پائی گئی ہے ② دونوں شرطیں غیر ملک میں پائی جائیں تو بالاتفاق طلاق واقع نہیں ہوگی اسلئے کہ طلاق کی شرط ملک میں نہیں پائی گئی ③ شرطِ اوّل ملک میں اور شرطِ ثانی غیرِ ملک میں پائی جائے تو اس صورت میں بھی بالاتفاق طلاق واقع نہیں ہوگی اسلئے کہ طلاق غیرِ ملک میں واقع نہیں ہوتی ④ شرطِ اوّل غیر ملک میں اور شرطِ ثانی ملک میں پائی جائے تو اس صورت میں ہمارے اور امام زفرؒ کے درمیان اختلاف ہے جو کہ متن میں مذکور ہے۔

③ ائمہ کا اختلاف مع الدلائل:۔ امام زفرؒ کی دلیل شرطِ اوّل کا شرطِ ثانی پر قیاس ہے۔ اس کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ شرطِ ثانی اگر غیرِ ملک میں پائی جائے تو جزاء یعنی طلاق واقع نہیں ہوتی، اسی طرح جب شرطِ اوّل غیرِ ملک میں پائی جائے تو طلاق واقع نہ ہونی چاہیے۔ دوسرا مطلب اوّل کو ثانی پر قیاس کرنے کا یہ ہے کہ جس طرح شرطِ ثانی کے وقت وقوعِ طلاق کے لئے ملک شرط ہے ایسے ہی شرطِ اوّل کے پائے جانے کے وقت بھی وقوعِ طلاق کے لئے ملک شرط ہونی چاہیے اس لئے کہ یہ دونوں شرطیں طلاق کے حکم میں (یعنی طلاق ان دونوں کے ساتھ واقع ہوگی) شرطِ واحد کے مرتبہ میں ہیں اور اگر شرطِ واحد ہوتی تو بغیر ملک کے طلاق واقع نہ ہوتی، پس ایسے ہی یہاں بھی بغیر ملک کے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

ہماری دلیل: یہ ہے کہ کلام یمین کا صحیح ہونا متکلم کی لیاقت اور اہلیت سے ہے اور متکلم عاقل بالغ ہونے کی وجہ سے اہلیتِ یمین کا حامل ہے اس وجہ سے کلامِ یمین درست ہوگیا اور اس یمین کا محل حالف کا ذمہ ہے۔

یہاں سوال ہوتا ہے کہ جب صحتِ کلام کیلئے اہلیتِ متکلم کافی ہے اور محلِ یمین حالف کا ذمہ ہے تو پھر تعلیق کے وقت ملک کی شرط کیوں لگائی گئی؟ جواب یہ ہے کہ تعلیق کے وقت ملک کی شرط اسلئے لگائی ہے تا کہ جزاء استصحابِ حال کی وجہ سے غالب الوجود ہو سکے۔

استصحاب حال کہتے ہیں **ابقاء ماکان علی ماکان لعدم الدلیل المزیل** یعنی دلیلِ مزیل کے نہ ہونے کی وجہ سے جو چیز جیسی تھی اس کو ویسی ہی باقی رکھنا۔ حاصل یہ ہے کہ جب تعلیق کے وقت ملک موجود ہے تو غالب گمان یہی ہے کہ وجودِ شرط کے وقت تک موجود رہے گی استصحابِ حال کی وجہ سے اگرچہ ملک کے زائل ہونے کا امکان اس وقت بھی ہے بہر حال جب جزاء غالب الوجود ہے تو یمین درست ہوگئی اور تمام شرط کے وقت بقاءِ ملک کی شرط اسلئے لگائی گئی ہے تا کہ جزاء اتر سکے یعنی متحقق ہو سکے کیونکہ وجودِ جزاء ملک میں متحقق ہو سکتا ہے، نہ کہ غیرِ ملک میں اور ان دو حالتوں کے درمیان بقاءِ یمین کی حالت ہے اور بقاءِ یمین ملک کی محتاج نہیں ہوتی کیونکہ یمین کی بقاء اسکے محل کے ساتھ ہوتی ہے اور محل حالف کا ذمہ ہے جو ہر وقت موجود ہے، اسلئے درمیان کے زمانہ میں ملک کا ہونا لازم قرار نہیں دیا گیا۔

**الشق الثانی** ......**الایمان ثلاثة اضرب الیمین الغموس ویمین منعقدة ویمین لغو۔** (ص۴۸۶۔رحمانیہ)

**عرّفی الاقسام الثلاثة من الایمان ۔ اذکری احکامها مع ذکر اختلاف الامام الشافعیؒ فی حکم الیمین الغموس بالدلیل ۔ ماذا حکم المکره والناسی والقاصد فی الیمین ۔** (اشرف الہدایہ ج۶ص۵۱)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) یمین کی اقسامِ ثلاثہ کی تعریف مع الحکم (۲) یمینِ غموس کے حکم میں امام شافعیؒ کا اختلاف مع الدلیل (۳) مکرہ، ناسی اور قاصد کی یمین کا حکم۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

**جواب** ...... ① یمین کی اقسامِ ثلاثہ کی تعریف مع الحکم:۔ یمین (قسم) کی تین اقسام ہیں، غموس، منعقدہ، لغو۔

یمینِ غموس: کسی امرِ ماضی پر جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا، مثلاً زید کو معلوم ہے کہ رات کو بکر نہیں آیا مگر وہ جان بوجھ کر کہتا ہے کہ اللہ کی قسم رات کو بکر آیا ہے۔ یمینِ منعقدہ: کسی امرِ مستقبل کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھانا مثلاً اللہ کی قسم میں تجھے ضرور ماروں گا۔

یمینِ لغو: کسی امرِ ماضی پر اپنے گمان میں سچی قسم کھانا حالانکہ حقیقت میں وہ جھوٹی قسم ہو مثلاً زید نے رات کو بکر کے آنے

کا انتظار کیا مگر بکر نہ آیا تو زید سو گیا، اس کے بعد بکر آیا مگر زید کو اس کا علم نہ ہوا، چنانچہ زید سے کسی نے صبح کو بکر کے بارے میں معلوم کیا تو زید نے کہا کہ اللہ کی قسم بکر نہیں آیا، حالانکہ وہ حقیقت میں آیا ہوا ہے مگر زید کو اس کا علم نہیں ہے۔

یمین کا حکم: صرف یمینِ منعقدہ میں کفارہ واجب ہے باقی میں صرف توبہ واستغفار ہے۔

② یمینِ غموس کے حکم میں امام شافعیؒ کا اختلاف مع الدلیل:۔ جمہور کے نزدیک یمینِ غموس کبیرہ گناہ ہے جو توبہ واستغفار کے بغیر معاف نہیں ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی قسم کھانا کبیرہ گناہوں میں سے ہیں۔ پس جب یہ کبیرہ گناہ ہے تو قسم کا کفارہ اس سے کفایت نہیں کرے گا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یمینِ غموس میں بھی یمینِ منعقدہ کی طرح کفارہ لازم ہے کیونکہ کفارہ اللہ تعالیٰ کے نام کی بے حرمتی دور کرنے کے لئے ہے اور یہ بے حرمتی یمینِ غموس میں موجود ہے اس لئے کہ اس نے جھوٹ اور غلط طریقہ سے اللہ تعالیٰ کے نام کی گواہی دی ہے لہٰذا یمینِ منعقدہ کے مشابہ ہونے کی وجہ سے کفارہ لازم ہے۔ جمہور کی دلیل: یہ ہے کہ یمینِ غموس گناہِ کبیرہ ہے اور کفارہ ایک عبادت ہے جو روزہ کے ذریعہ نیت کے ساتھ ادا کی جاتی ہے لہٰذا گناہِ کبیرہ ایک عبادت کا سبب نہیں ہو سکتا۔

باقی یمینِ منعقدہ پر قیاس کا جواب یہ ہے کہ یہ قیاس کرنا درست نہیں ہے اسلئے کہ یمینِ منعقدہ بذاتہ مباح ہے اور اس میں گناہ والا کام نہیں ہے جبکہ یمینِ غموس میں بوقتِ یمین ہی وہ جھوٹ بول رہا ہے اور گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کر رہا ہے۔ پس یمینِ منعقدہ میں حانث ہونے کی تلافی کفارہ کے ذریعہ ہو سکتی ہے مگر یمینِ غموس کی تلافی کفارہ کے ذریعہ نہیں ہو سکتی اس لئے کہ یہ سراسر گناہ ہی ہے۔

③ مکرہ، ناسی اور قاصد کی یمین کا حکم:۔ جان بوجھ کر، بھول کر اور جبر کی حالت میں قسم کھانا ان تمام صورتوں کا حکم برابر ہے یعنی قسم منعقد ہو جائیگی اسلئے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ اُن کا عمداً کہنا بھی عمد ہے اور ان کا مذاق بھی عمد ہی ہے یعنی نکاح، طلاق اور قسم۔ اس سے معلوم ہوا کہ بھول کر ہو یا جان بوجھ کر ہو یا جبر کی حالت ہو بہرصورت قسم منعقد ہو جاتی ہے۔

## الورقة الثالثة: هداية ج ۲

## السوال الاوّل ۱۴۴۰ھ

**الشق الاوّل** ......وَاِذَا زَوَّجَ الرَّجُلُ بِنْتَهٗ عَلٰى اَنْ يُزَوِّجَهُ الْمُتَزَوِّجُ بِنْتَهٗ اَوْ اُخْتَهٗ لِيَكُوْنَ اَحَدُ الْعَقْدَيْنِ عِوَضًا عَنِ الْاٰخَرِ، فَالْعَقْدَانِ جَائِزَانِ وَلِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا مَهْرُ مِثْلِهَا، وَاِنْ تَزَوَّجَ حُرٌّ اِمْرَاَةً عَلٰى خِدْمَتِهٖ اِيَّاهَا سَنَةً اَوْ عَلٰى تَعْلِيْمِ الْقُرْآنِ فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا وَاِنْ تَزَوَّجَ عَبْدٌ اِمْرَاَةً بِاِذْنِ مَوْلَاهُ عَلٰى خِدْمَتِهٖ سَنَةً جَازَ وَلَهَا خِدْمَتُهٗ۔

عبارت کا ترجمہ کریں۔ نکاحِ شغار کی صورت اور ائمہ کا اختلاف مع دلائل لکھئے، احناف کے نزدیک مہر کی کم وزیادہ مقدار کیا ہے؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت کا ترجمہ ② نکاحِ شغار کی صورت اور اختلاف مع دلائل ③ احناف کے نزدیک مہر کی کم اور زیادہ مقدار۔

**جواب** ...... ① عبارت کا ترجمہ:۔ جب نکاح کیا کسی آدمی نے اپنی بیٹی کا اس شرط پر کہ نکاح کرے گا متزوج اپنی بیٹی یا بہن کا مزوج سے تاکہ دونوں عقد میں سے ہر ایک دوسرے کا عوض ہو جائے تو یہ دونوں عقد جائز ہیں اور ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے مہر مثلی ہوگا اور اگر نکاح کیا آزاد مرد نے کسی عورت سے ایک سال تک خدمت کرنے کی شرط پر یا تعلیمِ قرآن پر تو عورت کے لیے مہر مثلی ہوگا اور اگر غلام نے کسی عورت سے اپنے مولیٰ کی اجازت کے ساتھ نکاح کیا اس شرط پر کہ غلام ایک سال تک خدمت کرے گا تو یہ جائز ہے اور اس عورت کے لیے اس غلام کی خدمت ہی ہوگی۔

0313 6337913 maktabazakariyamultan@gmail.com

② نکاحِ شغار کی صورت واختلاف مع دلائل:۔ ائمہ حنفیہؒ کے ہاں نکاح شغار اگرچہ جائز نہیں لیکن اگر کیا جائے تو نکاح منعقد ہو جائے گا اور مہر مثلی واجب ہوگا۔ جمہورؒ کے نزدیک اس صورت میں نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔

جمہور رحمہم اللہ کی دلیل مشہور حدیث ہے اس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسلام میں نکاحِ شغار نہیں گویا نکاحِ شغار منہی عنہ ہے۔ دوسری عقلی دلیل یہ ہے کہ شغار کی صورت میں یہ بات لازم آئیگی کہ ہر ایک عورت کا بضع مہر بھی ہو اور منکوح بھی ہو اور یہ درست نہیں۔

حنفیہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ افعال شرعیہ سے نھی یہ منھی عنہ کی مشروعیت کا تقاضا کرتی ہے لہٰذا نکاح درست ہے۔
دوسری دلیل یہ ہے کہ شغار کی صورت میں احد البضعین کو جو دوسرے کا مہر ٹھہرایا گیا ہے یہ تسمیہ فاسد ہے اس لئے کہ بضع مال نہیں لہٰذا وہ مہر نہیں بن سکتی اس لئے ایسی صورت میں ہر ایک عورت مہرِ مثلی کی مستحق ہوگی۔
خلاصہ یہ کہ بضع کو مہر قرار دینا شرط فاسد ہے اور نکاح شرطِ فاسد سے منعقد اور صحیح ہو جاتا ہے اور خود شرط باطل ہو جاتی ہے۔
جمہور رحمہ اللہ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں شغار سے منع کیا گیا ہے باطل قرار نہیں دیا گیا ہے یعنی یہ حدیث ممانعت پر محمول ہے، نہ کہ ابطال پر۔ عقلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک شغار کی صورت میں مہر مثلی کا اعتبار ہے لہٰذا ہر عورت کی بضع محض منکوح کی حیثیت رکھتی ہے، نہ کہ مہر اور منکوح دونوں کی۔ (درسِ ترمذی ج ۳ ص ۴۱۰)۔

**۳ احناف کے نزدیک مہر کی کم اور زیادہ مقدار:۔** احناف کے ہاں اکثر مہر کی مقدار مقرر نہیں ہے مگر اقلِ مہر کی مقدار شریعت کی طرف سے دس درھم مقرر ہے۔ احناف رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں آیت کریمہ **"قد علمنا ما فرضنا علیھم"** سے استدلال کیا ہے کہ اس میں **فرضنا** لفظِ خاص ہے جو تقدیر وتعیین کے لئے وضع کیا گیا ہے گویا مہر کی مقدار اللہ تعالیٰ کے ہاں مقرر و متعین ہے۔ لیکن وہ مقدار مجمل ہے ہمیں معلوم نہیں ہے اور مجمل محتاج بیان ہوتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ مقدار بیان کر دی **"لا مہر اقل من عشرۃ دراھم"** گویا اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ مقدار کم از کم دس درھم ہے۔

**الشق الثانی** ...... **و یقع طلاق کل زوج اذا کان عاقلا بالغا و لا یقع طلاق الصبی و المجنون و النائم...... و طلاق الاخرس واقع بالاشارۃ۔** عبارت کا ترجمہ کیجیے، مذکورہ مسائل میں فقہاء کے اقوال مع دلائل لکھئے، **صبی، مجنون، نائم، ھازل** اور **اخرس** کون لوگ ہیں؟ آزاد اور باندی کی طلاق وعدت کتنی ہے؟

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت کا ترجمہ ② مذکورہ مسائل میں اختلاف مع دلائل ③ مذکورہ اشخاص کی تعریفات ④ آزاد اور باندی کی طلاق وعدت۔

**جواب** ...... **۱ عبارت کا ترجمہ:۔** ہر زوج کی طلاق واقع ہو جائے گی جبکہ وہ عاقل و بالغ ہو، بچے مجنون اور سونے والے کی طلاق واقع نہ ہوگی...... اور اخرس (گونگے) کی طلاق اشارے سے واقع ہوگی۔

**۲ مذکورہ مسائل میں اختلاف مع دلائل:۔** ابتدائی مسئلہ یہ بیان کیا کہ شوہر اگر عاقل و بالغ ہے اور اس نے اپنی زوجہ کو طلاق دے دی تو یہ طلاق واقع ہو جائے گی۔ البتہ اگر بچے یا مجنون و دیوانے اور سوئے ہوئے شخص نے طلاق دی تو وہ واقع نہ ہوگی کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر طلاق واقع ہو جاتی ہے سوائے بچے اور مجنون کی طلاق کے۔ نیز تصرف کی اہلیت عقل ممیّز سے ہوتی ہے اور بچہ و مجنون دونوں کو عقل نہیں ہوتی اس لیے ان میں تصرفِ طلاق کی بھی اہلیت نہیں ہے۔ اور طلاق و تصرف کی شرط اختیار فی التکلم ہے اور سوئے ہوئے شخص کو کلام و تکلم پر اختیار نہیں ہے لہٰذا اس کی طلاق بھی واقع نہیں ہوگی۔
اخرس (گونگے) کی طلاق اشارے سے واقع ہوگی، دلیل یہ ہے کہ گونگے کا اشارہ معہود و معروف ہونے کی وجہ سے عبارت کی مثل ہے، لہٰذا اس کے اشارے سے نکاح، طلاق، بیع و شراء اور عتاق وغیرہ سب تصرفات صحیح ہوں گے خواہ وہ گونگا کتابت پر قادر ہو یا نہ ہو۔ بعض شوافع کہتے ہیں کہ اگر گونگا کتابت پر قادر ہو تو پھر اشارے سے اس کی طلاق واقع نہ ہوگی کیوں کہ کتابت جو کہ اشارے سے اولیٰ ہے اس سے ضرورت پوری ہو رہی ہے لہٰذا اس کے اشارے سے طلاق واقع نہ ہوگی۔

**۳ مذکورہ اشخاص کی تعریفات:۔** **صبی:** نابالغ کو کہتے ہیں جو جوان نہ ہو۔ **مجنون:** پاگل اور دیوانے کو کہتے ہیں جو دنیا و مافیھا سے بے خبر ہو۔ **نائم:** سونے والا۔ **ھازل:** ہنسی مذاق اور ٹھٹھا کرنے والا آدمی۔ **اخرس:** گونگا جو بولنے سے نابلد ہو۔

**۴ آزاد اور باندی کی طلاق وعدت:۔** آزاد عورت کی طلاقیں تین اور باندی کی دو ہیں، ضابطہ کی رو سے ڈیڑھ ہونی چاہئیں لیکن طلاق میں تقسیم نہیں ہے اس لیے باندی کی طلاقیں دو ہیں۔
مطلقہ و متوفی عنہا زوجہا اگر حاملہ ہو تو اس کی عدت بہر صورت وضعِ حمل ہے۔ مطلقہ حائضہ آزاد کی عدت تین حیض اور لونڈی کی

0313 6357915 maktabazakariyamultan@gmail.com

عدت دو حیض ہے۔ متوفی عنہا زوجہا آزاد کی عدت چار ماہ دس دن اور لونڈی کی عدت دو ماہ پانچ دن ہے۔

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۰ھ

**الشق الاول** ......**و اذا قال لامرأته: اختاری ینوی بذلك الطلاق او قال لها: طلقی نفسك، فلها ان تطلق نفسها ما دامت فی مجلسها ذلك، فان قامت منه او اخذت فی عمل آخر خرج الامر من یدها و یبطل خیارها بمجرد القیام۔** ترجمہ وتشریح کیجیے اور اختیار کے معتبر ہونے پر حدیث سے دلیل دیجئے، نیز اختیار طلاق اور بیع صرف و سلم کے درمیان مجلس کا فرق واضح کیجئے، عورت اختیار استعمال کرے تو کیا واقع ہوتا ہے؟ اور اس کے لیے کیا شرط ہے؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت کا ترجمہ ② عبارت کی تشریح اور اختیار کے معتبر ہونے کی دلیل ③ اختیار طلاق اور بیع صرف وسلم میں مجلس کا فرق ④ اختیار طلاق استعمال کرنے کا حکم اور شرط۔

**جواب** ...... **①** عبارت کا ترجمہ:۔ جب مرد نے اپنی بیوی سے کہا **اختاری** اور وہ اس سے طلاق کی نیت کرتا ہے یا مرد نے بیوی سے کہا **طلقی نفسك** تو عورت کیلئے جائز ہے کہ وہ اپنے آپ کو طلاق دے جب تک کہ وہ اس مجلس میں ہے، پس اگر وہ اس مجلس سے اٹھ گئی یا دوسرے کلام میں شروع ہوگئی تو اسکے ہاتھ سے اختیار نکل گیا۔ اور عورت کا خیار محض کھڑا ہونے سے باطل ہو جائے گا۔

**②** عبارت کی تشریح اور طلاق کے معتبر ہونے کی دلیل:۔ خاوند نے اپنی بیوی کو ''اختاری'' کہہ کر اختیار دیا اور طلاق کی نیت کی، یا ''طلقی نفسک'' کا لفظ استعمال کرتے ہوئے اختیار دیا تو عورت جب تک مجلس میں موجود ہے اسے طلاق کا اختیار ہے، اگر وہ مجلس سے اٹھ گئی یا کسی دوسرے کام میں مصروف ہوگئی تو اس کا اختیار ختم ہو جائے گا۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ''اختاری'' سے نیت کے باوجود طلاق واقع نہ ہو، کیوں کہ اس لفظ سے خود خاوند طلاق واقع کرنے کا مالک نہیں ہے لہٰذا وہ دوسرے کو بھی مالک نہیں بنا سکتا، مگر اجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا گیا ہے، کیوں کہ حضرت عمر، عثمان، علی، ابن مسعود، ابن عمر، جابر، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم وسیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب مرد نے اپنی بیوی کو خیار دے دیا تو عورت کیلئے خیار ہے جب تک وہ اپنی مجلس میں ہے، پس جب وہ مجلس سے کھڑی ہوگئی تو خیار نہیں ہے، چونکہ بقیہ حضرات سے اسکے خلاف منقول نہیں ہے، اسلئے یہ اجماع کے قائم مقام ہو گیا۔ اور عورت کے محض کھڑا ہونے سے یہ خیار ختم ہو جائے گا کیوں کہ قیام اعراض وروگردانی کی دلیل ہے۔

**③** اختیار طلاق اور بیع صرف وسلم میں مجلس کا فرق:۔ اختیار طلاق عورت کے محض مجلس سے کھڑا ہونے سے باطل ہو جائے گا مگر بیع صرف وسلم میں محض مجلس سے کھڑا ہونے سے یہ باطل نہ ہوں گی۔ حالانکہ ان میں بھی مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہے، وجہ یہ ہے کہ بیع صرف وسلم کے فاسد ہونے کے لیے مجلس سے جدا ہونا ضروری ہے اور محض قیامِ مجلس سے جدا ہونا ثابت نہیں ہوتا اس لیے محض قیام سے اختیار طلاق تو ختم ہوگا، بیع صرف وسلم ختم نہ ہوں گی۔

**④** اختیارِ طلاق استعمال کرنے کا حکم اور شرط:۔ اگر اختیار کی مذکورہ صورت میں عورت نے اسی مجلس میں اپنے نفس کو اختیار کر لیا تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی کیوں کہ عورت کا اپنے نفس کو اختیار کرنا اسی صورت ثابت ہوگا جب نفس کے ساتھ عورت کا اختصاص ثابت ہو جائے یعنی شوہر کی ملک زائل ہو جائے اور عورت اپنے نفس کی مالکہ ہو جائے اور یہ مقصد طلاق بائن سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ اس اختیار سے وقوع طلاق کی شرط یہ ہے کہ زوجین میں سے کسی کے کلام میں ''نفس'' یا اس کے قائم مقام کوئی لفظ مذکور ہو، محض "**اختاری**" اور "**اخترت**" کے الفاظ سے طلاق واقع نہ ہوگی، کیوں کہ اختیار کے لفظ سے طلاق کا وقوع اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے اور یہ اجماع خلافِ قیاس ہونے کی وجہ سے اسی صورت میں جاری ہوگا جس طرح وارد ہوا ہے اور وہ صورت یہی ہے کہ زوجین میں سے کسی ایک کے کلام میں ''نفس'' یا اس کے قائم مقام کوئی دوسرا لفظ موجود ہو۔

**الشق الثانی** ...... **و لا ینبغی ان تخطب المعتدة و لا بالتعریض فی الخطبة۔**

ترجمہ وتشریح کیجیے۔ معتدہ کا گھر سے نکلنا جائز ہے یا نہیں؟ وضاحت سے تحریر کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل تین امور ہیں: ① عبارت کا ترجمہ ② عبارت کی تشریح ③ معتدہ کا گھر سے نکلنے کا حکم۔

**جواب** ...... ① عبارت کا ترجمہ:۔ معتدہ کو پیغامِ نکاح بھیجنا مناسب نہیں ہے اور تعریض میں کوئی حرج نہیں ہے۔

② عبارت کی تشریح:۔ معتدہ عورت کو واضح الفاظ میں منگنی یا نکاح کا پیغام دینا مناسب نہیں ہے اسلئے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے **ولا تعزموا عقدة النكاح حتي يبلغ الكتاب أجله** (معتدہ عورتوں سے عقد نکاح کا ارادہ نہ کرو حتی کہ ان کی عدت کا زمانہ ختم ہو جائے) البتہ تعریض میں کوئی حرج نہیں ہے اور تعریض اشارے و کنائے میں نکاح و منگنی کی بات کرنا ہے، مثلاً تو بڑی خوبصورت ہے، بڑی نیک ہے، یا مجھے کوئی نیک عورت مل جائے، میں تیری طرف راغب ہوں وغیرہ۔ اور تعریض کے جواز کی دلیل ارشاد باری تعالیٰ ہے **ولا جناح عليكم فيما عرضتم به من خطبة النساء ... الخ** (تم پر خطبۂ نساء میں تعریض پر کوئی حرج نہیں)

③ معتدہ کا گھر سے نکلنے کا حکم:۔ مطلقہ رجعیہ و بائنہ عدت میں رات یا دن کے وقت گھر سے نہیں نکل سکتی، البتہ انتہائی مجبوری ہو تو پھر جائز ہے۔ متوفی عنہا زوجہا کو دن بھر اور رات کا کچھ حصہ گھر سے باہر رہنے اور نکلنے کی اجازت ہے البتہ رات اپنے مکان میں ہی گزارے گی، رات باہر گزارنے کی اجازت نہیں ہے۔ مطلقہ کے عدمِ اجازت کی دلیل ارشاد باری تعالیٰ ہے **ولا تخرجوهن من بيوتهن ولا يخرجن الا أن يأتين بفاحشة مبينة** اور اس کا نفقہ وغیرہ بھی عدت میں زوج ہی کے ذمہ ہے۔ اور متوفی عنہا زوجہا کیلئے نفقہ نہیں ہے اسلئے اسے طلبِ معاش وغیرہ کیلئے نکلنے کی مجبوری ہے جو کہ وہ دن کے وقت نکلے گی اور بسا اوقات طلبِ معاش کا سبب رات تک طویل ہو جاتا ہے اسلئے رات کے کچھ حصہ کی بھی اور دن بھر بھی اس کو باہر نکلنے کی اجازت ہے۔

## السوال الثالث ١٤٤٠ھ

**الشق الاوّل** ...... **و لا تجب النفقة مع اختلاف الدين الا للزوجة و الابوين و الاجداد و الجدات و الولد و ولد الولد ..... و تجب نفقة الابنة البالغة و الابن الزمن على ابويه اثلاثا على الاب الثلثان و على الام الثلث۔**

ترجمہ وتشریح کیجیے، نفقہ لازم ہونے میں کس کی حالت کا اعتبار ہے؟۔ ناشزہ کسے کہتے ہیں؟ اور اس کے نفقہ کا کیا حکم ہے؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت کا ترجمہ ② عبارت کی تشریح ③ لزوم نفقہ میں اعتبارِ حالت ④ ناشزہ کی تعریف اور نفقہ کا حکم۔

**جواب** ...... ① عبارت کا ترجمہ:۔ دینی اختلاف کے ساتھ کسی کا نفقہ واجب نہیں ہوتا سوائے بیوی، والدین، اجداد، جدات، بیٹے اور پوتے کے۔ بالغ لڑکی وا پاہج لڑکے کا نفقہ والدین پر اثلاث کے اعتبار سے لازم ہے دو ثلث والد پر اور ایک ثلث والدہ پر لازم ہے۔

② عبارت کی تشریح:۔ دینی اختلاف کے ہوتے ہوئے کسی کا نفقہ واجب نہیں ہوتا سوائے بیوی، والدین، اجداد وجدات، بیٹے اور پوتے کے یعنی دینی اختلاف کی صورت میں صرف ان کا نفقہ لازم ہے، بیوی کا نفقہ عقدِ نکاح کی وجہ سے لازم ہے کہ وہ زوج کے پاس وطی وغیرہ کیلئے محبوس ہے، اس میں دینی اتحاد کو دخل نہیں ہے اور بقیہ افراد کا نفقہ جزء ہونے کی وجہ سے لازم ہے کہ بیٹا خود اس کا جزو ہے اور والدین اجداد وجدات کو ولادت کا رشتہ شامل ہے یعنی یہ خود ان کی اولاد و جزء ہے، لہٰذا ان سب کا نفقہ اختلافِ دین کے باوجود لازم ہے۔ بالغہ لڑکی اور اپاہج لڑکے کا نفقہ ثلث کے اعتبار سے لازم ہے والد پر دو ثلث اور والدہ پر ایک ثلث لازم ہے کیوں کہ ان افراد کی موت کی صورت میں والدین کو اسی حساب سے میراث ملتی ہے لہٰذا نفقہ بھی اسی اعتبار سے لازم ہوگا۔ ظاہر الروایہ کے مطابق پورا نفقہ والد کے ذمہ ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: **و علي المولود له رزقهن و كسوتهن بالمعروف۔**

③ لزومِ نفقہ میں اعتبارِ حالت:۔ نفقہ کے واجب ہونے کے بعد کس کی حالت کا اعتبار ہوگا، شوہر کی حالت کا یا بیوی کی حالت کا؟

0313 ... maktabazakariyamultan@gmail.com

حضرات حنابلہ کا مسلک یہ ہے کہ میاں بیوی دونوں کی حالت کا اعتبار کیا جائیگا۔ درمختار میں ہے کہ یہی حضرات حنفیہ کا مفتی بہ قول ہے، یعنی اگر دونوں مالدار ہیں تو نفقۂ اغنیاء، دونوں تنگدست ہیں تو نفقۂ فقراء اور اگر بیوی تنگدست ہے تو اس کا نفقہ اغنیاء کے نفقہ سے کم اور فقراء کے نفقہ سے زیادہ ہوگا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اس میں شوہر کی حالت کا اعتبار ہوگا، شوہر اگر مالدار ہے تو نفقۂ اغنیاء واجب ہوگا، اگر تنگدست ہے تو نفقۂ فقراء واجب ہوگا۔ صاحب ہدایہ نے حنفیہ میں سے امام کرخیؒ کا بھی یہی مسلک نقل کیا ہے اور علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے اعلاء السنن میں اسی قول کو حنفیہ کی ظاہر الروایت کہا ہے۔ (کشف الباری کتاب النفقات ص ٣٦)

④ ناشزہ کی تعریف اور نفقہ کا حکم:۔ ناشزہ نافرمان وسرکش لڑائی جھگڑا کرنے والی عورت کو کہتے ہیں۔ اگر عورت سرکشی وجھگڑا کر کے شوہر کا گھر چھوڑ کر چلی جائے تو جب تک وہ شوہر کے گھر واپس نہیں آتی تب تک شوہر پر نفقہ لازم نہیں ہے، کیوں کہ نفقہ کا سبب (خود کو شوہر کے لیے حبس کرنا) عورت کی وجہ سے فوت ہو رہا ہے لہٰذا جب تک واپس نہ آئے نفقہ نہ ملے گا۔ اگر شوہر کے گھر آ گئی مگر وطی پر قدرت نہ دے تو نفقہ لازم ہوگا کیوں کہ نفقہ کا سبب (احتباس) موجود ہے اور شوہر زبردستی وطی پر قادر ہے۔

**الشق الثانی** ......**كفارة اليمين عتق رقبة يجزئ فيها ما يجزئ فى الظهار، و ان شاء كسا عشرة مساكين، كل واحد ثوبا فما زاد و ادناه مايجوز فيه الصلوة و ان شاء اطعم عشرة مساكين كالاطعام فى كفارة الظهار فان لم يقدر على احد الاشياء الثلاثة صام ثلاثة ايام متتابعات.**

ترجمہ وخط کشیدہ عبارت کی تشریح کیجیے، مذکورہ کفارے میں قول صحیح کے مطابق ہر مسکین کو کتنا کپڑا یا کھانا میسر آنا ضروری ہے؟ اگر گناہ کرنے کی قسم کھالے تو اسے کیا کرنا چاہیے؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت کا ترجمہ ② خط کشیدہ عبارت کی تشریح ③ کفارے میں کپڑے کی مقدار ④ گناہ کرنے کی قسم کھانے والے کا حکم۔

**جواب** ...... ① عبارت کا ترجمہ:۔ کفارۂ یمین ایک غلام آزاد کرنا ہے، اس میں وہی غلام کفایت کرے گا جو کفارۂ ظہار میں کافی ہوتا ہے، اور اگر چاہے تو دس مسکینوں کو کپڑے دیدے، ہر ایک کو ایک کپڑا یا زائد دے اور اس کی کم از کم مقدار اتنا کپڑا ہے جس میں نماز جائز ہو اور اگر چاہے تو کفارۂ ظہار کے کھانے کی مثل دس مسکینوں کو کھانا کھلا دے، پس اگر ان تین اشیاء میں سے کسی پر بھی قادر نہ ہو تو متواتر تین روزے رکھے۔

② خط کشیدہ عبارت کی تشریح:۔ اگر حانث شخص غلام آزاد کرنے، دس مساکین کو کپڑے دینے یا کھانا کھلانے پر قادر نہ ہو تو وہ متواتر تین روزے رکھ کر فدیہ ادا کر سکتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: **فكفارته اطعام عشرة مساكين من اوسط ما تطعمون اهليكم او كسوتهم او تحرير رقبة فمن لم يجد فصيام ثلاثة ايام** ۔ اور متواتر کی قید حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت مشہورہ: **فصيام ثلثة ايام متتابعات** کی وجہ سے ہے جو حدیث مشہور کی مثل ہے اور اس سے قرآن پاک پر زیادتی کرنا جائز ہے۔

③ کفارے میں کپڑے کی مقدار:۔ امام محمدؒ سے مروی ہے کہ کم از کم اتنی مقدار کپڑا ہو جس میں نماز ہو جائے یعنی مرد کا ستر چھپ جائے اور عورت کے چہرے، ہاتھ اور پاؤں کے علاوہ سارا جسم ڈھانپا جا سکے اور شیخینؒ فرماتے ہیں کہ کم از کم اتنا کپڑا ہو جو بدن کے اکثر حصہ کو چھپا لے، لہٰذا صرف پائجامہ دینے سے کفارہ ادا نہ ہوگا، کیوں کہ پائجامہ پہننے والے کو عرف میں ننگا کہا جاتا ہے، یہی صحیح قول ہے۔

④ گناہ کرنے کی قسم کھانے والے کا حکم:۔ کسی شخص نے گناہ یا نافرمانی کی قسم کھائی مثلاً نماز نہیں پڑھوں گا تو اسے چاہیے کہ قسم توڑ کر کفارہ دیدے، ارشاد نبوی ہے: **من حلف على يمين و رأى غيرها خيرا منها فليأت بالذى هو خير ثم ليكفر عن يمينه** ۔ نیز قسم توڑ کر کفارہ سے کچھ تلافی ہو جائے گی اور معصیت پر عمل کی صورت میں نقصان وضرر کی کوئی تلافی نہیں ہو سکتی۔

## ﴿الورقة الثالثة فى الفقه﴾

## ﴿السوال الاول﴾ ١٤٤١ھ

**الشق الاوّل** ......**واذا اذنت المرأة للرجل ان يزوجها من نفسه فعقد بحضرة شاهدين جاز... وتزويج العبد والامة بغير اذن مولاهما موقوف، فان اجاز المولى جاز و ان ردّه بطل، وكذلك لو زوّج رجل امرأة بغير رضاها او رجلا بغير رضاه.** مذکورہ مسائل کی وضاحت کریں اور ائمہ کا اختلاف مع دلائل تحریر کریں۔ نکاح کے باب میں اصیل، وکیل اور فضولی کی تعریف کریں۔ کیا شخصِ واحد نکاح میں اصیل ووکیل بن سکتا ہے؟۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① مسائل کی وضاحت اور ائمہ کا اختلاف مع دلائل ② اصیل، وکیل اور فضولی کی تعریف ③ شخصِ واحد کے نکاح میں اصیل ووکیل بننے کی وضاحت۔ (اشرف الہدایہ ۴:۷۵)

**جواب** ...... ① **مسائل کی وضاحت اور ائمہ کا اختلاف مع دلائل:۔** ایک عورت نے کسی مرد کو وکیل بنا کر کہا کہ تم میرا نکاح اپنے ساتھ کرلو اور وکیل نے دو گواہوں کی موجودگی میں عقدِ نکاح کرلیا تو ہمارے نزدیک جائز ہے اور امام زفر و امام شافعیؒ کے نزدیک یہ نکاح جائز نہیں ہے، دلیل یہ ہے کہ ایک ہی آدمی ایک ہی وقت میں مملک و متملک نہیں بن سکتا کہ وہ ایک ہی وقت میں کسی چیز کا مالک خود بن بھی رہا ہو اور بنا بھی رہا ہو، بایں طور کہ وہ عورت کی طرف سے وکیل ہے اس لئے مالک بنانے والا ہے اور خود ناکح ہونے کی حیثیت سے مالک بن رہا ہے، الہٰذا یہ نکاح جائز نہیں ہے۔ کیونکہ مملک و متملک میں منافات ہیں جیسا کہ بیع میں ایک ہی شخص مملک و متملک (بائع و مشتری) نہیں بن سکتا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ نکاح میں وکیل محض تعبیر کرنے والا اور سفیر ہوتا ہے، ذمہ دار نہیں ہوتا اور منافات حقوق میں ہے کہ ایک ہی شخص مطالِب و مطالَب، مملِک و متملک، مخاصِم و مخاصَم دونوں نہیں ہوسکتا، مگر تعبیر میں منافات نہیں ہے کہ وہ مالک بنانے کے الفاظ عورت کی طرف سے کہتا ہے اور مالک بننے کے الفاظ اپنی طرف سے کہہ رہا ہے۔ بخلاف بیع کے کہ اس میں وکیل عاقد ہوتا ہے چنانچہ بیع کے حقوق اسی کی طرف لوٹتے ہیں مؤکل کی طرف نہیں لوٹتے۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ ایک ہی آدمی طرفین کا متولی ہوسکتا ہے تو مرد کا قول زوّجتُ ایجاب و قبول دونوں کو شامل ہوگا، اور یہ نکاح درست ہوگا۔

غلام و لونڈی کا نکاح اپنے مولی کی اجازت کے بغیر موقوف ہوگا، اگر مولیٰ نے اجازت دیدی تو یہ نکاح جائز ہوگا اور اگر مولیٰ نے رد کر دیا تو یہ نکاح باطل ہوجائے گا۔ اسی طرح کسی مرد کا نکاح یا کسی عورت کا نکاح ان کی اجازت کے بغیر کردیا تو یہ نکاح بھی مرد و عورت کی اجازت پر موقوف ہوں گے، اگر مرد و عورت نے اجازت دیدی تو یہ نکاح جائز ہوں گے اور اگر مرد و عورت نے رد کر دیا تو یہ نکاح باطل ہوں گے۔ ہماری دلیل ایک ضابطہ ہے کہ ہر وہ عقد جو فضولی سے صادر ہوا ہو اور مجلس میں اس عقد کو قبول کرنے والا بھی موجود ہو خواہ وہ دوسرا فضولی ہو، اصیل ہو یا وکیل ہو تو یہ نکاح اجازت پر موقوف ہو کر منعقد ہوگا، اسلئے کہ تصرف کا رکن یعنی ایجاب و قبول اسکے اہل یعنی عاقل و بالغ سے صادر ہوا ہے اور محلِ عقد یعنی ایسی عورت کی طرف منسوب ہے جو محرمات میں سے نہیں ہے اور اس عقد کو منعقد کرنے میں کوئی ضرر و نقصان بھی نہیں ہے، کیونکہ یہ عقد موقوفاً منعقد ہے اگر اصیل مناسب سمجھے تو نافذ کردے ورنہ رد کردے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ فضولی کے تمام تصرفات باطل ہیں، کیونکہ عقد حکمِ عقد کو ثابت کرنے کیلئے وضع کیا گیا ہے اور فضولی اثباتِ حکم پر قادر نہیں ہے، الہٰذا اس کی کلام لغو ہے۔ ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ یہاں حکم بالکل معدوم نہیں ہے بلکہ اجازت تک کیلئے مؤخر ہے اور حکم عقد عقد سے مؤخر ہوسکتا ہے، جیسا کہ بیع بشرط الخیار میں بیع کا لزوم و نفاذ سقوطِ خیار تک مؤخر ہوتا ہے۔

② **اصیل، وکیل اور فضولی کی تعریف:۔** اصیل: وہ شخص جو تصرف کا مالک ہونے کی حیثیت سے اپنا نکاح بذاتِ خود کر رہا ہو۔

وکیل: جو شخص بذاتِ خود نکاح و تصرف کا مالک نہ ہو مگر اصیل نے اُسے اپنا نمائندہ بنایا ہوا اور اُسے تصرف کا اختیار دیا ہو۔

فضولی: جو نہ اصیل ہو اور نہ کفیل ہو بلکہ خواہ مخواہ ہو، یعنی جو شخص نہ بذاتِ خود نکاح و تصرف کا مالک ہو اور نہ کسی نے اُسے اپنا نمائندہ و وکیل بنا کر تصرف کا اختیار دیا ہو۔

③ **شخصِ واحد کے نکاح میں اصیل و وکیل بننے کی وضاحت:۔** ابھی مسائل کی وضاحت میں گزر چکا ہے کہ ہمارے نزدیک ایک ہی شخص نکاح میں اصیل و وکیل بن سکتا ہے۔

**الشق الثانی** ......**واذا تزوج الكافر بغير شهود او فى عدة كافر و ذلك فى دينهم جائز ثم اسلما اقرا عليه .....ولا يجوز ان يتزوج المرتد مسلمة ولا كافرة و مرتدة ۔** (اشرف الہدایہ ج۴ ص۱۵۶)

مذکورہ مسئلہ کی وضاحت کریں، اگر مسئلہ اختلافی ہو تو ائمہ کا اختلاف مع دلائل تحریر کریں۔ دوسرے مسئلہ میں مرتد کا مذکورہ عورتوں سے نکاح صحیح نہ ہونے کی وجہ بیان کریں۔

﴿ خلاصۂ سوال ﴾...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① مسائل کی وضاحت اور ائمہ کا اختلاف مع دلائل ② مرتد کا مذکورہ عورتوں سے نکاح صحیح نہ ہونے کی وجہ۔

**جواب** ...... ① **مسائل کی وضاحت اور ائمہ کا اختلاف مع دلائل:۔** ایک کافر نے کسی کافرہ عورت سے گواہوں کے بغیر نکاح کیا یا وہ عورت کسی کافر کی عدت میں تھی اور اس سے کافر نے نکاح کرلیا اور یہ نکاح ان کے دین میں جائز بھی ہے پھر یہ زوجین مسلمان ہوگئے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں کو سابقہ نکاح پر باقی رکھا جائے گا، امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ دونوں نکاح فاسد ہیں، صاحبینؒ پہلی صورت (بغیر گواہ نکاح) میں امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہیں اور دوسری صورت (کافر کی عدت میں نکاح) میں امام زفرؒ کے ساتھ ہیں۔

امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ شریعت کے خطابات عام ہیں، مثلاً **ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب اجلهٗ** (جب تک عدتِ مقررہ ختم نہ ہوجائے تم تعلقِ نکاح کا ارادہ بھی نہ کرو) **لا نكاح الّا بشهود** (بغیر گواہوں کے نکاح نہیں ہوتا)۔ لہٰذا حکم بھی علی العموم ثابت ہوگا اور کافروں کو بھی یہ حکم لازم ہوگا۔ البتہ ان کے کافر ہونے کی وجہ سے ہم ان سے تعرض نہیں کریں گے، جیسا کہ وہ بت پرست ہیں مگر ہم اعراض کی وجہ سے ان کی طرف تعرض نہیں کرتے۔ البتہ جب وہ مسلمان ہوگئے یا وہ اپنا معاملہ مسلمان حاکم وقاضی کے پاس لے گئے تو پھر تفریق لازم ہے، کیونکہ ارشادِ باری ہے **وان احكم بينهم بما انزل الله ولا تتّبع اهوائهم** (آپ ان کفار کے درمیان اُسی کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے آپ پر نازل کیا ہے اور آپ ان کی خواہشات کی اتباع نہ کریں)۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ معتدّۃ الغیر سے نکاح کی حرمت متفق علیہ ہے اور گواہوں کے بغیر نکاح کی حرمت مختلف فیہ ہے کیونکہ امام مالک وابن ابی لیلیٰؒ اس کے جواز کے قائل ہیں، اور کفار نے ہمارے متفق علیہ احکام کا التزام تو کیا ہے مگر مختلف فیہ احکام کا التزام نہیں کیا ہے۔ پس معتدّۃ الغیر سے نکاح کی حرمت متفق علیہ ہونے کی وجہ سے کافر اہلِ ذمہ کا نکاح بھی عدت میں فاسد ہوگا اور اسلام لانے یا مرافعہ کے بعد تفریق واجب ہوگی، جبکہ گواہوں کے بغیر نکاح کی حرمت مختلف فیہ ہونے کی وجہ سے کافر اہلِ ذمہ کا نکاح گواہوں کے بغیر صحیح ہوگا اور اسلام لانے یا مرافعہ کے بعد بھی نکاح باقی رہے گا۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ عدت کی وجہ سے نکاح کی حرمت یا شارع یعنی باری تعالیٰ کا حق ہوکر ثابت ہوگی یا زوج کا حق ہوکر ثابت ہوگی اور یہ دونوں صورتیں ممکن نہیں ہیں اسلئے کہ کفار حقوقِ شرع کے مخاطب نہیں ہیں اور شوہر وجوبِ عدت کا اعتقاد ہی نہیں رکھتا، لہٰذا ایک کافر کا نکاح دوسرے کافر کی معتدہ سے جائز ہے۔ پس جب نکاح صحیح ہوگیا تو حالتِ مرافعہ واسلام قبول کرنے کی حالت حالتِ بقاء ہے اور حالتِ بقاء میں شہادت وگواہ شرط نہیں ہیں یہی وجہ ہے کہ نکاح کے بعد گواہ مرجائیں تب بھی نکاح باطل نہیں ہوتا۔ اسی طرح عدت حالتِ بقاء کے منافی نہیں ہے مثلاً کسی عورت کو متوفی عنہا زوجہا سمجھ کر نکاح ومباشرت کرلی بعد میں زوج کے زندہ ہونے کا علم ہوا تو نکاحِ اول کے باقی رہنے کے باوجود عدت لازم ہے، پس معلوم ہوا کہ عدت حالتِ بقاء کے منافی نہیں ہے، پس یہ دونوں صورت میں نکاح درست ہے۔

② **مرتد کا مذکورہ عورتوں سے نکاح صحیح نہ ہونے کی وجہ:۔** مرتد کیلئے کسی مسلمان یا کافرہ یا مرتدہ عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے، اسلئے کہ مرتد شخص ارتداد کی وجہ سے واجب القتل ہے، ارشادِ نبوی ﷺ ہے **من غيّر او بدّل دينًا فاقتلوه** (جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اس کو قتل کردو) باقی مرتد کو تین دن کی مہلت غور وفکر اور شبہات کو دور کرنے کیلئے دی گئی ہے اور نکاح اس غور وفکر اور شبہات کے ازالہ سے غافل کردیتا ہے، اسلئے مرتد کے حق میں نکاح مشروع نہیں ہے۔

## السوال الثانی ١٤٤١ھ

**الشق الاوّل** ......**ولو قال انت طالق غدا وقع عليها الطلاق بطلوع الفجر .... ولو قال انت طالق اليوم غدا او غدا اليوم فانه يؤخذ باول الوقتين الذى تفوّه به**.... مسائل کی وضاحت کریں اور مختصر وجہ بھی تحریر کریں۔ (اشرف الہدایہ ۲۳۲:۴)

**جواب** ...... ① **مسائل کی وضاحت مع الوجہ:۔** اگر مرد نے اپنی بیوی سے کہا **انت طالق غدا** (تجھے کل طلاق ہے) تو اگلے دن فجر طلوع ہوتے ہی طلاق واقع ہوجائے گی، اسلئے کہ مرد نے کل کے تمام دن میں عورت کو طلاق کے ساتھ متصف کیا ہے لہٰذا کل فجر طلوع ہوتے ہی طلاق واقع ہوجائے گی۔ البتہ اگر اس نے کل کے آخری وقت (غروبِ شمس) کی نیت کی تو صرف دیانۃً اس کی تصدیق کی جائے گی۔ اگر مرد نے اپنی بیوی سے کہا **انت طالق اليوم غدا یا غدا اليوم** تو دونوں وقتوں میں سے

اس نے جس کا پہلے تکلم کیا ہے وہ مراد لیا جائے گا، چنانچہ پہلی صورت میں **یوم** میں طلاق واقع ہوگی اور دوسری صورت میں **غد** میں طلاق واقع ہوگی، کیونکہ جب **الیوم** کہا تو طلاق منجز (فی الحال) ہوگئی اور منجز اضافت الی الغد کا احتمال نہیں رکھتی، لہٰذا اس صورت میں **غد** کا لفظ لغو ہوگا۔ اور جب **غداً** کہا تو طلاق مضاف الی الغد ہوئی اور طلاق مضاف الی الغد کو منجز ماننے کی صورت میں اضافت کو باطل کرنا لازم آئے گا، جو کہ درست نہیں ہے۔

**الشق الثانی**......**وتجزیٔ فی العتق الرقبة الکافرة و المسلمة و الذکر والانثی و الصغیر والکبیر.....ولا تجزیٔ العمیاء الا المقطوعة الیدین او الرجلین** کفارۂ ظہار میں رقبۂ کافرہ کے جواز وعدمِ جواز میں ائمہ کا اختلاف اور دلائل تحریر کریں۔ عبارت میں مذکور جائز و ناجائز رقبہ کی تفصیل بیان کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① رقبۂ کافرہ کے جواز وعدمِ جواز میں اختلاف مع الدلائل ② کفارۂ ظہار میں جائز و ناجائز رقبہ کی تفصیل۔

**جواب**...... ① رقبۂ کافرہ کے جواز وعدمِ جواز میں اختلاف مع الدلائل:۔ اگر مظاہر اپنی بیوی سے اختلاط رکھنا چاہتا ہے تو اس پر کفارہ لازم ہے اور وہ کفارہ عندالاحناف ایک قابل المنفعت غلام یا باندی آزاد کرے خواہ کافر ہو یا مؤمن، بالغ ہو یا نابالغ ہو، لیکن ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک مسلمان رقبہ آزاد کرنا شرط ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ لفظِ رقبہ ان سب پر بولا جاتا ہے وہ کسی صفت کے ساتھ مقید نہیں ہے۔

ائمہ ثلاثہؒ کی دلیل یہ ہے کہ کفارہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور اس حق کو اللہ کے دشمن یعنی کافر کی طرف صَرف کرنا جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ کافر کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ کفارہ دینے والے کا مقصد یہی ہے کہ وہ مولیٰ کی خدمت سے نجات پا کر اللہ تعالیٰ کی طاعت پر قادر ہو جائے، باقی اس کا آزاد ہونے کے بعد بھی کفر پر باقی رہنا یہ اسکے سوءِ اعتقاد و بدراہ ہونے کی علامت ہے۔

② کفارۂ ظہار میں جائز و ناجائز رقبہ کی تفصیل:۔ کفارۂ ظہار میں نابینا رقبہ یا ایسا رقبہ آزاد کرنا جائز نہیں ہے جس کے دونوں ہاتھ یا دونوں پاؤں کٹے ہوئے ہوں، کیونکہ ان میں رقبہ کی منفعت کی جنس فوت ہے جو کہ بینائی، گرفت و چال ہے۔ البتہ اگر جنسِ منفعت فوت نہ ہوئی ہو بلکہ اس میں خلل وکمی واقع ہوگئی ہو تو اسے آزاد کرنا جائز ہے، چنانچہ کانا، ایک ہاتھ یا ایک پاؤں کٹا ہوا رقبہ آزاد کرنا جائز ہے۔

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۱ھ

**الشق الاوّل**......**و ان تزوجها ولم یسم لها مهرا او تزوّجها علٰی ان لا مهر لها فلها مهر مثلها ان دخل بها او مات عنها و قال الشافعیؒ لایجب شیئ فی الموت واکثرهم علی انه یجب فی الدخول۔ ولو طلقها قبل الدخول بها فلها المتعة لقوله تعالی.....** مہرِ مثل سے کیا مراد ہے؟ اور **لقوله تعالی...** سے کس آیت کی طرف اشارہ ہے؟ مسائل کی تشریح کریں اور اختلاف کی صورت میں ائمہ کے دلائل تحریر کریں۔ (کتاب النکاح۔ باب المہر)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل دو امور ہیں: ① مہرِ مثل کی مراد اور آیت کی نشاندہی ② مسائل کی تشریح واختلاف مع الدلائل۔

**جواب**...... ① مہرِ مثل کی مراد اور آیت کی نشاندہی:۔ مہرِ مثل سے مراد اُس عورت کے باپ کے خاندان کی عورتوں کا مہر ہے مثلاً باپ شریک بہن، پھوپھی، پھوپھی کی لڑکی وغیرہ جبکہ یہ منکوحہ اور اُس کے باپ کے خاندان کی عورت دونوں عمر، حسن وجمال، مال ودولت، عقل، دیانت، نسب، شہری ودیہاتی ہونے، ہم عصر ہونے، عفت و پاکدامنی میں برابر ہوں۔

مسئلہ مذکورہ میں ارشادِ باری تعالیٰ سے مراد سورۂ بقرہ کی آیت ۲۳۶ ہے **ومتّعوهنّ علی الموسع قدره وعلی المقتر قدره متاعا بالمعروف حقا علی المحسنين** (ان کو کچھ تحفہ وخرچ دو دستور کے موافق خوشحال آدمی اپنی حیثیت کے مطابق اور تنگدست آدمی اپنی وسعت کے مطابق، یہ محسنین ونیک لوگوں پر لازمی حق ہے)۔

② مسائل کی تشریح واختلاف مع الدلائل:۔ **و ان تزوّجها ولم یسم لها مهرا ....** عورت سے شادی کی اور شادی کے وقت مہر متعین نہیں کیا یا یوں کہا کہ تمہارے لئے مہر نہیں ہے تو ان دونوں صورتوں میں اگر صحبت کی تب بھی عورت کو مہرِ مثل ملے گا اور اگر مرد کا انتقال ہو جائے تب بھی عورت کو مہرِ مثل ملے گا۔ دلیل ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: **انه سُئل عن رجل تزوج امراة ولم**

**یفرض لھا صداقا ولم یدخل بھا حتی مات فقال ابن مسعود لھا مثلِ صداق نسائھا لا وکس ولا شطط و علیھا العدۃ ولھا المیراث فقام معقل بن سنان الاشجعی فقال قضی رسول اللّٰہ فی بروع بنت واشق امرأۃ منّا مثل ما قضیتَ ففرح بھا ابن مسعود** (ترمذی) اس حدیث کے مطابق مہر متعین نہ کیا ہو اور شوہر کا انتقال ہو جائے تو عورت کے لئے مہر مثل ہوگا۔

امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ کوئی مہر متعین نہ کیا ہو اور شوہر کا انتقال ہو جائے تو عورت کو کچھ نہیں ملے گا، اور دخول کیا ہو پھر انتقال ہوا ہو تو اکثر شوافع کی رائے یہ ہے کہ مہر لازم ہوگا۔ دلیل یہ اثر ہے: **عن علی قال فی المتوفّی عنھا ولم یفرض لھا صداقا لھا المیراث ولا صداق لھا** (سنن بیہقی) اس اثر میں ہے کہ ایسی عورت کو مہر نہیں ملے گا۔ عقلی دلیل یہ ہے کہ مہر عورت کا ذاتی حق ہے جس طرح مہر متعین ہونے کے بعد عورت اس کو ساقط کر سکتی ہے اسی طرح پہلے سے مہر کی نفی بھی کر سکتی ہے اس لئے پہلے سے مہر متعین نہیں کیا اور دخول سے پہلے انتقال ہو گیا تو اس کو مہر نہیں ملے گا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اصل تو پہلے شریعت کا حق ہے کہ دخول ہوا ہو اور شوہر نے بضع لیا ہو تو اس کا بدلہ یعنی مہر ضرور لازم ہوگا، یا مرنے کی وجہ سے نکاح پکا ہو گیا ہو تب بھی مہر لازم ہوگا، کیونکہ یہ شریعت کا حق ہے، اور عورت کا حق اس کے بعد آتا ہے اس وقت مہر متعین ہونے کے بعد اس کو نہ لینا چاہے اور شوہر کو بری کرنا چاہے تو کر سکتی ہے۔

امام شافعی کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ مہر شریعت کے حق کی وجہ سے واجب ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا، اور عورت کا حق بقاء کی حالت میں ہوتا ہے اسلئے وہ بعد میں بری کرنے کی مالک ہوگی۔ اس سے پہلے نفی کی مالک نہیں ہوگی۔

**ولو طلّقھا قبل الدخول بھا فلھا المتعۃ:** اگر عورت کیلئے مہر متعین نہ کیا ہو اور اس کو صحبت یا خلوت سے پہلے طلاق دے دی ہو تو ایسی عورت کو متعہ ملے گا۔ مذکورہ آیت میں ہے کہ ایسی عورت کو متعہ دیا جائے گا۔ اس آیت کی تفسیر عبداللہ بن عباس سے یوں منقول ہے: **عن ابن عباس فی ھذہ الآیۃ قال ھو الرجل یتزوج المراۃ ولم یسمّ لھا صداقا ثم طلّقھا من قبل ان ینکحھا فامر اللّٰہ تعالی ان یمتعھا علی قدر یسرہ وعسرہ فان کان موسرا متعھا بخادم او نحو ذلک وان کان معسرا فبثلاث اثواب او نحو ذلک۔** (سنن بیہقی) معلوم ہوا کہ جس عورت کیلئے مہر متعین نہ ہو اور صحبت سے پہلے طلاق ہو جائے تو اس کو متعہ دینا واجب ہے۔ اور اس اثر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ متعہ تین کپڑے ہیں۔

ایسی عورت کو متعہ دینا واجب ہے۔ دلیل آیت میں **مَتِّعُوْهُنَّ** امر کا صیغہ ہے، جو وجوب کیلئے آتا ہے۔ نیز **حقّا علی المحسنین** فرمایا کہ احسان کرنے والوں پر حق ہے یعنی واجب ہے۔ نیز ایسی عورت کیلئے مہر بھی نہیں ہے اور شوہر بھی ہاتھ سے چلا گیا ہے اسلئے کم از کم اس کو متعہ ہی دے دیں۔ امام مالکؒ کی رائے یہ ہے کہ متعہ دینا مستحب ہے۔ دلیل یہ ہے کہ آیت میں **حقّا علی المحسنین** ہے اور محسن اس کو کہتے ہیں جو نفل کام کرے اور وہ کام اس پر واجب نہ ہو اسلئے متعہ دینا واجب نہیں ہوگا۔

**الشق الثانی** ......**ولا ینعقد نکاح المسلمین الّا بحضور شاھدین حرّین عاقلین بالغین مسلمین او رجل و امرأتین۔** (ص ۳۲۵۔ رحمانیہ) (اشرف الہدایۃ ج۴ ص۱۸) انعقادِ نکاح کیلئے گواہوں کا آزاد، عاقل، بالغ، مسلمان ہونا کیوں شرط ہے؟ نیز بتائیں کہ کیا فاسق اور محدود فی القذف بھی نکاح میں گواہ بن سکتے ہیں؟

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① انعقادِ نکاح کیلئے گواہوں کے آزاد، عاقل، بالغ، مسلمان ہونے کی شرط کی وجہ ② فاسق اور محدود فی القذف کے نکاح میں گواہ بننے کا حکم۔

0313 6307512 maktabazakariyyahurtan@gmail.com

**جواب** ...... ① **انعقادِ نکاح کیلئے گواہوں کے آزاد، عاقل، بالغ، مسلمان ہونے کی شرط کی وجہ:** نکاح کی گواہی میں دونوں گواہوں کا آزاد ہونا ضروری ہے، غلام کی گواہی نہیں چلے گی۔ وجہ یہ ہے کہ گواہ کا مطلب دوسرے پر ایک بات کو لازم کرنا ہے اور غلام کو اپنے اوپر ہی ولایت نہیں تو دوسرے پر اپنی بات کیسے لازم کرے گا؟ پس اس کی گواہی معتبر نہیں۔ گواہوں کا عاقل و بالغ ہونا بھی ضروری ہے، اسلئے کہ اگر عاقل یا بالغ نہ ہو تو اسکو خود اپنے اوپر ولایت نہیں ہوتی، پس وہ دوسرے پر ولایت کیسے ثابت کر سکے گا؟

اگر مسلمان مرد مسلمان عورت سے نکاح کر رہا ہو تو گواہ کا مسلمان ہونا بھی ضروری ہے۔ وجہ یہ ہے کہ کافر کی گواہی مسلمانوں کے خلاف جائز نہیں ہے۔ ارشادِ باری ہے: **و لن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا** (کافر کو مؤمن پر کوئی راستہ یعنی ولایت نہیں) اور جب ولایت نہیں تو اس کے خلاف گواہی بھی قبول نہیں کی جائے گی۔

**۲** فاسق اور محدود فی القذف کے نکاح میں گواہ بننے کا حکم:۔ گواہ عادل ہو یا فاسق ہو نکاح میں دونوں کی گواہی قبول کی جائے گی۔ اصل میں تو عادل ہی کی گواہی قبول کرنی چاہیئے اور خائن و فاسق کی گواہی قبول نہیں کرنی چاہیئے۔ ارشادِ باری ہے: **واشھدوا ذوی عدل منکم واقیموا الشھادۃ للہ**۔ لیکن نکاح کا معاملہ تھوڑا آسان ہے کہ اکثر و بیشتر لوگ گواہ بنتے ہیں لیکن قاضی کے سامنے شادی کی گواہی دینے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس لئے فاسق بھی گواہ بن جائے تو جائز ہے۔ نیز حجاج بن یوسف فاسق تھا پھر بھی حاکم بنا اور دوسروں کو قاضی بنایا، اسلئے فاسق کی گواہی جائز ہے۔ فاسق کا مطلب یہ ہے کہ نماز چھوڑنے یا زکوۃ ادا نہ کرنے کی وجہ سے فاسق ہو تو گواہی مقبول ہے۔ اگر جھوٹ بولنے کی وجہ سے فاسق ہوا ہو تو اس کی گواہی قابل قبول نہیں۔ کیونکہ جھوٹ کی وجہ سے اس کی بات کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ کسی نے کسی عورت پر زنا کی تہمت لگائی اور اس کو ثابت نہ کر سکا جس کی وجہ سے اس پر حد قذف لگی ہو تو ایسے محدود فی القذف گواہوں کی موجودگی میں بھی نکاح ہو جائے گا۔

اصل میں تو محدود فی القذف کی گواہی قبول نہیں کرنی چاہیئے۔ ارشادِ باری ہے: **والذین یرمون المحصنٰت ثم لم یأتوا باربعۃ شھداء فاجلدوھم ثمانین جلدۃ ولا تقبلوا لھم شھادۃ ابدا واولئك ھم الفاسقون**۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ اس کی گواہی قاضی کے سامنے قبول نہیں کی جائے گی، البتہ وہ نکاح میں گواہ بن سکتا ہے اور اس کی گواہی سے نکاح ہو سکتا ہے۔ چونکہ عموما ایسا ہوتا ہے کہ نکاح میں لوگ گواہ بنتے ہیں اور زندگی بھر اس کو اس نکاح کی گواہی دینے کی ضرورت نہیں پڑتی، اسلئے گواہ بننا اور بات ہے، گواہی دینا اور بات ہے۔ نکاح کے گواہ بننے میں تھوڑی آسانی ہے کیونکہ وہ روزمرہ کا کام ہے۔

## الورقۃ الثالثۃ فی الفقہ

## السوال الاوّل ۱۴۴۲ھ

**الشق الاوّل** ......**و من حلف لا یکلم فلانا فکلّمہ و ھو بحیث یسمع الّا انّہ نائم حنث ....ولو حلف لایکلّمہ الّا باذنہ فاذن لہ ولم یعلم بالاذن حتی کلّمہ حنث ....و من حلف لایکلّمہ حینا اوزمانا او الحین او الزمان فھو علی ستۃ اشھر .... و کذالك الدھر عندھما۔** (اشرف الہدایہ ج۶ ص۹۴)

عبارت میں مذکور مسائل کی وضاحت کریں اور ہر مسئلہ کی مختصر وجہ تحریر کریں۔ قسم کے دوران **دھر** اور **الدھر** میں بحیثیتِ حکم کیا فرق ہے؟ امام صاحب وصاحبین کا اختلاف مدلل تحریر کریں۔

﴿خلاصہ سوال﴾......اس سوال کا حل دو امور ہیں: ① مسائل کی وضاحت مع الوجہ ② **دھر** اور **الدھر** میں فرق اور اختلاف۔

**جواب** ...... **۱** مسائل کی وضاحت مع الوجہ:۔ کسی شخص نے قسم اٹھائی کہ میں فلاں آدمی سے بات چیت نہیں کروں گا پھر اس نے اس حال میں کلام کی کہ اگر وہ جاگ رہا ہوتا تو وہ سُن لیتا مگر وہ سویا ہوا تھا تب بھی یہ شخص حانث ہو جائے گا۔ کیونکہ اس شخص نے اپنے طور پر اس سے گفتگو کر لی ہے اور یہ گفتگو قریب ہونے کی وجہ سے اسکے کانوں میں پہنچ بھی گئی ہے مگر وہ اپنی نیند کی وجہ سے اُسے سمجھ نہیں سکا۔ یہ ایسے ہی ہے کہ قسم کھانے والے نے اُسے ایسی جگہ و اتنے فاصلہ سے پکارا کہ وہ سُن سکتا تھا مگر اپنی غفلت یا کسی دوسرے خیال میں ہونے کی وجہ سے نہیں سمجھ سکا تو اس صورت میں بھی حانث ہو جاتا ہے۔ صحیح قول کے مطابق اُسے جگا دے تو پھر ہی حانث ہوگا، وگرنہ نہیں، کیونکہ جب وہ بیدار ہی نہیں ہے تو اس سے کلام کرنا ایسے ہی ہے کہ اُسے اتنی دور سے پکارا ہو کہ وہ اسکی آواز ہی نہ سُن سکتا ہو۔

کسی شخص نے قسم اٹھائی کہ میں فلاں آدمی کی اجازت کے بغیر اس سے بات چیت نہیں کروں گا پھر اس نے اسے اجازت دیدی مگر اِسے اجازت کا علم نہ تھا اور اس نے کلام کر لی تو یہ شخص بھی حانث ہو جائے گا۔ کیونکہ اذن یعنی اجازت اذان بمعنی آگاہ کرنا سے مشتق ہے یا اُذن بمعنی بمعنی کان میں پڑنا سے مشتق ہے اور بہر صورت سماع کے بغیر اس کا ثبوت ناممکن ہے تو جب حالف کو

maktabazakariyamultan@gmail.com

اجازت مل گئی مگر اس کو علم نہیں ہے تو کلام کرنے سے یہ حانث ہو جائے گا۔

② قسم کے دوران دھر اور الدھر میں فرق اور اختلاف:۔کما مر فی الشق الثانی من السوال الثانی ۱۴۳۴ھ

## السوال الثالث ۱۴۴۲ھ

**الشق الاوّل** ......درج ذیل سوالات کا''ہاں''یا''نہیں''میں جواب دیں:

کیا خلع میں شوہر کے ذمے مال دینا بھی لازم ہوتا ہے؟ (نہیں) کیا خلع سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے؟ (ہاں)

کفارۂ ظہار وطی ودواعی وطی سے پہلے ادا کرنا ضروری ہے (ہاں) کفارۂ ظہار میں رقبہ کافرہ کا آزاد کرنا بھی جائز ہے (ہاں)

مسلمان شوہر اپنی بیوی سے شراب یا خنزیر پر خلع کرسکتا ہے (صحیح) مگر عوض باطل ہونے کی وجہ سے عورت پر کچھ لازم نہ ہوگا)

کیا شوہر کے اپنی بیوی کو انتِ علیّ کظھر امّی کہنے سے طلاق واقع ہوتی ہے؟ (نہیں)

**جواب** ......کما مرّ فی السوال آنفا۔

**الشق الثانی** ......درج ذیل سوالات کا''ہاں''یا''نہیں''میں جواب دیں:

کیا طلاقِ رجعی وبائن کی عدت میں شوہر پر نفقہ واجب ہے؟ (ہاں) کیا متوفّی عنہا زوجہا کی عدت تین قروء ہے؟ (نہیں)

کیا دودھ پیتے بچے کو دودھ پلانا ماں پر واجب ہے؟ (نہیں) کیا احناف کے نزدیک قروء سے مراد تین طہر ہیں؟ (نہیں)

اگر فرقت بیوی کی طرف سے ہو تو دورانِ عدت اس کیلئے نفقہ واجب نہیں ہے (ہاں) بشرطیکہ فرقت عورت کی معصیت کی وجہ سے ہو)

کیا متوفّی عنہا زوجہا کا نفقہ شوہر کے مال سے ادا کرنا واجب ہے؟ (نہیں)

**جواب** ......کما مرّ فی السوال آنفا۔

## الورقة الثالثة : فی الفقه

## السوال الاوّل ۱۴۴۳ھ

**الشق الاوّل** ......وَ لَا بَاسَ بِاَنْ يَّجْمَعَ بَيْنَ اِمْرَاَةٍ وَبِنْتِ زَوْجٍ كَانَ لَهَا مِنْ قَبْلُ لِاَنَّهٗ لَا قَرَابَةَ بَيْنَهُمَا وَ لَا رَضَاعَ وَ قَالَ زُفَرُ لَا يَجُوْزُ لِاَنَّ اِبْنَةَ الزَّوْجِ لَوْ قَدَّرْتَهَا ذَكَرًا لَا يَجُوْزُ لَهُ التَّزَوُّجُ بِامْرَاَةِ اَبِيْهِ. قُلْنَا اِمْرَاَةُ الْاَبِ لَوْ صَوَّرْتَهَا ذَكَرًا جَازَ لَهُ التَّزَوُّجُ بِهٰذِهٖ وَالشَّرْطُ اَنْ يُّصَوَّرَ ذٰلِكَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ۔ (کتاب النکاح۔فصل فی بیان المحرمات)

عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔مسئلہ کی تشریح کرتے ہوئے ائمہ کا اختلاف مدلل تحریر کریں۔امام زفر کی دلیل کا جواب دیں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت پر اعراب ② عبارت کا ترجمہ ③ مسئلہ کی تشریح وائمہ کا اختلاف مع الدلائل ④ امام زفر کی دلیل کا جواب۔

**جواب** ...... ① عبارت کا ترجمہ:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

② عبارت کا ترجمہ:۔ اور کوئی حرج نہیں ہے کہ مرد جمع کرے عورت کو اور سابق شوہر کی بیٹی کو جو پہلی بیوی سے ہو، اسلئے کہ دونوں کے درمیان کوئی قرابت نہیں ہے اور نہ رضاعت ہے۔امام زفرؒ نے فرمایا کہ یہ نکاح جائز نہیں ہے، اسلئے کہ شوہر کی بیٹی کو اگر مذکر فرض کرلیں تو اس کیلئے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ہم کہتے ہیں کہ باپ کی بیوی کو اگر مذکر فرض کریں تو اس کیلئے اس لڑکی سے نکاح کرنا جائز ہے، اور شرط یہ ہے کہ عدم جواز ہر جانب سے ہو۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

③ مسئلہ کی تشریح وائمہ کا اختلاف مع الدلائل:۔ سوتیلی ماں اور اسکی سوتیلی بیٹی (سابقہ شوہر کی سابقہ بیوی کی بیٹی) کو ایک مرد کے نکاح میں جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ یہ دونوں ذی رحم محرم بھی نہیں ہیں اور ان میں رضاعت کا رشتہ بھی نہیں ہے۔

دلیل یہ ہے کہ سوتیلی ماں اور بیٹی کے درمیان اگر بیٹی کو مرد فرض کریں تو سوتیلا بیٹا ہوا اور سوتیلے بیٹے کی شادی سوتیلی ماں سے حرام ہے۔لیکن اگر ماں کو مرد فرض کرلیں تو اجنبی مرد ہوا اور اجنبی مرد کا اس لڑکی کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔چونکہ ماں کو مرد فرض کرنے کی صورت میں آپس میں نکاح کرنا جائز ہے، اسلئے اس مسئلے میں ایک طرف سے نکاح جائز ہوتا ہے اور دوسری طرف سے

حرام ہوتا ہے۔ اسلئے علماء نے فرمایا کہ سوتیلی ماں اور سوتیلی بیٹی کو ایک نکاح میں جمع کرنا جائز ہے۔ نیز اثر میں بھی اس کا جواز ہے:

**وجمع عبد اللّٰہ بن جعفر بین ابن علیؓ وامراۃ علیؓ وقال ابن سیرین لا باس بہ وکرھہ الحسن مرۃ ثم قال لا باس بہ** (بخاری، باب ما یحل من النساء وما یحرم) اس اثر سے معلوم ہوا کہ سوتیلی ماں اور سوتیلی بیٹی کو ایک نکاح میں جمع کرنا جائز ہے۔ یہ مسئلہ اس اصول پر متفرع ہے کہ دونوں جانب سے حرمت ہو تو دونوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے اور ایک جانب سے حرمت ہو تو دونوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام نہیں ہے۔

امام زفرؒ کی رائے یہ ہے کہ سوتیلی ماں اور سوتیلی بیٹی کو ایک نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اگر بیٹی کو مذکر فرض کرلیں تو یہ بیٹا ہو جائے گا اور بیٹے کیلئے سوتیلی ماں سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے، اسلئے ان دونوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ ایک طرف سے حرمت ہوتی ہے، اسلئے جمع کرنے کیلئے ایک طرف سے حرمت بھی کافی ہے۔ نیز حضرت حسن ایسے نکاح کو مکروہ سمجھتے تھے، اسلئے حرام ہوگا۔

④ امام زفرؒ کی دلیل کا جواب:۔ اگر باپ کی بیوی (سوتیلی ماں) کو مذکر فرض کریں تو ان کا آپس میں نکاح جائز ہے، اسلئے کہ وہ لڑکی اجنبی مرد کی بیٹی ہوگی اور جمع بین المرأتین کے حرام ہونے کی شرط یہ ہے کہ دونوں جانب سے مرد فرض کرنے کی صورت میں آپس میں نکاح حرام ہو اور ایک نکاح میں جمع کرنے کے جواز کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ دونوں جانب سے نکاح حرام نہ ہو۔ (اشرف الہدایہ واثمار الہدایہ)

**الشق الثانی** ...... **قال و تعتبر ایضا فی الدین ای الدیانۃ و ھذا قول ابی حنیفۃؒ و ابی یوسفؒ ھو الصحیح لانّہ من اعلیٰ المفاخر و المرأۃ تعیّر بفسق الزوج فوق ما تعیّر بضعۃ نسبہ و قال محمد لا تعتبر لانّہ من امور الاخرۃ فلاتبتنی احکام الدنیا علیہ الّا اذا کان یُصفع و یُسخر منہ او یخرج الی الاسواق سکران و یلعب بہ الصبیان لانّہ مستخف بہ۔** (ص٣٤٢۔ رحمانیہ) (اشرف الہدایہ ج٤ص١٧)

عبارت کا ترجمہ کریں۔ کفاءۃ کا تعارف لکھیں۔ کفائت میں جو امور معتبر ہیں ان کی وضاحت کریں۔ مسئلہ کی تشریح کرتے ہوئے ائمہ کا اختلاف مدلل تحریر کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں ① عبارت کا ترجمہ ② کفاءۃ کا تعارف وامورِ معتبرہ فی الکفاءۃ کی وضاحت ③ مسئلہ کی تشریح وکفاءۃ فی الدین میں اختلافِ ائمہ مع الدلائل۔

**جواب** ...... ① عبارت کا ترجمہ:۔ دین یعنی دیانت میں بھی کفائت کا اعتبار کیا جائے گا اور یہ امام ابوحنیفہؒ وامام ابو یوسفؒ کا قول ہے اور یہی صحیح ہے، اسلئے کہ دیانت اعلیٰ مفاخر میں سے ہے۔ اور لوگ عورت کو شوہر کے فاسق ہونے پر اس سے بھی زیادہ عار دلائیں گے جتنا کہ اسکے شوہر کے نسب کے گھٹیا ہونے پر عار دلاتے ہیں۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ دیانت امورِ آخرت میں سے ہے لہٰذا احکام دنیا اس پر موقوف نہیں ہوں گے مگر جب اُسے طمانچہ مارا جائے وور لوگ اس کا مذاق اڑائیں یا لوگ نشے کی حالت میں اس کو بازار میں نکالیں تاکہ بچے اسکے ساتھ کھیلیں۔ کیونکہ یہ شخص انتہائی حقیر وذلیل ہے۔

② کفاءۃ کا تعارف وامورِ معتبرہ فی الکفاءۃ:۔ **کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الثالث ١٤٣٦ھ**

③ مسئلہ کی تشریح و کفاءت فی الدین میں اختلافِ ائمہ مع الدلائل:۔ کفاءۃ فی النکاح میں دین معتبر ہے اور دین سے مراد دیانت ہے یعنی تقویٰ صلاح، حسب اور مکارم اخلاق۔ کیونکہ دین بمعنی اسلام تو نکاحِ مسلمہ کے جواز کیلئے شرط ہے اور ہمارا کلام اس میں ہے کہ نفاذِ عقد کے بعد اولیاء کو حقِ اعتراض حاصل ہو۔

کفاءۃ فی النکاح میں دین یعنی دیانت کے معتبر ہونے میں ائمہ کا اختلاف ہے: شیخینؒ کا مذہب یہ ہے کہ دین یعنی دیانت میں کفاءۃ معتبر ہے۔ امام محمدؒ کے نزدیک دیانت میں کفاءت کا اعتبار نہیں۔ شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ دیانت اور صلاح اعلیٰ مفاخر میں سے ہے۔ اللہ جل شانہ فرماتے ہیں **اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ**۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ لوگ عورت کو اس کے شوہر کے نسب سے گھٹیا ہونے پر جس قدر عار دلاتے ہیں شوہر کے فاسق ہونے پر اس سے بھی زیادہ عار دلائیں گے اسلئے کفو فی الدین معتبر ہے۔

امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ دیانت امورِ آخرت میں سے ہے لہٰذا احکامِ دنیا اس پر موقوف نہیں ہوں گے مگر کسی کا شوہر اگر حد درجہ فسق وفجور میں مبتلا ہے کہ جو چاہے اس کو طمانچہ لگادے یا لوگ مذاق اڑاتے رہیں اور نشے کی حالت میں لوگ اس کو بازار میں نکالیں تا کہ بچے اس کے ساتھ کھیلیں تو ایسا شخص کسی صالحہ عورت کا کفو نہیں ہوسکتا کیونکہ ایسا شخص انتہائی حقیر اور ذلیل ہے۔

## ﴿السوال الثانی﴾　۱۴۴۳ھ

**الشق الاوّل** ...... **و طلاق السكران واقع۔ واختيار الكرخي و الطحاوی انه لايقع و هو احد قولی الشافعیؒ لانّ صحة القصد بالعقل و هو زائل العقل فصار كزواله بالبنج و الدواء۔ و لنا انّه زال بسبب هو معصية فجعل باقيا حكما زجرا له حتّی لو شرب فصدع و زال عقله بالصداع نقول انه لا يقع طلاق۔**

عبارت کا ترجمہ کریں۔ سکران کی تعریف کریں اور سکران کی طلاق کے وقوع میں فقہاء کا اختلاف واضح کریں۔ مکرہ کی طلاق کے وقوع میں فقہاء کا اختلاف اور دلائل تحریر کریں۔ (ص ۳۷۷۔ رحمانیہ) (اشرف الہدایہ ج ۴ ص ۲۱۴)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل تین امور ہیں ① عبارت کا ترجمہ ② سکران کی تعریف وسکران کی طلاق کے وقوع میں فقہاء کا اختلاف ③ مکرہ کی طلاق کے وقوع میں فقہاء کا اختلاف مع الدلائل۔

**جواب** ...... **①** عبارت کا ترجمہ:۔ سکران کی طلاق واقع ہوجائے گی۔ امام کرخیؒ وامام طحاویؒ کا پسندیدہ مذہب یہ ہے کہ طلاق واقع نہ ہوگی امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول یہی ہے۔ اسلئے کہ قصد وارادہ کا صحیح ہونا عقل کے ساتھ ہے اور یہ شخص زائل العقل ہے پس ایسا ہوگیا جیسے بھنگ یا کسی دواء سے عقل زائل ہوگئی ہو۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ اس شخص کی عقل ایسی چیز سے زائل ہوئی ہے جو معصیت وگناہ ہے، پس زجر وتوبیخ کیلئے اس شخص کی عقل کو حکماً باقی قرار دیا گیا ہے، حتی کہ اگر کسی شخص نے شراب پی لی پھر اسکی وجہ سے سر درد ہوگیا اور اسی درد کی وجہ سے عقل زائل ہوگئی تو ہم بھی کہتے ہیں کہ اس کی دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

**②** سکران کی تعریف وسکران کی طلاق کے وقوع میں فقہاء کا اختلاف مع الدلائل:۔ سکران سے مراد وہ شخص ہے جو انتہائی نشہ کی حالت میں ہو یہاں تک کہ وہ آپس کی گفتگو کو بالکل نہ سمجھ سکے اور مرد وعورت میں تمیز نہ کرسکے۔

اگر سکران نے انتہائی نشہ کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو ہمارے نزدیک طلاق واقع ہوجائے گی اور امام کرخیؒ وامام طحاویؒ کا پسندیدہ مذہب یہ ہے کہ طلاق واقع نہ ہوگی امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول یہی ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ قصد وارادہ کا صحیح ہونا عقل کے ساتھ ہے جو کہ طلاق میں مطلوب ہے اور یہ شخص زائل العقل ہے پس ایسا ہوگیا جیسے بھنگ یا کسی دواء سے عقل زائل ہوگئی تو ان دونوں سے بالاتفاق طلاق واقع نہیں ہوتی لہٰذا نشہ کی حالت میں بھی طلاق دینے سے طلاق واقع نہ ہوگی۔

احنافؒ کی دلیل: یہ ہے کہ اس شخص کی عقل ایسی چیز سے زائل ہوئی جو معصیت اور گناہ ہے یعنی شُربِ خمر وغیرہ لہٰذا اس شخص کو زجر وتوبیخ کے لئے اس کی عقل کو حکماً باقی قرار دیا گیا ہے۔ جب حکماً عقل باقی ہے تو طلاق کا ارادہ بھی پایا گیا اور جب ارادۂ طلاق درست ہوا تو طلاق بھی واقع ہوگئی۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی شخص نے شراب پی لی پھر اس کی وجہ سے سر درد ہوگیا اور اسی درد کی وجہ سے عقل زائل ہوگئی تو اس صورت میں ہم بھی کہتے ہیں کہ اس کی دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ اس جگہ عقل کا زائل ہونا معصیت کی وجہ سے نہیں بلکہ دردِ سر کی وجہ سے ہے لہٰذا سکران کی طلاق واقع ہوجائے گی۔

**③** مکرہ کی طلاق کے وقوع میں فقہاء کا اختلاف مع الدلائل:۔ اگر کسی شخص کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنی منکوحہ کو طلاق دے اور اس نے مجبور ہوکر طلاق دیدی تو ہمارے نزدیک طلاق واقع ہوجائے گی اور ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک طلاق واقع نہ ہوگی۔

ائمہ ثلاثہؒ کی دلیل: یہ ہے کہ اکراہ اور اختیار دونوں جمع نہیں ہوسکتے اور تصرفات شرعیہ اختیار ہی کے ساتھ معتبر ہوتے ہیں چنانچہ اختیار نہ ہونے کی وجہ سے مکرہ کی طلاق بھی واقع نہیں ہوگی۔ نیز ائمہ ثلاثہؒ آپ ﷺ کے ارشاد **رُفع عن امّتی ...... وما استكرهوا عليه** سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ احنافؒ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ خطاء نسیان واکراہ کی وجہ سے آخرت میں مواخذہ نہ ہوگا۔ البتہ دنیا میں خطاء نسیان وغیرہ پر احکام مرتب ہوں گے، چنانچہ قتلِ خطا میں دیت لازم ہوتی ہے، اسی طرح نسیاناً نماز میں

واجب ترک ہونے سے سجدۂ سہولازم ہوتا ہے۔پس معلوم ہوا کہ مکرہ سے آخرت میں مواخذہ نہ ہوگا۔

احنافؒ کی دلیل: مکرہ نے اپنی منکوحہ پر طلاق کو واقع کرنے کا ارادہ کیا ہے اور اس میں طلاق واقع کرنے کی اہلیت بھی ہے اور وہ طلاق محل میں واقع کر رہا ہے۔لہٰذا قصدِ طلاق اپنے مقتضیٰ اور حکم سے خالی نہ ہوگا تا کہ علت سے حکم کا تخلف لازم آئے نیز مکرہ کی حاجت دفع ہو جائے اور مکرہ کی حاجت یہ ہے کہ جس چیز سے اس کو ڈرایا گیا ہے اس سے چھٹکارا پا جائے۔اور مکرہ کو طائع پر قیاس کیا گیا ہے یعنی جس طرح اپنی رضا اور اختیار سے طلاق دینے کی صورت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے اسی طرح مکرہ کے طلاق دینے پر بھی طلاق واقع ہو جائے گی۔اور مکرہ کا طلاق کا ارادہ کرنا اس طرح سے معلوم ہوا کہ اس کے سامنے دو برائیاں تھیں، ایک جان کا ضائع ہونا دوسرا بیوی کا ضائع ہونا یعنی اگر طلاق دیتا ہے تو بیوی جاتی ہے اور طلاق نہیں دیتا تو جان جاتی ہے۔تو اس نے دو برائیوں میں سے اھون و آسان جو کہ طلاق کا واقع ہونا ہے اس کو اختیار کیا ہے، لہٰذا دو برائیوں کو پہچاننا اور اھون کو اختیار کرنا یہی قصد اور ارادہ کی علامت ہے۔پس ثابت ہو گیا کہ مکرہ نے اپنے ارادے سے طلاق دی ہے نہ کہ بلا اختیار۔البتہ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مکرہ طلاق دینے پر راضی نہیں تھا مگر ہم کہتے ہیں کہ ایقاعِ طلاق کے حکم پر عدمِ رضا وقوعِ طلاق میں مخل نہیں ہے، یعنی بغیر رضا مندی کے بھی طلاق واقع ہو سکتی ہے جیسے ہازل کی طلاق عدمِ رضا کے باوجود واقع ہو جاتی ہے۔

**الشق الثانی**......**وان طلقها نصف تطليقة او ثلثها كانت طالقا تطليقة واحدة.ولو قال لها انت طالق ثلاثة انصاف تطليقتين فهى طالق ثلثا لانّ نصف التطليقتين تطليقة فاذا جمع بين ثلاثة انصاف تكون ثلاث تطليقات ضرورة.** عبارت کا ترجمہ کریں اور واضح تشریح کریں۔ (باب ایقاع الطلاق)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت کا ترجمہ ② عبارت کی تشریح۔

**جواب**...... ① عبارت کا ترجمہ:۔ اگر مرد نے عورت کو آدھی طلاق یا تہائی طلاق دی تو ایک (مکمل) طلاق واقع ہوگی۔اور اگر مرد نے عورت سے کہا کہ تو دو طلاق کے تین نصف والی ہے تو یہ عورت تین طلاق کے ساتھ مطلقہ ہوگی، اسلئے کہ دو طلاقوں کا آدھا آدھا مکمل طلاق ہی ہے، پس جب تین نصف طلاقوں کو جمع کیا جائے گا تو تین طلاق ہی واقع ہوں گی۔

② عبارت کی تشریح:۔ اگر کسی مرد نے اپنی عورت کو آدھی طلاق دی یا تہائی طلاق دی تو ایک طلاق واقع ہوگی۔اسلئے کہ آدھی طلاق یا تہائی طلاق درحقیقت مکمل طلاق ہوتی ہے۔اثر ہے: **قيل لعمر بن عبد العزيز الرجل يطلق امراته نصف تطليقة قال تطليقة** اس اثر میں آدھی طلاق کو پوری ایک طلاق قرار دیا گیا ہے۔ایک اثر میں ہے: **عن الشعبى قال اذا طلق الرجل بعض تطليقة قال ليس فيه كسر هي تطليقة تام ، و قاله عمر بن عبد العزيز** ۔اس اثر میں واضح ہے کہ طلاق میں تجزی نہیں ہے وہ پوری ہی واقع ہوگی۔ دلیل عقلی یہ ہے کہ طلاق میں تجزّی و تقسیم نہیں ہے اسلئے جب آدھی طلاق ہوئی تو وہ پوری طلاق ہو جائے گی۔اسی طرح چوتھائی، دسواں حصہ، چھٹا حصہ سب میں ایک مکمل طلاق واقع ہوگی، کیونکہ طلاق کی تقسیم نہیں ہے۔

اگر مرد نے اپنی عورت سے کہا کہ تو دو طلاق کے تین نصف والی ہے تو یہ عورت تین طلاق کے ساتھ مطلقہ ہوگی۔اسلئے کہ دو طلاقوں کا آدھا آدھا کریں تو چار آدھے ہو گئے، ان میں سے تین آدھے عورت پر لگائے اور ہر آدھا ایک ہو جائے گا اسلئے جب کہا کہ تم تین آدھے والی ہو تو پہلا آدھا بھی پورا ہو گیا، دوسرا آدھا بھی پورا ہو گیا اور تیسرا آدھا بھی پورا ہو گیا تو تین طلاق ہو گئی۔

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۳ھ

**الشق الاوّل**......**وَ مَنۡ حَرَّمَ عَلٰى نَفۡسِهٖ شَيۡئًا مِمَّا يَمۡلِكُهٗ لَمۡ يَصِرۡ مُحَرَّمًا وَ عَلَيۡهِ اِنِ اسۡتَبَاحَهٗ كَفَّارَةُ يَمِيۡنٍ وَ قَالَ الشَّافِعِيُّ لَا كَفَّارَةَ عَلَيۡهِ لِاَنَّ تَحۡرِيۡمَ الۡحَلَالِ قَلۡبُ الۡمَشۡرُوۡعِ..... وَ لَنَا اَنَّ اللَّفۡظَ يُنۡبِئُ عَنۡ اِثۡبَاتِ الۡحُرۡمَةِ وَ قَدۡ اَمۡكَنَ اِعۡمَالُهٗ بِثُبُوۡتِ الۡحُرۡمَةِ لِغَيۡرِهٖ بِاِثۡبَاتِ مُوۡجِبِ الۡيَمِيۡنِ فَيُصَارُ اِلَيۡهِ.** (فصل فى كفارة اليمين)

عبارت پر اعراب لگا کر مکمل وضاحت کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت پر اعراب ② عبارت کی وضاحت۔

**جواب** ① عبارت پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

② عبارت کی وضاحت:۔ کسی شخص نے اپنی مملوکہ کوئی حلال چیز اپنے اوپر حرام کر لی تو یہ حلال چیز اس پر حرام نہ ہوگی، البتہ اگر اس حالف نے اس چیز کے ساتھ مباح وحلال وجائز والا معاملہ کیا تو اس شخص پر قسم کا کفارہ لازم ہوگا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس پر کفارہ لازم نہ ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ حلال چیز کو حرام کرنا درحقیقت شرعی تصرف (شریعت کے حکم کو الٹ دینا) ہے، اسلئے یہ قسم بھی منعقد نہ ہوگی اور کفارہ بھی لازم نہ ہوگا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ اس حالف کے ان الفاظ سے حرمت ثابت ہوتی ہے اور اسکے موافق عمل کرنا ممکن بھی ہے یعنی جب اس نے کہا کہ یہ چیز مجھ پر حرام ہے تو کسی شرعی مخالفت کے بغیر بھی اس پر عمل کرنا ممکن ہے، بایں طور کہ حرمت ثابت کی جائے مگر اسکی حرمت ذاتی نہ ہو بلکہ قسم کے تقاضا کی وجہ سے ہو، اسلئے اسکے ان الفاظ کو قسم قرار دیا جائے گا۔ چنانچہ اس نے جس چیز کو اپنے اوپر حرام قرار دیا ہے اُسے تھوڑا بہت استعمال کر لیا تو قسم ٹوٹنے کی وجہ سے کفارہ لازم ہوگا۔

**الشق الثانی** ...... قَالَ وَ مَنْ سَرَقَ سَرِقَاتٍ فَقُطِعَ فِیْ اِحْدٰھَا فَهُوَ لِجَمِیْعِهَا وَلَا یَضْمَنُ شَیْئًا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَ قَالَا یَضْمَنُ کُلَّهَا اِلَّا الَّتِیْ قُطِعَ لَهَا۔ (کتاب السرقۃ۔ باب مایقطع فیہ ومالایقطع) (اشرف الہدایہ ۶:۲۵۸)

عبارت پر اعراب لگا کر عبارت کی تشریح کریں۔ حد کی لغوی اور اصطلاحی تعریف ذکر کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل تین امور ہیں ① عبارت پر اعراب ② عبارت کی تشریح ③ حد کی لغوی و اصطلاحی تعریف۔

**جواب** ① عبارت پر اعراب:۔ کمامرّ فی السوال آنفا۔

② عبارت کی تشریح:۔ عبارت میں مذکور مسئلہ کی وضاحت یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے مختلف لوگوں کی یا ایک ہی شخص کی کئی بار چوری کی اور عدالت میں بیک وقت سب لوگ حاضر ہو گئے اور ان جملہ چوریوں کی پاداش میں اس شخص (چور) کا سزا کے طور پر ہاتھ کاٹ دیا گیا تو تمام چوریوں میں یہ بالاتفاق کسی شئی کا ضامن نہیں ہوگا اور اگر اربابِ سرقات میں سے ایک حاضر ہوا اور اس کی خصومت کے باعث اس چور کا ہاتھ کاٹ دیا گیا تو یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک قطعِ ید ان تمام چوریوں کی پاداش میں ہوگا جو وہ کر چکا ہے اور کسی شئی کا ضامن نہ ہوگا۔ لیکن صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ شخص ان تمام سرقات کا ضامن ہوگا جن کے اربابِ سرقات خصومت میں حاضر نہیں ہوئے اور جو حاضر ہوا ہے جس کی وجہ سے ہاتھ کاٹا گیا ہے وہ اس کا ضامن نہیں ہوگا۔

صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل: مال کا جو مالک حاضر ہوا وہ دوسرے غائب رہ جانے والوں کی طرف سے نائب نہیں مانا جائے گا حالانکہ شکایت اور مقدمہ پیش کرنا چوری ظاہر ہونے کیلئے ضروری ہے لہٰذا جو لوگ غائب رہ گئے انکی طرف سے چوری کا معاملہ پیش نہیں ہوا اسلئے چور کا ہاتھ کاٹا جانا ان کی چوریوں کے واسطے نہیں ہوا ہے۔ اسلئے انکے مال کا احترام باقی رہے گا یعنی یہ چور انکے مال کا ضامن ہوگا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کی دلیل: تمام چوریوں کی طرف سے ایک ہی بار ہاتھ کاٹا جانا حقِ الٰہی کی بناء پر واجب ہے کیونکہ حدود میں تداخل ہو جاتا ہے (یعنی کئی حدود کو ایک حد میں داخل کر لیا جاتا ہے) اور نالش کرنا اسلئے شرط ہے کہ قاضی کے نزدیک بھی چوری کا ہونا ثابت ہو اور ہاتھ اسلئے کاٹا جاتا ہے کہ چوری جرم ہے پھر جب ایک بار ہاتھ کاٹ لیا گیا تو سزا پورے طور پر یہی تھی جو پوری کر دی گئی۔ اسلئے کہ اس کا نفع کُل کو پہنچے گا یعنی چور کو اس کی تمام چوریوں پر تنبیہ کی جائیگی اسلئے یہی سزا سب کی طرف سے واقع ہو جائیگی یعنی وہ اب کسی چوری کا ذمہ دار اور ضامن نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر ہر بار کی چوری کا مال جو دس درہم سے کم نہیں ہے سب ایک ہی شخص کی ملک ہوں اور اس نے کسی ایک بار کی چوری کے سلسلہ میں مطالبہ کر کے اس کا ہاتھ کٹوا دیا تو بھی ایسا ہی اختلاف ہوگا یعنی صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک ایک بار کے سوا جس کے بارے میں اس کا ہاتھ کاٹا گیا ہے باقی چوریوں کا وہ ضامن ہوگا اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک ضامن نہیں ہوگا۔

③ حد کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:۔ لغوی معنی روکنا و منع کرنا ہے، دربان کو حداد اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ لوگوں کو اندر آنے سے روکتا ہے۔ شرعی اصطلاح میں "حد" وہ سزا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنا حق ہونے کے ساتھ ساتھ ایک خاص مقدار کے ساتھ اسے خود مقرر کیا ہے۔ اسی لئے قصاص حد نہیں ہے کیونکہ ورثاء کو معاف کرنے کا حق ہے اور تعزیر بھی حد نہیں ہے اسلئے کہ وہ مقرر نہیں ہے۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

## الورقۃ الثالثۃ فی الفقہ (ھدایہ ثانی)

### السوال الاوّل ۱۴۴۴ھ

**الشق الاوّل** ......فَإِنْ تَزَوَّجَ أُخْتَ أَمَةٍ لَهُ قَدْ وَطِيَهَا صَحَّ النِّكَاحُ وَ إِذَا جَازَ لَا يَطَأُ الْأَمَةَ وَ إِنْ كَانَ لَمْ يَطَأِ الْمَنْكُوحَةَ لِأَنَّ الْمَنْكُوحَةَ مَوْطُوْئَةٌ حُكْمًا وَلَا يَطَأُ الْمَنْكُوحَةَ لِلْجَمْعِ إِلَّا إِذَا حَرَّمَ الْمَوْطُوْئَةَ عَلَى نَفْسِهِ بِسَبَبٍ مِنَ الْأَسْبَابِ فَحِيْنَئِذٍ يَطَأُ الْمَنْكُوحَةَ لِعَدَمِ الْجَمْعِ وَطْأً وَ يَطَأُ الْمَنْكُوحَةَ إِنْ لَمْ يَكُنْ وَطِئَ الْمَمْلُوكَةَ لِعَدَمِ الْجَمْعِ وَطْأً إِذِ الْمَرْقُوْقَةُ لَيْسَتْ مَوْطُوْئَةً حُكْمًا (کتاب النکاح۔ فصل فی بیان المحرمات)

عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کیجیے۔ مسئلہ کی مکمل وضاحت کیجیے، بالخصوص خط کشیدہ جملوں کا مطلب واضح کیجیے۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل تین امور ہیں: ① عبارت پر اعراب ② عبارت کا ترجمہ ③ مسئلہ کی وضاحت۔

**جواب** ...... ① عبارت پر اعراب :۔ **کما مرّ فی السوال آنفا۔**

② عبارت کا ترجمہ :۔ اگر باندی کی بہن سے نکاح کیا اس حال میں کہ باندی سے وطی کی ہوئی تھی تب بھی یہ نکاح صحیح ہے۔ اور جب نکاح جائز ہوا تو باندی سے وطی نہ کرے، چاہے منکوحہ سے وطی نہ کی ہو، اسلئے کہ منکوحہ حکم کے اعتبار سے وطی کی ہوئی ہے اور منکوحہ سے بھی وطی نہ کرے مگر جب کہ وطی کی ہوئی باندی کو کسی سبب سے اپنے اوپر حرام کردے تو اس وقت منکوحہ سے وطی کر سکتا ہے کیونکہ یہ وطی کے اعتبار سے جمع کرنا نہیں ہے۔ اور منکوحہ سے وطی کر سکتا ہے اگر مملوکہ باندی سے وطی نہ کی ہو، وطی کے اعتبار سے جمع نہ ہونے کی وجہ سے، اسلئے کہ مملوکہ حکم کے اعتبار سے وطی کی ہوئی نہیں ہوتی۔

③ مسئلہ کی وضاحت :۔ یہ مسئلہ ان تین اصولوں پر متفرع ہے: ① اگر باندی ملک میں ہو تو اس سے یہ نہیں سمجھا جائے گا کہ اس سے جماع کر لیا، کیونکہ باندی کی شادی کرا دی ہو تو اس سے جماع کیسے کر سکتا ہے؟ اسلئے باندی کا ملک میں ہونا جماع نہیں ہے۔ ② اگر کسی سے شادی کی ہو تو شادی کرنا ہی جماع کرنا ہے، چاہے حقیقت میں جماع نہ کیا ہو۔ ③ دو باندی بہنوں کو ایک ملکیت میں جمع کر سکتا ہے، لیکن دونوں سے جماع نہیں کر سکتا، اگر ایک سے کیا ہو تو دوسری سے نہیں کر سکتا۔ ان تینوں اصولوں کو سامنے رکھ کر مسئلہ یہ ہے کہ کسی کی ملکیت میں پہلے سے ایک باندی تھی اور اس سے جماع بھی کر لیا تھا اسکے باوجود اس کی بہن سے نکاح کرنا چاہے تو کر سکتا ہے، لیکن نکاح کرنے کے بعد دونوں میں سے کسی سے بھی جماع نہیں کر سکتا، اسلئے کہ منکوحہ سے نکاح کرنا ہی جماع کرنا ہے، اور جو باندی ملک میں ہے اس سے تو جماع کر چکا ہے، اسلئے گویا کہ دونوں عورتوں سے جماع کرنا ہو گیا، اور اصول گزر چکا ہے کہ جماع کے اعتبار سے دو بہنوں کو جمع نہیں کر سکتا، اسلئے یا تو مملوکہ باندی کو اپنی ملکیت سے الگ کرے، یا دوسرے سے اس کی شادی کرا دے تاکہ مالک اس سے جماع نہ کر سکے، تب جا کر منکوحہ بہن سے جماع کر سکتا ہے۔ یا دوسری صورت یہ ہے کہ منکوحہ کو طلاق دے کر الگ کرے تب مملوکہ باندی سے دوبارہ جماع کر سکتا ہے۔ اور اگر مملوکہ باندی سے جماع نہ کیا ہو تو منکوحہ سے جماع کر سکتا ہے، اسلئے کہ باندی کا ملک میں ہونا جماع نہیں ہے۔

اگر باندی سے جماع کر چکا ہو تب بھی اس کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ نکاح کرنے والا نکاح کا اہل ہے یعنی عاقل بالغ ہے اور جس سے نکاح کیا ہے وہ اجنبیہ عورت ہے اور نکاح کا محل ہے اس لئے نکاح ہو جائے گا۔

ایک باندی پہلے سے ملک میں تھی اور اس سے وطی بھی کر چکا تھا تو اس کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہوا، لیکن اب مملوکہ باندی سے وطی نہ کرے اسلئے کہ نکاح کرنا حکماً وطی ہے، اسلئے دونوں بہنوں کو وطی کے اعتبار سے جمع کرنا لازم آ گیا اور منکوحہ سے بھی جماع نہ کرے جب تک کہ باندی سے وطی کرنا حرام نہ کرے، باندی سے وطی حرام کرنے کی ایک شکل یہ ہے کہ باندی کی شادی کسی دوسرے سے کرا دے تو مالک کیلئے اس سے جماع کرنا حرام ہو جائے گا، اب منکوحہ سے جماع کر سکتا ہے، دوسری شکل یہ ہے کہ باندی کو بیچ دے یا آزاد کر دے تو اس باندی سے جماع کرنا حرام ہو جائے گا، اب منکوحہ سے جماع کرنا جائز ہوگا۔ سبب من الاسباب کی یہی شکلیں ہیں۔

دلیل: عن علی سالہ رجل لہ امتان اختان وطی احداھما ثم اراد ان یطأ الاخری قال لا حتی یخرجھا

من ملکه۔ (سنن بیہقی) اس اثر میں حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جب تک پہلی کو اپنی ملکیت سے جدا نہ کرے دوسری باندی سے صحبت نہیں کر سکتا۔ پس معلوم ہوا کہ دو بہنیں ملک میں رہ سکتیں ہیں، البتہ جماع کے اعتبار سے دونوں کو جمع نہیں کر سکتے۔ نیز معلوم ہوا کہ ایک کو اپنی ملکیت سے نکال دے تو دوسری سے جماع کر سکتا ہے۔ کسی کی ملکیت میں باندی تھی لیکن اس سے ابھی تک وطی نہیں کی تھی اور اسکی بہن سے نکاح کر لیا تو منکوحہ سے وطی کر سکتا ہے، کیونکہ ملکیت میں باندی کے ہونے سے وطی شمار نہیں کی جاتی اور جب اس سے وطی نہیں ہوئی تو ایک ہی منکوحہ سے وطی ہوئی اسلئے یہ وطی کے اعتبار سے جمع کرنا نہیں ہوا، اسلئے یہ جائز ہے۔ (اثمار الہدایہ)

**الشق الثانی** ......الـكـفـاءَةُ فی النكاحِ مُعْتَبَرَةٌ قال علیه الصلاة والسلام اَلَا لَا یُزَوِّجُ النِّسَاءَ اِلّا الاولیاءُ وَلَا یُـزَوَّجْـنَ اِلّا مِـنَ الاكـفـاءِ ولِاَنّ انـتـظـامَ الـمصالحِ بینَ المُتَكَافِئِیْنِ عادةً لِاَنّ الشَّرِیفةَ تَأْبٰی اَنْ تَكُوْنَ مُسْتَفرَشَةً للخسیسِ فَلَا بُدَّ مِن اعتبارِها بِخِلافِ جانبِها..... (كتاب النكاح. فصل فی الكفائة)

عبارت کا ترجمہ تحریر کریں۔ بین المتکافیین اور عادۃ ترکیب میں کیا واقع ہیں؟ بیان کیجیے۔ عبارت بالا کی تشریح کرتے ہوئے بتائیں کہ کفاءت کن کن چیزوں میں معتبر ہے؟ بخلاف جانبہا کی وضاحت کیجیے۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت کا ترجمہ ② بین المتکافیین وعادۃ کی ترکیب ③ عبارت کی تشریح ④ کفائت میں معتبر اشیاء ⑤ بخلاف جانبہا کی وضاحت۔

**جواب** ...... ① عبارت کا ترجمہ:۔ نکاح میں کفو معتبر ہے آپ ﷺ کے قول کی وجہ سے کہ عورتوں کی شادی نہ کرائیں مگر اولیاء اور ان کی شادی نہ کرائیں مگر کفو سے اور اسلئے کہ مصلحت کا انتظام دو برابر والوں کے درمیان عادۃً ہوتا ہے اسلئے کہ شریف عورت کی طبیعت انکار کرتی ہے کہ کمینہ مرد کی فراش بنے اسلئے عورت کی جانب سے کفو کا اعتبار کرنا ضروری ہے، بخلاف عورت کی جانب میں کمی ہو تو.....

② بین المتکافیین و عادۃ کی ترکیب:۔ **بین المتکافیین:** یہ عاملِ مقدر کا مفعول فیہ ہو کر انّ کی خبر ہے۔

**عادۃ:** یہ تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

③ و ④ عبارت کی تشریح وکفائت میں معتبر اشیاء:۔ کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الثالث ۱۴۳۶ھ۔

⑤ بخلاف جانبہا کی وضاحت:۔ مرد اگر اپنے سے کم درجے کی عورت سے شادی کر لے تو یہ جائز ہے۔ اسلئے کہ اس صورت میں شوہر عورت کو فراش بناتا ہے پس وہ اگر اپنے سے نیچے درجے کی عورت کو فراش بنا لے اور اس کی طبیعت کو نا گوار نہیں ہے تو وہ کم درجے کی عورت سے شادی کر سکتا ہے۔

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۴ھ

**الشق الاوّل** ......وطلاقُ الـمُكْرَہِ واقعٌ خلافا للشافعیِّ ہو یقول اَنّ الاكراہَ لا یُجامِعُ الاِخْتیارَ وبِہٖ یُعْتَبَرُ التـصرفُ الشرعیُّ بخلافِ الْهَازِلِ لانّہ مختارٌ فی التكلمِ بالطلاقِ ولنا انَّہٗ قَصَدَ ایقاعَ الطلاقِ فِی منكوحَتِہٖ فی حالِ اہلیّتِہٖ فلا یَعْرٰی عن قَضِیَّتِہٖ دفعا لحاجتہ اعتبارًا بِالطَّائعِ وہٰذا لِاَنَّہٗ عَرَفَ الشَّرَّیْنِ وَاخْتارَ اَہْوَنَہُمَا وہٰذا آیۃُ القصدِ و الاختیارِ اِلّا انّہ غَیْرُ راضٍ بِحُكْمِہٖ وذٰلك غیرُ مُخِلٍّ بِہٖ كَالْهَازِلِ۔ (فصل فیمن یقع الطلاق)

عبارت کا ترجمہ تحریر کیجیے۔ دفعا اور اعتبارا کیوں منصوب ہیں؟ عبارت میں موجود اختلافِ فقہاء کو مدلل تحریر کیجیے۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت کا ترجمہ ② دفعا واعتبارا کے منصوب ہونے کی وجہ ③ اختلافِ فقہاء مع دلائل۔

**جواب** ...... ① عبارت کا ترجمہ:۔ مکرَہ (جس سے زبردستی طلاق لی گئی ہو) کی طلاق واقع ہے۔ امام شافعیؒ کا اختلاف ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اکراہ اختیار کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا اور اختیار ہی سے تصرف شرعی کا اعتبار ہوتا ہے بخلاف مذاق کرنے والے کے اسلئے کہ وہ طلاق کے بولنے میں مختار ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ اس کا اپنی منکوحہ میں اہلیت کی حالت میں طلاق واقع کرنے کا ارادہ تھا اسلئے یہ اسکی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے اسکے قضیہ یعنی حکم سے خالی نہیں ہوگا، طائع پر قیاس کرتے ہوئے، اور یہ قصد کرنا اس دلیل

سے معلوم ہوا ہے کہ اس نے دوشر کو پہچانا اور ان دونوں میں سے آسان کو اختیار کیا، اور یہ عمل قصد واختیار کی علامت ہے، مگر یہ کہ مکرہ اس کے حکم سے راضی نہیں ہے، اور یہ تحمل نہیں ہے جیسے مذاق کرنے والا۔

② **دفعا واعتبارا** کے منصوب ہونے کی وجہ:۔ یہ دونوں الفاظ "**لا یعریٰ**" فعل کا مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔

③ اختلاف فقہاء مع دلائل:۔ **کما مرّ فی الشق الاول من السوال الثاني ۱٤٤٣ھ۔**

**الشق الثانی** ......**وان ماتَ الزوجُ بعدَ ما قضی علیه بالنفقة ومضی شهور سقطت النفقة و کذا اذا ماتت الزوجة لان النفقة صلة والصلات تسقط بالموت کالهبةِ تبطل بالموت قبل القبض وقال الشافعی تصیر دینا قبل القضاء ولا تسقط بالموت لانّه عوض عنده فصار سائر الدیون وجوابه قد بیّنّاه۔**

عبارت کا سلیس ترجمہ کیجیے۔ عبارت میں مذکور مسئلہ کی وضاحت اختلافِ ائمہ اوران کے دلائل کے ساتھ بیان کیجیے۔ **وجوابه قد بینّاه** کا مطلب واضح کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت کا ترجمہ ② مسئلہ کی وضاحت واختلافِ ائمہ مع دلائل ③ **وجوابه قد بیّنّاه** کا مطلب۔

**جواب** ...... ① عبارت کا ترجمہ:۔ اگر نفقہ کے فیصلے کے بعد شوہر مرگیا اور کچھ مہینے گزر گئے تو نفقہ ساقط ہوجائے گا۔ ایسے ہی اگر بیوی مرگئی تو نفقہ ساقط ہوجائے گا اس لئے کہ نفقہ صلہ ہے اور صلہ موت سے ساقط ہوجاتا ہے، جیسے قبضے سے پہلے موت ہوجائے تو ہبہ باطل ہوجاتا ہے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ فیصلے سے پہلے بھی نفقہ دَین ہوگا اور موت سے ساقط نہیں ہوگا اسلئے کہ انکے نزدیک نفقہ عوض وبدلہ ہے، پس یہ دیگر دیون کی طرح ہوگیا، اور اس کا جواب ہم پہلے بیان کرچکے ہیں۔

② مسئلہ کی وضاحت واختلافِ ائمہ مع دلائل:۔ قاضی نے زوجہ کیلئے نفقے کا فیصلہ کیا اسکے بعد شوہر کچھ ماہ تک مثلاً تین ماہ تک زندہ رہا لیکن اس مدت کا نفقہ ادا نہیں کیا اور شوہر کا انتقال ہوگیا تو ان تین مہینوں کا نفقہ ساقط ہوجائے گا، عورت شوہر کے چھوڑے ہوئے مال سے وصول نہیں کرسکے گی۔ اسی طرح تین مہینے کا نفقہ عورت نے نہیں لیا تھا اور عورت کا انتقال ہوگیا تو یہ نفقہ بھی ساقط ہوجائے گا، عورت کے ورثہ شوہر سے نفقہ وصول نہیں کرسکتے۔

عقلی دلیل یہ ہے کہ نفقہ صلہ ہے اور صلہ پر جب تک قبضہ نہ کیا جائے ملکیت ثابت نہیں ہوتی، پس اگر شوہر مرگیا تو عورت ورثاء سے وصول نہیں کرسکتی۔ اسی طرح اگر عورت مرگئی تو شوہر سے کون وصول کرے؟ اسلئے کہ قبضہ نہیں ہوسکا پس ہبہ کی طرح یہ نفقہ بھی ساقط ہوجائے گا۔ نقلی دلیل مختلف آثار ہیں: **عن ابی موسی اشعری قال قال عمر بن الخطاب الانحال میراث مالم یقبض وعن عثمان وابن عمر وابن عباس قالوا لا تجوز صدقة حتی تقبض وعن معاذ بن جبل وشریح انهما کانا لا یجیز انها حتی تقبض** ۔ (سنن بیہقی) ان اقوال کا حاصل یہ ہے کہ قبضہ کرنے سے پہلے موہوب لہ کی ملکیت ثابت نہیں ہوگی بلکہ اگر واہب مرگیا تو مال اس کے ورثہ میں تقسیم ہوگا۔

امام شافعیؒ کے نزدیک عورت کا نفقہ صلہ نہیں ہے بلکہ حبس کا بدلہ ہے اسلئے جس طرح مہر یا دوسرے دیون قاضی کے فیصلے سے پہلے شوہر پر قرض ہوتے ہیں اسی طرح نفقہ بھی قاضی کے فیصلے سے پہلے شوہر پر قرض ہوگا اور شوہر یا بیوی کے مرنے سے گزشتہ مہینوں کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا۔ (اثمار الہدایہ)

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

③ **وجوابه قد بینّاه** کا مطلب:۔ امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب بیان کیا جاچکا ہے کہ مہر ملکِ بضع کا بدل ہوچکا ہے پس اگر نفقہ بھی اس کا بدل ہوجائے تو ایک ہی چیز کے دو بدل ہوجائیں گے، جو کہ صحیح نہیں ہے، اس لئے نفقہ بدل نہیں ہے بلکہ صلہ ہے۔ اور صلہ پر جب تک قبضہ نہ کیا جائے ملکیت ثابت نہیں ہوتی۔ (ایضا)

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱٤٤٤ھ

**الشق الاوّل** ......**وانْ قدّم الکفّارةَ علَی الحِنثِ لَم یُجزِئه وقال الشافعیُ یُجزِئه بالمالِ لِانّه اَدّاها بَعدَ السَّبَبِ**

**وھو الیمینُ فَاَشْبَہَ التکفیرَ بَعْدَ الْجَرْحِ ولَنَا اَنّ الکفّارۃ لِسَتْرِ الجِنَایَۃِ ولا جنایۃَ ھٰھُنَا والیمینُ لَیْسَتْ بِسَبَبٍ لِاَنَّہٗ مَانِعٌ غَیْرَ مُفْضٍ بِخِلَافِ الْجَرْحِ لِاَنَّہٗ مُفْضٍ ثُمَّ لا یُسْتَرَدُّ مِن المسکینِ لِوُقُوْعِہٖ صَدَقَۃً۔**

عبارت کا سلیس ترجمہ کریں۔عبارت میں مذکورہ اختلافی مسئلہ کی فریقین کے دلائل کے ساتھ وضاحت کیجیے۔**بخلاف الجرح، لانہ مفض، ثم لایسترد الخ** کی وضاحت کریں۔(کتاب الایمان۔فصل فی الکفارۃ)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت کا ترجمہ ② مذکورہ مسئلہ میں اختلاف مع دلائل ③ **بخلاف الجرح، لانہ مفض، ثم لایسترد الخ** کی وضاحت۔

**جواب** ...... ① عبارت کا ترجمہ:۔ اگر کسی نے حنث سے پہلے کفارہ ادا کر دیا تو یہ کافی نہیں ہوگا۔امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مال کے ذریعے کفارہ دینا کافی ہوگا، اسلئے کہ اس نے سبب یعنی یمین کے بعد کفارہ ادا کیا ہے، لہٰذا یہ زخمی کرنے کے بعد کفارہ دینے کے مشابہ ہوگیا۔ہماری دلیل یہ ہے کہ کفارہ جنایت چھپانے کیلئے ادا کیا جاتا ہے اور یہاں جنایت معدوم ہے اور یمین کفارے کا سبب نہیں ہے، کیوں کہ یمین مانع حنث ہوتی ہے، مفضی الی الحنث نہیں ہوتی۔برخلاف زخم کے، اس لیے کہ زخم مفضی الی الموت ہوتا ہے پھر کفارہ دینے والا مسکین سے واپس نہیں لے سکتا، کیوں کہ وہ صدقہ بن چکا ہے۔

② مذکورہ مسئلہ میں اختلاف مع دلائل:۔ اگر کسی شخص نے قسم میں حانث ہونے سے پہلے ہی کفارہ ادا کر دیا تو ہمارے نزدیک یہ ادائیگی معتبر نہیں ہوگی اور اسے صدقہ شمار کیا جائے گا، امام شافعیؒ کے نزدیک روزے کے علاوہ جملہ انواع یعنی اموال سے پیشگی ادائیگی درست اور معتبر ہے لیکن روزے سے پیشگی کفارہ ادا کرنا معتبر نہیں ہے، کیوں کہ روزہ بدنی عبادت ہے اور عباداتِ بدنیہ کو وقت سے پہلے ادا کرنا صحیح نہیں ہے۔امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ حنث سے پہلے کفارہ کا ادا کرنا اسلئے معتبر ہے کہ وہ اسکے سبب یعنی یمین کے بعد ادا کیا گیا ہے، لہٰذا جس طرح کوئی شخص کسی کو زخمی کرنے کے بعد مجروح کی موت سے پہلے کفارہ دیدے تو یہ کفارہ معتبر ہے اسی طرح اس مسئلہ میں بعد الیمین قبل الحنث ادا کیا جانے والا کفارہ بھی درست اور معتبر ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ کفارہ جنایت چھپانے اور ختم کرنے کیلئے ادا کیا جاتا ہے اور حنث سے پہلے جنایت معدوم ہے۔باقی یمین کفارے کا سبب نہیں ہے، بلکہ کفارے کا سبب حانث ہونا ہے اور یمین حانث ہونے سے مانع ہے، مفضی الی الحنث نہیں ہے، لہذا یمین کفارے کا سبب نہیں ہوگی اور بعد الیمین قبل الحنث کفارے کی ادائیگی بھی معتبر نہیں ہوگی۔

③ **بخلاف الجرح لانہ مفض، ثم لایسترد الخ** کی وضاحت:۔ امام شافعیؒ نے صورتِ مسئلہ کو جو جرح پر قیاس کیا ہے وہ قیاس درست نہیں ہے، کیوں کہ مقیس علیہ اور مقیس میں مناسبت نہیں ہے، اس لیے کہ مقیس علیہ یعنی جرح مفضی الی الموت ہے، اسلئے قبل از موت وہاں کفارہ ادا کرنا درست ہے جب کہ مقیس یعنی یمین مفضی الی الحنث نہیں ہے بلکہ مانع من الحنث ہے، اسلئے اس میں پیشگی کفارہ ادا کرنا معتبر نہیں ہے، اور جب یہ کفارہ معتبر نہیں ہے تو یہ کفارہ معطی اور مودی یعنی حالف کی طرف سے صدقہ شمار ہوگا اور جسے کفارہ دیا گیا ہے اس سے واپس لینا درست نہیں ہوگا، کیوں کہ صدقہ دے دینے کے بعد واپس لینا درست نہیں ہے۔

**الشق الثانی** ......**ومَنْ حَلَفَ لَا یَأکُلُ مِن ھٰذہ الحِنطۃِ لَمْ یَحْنَثْ حَتّٰی یَقْضِمَھَا وَلَوْ اَکَلَ مِنْ خُبْزِھَا لم یَحْنَثْ عندَ ابی حنیفۃَ وقالا اِنْ اَکَلَ مِنْ خُبْزِھَا حَنَثَ اَیْضًا لِاَنَّہٗ مفھوم منہ عُرْفًا ولِاَبِیْ حنیفۃَ اَنّ لہ حقیقۃً مُستعملۃً فَاِنَّھَا تُغْلٰی وتُقْلٰی وتُؤکَلُ قَضْمًا وھی قاضیۃٌ علی المجازِ المتعارفِ علی ما ھو الاصلُ عندہٗ۔**

عبارت بالا پر اعراب لگائیں۔عبارت کا سلیس ترجمہ کیجیے۔عبارت میں امام صاحب اور صاحبینؒ کے اختلاف کی وضاحت کرتے ہوئے بتائیں کہ ان حضرات کا اختلاف کس قاعدہ فقہیہ پر متفرع ہوتا ہے؟۔(باب الیمین فی الاکل والشرب)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت پر اعراب ② عبارت کا ترجمہ ③ اختلاف کی وضاحت ④ متفرع علیہ قاعدہ فقہیہ کی نشاندہی۔

**جواب** ...... ① عبارت پر اعراب:۔ **کما مرّ فی السوال آنفا۔**

0313 0337919 maktabazakariyamultan@gmail.com

② عبارت کا ترجمہ:۔ جس شخص نے قسم کھائی کہ اس گیہوں سے نہیں کھائے گا تو اسے چبا کر کھانے سے پہلے حانث نہیں ہوگا اور اگر اس گیہوں کی روٹی کھالی تو بھی امام اعظمؒ کے نزدیک حانث نہیں ہوگا۔ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس گندم کی روٹی کھالی تو بھی حانث ہو جائے گا، کیوں کہ عرفاً اس سے روٹی کھانا بھی سمجھا جاتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ گندم کھانے کے حقیقی معنی بھی مستعمل ہیں کیوں کہ گیہوں کو ابالا اور بھونا جاتا ہے اور چبا کر کھایا جاتا ہے اور امام صاحبؒ کی اصل کے مطابق حقیقت، مجاز متعارف پر حاکم ہوا کرتی ہے۔

③ اختلاف کی وضاحت:۔ کسی شخص نے یہ قسم کھائی کہ وہ اس متعین گندم میں سے نہیں کھائے گا تو جب تک یہ حالف مشار الیہ گندم چبا چبا کر نہیں کھائے گا اس وقت تک حانث نہیں ہوگا اور اگر اس گیہوں کی روٹی کھائے گا تو بھی امام صاحبؒ کے نزدیک حانث نہیں ہوگا۔ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح حالف چبا کر حنطہ کھانے کی صورت میں حانث ہو جاتا ہے اسی طرح اس حنطہ کی روٹی کھانے سے بھی حانث ہو جائے گا، کیوں کہ عرف میں حنطہ سے اس کی روٹی ہی مفہوم و مراد ہوتی ہے اور قسموں کا مدار چونکہ عرف پر کثرت سے ہے، لہٰذا عرف کی وجہ سے یہاں حالف حانث ہو جائے گا۔ امام اعظمؒ کی دلیل یہ ہے کہ حنطہ اور گندم کو حقیقۃً کھایا جاتا ہے اور اس حوالے سے اس کا استعمال بھی ہوتا ہے چنانچہ جس طرح گیہوں کو اُبال کر اور بھون کر کھایا جاتا ہے اسی طرح چبا کر بھی کچے کھایا جاتا ہے، لہٰذا "لا یاکل من هذه الحنطة" کی قسم بغیر ابالے اور بھونے کچے اور مطلق حنطہ کے نہ کھانے سے متعلق ہوگی۔ امام اعظمؒ کی اصل کے مطابق حقیقت عرف اور مجاز سب پر بھاری ہوتی ہے اس لیے اگر حالف چبا چبا کر حنطہ کھالیتا ہے تو حانث ہو جائے گا اور صاحبینؒ کے یہاں بھی صحیح قول کے مطابق چبا کر کھانے سے حانث ہو جائے گا، کیوں کہ مجازاً اگرچہ ان کے نزدیک حنطہ سے خبز (روٹی) مراد ہے، لیکن مجاز میں عموم ہے اور یہ عموم چبا کر کھانے کو بھی شامل ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے قسم کھائی کہ وہ فلاں کے گھر میں قدم نہیں رکھے گا تو عمومِ مجاز کی وجہ سے اس قسم سے مطلق دخول مراد ہوگا اور حالف اس گھر میں داخل ہونے سے حانث ہوگا خواہ وہ پیدل داخل ہو یا سوار ہو کر اسی طرح صورت مسئلہ میں عمومِ مجاز کی وجہ سے حالف حانث ہوگا خواہ وہ چبا کر حنطہ کھائے یا روٹی بنا کر اور اس عمومِ مجاز کی طرف "ان اکل من خبزها حنث ایضا" میں اشارہ کیا گیا ہے۔

④ متفرع علیہ قاعدہ فقہیہ کی نشاندہی:۔ یہ مسئلہ واختلاف اس اصول پر متفرع ہے کہ کسی لفظ کا حقیقی معنی بھی مستعمل ہو اور اس کیلئے مجازِ متعارف بھی ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حقیقی معنی کے مستعمل ہونے کی صورت میں حقیقی معنی ہی مراد لینا زیادہ بہتر و اولیٰ ہے۔ جبکہ صاحبینؒ کے نزدیک مجازِ متعارف مراد لینا بہتر و اولیٰ ہے۔ (حسامی)

## الورقة الثالثة فی الفقه (هدایه ثانی)

## السوال الاوّل ۱۴۴۵ھ

**الشق الاوّل** ......ويَنعَقِدُ بِلَفظِ النِّكَاحِ وَالتزويجِ وَالهِبَةِ وَالتَّملِيكِ وَالصَّدَقَةِ وقالَ الشَّافِعِيُّ لَا يَنعَقِدُ إلَّا بِلَفظِ النِّكَاحِ و التّزويجِ لِاَنّ التَّملِيكَ لَيسَ حَقِيقَةً فِيهِ وَلَا مَجازًا عَنهُ لِاَنّ التّزويجَ لِلتَّلفِيقِ وَالنِّكَاحَ لِلضَّمِّ وَلَا ضَمَّ وَلا اِزدِوَاجَ بَينَ المَالِ وَالمَملُوكِ اَصلًا، وَلَنَا اَنّ التَّملِيكَ سَبَبٌ لِمِلكِ المُتعَةِ فِى مَحَلِّهَا بِوَاسِطَةِ مِلكِ الرَّقَبَةِ وهُوَ الثّابِتُ بِالنِّكَاحِ وَالسَّبَبِيَّةُ طَرِيقُ المَجَازِ۔ (كتاب النكاح) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کیجیے۔ سوال میں مذکور دلائل کی وضاحت کیجئے۔ نیز بتائیے کہ لفظ اجارہ اور اعارہ سے نکاح منعقد ہوگا یا نہیں؟ وجہ بھی تحریر کیجئے۔

**جواب** ...... ① عبارت پر اعراب:۔ کمامرّ فی السوال آنفا۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

② عبارت کا ترجمہ:۔ اور نکاح منعقد ہوتا ہے لفظِ نکاح، لفظِ تزویج، ہبہ، تملیک اور صدقہ کے ذریعہ، امام شافعیؒ نے فرمایا کہ لفظ نکاح اور تزویج کے علاوہ سے نکاح منعقد نہیں ہوگا، اسلئے کہ نکاح میں نہ تو حقیقت میں تملیک ہے اور نہ مجاز کے اعتبار سے تملیک ہے، اسلئے کہ تزویج تلفیق (چمٹانا) کیلئے آتا ہے اور نکاح ضم (ملانا) کیلئے آتا ہے اور مالک و مملوک کے درمیان نہ ضم ہوتا ہے اور نہ ازدواج (چمٹانا) ہوتا ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ تملیک متعہ کے محل میں ملکِ رقبہ کے سبب سے ملکِ متعہ کا سبب ہے اور نکاح کے ذریعہ ملکِ متعہ ثابت ہے اور سببیت بھی مجاز کا طریقہ ہے۔

③ و ④ کما مرّ فی الشق الاول من السوال الاول ۱۴۳۸ھ۔

**الشق الثانی** ......فَاِذَا غَابَ الْوَلِیُّ الْاَقْرَبُ غَیْبَۃً مُنْقَطِعَۃً جَازَ لِمَنْ ھُوَ اَبْعَدُ مِنْہُ اَنْ یُزَوِّجَ.... وَالْغَیْبَۃُ الْمُنْقَطِعَۃُ اَنْ یَکُوْنَ فِیْ بَلَدٍ لَا تَصِلُ اِلَیْہِ الْقَوَافِلُ فِی السَّنَۃِ اِلَّا مَرَّۃً، وَھُوَ اِخْتِیَارُ الْقُدُوْرِیِّ وَقِیْلَ اَدْنٰی مُدَّۃِ السَّفَرِ لِاَنَّہٗ لَا نِھَایَۃَ لِاَقْصَاہُ وھو اِخْتِیَارُ بَعْضِ الْمُتَأَخِّرِیْنَ وَقِیْلَ اِذَا کَانَ بِحَالٍ یَفُوْتُ الْکُفُوُ بِاسْتِطْلَاعِ رَأْیِہٖ، وھٰذَا اَقْرَبُ اِلَی الْفِقْہِ لِاَنَّہٗ لَا نَظَرَ فِیْ اِبْقَاءِ وِلَایَتِہٖ حِیْنَئِذٍ۔ (باب فی الاولیاء و الاکفاء)

عبارت پر اعراب لگا کر سلیس ترجمہ کیجیے۔ عبارت کی تشریح کرتے ہوئے غیبتِ منقطعہ سے متعلق اقوال کی وضاحت کیجیے اور ان میں مفتی بہ قول کی نشاندہی کیجیے۔ شارح کے قول: وھٰذا اقرب الی الفقہ کا مطلب بیان کیجئے۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا خلاصہ درج ذیل امور ہیں: ① عبارت پر اعراب ② عبارت کا ترجمہ ③ عبارت کی تشریح، غیبتِ منقطعہ سے متعلق اقوال اور مفتٰی بہ قول ④: وھٰذا اقرب الی الفقہ کا مطلب۔

**جواب**...... ① عبارت پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

② عبارت کا ترجمہ:۔ اگر غائب ہو جائے ولی اقرب غیبتِ منقطعہ کے طور پر تو اس کے دور والے ولی کیلئے یہ جائز ہے کہ وہ اس کی شادی کرادے۔ اور غیبت منقطعہ یہ ہے کہ ایسے شہر میں ہو کہ قافلہ وہاں تک سال میں صرف ایک مرتبہ ہی پہنچتا ہو، یہ قول امام قدوری کا اختیار کیا ہوا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ سفر کی ادنی مدت ہے، اسلئے کہ زیادہ کی تو کوئی انتہا نہیں ہے، یہ مسلک بعض متاخرین کا اختیار کیا ہوا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ولی اقرب اس حال میں ہو کہ اس کی رائے کے معلوم کرنے سے کفو فوت ہو جائے۔ اور یہ مسلک فقہ کے زیادہ قریب ہے اسلئے کہ اس وقت اس کی ولایت کے باقی رکھنے میں کوئی مصلحت نہیں ہے۔

③ عبارت کی تشریح، غیبتِ منقطعہ سے متعلق اقوال اور مفتٰی بہ قول:۔ بچہ کا قریب کا ولی ہے لیکن اس بچے سے اتنا دور رہتا ہے کہ اس کا ہر وقت آنا اور نکاح کرانا مشکل ہے تو اس سے دور کا ولی جو بچے کے قریب ہو اس کو حق ہے کہ بچے یا بچی کی شادی کرادے۔ دلیل یہ ہے کہ دور کے ولی کا انتظار کرے گا تو ہو سکتا ہے کہ ملا ہوا جوڑا ہاتھ سے نکل جائے اور پھر ایسا جوڑا نہ ملے، اسلئے دور کے ولی کو نکاح کرانے کا حق ہوگا۔ نیز یہ ولایت مصلحت کیلئے ہے اور قریب کے ولی کے دور ہونے کی وجہ سے مصلحت اسی میں ہے کہ دور کے ولی کو حقِ نکاح دے دیا جائے۔ غیبت منقطعہ کی تفسیر میں یہاں تین قول ذکر کئے گئے ہیں:

① امام قدوری کا اختیار کردہ قول یہ ہے کہ قریب کا ولی اتنی دوری پر رہتا ہو کہ وہاں تک قافلہ سال بھر میں صرف ایک مرتبہ جاتا ہو۔ ② بعض متاخرین (جن میں قاضی ابو علی نسفی، سعد بن معاذ، ابو عصمہ مروزی، صدر الشہید، محمد بن رازی شامل ہیں) کا اختیار کردہ مسلک یہ ہے کہ ولی اقرب مدت سفر کی مسافت پر ہو تو اس کو دور سمجھا جائے گا اور ولی ابعد کو ولایت ہوگی، اسکی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ مدتِ سفر کی کوئی انتہا نہیں ہے اسلئے ادنی مدتِ سفر کو دوری کا معیار قرار دیا جائے گا اور وہ اڑتالیس میل ہوتا ہے۔ ③ بعض حضرات (جن میں شمس الائمہ سرخسیؒ شامل ہیں) نے فرمایا کہ ولی اقرب اتنی دوری پر ہو کہ اس کی رائے معلوم کرتے کرتے جوڑا ہی ختم ہونے اور کفو جاتا رہنے کا اندیشہ ہو تو اس وقت ولی ابعد کو ولایتِ نکاح حاصل ہو جائے گی۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ ولایت مصلحت کیلئے ہے اور اسکی ولایت باقی رکھنے میں مصلحت ہی فوت ہو جائے تو اسکی ولایت باقی رکھنے میں کیا فائدہ ہے؟ اسی وجہ سے جامع صغیر میں لکھا ہے کہ اگر کوئی ولی شہر میں چھپ گیا اور اسکے متعلق کسی کو علم نہیں ہے تو یہ بھی غیبتِ منقطعہ ہوگی۔ (اشرف الہدایہ واحسن الہدایہ)

④ وھٰذا اقرب الی الفقہ کا مطلب:۔ اس جملہ سے صاحبِ ہدایہ نے اس قولِ ثالث کے فقہ وفتوی کے زیادہ قریب ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے اور اشارۃً اس قول کی پسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔ یہ ساری تفصیل اس زمانہ سے متعلق ہے جب مختلف ممالک سے سفارتی تعلقات انتہائی دشوار تھے، ٹیلی فون یا موبائل وغیرہ کا نظام معدوم تھا، ایک دوسرے سے ملنے اور کوئی بات کہنے یا کرنے کیلئے سفر کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا، مگر آج کا دور انتہائی ماڈرن اور ترقی پذیر دور ہے، انسان منٹوں وسیکنڈوں میں پوری دنیا سے رابطے قائم کرسکتا ہے اور موبائل فون اس قدر عام ہیں کہ اطلاع اور واقفیت کا کوئی مسئلہ ہی نہیں رہ گیا، لہٰذا اس زمانے کو مدنظر رکھتے

ہوئے دوسرا قول اختیار کرنا زیادہ بہتر اور مناسب ہے، جیسا کہ صاحب فتح القدیر وعلامہ عینی نے اسی کو مفتی بہ قرار دیا ہے۔ (ایضا)

## السوال الثانی ۱۴۴۵ھ

**الشق الاوّل** ...... وإذا طَلَّقَ الرَّجُلُ إمرأتَهٗ ثَلَاثًا قبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا وَقَعْنَ عَلَيْهَا لِاَنَّ الْوَاقِعَ مَصْدَرٌ محذوفٌ لِاَنَّ مَعْنَاهُ طَلَاقًا ثلاثًا بَائِنًا عَلٰى مَا بَيَّنَّاهُ فَلَمْ يَكُنْ قَوْلُهٗ اَنْتِ طَالِقٌ اِيْقَاعًا عَلٰى حِدَةٍ فَيَقَعْنَ جُمْلَةً.... وَلَوْ قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً فَمَاتَتْ قَبْلَ قَوْلِهٖ وَاحِدَةً كَانَ بَاطِلًا لِاَنَّهٗ قَرَنَ الْوَصْفَ بِالْعَدَدِ فَكَانَ الْوَاقِعُ هُوَ الْعَدَدُ فَاِذَا مَاتَتْ قَبْلَ ذِكْرِ الْعَدَدِ فَاتَ الْمَحَلُّ قَبْلَ الْاِيْقَاعِ فَبَطَلَ۔ (فصل فی الطلاق قبل الدخول)

عبارت پر اعراب لگا کر سلیس ترجمہ کیجیے۔ عبارت کی تشریح کیجیے۔ طلاق کنایہ، طلاق مفوضہ، ظہار اور ایلاء کی تعریف کیجئے۔

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال کا خلاصہ درج ذیل امور ہیں: ① عبارت پر اعراب ② عبارت کا ترجمہ ③ عبارت کی تشریح ④ طلاق کنایہ، طلاق مفوضہ، ظہار اور ایلاء کی تعریف۔

**جواب** ...... ❶ عبارت پر اعراب:۔ **کما مرّ فی السوال آنفا۔**

❷ عبارت کا ترجمہ:۔ جب مرد اپنی بیوی کو دخول سے پہلے تین طلاق دے تو سب واقع ہو جائیں گی، اسلئے کہ جو طلاق واقع ہوگی وہ مصدر محذوف ہے اسلئے کہ اس کا معنی **طلاقا ثلاثا بائنا** ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا، پس اس کا قول **انت طالق** کا الگ سے وقوع نہیں ہوگا اسلئے سب طلاقیں یکبارگی واقع ہوں گی.... اور اگر مرد نے عورت سے کہا: **انت طالق واحدة** اور **واحدة** کہنے سے پہلے عورت مرگئی تو یہ جملہ باطل ہو جائے گا، اسلئے کہ اس نے ''طالق'' وصف کو عدد کے ساتھ ملایا ہے اس لئے عدد سے ہی طلاق واقع ہوگی، پس جب عدد کے ذکر سے پہلے عورت مرگئی تو واقع ہونے سے پہلے محل فوت ہوگیا اسلئے کلام باطل ہو جائے گا۔

❸ عبارت کی تشریح:۔ اس عبارت میں دو مسئلے بیان کیے گئے ہیں: ① اگر شوہر نے اپنی غیر مدخول بہا بیوی کو **انت طالق ثلاثا** کے الفاظ سے تین طلاق دیں تو تینوں طلاق واقع ہوں گی۔ دلیل یہ ہے کہ یہاں شوہر نے وصف طلاق یعنی طلاق کو عدد یعنی ثلاثا کے ساتھ ملا کر ذکر کیا ہے اور جب وصف کو عدد کے ساتھ ملا کر ذکر کیا جائے تو وقوع طلاق کا مدار وصف پر نہیں بلکہ عدد پر ہوتا ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی: **انت طالق طلاقا ثلاثا** اور چوں کہ یہاں شوہر نے ثلاث کا عدد ذکر کیا ہے اسلئے وصف اور عدد دونوں مل جائیں گے اور یک بارگی بیوی پر تین طلاق واقع ہوں گی، ایسا نہیں ہے کہ **انت طالق** سے ایک واقع ہو جائے اور ایک ہی سے بائنہ ہونے کی بنا پر بقیہ دو طلاق بیوی پر واقع نہ ہو سکیں گی۔ ② شوہر نے بیوی کو **انت طالق واحدة** کہا، مگر واحدة کہنے سے پہلے ہی بیوی مرگئی تو اب شوہر کا یہ ایقاع باطل ہوگا اور کوئی طلاق واقع نہ ہوگی، اسلئے کہ یہاں شوہر نے وصفِ طلاق یعنی طالق کو عدد یعنی واحد سے متصف کر دیا ہے اور طلاق کو عدد کے ساتھ متصف کرنے کی صورت میں وقوعِ طلاق کا مدار عدد پر ہوتا ہے، اسلئے عدد ہی سے طلاق واقع ہوگی اور چوں کہ ذکرِ عدد سے پہلے ہی بیوی مر چکی ہے اسلئے گویا کہ وہ ایقاع سے پہلے مر چکی ہے اور ایقاع سے پہلے مرنے کی صورت میں محل کے فوت ہونے کی وجہ سے طلاق نہیں واقع ہوتی، لہٰذا یہاں فواتِ محل کی وجہ سے طلاق واقع نہ ہوگی، مرد کا یہ کلام باطل ہو جائے گا۔ (احسن الہدایہ ۴:۳۸۳)

❹ طلاق کنایہ، طلاق مفوضہ، ظہار اور ایلاء کی تعریف:۔ طلاقِ کنایہ: مرد کا اپنی بیوی کو ایسے لفظ سے طلاق دینا جو طلاق اور غیرِ طلاق دونوں کا احتمال رکھتا ہو مگر متکلم کی نیت یا دلالتِ حال کی وجہ سے طلاق والا معنی راجح ہو۔ جیسے اِعْتَدِّیْ کا معنی عدت شمار کرنا بھی ہے اور اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا بھی ہے۔ پس متکلم سے پوچھا جائے گا کہ اس کی نیت عدت شمار کرنے کی ہے یا نعمتوں کو شمار کرنے کی۔

طلاقِ مفوضہ: مرد کا اپنی بیوی کو یا کسی دوسرے آدمی کو طلاق دینے کا اختیار دینا۔ یعنی شوہر اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ تو اپنے نفس کو طلاق دے یا غیر مرد کو طلاق دینے کا اختیار سپرد کرتا ہے تو یہ طلاقِ مفوضہ ہے۔

ظہار و ایلاء: **کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الثانی ۱۴۳۸ھ وفی الشق الاول من السوال الاول ۱۴۳۱ھ**

**الشق الثانی** ...... فَاِنِ امتنع منه حبسه الحاكمُ حتّی يلاعن او يُكَذِّبَ نفسَه لانّه حقٌّ مستحقٌ عليه، وهو قادر علی ايفائه فيُحْبَسُ به حتّی يأتیَ بما هو عليه او يُكَذِّبَ نفسه ليرتفع السببُ، ولو لاعن

**وجب علیها اللعانُ لما تلونا من النص الّا انّه یَبْتَدِأ بالزوج لانّه هو المدّعی۔(باب اللعان)**

عبارت کا ترجمہ کیجیے۔عبارت کی مکمل تشریح کیجیے۔لعان کی تعریف لکھئے۔نیز سببِ لعان،شروطِ لعان اور حکم لعان تحریر کیجیے۔

**جواب** ...... ① عبارت کا ترجمہ:۔ اگر شوہر لعان کرنے سے انکار کردے تو حاکم اسے قید کردے یہاں تک کہ وہ لعان کرلے یا اپنے آپ کو جھوٹا قرار دے، کیوں کہ یہ شوہر پر حق واجب ہے اور وہ اسے پورا کرنے پر قادر بھی ہے لہٰذا اسکے بدلے میں اسے قید کیا جائے گا یہاں تک کہ شوہر حقِ واجب کو ادا کردے یا اپنے آپ کو جھٹلا دے تاکہ سبب ختم ہوجائے۔اور اگر شوہر نے لعان کرلیا تو بیوی پر بھی لعان کرنا واجب جائے گا اس نص کی وجہ سے جو ہم نے تلاوت کی،لیکن لعان کی ابتدا شوہر سے کی جائے گی اسلئے کہ وہ مدعی ہے۔

② عبارت کی تشریح:۔ اس عبارت میں تہمت لگانے کے بعد لعان نہ کرنے والے خاوند کا حکم بیان کیا گیا ہے، چنانچہ فرمایا کہ تہمت لگانے کے بعد اگر بیوی مطالبہ کرے تو شوہر پر لعان کرنا واجب ہے،لیکن اگر شوہر لعان سے انکار کردے تو حاکمِ وقت اسے محبوس وقید کردے گا یہاں تک کہ وہ لعان کرلے یا اپنے آپ کو جھوٹا قرار دے تاکہ کاروائی کی جاسکے۔انکار کرنے پر حاکمِ وقت اسلئے اسے محبوس کرے گا کہ قذف لگانے کی وجہ سے شوہر پر لعان کرنا ایک حق بن کر واجب ہوچکا ہے اور وہ اس حق کو پورا کرنے پر قادر بھی ہے لہٰذا اب اسکی رہائی اور خلاصی کا صرف یہی راستہ ہے کہ وہ لعان کرے یا خود کو جھوٹا بتادے تاکہ لعان کا سبب یعنی زوجین میں سے ایک کا دوسرے کی تکذیب کرنا ختم ہوجائے اور شوہر پر حدِ قذف جاری کردی جائے اور اگر وہ لعان کرلیتا ہے تو پھر بیوی سے کہا جائے گا کہ وہ بھی لعان کرے، اسلئے کہ نص میں بیوی کیلئے بھی لعان کرنے کا حکم مذکور ہے چنانچہ فرمایا: **ویدرؤا عنها العذابَ اَن تشهد اربع شهادات باللّٰه الخ** تاہم لعان کی ابتدا شوہر سے کی جائے گی کیوں کہ شوہر ہی اس کا مدعی ہے،اس نے اپنی عورت پر تہمت لگا کر لعان کا دروازہ کھولا ہے۔

③ لعان کی تعریف، سبب، شرائط وحکم:۔ لعان باب مفاعلہ کا مصدر ہے،لغوی معنی بھگانا اور رحمت سے دور کرنا ہے۔

شرعی معنی:لعن اور غضب سے ملی ہوئی وہ چار شہادتیں وگواہیاں جو قسم کے ساتھ مؤکد ہوکر زوجین میں جاری ہوتی ہیں۔

لعان کا سبب مرد کا اپنی بیوی پر ایسی تہمت لگانا ہے جو موجبِ قذف ہو۔ لعان کی شرط نکاح کا قیام اور اس کی بقا ہے۔

لعان کا حکم:لعان کے بعد مرد کا اپنی بیوی سے مباشرت اور وطی کرنا حرام ہوجاتا ہے۔(احسن الهدایہ)

## السوال الثالث ۱۴۴۵ھ

**الشق الاوّل** ......**وَمَنْ حَلَفَ لَا یَسْكُنُ هٰذِهِ الدَّارَ فَخَرَجَ بِنَفْسِهٖ وَمَتَاعُهٗ و اَهلُهٗ فِیْهَا ولَمْ یُرِدِ الرُّجُوْعَ اِلَیهَا حَنَثَ.... وَلَوْ كَانَ الْیَمِیْنُ عَلَی الْمِصْرِ لَا یَتَوَقَّفُ الْبِرُّ عَلٰی نَقْلِ الْمَتَاعِ وَالْاَهْلِ فِیْمَا رُوِیَ عَنْ اَبِیْ یُوْسُفَؒ** ۔

اعراب لگا کر سلیس ترجمہ کیجیے۔دونوں مسئلوں میں فرق کی وجہ تحریر کیجیے۔اقسامِ یمین لکھیں اور کفارہ کی وضاحت کیجیے۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا خلاصہ درج ذیل امور ہیں:① عبارت پر اعراب ② عبارت کا ترجمہ ③ مسائل میں فرق کی وجہ ④ اقسامِ یمین وکفارہ کی وضاحت۔ (باب الیمین فی الدخول والسکنیٰ)

**جواب** ...... ① عبارت پر اعراب:۔ **كما مرّ فی السوال آنفا۔**

② عبارت کا ترجمہ:۔ جس شخص نے قسم کھائی کہ میں اس گھر میں سکونت نہیں کروں گا پھر وہ خود تو نکل گیا مگر اس کا سامان اور اہل وعیال اُسی گھر میں موجود ہیں اور اس کا واپس اُس گھر میں لوٹنے کا ارادہ نہیں ہے تو وہ حانث ہوجائے گا....اور اگر اس نے شہر میں نہ رہنے کی قسم کھائی تو امام ابو یوسفؒ سے مروی روایت کے مطابق سامان اور اہل وعیال کے منتقل کرنے پر قسم کا پورا ہونا موقوف نہیں ہوگا۔

③ مسائل میں فرق کی وجہ:۔ سوال میں موجود دونوں مسئلوں میں فرق کیا گیا ہے کہ پہلے مسئلہ میں سامان اور اہل وعیال کے گھر میں موجود ہونے کی وجہ سے حانث ہو رہا ہے اور دوسرے مسئلہ میں سامان اور اہل وعیال کی شہر میں موجودگی کے باوجود قسم پوری ہو رہی ہے اور حانث قرار نہیں دیا گیا۔ فرق کی وجہ یہ ہے کہ پہلے مسئلہ میں اہل وعیال اور ساز وسامان کے اس گھر میں باقی رہنے سے عرفاً اس شخص کو بھی اس گھر کا باشندہ قرار دیا جائے گا اور صرف اس کا نکلنا کما حقہ اور کلی طور پر نکلنا شمار نہیں ہوگا اسلئے وہ حانث ہوجائے گا۔اس کی مثال وہ بازاری شخص ہے جو دن بھر بازار میں رہتا ہے لیکن جب اس سے اس کی رہائش کے بارے میں پوچھا

جائے تو وہ یہی کہتا ہے کہ میں فلاں محلے میں رہتا ہوں۔ اس مسئلہ میں بھی اس کے اہل وعیال اور سامان جس دار میں مقیم ہیں وہ شخص بھی وہیں کا مقیم شمار کیا جائے گا اور حانث ہو جائے گا۔ دوسرے مسئلہ میں صرف حالف کے اس شہر سے نکلنے سے قسم پوری ہو جائے گی اور قسم کا پورا ہونا اس کے اہل وعیال کے اس شہر سے منتقل ہونے پر موقوف نہیں ہوگا۔ کیونکہ انسان جس شہر سے نکل جاتا ہے عرفاً اس شہر کا باشندہ نہیں کہلاتا ہے اگر چہ اس کے اہل وسامان اسی شہر میں ہوں۔

④ **اقسام یمین وکفارہ کی وضاحت:۔** **كما مرّ فی الشق الثانی من السوال الثالث ١٤٣٩ و ١٤٤٠ھ۔**

**الشق الثانی** ......**ومن قال: اِنْ لَبِسْتُ اواَكَلْتُ او شَرِبْتُ فعبدی حُرٌّ وقال: عَنَيْتُ شيئا دُوْنَ شيئٍ لَمْ يُدَيَّنْ فی القضاءِ وغيرِه، لِاَنَّ النيةَ اِنَّما تصحُّ فی الملفوظِ والثوبُ وما يُضَاهِيهِ غيرُ مذكورٍ تنصيصًا، والمقتضی لا عموم له، فَلَغَتْ نيةُ التخصيص فيه واِنْ قال اِنْ لبستُ ثوبا او اكلتُ طعاما او شرِبْتُ شرابا لم يُدَيَّنْ فی القضاءِ خاصّةً۔** عبارت کا ترجمہ کیجئے۔ مسئلہ کی دونوں صورتیں واضح کرتے ہوئے دونوں کے حکم میں وجہ فرق بیان کیجیے۔ خط کشیدہ عبارت کی مکمل وضاحت کیجئے۔ **(باب الیمین فی الاکل و الشرب)**

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا خلاصہ درج ذیل امور ہیں: ① عبارت کا ترجمہ ② مسئلہ کی دونوں صورتوں کی وضاحت اور حکم میں فرق کی وجہ ③ خط کشیدہ عبارت کی وضاحت۔

**جواب** ...... ① **عبارت کا ترجمہ:۔** کسی نے کہا: اگر میں نے پہنا یا اگر میں نے کھایا یا اگر میں نے پیا تو میرا غلام آزاد ہے اور کہتا ہے کہ میں نے کسی متعین چیز کی نیت کی تھی تو قضاءً وغیرہ (دیانۃً) اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، اسلئے کہ فعل کے بعد مفعول ذکر کیا جائے تو اس میں نیت صحیح ہوتی ہے اور کپڑا اور دیگر اشیاء جو اس کے مشابہ ہیں وہ یہاں مذکور نہیں ہیں۔ اور مقتضی میں عموم نہیں ہوتا، اسلئے اس میں تخصیص کی نیت بھی صحیح نہیں ہوگی۔ اگر لبستُ کے بعد "ثوبا" کہا یا "اکلت" کے بعد "طعاما" کہا یا "شربت" کے بعد "ماءً" کہا اور کسی خاص کپڑے کی نیت کی تو قضاءً یہ نیت نہیں مانی جائے گی (دیانۃً مان لی جائے گی)۔

② **مسئلہ کی دونوں صورتوں کی وضاحت اور حکم میں فرق کی وجہ:۔** ① اگر کسی شخص نے کہا "اِن لبستُ" یا کہا "اِنْ اکلتُ" یا کہا "اِنْ شربتُ فعبدی حرٌّ" اور کسی بھی فعل کے بعد اس کے مفعول کو ذکر نہیں کیا تو کسی بھی کپڑا پہننے، کھانا کھانے، کسی بھی قسم کا پانی پینے سے یہ شخص حانث ہو جائے گا۔ یہ حالف کسی کپڑا، کھانا اور پانی کی تخصیص وتعیین کی نیت کا قول اختیار کرتا ہے تو نہ قضاءً اسکی نیت کا اعتبار کیا جائے گا اور نہ دیانۃً اسکی نیت معتبر ہوگی۔ ② اگر کسی نے کہا اِن **لبثتُ ثوبا فعبدی حرٌّ** یعنی "لبستُ" کے بعد "ثوبا" کا ذکر کیا تو یہاں مفعول مذکور ہے اسلئے کسی خاص کپڑے کی نیت کی تو قضاءً اسکی نیت نہیں مانی جائے گی، کیوں کہ کپڑا عام ہے، لیکن دیانۃً مان لی جائے گی، کیوں کہ مفعول مذکور ہے۔ اسی طرح "اکلت" کے بعد "طعاما" کا ذکر کیا اور "شربت" کے بعد "شرابا" کا ذکر کیا تو چونکہ مفعول مذکور ہے اسلئے خاص کھانے اور خاص پینے کی نیت کرنا دیانۃً جائز ہوگا قضاءً اسکی بات نہیں مانی جائے گی۔ دلیل یہ ہے کہ "لبستُ" سے پہلے "اِنْ" شرطیہ ہے اور "لبستُ" کے بعد "ثوبا" نکرہ ہے جو عموم چاہتا ہے، اسلئے کسی بھی کپڑے کو پہنے گا تو غلام آزاد ہو جائے گا، چونکہ اس میں عموم آ گیا ہے اسلئے اس میں خاص کپڑے کی نیت کر سکتا ہے، لیکن یہ ظاہر کے خلاف ہے اسلئے دیانۃً تو اس کا قول مانا جائے گا، قضاءً نہیں مانا جائے گا۔

③ **خط کشیدہ عبارت کی وضاحت:۔** قائل وحالف کی نیت ملفوظ میں معتبر ہوتی ہے، مذکورہ پہلے مسئلہ میں مفعول لفظوں میں مذکور نہیں ہے اسلئے اس میں بعض اشیاء کی تعیین وتخصیص میں نہ قضاءً اسکی نیت کا اعتبار کیا جائے گا اور نہ دیانۃً اسکی نیت معتبر ہوگی۔ نیز جو چیز ملفوظ و مذکور نہ ہو بلکہ مقتضی ہو تو اس میں بھی عموم نہیں ہوتا، پس جب اس میں عموم نہیں ہے تو اس میں بھی تخصیص وتعیین کا قول معتبر نہیں ہوگا۔

0313 6307913 maktabatuzzakariyamultan@gmail.com

﴿وصلّی اللہ علی النبیّ الامیّ الکریم﴾

تنظیم المدارس، کنز المدارس، نظام المدارس، وفاق المدارس العربیہ اور دیگر بورڈز
کی کتابیں، داخلہ جات، امتحانی مسائل کے حل، گزشتہ پیپرز، اور دیگر اپڈیٹس حاصل
کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ وزٹ کریں۔

www.ahlesunnatboardspak.com

## Follow Our Social Media Account:

1. **Whatsapp Channel (https://whatsapp.com/channel/0029VaFmkdD0VycHbvDRY70I)**
2. **Youtube (https://youtube.com/@ahlesunnatboards)**
3. **Tiktok (https://www.tiktok.com/@ahlesunnatboardspak)**
4. **Facebook Page (https://www.facebook.com/ahlesunnatboardspak)**

# الورقة الرابعة : طحاوی شریف

## ﴿الورقة الرابعة : طحاوی شریف﴾

### ﴿السوال الاوّل﴾ ١٤٣٧ھ

**الشق الاوّل** ...... عن خالد الحذاء عن ابی قلابة عن انس بن مالك قال امر بلال ان يشفع الاذان ويوتر الاقامة ۔ (ص۱۰۰۔حقانیہ)

الفاظِ اقامت کے ایتار وتکرار میں علماء کے اقوال تحریر کریں، ائمہ کا اختلاف دلائل کی روشنی میں تحریر کریں۔ نیز نظرِ طحاوی کی وضاحت کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل دو امور ہیں (۱) الفاظِ اقامت کے ایتار وتکرار میں اختلاف مع الدلائل (۲) نظرِ طحاوی کی وضاحت۔

**جواب** ...... ① الفاظِ اقامت کے ایتار وتکرار میں اختلاف مع الدلائل:۔ مذہب نمبر ①: امام مالکؒ، ربیعۃ الرائےؒ اور اہلِ مدینہ کے نزدیک کلماتِ اقامت دس ہیں۔ لفظ اللہ اکبر دو مرتبہ، شہادتین دو مرتبہ، حیعلتین دو مرتبہ، قد قامت الصلوٰۃ ایک مرتبہ، پھر لفظ اللہ اکبر دو مرتبہ پھر کلمۂ توحید ایک مرتبہ۔ یہ کل دس کلمات ہوئے۔ یہی لوگ کتاب کے اندر **فذهب قوم** کے مصداق ہیں۔

مذہب نمبر ②: امام شافعی، امام احمدؒ، اسحٰق ابن راہویہؒ، امام اوزاعیؒ، حسن بصریؒ، اہلِ مصر، اہلِ یمن، اہلِ شام اور اہلِ حجاز کے نزدیک کلماتِ اقامت گیارہ ہیں یعنی مذہب نمبر ① کے نزدیک جس طریقے پر اقامت ہے ان کے نزدیک بھی اسی طریقے پر ہے البتہ قد قامت الصلوٰۃ فریقِ اوّل کے نزدیک ایک مرتبہ ہے اور فریقِ ثانی کے نزدیک دو مرتبہ ہے۔ یہی لوگ **خالفهم آخرون في حرف واحد من ذالك** کے مصداق ہیں۔ مذہب نمبر ③: امام ابوحنیفہؒ، سفیان ثوریؒ، عبداللہ بن مبارکؒ اور اہلِ کوفہ کے نزدیک کلماتِ اقامت سترہ ہیں، یعنی اقامت میں وہ تمام کلمات ہوتے ہیں جو اذان میں کہے جاتے ہیں اور ساتھ ساتھ دو مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کا اضافہ بھی ہے، یہی لوگ **و خالفهم في ذالك آخرون** کے مصداق ہیں۔

مذہبِ اوّل کی دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو کلماتِ اذان جفت (دو مرتبہ) اور کلماتِ اقامت طاق (ایک مرتبہ) کا حکم دیا گیا ہے اور یہ حدیث سات اسناد سے مروی ہے۔

مذہبِ ثانی کے دلائل: ① حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا تھا کہ کلماتِ اذان جفت طریقہ سے اور کلماتِ اقامت طاق طریقہ سے کہیں مگر **قد قامت الصلوٰة** میں جفت کریں۔ یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دو سندوں کے ساتھ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک سند کے ساتھ منقول ہے ② کلماتِ اذان دو قسم پر ہیں ایک وہ کلمات جو صرف ایک مقام میں کہے جاتے ہیں دوسرے وہ کلمات جو دو مقام میں کہے جاتے ہیں جیسے کلمۂ تکبیر اور کلمۂ شہادت۔ یہ دوسری قسم کے کلمات جو دو مقام میں ذکر کئے جاتے ہیں وہ مقام نمبر دو میں مقام نمبر ایک کے مقابلہ میں نصف ذکر کئے جاتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ جو بعد میں ذکر کئے جاتے ہیں وہ نصف ہو جاتے ہیں اور اقامت فی نفسہٖ ابتداء اور شروع میں نہیں ہوا کرتی، بلکہ اذان کے بعد ہوا کرتی ہے۔ لہٰذا وہ کلماتِ اقامت جو اذان میں مذکور ہوتے ہیں وہ اقامت میں اذان کے مقابلہ میں آدھے ہو جائیں گے اور وہ کلماتِ اقامت جو اذان میں مذکور نہیں ہوتے وہ اقامت میں دو دو مرتبہ ہوا کریں گے جیسا کہ قد قامتِ الصلوٰۃ ہے۔ لہٰذا اقامت کے اندر نو کلمات اذان میں سے لئے گئے اور دو کلمات قد قامتِ الصلوٰۃ ہوں گے تو کُل گیارہ کلمات ہو جائیں گے۔

مذہبِ ثالث کے دلائل: ① حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی واضح روایت موجود ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اُسی طریقہ پر اقامت سکھلائی تھی جس طریقہ پر اذان سکھلائی تھی چنانچہ جب انہوں نے اذان سکھلائی تو دو دو مرتبہ اذان دی اور جب اقامت سکھلائی تو وہ بھی دو دو مرتبہ کہی۔ پس یہ مفصل روایت تمہاری مجمل روایت کے مقابلہ میں راجح ہے اور یہ روایت تین سندوں کے ساتھ منقول ہے ② زمانۂ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ دو دو مرتبہ اذان دیا کرتے تھے اور دو دو مرتبہ ہی اقامت کہا کرتے تھے، معلوم ہوا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا عمل اس روایت کے مخالف ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کے متعلق نقل فرمائی ہے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا عمل سید المؤذنین ہونے کی وجہ سے دوسروں

0313 0351913 maktabazakariyamultan@gmail.com

کی روایت کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہوگا، لہٰذا عملِ بلال رضی اللہ عنہ کو ترجیح حاصل ہوگی اور اذان واقامت میں صرف اتنا فرق ہے کہ اقامت میں دومرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کا اضافہ ہوگا ③ حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کی طرح اقامت بھی دودومرتبہ سکھلائی ہے اور حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں الفاظِ اقامت سب کے سب موجود ہیں، لہٰذا کہنا ہوگا کہ اذان میں پندرہ کلمات ہیں اور دومرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کا اضافہ کرکے اقامت میں سترہ کلمات ہونگے ④ زمانہ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت سے اقامت دودومرتبہ منقول ہے، یہاں تین صحابہ (حضرت سلمہ بن اکوع، ثوبان، ابومحذورہ رضی اللہ عنہم) کا عمل منقول ہے ⑤ امام مجاہدؒ کا فتویٰ ہے کہ اصل اقامت دومرتبہ ہے۔ امراء نے اپنی تخفیف کیلئے ایک مرتبہ کارواج ڈالا ہے۔(ایضاح الطحاوی ج ۱ ص ۳۷۷)

**②** نظرِ طحاوی کی وضاحت:۔ نظرِ طحاوی کا حاصل یہ ہے کہ حیعلتین کے بعد لفظِ اللہ اکبر کے دومرتبہ کہے جانے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور اس میں تنصیف ممکن ہے، تو ہم نے غور کرکے دیکھا کہ جس طرح اذان کے اندر **حی علی الفلاح** کے بعد کلمۂ تکبیر دومرتبہ کہا جاتا ہے اسی طرح اقامت میں بھی کلمۂ تکبیر دومرتبہ کہا جاتا ہے، لہٰذا اقامت کے بقیہ کلمات بھی اذان کے بقیہ کلمات کی طرح مستعمل ہونگے، اسلئے کہ یہاں پر تنصیف ممکن ہونے کے باوجود اقامت میں تنصیف نہیں کی گئی، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں کا حکم برابر ہے تو جس طرح اذان دودومرتبہ دی جاتی ہے اسی طرح اقامت بھی دودومرتبہ ہی کہی جائے گی۔(ایضاً)

**الشق الثانی** ......**عَنْ اُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ قَالَتْ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِیْ بَیْتِهِ الْمَغْرِبَ فِیْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ مُتَوَشِّحًا بِهٖ فَقَرَاَ (وَالْمُرْسَلٰتِ....) مَا صَلّٰى بَعْدَهَا صَلَاةً حَتّٰى قُبِضَ۔ فَزَعَمَ قَوْمٌ اَنَّهُمْ یَاْخُذُوْنَ بِهٰذِهِ الْاٰثَارِ وَ یُقَلِّدُوْنَهَا وَخَالَفَهُمْ آخَرُوْنَ فِیْ قَوْلِهِمْ هٰذَا فَقَالُوْا لَا یَنْبَغِیْ اَنْ یُقْرَاَ فِی الْمَغْرِبِ اِلَّا بِقِصَارِ الْمُفَصَّلِ۔**

عبارت کا ترجمہ کریں۔ مغرب کی نماز کی قراءت میں ائمہ کے مذاہب مع الدلائل تحریر کریں۔ قصارِ مفصل کا مصداق تحریر کریں

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت کا ترجمہ ② مغرب کی نماز کی قراءت میں ائمہ کے مذاہب مع الدلائل ③ قصارِ مفصل کا مصداق۔ (باب القراءۃ فی صلاۃ المغرب)

**جواب** ...... **①** عبارت کا ترجمہ:۔ حضرت ام فضل رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اپنے گھر میں نمازِ مغرب پڑھائی ایک کپڑے میں لپٹے ہوئی ہونے کی حالت میں اور اس میں سورۂ مرسلات کی قراءت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے بعد اس طرح (باجماعت) نماز ادا نہیں کی حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ ایک قوم انہی آثار کو لیتی ہے اور انہی کی پیروی کرتی ہے، دوسرے لوگوں نے ان کی مخالفت کی ہے اور کہا کہ مغرب کی نماز میں قصارِ مفصل کے علاوہ قراءت کرنا مناسب نہیں ہے۔

**②** مغرب کی نماز کی قراءت میں ائمہ کے مذاہب مع الدلائل:۔ حضرت زید بن ثابت، جبیر بن مطعم، عروہ بن زبیر، ہشام بن عروہ رضی اللہ عنہم امام شافعیؒ کا مشہور قول اور ظاہریہ کے نزدیک مغرب کی نماز میں طویل قراءت (مثلاً سورۂ اعراف، والطور، والمرسلات وغیرہ) افضل ہے **فزعم قوم انهم یأخذون بهٰذه الاٰثار** کا مصداق یہی لوگ ہیں۔

حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ، سفیان ثوری، ابراہیم نخعی، عبداللہ بن مبارک، اسحٰق بن راہویہ، جمہور فقہاء ومحدثین رحمہم اللہ کے نزدیک مغرب کی نماز میں قصرِ قراءت افضل ہے (البتہ حنفیہ کے نزدیک طویل قراءت خلافِ اولیٰ اور مالکیہ کے نزدیک مکروہ ہے)

**وخالفهم آخرون فی قولهم** کا مصداق یہی لوگ ہیں۔

طویل قراءت کے دلائل: ① حضرت جبیر بن مطعمؓ کی روایت ہے کہ وہ بدر کے قیدیوں کو چھڑانے کیلئے مدینہ طیبہ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز پڑھا رہے تھے اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ الطور پڑھی۔ ② ام الفضل لبابہ بنت الحارثؓ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخر عمر میں مغرب کی نماز میں سورۃ المرسلات پڑھی ہے۔ ③ حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت ہے کہ مغرب کی نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ اعراف پڑھا کرتے تھے۔ پس معلوم ہوا کہ مغرب میں طویل قراءت افضل ہے۔

مختصر قراءت میں جمہور کے دلائل: ① **عن ابی هریرة قال ما صلیت وراء احد اشبه صلوة برسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من فلان ..... یقرأ فی المغرب بقصار المفصل....** (نسائی وترمذی) اس حدیث مرسل سے معلوم ہوتا ہے کہ صحیح

03... maktabazakariyamultan@gmail.com

میں طوالِ مفصل، عشاء میں اوساط مفصل اور مغرب میں قصارِ مفصل پڑھے۔ ② ابوموسیٰ اشعریؓ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خط ہے **کتب عمر الیٰ ابی موسیٰ ان اقرأ فی المغرب بقصار المفصل و فی العشاء بوسط المفصل و فی الصبح بطوال المفصل** (مصنف عبدالرزاق وترمذی) کہ فجر اور ظہر میں طوالِ مفصل پڑھو، عصر اور عشاء میں اوساطِ مفصل اور مغرب میں قصارِ مفصل پڑھو۔ ③ حضرات صحابہ کرامؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز مسجد نبوی میں پڑھ کر مدینہ کے کنارے پر بنوسلمہ کے علاقہ میں پہنچ کر تیر اندازی کیا کرتے تھے، آدھ پون (نصف وثلثان) میل کی دوری پر تیر گرتا تھا اور اتنی دوری پر تیر کا نشانہ نظر آجاتا تھا۔ یہ تب ہی ممکن ہے کہ نماز کو مختصر قراءت کے ساتھ جلدی ختم کیا جائے تاکہ روشنی باقی ہو، کیونکہ اندھیرے میں تیر ونشانہ دکھائی دینا ناممکن ہے۔ ④ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کا وقت کشادہ ہونے کے باوجود اس میں سورۃ الشمس اور والضحیٰ جیسی سورتیں پڑھا کرتے تھے جبکہ مغرب کا وقت مختصر ہے تو اسمیں اس سے بھی مختصر قراءت کی افضلیت معلوم ہوتی ہے۔

طویل قراءت والی روایات کا جواب یہ ہے کہ ان میں تسمیۃ الجزء باسم الکل کے اصول سے ان سورتوں کے بعض حصہ کی قراءت کو پوری سورت کے نام سے موسوم کردیا گیا ہے اور محاورہ میں اس کا استعمال بکثرت وشائع ہے۔ مثلاً کوئی شخص کسی سورت کی تلاوت کرے تو کہا جاتا ہے کہ اس نے قرآن کریم کی تلاوت کی، حالانکہ اس نے بعض حصہ کی تلاوت کی ہوتی ہے (ایضاح الطحاوی والثمیری)

**③ قصارِ مفصل کا مصداق:۔** طوالِ مفصل: سورۃ الحجرات سے سورۃ البروج تک۔ اوساطِ مفصل: سورۃ الطارق سے سورۃ البینہ تک۔ قصارِ مفصل: سورۃ الزلزال سے آخر تک۔ یہ تفصیل حنفیہ کے نزدیک ہے، بقیہ ائمہ کا اس میں اختلاف ہے۔ (الدرالمنضود)

## السوال الثانی　　۱۴۳۷ھ

**الشق الاوّل** ...... **عن عروۃ عن عائشۃ قالت کن نساءٌ من المؤمنات یصلین مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوۃ الصبح متلفعات بمروطهنّ ثم یرجعن الی اهلهن ومایعرفهن احد۔** (ص۱۳۰۔حقانیہ)

صلوٰۃ الفجر کا مستحب وقت تحریر کریں، ائمہ کے دلائل کی وضاحت کریں۔ نیز مستدلین کی تعیین کرتے ہوئے اس کا جواب بھی تحریر کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل دو امور ہیں ① صلوٰۃ الصبح کا مستحب وقت وائمہ کے دلائل ② مستدلین کی تعیین اور جواب۔

**جواب** ...... **① صلوٰۃ الصبح کا مستحب وقت وائمہ کے دلائل:۔** حنفیہ کے نزدیک صلوٰۃ الفجر میں ابتداءً وانتہاءً اسفار افضل ہے بایں طور کہ اگر نماز سے فارغ ہونے کے بعد فساد معلوم ہو تو سورج نکلنے سے پہلے پہلے اعادہ ممکن ہو جبکہ امام طحاوی کے نزدیک ابتداءً غلس اور انتہاءً اسفار افضل ہے۔　ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک فجر میں بدایۃً ونہایۃً غلس افضل ہے۔

احناف کی پہلی دلیل: صحاح میں حدیثِ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ ہے اس میں ہے **اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر** جو وقت اجر کی زیادتی کا ذریعہ ہے وہی وقت افضل ہوگا۔　دوسری دلیل: بخاری میں حدیثِ ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ ہے **کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی الصبح ویعرف احدنا جلیسه** اگرچہ ابوداؤدؒ کی روایت معروف ہے لیکن یہ مرجوح ہے۔ راجح روایت **یعرف جلیسه** ہے ظاہر ہے کہ یہ پہچان تب ہوسکتی ہے جب اسفار میں نماز پڑھی جائے۔

تیسری دلیل: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مزدلفہ میں نمازِ فجر ادا کرنیوالی حدیث ہے جس میں یہ الفاظ ہیں **وصلی الفجر یومئذ قبل میقاتها** اسکا یہ مطلب نہیں کہ وقت شروع ہونے سے پہلے نماز پڑھی بلکہ مطلب یہ ہے کہ وقت معتاد سے پہلے پڑھی۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ بقیہ ایام کے اندر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ اسفار میں صبح کی نماز پڑھنے کی تھی یعنی وقت معتاد اسفار میں نماز پڑھنے کا تھا صرف مزدلفہ میں غلس میں پڑھی ہے اور ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو عادتِ مبارکہ اور معمول تھا وہی وقت افضل ہوگا اور وہ وقت اسفار ہے۔

چوتھی دلیل: **او فقیت بالقرآن** ہے اس لئے کہ ارشادِ باری **وسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس** ہے اور قبلیت اسفار میں پڑھنے کا قرینہ ہے نہ کہ غلس میں۔　پانچویں دلیل: جماعت کے مقاصد میں سے ایک مقصد تکثیر جماعت ہے اور یہ تکثیر رمضان کے ماسوا اسفار میں ہے تو جس وقت میں تکثیر جماعت کا فائدہ ہوگا وہی وقت افضل ہوگا اور وہ وقت اسفار ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: احادیثِ غلس ہیں جن میں سے ایک دلیل حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا ہے اس میں **فینصرف النساء**

**متلففات بمروطھن مایعرفن من الغلس** کہ عورتیں نماز سے واپسی میں غلس کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتی تھی تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع بھی غلس میں کرتے اور ختم بھی غلس میں کرتے تھے۔ دوسری دلیل حدیث اسامہ بن زید لیثی جو پیچھے گزر چکی ہے

**ثم کانت صلوٰتہٗ بعد ذالک التغلیس حتٰی مات ولم یعد الٰی ان یسفر۔**

اس کا جواب خود امام ابوداؤدؒ نے دیا کہ یہ شاذ ہے اس کو ذکر کرنے والے صرف اسامہ بن زید لیثی ہیں اور زہری کے حفاظ تلامذہ اس کو نقل نہیں کر رہے۔ دوسرا جواب کہ اسفار اشد کی نفی ہے مطلق اسفار کی نفی نہیں۔

حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کا جواب: **مایعرفن من الغلس** ہم تسلیم نہیں کرتے کہ عدمِ معرفت کی علت غلس تھی بلکہ عدمِ معرفت کی علت پردہ کا ہونا تھا کہ عورتیں پردہ کا اتنا اہتمام کرتی تھیں کہ پردہ کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتی تھیں جس کا وزنی قرینہ یہ ہے کہ بعض روایات میں ہے **مایعرفن تعنی من الغلس** تو **تعنی** کا لفظ ذکر کر کے یہ بتلانا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ مراد ہوگی لیکن یہ راوی کا اپنا اجتہاد ہے بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صحابیات کی کمالِ احتیاط کو بیان کر رہی ہیں تلفّف عام ہے مطلق چادر پہننا اور ایک نسخہ ہے متلفعات، تلفع کہتے ہیں کہ چادر کو اس طور پر پہنے کہ جسم مکمل طور پر چھپ جائے اور اگر ہم تسلیم کر لیں کہ عدمِ معرفت کی علت غلس تھی پھر ہم کہتے ہیں کہ کونسا غلس مراد ہے داخلِ مسجد کا یا فضاء کا غلس مراد ہے، اگر کہو کہ فضاء کا غلس مراد ہے تو پھر بیشک یہ اسفار کے منافی ہے لیکن یہ مسلّم نہیں ہے کیونکہ واقعہ اس پر منطبق نہیں ہوتا۔ تفصیل اس طرح ہے کہ صبح صادق کے بعد نبی کریم ﷺ سنتیں پڑھتے پھر اگر ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کوئی بیدار ہوتیں تو ان سے بات چیت کرتے وگرنہ آرام کرتے، پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ آ کر نماز کی اطلاع دیتے پھر آپ ﷺ تشریف لے جاتے اور ۴۰ سے ۶۰ یا ۱۰۰ تک آیات کی قرأت کرتے اور ترتیل سے پڑھتے تھے تو اتنے امور ہو جائیں اور پھر بھی غلس باقی ہو یہ انتہائی مستبعد ہے۔ لہٰذا داخلِ مسجد کا غلس مراد ہے اور یہ مسلّم تو ہے لیکن اسفار کے منافی نہیں ہے کیونکہ اس زمانہ میں روشنی کا انتظام نہیں ہوتا تھا اور چھت بھی قریب تھی اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے حجرے بھی مشرقی جانب تھے ہو سکتا ہے کہ باہر اسفار ہو اور اندر غلس ہو ان میں کوئی منافات نہیں ہے۔

جوابات مشترکہ: ① احادیثِ اسفار میں سے حدیث رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ قولی ہے اور احادیث غلس تمام فعلی ہیں اور تعارض کے وقت قولی احادیث کو ترجیح ہوتی ہے ② غلس کی جانب عمل ہی عمل ہے اور اسفار کی جانب عمل بھی ہے قول بھی ہے، ظاہر ہے کہ تعارض کے وقت قول و عمل کے مجموعہ کو ترجیح ہوگی ③ احادیثِ غلس اس زمانہ کی ہیں جب عورتیں بھی مسجد میں نماز کیلئے آتی تھیں اور **قرن فی بیوتکنّ** کا حکم نازل نہیں ہوا تھا جب یہ حکم ہوا تو پھر نمازِ فجر میں اسفار پر عمل ہونے لگا۔

② مستدلین کی تعیین اور جواب:۔ اس حدیث سے ائمہ ثلاثہؒ نے استدلال کیا ہے اور اس کا جواب ابھی دلائل کے ضمن میں گزر چکا ہے۔

(درسِ ترمذی ۱:۴۰۱، المسائل والدلائل ۲۱۵، الدر المنضود ۲:۳۷، ایضاح الطحاوی ۱:۴۹۱)

**الشق الثانی** ...... **عن علی بن ابی طالب عن رسول اللہ ﷺ انہ کان اذا قام الی الصلوٰۃ المکتوبۃ کبر ورفع یدیہ حذو منکبیہ ویصنع مثل ذٰلک اذا قضی قراءتہ اذا اراد ان یرکع ویصنعہ اذا فرغ ورفع من الرکوع ولا یرفع یدیہ فی شیئٍ من صلوٰتہ وھو قاعد واذا قام من السجدتین رفع یدیہ کذٰلک وکبر۔**

حدیث کا ترجمہ تحریر کریں۔ رفع یدین عندالرکوع میں ائمہ کا اختلاف دلائل کی روشنی میں تحریر کرتے ہوئے راجح کی وجہ ترجیح بیان کریں۔ نیز نظرِ طحاوی کی وضاحت بھی تحریر کریں۔ (ص۱۶۱۔حقانیہ)

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) رفع یدین عندالرکوع میں اختلاف مع الدلائل (۳) راجح کی وجہ ترجیح (۴) نظرِ طحاوی کی وضاحت۔

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ جب فرض نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے کندھوں تک اٹھاتے اور اسی طرح کرتے جب اپنی قراءت کو مکمل کرتے جبکہ رکوع کرنے کا ارادہ کرتے اور اسی طرح کرتے جب فارغ ہوتے اور رکوع سے اٹھتے اور نہیں اٹھاتے تھے اپنے ہاتھوں کو نماز میں جبکہ آپ بیٹھے ہوئے ہوں اور جب دونوں سجدوں سے کھڑے ہوتے تھے تو پھر اپنے

ہاتھوں کو اسی طرح اٹھاتے تھے اور تکبیر کہتے تھے۔

② رفع یدین عندالرکوع میں اختلاف مع الدلائل:۔ امام ابوحنیفہؒ وصاحبینؒ کے ہاں رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین نہیں ہے۔ امام مالکؒ کی ایک روایت بھی یہی ہے۔ مالکیہ حضرات نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ امام شافعیؒ وامام احمدؒ رفع یدین کے قائل ہیں۔

حنفیہ ومالکیہ کی دلیل: ① **قوله قد افلح المؤمنون الذين هم فی صلوتهم خاشعون** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما خاشعون کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں **مخبتون متواضعون لايلتفتون يمينا ولا شمالا ولايرفعون ايديهم** ② **قال ابن مسعود الا اصلی بكم صلوة رسول الله** صلی اللہ علیہ وسلم **فصلی ولم يرفع الافی اول مرة وقال الترمذی حديث ابن مسعود حديث حسن وصححه ابن حزم فی المحلی** ③ **عن جابر قال خرج علينا رسول الله** صلی اللہ علیہ وسلم **فقال ملی اراكم رافعی ايديكم كانها اذ ناب خيل شمس اسكنوا فی الصلٰوة**، یہ قولی صحیح مرفوع حدیث ہے جس میں رفع یدین سے روکا گیا ہے اور سکون کا حکم دیا گیا ہے، گویا یہ **فی صلٰوتهم خاشعون** کی تفسیر ہے ④ **عن البراء بن عازب قال كان النبی** صلی اللہ علیہ وسلم **اذا كبر لافتتاح الصلوة رفع يديه...... ثم لايعود** ⑤ **عن ابن مسعود قال صليت مع رسول الله** صلی اللہ علیہ وسلم **وابی بكر وعمر فلم يرفعوا ايديهم الا عند استفتاح الصلوة۔**

شوافعؒ وحنابلہؒ کی دلیل: **عن ابن عمر قال رايت رسول الله** صلی اللہ علیہ وسلم **اذا افتتح الصلٰوة يرفع يديه حتى يحاذی منكبيه واذا ركع واذا رفع راسه من الركوع** ۔اس مضمون کی حدیث حضرت مالک بن الحویرثؓ سے صحیحین میں ،حضرت وائل بن حجرؓ سے مسلم میں، حضرت علیؓ سے سنن اربعہ میں، حضرت ابو ہریرہ، ابوحمید الساعدی وعبداللہ بن الزبیرؓ سے ابوداؤد میں، حضرت جابر وانسؓ سے ابن ماجہ میں موجود ہے۔ جواب: اختلاف ثبوت میں نہیں بلکہ دوام وبقاء میں ہے جو ان احادیث سے ثابت نہیں۔ نیز ترکِ رفع کے دلائل کے قرینہ سے یہ احادیث ابتداء پر محمول ہیں بعد میں رفع یدین متروک ہوگئی اور اسکی سنیت منسوخ ہوگئی۔ خصوصاً حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ حضرت ابن عمرؓ سے ترکِ رفع کا ثبوت اس پر بہت قوی قرینہ ہے۔

نیز جیسے دیگر مختلف مقامات کا رفع یدین باتفاق ائمہ وجمہور علماء دوسری صحیح احادیث کی وجہ سے متروک ومنسوخ ہے اسی طرح مختلف فیہ رفع یدین بھی صحیح احادیث کی وجہ سے حنفیہ ومالکیہ کے ہاں متروک ومنسوخ ہے۔ واضح رہے سنیت منسوخ ہے جواز باقی ہے۔

نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے رفع یدین کی حدیث اگرچہ صحیحین میں مروی ہے مگر مضطرب ہے اور چھ وجوہ سے مروی ہے ① صرف تحریمہ کی رفع یدین کا ذکر ہے ② تحریمہ اور بعدالرکوع رفع یدین کا ذکر ہے عندالرکوع رفع کا ذکر نہیں ہے ③ مواضع ثلاثہ کی رفع کا ذکر ہے ④ مواضع ثلاثہ کیساتھ بعدالرکعتین کی رفع کا ذکر بھی ہے ⑤ مواضع اربعہ کے ساتھ رفع السجود کا ذکر بھی ہے ⑥ **فی كل خفض ورفع وركوع وسجود وقيام وقعود وبين السجدتين** کی رفع کا ذکر ہے۔ لہٰذا ایسی مضطرب حدیث کو مدارِ حکم بنانا مشکل ہے۔

③ راجح کی وجہ ترجیح:۔ ترکِ رفع یدین راجح ہے اور اس کی متعدد وجوہ ہیں۔ ① اوفق بالقرآن ہے ② اسکنوا فی الصلٰوۃ قولی حدیث ہے جو فعلی سے راجح ہے ③ فعلی احادیث متعارض ہیں جبکہ قولی احادیث تعارض سے سالم ہیں ④ ترکِ رفع کے راوی اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جو **ليلينی منكم اولو الاحلام والنهی** کے تحت صف اول میں تھے جیسے حضرت عمر، علی، ابن مسعود رضی اللہ عنہم بخلاف حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے وہ صغار صحابہ میں سے ہیں ⑤ ترک کے راوی افقہ ہیں۔ (المسائل والدلائل:۲۶۶)

④ نظرِ طحاوی کی وضاحت:۔ رکوع کے وقت تکبیر تحریمہ کی طرح رفع یدین ہونے کے متعلق ہم نے مشابہت میں غور وخوض کیا تو معلوم ہوا کہ تکبیرِ تحریمہ صلب صلٰوۃ میں سے ہے اسکے بغیر نماز جائز نہیں ہوتی اور رکوع سے اٹھتے اور سجدے میں جاتے وقت تکبیر صلبِ صلٰوۃ میں سے نہیں بلکہ سنت ہے اور اسکے ترک سے نماز فاسد نہیں ہوتی اور تکبیرِ رکوع کو تکبیر بین السجدتین کے ساتھ مشابہت ہے، تو جس طرح تکبیر بین السجدتین کے وقت رفع یدین مشروع نہیں اسی طرح تکبیر عندالرکوع میں بھی رفع یدین مشروع نہیں ہونا چاہیے۔

## السوال الثالث ۱۴۳۷ھ

**الشق الاوّل** ......**عن ابن عمر انّه كان اذا سجد بدأ بوضع يديه قبل ركبتيه و كان يقول كان النبیّ** صلی اللہ علیہ وسلم **يصنع ذلك۔** **عن ابی هريرة قال قال رسول الله** صلی اللہ علیہ وسلم **اذا سجد احدكم فلايبرك كما**

**یبرک البعیر ولکن یضع یدیه ثم رکبتیه۔** (ص ۱۸۰۔حقانیہ)

احادیث کا ترجمہ کریں۔ **اذا سجد احدکم فلایبرک کما یبرک البعیر** کا مطلب بیان کریں۔ سجدہ میں جانے کی کیفیت ائمہ کے اختلاف کی روشنی میں بیان کریں، ائمہ کے دلائل بھی تحریر کریں نیز نظرِ طحاوی کی وضاحت بھی کریں۔

﴿خلاصہ سوال﴾......اس سوال کا حل چار امور ہیں: ① احادیث کا ترجمہ ② **اذا سجد احدکم فلایبرک کما یبرک البعیر** کا مطلب ③ سجدہ میں جانے کی کیفیت میں اختلاف مع الدلائل ④ نظرِ طحاوی کی وضاحت۔

**جواب** ...... ❶ **احادیث کا ترجمہ:۔** حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب وہ سجدہ کرتے تو اپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں سے پہلے زمین پر رکھتے اور فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ اسی طرح کیا کرتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص جب سجدہ کرے تو وہ اونٹ کے بیٹھنے کی طرح نہ بیٹھے بلکہ اسے چاہئے کہ اپنے دونوں گھٹنوں سے پہلے دونوں ہاتھ زمین پر رکھے۔

❷ **اذا سجد احدکم فلایبرک کما یبرک البعیر کا مطلب:۔** اونٹ کے بیٹھنے کی طرح نہ بیٹھے یعنی جس طرح اونٹ زمین پر بیٹھنے کے وقت اپنے دونوں گھٹنے زمین پر پہلے رکھتا ہے اس طرح سجدہ میں جاتے وقت پہلے دونوں گھٹنے زمین پر نہ ٹیکے جائیں۔

❸ **سجدہ میں جانے کی کیفیت میں اختلاف مع الدلائل:۔** امام مالک واوزاعیؒ کے نزدیک سجدہ میں جاتے وقت پہلے ہاتھ زمین پر رکھے پھر گھٹنوں کو۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک سجدہ میں جاتے وقت پہلے گھٹنوں کو پھر ہاتھوں کو رکھیں گے اور اٹھتے وقت اسکا برعکس۔

امام مالک کی دلیل **عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ اذا سجد احدکم فلایبرک کما یبرک البعیر** ہے کہ اونٹ کے بیٹھنے کی طرح نہ بیٹھو اور اونٹ بیٹھتے وقت پہلے گھٹنے رکھتا ہے پھر ہاتھ، اس سے نہی آئی ہے۔

امام صاحبؒ کے دلائل: ① حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: **رأیت رسول الله ﷺ اذا سجد وضع رکبتیه قبل یدیه واذا نهض رفع یدیه قبل رکبتیه** ۔ ② حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے **اذا سجداحدکم فلیبدء رکبتیه قبل یدیه**۔ ③ طحاوی شریف میں حضرت عمر، ابن مسعود رضی اللہ عنہما اور ابراہیم تیمی کا اثر ہے کہ آپ ﷺ رکبتین قبل یدین رکھتے تھے۔

امام مالک کی دلیل کے جوابات: ① حافظ ابن قیمؒ نے کہا کہ اس حدیث کا اوّل حصہ آخر حصہ کے خلاف ہے کیونکہ پہلے حصہ میں کہا گیا کہ اونٹ کے بیٹھنے کی مانند نہ بیٹھو اور دوسرے حصہ میں کہتے ہیں کہ ہاتھ پہلے رکھو اور یہی بعینہٖ بروکِ بعیر ہے لہٰذا اوّل حصہ ثانی کے معارض ہے لہٰذا قابل استدلال نہیں ② یہ بیانِ جواز کیلئے ایک مرتبہ کہا ③ مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ منسوخ ہے **کنا نضع الیدین قبل الرکبتین فامرنا بوضع الرکبتین قبل الیدین** ④ اصل میں یہاں بعض رواۃ سے الٹ ہوگیا ہے عبارت یوں تھی **ولیضع رکبتیه قبل یدیه** جیسا کہ طحاوی شریف میں ابوہریرہؓ کی روایت ہے ⑤ یہ حدیث سنداً منقطع ہونیکی وجہ سے قابلِ استدلال نہیں ⑥ بعض نے کہا کہ متن میں اضطراب ہونے کی وجہ سے قابلِ استدلال نہیں۔ متن میں بعض حضرات **ولیضع رکبتیه قبل یدیه** اور بعض اس کا برعکس **ولیضع یدیه قبل رکبتیه** اور بعض **ولیضع یدیه علی رکبتیه** نقل کررہے ہیں ⑦ یہ حدیث حضرت وائل بن حجرؓ کے مقابلہ میں خلافِ قیاس ہونے کی وجہ سے قابل استدلال نہیں اور حدیثِ وائل بن حجرؓ زیادہ اثبت ہے۔ (خیر التوضیح ۱:۵۴۶)

❹ **نظرِ طحاوی کی وضاحت:۔** ہمیں جن اعضاء سے سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ کل سات اعضاء ہیں۔ قدمین، رکبتین، یدین، جبہہ۔ ان اعضاء کے اٹھانے اور رکھنے میں کیا ترتیب ہے؟ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قدمین پہلے ہی سے زمین سے لگے رہتے ہیں اور پیشانی رکھنے میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے بالاتفاق پیشانی سب سے آخر میں رکھی جاتی ہے یدین اور رکبتین کے اٹھانے میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اوّلاً پیشانی اُٹھائی جائے گی اس کے بعد دونوں ہاتھ اور پھر دونوں گھٹنے، البتہ یدین اور رکبتین کے رکھنے میں اختلاف ہے اور مذکورہ ساری تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ جو اعضاء سب سے آخر میں رکھے جاتے ہیں وہ سب سے پہلے اٹھائے جاتے ہیں لہٰذا یدین اور رکبتین میں بھی یہی ترتیب ہونی چاہیے کہ یدین بالاتفاق رکبتین سے پہلے اٹھائے جاتے ہیں لہٰذا رکھنے میں ان کو رکبتین کے بعد رکھنا چاہیے۔ اور یہی ہمارے ائمہ ثلاثہؒ کا قول ہے۔ (ایضاح الطحاوی ج ۲ ص ۸۵)

**الشق الثانی** ......**عن سالم بن عبدالله عن ابیه قال کان رسول الله ﷺ یصلی علی الراحلة قبل ایّ**

وجه توجه ویوتر علیها غیرانه لایصلی علیها المکتوبة۔ (ص۲۸۴-حقانیہ)

سواری پر وتر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ ائمہ کے مذاہب اور دلائل تحریر کریں۔ فذهب قومٌ الٰی هٰذا وخالفهم فی ذٰلك اٰخرون کا مصداق تحریر کریں۔ نیز مذکورہ مسئلہ کو امام طحاویؒ کی ذکر کردہ عقلی دلیل سے واضح کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) سواری پر وتر پڑھنے میں ائمہ کے مذاہب مع الدلائل (۲) فذهب قومٌ وخالفهم اٰخرون کا مصداق (۳) نظر طحاویؒ کی وضاحت۔

**جواب** ...... **①** سواری پر وتر پڑھنے میں ائمہ کے مذاہب مع الدلائل:۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، اسحٰق بن راہویہؒ، عطاء بن ابی رباحؒ، حسن بصریؒ، سالم بن عبداللہؒ وغیرہ کے نزدیک وتر کی نماز حالتِ سفر میں سواری پر اشارہ سے پڑھنا جائز ہے، اسلئے کہ وتر بھی نفل ہے اور نفل نماز سواری پر اشارہ سے پڑھنا جائز ہے۔ امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، محمد بن حسن شیبانیؒ، محمد بن سیرینؒ، ابراہیم نخعیؒ، عروہ بن زبیرؒ کے نزدیک وتر کی نماز سواری پر پڑھنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ وتر کی نماز واجب ہے۔

قائلینِ جواز کی دلیل باب کے شروع کی روایات ہیں جن میں سواری پر وتر کی مشروعیت ثابت ہے اور جدھر سواری متوجہ ہو اُدھر اشارہ سے پڑھنا ثابت ہے اور اس مضمون کی روایات کو مصنفؒ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے چار سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے۔

حنفیہ کی طرف سے جواب: حضرت ابن عمرؓ کے متعلق حنظلہ بن ابی سفیان نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے خود زمین پر وتر پڑھ کر فرمایا کہ حضور ﷺ ایسے ہی کیا کرتے تھے۔ نیز امام مجاہدؒ سے مروی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ سواری پر نماز پڑھا کرتے تھے اور جب رات کا آخری حصہ ہوجاتا تو سواری سے اتر کر وتر ادا کیا کرتے تھے۔ پس ابن عمرؓ کی عملی روایات میں تعارض ہے اسلئے یہ حجت نہیں ہے۔

حنفیہؒ کی دلیل میں امام طحاویؒ کی نقل کردہ متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وتر واجب ہیں اور واجب نماز سواری پر بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں ہے۔

**②** فذهب قوم وخالفهم اٰخرون کا مصداق:۔ فذهب قوم کا مصداق ائمہ ثلاثہ وغیرہ ہیں اور خالفهم اٰخرون کا مصداق ائمہ حنفیہ وغیرہ ہیں جیسا کہ ابھی تفصیل میں گزرا ہے۔ (ایضاح الطحاوی ج۲ص۵۴۶)

**③** نظر طحاویؒ کی وضاحت:۔ متفق علیہ ضابطہ ہے کہ فرض نماز وہ ہے جس کو قیام پر قدرت ہوتے ہوئے بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی اُس کو حالتِ سفر میں سواری پر اشارہ سے پڑھنا جائز ہے اور نفل نماز وہ ہے جس کو قیام پر قدرت ہوتے ہوئے بیٹھ کر پڑھنا، اسی طرح حالتِ سفر میں سواری پر اشارہ سے پڑھنا جائز ہے، جب ہم نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ وتر نماز قیام پر قدرت ہوتے ہوئے بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں ہے اور جو نماز قیام پر قدرت ہوتے ہوئے بیٹھ کر پڑھنا جائز نہ ہو اُس کو سواری پر پڑھنا جائز نہیں ہے۔ لہٰذا اس قاعدہ کی رُو سے وتر نماز سواری پر پڑھنا جائز نہیں ہے اور یہی ہمارے ائمہ ثلاثہؒ کا قول ہے۔

## ﴿الورقة الرابعة : طحاوی شریف﴾

## ﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۸ھ

**الشق الاوّل** ......عن ابی محذورة قال علمنی رسول الله ﷺ الاذان کما تؤذنون الآن الله اکبر الله اکبر اشهد ان لا اله الا الله اشهد ان لا اله الا الله اشهد ان محمدا رسول الله اشهد ان محمدًا رسول الله اشهد ان لا اله الا الله اشهد ان لا اله الا الله اشهد انّ محمد رسول الله اشهد انّ محمد رسول الله حیّ علی الصلوٰة حیّ علی الصلوٰة حیّ علی الفلاح حیّ علی الفلاح الله اکبر الله اکبر لا اله الا الله۔

کلماتِ اذان میں شہادتین کی ترجیع کے متعلق ائمہ کا اختلاف اور دلائل ذکر کریں۔ فذهب قوم الی الترجیع وترکه اٰخرون کا مصداق متعین کریں نیز اس مسئلہ کو امام طحاویؒ کی ذکر کردہ عقلی دلیل کی روشنی میں بیان کریں۔ (ص۹۸-حقانیہ)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) شہادتین کی ترجیع میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل (۲) فذهب قوم الی الترجیع وترکه اٰخرون کا مصداق (۳) نظرِ طحاوی کی وضاحت۔

**جواب** ...... **①** شہادتین کی ترجیع میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل:۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، حسن بصریؒ، محمد ابن سیرینؒ اور اہلِ

مدینہ کے نزدیک شہادتین میں ترجیع ہے اور یہی لوگ **فذهب قوم الی الترجیع** کا مصداق ہے۔
حنفیہؒ وحنابلہؒ کے نزدیک شہادتین میں ترجیع نہیں ہے، یہی لوگ **وتركه اٰخرون** کے مصداق ہیں۔
فریقِ اوّل کی دلیل: حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس میں شہادتین کی ترجیع کی صراحت ہے۔
فریقِ ثانی کی دلیل: **ملكِ منزّل من السماء** نے حضرت عبداللہ بن زید کو جو اذان سکھلائی اس میں شہادتین کی ترجیع نہیں اور یہی اذان آنحضرت ﷺ کے حکم سے حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے حضرت بلالؓ کو سکھائی تھی۔ نیز آنحضرت ﷺ کے زمانے میں بڑی بڑی مسجدوں کے جتنے بھی مؤذن تھے مثلاً حضرت بلالؓ، حضرت عبداللہ ابن ام مکتومؓ وغیرہ اُن میں سے کسی کی اذان میں بھی ترجیع نہیں ہے۔
حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کے پیش کردہ واقعہ کی تاویل یہ ہے کہ جس وقت آپ ﷺ نے ان کو اذان سکھائی تھی اُس وقت یہ خاص واقعہ پیش آیا تھا کہ انہوں نے مؤذنِ رسول کی نقل اتاری تھی، آپ ﷺ کے حکم سے اُن کو پکڑ کر خدمتِ نبوی ﷺ میں پیش کیا گیا اور انہیں دوبارہ نقل اتارنے کا حکم دیا گیا، تو انہوں نے ڈرتے ڈرتے، دبے دبے شہادتین کا تلفظ کیا کیونکہ وہ اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے تو آپ ﷺ نے اُن کو بلند آواز میں شہادتین کے تلفظ کرنے کا حکم دیا۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت ابومحذورہؓ کی روایت میں جو شہادتین کی ترجیع ہے وہ ایک علت کے ساتھ معلول ہے۔ چونکہ یہی واقعہ حضرت ابومحذورہؓ کے اسلام لانے کا سبب بنا تھا اسلئے انہوں نے اس واقعہ کو مستقل اپنی اذان کا حصہ بنا لیا تھا کہ جب بھی وہ اذان کہتے تھے اُس میں ترجیع کرتے تھے۔ پس ترجیع کا حکم عام نہیں ہے۔ (ایضاح الطحاوی ۱:۳۷۵)

② **فذهب قوم الی الترجیع وتركه اٰخرون** کا مصداق:۔ اسکی تفصیل ابھی اختلاف کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

③ نظرِ طحاوی کی وضاحت:۔ شہادتین کی ترجیع کے سلسلے میں دونوں طرح کی روایات واقوال موجود ہیں۔ ہم نے غور وخوض کیا کہ کونسا قول زیادہ صحیح ہے تو معلوم ہوا کہ اذان کے اندر جتنے بھی کلمات ہیں اُن میں سے کسی میں ترجیع نہیں ہے۔ صرف شہادتین کی ترجیع میں اختلاف ہے، اس میں بھی ایک قول ترجیع کا ہے جس کی کوئی نظیر نہیں ہے اور دوسرا قول عدمِ ترجیع ہے جس کیلئے اذان کے دیگر کلمات نظیر ہیں کہ اُن میں بالاجماع ترجیع نہیں ہے۔ پس اُن پر قیاس کرتے ہوئے شہادتین میں بھی ترجیع نہیں ہونی چاہیے۔

**الشق الثانی** ......**عن ابی سعید الخدری قال سمعتُ رسول اللّٰہ ﷺ یقول: اذا سمعتم المؤذن وفی حدیث مالك النداء فقولوا مثل ما یقول.... قال ابو جعفر فذهب قوم الی هٰذه الآثار فقالوا ینبغی لمن سمع الاذان ان یقول كما یقول المؤذن حتّٰی یفرغ من اذانه و خالفهم فی ذلك آخرون فقالوا لیس لقوله حیّ علی الصلاة حیّ علی الفلاح معنی، لانّ ذلك....** عبارت کا ترجمہ کریں۔ اذان کا جواب واجب ہے یا مستحب؟ اختلافِ ائمہ مع دلائل لکھئے۔ اذان کا جواب کن الفاظ سے دینا چاہیئے؟ اقوال مختصر دلائل اور راجح قول بیان کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت کا ترجمہ ② اذان کے جواب کا حکم اور اختلافِ ائمہ مع دلائل ③ اذان کا جواب دینے کے الفاظ اور اقوال ائمہ مع دلائل۔

**جواب** ...... ① عبارت کا ترجمہ:۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم مؤذن کو سنو (مالک کی حدیث میں نداء کے الفاظ ہیں) تو تم بھی اسی کے قول کی مثل کہو۔ امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ ایک قوم انہی آثار کی طرف گئی ہے اور انہوں نے کہا کہ اذان سننے والے کیلئے مناسب یہ ہے کہ وہ اسی طرح کہے جیسے مؤذن کہتا ہے یہاں تک کہ وہ اذان سے فارغ ہو جائے۔ کچھ دوسری حضرات نے اس مسئلہ میں ان کی مخالفت کی ہے اور انہوں نے کہا کہ مؤذن کے جواب میں **حیّ علی الصلوة** اور **حیّ علی الفلاح** کہنے کا کوئی مطلب نہیں ہے۔

② اذان کے جواب کا حکم اور اختلافِ ائمہ مع دلائل:۔ حنفیہ اور اصحابِ ظواہر کے نزدیک اذان کا جواب دینا واجب ہے یہی لوگ کتاب میں **وقد قال قوم قول رسول اللّٰہ الخ** کا مصداق ہیں۔ ائمہ ثلاثہ اور امام طحاوی کے نزدیک اذان کا جواب دینا واجب نہیں بلکہ سنت یا مستحب ہے یہی لوگ **و خالفهم فی ذلك اخرون** کا مصداق ہیں۔
حنفیہ واصحابِ ظواہر کی دلیل وہ روایات ہیں جن میں امر کے صیغہ کے ساتھ جواب کا حکم دیا گیا ہے اور امر وجوب کیلئے آتا ہے۔

0313 6357913 Maktabazakariyamultan@gmail.com

ائمہ ثلاثہ وامام طحاوی کی دلیل حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی سفر میں چل رہے تھے آپ ﷺ نے ایک اذان دینے والے کی اذان سنی جب مؤذن نے کلمۂ تکبیر کہا تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ فطرتِ اسلام پر ہے اور جب اس نے کلمۂ شہادت کہا تو آپ ﷺ نے فرمایا جہنم سے نکل گیا، ہم نے جھپٹ کر دیکھنے کی کوشش کی کہ یہ کون شخص ہے جسے بشارت دی گئی ہے؟ تو وہ ایک مویشی چرانے والا تھا نماز کا وقت آ گیا تھا تو نماز کیلئے اس نے اذان دی تھی۔ اس حدیث میں واضح طور پر ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے اذان کا جواب نہیں دیا بلکہ ایسے الفاظ کہے جو اذان کے جواب کے خلاف ہیں۔ ثابت ہوا کہ اذان کا جواب دینا واجب نہیں۔ باقی جن روایات میں امر کا صیغہ ہے ان میں یہ حکم وجوب پر محمول نہیں بلکہ سنت یا استحباب پر محمول ہے اور حنفیہ کے نزدیک فتویٰ بھی اسی قول پر ہے کہ اذان کا جواب دینا سنت ہے واجب نہیں۔ (ایضاح الطحاوی ۱:۴۰۴)

③ اذان کا جواب دینے کے الفاظ اور اقوال ائمہ مع دلائل:۔ امام شافعی، امام احمد، امام مالک کا غیر مشہور قول، ابراہیم نخعی اور اصحاب ظواہر کے نزدیک مجیب تمام کلمات میں مؤذن کی طرح کہے گا یعنی جو الفاظ مؤذن کہے گا وہی الفاظ مجیب کہے گا یہی لوگ **فذهب قوم الى هٰذه الآثار** کا مصداق ہیں۔ ائمہ ثلاثہ کا غیر مشہور قول اور حنفیہ و جمہور کے نزدیک مجیب حیعلتین کے علاوہ باقی تمام کلمات کا جواب مؤذن کی طرح دے گا اور حیعلتین میں **لاحول ولا قوة الا باللہ** کہے گا یہی لوگ **وخالفهم فى ذٰلك آخرون** کا مصداق ہیں۔ ائمہ ثلاثہ کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم مؤذن کی اذان سنو تو تم بھی مؤذن کی طرح تلفظ کرو یہ روایت امام طحاوی نے چار صحابہ سے پانچ اسناد سے نقل کی ہے۔

جمہور کی طرف سے جواب: مؤذن کی اذان کا جواب دینے سے مراد ذکر کرنا ہے اور انہی الفاظ کے ساتھ ذکر کرنا ہے جو مؤذن استعمال کرتا ہے اور اذان میں حیعلتین کے علاوہ باقی تمام کلمات ذکر میں داخل ہیں اور حیعلتین ذکر نہیں بلکہ الفاظ دعوت ہیں ان کے ذریعے مؤذن نماز اور کامیابی کی طرف بلاتا ہے اب اگر مجیب جواب میں وہی الفاظ کہے جو مؤذن نے دعوت کے الفاظ کہے ہیں تو اس سے مذاق لازم آتا ہے اسلئے حیعلتین کے جواب میں ایسے کلمات کہے جائیں جو آپ ﷺ سے منقول ہیں اور وہ **لاحول ولاقوة الا باللہ** پڑھنا ہے۔

حنفیہ و جمہور کی پہلی دلیل: آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اذان کی طرح کہتے جاؤ یہاں تک کہ مؤذن خاموش ہو جائے اس سے مراد یہ ہے کہ تم مؤذن کی طرح الفاظِ ذکر کہتے جاؤ حتی کہ مؤذن شہادتین پر سکوت اختیار کر لے اسکے بعد حیعلتین میں ترغیب ثابت نہیں، اسکی دلیل حضرت ابوہریرہ ؓ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم جب مؤذن کو شہادتین کہتے ہوئے سنو تو تم بھی مؤذن کی طرح کہو اس روایت میں شہادتین کی قید موجود ہے۔ دوسری دلیل: وہ روایت جس میں آپ ﷺ کا حیعلتین کی جگہ **لاحول ولاقوة الّا باللہ** پڑھنا اور صحابہ کو اس کی ترغیب دینا ثابت ہے یہ روایت تین صحابہ سے منقول ہے۔ پس ثابت ہوا کہ مجیب مؤذن کی اذان میں حیعلتین کے جواب میں **لاحول ولا قوة الّا باللہ** کہے گا (ایضا)

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۸ھ

**الشق الاوّل** ...... **عن ابى هريرة ان رسول اللہ ﷺ انصرف من صلٰوة جهر فيها بالقراءة فقال هل قرأ منكم معى احد انفًا فقال رجل نعم يا رسول اللہ فقال رسول اللہ ﷺ انى اقول مالى انازع القراٰن قال فانتهى الناس عن القراءة مع رسول اللہ ﷺ فيما جهر به رسول اللہ ﷺ بالقراءة من الصلوات حين سمعوا ذٰلك منه۔** (ص۱۵۸۔حقانیہ) قراءت خلف الامام کے متعلق ائمہ کا کیا اختلاف ہے؟ ائمہ کے دلائل کی روشنی میں مسئلہ کی مکمل تفصیل تحریر کریں۔ قراءت خلف الامام کے عدمِ جواز پر امام طحاویؒ کی ذکر کردہ دلیل کو بیان کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل دو امور ہیں (۱) قراءت خلف الامام کے متعلق ائمہ کا اختلاف مع الدلائل (۲) نظرِ طحاوی کی وضاحت۔

**جواب** ...... ① قراءت خلف الامام کے متعلق ائمہ کا اختلاف مع الدلائل:۔ قراءت خلف الامام کے متعلق چار مذاہب ہیں۔
① امام مالکؒ کے نزدیک سری نماز میں مستحب اور جہری نماز میں مباح ہے۔ ② امام احمدؒ کے نزدیک سری نماز میں مستحب اور جہری نماز میں مکروہِ تحریمی ہے۔ ③ امام شافعیؒ، داؤد ظاہریؒ، اسحاق بن راہویہؒ کے نزدیک سری و جہری دونوں نمازوں میں قراءت خلف الامام واجب ہے اور یہی لوگ **فذهب الٰى هذا الآثار قوم و اوجبوا بها القراءة خلف الامام الخ** کے مصداق ہے۔ چونکہ پہلے دونوں مذہب بھی فی الجملہ قراءت کے قائل ہیں اس لئے وہ بھی اِن کے ساتھ شریک ہو کر یہ فریقِ اوّل ہیں۔

03... maktabazakariyamultan@gmail.com

④ امام ابوحنیفہؒ، سفیان ثوریؒ، ابراہیم نخعیؒ، عامر شعبیؒ، حسن بن صالحؒ، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ، عبدالرحمٰن بن وہبؒ، اشہب مالکیؒ اور جمہور علماءؒ کے نزدیک قراءت خلف الامام جائز نہیں ہے اور یہی لوگ **وخالفهم فی ذٰلك اٰخرون** کے مصداق ہیں۔

فریقِ اوّل کے دلائل: ① حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی تو آپ پر قراءت دشوار ہوگئی، سلام کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم لوگ میرے پیچھے قراءت کررہے تھے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اقرار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا مت کیا کرو بلکہ صرف سورۃ فاتحہ پڑھا کرو۔ ② حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر وہ نماز جس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ کامل نہیں ہوتی بلکہ وہ ناقص ہوتی ہے۔ ③ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جو شخص نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ناقص رہتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد ابوسائب نے کہا کیا مقتدی کیلئے قراءت جائز ہے؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سورۃ فاتحہ اپنے دل میں آہستہ آہستہ پڑھا کرو۔

جوابات: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت کا جواب یہ ہے کہ اُن کی روایت کی سند میں تین راوی متکلم فیہ ہیں: محمد بن اسحاقؒ، امام مکحولؒ، محمود بن ربیعؒ، اسلئے ان کی روایت قابلِ استدلال نہیں۔ نیز اس حدیث کی سند میں اضطراب ہے، کسی طریق میں مکحول عن محمود عن عبادہ، کسی میں مکحول عن نافع عن عبادہ، کسی میں مکحول عن نافع عن محمود عن عبادہ، کسی میں مکحول عن عبادہ، کسی میں مکحول عن نافع عن ابی نعیم عن عبادہ ہے۔ نیز متن میں بھی اضطراب ہے: چار قسم کے الفاظ مروی ہیں لہٰذا اتنے اضطرابات کی موجودگی میں یہ حدیث قابلِ استدلال نہیں۔

حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا کا جواب یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز کے کامل نہ ہونے میں دو احتمال ہیں: ① امام، مقتدی، منفرد سب کی نماز اس میں داخل ہے کہ کسی کی نماز بھی سورۃ فاتحہ کے بغیر کامل نہ ہوگی۔ ② امام و منفرد کی نماز مراد ہے یعنی وہ شخص جس کا کوئی امام نہ ہو خواہ وہ منفرد ہو یا خود امام ہو۔ اسکی نماز بلا کراہت درست نہیں ہوسکتی اور مقتدی کا چونکہ امام ہوتا ہے اور امام کی قراءت مقتدی کے لئے کافی ہے لہٰذا مقتدی کی نماز مراد نہیں ہے۔ پس جب اس حدیث میں دو احتمال پیدا ہوگئے تو شرعی دلیل کے بغیر کسی ایک احتمال کو ترجیح نہ ہوگی، چنانچہ ہم نے غور کیا تو ہمیں حدیث مل گئی کہ آپ ﷺ نے فرمایا **من کان له امامٌ فقراء ۃ الامام قراء ۃ له**، لہٰذا اس حدیث سے بھی مقتدی کے لئے قراءت خلف الامام ثابت نہیں ہے۔

حدیثِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے بھی اِسی مضمون کی روایت سنی مگر حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے کہ جب امام کسی قوم کی امامت کرے تو اُس امام کی قراءت قوم کے لئے کافی ہوجاتی ہے، حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کے فتویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ کلامِ نبوی میں مقتدی مستثنیٰ ہے۔ قراءت کرنا صرف امام و منفرد پر لازم ہے۔ اب دونوں صحابہ رضی اللہ عنہ کی رائے و قیاس میں تعارض واقع ہوا، ترجیح کے لئے غور کیا تو حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کے قیاس کے لئے سابقہ **من کان لهٗ امامٌ الخ** والی دلیل مل گئی۔ پس اس دلیل کی وجہ سے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی رائے راجح ہوگی اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی رائے مرجوح ہوگی۔

فریقِ ثانی کے دلائل: ① آیت کریمہ **واذا قرئ القراٰن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون** ہے، اس آیت میں واضح طور پر حکم دیا گیا ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو خوب توجہ کے ساتھ سنو اور خاموشی اختیار کرو اسلئے امام کے پیچھے قراءت جائز نہیں ہے۔ ② حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کے پیچھے قراءت کیا کرتے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم مجھے خلجان میں ڈالتے ہو؟ معلوم ہوا کہ قراءت خلف الامام جائز نہیں ہے۔ ③ آپ ﷺ نے فرمایا **من کان له امامٌ فقراء ۃ الامام قراء ۃ له**، اس حدیث میں واضح طور پر آپ ﷺ نے امام کی قراءت کو مقتدیوں کے لئے کافی قرار دیا۔

**②** نظرِ طحاوی کی وضاحت: اس بات پر اتفاق ہے کہ جب امام رکوع کی حالت میں ہو اور کوئی نماز میں شامل ہونے والا شخص تکبیرِ تحریمہ کہہ کر رکوع میں شریک ہوجائے اور قراءت نہ کرے تو آنے والے شخص کے حق میں یہ رکعت صحیح ہے۔ اس رکعت کا صحیح ہونا اور اس سے قراءت کا ساقط ہونا دو احتمال رکھتا ہے۔ ① رکعت کے فوت ہونے کے خوف سے اور ضرورت کی بناء پر قراءت ساقط ہوگئی۔ ② امام کے پیچھے قراءت لازم ہی نہیں ہے۔ دونوں احتمالوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کے لئے ہم نے وجہ تلاش کی تو معلوم ہوا کہ تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ امام رکوع کی حالت میں ہو تو آنے والا بحالتِ قیام تکبیرِ تحریمہ کے بغیر رکوع میں چلا جائے تو اُس کی نماز نہیں ہوتی اور نہ وہ رکعت ہوتی

ہے حالانکہ قیام اور تکبیر کو رکعت کے فوت ہونے کے خوف اور ضرورت کی وجہ سے اُس نے ترک کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ تکبیرِ تحریمہ اور قیام حالتِ ضرورت اور غیر ضرورت دونوں صورتوں میں لازم ہیں اور یہ نماز کے فرائض میں سے ہیں جن کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ اگر قراءت کرنا بھی دیگر فرائض کی طرح امام کے پیچھے لازم ہوتا تو کسی بھی حالت میں اُس کو ترک کرنے کی اجازت نہ ہوتی معلوم ہوا کہ اُس کا حکم فرائض کے علاوہ ہے اور یہ مقتدی پر لازم نہ ہونے کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہے۔ اور یہی ہمارا مذہب ہے۔ (ایضاح الطحاوی ص ۶۰۴: ۱)

**الشق الثانی** ...... **عن نافع عن ابن عمر ان رجلا سأل النبی ﷺ عن صلٰوة اللیل فقال مثنٰی مثنٰی فاذا خشیت الصبح فصل رکعة توترلك صلٰوتك۔** (ص ۱۹۶۔ حقانیہ) وِتر کے واجب یا سنت ہونے میں ائمہ کا اختلاف بیان کریں، وِتر کی رکعت کی تعداد کو ائمہ کے اقوال ودلائل کے ساتھ تحریر کریں۔ نیز ایک رکعت وِتر والی احادیث کا جواب بھی تحریر کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) وِتر کا حکم مع الدلائل (۲) وِتر کی رکعت کی تعداد میں اختلاف مع الدلائل (۳) ایک رکعت وِتر والی احادیث کا جواب۔

**جواب** ...... **①** وِتر کا حکم مع الدلائل:۔ امام ابوحنیفہؒ کے ہاں وِتر واجب ہیں، ائمہ ثلاثہؒ اور صاحبینؒ کے ہاں وِتر سنت ہیں۔

وجوب کے دلائل: ① **عن خارجة بن حذیفة قال قال النبی ﷺ ان اللّٰہ امدکم بصلوة ھی خیرلکم من حمر النعم** (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)۔ مزید مزید علیہ کی جنس سے ہوتی ہے، مزید علیہ فرض نماز ہے جو محدود ہے زیادتی محدود میں ہوتی ہے نوافل مراد نہیں کیونکہ وہ محدود نہیں، چونکہ دلیل ظنی ہے اسلئے وِتر واجب ہے ورنہ فرض ہوتے ② **عن ابی ایوب قال قال النبی ﷺ الوتر حق واجب علی کل مسلم** (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ) یہ حدیث وجوب پر نص ہے ③ **عن ابی بریدہ قال قال رسول اللّٰہ الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا** (ابوداؤد) وِتروں کے ترک پر وعید وجوب کی دلیل ہے ④ **عن ابی ھریرة قال قال رسول اللّٰہ ﷺ من لم یوتر فلیس منا** (مسند احمد) ⑤ **عن ابی سعید الخدری ان النبی ﷺ قال اوتروا قبل ان تصبحوا** (مسلم) اس میں امر کا صیغہ مستعمل ہے، مطلق امر وجوب کیلئے ہوتا ہے۔ ⑥ حسن بصریؒ وامام طحاویؒ نے وِتر کے واجب ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔ نیز دیگر ائمہ کے نزدیک وِتر سنت ہونے کے باوجود انکا ترک جائز نہیں ہے۔

دلائلِ عدم وجوب: ① **عن علیؓ قال الوتر لیس بحتم کصلوتکم المکتوبة ولکن سنّ رسول اللّٰہ ﷺ قال ان اللّٰہ وتریحب الوتر فاوتروا یا اھل القرآن۔** (ترمذی)

جواب یہ ہے کہ اس میں وجوب کی نہیں بلکہ فرضیت کی نفی ہے اور **کصلوتکم المکتوبة** کے الفاظ اس پر دال ہیں چنانچہ ہم بھی صلواتِ خمسہ کی طرح اسکی فرضیت کے قائل نہیں اور اسکے منکر کو کافر نہیں کہتے۔

② **عن طلحة بن عبیداللّٰہ مرفوعا خمس صلوات کتبھن اللّٰہ علیك قال ھل علیّ غیرھن قال لا الّا ان تطوع** (بخاری، مسلم) ③ **عن جابر مرفوعا ان اللّٰہ فرض علیکم خمس صلوات فی الیوم واللیلة** (بخاری، مسلم) ④ **عن جابر مرفوعا خشیت ان یکتب علیکم الوتر۔** (صحیح ابن حبان) جواب یہ ہے کہ وِتر عشاء کے تابع ہیں اسلئے ان کو مستقل شمار نہیں کیا گیا۔ نیز پانچ کا عدد فرض نمازوں کیلئے ہے اور وِتر فرض نہیں بلکہ واجب ہیں۔ نیز پہلی حدیث وجوب سے پہلے کا واقعہ ہے۔

**②** وِتر کی رکعت کی تعداد میں اختلاف:۔ امام ابوحنیفہؒ وصاحبینؒ کے ہاں نمازِ وِتر تین رکعت دو تشہد اور ایک سلام کیساتھ ہے ائمہ ثلاثہؒ کے ہاں ایک رکعت سے گیارہ رکعت تک درست ہے البتہ تین رکعت دو سلام کے ساتھ افضل ہے۔

حنفیہ کے دلائل: ① **عن ابی بن کعب کان رسول اللّٰہ ﷺ یوتر بثلاث یقرء فی الاولی بسبح اسم ربك الاعلی وفی الثانیة بقل یاایھاالکفرون وفی الثالثة بقل ھواللّٰہ احد ولا یسلم الّا فی آخرھن۔** (نسائی) ② **عن عائشة ان رسول اللّٰہ ﷺ کان لایسلم فی رکعتی الوتر** (نسائی) ③ **عن عائشة کان رسول اللّٰہ ﷺ یوتربثلاث لایسلم الافی آخرھن** (الحاکم) ④ **عن عائشة مرفوعاثم اوتربثلاث لایفصل بینھن** (مسند احمد) ⑤ **عن ابی عباس مرفوعاثم اوتربثلاث۔** (مسلم)

ائمہ ثلاثہ کے دلائل: ①عن ابن عمر کان النبی ﷺ یصلی من اللیل مثنی مثنی ویوتر بواحدة۔ (بخاری، مسلم، ترمذی) ②عن ابنِ عمر مرفوعا الوتر رکعة من آخر اللیل۔ (مسلم) ③قیل لابن عباس هل لك فی امیرالمومنین معاویة ماأوتر الابواحدة قال اصاب انه فقیه وفی روایة دعه فانه قدصحب النبی ﷺ۔ (بخاری)

③ **ایک رکعت وِتر والی احادیث کا جواب:۔** ان احادیث کا جواب یہ ہے کہ ایک رکعت ماقبل والے متصل دوگانہ کو وتر بناتی تھی جس پر قرینہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی دوسری مرفوع حدیث ہے کہ رات کو دو دو رکعت ہیں صبح ہونے کا خوف ہو تو ایک رکعت پڑھنا اس دوگانے کے ساتھ اسکو وتر بنادے گا کیونکہ صرف ایک رکعت اکیلا پڑھنا کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے۔

**(فائدہ)** وتر کا اطلاق صلوٰۃ اللیل اور وِتر اصطلاحی دونوں پر ہوتا ہے۔ (المسائل والدلائل ص ۳۲۱)

## السوال الثالث ۱۴۳۸ھ

**الشق الاوّل** ...... عن علقمة والاسود انهما دخلا علی عبدالله ؓ فقال اصلی هؤلاء خلفکم فقالا نعم فقام بینهما وجعل احدهما عن یمینه والاخرعن شماله ثم رکعنا فوضعنا ایدینا علی رکبنا فضرب ایدینا فطبق ثم طبق بیدیه فجعلهما بین فخذیه فلما صلی قال هکذا فعل النبی ﷺ۔ (ص ۱۶۵۔ حقانیہ)

دو مقتدیوں کی موجودگی میں امام کہاں کھڑا ہوگا؟ ائمہ کے مذاہب ودلائل تحریر کریں نیز اس مسئلہ کو امام طحاویؒ کی ذکر کردہ عقلی دلیل سے ثابت کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں دو امور توجہ طلب ہیں (۱) دو مقتدیوں کی موجودگی میں امام کے کھڑا ہونے کی کیفیت میں اختلاف مع الدلائل (۲) نظر طحاویؒ کی وضاحت۔

**جواب** ...... ① **دو مقتدیوں کی موجودگی میں امام کے کھڑا ہونے کی کیفیت میں اختلاف مع الدلائل:۔** اگر مقتدی ایک ہو تو جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ وہ امام کی دائیں جانب کھڑا ہوگا اور اگر دو سے زائد مقتدی ہوں تو وہ بالاتفاق امام کے پیچھے کھڑے ہوں گے اور اگر دو مقتدی ہوں تو امام کہاں پر کھڑا ہوگا؟ اس بارے میں اختلاف ہے۔ امام ابو یوسفؒ، ابراہیم نخعیؒ، علقمہؒ اور اسود بن یزیدؒ کے نزدیک وہ دونوں مقتدیوں کے درمیان میں کھڑا ہوگا جبکہ ائمہ اربعہؒ اور جمہور فقہاء کے نزدیک امام کا آگے الگ کھڑا ہونا مسنون ہے۔ فریقِ اوّل کی دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت اور اُن کا عمل ہے کہ انہوں نے حضرت علقمہؒ اور حضرت اسود بن یزیدؒ کو دائیں بائیں کھڑا کر کے خود درمیان میں کھڑا ہو کر امامت کروائی۔ جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جگہ تنگ ہونے یا کسی خاص عذر کی وجہ سے یہ کیا ہو اور آپ ﷺ بھی کسی خاص عذر یا جگہ کی تنگی کی وجہ سے ایسا کیا کرتے تھے، نہ اس لئے کہ یہی سنت ہے اور جگہ تنگ ہونے کی صورت میں ہمارے نزدیک بھی امام درمیان میں کھڑا ہو سکتا ہے۔

جمہور کی دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میری دادی ملیکہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت کی تو آپ ﷺ نے کھانا تناول فرما کر باجماعت نماز ادا فرمائی اور مَیں اور ضُمیرہ بن ابی ضمیرہ دونوں حضور ﷺ کے پیچھے کھڑے ہوئے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ مقتدی جب دو ہوں تو امام کا آگے کھڑا ہونا مسنون ہے۔ (ایضاح الطحاوی ج ۲ ص ۲۳۶)

② **نظر طحاویؒ کی وضاحت:۔** اکیلے مقتدی اور دو سے زائد مقتدی ہونے کی صورت میں کوئی اختلاف نہیں ہے، مقتدی دو ہونے کی صورت میں اختلاف ہے تو بعض لوگوں نے اُن پر واحد کا حکم لگایا اور بعض نے جمع کا حکم لگا کر اُن کو پیچھے کھڑے ہونے کا حکم دیا تو ہم نے ترجیح دینے کے لئے وجہ ترجیح تلاش کی تو ہمیں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت مل گئی کہ حضور ﷺ نے دو کو جماعت کا حکم دیا ہے جب دو مقتدی جماعت کے حکم میں ہیں تو اُن پر جماعت (تین یا تین سے زائد افراد) والا حکم جاری ہوگا اور دو افراد کا بھی پیچھے کھڑا ہونا مسنون ہوگا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مسائلِ میراث کو بیان کرتے ہوئے ہر جگہ دو کو تین اور جماعت والا ہی حکم دیا ہے چنانچہ اخیافی بھائی ایک ہو تو اُس کے لئے سدس اور دو ہوں یا دو سے زائد ہوں تو اُن کے لئے ثلث مقرر فرمایا، اسی طرح ایک لڑکی کے لئے نصف اور دو یا دو سے زائد کے لئے دو ثلث مقرر فرمائے۔ پس معلوم ہوا کہ احکام شرعیہ میں دو کو بھی تین اور جماعت والا حکم حاصل ہے پس باب الامامۃ میں بھی دو کو تین والا حکم حاصل ہوگا اور یہی ہمارا مذہب ہے۔

**الشق الثانی** ...... **عن انس بن مالک ان رسول الله ﷺ رکب فرسًا فصرع عنه فجحش شقّه الایمن فصلی صلوٰة من الصلوات وهو قاعد وصلینا وراء ه قعودا فلما انصرف قال انما جعل الامام لیؤتم به فاذا صلی قائما فصلوا قیامًا واذا صلی جالسًا فصلوا جلوسا اجمعین۔** (ص ۱۷۱۔حقانیہ)

اگر امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی کی نماز پڑھنے کی کیفیت اور ائمہ کے دلائل ذکر کریں۔ نیز مذہبِ راجح کی وجہ ترجیح اور مخالفین کے شبہات کا جواب بھی تحریر کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) امام قاعدًا کے پیچھے مقتدی کی نماز کی کیفیت (۲) ائمہ کے دلائل (۳) راجح کی ترجیح اور مخالفین کے شبہات کا جواب۔

**جواب** ...... **۱** <u>امام قاعدًا کے پیچھے مقتدی کی نماز کی کیفیت</u>:۔ اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ امام اور منفرد کیلئے بغیر عذر کے فرض نماز قاعدًا ادا کرنا درست نہیں اور ایسا کرنے کی صورت میں اسکی نماز نہ ہوگی البتہ اگر امام عذر کی بناء پر بیٹھ کر نماز ادا کررہا ہو تو مقتدیوں کی اقتداء اور اسکے طریقہ کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے اور اس بارے میں تین قول مشہور ہیں:

① امام مالکؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ امام قاعد کی اقتداء کسی بھی حال میں جائز نہیں نہ بیٹھ کر اور نہ کھڑے ہو کر البتہ اگر مقتدی بھی معذور ہوں اور کھڑے نہ ہوسکتے ہوں تو وہ ایسے امام کی اقتداء کرسکتے ہیں یہی مسلک امام محمد کی طرف بھی منسوب ہے پھر امام محمد ابن القاسم اور اکثر مالکیہ نے تو مقتدیوں کی معذوری کی صورت میں بھی اقتداء بالمریض القاعد کو مکروہ کہا ہے بلکہ بعض مالکیہ تو اس کے بھی عدمِ جواز کے قائل ہیں اور امام مالک حدیث باب کے واقعہ کو منسوخ مانتے ہیں ② امام احمدؒ، امام اوزاعیؒ، امام اسحاقؒ اور ظاہریہ کا ہے ان کے نزدیک اگر امام مریض ہو اور بیٹھ کر امامت کرے تو اس کی اقتداء جائز ہے لیکن مقتدیوں کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ بھی بیٹھ کر نماز پڑھیں ③ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام ابو یوسفؒ، سفیان ثوریؒ، ابوثورؒ اور امام بخاریؒ کا ہے ان حضرات کے نزدیک امام قاعد کے پیچھے اقتداء درست ہے لیکن غیر معذور مقتدیوں کا ایسی صورت میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ضروری ہے بیٹھ کر اقتداء درست نہیں، امام حازمیؒ نے اس کو اکثر اہل علم کا مسلک قرار دیا ہے۔

**۲** <u>ائمہ کے دلائل</u>:۔ امام مالکؒ امام شعبیؒ کی مرفوع روایت سے استدلال کرتے ہیں جو مرسلاً مروی ہے **لایومن رجل بعدی جالسًا** لیکن جمہور یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کا مدار جابر جعفی پر ہے جو متفق علیہ طور پر ضعیف ہے امام دار قطنی اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں **لم یروه غیر جابر الجعفی عن الشعبی وهو متروک والحدیث مرسل لاتقوم به حجة** لہٰذا اس حدیث سے استدلال درست نہیں۔ امام احمدؒ وغیرہ کا استدلال حدیثِ باب سے ہے جس میں نہ صرف آپ ﷺ نے خود بیٹھ کر نماز پڑھائی بلکہ دوسروں کو بھی اس کا حکم دیا کہ **واذاصلی قاعدًا فصلوا قعودا اجمعون۔**

جمہور کی طرف سے پہلا جواب یہ ہے کہ مرض الوفات کے واقعہ سے یہ حدیث منسوخ ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ روایت نوافل سے متعلق ہے فرض نماز کے متعلق نہیں چنانچہ نفل نماز میں یہ ہوسکتا ہے کہ مقتدی بھی امام قاعد کی اقتداء بیٹھ کر کرے۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ابوداوٗد کی ایک روایت میں نماز کے فرض ہونے کی تصریح ہے چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ **رکب رسول الله ﷺ فرسا بالمدینة فصرعه علی جذم نخلة فانفکت قدمه فاتیناه نعوده فوجدناه فی مشربة لعائشة یسبح جالسا قال فقمنا خلفه فسکت عنا ثم اتیناه مرة اخری نعوده فصلی المکتوبة جالسا فقمنا خلفه فاشار الینا فقعد ناقال فلما قضی الصلوة قال اذا صلّی الامام جالسًا فصلّوا جلوسًا الخ** اس طرح تصریح ہوگئی کہ آپ کی دوسری نماز فرض تھی۔

حنفیہ وشافعیہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ آنحضرت ﷺ کی تو اگرچہ فرض نماز تھی لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس میں بنیت **نفل** شریک ہوئے تھے جسکی دلیل یہ ہے کہ **سقوط عن الفرس** کے واقعہ میں آنحضرت ﷺ کئی روز تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں مقیم رہے اور مسجد میں نہ آسکے اور یہ بات بعید ہے کہ ان تمام ایام میں مسجد نبوی جماعت سے خالی رہی ہو پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ اتنا وسیع بھی نہ تھا کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہاں آنحضرت ﷺ کے پیچھے اقتداء کرتے، اسلئے ظاہر یہی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

مسجد نبوی میں اپنے وقت سے باجماعت نماز پڑھنے کے بعد آنحضرت ﷺ کی عیادت کیلئے حاضر ہوئے تھے اور جب آپ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ کی اقتداء کی فضیلت حاصل کرنے کیلئے بنیت نفل آپ ﷺ کیساتھ شریک ہوگئے۔

امام ابوحنیفہؒ وامام شافعیؒ کا استدلال **وقوموا لله قٰنتین** سے ہے جس میں قیام کو مطلقاً فرضِ صلوٰۃ قرار دیا گیا ہے اس سے معذور لوگ بحکم **لایکلف الله نفسا الّا وسعها** مستثنیٰ ہونگے لیکن غیر معذور کو مستثنیٰ کرنے کی کوئی وجہ نہیں، پھر وہ احادیث بھی جمہور کی دلیل ہیں جن میں قادر علی القیام کو بیٹھ کر نماز پڑھنے کی ممانعت کی گئی ہے چنانچہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: **کان بی الناصو فسألت النبی ﷺ فقال صلّ قائما فان لم تستطع فقاعدًا فان لم تستطع فعلی جنب**۔ جمہور کی ایک اہم دلیل آنحضرت ﷺ کے مرضِ وفات کا واقعہ ہے جس میں آپ ﷺ نے بیٹھ کر امامت فرمائی اور یہ واقعہ سابقہ تمام احادیث کیلئے ناسخ ہے۔(درسِ ترمذی ۲:۱۳۱)

③ __راجح کی ترجیح اور مخالفین کے شبہات کا جواب:__۔ حنابلہ کی طرف سے اس مرضِ وفات کے واقعہ پر ایک اعتراض ہے کہ مصنف عبدالرزاق میں حضرت عطاء رضی اللہ عنہ سے مرسلاً مروی ہے کہ آپ ﷺ نے بیٹھ کر امامت فرمائی اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے کھڑے ہو کر اقتداء کی اور آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا **لواستقبلت من امری مااستدبرت ماصلیت الاقعودا بصلوٰۃ امامکم ماکان یصلی قائما فصلوا قیاما وان صلی قاعدًا فصلوا قعودًا**، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی آخری رائے یہی تھی کہ ایسی صورت میں مقتدی بھی بیٹھ کر نماز پڑھیں۔ جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں اس بات کی کوئی تصریح نہیں کہ یہ مرض وفات ہی کا واقعہ ہے بلکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ بھی **سقوط عن الفرس** ہی کے واقعہ سے متعلق ہے اسلئے کہ اس واقعہ میں آپ ﷺ کئی روز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مشربہ میں مقیم رہے اسلئے عین ممکن ہے کہ شروع میں آپ ﷺ نے ایک آدھ نماز اس طرح پڑھی ہو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اقتداء کی ہو پھر بعد میں آپ ﷺ کی رائے بدلی اور آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم دیا لیکن مرضِ وفات کے واقعہ نے اسے منسوخ کر دیا پھر یہ روایت مرسل ہے اور عطاء بن ابی رباح کی مراسیل حضرت حسن بصری کے مراسیل کی طرح ضعیف سمجھی جاتی ہیں چنانچہ ان دونوں حضرات کی مراسیل کے بارے میں مشہور ہے **لیس فی المرسلات أضعف من مرسلات الحسن وعطاء بن ابی رباح** لہٰذا یہ ممکن ہے کہ عطاء کی اس روایت میں کسی راوی کو مغالطہ ہو گیا ہو اور اس نے واقعہ سقوط عن الفرس اور واقعہ مرضِ وفات کو باہم مشاکلت کی وجہ سے خلط کر کے روایت کر دیا ہو۔

حنابلہ دوسرا اعتراض یہ کرتے ہیں کہ ابوداؤد وغیرہ کی روایت میں **اذاصلّی الامام جالسًا فصلّوا جلوسا واذا صلّی قائمًا فصلّوا قیامًا** کے حکم کے ساتھ یہ تصریح بھی موجود ہے **ولاتفعلوا کما یفعل اهل فارس بعظمائها** جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقتدیوں کے بیٹھ کر اقتداء کرنے کی علت اہلِ فارس کے تشبہ سے بچنا ہے اور یہ علت اب بھی باقی ہے اس لئے اس حکم کے منسوخ ہونے کا کیا سوال ہوسکتا ہے؟ اس کا جواب شاہ ولی اللہؒ نے دیا ہے کہ دراصل ابتداء میں جب عام لوگ اسلامی طرزِ زندگی کے پورے عادی نہیں ہوئے تھے اور ان کے اذہان میں اسلامی عقائد واسلامی معاشرت کی پختگی پیدا نہیں ہوئی تھی اس وقت غیر مسلموں کے ساتھ معمولی مشابہت سے بھی منع کیا گیا تھا اور جب ان کے اذہان میں اسلامی عقائد اور اسلامی معاشرت کا رسوخ ہو گیا تو پھر اس کی ضرورت نہ رہی چنانچہ مرضِ وفات کے واقعہ نے اسے منسوخ کر دیا۔(ایضاً)

## الورقة الرابعة : طحاوی شریف

## السوال الاوّل ۱۴۳۹ھ

0313 6357913 maktabazakariya...@gmail.com

**الشق الاوّل**......قال ابو جعفر: کره قوم ان یقال فی اذان الصبح "الصلاة خیر من النوم" و احتجّوا فی ذلك بحدیث عبد اللّٰه بن زید فی الاذان الذی امره رسول اللّٰه ﷺ بتعلیمه ایّاه بلالا فامر بلالا بالتاذین به وخالفهم فی ذلك آخرون فاستحبّوا ان یقال ذلك فی التاذین للصبح بعد الفلاح وکان من الحجة لهم فی ذلك .....الخ

عبارت کا ترجمہ کریں۔ تثویب کا معنی واقسام بیان کریں۔ **کره قوم وخالفهم فی ذلك آخرون**" کا مصداق متعین کریں۔

فریقین کے دلائل کا خلاصہ تحریر کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت کا ترجمہ ② تثویب کا معنی واقسام ③ "کرہ قوم وخالفهم فی ذلك آخرون" کا مصداق ④ فریقین کے دلائل کا خلاصہ۔

**جواب** ...... **①** تثویب کا لغوی واصطلاحی معنی اور اقسام:۔ لغت میں تثویب کا معنی اعلان بعد الاعلان ہے۔اور اصطلاحی معنی دو قسم پر ہے: ① فجر کی اذان میں حی علیٰ الفلاح کے بعد الصلوٰۃ خیر من النوم کہنا، اور اسے تثویبِ قدیم کہا جاتا ہے۔ ② تثویبِ حادث جو زمانۂ نبوت کے بعد کے لوگوں نے ایجاد کیا ہے اور وہ حیعلتین کو اذان واقامت کے درمیان کہنا ہے۔

**②** کرہ قوم وخالفهم فی ذلك آخرون" کا مصداق:۔ تثویبِ حادث کے جواز میں تین اقوال ہیں:

① امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر نماز کیلئے تثویب (اذان کے بعد الصلوٰۃ کا لفظ پکارنا) مستحب ہے۔ ② امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر نماز کیلئے مکروہ ہے۔ ③ عام مشائخ کے نزدیک فجر کیلئے لاباٴس بہ کے درجہ میں ہے اور بقیہ نمازوں کیلئے مکروہ ہے۔

تثویب قدیم یعنی فجر کی نماز میں حی علیٰ الفلاح کے بعد الصلوٰۃ خیر من النوم کہنا جائز ہے یا نہیں؟ یہی مسئلہ زیر بحث ہے اور اس سلسلہ میں اوجز المسالک اور امانی الاحبار میں دو مذاہب نقل کیے گئے ہیں:

① امام عطاء، ابن رباح، طاؤس، اسود بن یزید رحمہم اللہ کے نزدیک یہ تثویب مکروہ ہے، اور یہی لوگ "کرہ قوم" کا مصداق ہیں۔

② ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک یہ تثویب مسنون ہے، اور یہی لوگ "خالفهم آخرون" کا مصداق ہیں۔ (ایضاح الطحاوی)

**③** فریقین کے دلائل:۔ فریق اول کی دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو جو اذان سکھائی تھی اس میں تثویب نہیں تھی۔ جواب یہ ہے کہ جس ذات نے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی اذان کو مشروع کیا ہے اسی ذات نے دوسرے موقع پر تثویب کو بھی مشروع فرمایا ہے اسلئے تثویب پر کراہت کا حکم لگانا جائز نہیں ہوسکتا۔

فریق ثانی کے دلائل: ① حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اذان سکھلائی اس وقت فجر کی اذان میں تثویب بھی سکھلائی تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ اس کو فجر کی اذان میں شامل کردو تو معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن زید کی اذان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تثویب کا اضافہ فرمایا ہے۔ ② آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس تثویب کو صبح کی اذان میں استعمال فرمایا ہے، امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بطور مثال حضرت عبداللہ بن عمر وحضرت انس رضی اللہ عنہم کا عمل اور فتویٰ دو سندوں کے ساتھ نقل فرمایا ہے، اور یہی ہمارے علماء ثلاثہ کا قول بھی ہے۔ (ایضاً)

**الشق الثانی** ...... **عن ابن عباس قال صلى بنا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم الظهر والعصر جميعًا والمغرب والعشاء جميعًا عن غير خوف ولا سفر.** (ص۱۱۹۔حقانیہ) جمع بین الصلوٰتین کے بارے میں علماء کے مذاہب مع الدلائل تحریر کریں۔ راجح کی وجہ ترجیح بیان کریں۔ جمع بین الصلوٰتین حقیقی کے عدم جواز پر امام طحاویؒ کی ذکر کردہ عقلی دلیل تحریر کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) جمع بین الصلوٰتین میں ائمہ کے مذاہب ودلائل (۲) راجح کی ترجیح (۳) نظرِ طحاوی کی وضاحت۔

**جواب** ...... **①** جمع بین الصلوٰتین میں ائمہ کے مذاہب ودلائل:۔ اس پر ائمہ کا اتفاق ہے کہ بغیر کسی شرعی عذر کے جمع بین الصلاتین جائز نہیں البتہ ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک عذر کی صورت میں جمع بین الصلوٰتین جائز ہے۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

پھر عذر کی تفصیل میں یہ اختلاف ہے کہ شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک سفر اور مطر عذر ہے اور امام احمدؒ کے نزدیک مرض بھی عذر ہے پھر سفر میں بھی امام شافعیؒ پوری مقدارِ سفر کو عذر قرار دیتے ہیں جبکہ امام مالکؒ یہ فرماتے ہیں کہ جمع بین الصلوٰتین صرف اس وقت جائز ہوگی جب مسافر حالتِ سیر میں ہو اور اگر کہیں ٹھہر گیا خواہ ایک ہی دن کیلئے تو وہاں جمع بین الصلوٰتین جائز نہیں بلکہ امام مالکؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ مطلق حالت سیر بھی کافی نہیں بلکہ جب کسی وجہ سے تیز رفتاری ضروری ہو تب جمع بین الصلوٰتین جائز ہوگی ورنہ نہیں۔

پھر ان سب حضرات کے نزدیک جمع تقدیم بھی جائز ہے اور جمع تاخیر بھی۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عذر کے پائے جانے اور نہ

پائے جانے کا بھی کوئی اعتبار نہیں البتہ جمع صوری جائز ہے جسے جمع فعلی بھی کہتے ہیں اسکی صورت یہ ہے کہ ظہر کی نماز بالکل آخر وقت میں اور عصر کی نماز بالکل شروع وقت میں ادا کی جائے اس طرح دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت میں ہونگی البتہ ایک ساتھ ہونے کی بناء پر صورۃً اسے جمع بین الصلوٰتین کہہ دیا گیا ہے۔

استدلالِ ائمہ ثلاثہ: ائمہ ثلاثہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اُن روایات سے استدلال کرتے ہیں جن میں یہ مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کے موقع پر ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کے درمیان جمع فرمایا اس مفہوم کی روایات تقریباً تمام صحاح میں موجود ہیں نیز ابوداؤد وغیرہ میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت موجود ہے جس سے جمع تقدیم کا جواز بھی معلوم ہوتا ہے۔

دلائل حنفیہ: ① **قوله تعالى ان الصلوة كانت على المؤمنين كتبًا موقوتا** (سورۂ نساء)۔ **وقوله تعالى فويل للمصلين الذين هم عن صلوتهم ساهون**۔ (سورۃ ماعون)۔ **وقوله تعالى حافظوا على الصلوات والصلوة الوسطىٰ** (سورۃ بقرہ)۔ ان تمام آیات میں یہ بات واضح ہے کہ نماز کے اوقات مقرر ہیں اور ان کی محافظت واجب ہے اور ان اوقات کی خلاف ورزی باعثِ عذاب ہے ظاہر ہے کہ یہ آیات قطعی الثبوت والدلالۃ ہیں اور اخبار آحاد اسکا مقابلہ نہیں کرسکتیں بالخصوص جبکہ اخبار آحاد میں توجیہ صحیح کی گنجائش بھی موجود ہو ② بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **قال ما رأيت النبى** صلی اللہ علیہ وسلم **صلّى صلوة لغير ميقاتها الّا صلوتين جمع بين المغرب والعشاء وصلى الفجر قبل ميقاتها** (المعتاد) ③ اصحابِ سنن نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے **ليس فى النوم تفريط انما التفريط فى اليقظة بان يوخر صلوة الى وقت اخرىٰ** ④ اوقات صلوٰۃ کی تحدید تواتر سے ثابت ہے اور اخبار آحاد کے ذریعہ ان میں تغیر نہیں ہوسکتا۔

ائمہ ثلاثہ کے مستدلات کا جواب: یہ ہے کہ جمع بین الصلوٰتین کے وہ تمام واقعات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں ان میں جمع حقیقی مراد نہیں بلکہ جمع صوری مراد ہے اور جمع صوری مراد ہونے پر مندرجہ ذیل دلائل شاہد ہیں۔

① صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے **قال رأيت النبى** صلی اللہ علیہ وسلم **اذا اعجله السير فى السفر يؤخر صلوة المغرب حتى يجمع بينها وبين العشاء قال سالم وكان عبدالله بن عمر يفعله اذا اعجله السير يقيم المغرب يصليها ثلاثا ثم يسلم ثم قلما يلبث حتى يقيم العشاء الخ**، اس میں صراحت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نماز مغرب سے فارغ ہونے کے بعد کچھ دیر انتظار فرماتے تھے اور اسکے بعد نماز عشاء پڑھتے تھے اس انتظار کا کوئی محمل نہیں ہوسکتا سوائے اس کے کہ وہ وقتِ عشاء کے دخول کا تیقن چاہتے تھے خود حافظ ابن حجرؒ نے بھی اعتراف کیا ہے کہ اس میں جمع صوری پر دلیل ملتی ہے۔

② اس سے زیادہ صریح روایت ابوداؤد میں نافع عن عبداللہ بن واقد کے طریق سے مروی ہے **ان مؤذن ابن عمر قال الصلوة قال سِرْ سِرْ حتى اذا كان قبل غيوب الشفق نزل فصلى المغرب ثم انتظر حتى غاب الشفق فصلى العشاء ثم قال ان رسول الله كان اذا عجل به امر صنع مثل الذى صنعت**، امام ابوداؤدؒ نے نہ صرف اس پر سکوت کیا ہے بلکہ اس کا ایک متابع بھی ساتھ ہی ذکر کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں **عبدالله بن العلاء عن نافع قال حتى اذا كان عند ذهاب الشفق نزل مجمع بينهما**، نیز امام دار قطنیؒ نے بھی اپنی سنن میں یہ روایت متعدد طرق سے نقل کی ہے اور سکوت کیا ہے۔ ③ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے **قال صليت مع النبى** صلی اللہ علیہ وسلم **ثمانيا جميعا وسبعا جميعا قلت يا ابا الشعثاء اظنه اخر الظهر وعجل العصر واخر المغرب وعجل العشاء قال وانا اظنّ ذلك**، اس روایت میں حدیث کے دوراویوں کا گمان حنفیہ کے عین مطابق ہے یہ تمام روایات جمع صوری پر بالکل صریح ہیں۔

④ بعض صورتوں میں قائلین جمع حقیقی بھی جمع کو جمع صوری پر ہی محمول کرنے پر مجبور ہیں مثلاً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث باب **قال جمع رسول الله** صلی اللہ علیہ وسلم **بين الظهر والعصر وبين المغرب والعشاء بالمدينة من غير خوف ولا مطر**، اسمیں دوسرے ائمہ بھی جمع فعلی مراد لینے پر مجبور ہیں صرف امام احمدؒ نے اسے حالتِ مرض پر محمول فرمایا ہے لیکن یہ بات بھی بہت بعید ہے کہ ساری کی ساری آبادی اس وقت بیمار ہوگئی ہو نیز جب ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ اس جمع سے آپ کا مقصد کیا ہے تو انہوں نے صرف

اتنا فرمایا ان لاتحرج امتہ اگر اس کا سبب مرض ہوتا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اسے ضرور بیان فرماتے اسی لئے حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اعتراف کیا ہے کہ اس روایت میں جمع صوری مراد لینا بہتر ہے اور حقیقت بھی یہ ہے کہ حدیث باب کی توجیہ کا اسکے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں اور جب اس روایت میں جمع صوری مراد لی جائیگی تو دوسری روایات کو بھی لامحالہ جمع صوری پر ہی محمول کیا جائیگا۔

⑤ اگر جمع سے جمع صوری مراد لی جائے تو تمام روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے اس کے برخلاف اگر جمع حقیقی مراد لی جائے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث باب اور صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت **ما صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوۃ لغیر میقاتھا** کو بالکل چھوڑنا پڑتا ہے اور ظاہر ہے کہ وہی توجیہ راجح ہوگی جس میں تمام روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے۔

⑥ علامہ عثمانیؒ نے فتح الملہم میں جمع صوری مراد ہونے پر ایک بہت لطیف وجہ بیان فرمائی ہے وہ فرماتے ہیں کہ احادیث میں جہاں کہیں جمع بین الصلوتین کا ذکر آیا ہے وہاں جمع بین الظہر والعصر ہوا ہے یا جمع بین المغرب والعشاء، انکے علاوہ کسی بھی دو نمازوں میں نہ جمع ثابت ہے اور نہ کوئی اسکے جواز کا قائل ہے چنانچہ ائمہ ثلاثہ بھی انہی دو نمازوں کے درمیان جمع کے قائل ہیں فجر اور ظہر یا عصر اور مغرب یا عشاء اور فجر کے درمیان جمع کرنا کسی کے نزدیک جائز نہیں اور نہ ہی کسی روایت سے ثابت ہے اب اگر جمع حقیقی مراد لی جائے تو اس تفریق کی کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ ظہر اور عصر کو جمع کرنا جائز ہو لیکن عصر اور مغرب کو جمع کرنا جائز نہ ہو البتہ اگر جمع صوری مراد لی جائے تو اسکی معقول وجہ سمجھ میں آتی ہے اور وہ یہ کہ فجر اور ظہر میں جمع صوری اسلئے ممکن نہیں کہ بیچ میں ایک طویل وقت مہمل حائل ہے اور عصر و مغرب اور عشاء اور فجر میں جمع صوری اسلئے ممکن نہیں کہ عصر اور عشاء کے آخری اوقات مکروہ ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس جمع بین الصلوٰتین پر عمل فرمایا ہے وہ جمع صوری تھی، نہ کہ جمع حقیقی ورنہ وہ تمام نمازوں میں ہوتی۔ (درسِ ترمذی ۱:۴۴۰)

**② راجح کی ترجیح:۔** ① حنفیہ کا مذہب نصِ قرآنی **ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا** کے موافق ہے۔ ② ائمہ ثلاثہؒ کے مذہب کے مطابق تمام روایاتِ جمع پر عمل ممکن نہیں ہے جبکہ حنفیہ کے مذہب کے مطابق تمام روایاتِ جمع پر عمل ممکن ہے۔

**③ نظر طحاویؒ کی وضاحت:۔** فجر کی نماز کے متعلق تمام علماء کا اتفاق ہے کہ فجر کی نماز کو وقت پر مقدم کرنا یا وقت سے مؤخر کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ اس کا وقت اِسی کیلئے خاص ہے، اِس کو اِسی وقت میں ادا کرنا لازم ہے لہٰذا اِس بات کا تقاضا یہ ہے کہ تمام نمازوں کا یہی حکم ہو کہ اُن کو اپنے اپنے وقت پر ادا کرنا لازم ہو اور اپنے وقت سے مقدم اور مؤخر کرنا جائز نہ ہو لہٰذا کہنا ہوگا کہ جمع حقیقی جائز نہیں ہے بلکہ جمع صوری کی شکل جائز ہو سکتی ہے۔ (ایضاح الطحاوی ج ۱ ص ۴۶۶)

## السوال الثانی ۱۴۳۹ھ

**الشق الاوّل** ......**عن ابن عمر انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دخل یوم فتح مکۃ و ردیفہ اسامۃ بن زید فاناخ فی ظل الکعبۃ ، قال ابن عمر فسبقت الناس و قد دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و بلال و اسامۃ فی البیت ، فقلت لبلال من وراء الباب این صلّی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ؟ قال صلّی بحیالك بین الساریتین ۔**

حدیث کا ترجمہ کریں۔ کعبہ میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ ائمہ کے اقوال و دلائل تحریر کریں۔ **فذھب قوم وخالفھم فی ذٰلك اٰخرون** کا مصداق تحریر کریں۔ امام طحاویؒ کی ذکر کردہ عقلی دلیل لکھیں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حاصل چار امور ہیں: ① حدیث کا ترجمہ ② کعبہ میں نماز پڑھنے میں اختلاف مع الدلائل ③ **فذھب قوم وخالفھم فی ذٰلك اٰخرون** کا مصداق ④ نظر طحاوی کی وضاحت۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

**جواب** ...... **① حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن مکہ میں داخل ہوئے اس حال میں کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سواری پر آپ کے پیچھے سوار تھے پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے سائے میں اپنی سواری بٹھائی، ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے لوگوں سے سبقت کی اور تحقیق آپ صلی اللہ علیہ وسلم، بلال و اسامہ (رضی اللہ عنہم) بیت اللہ میں داخل ہو چکے تھے، میں نے بلال رضی اللہ عنہ سے دروازہ کے پیچھے سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہاں نماز پڑھی؟ انہوں نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے سامنے دو ستونوں کے درمیان نماز پڑھی۔

④ کعبہ میں نماز پڑھنے میں اختلاف مع الدلائل:۔ امام احمدؒ اور بعض اہلِ ظواہر کے نزدیک بیت اللہ کے اندر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اور امام مالکؒ کے نزدیک اس میں تفصیل ہے کہ فرض، وتر، صلوٰۃ الطّواف اور سنتِ فجر جائز نہیں ہیں دیگر نوافل جائز ہیں۔

**فذهب قوم** کا مصداق یہی حضرات ہیں۔

ائمہ حنفیہ اور سفیان ثوریؒ کے نزدیک کعبۃ اللہ میں ہر طرح کی نماز جائز ہے اور یہی لوگ **وخالفهم فی ذٰلك اٰخرون** کے مصداق ہے۔

فریقِ اوّل کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں وضاحت ہے کہ آپ ﷺ نے امت کو کعبۃ اللہ کے طواف کا حکم دیا، اُس میں دخول کا حکم نہیں دیا اور آنحضرت ﷺ جب بیت اللہ میں داخل ہوئے تھے تو اس کے ہر کونے میں جا کر دعائیں مانگی تھیں، کوئی نماز اس میں ادا نہیں کی گئی اور جب باہر تشریف لائے تو دو نفل ادا کر کے فرمایا کہ یہی قبلہ ہے۔ یعنی یہ پورا قبلہ بوقتِ صلوٰۃ سامنے ہونا چاہیے۔ جب آپ ﷺ نے خود وہاں نماز نہیں پڑھی تو معلوم ہوا کہ جائز نہیں ہے۔ نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ ہے کہ بوقتِ صلوٰۃ پورا کعبۃ اللہ سامنے ہونا چاہیے اور بیت اللہ کے اندر نماز پڑھنے کی حالت میں اس پر عمل نہیں ہوسکتا۔

فریقِ ثانی کی پہلی دلیل طویل روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ خانہ کعبہ میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی داخل ہوئے تھے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے دیوار سے تین زراع کے فاصلے پر ایک ستون کو اپنی دائیں طرف اور دو کو اپنی بائیں طرف کیا اور تین کو اپنے پیچھے کر کے خانہ کعبہ میں نماز ادا فرمائی۔ لہٰذا بیت اللہ میں آپ ﷺ کے نماز پڑھنے کا انکار کرنا درست نہیں ہے۔ نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے بیت اللہ میں نماز پڑھی ہے۔ نیز بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متواتر طریقے سے یہ روایات مروی ہیں۔

جواب: فریقِ اوّل کی پیش کردہ پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ **هٰذه القبله** میں متعدد احتمال ہیں: ① وہی مراد ہے جو تم نے کہا ② یہ فرمان باجماعت نماز پڑھنے پر محمول ہے کہ امام پر ضروری ہے کہ وہ پورا قبلہ اپنے سامنے رکھے۔ ③ تا قیامت یہی قبلہ رہے گا اور یہ حکم قیامت تک منسوخ نہ ہوگا۔ ④ یہ بطورِ تعلیم فرمایا، اس صورت میں کل کعبہ کا رُخ کرنا لازم نہیں ہے بلکہ بعض کعبہ کا رُخ کرنا بھی کافی ہے، اتنے احتمالات والی روایت کو مستدل بنانا صحیح نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت تنِ تنہاء ہے اور اُسکے مخالف بہت سی روایات موجود ہیں جبکہ ہماری روایات کی موافقت میں متعدد روایات موجود ہیں اسلئے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ والی روایت کو ترجیح حاصل ہوگی۔ (ایضاح الطحاوی ۲:۴۵۲)

③ **فذهب قوم وخالفهم فی ذٰلك اٰخرون** کا مصداق:۔ اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

④ نظرِ طحاوی کی وضاحت:۔ جو شخص قبلہ کو پیچھے کی طرف کرے یا دائیں بائیں کرے تو بالاتفاق اُس کی نماز نہیں ہوتی اور اگر کوئی شخص کعبہ سے خارج میں قبلہ کے بعض حصہ کی طرف نماز پڑھے اور پورے قبلے کا استقبال نہ کرے اور دائیں بائیں کچھ حصہ رہ جائے اور پیچھے کوئی حصہ نہ رہے تو بالاتفاق اس کی نماز صحیح ہے اور شریعت نے قبلہ کے ہر حصہ کے استقبال کا مکلّف نہیں بنایا بلکہ بعض حصہ کا استقبال ہو جائے تو نماز ہو جاتی ہے۔ اس پر نظر کا تقاضا یہ ہے کہ جو شخص بیت اللہ کے اندر بعض قبلے کا استقبال کرے اور بعض حصہ پیچھے کی جانب رہ جائے تو اس کی نماز بھی اُس شخص کی طرح صحیح ہو جائے گی جو خارجِ قبلہ نماز پڑھتا ہے اور یہی ہمارا مذہب ہے۔

**الشق الثانی**......**عن ابی وائل عن ابن مسعود قال کنا اذا صلینا خلف النبی ﷺ قلنا السلام علی اللہ السلام علی جبرائیل السلام علی میکائیل فالتفت الینا رسول اللہ ﷺ فقال لاتقولوا السلام علی اللہ فان اللہ هو السلام ولٰکن قولوا التحیات للہ والصلوٰت والطیبات السلام علیك ایها النبی ورحمة اللہ وبرکاته السلام علینا وعلٰی عباد اللہ الصالحین اشهد ان لا اله الا اللہ واشهد ان محمدًا عبده ورسوله۔** (ص۱۸۶۔حقانیہ)

حدیث کا ترجمہ کریں۔ تشہد کے کلمات کے متعلق علماء کے اقوال تحریر کریں نیز افضل کلمات کی نشاندہی کرتے ہوئے حنفیہ کی وجہِ ترجیح بھی تحریر کریں۔

﴿ خلاصۂ سوال ﴾......اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) افضل کلماتِ تشہد میں اختلاف (۳) حنفیہ کی وجہِ ترجیح۔

**جواب**...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابو وائلؒ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کے

پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے تو ہم "السلام علی اللہ السلام علی جبرائیل السلام علی میکائیل" کہا کرتے تھے، پس ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تم السلام علی اللہ نہ کہا کرو اس لئے کہ سلام تو اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے اور لیکن تم یہ الفاظ کہا کرو "التحیات للہ والصلوات والطیبات السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ و برکاتہ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدًا عبدہ ورسولہ"۔

② افضل کلماتِ تشہد میں اختلاف:۔ تشہد کے الفاظ چوبیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں اور ان سب کے الفاظ میں تھوڑا تھوڑا فرق ہے، اس پر اتفاق ہے کہ ان میں سے جو صیغہ بھی پڑھ لیا جائے جائز ہے البتہ افضلیت میں اختلاف ہے۔

حنفیہ وحنابلہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے معروف تشہد کو ترجیح دی ہے عن عبداللہ بن مسعود قال: علمنا رسول اللہ ﷺ اذا قعدنا فی الرکعتین ان نقول "التحیاتُ لِلّٰہ والصلوات والطیبات الخ۔

امام مالکؒ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے تشہد کو ترجیح دی ہے التحیات لِلّٰہ الزاکیات لِلّٰہ الطیبات الصلوات للہ السلام علیک الخ۔ امام شافعیؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تشہد کو ترجیح دی ہے قال کان رسول اللہ ﷺ یعلمنا التشھد کما یعلمنا القراٰن فکان یقول التحیات المبارکات الصلوات الطیبات لِلّٰہ سلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ سلام علینا الخ۔ (درسِ ترمذی ج۲ص۵۸)

② حنفیہ کی وجہ ترجیح:۔ ① حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت اصح مافی الباب ہے کما صرح بہ الترمذی۔ ② یہ ان چند روایات میں سے ہے جو تمام صحاح ستہ میں مروی ہیں اور کمال یہ ہے کہ اس تشہد کے الفاظ میں کہیں معمولی اختلاف نہیں ہے جبکہ دوسرے تمام تشہد کے الفاظ میں اختلاف موجود ہے وذلک نادر جدًا ③ اس میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے تصریح کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے اس تشہد کی تعلیم میرا ہاتھ پکڑ کر دی تھی جو شدّتِ اہتمام پر دال ہے بلکہ یہ روایت مسلسل باخذ الید بھی ہے۔

④ امام محمدؒ نے مؤطا میں لکھا ہے کہ کان عبداللہ بن مسعود یکرہ ان یزداد فیہ حرف او ینقص منہ حرف، اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس تشہد کو کتنے اہتمام سے یاد کیا تھا اور ان کی نظروں میں اسکی کتنی اہمیت تھی۔ ⑤ اس کا ثبوت صیغۂ امر کے ساتھ ہوا ہے چنانچہ احادیث میں اس کیلئے فلیقل، قولوا اور فقولوا کے الفاظ آئے ہیں جبکہ دیگر روایات محض حکایتِ واقعہ ہیں۔ ان کے علاوہ بھی بہت سی وجوہ ترجیح موجود ہیں جن کے بیان کی یہاں گنجائش نہیں۔ (ایضاً)

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۹ھ

**الشق الاوّل** ......عن قیس بن حازم قال: صلی بنا مغیرۃ بن شعبۃ، فقام من الرکعتین قائمًا فقلنا: سبحان اللہ فأومی و قال: سبحان اللہ فمضی فی صلاتہ فلما قضی صلوتہ و سلم سجد سجدتین و ھو جالس ثم قال: صلی بنا رسول اللہ ﷺ فاستوی قائما من جلوسہ فمضی فی صلوتہ فلما قضی صلاتہ سجد سجدتین و ھو جالس ثم قال: اذا صلی أحدکم فقام من الجلوس فان لم یستتم قائما فلیجلس و لیس علیہ سجدتان۔ (ص۲۸۹۔حقانیہ) حدیث کا ترجمہ کریں۔ سجدۂ سہو سلام سے پہلے ہے یا سلام کے بعد ہے؟ دلائل کی روشنی میں ائمہ کے اقوال تحریر کریں۔ نیز مذہبِ راجح کی تعیین بھی کریں۔ مذکورہ مسئلہ میں نظرِ طحاویؒ کی وضاحت کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل چار امور ہیں ① حدیث کا ترجمہ ② سجدۂ سہو قبل السلام و بعد السلام میں اختلاف ③ ائمہ کے دلائل اور راجح کی تعیین ④ نظرِ طحاویؒ کی وضاحت۔

0313 6537913 maktabazakariyamultan@gmail.com

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت قیس بن حازم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمیں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی اور دو رکعت کے بعد سیدھا کھڑے ہوگئے، ہم نے سبحان اللہ کہا تو انہوں نے اشارہ کیا اور سبحان اللہ کہا اور اپنی نماز کو جاری رکھا، پس جب اپنی نماز کو پورا کرلیا اور سلام پھیرا تو بیٹھنے کی حالت میں ہی دو سجدے کیے، پھر فرمایا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی اور بیٹھنے کی بجائے سیدھا کھڑے ہوگئے اور اپنی نماز جاری رکھی، پس جب اپنی نماز کو پورا کرلیا تو بیٹھنے کی حالت میں ہی دو سجدے کیے پھر فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی

نماز پڑھ رہا ہو اور بیٹھنے کی بجائے کھڑا ہو جائے پس اگر وہ مکمل کھڑا نہ ہوا ہو تو وہ بیٹھ جائے اور اس پر دو سجدے لازم نہیں ہیں۔

**جواب** ...... ② و ③ سجدۂ سہو قبل السلام و بعد السلام میں اختلاف، ائمہ کے دلائل اور راجح کی تعیین:۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ سجدہ سہو سلام سے پہلے ہونا چاہیے یا بعد میں ہونا چاہیے، حنفیہ کے نزدیک سجدۂ سہو مطلقاً سلام کے بعد ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک مطلقاً سلام سے پہلے ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک یہ تفصیل ہے کہ اگر سجدۂ سہو نماز میں کسی نقصان کی وجہ سے واجب ہوا ہے تو سجدۂ سہو قبل از سلام ہوگا اور اگر کسی زیادتی کی وجہ سے واجب ہوا ہے تو بعد السلام ہوگا۔

امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ جن صورتوں میں آپ ﷺ سے سجدۂ سہو قبل السلام ثابت ہے وہاں قبل السلام پر عمل کیا جائے گا اور جہاں آپ ﷺ سے بعد السلام ثابت ہے وہاں بعد السلام پر عمل کیا جائیگا۔

الحاصل ائمہ ثلاثہؒ کسی نہ کسی طرح سجدۂ سہو قبل السلام کے قائل ہیں جبکہ حنفیہ بہر صورت بعد السلام پر عمل کرتے ہیں۔

ائمہ ثلاثہؒ کی دلیل: حدیث الباب ہے جس میں آپ ﷺ نے قعدہ اولیٰ چھوٹ جانے کی وجہ سے قبل السلام سجدہ فرمایا۔

حنفیہ کے دلائل: ① ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے پانچ رکعتیں پڑھیں اور آخر میں سلام کے بعد سہو کے دو سجدے کیے۔ ② عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا **من شك فی صلوٰته فلیسجد سجدتین بعد مایسلم** (کہ سلام کے بعد سجدۂ سہو ہے)۔ ③ ذوالیدین رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، اس میں بھی آپ ﷺ نے سجدۂ سہو بعد السلام کیا۔

حنفیہ کی طرف سے حدیث الباب کا جواب یہ ہے کہ قبل السلام سے مراد آخری سلام ہے کہ آخری سلام سے پہلے آپ ﷺ نے دو سجدے کیے۔ مذہب حنفیہ راجح ہے اسلئے کہ حنفیہ کے دلائل میں قولی و فعلی دونوں طرح کی احادیث ہیں اور ائمہ ثلاثہؒ کے پاس صرف فعلی احادیث ہیں جو کہ جواز پر محمول ہیں۔ (درسِ ترمذی ج۲ ص۱۴۳)

④ نظرِ طحاویؒ کی وضاحت:۔ جب نماز میں کسی کو سہو ہو جائے تو علی الفور سجدے کا حکم نہیں ہے بلکہ تاخیر کا حکم ہے لیکن کب تک تاخیر کی جائے؟ اس میں اختلاف ہے۔ حنفیہ کے نزدیک سلام کے بعد تک تاخیر کی جائے جبکہ دیگر حضرات کے نزدیک سلام سے پہلے تک تاخیر کی جائے، پھر ہم نے سجدۂ تلاوت پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ موضعِ تلاوت سے تاخیر جائز نہیں ہے بلکہ اُسی وقت سجدے کا حکم ہے اور اگر بھول جائے تو نماز کے درمیان میں جب بھی یاد آئے فوراً سجدہ کرنے کا حکم ہے اور سجدۂ سہو کے بارے میں اتفاق ہے کہ علی الفور جائز نہیں ہے بلکہ تمام افعالِ صلوٰۃ سے مؤخر ہے البتہ افعالِ صلوٰۃ میں سے سلام پر تاخیر کی جائے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ اور سلام کے علاوہ بقیہ تمام افعال کو سجدہ پر مقدّم کرنا متفق علیہ ہے لہٰذا جس طرح بقیہ تمام افعالِ صلوٰۃ کو سجدہ پر مقدّم کرنا لازم ہے اسی طرح سلام کو بھی سجدۂ سہو پر مقدّم کرنا لازم ہوگا۔ اور یہی ہمارا مذہب ہے۔

**الشق الثانی** ...... **عن الحسن عن عبدالله بن المغفل ان رسول الله ﷺ قال یقطع الصلوٰة الكلب والحمار والمرأة** ۔ (ص۲۹۹۔ حقانیہ) کتا، گدھا و عورت کے گزرنے سے نماز کے باطل ہونے کی تفصیل لکھیں، ائمہ کے دلائل کی روشنی میں مذہبِ راجح کی تعیین کریں۔ امام طحاویؒ کی ذکر کردہ عقلی دلیل بھی تحریر کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں (۱) مذکورہ اشیاء کے گزرنے سے نماز کے بطلان کی تفصیل (۲) ائمہ کے دلائل اور راجح کی تعیین (۳) نظرِ طحاویؒ کی وضاحت۔

**جواب** ...... ① کتا، گدھا و عورت کے گزرنے سے نماز کے بطلان کی تفصیل:۔ نمازی کے سامنے سے کسی چیز کا گزرنا قاطع صلوٰۃ ہے یا نہیں، جمہور کے ہاں کسی چیز کا گزرنا قاطع صلوٰۃ نہیں اور اہل ظواہر کے نزدیک تین چیزوں کا گزرنا قاطع صلوٰۃ ہے ① کلب کا گزرنا ② حمار کا گزرنا ③ عورت کا گزرنا۔ امام احمدؒ کے نزدیک صرف کلب اسود کا گزرنا قاطع صلوٰۃ ہے۔

② ائمہ کے دلائل اور راجح کی تعیین:۔ اہل ظواہر حدیث کے عموم سے استدلال کرتے ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کلب کے بارے میں تو قاطع صلوٰۃ ہونا یقینی ہے لیکن حمار و امرأۃ کے بارے میں حدیثِ عائشہ و حدیثِ ابن عباس رضی اللہ عنہم کی وجہ سے مجھے تردد ہے۔ اس مسئلہ سے متعلق احادیث میں تعارض ہے بعض احادیث قطعِ صلوٰۃ پر دال ہیں اور بعض عدمِ قطعِ صلوٰۃ پر دال ہیں اور ضابطہ

یہ ہے کہ جب آثارِ مرفوعہ میں تعارض ہو جائے تو پھر آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا جاتا ہے اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم اس پر دال ہیں کہ یہ قاطع الصلوٰۃ نہیں ہیں فقہاء صحابہ رضی اللہ عنہم کا احادیث قطع الصلوٰۃ پر کوئی عمل نہیں ہے ان کا فتویٰ یہی ہے کہ کسی چیز کا مرور قاطع صلوٰۃ نہیں ہے۔

جمہورؒ کا استدلال حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ منیٰ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے جبکہ اتان (گدھی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گزرتی رہی لیکن اس کے گزرنے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز نہیں ٹوٹی تو اگر مرور قاطع صلوٰۃ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ نماز پڑھتے۔ جمہورؒ کی دوسری دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جس میں وہ فرماتی ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جنازے کی طرح لیٹی ہوئی ہوتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے ہوتے، ان دونوں سے ثابت ہوا کہ حمار اور عورت کا مصلی کے سامنے ہونا یا مرور مفسدِ صلوٰۃ نہیں البتہ کلب اسود کے سلسلہ میں کوئی روایت جمہور کے پاس نہیں لیکن کلب اسود کو بھی انہی دونوں پر قیاس کیا جا سکتا ہے کیونکہ حدیث الباب میں تینوں کا ذکر ساتھ ساتھ آیا ہے۔

امام احمد بن حنبل اور اہلِ ظواہرؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ احادیث دالہ علی قطع الصلوٰۃ مؤول ہیں کہ یہ اشیاء نفسِ صلوٰۃ کیلئے قاطع نہیں ہیں بلکہ خشوعِ صلوٰۃ کیلئے قاطع ہیں۔ باقی ان تینوں کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ ان اشیاءِ ثلاثہ میں شیطانی اثرات زیادہ ہوتے ہیں۔

نیز وہ احادیث جو قطعِ صلوٰۃ پر دال ہیں وہ منسوخ ہیں اور ناسخ حدیث ابی سعید رضی اللہ عنہ ہے اس میں ہے **لایقطع الصلوٰۃ شیئ ای مرور شیئ**۔ نیز قطع کے منسوخ ہونے پر قرینہ یہ ہے کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما قطع صلوٰۃ کے راوی ہیں مگر ان کا فتویٰ عدمِ قطع کا ہے۔

الحاصل عندالجمہور کسی بھی چیز کا نمازی کے آگے سے گزرنا قاطع صلوٰۃ نہیں۔ مذہب جمہور کے راجح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر احادیثِ فعلیہ مؤید با قوالِ صحابہ ہوں تو ان کو بعض اوقات احادیثِ قولیہ پر بھی ترجیح حاصل ہو جاتی ہے اور یہاں بھی ایسے ہی ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار بکثرت اس بارے میں مروی ہیں کہ عورت کے گزرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ (درسِ ترمذی، المسائل والدلائل)

**③ نظرِ طحاویؒ کی وضاحت:۔** ہم نے کلبِ غیر اسود کے بارے میں دیکھا کہ اسکی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوتی اور کلب اسود و غیر اسود سب یکساں طور پر حرام ہیں اور حرمت کی علت انکا لون ورنگ نہیں بلکہ انکی ماہیت میں حرمت کی علت موجود ہے۔ اسی طرح تمام غیر ماکول اللحم کا حکم ہے کہ ان میں الوان کی وجہ سے حرمت میں کوئی فرق نہیں آتا ہے۔ نیز اسی طرح اہلی گدھوں کے بارے میں حکم ہے الوان کی وجہ سے کسی حکم میں کوئی فرق نہیں آتا، تو جس طرح کلب اسود و غیر اسود سب کا حکم باب حرمت میں یکساں ہے اسی طرح **مرور بین یدی المصلی** میں بھی یکساں حکم ہونا چاہیے کہ جس طرح کلب غیر اسود کے مرور سے نماز فاسد نہیں ہوتی اسی طرح کلب اسود کے مرور سے بھی نماز فاسد نہ ہوگی۔ نیز جب مرورِ کلب کی وجہ سے فسادِ نماز نہیں ہے تو مرورِ حمار کی وجہ سے بھی نماز فاسد نہ ہوگی۔ (ایضاح الطحاوی ۲:۶۰۸)

## ﴿الورقة الرابعة : طحاوی شریف﴾

## ﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۴۰ھ

**الشق الاوّل** ......**عَنِ الزِّبْرِقَانِ قَالَ اِنَّ رَهْطًا مِنْ قُرَيْشٍ اِجْتَمَعُوْا فَمَرَّ بِهِمْ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ فَاَرْسَلُوْا اِلَيْهِ غُلَامَيْنِ لَهُمْ يَسْاَلَانِهٖ عَنِ الصَّلَاةِ الْوُسْطٰى فَقَالَ هِيَ الظُّهْرُ، فَقَامَ اِلَيْهِ رَجُلَانِ مِنْهُمْ فَقَالَا هِيَ الظُّهْرُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَجِيْرِ فَلَا يَكُوْنُ وَرَائَهٗ اِلَّا الصَّفُّ وَ الصَّفَّانِ وَالنَّاسُ فِيْ قَائِلَتِهِمْ وَ تِجَارَتِهِمْ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى (حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى) فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لَيَنْتَهِيَنَّ رِجَالٌ اَوْ لَاُحَرِّقَنَّ بُيُوْتَهُمْ. (باب الصلاة الوسطى ایّ الصلوات)**

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

عبارت کا ترجمہ کریں، نیز صلوٰۃ وسطیٰ سے کیا مراد ہے؟ اس میں مشہور اقوال لکھیں، ترجیح کس کو ہے؟ وجہ ترجیح لکھنا نہ بھولیں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) صلوٰۃ وسطیٰ کی مراد (۳) راجح قول مع وجہ ترجیح۔

**جواب** ...... **① عبارت کا ترجمہ:۔** حضرت زبرقان سے مروی ہے کہ قریش کی ایک جماعت جمع تھی (اس دوران) ان کے پاس سے حضرت زید بن ثابتؓ کا گزر ہوا تو قریش نے دولڑکے بھیجے تا کہ آپؓ سے صلوٰۃِ وسطی کے متعلق سوال کریں، آپؓ نے فرمایا کہ وہ ظہر کی نماز ہے، پھر ان ہی میں سے دو آدمی کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا کہ وہ ظہر کی نماز ہی ہے، (پسِ منظر بیان کیا کہ)

رسول اللہ ﷺ سخت گرمی میں نمازِ ظہر پڑھاتے تھے تو آپ ﷺ کے پیچھے صرف ایک یا دو صفیں ہوتی تھیں اور لوگ اپنے قیلولہ وتجارت میں مصروف ہوتے تھے، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ **حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ** نازل فرمائی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ اپنی اس عادت سے باز آجائیں، ورنہ میں ان کے گھروں کو جلادوں گا۔

**②** صلوٰۃ وسطیٰ کی مراد:۔ اس کے مصداق میں متعدد اقوال ہیں جن میں سے مشہور آٹھ اقوال ذکر کئے جاتے ہیں:

① حضرت زید بن ثابت، اسامہ بن زید، عبداللہ بن شداد، عروہ بن زبیر اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم وغیرہ کے نزدیک اس کا مصداق ظہر کی نماز ہے۔ ② حضرت حسن بصری، عوف بن ابراہیم نخعیؒ کے نزدیک اس کا مصداق جمعہ کی نماز ہے۔ ③ امام ابو حنیفہ، امام احمد سفیان ثوری، اسحاق بن راہویہ، داؤد ظاہری اور جمہور فقہاءؒ کے نزدیک اسکا مصداق عصر کی نماز ہے۔ ④ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور امام قتادہؒ کے نزدیک اس کا مصداق مغرب کی نماز ہے۔ ⑤ علاوہ واحدی اور امامیہ کے نزدیک اس کا مصداق عشاء کی نماز ہے۔ ⑥ علامہ ابوالحسن، علی بن محمد سخاوی کے نزدیک اس کا مصداق وتر کی نماز ہے۔ ⑦ امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور اہلِ مدینہ کے نزدیک اس کا مصداق فجر کی نماز ہے۔ ⑧ علامہ ابوالحسن ماوردیؒ کے نزدیک اس کا مصداق جماعت کی نماز ہے۔

کتاب میں **ذهب قوم** کا مصداق پہلے قول کے حضرات ہیں۔ اور **خالفهم آخرون** کا مصداق بقیہ تمام اقوال والے ائمہ ہیں۔

**③** راجح قول مع وجہ ترجیح:۔ ان تمام اقوال میں سے تیسرا قول راجح ہے جو کہ جمہور ائمہ اور جمہور فقہاء کا مسلک ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ کا مصداق عصر کی نماز ہے۔ وجہ ترجیح یہ ہے کہ بقیہ تمام اقوال کو ثابت کرنے والی روایات مضبوطی کے ساتھ کسی ایک دعویٰ کا بھی ثابت نہیں کرتیں بلکہ ہر ایک میں دیگر احتمالات موجود ہیں۔ اس لئے وہ روایات صلوٰۃ وسطیٰ کی تعیین میں حجت نہیں ہوسکتیں۔ چنانچہ ہم اس سلسلہ میں ایسی روایات تلاش کرتے ہیں جن میں آپ ﷺ سے صراحت کے ساتھ تعیین ثابت ہو چنانچہ ہم نے تلاش کیا تو معلوم ہوا کہ غزوۂ خندق کے زمانہ میں جنگ کی مصروفیت کی وجہ سے عصر کی نماز میں تاخیر ہوگئی حتیٰ کہ سورج غروب ہونے کے قریب ہوگیا تو آپ ﷺ نے خندق کے کنارے ڈھال پر بیٹھ کر فرمایا کہ اے اللہ! جن لوگوں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ سے محروم کردیا ہے اُن کے قلوب، اُن کے بیوت اور اُن کی قبروں کو آگ سے بھردے۔ معلوم ہوا کہ صلوٰۃ وسطیٰ کا مصداق عصر ہی ہے چنانچہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم غزوۂ احزاب سے پہلے صبح کی نماز کو صلوٰۃ وسطیٰ سمجھتے تھے مگر جب غزوۂ احزاب کے موقع پر آپ ﷺ نے قبائلِ عرب اور دشمنانِ اسلام کو بددعا دیتے ہوئے صلوٰۃ وسطیٰ کی صراحت فرمادی تو پھر ہم عصر کو ہی صلوٰۃ وسطیٰ سمجھنے لگے۔ اس مضمون کی روایت پانچ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے گیارہ سندوں کے ساتھ منقول ہے، تو ان متواتر سندوں کے ساتھ مرفوع حدیث سے ثابت ہوگیا کہ صلوٰۃ وسطیٰ عصر کی نماز ہی ہے۔

نیز دورِ نبوت کے بعد جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس بات پر فتویٰ دیا ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ عصر کی نماز ہی ہے۔ (ایضاح الطحاوی)

**الشق الثانی** ...... **باب ما ينبغي ان يقال في الركوع والسجود عن علي قال قال رسول الله ﷺ نهيت ان اقرا وانا راكع او ساجد اما الركوع فعظموا فيه الرب واما السجود فاجتهدوا في الدعا۔**

ترجمہ کرکے بتائیں کہ کیا رکوع اور سجدہ میں پڑھنے کے لئے کوئی وظیفہ متعین ہے یا نہیں؟ نیز **فذهب قوم الى انه لا باس ان يدعو الرجل في ركوعه الخ** کا مصداق کون ہیں؟ **وخالف في ذلك آخرون** کو متعین کرکے ان کی دلیل ذکر کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) رکوع اور سجدے کا وظیفہ (۳) **فذهب قوم** اور **وخالف في ذلك آخرون** کا مصداق مع الدلائل۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

**جواب** ...... **①** عبارت کا ترجمہ:۔ باب اُس وظیفہ کے بیان میں جو رکوع اور سجدوں میں کہا جانا مناسب ہے۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے رکوع یا سجدے کی حالت میں قراءت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ بارہ رکوع میں اپنے رب کی تعظیم بیان کرو اور سجدوں میں دعا کی سعی وکوشش کرو۔

**②** رکوع اور سجدے کا وظیفہ:۔ امام شافعیؒ، امام احمد، امام اسحاق اور داؤد ظاہری کے نزدیک رکوع وسجدہ میں **ما احب من الدعاء** مسنون ہے، کوئی مخصوص دعا متعین نہیں ہے، **فذهب قوم** کا مصداق یہی لوگ ہیں۔ ائمہ ثلاثہ حنفیہ اور حسن بصری کے نزدیک رکوع

میں تسبیح تعظیم اور سجدہ میں تسبیح اعلیٰ مسنون ہے اور یہی لوگ **وخالفھم فی ذٰلك آخرون** کا مصداق ہیں۔

③ **فذھب قومٌ** اور **وخالف فی ذٰلك آخرون** کا مصداق مع الدلائل:۔ **فذھب قومٌ** اور **وخالفھم آخرون** کا مصداق اوپر ذکر کر دیا گیا ہے۔ فریقِ اوّل کی دلیل یہی حدیث السوٴال ہے جو امام طحاویؒ نے چار صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے۔

فریقِ ثانی کے دلائل: ① حضرت عقبہ بن عامرؓ کی حدیث ہے کہ جب آیت کریمہ **فسبّح باسم ربك العظیم** نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس آیت کو رکوع میں پڑھا کرو اور جب سورۂ اعلیٰ نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی پہلی آیت سجدہ میں پڑھا کرو۔ ② حضرت حذیفہؓ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ اپنے رکوع وسجدہ میں یہی تسبیح تعظیم و تسبیح اعلیٰ پڑھتے تھے۔ ③ تسبیح کی عمومیت کی تمام روایات منسوخ ہیں۔ پہلے عمومیت کی اجازت تھی مگر مذکورہ آیات کے نزول کے بعد خصوصیت کا حکم ثابت ہوا اور عمومیت کا حکم منسوخ ہو گیا۔ ④ عقلی دلیل ونظرِ طحاوی یہ ہے کہ نماز میں متعدد مقامات پر خاص خاص اذکار مسنون ہیں اور ان مقامات میں مخصوص اذکار کے علاوہ کوئی ذکر ودعا غیر موضوع سمجھے جاتے ہیں لہٰذا رکوع وسجدہ بھی وہ ارکان ومکان ہیں جن میں ذکر ہوتا ہے پس ان میں بھی دیگر مقامات کی طرح مخصوص ذکر ہونا چاہیے۔ (ایضاح الطحاوی ۲:۴۲)

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۰ھ

**الشق الاوّل** ...... **باب القراءۃ ببسم اللّٰہ الرحمن الرحیم فی الصلوۃ عن نعیم بن المجمر قال صلیت وراء ابی ھریرۃ فقراء بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم ...... ثم یقول اذا سلم اما والذی نفسی بیدہ انی لاشبھکم صلوۃ برسول اللّٰہ** صلی اللہ علیہ وسلم۔

بسم اللہ سورۃ فاتحہ کا جز ہے یا نہیں؟ نماز میں اگر پڑھی جائے گی تو سراً ہوگی یا جہراً؟ ائمہ کے مذاہب ودلائل بھی تحریر کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال میں دو امور مطلوب ہیں (۱) تسمیہ کے سورۃ فاتحہ کا جز ہونے کی وضاحت (۲) نماز میں تسمیہ کے سراً وجہراً پڑھنے میں اختلاف مع الدلائل۔

**جواب** ...... ① تسمیہ کے سورۃ فاتحہ کا جز ہونے کی وضاحت:۔ حضرات حنفیہ، داوٗدِ ظاہریؒ، امام اوزاعیؒ وغیرہ کے نزدیک بسم اللہ سورۃ فاتحہ کا جز نہیں ہے۔ امام عطاءؒ، مجاہدؒ، طاوٗسؒ، امام شافعی اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ کے نزدیک بسم اللہ سورۃ فاتحہ کا جز ہے۔ (ایضاح الطحاوی وحاشیہ)

② نماز میں تسمیہ کے سراً وجہراً پڑھنے میں اختلاف مع الدلائل:۔ امام مالکؒ کے نزدیک نماز میں تسمیہ بالکل مشروع ہی نہیں ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک نماز میں تسمیہ مسنون ہے اور اسے سری نمازوں میں سرًّا اور جہری نمازوں میں جہراً پڑھا جائیگا، امام ابوحنیفہؒ وامام احمدؒ اور امام اسحاقؒ کے نزدیک تسمیہ مسنون ہے، اور ہر حال میں سرًّا پڑھنا ہی افضل ہے۔

امام مالکؒ کی دلیل حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ جس میں انہوں نے اپنے بیٹے کو "بسم اللہ" پڑھنے سے روکا اور اسے بدعت قرار دیا "**قد صلیت مع النبی** ﷺ **و مع ابی بکر و عمر وعثمان** رضی اللہ عنہم **فلم اسمع احدا منھم یقولھا فلا تقلھا اذا انت صلیت فقل الحمد للّٰہ رب العالمین**"۔ نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ "**قال کان رسول اللّٰہ** ﷺ **و ابوبکر و عمر و عثمان یفتتحون القراءۃ بالحمدللّٰہ رب العالمین**"

حنفیہؒ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ یہاں مطلقاً تسمیہ کی نفی نہیں ہے، بلکہ تسمیہ بالجہر کی نفی ہے، اس پر قرینہ یہ ہے کہ صاحبزادہ نے جہر کے ساتھ تسمیہ کو پڑھا تھا جس پر "**سمعنی ابی و انا فی الصلوۃ اقول بسم اللّٰہ الخ**" کے الفاظ دال ہیں، لہٰذا حدیث الباب میں "**فلاتقل ، فلا تجھر**" کے معنی پر محمول ہے اور اس روایت کے بعض طرق میں قول کی جگہ جہر کے الفاظ موجود ہیں۔

امام شافعیؒ نے تسمیہ بالجہر کی تائید میں متعدد روایات پیش کی ہیں، مگر ان میں سے کوئی روایت بھی ایسی نہیں ہے کہ جو صحیح بھی ہو اور صریح بھی ہو۔ امام شافعیؒ کی سب سے مضبوط دلیل سنن نسائی میں حضرت نعیم المجمر کی روایت ہے کہ "**صلیت و راء ابی ھریرۃ فقرأ بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم ............ و اذا سلم قال والذی نفسی بیدہ انی لا شبھکم صلوۃ برسول اللّٰہ** ﷺ"

حافظ زیلعیؒ نے اس کا جواب دیا کہ یہ روایت شاذ و معلول ہے، کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعدد شاگردوں نے یہ واقعہ بیان کا ہے مگر ابو نعیم المجمر کے علاوہ کوئی بھی یہ قراءۃ تسمیہ والا جملہ نقل نہیں کرتا۔

نیز یہ روایت صریح نہیں ہے کیونکہ اس سے نفسِ قراءت ثابت ہورہی ہے، نہ کہ قراءت بالجہر، اس لیے کہ قراءت کے لفظ میں قراءت بالسر کا بھی احتمال ہے۔ شافعیہؒ کی دوسری دلیل مستدرک حاکم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ ''**قال کان رسول اللّٰہ ﷺ یجهر ببسم اللّٰہ الرحمن الرحیم**'' حافظ زیلعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف بلکہ قریب قریب موضوع ہے، حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب اس حدیث کے صحیح ہونے کا سوال ہی کیا پیدا ہوتا ہے، اس لیے کہ خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول ثابت ہے ''**الجهر ببسم اللّٰہ الرحمن الرحیم قراءۃ الاعراب**''

شافعیہؒ کی تیسری دلیل یہی حدیث ہے ''**قال کان النبی ﷺ یفتتح صلوته ببسم اللّٰہ الخ**''

اس کا ایک جواب تو امام ترمذیؒ نے دیدیا کہ **لیس اسنادہ بذاك**۔ نیز اس میں جہر کی تصریح نہیں ہے۔

حنفیہؒ و حنابلہؒ کے دلائل: ① مسلم شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ''**قال صلیت مع رسول اللّٰہ ﷺ و ابی بکر و عمر و عثمان** رضی اللہ عنہم **فلم اسمع احدا منهم یقرأ ببسم اللّٰہ الرحمن الرحیم**'' اور نسائی میں ''**یقرأ**'' کی جگہ ''**یجهر**'' کے الفاظ آئے ہیں کہ میں نے ان حضرات میں سے کسی کو بھی تسمیہ بالجہر پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔ ② حضرت ابن عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی حدیث الباب ہے جو ماقبل میں مالکیہ کی دلیل میں گزری ہے، اس میں ''**لا تقلها**'' سے مراد ''**لا تجهر ها**'' ہے اور امام ترمذیؒ نے اس حدیث پر حسن صحیح کا حکم لگایا ہوا ہے۔ ③ طحاوی کی روایت ہے ''**عن ابن عباس** رضی اللہ عنہما **فی الجهر ببسم اللّٰہ الرحمن الرحیم قال ذلك فعل الاعراب**'' ④ طحاوی میں حضرت ابو وائل کی روایت ہے ''**قال کان عمر و علی لا یجهران ببسم اللّٰہ الرحمن الرحیم و لا بالتعوذ و لا بالتامین**''

یہ تمام روایات صحیح و صریح ہونے کی بناء پر امام شافعیؒ و امام مالکؒ کے مستدلات کے مقابلہ میں راجح ہیں۔ (درس ترمذی ۱:۴۹۹)

**الشق الثانی**......**باب الصلوۃ فی اعطان الابل عن اسید بن حضیر قال قال رسول اللّٰہ ﷺ صلوا فی مرابض الغنم ولا تصلوا فی اعطان الابل۔**

مرابض اور اعطان کا معنی لکھیں نیز دونوں میں نماز پڑھنے کا حکم مع وجہ تحریر کریں۔ **فذھب قومٌ ان الصلوٰۃ فی اعطان الابل مکروہ** کن کا قول ہے اور **خالفھم آخرون** سے کون مراد ہیں؟ دونوں کے دلائل لکھنے کے گریز نہ کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) مرابض اور اعطان کا معنی (۲) مرابض و اعطان میں نماز پڑھنے کا حکم مع الوجہ (۳) **فذھب قومٌ** و **خالفھم آخرون** کی مراد اور دلائل۔

**جواب**...... ① مرابض اور اعطان کا معنی:۔ ''مرابض'' **مَرْبَضٌ** کی جمع ہے بمعنی بکریوں کا باڑہ۔ ''اعطان'' **عطن** کی جمع ہے بمعنی اونٹوں کا باڑہ۔

② مرابض و اعطان میں نماز پڑھنے کا حکم مع الوجہ:۔ بکریوں کے باڑہ میں نماز پڑھنا جائز ہے اور اونٹوں کے باڑہ میں نماز پڑھنا بعض کے نزدیک مکروہ اور بعض کے نزدیک بالکل ممنوع ہے۔

حضرت شریک بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ اونٹ والوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنے اونٹ کی بغل میں بیٹھ کر پیشاب و پاخانہ کرتے ہیں تاکہ پردہ حاصل ہو جائے اسی طرح اونٹوں کے باڑہ میں بھی پیشاب کرتے ہیں چنانچہ مقامِ نجاست ہونے کی وجہ سے وہاں نماز جائز نہیں ہے اور بکریوں کے مالک ایسا نہیں کرتے، وہ ان کے باڑہ کو صاف ستھرا رکھتے ہیں اسلئے وہاں نماز پڑھنا جائز ہے۔

یحییٰ بن ادم کہتے ہیں کہ اعطان الابل میں نماز سے ممانعت کی وجہ نجاست نہیں بلکہ وجہ یہ ہے کہ اونٹ کینہ پرور جانور ہے اور اس کو جنات سے پیدا کیا گیا ہے، یہ بدک کر کسی وقت انسان پر حملہ بھی کرسکتا ہے جبکہ بکری شریف جانور ہے اس میں خطرے والی کوئی بات نہیں ہے۔

③ **فذھب قومٌ و خالفھم آخرون** کی مراد اور دلائل:۔ امام احمد، اسحاق بن راہویہ، حسن بصری، ابو ثور وغیرہ کے نزدیک

اونٹوں کے باڑہ میں نماز مکروہ تحریمی ہے۔یہی لوگ **فذهب قوم** کا مصداق ہیں۔حضرات حنفیہ، مالکیہ وشافعیہ اور جمہور فقہاء و محدثین کے نزدیک اونٹوں کے باڑے میں نماز مکروہ نہیں ہے۔یہی لوگ **و خالفهم فی ذٰلك آخرون** کا مصداق ہیں۔

فریقِ اوّل کی دلیل اونٹوں کے باڑہ میں نماز سے ممانعت والی روایات ہیں جو چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔

فریقِ ثانی کے دلائل: ① بسا اوقات آپ ﷺ اپنے اونٹ کے پاس جا کر اونٹ کی طرف ہو کر نماز پڑھا کرتے تھے لہٰذا اگر اونٹوں کے باڑہ میں نماز ممنوع ہوتی تو خود کیسے وہاں پڑھتے؟ ② (نظر طحاوی) یہ ہے کہ بکریوں کے باڑہ میں نماز کے جواز میں اختلاف نہیں اور اونٹوں کے باڑے میں اختلاف ہے تو ہم نے دونوں کے گوشت و پیشاب میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ اونٹ کا گوشت حلت و طہارت میں بالکل بکری کے گوشت کی طرح ہے اور اونٹ کا پیشاب بھی نجاست میں بکری کے پیشاب کی طرح نجس ہے لہٰذا قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ جو حکم بکریوں کے باڑہ میں نماز کا ہے وہی حکم اونٹوں کے باڑہ میں نماز کا ہونا چاہیے۔

فریقِ ثانی کی طرف سے فریقِ اوّل کی ممانعت والی روایات کا جواب یہ ہے کہ اونٹوں کے باڑہ میں ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ وہ مقامِ نجاست ہے کیونکہ اونٹوں کے مالک ان کے باڑہ کو صاف ستھرا نہیں رکھتے اور خود بھی ان کے باڑہ میں پیشاب و پائخانہ کرتے ہیں اور مقامِ نجاست میں نماز ہر حال میں ہر جگہ ناجائز و ممنوع ہے اس میں اونٹوں کے باڑہ کی کوئی خصوصیت نہیں ہے اور بکریوں کا باڑہ مقامِ نجاست نہیں ہے اس لئے وہاں نماز جائز ہے۔نیز اونٹ کینہ پرور جانور ہے کیونکہ وہ جنات و شیاطین سے پیدا کیا گیا ہے۔وہ بسا اوقات موقعہ پا کر انسان پر اچانک حملہ کر دیتا ہے اور جان سے مار ڈالتا ہے اس لئے اونٹ کے باڑہ میں نماز سے ممانعت ہے۔پس ثابت ہوا کہ اونٹ کے باڑہ میں نماز سے ممانعت بذاتہٖ نہیں ہے بلکہ نجاست اور نقصان کے اندیشہ سے ممانعت ہے۔(ایضاح الطحاوی ۲:۴۳۶)

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۰ھ

**الشق الاوّل** ......عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِیْ صَلَاةِ الْكُسُوْفِ حَرْفًا....

قَالَ اَبُوْ جَعْفَرٍ فَذَهَبَ قَوْمٌ اِلٰی هٰذِهِ الْاٰثَارِ فَقَالُوْا هٰكَذَا صَلَاةُ الْكُسُوْفِ لَا يُجْهَرُ فِيْهَا بِالْقِرَاءَةِ....

وَخَالَفَهُمْ فِیْ ذٰلِكَ آخَرُوْنَ فَقَالُوْا يُجْهَرُ فِيْهَا بِالْقِرَاءَةِ....(باب القراءة فی صلاة الكسوف كيف هی؟)

عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔**فذهب قوم و خالفهم في ذٰلك آخرون** کا مصداق متعین کر کے مسئلہ مذکورہ میں فریقین کے مذاہب مع دلائل تحریر کریں۔قولِ راجح کی تعیین اور نظرِ طحاوی بھی تحریر کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل پانچ امور ہیں: ① عبارت پر اعراب ② عبارت کا ترجمہ ③ **فذهب قوم و خالفهم فی ذٰلك** کا مصداق ④ نمازِ کسوف کی جہری قراءت میں ائمہ کا اختلاف مع دلائل ⑤ قولِ راجح کی تعیین اور نظرِ طحاوی کی وضاحت۔

**جواب** ...... ① عبارت پر اعراب:۔ **کما مرّ فی السوال آنفا۔**

② عبارت کا ترجمہ:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نقل کرتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ سے نمازِ کسوف میں ایک حرف بھی نہیں سنا۔ امام ابو جعفرؒ فرماتے ہیں کہ ایک قوم انہی آثار کی طرف گئی ہے اور انہوں نے کہا کہ نمازِ کسوف اسی طرح ہے، اس میں جہری قراءت نہ ہوگی۔اور اس مسئلہ میں دوسرے حضرات نے ان کی مخالفت کی ہے اور انہوں نے کہا کہ اس میں جہری قراءت ہوگی۔

③ **فذهب قوم و خالفهم فی ذٰلك آخرون** کا مصداق:۔ **فذهب قوم** کا مصداق امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، لیث بن سعد اور جمہور فقہاء رحمہم اللہ ہیں اور **خالفهم فی ذٰلك آخرون** کا مصداق امام احمد بن حنبل، امام ابو یوسف، امام محمد۔امام طحاوی، امام اسحٰق بن راہویہ، ابن المنذر وغیرہ ہیں (ایضاح الطحاوی)

④ نمازِ کسوف کی جہری قراءت میں ائمہ کا اختلاف مع دلائل:۔ فریقِ اول کے نزدیک نمازِ کسوف میں آہستہ قراءت ہی مسنون ہے پہلی دلیل ابو داؤد و ترمذی میں حضرت سمرہؓ بن جندب کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے گرہن کی نماز میں لمبی قراءت کی اور آپ ﷺ کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی، اس حدیث میں **لا نسمع له صوتا** سے پتہ چلتا ہے کہ قراءت آہستہ کرے۔

دوسری دلیل مسند احمد میں عبد اللہ ابن عباس کی حدیث میں ہے کہ میں نے قرآن کا ایک حرف بھی نہیں سنا، اس کا مطلب یہ

ہے کہ سورج گرہن میں قراءت آہستہ کی تھی۔ عقلی دلیل یہ ہے کہ سورج گرہن کی نماز دن میں پڑھی جاتی ہے اور دن کی نماز گونگے کی نماز ہے اسلئے اس میں قراءت آہستہ ہی کرنی چاہئے۔

فریقِ ثانی کی رائے یہ ہے کہ سورج گرہن کی نماز میں جہراً قراءت کرنا مسنون ہے۔ دلیل بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے: **قالت جهر النبی ﷺ فی صلوة الخسوف بقراء ته**، معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے قراءت جہری کی تھی۔ پس سورج گرہن کی نماز میں جہری قراءت سنت ہے۔ نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نمازِ کسوف میں جہری قراءت منقول ہے۔

⑤ قولِ راجح کی تعیین اور نظرِ طحاوی کی وضاحت:۔ صاحبِ ہدایہ امام صاحبؒ کے قول کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نماز میں مرد امام کے قریب ہوتا ہے اور عورتوں کی بنسبت مرد پر امام کا حال زیادہ واضح ہوتا ہے اسلئے امام کی قراءت کی کیفیت میں مردوں کا قول راجح ہوگا۔ امام طحاوی کے نزدیک فریقِ ثانی کا مذہب راجح ہے چنانچہ فریقِ اول کے نقلی دلائل کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ مذکورہ دونوں صحابہ (ابن عباس وسمرہ بن جندب رضی اللہ عنہما) اصاغر صحابہ میں سے تھے اور پچھلی صفوں میں کھڑے ہونے کی وجہ سے ان کو قراءت سُنائی نہ دینے سے آپ ﷺ کا جہر نہ کرنا لازم نہیں آتا۔

نظرِ طحاوی اور قولِ اول کی عقلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ دن والی نمازوں میں سرّی قراءت کے متعلق ہم نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ دن والی نمازیں دو قسم پر ہیں ① وہ نمازیں جو روزانہ پڑھی جاتی ہیں مثلاً ظہر عصر و دیگر سنن ونوافل۔ ② وہ نمازیں جو روزانہ نہیں پڑھی جاتیں مثلاً جمعہ، عیدین۔ یا کسی عارضہ کی وجہ سے پڑھی جاتی ہیں مثلاً نمازِ استسقاء۔ ان سب میں اصولِ کلی یہ ہوگا کہ جو نمازیں روزانہ پڑھی جاتی ہیں، کسی خاص یوم یا عارض کی وجہ سے نہیں پڑھی جاتیں ان میں جہر مشروع نہیں ہے جیسا کہ ظہر و عصر وغیرہ۔ اور جو نمازیں روزانہ نہیں پڑھی جاتیں یا کسی عارضہ کی وجہ سے پڑھی جاتی ہیں ان میں جہر لازم ہوتا ہے مثلاً جمعہ، عیدین، استسقاء کی نماز۔ اب ہم نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ کسوف کی نماز بعد والی صلوۃِ نہاریہ کے مشابہ ہے کہ خاص عارض کی وجہ سے پڑھی جاتی ہے، لہٰذا اس میں بھی جہر لازم ہوگا۔ (اثمار الہدایہ وایضاح الطحاوی)

**الشق الثانی**......**عن ابی سعید و ابی سلمة انهما سمعا أبا هريرةؓ يقول: كان رسول الله ﷺ يقول حين يفرغ من صلاة الفجر من القراء ة و يكبر و يرفع راسه و يقول: سمع الله لمن حمده ربنا و لك الحمد يقول: اللّٰهم انج الوليد بن الوليد و سلمة بن هشام و عياش بن ابی ربيعة و المستضعفين من المؤمنين، اللّٰهم اشدد وطأتك على مضر و اجعلها عليهم كسنی يوسف۔**

ترجمہ کیجیے، قنوت فی الفجر کے متعلق ائمہ اربعہ کے اقوال مع دلائل اور قولِ راجح ذکر کیجیے، امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر ذکر کیجیے۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② قنوت فی الفجر میں ائمہ اربعہ کے اقوال مع دلائل وقولِ راجح ③ نظرِ طحاویؒ کی وضاحت۔

**جواب**...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوسعید وابوسلمہؓ سے مروی ہے کہ ان دونوں نے حضرت ابوہریرہؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ آپ ﷺ جس وقت نمازِ فجر میں قراءت سے فارغ ہوتے تو تکبیر کہتے اور (جب رکوع سے) اپنا سر اُٹھاتے اور **سمع الله لمن حمده ربنا و لك الحمد** کہتے تو یہ کلمات ارشاد فرماتے: (ترجمہ) اے اللہ! ولید بن ولید، سلمہ بن ہشام، عیاش بن ابی ربیعہ اور دیگر مظلوم و کمزور مسلمانوں کو نجات عطاء فرما، اے اللہ! اپنی پکڑ وعذاب کو مضر پر سخت کردے اور ان پر حضرت یوسف کے زمانہ کی مثل قحط نازل فرما۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

② قنوت فی الفجر میں ائمہ اربعہ کے اقوال مع دلائل:۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک فجر کی نماز میں رکوعِ ثانی کے بعد پورا سال قنوت مشروع ہے پھر امام مالکؒ کے نزدیک یہ فقط مستحب ہے جبکہ امام شافعیؒ اس کے سنت ہونے کے قائل ہیں۔

حنفیہ وحنابلہ کے نزدیک عام حالات میں قنوتِ فجر مسنون نہیں البتہ اگر مسلمانوں پر کوئی عام مصیبت نازل ہوگئی ہو تو اُس زمانہ میں فجر میں قنوت پڑھنا مسنون ہے جسے قنوتِ نازلہ کہا جاتا ہے۔

شوافع و مالکیہ کی دلیل حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے **ان النبی ﷺ كان يقنت فی صلوٰة الصبح**

والمغرب۔ نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے مازال رسول اللہ ﷺ یقنت فی الفجر حتیٰ فارق الدنیا۔ نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے قال کان النبی ﷺ اذا رفع رأسه من الرکوع من صلوٰة الصبح فی الرکعة الثانیة رفع یدیه فیدعو بهٰذا الدعا اللهم اهدنی فیمن هدیت الخ۔

حنفیہ وحنابلہ کی دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے لم یقنت النبی ﷺ الا شهرًا لم یقنت قبله ولا بعده۔ نیز اسکی تائید حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ہوتی ہے انما قنت رسول اللہ ﷺ فی صلوٰة شهرًا یدعو علی رعل و ذکوان۔ نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ان النبی ﷺ کان لا یقنت الّا اذا دعٰی لقوم او دعٰی علی قوم۔

شوافع ومالکیہ کے دلائل کا جواب یہ ہے کہ وہ قنوتِ نازلہ پر محمول ہیں اور لفظ کان استمرار دوامی پر دلالت نہیں کرتا جیسا کہ علامہ نووی نے متعدد مقامات پر اس کی تصریح کی ہے۔ الغرض شوافع کے دلائل یا تو سندًا صحیح نہیں ہیں یا وہ قنوتِ نازلہ پر محمول ہیں یا ان میں قنوت سے مراد دعائے قنوت پڑھنا نہیں بلکہ طولِ قیام مراد ہے۔

③ نظرِ طحاویؒ کی وضاحت:۔ (قنوت فی الفجر کے مسئلہ میں حنفیہ کا فتوی اسی پر ہے کہ جنگ کی حالت میں یہ مشروع وجائز ہے۔ امام طحاویؒ نے مطلقاً قنوت فی الفجر کی عدمِ مشروعیت کو حنفیہ کی طرف منسوب کیا ہے جو کہ محلِ نظر ہے۔ اور امام طحاویؒ نے نظر بھی بالکل عدم مشروعیت پر قائم کی ہے۔) نظرِ طحاویؒ یہ ہے کہ جب قنوت کی روایات میں اختلاف ہوا تو ہم نے صحیح معنی تک رسائی کیلئے غور وخوض کیا کہ ظہر وعصر میں حالتِ محاربہ (جنگ) وغیر محاربہ کسی بھی حالت میں بالاتفاق قنوت کا ثبوت نہیں ہے اور فجر، مغرب وعشاء میں بھی حالتِ عدمِ محاربہ میں قنوت کا ثبوت نہیں ہے، صرف حالتِ محاربہ میں اختلاف ہے، لہٰذا اس اختلافی مسئلہ کو اجماعی مسئلہ پر قیاس کرنا زیادہ بہتر ہے اور وہ اجماعی مسئلہ یہ کہ ظہر وعصر میں قنوت نہیں ہے لہٰذا اس پر قیاس کرتے ہوئے کسی بھی نماز میں قنوت کا ثبوت نہیں ہے۔ (ایضاح الطحاوی)

## الورقة الرابعة: شرح معانی الآثار

## السوال الاوّل ۱۴۴۱ھ

**الشق الاوّل** ......عن ابی سلمة بن عبد الرحمن ان معاویة بن ابی سفیانؓ قال:۔ و هو علی المنبر۔ لکثیر ابن الصلت: ا ذهب الی عائشة فاسئلها عن رکعتی النبی ﷺ بعد العصر قال ابو سلمة: فقمت معه و قال ابن عباسؓ لعبد اللّٰه بن الحارث: اذهب معه فجئناها فسالناها فقالت: لاادری سلوا ام سلمة فسألناها فقالت: دخل علیّ النبی ﷺ ذات یوم بعد العصر فصلی رکعتین فقلت: یا رسول الله! ما کنت تصلی هاتین الرکعتین؟ فقال: قدم علیّ وفد من بنی تمیم فشغلونی عن رکعتین کنت أصلیهما بعد الظهر و هما هاتان۔

ترجمہ کیجیے، صلوٰۃ عصر کے بعد رکعتین سے متعلق اقوال مع دلائل ذکر کیجیے، قولِ راجح کی تعیین کیجیے۔

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال کا حل تین امور ہیں: ① حدیث کا ترجمہ ② رکعتین بعد العصر سے متعلق اقوال مع دلائل ③ قولِ راجح کی تعیین

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن سے مروی ہے کہ حضرت معاویہؓ نے منبر پر بیٹھنے کی حالت میں کثیر ابن صلتؒ سے کہا کہ تم ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس جاؤ اور ان سے آپ ﷺ کے عصر کے بعد دو رکعت پڑھنے کے متعلق دریافت کرو، ابوسلمہ کہتے ہیں کہ میں بھی ان کے ساتھ کھڑا ہوگیا (چل پڑا) اور حضرت ابن عباسؓ نے عبداللہ بن حارثؓ سے کہا کہ تم بھی اس کے ساتھ جاؤ تو ہم سب لوگ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور ان سے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے تو معلوم نہیں ہے، تم ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ سے پوچھو، ہم نے ان سے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ایک دن عصر کے بعد آپ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور دو رکعت نماز پڑھی، میں نے کہا اے اللہ کے رسول! آپ پہلے تو یہ دو رکعت نہیں پڑھتے تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس بنو تمیم کا ایک وفد آیا تھا اور انہوں نے مجھے ان دو رکعتوں سے مشغول کر دیا تھا جو میں ظہر کے بعد پڑھا کرتا تھا، یہ وہی دو رکعتیں ہیں۔

② رکعتین بعد العصر سے متعلق اقوال مع دلائل:۔ اوقاتِ مکروہہ کی دو قسمیں ہیں: ① اوقاتِ ثلثہ یعنی طلوع، استواء اور غروب کے اوقات ② نمازِ عصر اور نمازِ فجر کے بعد کے اوقات۔

03136507913 maktabazakariyamultan@gmail.com

پہلی قسم: یعنی اوقاتِ ثلثہ کے متعلق حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ اس میں ہر قسم کی نماز ناجائز ہے، خواہ فرض ہو یا نفل اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک فرائض جائز ہیں اور نوافل ناجائز، البتہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک نوافل ذوات الاسباب بھی جائز ہیں۔

دوسری قسم: یعنی نمازِ فجر اور نمازِ عصر کے بعد والے اوقات کے بارے میں بھی امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک یہی ہے کہ ان میں بھی فرائض اور نوافل ذوات الاسباب دونوں جائز ہیں۔ البتہ صرف نوافل غیر ذوات الاسباب ان اوقات میں مکروہ ہیں، نوافل ذوات الاسباب کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ ایسے نوافل جن کا سبب اختیارِ عبد کے علاوہ کوئی اور چیز بھی ہو مثلاً تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد، نمازِ شکر، نمازِ عید، کسوف وغیرہ۔ حنفیہ کے نزدیک ان اوقات میں فرائض تو جائز ہیں لیکن نوافل خواہ ذوات الاسباب ہوں یا غیر ذوات الاسباب دونوں ناجائز ہیں، پھر شافعیہ کے نزدیک حرم مکہ میں نوافل غیر ذوات الاسباب بھی جائز ہیں جبکہ حنفیہ کے نزدیک اس استثناء کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے بلکہ ان اوقات میں ہر جگہ ہر قسم کے نوافل ناجائز ہیں۔

امام شافعیؒ ان روایات کے عموم سے استدلال کرتے ہیں جن میں تحیۃ الوضوء یا تحیۃ المسجد کا حکم دیا گیا ہے اور ان میں اوقاتِ مکروہہ یا غیر مکروہہ کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی گئی۔ نیز حرم کے مسئلہ میں حضرت جبیر بن مطعم کی اس حدیثِ مرفوع سے استدلال کرتے ہیں جس میں نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد مروی ہے **یابنی عبد مناف لاتمنعوا احدًا طاف بهذاالبيت وصلى اية ساعة شاء من ليل او نهار،** اسکے برخلاف حنفیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیثِ باب اور ان روایات کے عموم سے استدلال کرتے ہیں جن میں بعد الفجر اور بعد العصر نماز سے مطلقاً منع کیا گیا ہے۔ حنفیہ احادیث تحیۃ المسجد اور حدیثِ مذکور **لاتمنعوا احدًا الخ** کو حدیثِ باب سے مخصوص مانتے ہیں۔

③ قولِ راجح کی تعیین:۔ حنفیہ کا موقف راجح ہے، وجہ ترجیح یہ ہے کہ نہی کی احادیث کثیر ہیں لہٰذا احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ ممانعت پر عمل کیا جائے اور جہاں تک **یابنی عبدمناف لاتمنعوا احدًا** والی حدیث کا تعلق ہے، سواول تو وہ مضطرب الاسناد ہے۔ اور اگر یہ روایت صحیح ہو تب بھی اس کا مقصد محض حرم کے محافظین کو یہ ہدایت کرنا ہے کہ وہ حرم کو ہر وقت کھلا رکھیں اور طواف و نماز پر پابندی عائد نہ کریں۔ اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ حرم شریف میں نماز پڑھنے والے کیلئے کوئی وقت مکروہ نہیں۔ (درسِ ترمذی ج ا ص ۴۲۳)

**الشق الثانی** ......**عن عبد الله بن زيد أن رسول الله ﷺ خرج الى المصلى فاستسقى فحوّل رداء ه و استقبل القبلة**

حدیث کا ترجمہ کیجیے، استسقاء میں امام ابوحنیفہؒ کے ہاں نماز مسنون ہے یا نہیں؟ دلائل کے ساتھ لکھیں۔ استسقاء کی نماز میں خطبہ ہے یا نہیں؟ قراءت سری ہے یا جہری؟ امام طحاویؒ کی خطبے کے نمازِ استسقاء سے پہلے یا بعد ہونے سے متعلق نظر پیش کیجیے۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② امام ابوحنیفہؒ کے ہاں نمازِ استسقاء کا حکم ③ استسقاء میں خطبہ کی مشروعیت ④ صلوٰۃِ استسقاء میں قراءت بالجہر کا حکم ⑤ خطبۂ استسقاء سے متعلق نظرِ طحاوی۔

**جواب** ...... ① حدیثِ مبارک کا ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ عیدگاہ کی طرف تشریف لے گئے، بارش کی دعا مانگی، چادر کو پلٹا اور قبلہ کا استقبال کیا۔

② امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں نمازِ استسقاء کا حکم:۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک استسقاء صرف دعاء واستغفار کا نام ہے اس میں جماعت کے ساتھ نماز مسنون نہیں ہے، البتہ اگر تنہا نماز پڑھ لی جائے تو یہ جائز ہے۔ جبکہ ائمہ ثلاثہ وصاحبین رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ استسقاء میں باجماعت دو رکعت نماز پڑھی جائے گی۔ امام صاحبؒ کی دلیل ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **فقلت استغفروا ربكم انه كان غفارًا، يرسل السماء عليكم مدرارًا** (میں نے کہا تم اپنے رب سے معافی مانگو بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے، وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش بھیجے گا) اس آیت میں بارش کو استغفار پر معلق کیا گیا ہے، نہ کہ نماز پر، پس معلوم ہوا کہ استسقاء میں اصل دعا واستغفار ہے۔ دوسری دلیل بخاری ومسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص جمعہ کے دن مسجد میں داخل ہوا کہ آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے، اس نے کہا اے اللہ کے رسول! مال ہلاک ہو گیا اور راستے بند ہو گئے، آپ دعا فرمائیں کہ بارانِ رحمت عطاء ہو تو آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر فرمایا **اللهم اغثنا اللهم اغثنا**۔ اس میں دعا کا ثبوت

0315 0537513 maktabazakariyamultan@gmail.com

ہے، نماز کا نہیں۔ نیز حضرت عمرؓ نے استسقاء کیا مگر نماز نہیں پڑھی، پس معلوم ہوا کہ نماز مسنون نہیں ہے۔ (اشرف الہدایہ: ۲:۳۳۴)

③ **استسقاء میں خطبہ کی مشروعیت:۔** امام ابوحنیفہ وامام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کا ایک قول یہ ہے کہ استسقاء میں خطبہ نہیں ہے، جمہور فقہاء ومحدثین کے نزدیک خطبہ مشروع ہے۔ (ایضاح الطحاوی)

④ **صلوٰۃ استسقاء میں قراءت بالجہر کا حکم:۔** امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک صلوٰۃ الاستسقاء میں قراءت بالجہر مشروع نہیں ہے کیوں کہ یہ دن کی نفل نماز ہے اور دن کے نفل میں قراءت بالجہر مشروع نہیں ہے۔ صاحبین وائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ اور جمہور کے نزدیک نماز عیدین وجمعہ کی طرح صلوٰۃ الاستسقاء میں بھی جہری قراءت مسنون ہے کیوں کہ جو نماز خاص ایام میں یا خاص عارض کی بناء پر پڑھی جائے اس میں جہری قراءت ہوتی ہے۔ (ایضاً)

⑤ **خطبۂ استسقاء کے متعلق نظرِ طحاوی:۔** خطبہ جمعہ نماز سے پہلے ہوتا ہے اور خطبہ عیدین نماز کے بعد ہوتا ہے، ہم نے غور کیا کہ خطبۂ جمعہ فرض ہے اور خطبۂ عیدین فرض نہیں ہے اسکے بغیر بھی نماز ہوجاتی ہے اور صلوٰۃ الاستسقاء بھی بغیر خطبہ کے صحیح ہے اور جس طرح عید میں ترکِ خطبہ خلافِ سنت ہے اسی طرح استسقاء میں بھی ترکِ خطبہ خلافِ سنت ہے۔ پس معلوم ہوا کہ خطبہ استسقاء کو خطبۂ عیدین کے ساتھ بہت مشابہت ہے، نہ کہ خطبۂ جمعہ کے ساتھ۔ لہٰذا جیسے خطبۂ عیدین نماز کے بعد ہوتا ہے اسی طرح خطبۂ استسقاء بھی نماز کے بعد ہونا چاہیے۔ (ایضاً)

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۱ھ

**الشق الاوّل**......**عن جابر قال: جاء سليك الغطفاني يوم الجمعة و رسول الله ﷺ على المنبر فقعد سليك قبل أن يصلى فقال له النبى ﷺ: أ ركعت ركعتين؟ قال لا، قال: قم فاركعهما۔**

ترجمہ کیجیے، خطبہ کے دوران تحیۃ المسجد سے متعلق اقوال مع دلائل ذکر کیجیے، نظرِ طحاوی پیش کیجیے، نیز حضرت سلیک رضی اللہ عنہ کو سب کے سامنے نماز پڑھنے کا حکم کیوں دیا؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② دورانِ خطبہ تحیۃ المسجد سے متعلق اقوال مع دلائل ③ نظرِ طحاوی کی وضاحت ④ حضرت سلیک رضی اللہ عنہ کو سب کے سامنے نماز کا حکم دینے کی وجہ۔

**جواب**...... ① **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سلیک غطفانی رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن آئے اس حال میں کہ آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے، پس سلیک غطفانی رضی اللہ عنہ نماز (تحیۃ المسجد) ادا کرنے سے پہلے بیٹھ گئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تو نے دو رکعت نماز ادا کی ہے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا اٹھ کھڑا ہوجا اور دو رکعت نماز ادا کر۔

② **دورانِ خطبہ تحیۃ المسجد سے متعلق اقوال مع دلائل:۔** امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک خطبۂ جمعہ کے دوران تحیۃ المسجد وغیرہ جائز نہیں ہے۔ جمہور صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم کا بھی یہی مسلک ہے۔

امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک خطبۂ جمعہ کے دوران آنے والا شخص تحیۃ المسجد پڑھ لے تو یہ مستحب ہے۔

حنفیہ ومالکیہ کے دلائل: ① آیت کریمہ **واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا** ہے کہ یہ استماع وانصات والا حکم خطبۂ جمعہ کے لئے بھی ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ تو اس آیت کو خطبۂ جمعہ کے ساتھ ہی مخصوص مانتے ہیں۔ ② حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے **من قال يوم الجمعة والامام يخطب انصت فقد لغا** (ترمذی) اس حدیث میں آپ ﷺ نے دورانِ خطبہ امر بالمعروف جو کہ فرض ہے اس سے بھی منع فرمایا اور تحیۃ المسجد تو مستحب ہے یہ بطریقِ اولیٰ ممنوع ہوگی۔ ③ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث ہے **اذا دخل احدكم المسجد والامام على المنبر فلا صلوٰة ولا كلام حتى يفرغ الامام** (طبرانی) ④ صحاح ستہ ودیگر کتبِ حدیث میں موجودہ تمام احادیث اور روایات ہیں کہ آپ ﷺ کے خطبہ کے دوران اور خلفاءِ راشدین کے خطبہ کے دوران صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تشریف لاتے تھے اور بغیر تحیۃ المسجد پڑھے بیٹھ جاتے تھے۔ آپ ﷺ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم ان کو تحیۃ المسجد کا حکم نہ فرماتے تھے، معلوم ہوا کہ دورانِ خطبہ تحیۃ المسجد پڑھنا صحیح نہیں ہے۔

امام شافعی وامام احمد رحمہما اللہ کی دلیل یہی حدیث الباب ہے۔ حنفیہ وحنابلہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ

خطبہ شروع کرنے سے پہلے کا ہے، اسکے متعدد قرائن و دلائل کتب حدیث میں موجود ہیں۔

مذہبِ حنفیہ (روایاتِ نہی) متعدد وجوہ سے راجح ہے: ① محرم و مبیح میں تعارض ہو تو محرم کو ترجیح ہوتی ہے ② روایاتِ نہی مؤید بالقرآن ہیں ③ روایاتِ نہی مؤید بالاصول الکلیہ ہیں ④ روایاتِ نہی مؤید بتعامل الصحابہ والتابعین ہیں ⑤ روایاتِ نہی پر عمل کرنے میں احتیاط ہے کیونکہ تحیۃ المسجد کسی کے نزدیک بھی واجب نہیں ہے۔ (درسِ ترمذی ج ۲ ص ۲۸۴)

③ **نظرِ طحاوی کی وضاحت:۔** دورانِ خطبہ آنے والے کے متعلق تحیۃ المسجد پڑھنے اور نہ پڑھنے والی دونوں روایات موجود ہیں، مگر جب ہم نے نظر و فکر کیا تو ہم نے دیکھا کہ جو لوگ امام کے خطبہ سے قبل مسجد میں موجود ہوں ان کے لیے خطبہ شروع ہونے کے بعد نماز پڑھنا بالاتفاق ممنوع ہے، پس معلوم ہوا کہ وقتِ خطبہ کسی بھی نماز کا وقت مشروع نہیں ہے، پس جیسے پہلے سے موجود شخص کے لیے خطبہ وقتِ صلوٰۃ نہیں ہے اسی طرح بعد میں آنے والے کے لیے بھی خطبہ وقتِ صلوٰۃ نہ ہوگا، کیوں کہ ضابطہ ہے کہ جن اوقات میں نماز ممنوع ہے ان میں پہلے سے مسجد میں موجود لوگ اور بعد میں آنے والے سب برابر ہیں اور جیسے خطبہ موجود لوگوں کے لیے مانعِ صلوٰۃ ہے اسی طرح بعد میں داخل ہونے والوں کے لیے بھی مانعِ صلوٰۃ ہوگا۔ (ایضاح الطحاوی: ج ۲، ص ۴۰۴)

④ **حضرت سلیک رضی اللہ عنہ کو سب کے سامنے نماز کو حکم دینے کی وجہ:۔** آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلیک رضی اللہ عنہ کے آنے پر خطبہ منقطع کر کے عملاً لوگوں کو تعلیم دی کہ جب مسجد میں آؤ تو تحیۃ المسجد ادا کرو، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقاعدہ خطبہ شروع فرمایا، لہٰذا دورانِ خطبہ نفل نماز پڑھنا لازم نہ آیا۔ (ایضاً)

**الشق الثانی** ......عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّهٗ قَالَ اِذَا قَالَ اَحَدُكُمْ فِيْ رُكُوْعِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ ثَلَاثًا فَقَدْ تَمَّ رُكُوْعُهٗ وَذٰلِكَ اَدْنَاهُ وَاِذَا قَالَ فِيْ سُجُوْدِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى ثَلَاثًا فَقَدْ تَمَّ سُجُوْدُهٗ وَذٰلِكَ اَدْنَاهُ قَالَ اَبُوْ جَعْفَرٍ فَذَهَبَ قَوْمٌ اِلٰى هٰذَا فَقَالُوْا هٰذَا مِقْدَارُ الرُّكُوْعِ وَ السُّجُوْدِ الَّذِيْ لَا يُجْزِئُ اَقَلَّ مِنْهُ وَاحْتَجُّوْا فِيْ ذٰلِكَ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ وَخَالَفَهُمْ فِيْ ذٰلِكَ آخَرُوْنَ ..... (باب مقدار الركوع والسجود الخ)

عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔ فذهب قوم و خالفهم فی ذٰلك آخرون کا مصداق متعین کر کے مقدارِ رکوع و سجود میں فریقین کے مذاہب مع دلائل تحریر کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت پر اعراب ② عبارت کا ترجمہ ③ فذهب قوم و خالفهم فی ذٰلك آخرون کا مصداق ④ مقدارِ رکوع و سجود میں ائمہ کے مذاہب مع دلائل۔

**جواب** ...... ① **عبارت پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔**

② **عبارت کا ترجمہ:۔** حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اپنے رکوع میں تین مرتبہ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ کہا تو اس کا رکوع پورا ہو گیا اور یہ اسکی ادنیٰ مقدار ہے اور جس نے اپنے سجدوں میں تین مرتبہ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى کہا تو اس کے سجدے مکمل ہو گئے اور یہ اسکی ادنی مقدار ہے۔ امام ابو جعفرؒ فرماتے ہیں کہ ایک قوم اسی کی طرف گئی ہے اور انہوں نے کہا کہ یہ رکوع و سجود کی وہ مقدار ہے کہ جس سے کم مقدار جائز نہیں ہے اور انہوں نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ اور اس مسئلہ میں دوسرے حضرات نے ان کی مخالفت کی ہے......

③ **فذهب قوم و خالفهم فی ذٰلك آخرون کا مصداق:۔** قوم کا مصداق امام اسحاق بن راہویہ، داؤد ظاہری، ابراہیم نخعی، امام احمد کا قولِ مشہور اور اصحابِ ظواہر ہیں۔ آخرون کا مصداق حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور جمہور فقہاء و محدثین ہیں۔

④ **مقدارِ رکوع و سجود میں ائمہ کے مذاہب مع دلائل:۔** امام اسحاق بن راہویہ، داؤد ظاہری، ابراہیم نخعی، امام احمد کا قولِ مشہور اور اصحابِ ظواہر کے نزدیک رکوع و سجود کی کم سے کم مقدار تین مرتبہ **سبحان ربّی العظیم** اور تین مرتبہ **سبحان ربّی الاعلیٰ** کہنے کی بقدر ہے۔ جبکہ جمہور کے نزدیک اتنی مقدار ٹھہرنا فرض ہے جس سے طمانینت حاصل ہو جائے یعنی ہر عضو اپنی اپنی جگہ برقرار ہو جائے۔ اس سے زیادہ مقدار فرض نہیں بلکہ سنت یا مستحب ہے۔

فریقِ اول کی دلیل: ابنِ مسعودؓ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص رکوع میں تین مرتبہ **سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم** کہے اس کا رکوع پورا ہو گیا اور جو اپنے سجدوں میں تین مرتبہ **سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی** کہے اس کے سجدے مکمل ہو گئے اور یہ اسکی ادنی مقدار ہے، معلوم ہوا کہ اس سے کم مقدار میں فریضہ ادا نہیں ہوتا۔ جمہور کی دلیل: حضرت رفاع بن رافع و ابو ہریرہؓ کی طویل روایت ہے کہ کسی آدمی نے مسجد میں داخل ہو کر نماز ادا کی تو آپ ﷺ نے اس کا عمل دیکھ کر فرمایا..... کہ تم رکوع کرو یہاں تک کہ طمانینت حاصل ہو جائے (اسی طرح دیگر ارکان کے متعلق اطمینان کا ارشاد فرمایا) جب تم اس طریقہ سے نماز پڑھو گے تو تمہاری نماز پوری ہو جائے گی۔ پس معلوم ہوا کہ حصولِ طمانینت کی مقدار فرض ہے، تین تسبیح کی مقدار فرض نہیں ہے۔

جمہور کی طرف سے فریقِ اول کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت منقطع ہونے کی وجہ سے قابلِ استدلال نہیں ہے، کیونکہ عون بن عبد اللہ کا سماع حضرت ابن مسعودؓ سے ثابت نہیں ہے۔ نیز طحاوی میں فصلِ اول کی روایت میں مقدارِ افضلیت کو بیان کیا گیا ہے، مقدارِ فرضیت کو نہیں اور فصلِ ثانی میں فرضیت کا ادنی درجہ بیان کیا گیا ہے۔ نیز حضرت رفاع بن رافع و ابو ہریرہؓ کی روایت شیخین کی شرط پر پورا اترتی ہے جبکہ ابنِ مسعودؓ کی روایت شیخین کی شرط پر پورا نہیں اترتی، لہٰذا رفاع بن رافع و ابو ہریرہؓ کی روایت کی موجودگی میں ابن مسعودؓ کی روایت سے استدلال درست نہیں ہو سکتا۔ (ایضاح الطحاوی ۲:۳۹)

## السوال الثالث ١٤٤١ھ

**الشق الاوّل** ......**عن ابن عبد الرحمن بن ابزی عن ابیه انّه صلّی مع رسول الله ﷺ فکان لا یتمّ التکبیر۔ وعن عبد الله قال انا رأیت رسول الله ﷺ یکبّر فی کل خفض و رفع** ۔ انتقالِ ارکان کے وقت تکبیر کا حکم بیان کریں، ائمہ کرامؒ کے اقوال ودلائل بھی ذکر کریں۔ امام طحاوی کا نکتۂ نظر کیا ہے؟ خط کشیدہ عبارات کی تشریح کریں۔

﴿ خلاصۂ سوال ﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① انتقالِ ارکان کے وقت تکبیر کا حکم مع اقوال و دلائل ② امام طحاوی کا نکتۂ نظر ③ خط کشیدہ عبارات کی تشریح۔

**جواب** ...... ① انتقالِ ارکان کے وقت تکبیر کا حکم مع اقوال ودلائل:۔ عمر بن عبد العزیز، محمد ابن سیرین، سعید بن جبیر، سالم بن عبد اللہ اور امام قتادہ کے نزدیک تمام ارکانِ انتقالیہ میں تکبیر مشروع نہیں ہے بلکہ عند الرفع یعنی نیچے سے اوپر کی طرف اٹھتے وقت مثلاً رکوع سے قومہ اور سجدہ سے قیام کی طرف انتقال کے وقت مشروع ہے اور اوپر سے نیچے کی طرف جھکتے وقت مثلاً قیام سے رکوع اور قومہ سے سجدہ کی طرف انتقال کے وقت تکبیر مشروع نہیں ہے یہی لوگ **قال ابو جعفر فذهب قوم الی هذا فکانوا لایکبرون فی الصلو اذا خفضوا الخ** کے مصداق ہیں۔ امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، سفیان ثوری، امام اوزاعی اور جمہور فقہا و محدثین کے نزدیک جھکتے اور اٹھتے وقت تمام ارکانِ انتقالیہ میں تکبیر مسنون و مشروع ہے۔ یہی لوگ کتاب میں **وخالفهم فی ذٰلك اخرون** کا مصداق ہیں۔ (امام احمد اور اصحابِ ظواہر کے نزدیک تکبیر تحریمہ کی طرح تمام ارکان انتقالیہ میں بھی تکبیر واجب ہے اس مذہب کے متعلق امام طحاوی نے ذکر نہیں کیا)

مذہب اول کی پہلی دلیل حضرت عبد الرحمٰن بن ابزی کی روایت ہے کہ میں نے آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی اور آپ ہر ارکانِ انتقالیہ میں پوری تکبیر نہیں کہا کرتے تھے۔ دوسری دلیل حضرت عثمان ؓ کا عمل ہے کہ وہ جھکتے وقت تکبیر نہیں کہا کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا جھکتے وقت تکبیر نہیں ہے۔ جمہور کی طرف سے پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ بات واضح نہیں کہ آپ ﷺ جھکتے وقت تکبیر نہیں کہا کرتے تھے بلکہ یہ ایک مجمل روایت ہے اور کثرتِ طرق سے بھی ثابت نہیں اس کے بالمقابل آپ ﷺ کا فعل ہر خفض ورفع میں تکبیرات انتقالیہ کے ثبوت میں موجود ہے اور تواتر سند کے ساتھ موجود ہے۔ پس مجمل روایت تفصیلی ثابت شدہ روایت کے مقابلہ میں قابل استدلال نہیں ہو سکتی۔ حضرت عثمان ؓ کے عمل کا جواب یہ ہے کہ وہ انتہائی درجہ کے شرمیلے تھے اور شرم کی وجہ سے جھکتے وقت تکبیر میں اپنی آواز کو مبالغہ کے ساتھ بلند نہیں کر پاتے تھے جس سے پیچھے والے لوگوں کو یہ محسوس ہوتا تھا کہ حضرت عثمان جھکتے وقت تکبیر نہیں کہا کرتے تھے۔

ائمہ ثلاثہ وجمہور کی پہلی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ کثیر تعداد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تواتر کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل ثابت ہے کہ آپ ہر ہر انتقال کے وقت تکبیر کہا کرتے تھے۔ دوسری دلیل زمانۂ نبوت کے بعد حضرات خلفائے راشدین اور تمام صحابہ کا اجماع ہے کہ ان سب حضرات کا عمل ہر ارکان انتقالیہ کے وقت تکبیر کہنے پر ہے اور یہ عمل تواتر کیساتھ ہمارے زمانہ تک ثابت ہے۔

**②** **امام طحاوی کا نکتۂ نظر:۔** امام طحاوی کے نکتۂ نظر کا حاصل یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ وارکانِ انتقالیہ میں رفع کے وقت تکبیر کی علت پر ہم نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف تغیر وانتقال ہی جوازِ تکبیر کی علت ہے اوران ارکان انتقالیہ کی تکبیر پر علما کا اجماع بھی ہے اور جھکتے وقت جو تکبیر کہی جاتی ہے اس کی علت بھی تغیر وانتقالِ احوال ہے۔ پس نظر وفکر کا تقاضہ یہی ہے کہ جس علت کی وجہ سے رفع کے وقت تکبیر مشروع ہے وہ علت جھکتے وقت بھی پائی جاتی ہے لہٰذا جھکتے وقت بھی تکبیر کی مشروعیت مسلم ہوگی یہی ہمارے علماء کا مذہب ہے(ایضاح الطحاوی ج ا ص ۶۰۷)

**③** **خط کشیدہ عبارات کی تشریح:۔** **فکان لا یتمّ التکبیر:** ① امام ابوداودؒ نے اس کا مطلب یہ بیان کیا کہ رکوع سے سجدہ کی طرف اور سجدہ سے قیام کی طرف جاتے وقت تکبیر نہیں کہا کرتے تھے۔ ② آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیروں کی تعداد پوری نہیں کرتے تھے۔ معلوم ہوا کہ تکبیراتِ انتقالیہ کی کوئی اہمیت نہیں ہے، البتہ عندالرفع اللہ تعالی کی بڑائی ظاہر کرنے کیلئے تکبیر کہنی چاہئے (ایضاح الطحاوی)

**یکبّر فی کل خفض و رفع:** آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جھکنے اُٹھنے والے رکن میں تکبیر کہا کرتے تھے یعنی قیام سے رکوع اور قومہ سے سجدہ کی طرف جھکتے وقت، رکوع سے قومہ اور سجدہ سے قیام کی طرف اُٹھتے وقت تکبیر کہا کرتے تھے۔

**الشق الثانی** ......**عن ابن عمر انّ حفصة ام المؤمنین اخبرته انّ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کان اذا سکت المؤذن من الاذان لصلوة الصبح او النداء بالصبح صلّی رکعتین خفیفتین قبل ان تقام الصلوة ۔ وعن محمد انّ عائشة قالت کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یخفی ما یقرأ فیهما وذکرت ﴿قل یا ایّها الکافرون و قل هو اللّٰه احد﴾**

فجر کی سنتوں میں قراءت کی مقدار کیا ہے؟ ائمہ کا اختلاف مع دلائل ذکر کریں۔ حنفیہ کا قول واضح کرنے کے بعد مخالفین کے استدلال کا جواب وتاویل ذکر کریں۔ امام طحاوی کے طرزِ استدلال (قیاس) کی وضاحت کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① فجر کی سنتوں میں قراءت کی مقدار میں اختلاف مع دلائل ② مخالفین کے استدلال کا جواب وتاویل ③ امام طحاوی کے طرزِ استدلال (قیاس) کی وضاحت۔

**جواب** ...... **①** **فجر کی سنتوں میں قراءت کی مقدار میں اختلاف مع دلائل:۔** ابوبکر بن اصم، ابراہیم بن علیہ اور بعض اصحاب ظواہر کے نزدیک فجر کی سنتوں میں کسی قسم کی قراءت مشروع نہیں ہے یہی لوگ کتاب میں **قال قوم لا یقرأ من رکعتی الفجر** کا مصداق ہیں۔ امام مالک، عبداللہ بن وہب اور بعض شوافع کے نزدیک فجر کی سنتوں میں صرف فاتحہ پڑھنا مشروع ہے سورت ملانا مشروع نہیں، یہی لوگ **وقال آخرون یقرأ فیهما بفاتحة الکتاب خاصة** کا مصداق ہیں۔ احناف، حنابلہ اور اکثر شوافع وجمہور کے نزدیک فجر کی سنتوں میں فاتحہ اور دوسری سورت دونوں مشروع ہیں۔ البتہ امام شافعی اور احمد کے نزدیک سورت کا ملانا لابأس بہ کے درجہ میں ہے اور حنفیہ کے نزدیک واجب ہے۔

مذہب اول کی دلیل حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی جماعت سے پہلے نہایت ہلکی ہلکی دو رکعت پڑھتے تھے اور ہلکی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان میں قراءت نہیں کیا کرتے تھے۔ مذہب ثانی کی دلیل یہی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی سنتوں میں بہت ہلکی ہلکی قراءت کرتے تھے حتی کہ محسوس کیا جاتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاتحہ بھی پڑھی ہے یا نہیں؟ یا یہ اندازہ ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف سورۂ فاتحہ پڑھی ہے۔ جمہور کی پہلی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی دونوں رکعتوں میں سرّی قراءت کرتے تھے اور ان میں سورہ کافرون اور اخلاص پڑھا کرتے تھے۔ واضح ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عام نفلوں کی طرح فجر کی سنتوں میں بھی سورہ فاتحہ اور دوسری سورت پڑھا کرتے تھے لہٰذا ان دو رکعتوں میں قراءت کا انکار درست نہیں۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ نوافل میں قراءت کی افضلیت منقول ہے اور سنن ونوافل میں سب سے مؤکد ترین نفل

سنتِ فجر ہیں جب عام نفلوں میں طولِ قرات کی ترغیب ہے تو مؤکدترین نفلوں میں بدرجہ اولی ترغیب ثابت ہوگی۔ چہ جائیکہ بالکل قراءت کا انکار کیا جائے یا سورت ملانے کا انکار کیا جائے۔ تیسری دلیل آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم سنتِ فجر کو ہرگز ترک مت کرو اگرچہ تمہارے اوپر لشکر جرار حملہ آور ہو جائے۔ نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ سنتِ فجر سے زیادہ کسی بھی دوسرے نوافل کا زیادہ اہتمام نہیں فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ فجر کی دو رکعتیں دنیا و مافیہا سے افضل و بہتر ہیں، پس جب آپ ﷺ کے نزدیک فجر کی سنتیں سب سے افضل ترین نوافل ہیں اور نوافل میں طولِ قراءت افضل ہے تو آپ ﷺ سنتِ فجر سے کس طرح قرات ترک کرسکتے ہیں بلکہ زیادہ افضل یہی ہوگا کہ سنتِ فجر میں اہتمام کے ساتھ قرات کیا کرتے تھے۔ نیز اکابر صحابہ کے فتاوی و عمل سے بھی سنتِ فجر میں اہتمام کے ساتھ قراءت کرنا ثابت ہے (ایضاح الطحاوی ج۲ص۲۱۴)

② مخالفین کے استدلال کا جواب وتاویل:۔ جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ محض ہلکی رکعتیں پڑھنے سے فاتحہ و دوسری سورت کی قراءت کا انکار ہرگز درست نہیں صرف اتنی بات کہی جاسکتی ہے کہ قراءت بہت مختصر اور ہلکی کرتے تھے۔

③ امام طحاوی کے طرزِ استدلال (قیاس) کی وضاحت:۔ امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے تمام سنن و نوافل میں غور و فکر کیا تو ہمیں ایسی کوئی نماز نہیں ملی جس میں قراءت نہ کی جاتی ہو یا اس میں قراءت کا مدار سورت فاتحہ پر ہو، اور نہ ایسی کوئی نفل نماز ہے جس میں طولِ قراءت مکروہ ہو، بلکہ طولِ قراءت ہر نفل میں مستحب کے درجہ میں ہے، لہٰذا سنتِ فجر میں بالکل قراءت کا انکار کرنا یا سورت ملانے کا انکار کرنا کسی طرح درست نہیں ہے۔

## الورقة الرابعة : شرح معانی الآثار

## السوال الاول ۱۴۴۲ھ

**الشق الاوّل** ......عن سالم عن ابیه قال رأیت رسول اللّٰه ﷺ و ابابکر و عمر یمشون امام الجنازة -

جنازہ کے ساتھ آگے چلنا افضل ہے یا پیچھے؟ ائمہ کا اختلاف و دلائل ذکر کریں۔ حضرت ابوبکر و عمرؓ کے جنازے سے آگے چلنے کی وجہ تحریر کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① جنازہ کے ساتھ چلنے کی کیفیت میں اختلاف مع الدلائل ② شیخین رضی اللہ عنہما کے جنازہ سے آگے چلنے کی وجہ۔

**جواب** ...... ① جنازہ کے ساتھ چلنے کی کیفیت میں اختلاف مع الدلائل:۔ جنازہ میں میت کے آگے چلنا افضل ہے یا پیچھے؟ اس میں اختلاف ہے۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں اختیار ہے کسی صورت کو دوسری صورت پر کوئی فضیلت نہیں ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی اسی طرف میلان ہے۔ امام احمد و امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک پیدل چلنے والا آگے چلے اور سوار پیچھے چلے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مطلقاً آگے چلنا افضل ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مطلقاً پیچھے چلنا افضل ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ اثر ہے **انما انت مشیع فامش ان شئت امامها وان شئت خلفها وان شئت عن یمینها وان شئت عن یسارها** کہ میت کے آگے، پیچھے، دائیں، بائیں ہر طرف چلنا درست ہے۔

امام احمد اور امام مالک رحمہما اللہ کی دلیل حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے: **ان النبی ﷺ قال الراکب یسیر خلف الجنازة والماشی خلفها وامامها وعن یمینها وعن یسارها قریبا منها** کہ سوار کا پیچھے چلنا اور پیادہ کا ہر طرف چلنا درست ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت ہے: **رایت النبی ﷺ وابابکر وعمر یمشون امام الجنازة** کہ میں نے آپ ﷺ اور صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کو جنازے کے آگے چلتے دیکھا ہے۔

نیز جنازہ کو لیکر جانے والے شفعاء ہیں اور شفعاء مشفوع لہ کے آگے چلتے ہیں لہٰذا جنازہ کے آگے چلنا افضل ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ مرفوع روایت ہے **الجنازة متبوعة ولاتتبع ولیس منا من تقدمها**۔

نیز طاؤس رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ **مامشی رسول اللّٰه ﷺ فی جنازة حتی مات الّا خلف الجنازة وبه ناخذ**۔

نیز حضرت علیؓ سے مروی ہے **ان فضل الماشی خلفها علی الذی یمشی امامها کفضل صلوٰۃ الجماعۃ علی الفذ۔**
باقی حضرت انسؓ کا اثر اور حضرت مغیرہؓ کی روایت بیانِ جواز کیلئے ہے اس سے افضلیت کا ثبوت نہیں ہوتا اور جواز کے سب قائل ہیں۔
امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی سند پر کلام ہے، امام ترمذی نے اس کے مرفوع نہ ہونے کی تصریح کی ہے اور یہ حدیث مرسل ہے اور شوافع عموماً مراسیل کو حجت نہیں مانتے۔ نیز اگر کلام نہ بھی ہو تب بھی اس سے محض جواز معلوم ہوتا ہے افضلیت معلوم نہیں ہوتی۔ باقی جنازہ کو لیکر جانے والوں کا شفعاء ہونا سمجھ سے بالا ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ میت کو بطور مجرم بارگاہ الٰہی میں پیش کر رہے ہیں۔ حالانکہ مسلمان اس کو اعزاز و اکرام کیساتھ سفرِ آخرت پر رخصت کرتے ہیں اور اسے اپنے لئے توشۂ آخرت سمجھ کر آگے بھیجتے ہیں تو ظاہر ہے کہ ایسے موقع پر پیچھے رہنا ہی مناسب ہے نیز پیچھے رہنے میں دیگر مصالح کا بھی لحاظ رہے گا مثلاً جنازہ سامنے ہوگا جس سے ہر قدم پر عبرت حاصل ہوگی نیز پیچھے رہنے کی صورت میں بوقتِ ضرورت امداد بھی سہولیات کیساتھ دیجا سکتی ہے۔ (کشف الباری ج ۲ ص ۵۲۸)

② **شیخین رضی اللہ عنہما کے جنازہ سے آگے چلنے کی وجہ:۔** ممکن ہے کہ کسی عذر کی وجہ سے یہ حضرات آگے چلتے ہوں اور وہ عذر یہ ہو سکتا ہے کہ انکے پیچھے چلنے کی وجہ سے دیگر حضرات کے مشقت میں پڑنے کا اندیشہ ہو اور ان کے لئے جنازہ کے ساتھ چلنا شاق ہو، پھر راوی کا خصوصیت کے ساتھ ان حضرات کے متعلق آگے چلنے کا ذکر قرینہ ہے کہ باقی حضرات پیچھے چلتے تھے۔ (تحفۃ الالمعی)

**الشق الثانی** ......**عن بشیر بن الخصاصیۃ انّ رسول اللہ ﷺ رأی رجلا یمشی بین القبور فی نعلین فقال ویحک یا صاحب السبتیتین، الق سبتیتیک ۔ وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ.....والذی نفسی بیدہ انّہ لیسمع خفق نعالھم حین تولّوا عنہ مدبرین ۔**
قبرستان میں جوتا پہن کر جانے کا حکم بیان کریں، اگر مسئلہ اختلافی ہو تو اختلاف مع دلائل ذکر کریں۔ امام طحاویؒ کا نکتۂ نظر کیا ہے؟ خط کشیدہ عبارت کا مطلب بیان کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① قبرستان میں جوتا پہن کر جانے کا حکم مع اختلاف و دلائل ② امام طحاویؒ کا نکتۂ نظر ③ خط کشیدہ عبارت کا مطلب۔

**جواب** ...... ① **قبرستان میں جوتا پہن کر جانے کا حکم مع اختلاف و دلائل:۔** امام احمد بن حنبلؒ اور اصحاب ظواہرؒ کے نزدیک قبروں کے درمیان جوتا پہن کر چلنا ممنوع و مکروہ ہے یہی لوگ **فذھب قوم الی ھذا الحدیث** کا مصداق ہیں، ائمہ ثلاثہ، سفیان ثوری، ابراہیم نخعی، محمد بن سیرین، حسن بصری اور جمہور فقہاء کے نزدیک قبروں کے درمیان جوتا پہن کر چلنا مکروہ نہیں ہے۔
فریق اول کی دلیل حضرت بشیر بن الخصاصیہ کی یہی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے کسی شخص کو قبروں کے درمیان سبطی جوتے پہن کر چلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ تیرہ ستیاناس ہو، اپنے جوتے اتار دو، معلوم ہوا کہ قبروں کے درمیان جوتا پہن کر چلنا ممنوع و ناجائز ہے۔
جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ شرعاً اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے اور یہاں اسلئے جوتے اتارنے کا حکم دیا کہ ان کے جوتے میں نجاست لگی ہوئی تھی اور اس کے ساتھ چلنے کی وجہ سے قبروں میں نجاست منتشر ہونے کا خطرہ تھا۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے حضرت جبرائیل نے آپ ﷺ کو نجاست کی وجہ سے جوتا پہن کر نماز پڑھنے سے منع فرمایا تھا۔
جمہور کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں اس کا ذکر ہے کہ دفن کر کے جانے والوں کے جوتوں کی آواز اور آہٹ میت سنتی ہے۔

0316 ... maktabaetul... @gmail.com

② **امام طحاویؒ کا نکتۂ نظر:۔** امام طحاوی کے نکتۂ نظر یہ ہے کہ حدیث کے مطابق نماز میں نجاست والے جوتے اتارنے کا حکم ہے اور آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ تم جوتے نہ اتارو (کیونکہ تمہارے جوتے پاک ہیں)۔ پس جب پاک جوتے پہن کر نماز پڑھنا ممنوع نہیں تو پاک جوتے پہن کر قبروں کے درمیان چلنا بھی ممنوع و مکروہ نہیں ہے (ایضاح الطحاوی ج ۳ ص ۸۲)

③ **خط کشیدہ عبارت کا مطلب:۔** سبت ایک علاقہ و مقام کا نام ہے، وہاں کے بنے ہوئے جوتے کو سبتیہ کہتے ہیں اور اس کا تثنیہ سبتیتین ہے۔ جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ اے سبتی جوتے پہننے والے! اپنے جوتے اتار دے۔

## ﴿الورقة الرابعة : فی الحدیث﴾

## ﴿السوال الاوّل﴾ (طحاوی) ۱۴۴۳ھ

**الشق الاوّل**......عن ابن شھاب عن سالم عن ابیه قال قال رسول اللّٰه ﷺ ان بلالًا ینادی بلیل فکلوا واشربوا حتّی ینادی ابن ام مکتوم قال ابن شھاب وکان رجلًا عمی لاینا دی حتّی یقال له اصبحت اصبحت ...... فانّ حدیث ابن مسعود عن رسول اللّٰه ﷺ قد بین انّ ذٰلك التاذین کان لغیر الصلٰوة۔ (باب التاذین للفجر) فجر کی اذان صبح صادق سے پہلے دینا جائز ہے یا نہیں؟ علماء کا اختلاف مع دلائل بیان کریں۔ نیز اس مسئلہ کو نظرِ طحاوی کی روشنی میں بیان کریں۔ التاذین کان لغیر الصلٰوة کا کیا مطلب ہے؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں ① فجر کی اذان وقت سے پہلے دینے میں علماء کا اختلاف مع دلائل ② نظرِ طحاوی کی وضاحت ③ التاذین کان لغیر الصلٰوة کا مطلب۔

**جواب**...... ❶ فجر کی اذان وقت سے پہلے دینے میں علماء کا اختلاف مع دلائل:۔ ائمہ ثلاثہؒ، امام ابو یوسفؒ، اسحاق بن راہویہؒ اور ابن مبارکؒ کے نزدیک وقت سے پہلے صرف فجر کی اذان دینا جائز ہے، اور اعادہ بھی واجب نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہؒ، امام محمدؒ اور سفیان ثوریؒ کے نزدیک کوئی بھی اذان وقت سے پہلے دینا جائز نہیں ہے، وقت سے پہلے اذان دینے کی صورت میں اعادہ واجب ہے۔ ائمہ ثلاثہؒ وغیرہم کی دلیل حدیث الباب ہے کہ رات کو اذان دی جاتی تھی۔

حنفیہؒ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ اس واقعہ وحدیث سے استدلال تام نہیں ہے کیونکہ ان کا استدلال اس وقت درست ہوتا جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان پر اکتفاء کیا گیا ہوتا حالانکہ انہی راویات میں موجود ہے کہ فجر کے طلوع ہونے کے بعد دوسری اذان بھی دی جاتی تھی۔

حنفیہؒ کے دلائل: ① ابوداؤد میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: **ان رسول اللّٰه ﷺ قال له لا تؤذن حتی یستبین لك الفجر و مدّ یدیه عرضًا۔** ② طحاوی میں حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے: **ان رسول اللّٰه ﷺ کان اذا اذن المؤذن بالفجر قام فصلی رکعتی الفجر ثم خرج الی المسجد و حرم الطعام و کان لا یؤذن حتی یصبح۔** ③ التمہید میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے: **قالت ما کانوا یؤذنون حتی ینفجر الفجر۔**

❷ نظرِ طحاوی کی وضاحت:۔ ہم نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ فجر کے علاوہ بقیہ تمام نمازوں کی اذان وقت پر دینا لازم ہے، وقت سے پہلے جائز نہیں ہے اور فجر کی اذان میں علماء نے اختلاف کیا لہٰذا فجر کی اذان کو بھی بقیہ نمازوں کی اذانوں پر قیاس کرتے ہوئے وقت سے پہلے دینا جائز نہیں ہونا چاہیے اور یہی نظر وفکر کا تقاضا ہے۔

❸ التاذین کان لغیر الصلٰوة کا مطلب:۔ یہ ائمہ ثلاثہؒ کی دلیل کا جواب ہے کہ وقت سے پہلے جو اذان ہوتی تھی وہ نماز کیلئے نہیں ہوتی تھی۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہ تہجد کیلئے اذان ہوتی تھی مگر حنفیہؒ کے نزدیک نوافل کیلئے اذان دینا درست نہیں ہے، اسلئے حنفیہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ یہ سحری کیلئے اذان ہوتی تھی تاکہ سونے والے سحری کیلئے بیدار ہو جائیں اور عبادت وریاضت والے عبادت جلد از جلد مکمل کر کے وہ بھی سحری کا انتظام کرلیں۔

**الشق الثانی**......عَنْ مُعَاوِیَةَ بْنِ الْحَکَمِ السُّلَمِیِّ قَالَ: بَیْنَا اَنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِیْ صَلَاةٍ اِذْ عَطَسَ رَجُلٌ فَقُلْتُ یَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَحَدَّقَنِی الْقَوْمُ بِاَبْصَارِهِمْ فَقُلْتُ وَاثُکْلَ اُمَّاهُ مَالَکُمْ تَنْظُرُوْنَ اِلَیَّ قَالَ فَضَرَبَ الْقَوْمُ بِاَیْدِیْهِمْ عَلٰی اَفْخَاذِهِمْ فَلَمَّا رَاَیْتُهُمْ یُسَکِّتُوْنَنِیْ سَکَتُّ فَلَمَّا انْصَرَفَ النَّبِیُّ ﷺ مِنْ صَلَاتِهٖ دَعَانِیْ فَبِاَبِیْ وَ اُمِّیْ مَا رَاَیْتُ مُعَلِّمًا قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ اَحْسَنَ تَعْلِیْمًا مِنْهُ وَاللّٰهِ مَا ضَرَبَنِیْ وَ لَا کَهَرَنِیْ وَلَا سَبَّنِیْ....

عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔ کلام فی الصلوۃ کے مفسد ہونے، نہ ہونے میں ائمہ کے اقوال مع دلائل تحریر کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت پر اعراب ② عبارت کا ترجمہ ③ کلام فی الصلوۃ کے مفسد ہونے، نہ ہونے میں ائمہ کے اقوال مع دلائل۔ (باب الکلام فی الصلاۃ لما یحدث فیہا من السہو)

**جواب** ...... ① عبارت پر اعراب:۔ **کما مرّ فی السوال آنفا۔**

② **عبارت کا ترجمہ:۔** معاویہ بن حکم سلمیؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ اسی دوران ایک آدمی کو چھینک آئی تو میں نے یرحمک اللہ کہہ دیا تو لوگوں نے مجھے گھورنا شروع کر دیا، میں نے کہا اے کاش! تمہاری ماں تم پر رو چکی ہوتی (اے کاش! تمہاری ماں تمہیں گم کر چکی ہوتی) تم مجھے کیوں گھور رہے ہو؟ یہ سن کر وہ لوگ اپنی رانوں پر اپنے ہاتھ مارنے لگے پھر جب میں نے دیکھا کہ وہ لوگ مجھے خاموش کرانا چاہتے ہیں تو میں خاموش ہو گیا جب رسول اللہ ﷺ اپنی نماز سے فارغ ہو کر لوٹے تو مجھے بلایا، میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان، میں نے آپ ﷺ سے پہلے اور نہ ہی آپ کے بعد آپ ﷺ سے بہتر کوئی سکھانے والا نہیں دیکھا، اللہ کی قسم نہ آپ ﷺ نے مجھے مارا، نہ ہی مجھے جھڑکا اور نہ ہی مجھے بُرا بھلا کہا۔

③ **کلام فی الصلوٰۃ کے مفسد ہونے، نہ ہونے میں ائمہ کے اقوال مع دلائل:۔** اس پر اجماع ہے کہ کلام اگر عمداً ہو اور اصلاحِ صلوٰۃ کیلئے نہ ہو تو وہ مفسدِ صلوٰۃ ہے۔ پھر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک کلام خواہ عمداً ہو یا نسیاناً، جہلاً عن الحکم ہو یا خطاءً، اصلاحِ صلوٰۃ کی غرض سے ہو یا اس غرض سے نہ ہو بہر صورت مفسدِ صلوٰۃ ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کلام اگر نسیاناً ہو یا جہلاً عن الحکم ہو تو وہ مفسدِ صلوٰۃ نہیں بشرطیکہ طویل نہ ہو (نووی)، امام اوزاعی رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ کلام اگر اصلاحِ صلوٰۃ کیلئے ہو تو مفسدِ صلوٰۃ نہیں، ایک روایت کے مطابق امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک بھی یہی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کی دوسری روایت حنفیہ کے مطابق ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ سے اس باب میں چار روایتیں ہیں، تین روایات تو مذاہبِ ثلاثہ ہی کی طرح ہیں اور چوتھی روایت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ جانتے ہوئے کلام کرے کہ ابھی اسکی نماز پوری نہیں ہوئی تو ایسا کلام مفسدِ صلوٰۃ ہوگا خواہ وہ کلام امام کو اتمامِ صلوٰۃ کا حکم دینے کیلئے ہی ہو۔ البتہ اگر کوئی شخص اس یقین کے ساتھ کلام کرے کہ اس کی نماز پوری ہو چکی اور بعد میں اسے معلوم ہوا کہ ابھی نماز پوری نہیں ہوئی تھی تو ایسا کلام مفسدِ صلوٰۃ نہ ہوگا۔ بہر حال ائمہ ثلاثہ کسی نہ کسی صورت میں کلام فی الصلوٰۃ کے غیر مفسد ہونے کے قائل ہیں۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ کے مشہور واقعہ سہو فی الصلوٰۃ سے استدلال کرتے ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ یہ کہتے ہیں کہ ذوالیدین کا یہ کلام جہلاً عن الحکم تھا اور نبی کریم ﷺ کا یہ کلام نسیاناً تھا۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بات چیت اصلاحِ صلوٰۃ کیلئے تھی اور امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بات چیت یہ سمجھ کر تھی کہ نماز پوری ہو چکی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے تو یہی سمجھ کر حکم فرمایا تھا کہ چار رکعات پوری ہو چکی ہیں اور حضرت ذوالیدین بھی یہی سمجھ کر بولے تھے کہ نماز پوری ہو چکی ہے کیونکہ اس وقت یہ احتمال موجود تھا کہ نماز کی تعدادِ رکعات میں کمی ہو گئی ہے۔

حنفیہ اس واقعہ کو منسوخ قرار دیتے ہیں اور مندرجہ ذیل دلائل سے استدلال کرتے ہیں: ① آیت کریمہ **وقوموا للہ قانتین** یہاں قنوت سے مراد سکوت ہے اور بکثرت روایات اس پر دال ہیں کہ یہ آیت سکوت فی الصلوٰۃ کیلئے ہی نازل ہوئی تھی اور اس میں کوئی تفصیل نہیں ہے لہٰذا ہر قسم کلام ممنوع ہے ② حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی صحاح میں حدیث ہے کہ ہم کلام فی الصلوٰۃ کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ آیت **وقوموا للہ قانتین** نازل ہوئی تو ہم کلام فی الصلوٰۃ سے روک دیئے گئے ③ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سلام کیا کرتے تھے اور حضور ﷺ ہمارے سلام کا جواب دیتے تھے حتیٰ کہ جب ہم حبشہ سے لوٹے تو میں نے سلام کیا مگر حضور ﷺ نے جواب نہ دیا اور نماز سے فارغ ہو کر ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے بعد جو احکامات نازل کئے ہیں ان میں سکوت فی الصلوٰۃ کا حکم بھی ہے۔

حنفیہ کے مخالف دلائل کا جواب: ① ان نصوص و روایات کے ذریعہ واقعۂ ذوالیدین منسوخ ہے ② اس میں متعدد طرح سے اضطراب ہے: پہلا اضطراب: ظہر، عصر و عشاء کی مختلف نمازوں کا ذکر ہے۔ دوسرا اضطراب: آپ ﷺ نے کتنی رکعت پر سلام پھیرا؟ دو اور تین مختلف رکعت کا ذکر ہے۔ تیسرا اضطراب: آپ ﷺ سلام کے بعد کہاں تک تشریف لے کر گئے تھے؟ بعض روایات میں خشبہ معروفہ اور بعض روایات میں حجرہ کے اندر داخل ہونے کا ذکر ہے۔ چوتھا اضطراب: آپ ﷺ نے نماز پوری کرنے کے بعد سجدۂ سہو کیا یا نہیں؟ دونوں طرح مروی ہے۔ اتنے اضطرابات کی وجہ سے بعض محدثین نے اس واقعہ کو ان واقعات میں شمار کیا ہے جن میں تطبیق ممکن نہیں ہے۔ بہر حال ان اضطراباتِ شدیدہ کی موجودگی میں ذوالیدین کے واقعہ میں اتنی قوت باقی نہیں رہ

جاتی کہ اس کو قوموا للہ قنتین اور ممانعت کلام فی الصلوٰۃ کی صحیح وصریح احادیث کے مقابلہ میں پیش کیا جاسکے۔

پھر یہ امر بھی قابلِ توجہ ہے کہ اس حدیث کے تمام اجزاء پر کسی کا بھی عمل نہیں، خاص طور سے امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک اس سے کسی صورت ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ان کے نزدیک بھی کلام فی الصلوٰۃ اس صورت میں غیر مفسد ہے جبکہ نسیاناً جہلاً ہوا اور اس واقعہ میں آنحضرت ﷺ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پھر خاص طور پر ذوالیدینؓ کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انہوں نے نسیاناً گفتگو کی تھی۔

اسکے علاوہ اس واقعہ میں آنحضرت ﷺ کا خشبہ معروضہ تک تشریف لے جانا بلکہ حجرہ میں داخل ہوجانا اور وہاں سے واپس آنا یہاں تک کہ بعض جلد باز لوگوں کا مسجد سے باہر نکل جانا ثابت ہے۔ جس میں انحراف عن القبلہ اور عملِ کثیر کا تحقق لازمی ہے اور عمل کثیر شافعیہ کے نزدیک بھی قولِ مختار کے مطابق مفسدِ صلوٰۃ ہے۔ بہر حال جب اس واقعہ کے یہ اجزاء متروک العمل ہوسکتے ہیں تو صرف کلام ہی کیوں مامور بہ ہو؟

خلاصہ یہ ہے کہ ذوالیدین کا واقعہ ایک واقعۂ جزئیہ ہے جس میں نسخ کا قوی احتمال موجود ہے۔ نیز اس میں اضطراب وتعارض بھی بکثرت ہے اور اسکے متعدد اجزاء پر عمل اجماعی طور سے متروک ہے، ایسی حالت میں اس واقعہ کو کسی مستقل فقہی مسئلہ کی بنیاد نہیں بنایا جاسکتا۔ چنانچہ حنفیہ نے اس مسئلہ میں بھی اس واقعہ جزئیہ کے بجائے آیتِ قرآنی اور ان احادیث پر عمل کیا ہے جو قولی ہیں اور قواعد کلیہ بیان کررہی ہیں۔ (درسِ ترمذی ۲:۱۵۰)

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۳ھ

**الشق الاوّل** ......**وَ اَمَّا مَا ذُكِرَ عَنْهُ فِیْ صَلَاةِ الْعَصْرِ فَلَمْ يَخْتَلِفْ عَنْهُ اَنَّهٗ صَلَّاهَا فِیْ اَوَّلِ يَوْمٍ فِی الْوَقْتِ الَّذِیْ ذَكَرْنَاهُ عَنْهُ فَثَبَتَ اَنَّ ذٰلِكَ هُوَ اَوَّلُ وَقْتِهَا وَ ذُكِرَ عَنْهُ اَنَّهٗ صَلَّاهَا فِی الْيَوْمِ الثَّانِیْ حِيْنَ صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْئٍ مِثْلَيْهِ ثُمَّ قَالَ: اَلْوَقْتُ فِيْمَا بَيْنَ هٰذَيْنِ ، فَاحْتُمِلَ اَنْ يَّكُوْنَ ذٰلِكَ هُوَ آخِرُ وَقْتِهَا الَّذِیْ اِذَا خَرَجَ فَاتَتْ وَ احْتُمِلَ اَنْ يَّكُوْنَ هُوَ الْوَقْتُ الَّذِیْ لَا يَنْبَغِیْ اَنْ يُّؤَخَّرَ الصَّلَاةُ حَتّٰی يَخْرُجَ وَ اَنَّ مَنْ صَلَّاهَا بَعْدَهٗ وَاِنْ كَانَ قَدْ صَلَّاهَا فِیْ وَقْتِهَا مُفَرِّطٌ۔**

عبارت پر اعراب لگائیں۔ عصر کے ابتدائی وانتہائی وقت کے متعلق فقہاء کے اقوال تحریر کریں۔ عصر کا وقت مستحب کیا ہے؟ ائمہ کے مذاہب ودلائل تفصیل سے لکھئے۔ امام طحاوی کے نزدیک احناف کی وجوہِ ترجیح ذکر کریں۔ امام طحاوی نے ''الوقت ما بین ھٰذین الوقتین'' کے متعلق جو دو احتمال بیان کئے ہیں ان کی وضاحت کریں۔ (باب مواقیت الصلاۃ)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں پانچ امور مطلوب ہیں: ① حدیث پر اعراب ② عصر کے ابتدائی وانتہائی وقت میں فقہاء کے مذاہب ③ عصر کے مستحب وقت میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل ④ امام طحاوی کے نزدیک احناف کی وجوہِ ترجیح ⑤ **الوقت ما بین ھٰذین الوقتین** کے متعلق امام طحاوی کے دو احتمال کی وضاحت۔

**جواب** ......① حدیث پر اعراب:۔ **کما مرّ فی السوال آنفا۔**

② عصر کے ابتدائی وانتہائی وقت میں فقہاء کے مذاہب:۔ جو اختلاف ظہر کے آخری وقت میں ہے وہی اختلاف عصر کی ابتداء میں ہے: چنانچہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، صاحبینؒ اور جمہورؒ کا مسلک یہ ہے کہ جب سایہ اصلی کے علاوہ ہر چیز کا سایہ اس کی ایک مثل ہوجائے تو ظہر کا وقت ختم ہوجاتا ہے اور عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے جبکہ امام ابوحنیفہؒ کی اس مسئلہ میں کئی روایتیں ہیں۔ پہلی روایت یہ ہے کہ ظہر کا وقت مثلین تک ہے جب سایہ دو مثل ہوجائے تو ظہر کا وقت ختم ہوجاتا ہے اور عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے امام صاحبؒ کا مشہور قول یہی ہے۔ دوسری روایت امام صاحبؒ کی جمہور کے مطابق یعنی مثل اول پر ظہر کا وقت ختم ہوجاتا ہے اور عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔ تیسری روایت امام صاحبؒ کی یہ ہے کہ مثل اول پر ظہر کا وقت ختم ہوجاتا ہے البتہ عصر کا وقت مثلین کے بعد شروع ہوگا مثلین کے درمیان وقت مہمل ہے، یہ نہ ظہر کا وقت ہے اور نہ عصر کا۔

عصر کے انتہائی وقت کے بارے میں جمہور کا مذہب یہ ہے کہ عصر کا وقت غروب آفتاب سے ختم ہوتا ہے جبکہ بعض کے نزدیک عصر کا وقت مثلین تک رہتا ہے اور بعض کے نزدیک اصفرارِ شمس تک رہتا ہے۔

③ عصر کے مستحب وقت میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل:۔ امام شافعیؒ کے نزدیک عصر کی نماز میں تعجیل افضل ہے، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا مسلک بھی یہی ہے جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے ہاں تغیرِ شمس سے پہلے پہلے تاخیرِ عصر افضل ہے۔

تاخیر عصر کے استحباب پر حنفیہؒ کی دلیل حضرت ام سلمہ ﷞ کی روایت ہے جو کہ ترمذی میں مذکور ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ عصر میں تاخیر کیا کرتے تھے۔ دوسری دلیل حضرت رافع بن خدیج ﷜ کی روایت ہے کہ جس سے تاخیر کا استحباب معلوم ہوتا ہے **ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یامر بتاخیر صلوٰۃ العصر۔**

تیسری دلیل حضرت عبداللہ بن مسعود ﷜ کا اثر ہے کہ وہ نمازِ عصر کو تاخیر کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔

ائمہ ثلاثہؒ کی دلیل حدیث عائشہ ﷞ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ عصر کی نماز جب پڑھتے تھے تو اس وقت سورج کی دھوپ آپ کے صحن میں ہوتی تھی اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جبکہ عصر کو جلدی پڑھا جائے۔

دوسری دلیل اسی مضمون کی حدیث حضرت انس ﷜ سے مروی ہے کہ سورج کے بلند اور روشن ہونے کی حالت میں عصر کی نماز پڑھتے تھے جبکہ عصر پڑھ کر لوگ عوالیٔ مدینہ میں چلے جاتے تھے اس وقت بھی سورج روشن اور بلند ہوتا تھا۔ اسی مضمون کی روایت حضرت رافع بن خدیج ﷜ سے مروی ہے کہ عصر کی نماز پڑھنے کے بعد اونٹ ذبح کرنا گوشت بنانا، پکانا اور کھانا مغرب سے پہلے ہوتا تھا یہ بھی تعجیلِ عصر پر دال ہے۔ اس حدیث کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہ بیانِ جواز پر محمول ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ماہر طباخ مختصر وقت میں یہ سارے کام کرسکتا ہے۔

دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ گرمی کے زمانہ پر محمول ہے اور تیز رفتار آدمی اتنی مسافت اتنی دیر میں طے کرسکتا ہے۔

نیز اس حدیث میں اس بات کی تصریح نہیں ہے کہ وہ پیدل ہی جاتے تھے ممکن ہے کہ وہ سواری پر جاتے ہوں۔

پہلی حدیث کا جواب یہ ہے کہ دیواروں کے چھوٹا ہونے کی وجہ سے دیر تک دھوپ باقی رہتی تھی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ دروازہ مغرب کی طرف تھا غروب تک دھوپ کا رہنا تعجیلِ عصر پر دلالت نہیں کرتا۔

**④ امام طحاوی کے نزدیک احناف کی وجوہِ ترجیح:۔** ① نمازِ عصر کا نام ہی اسکی تاخیر کی دلیل ہے، حضرت ابوقلابہؒ اسکی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہیں کہ تعصّر بمعنی تأخّر ہے تو عصر کی نماز کو عصر سے موسوم کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس میں تاخیر کی جائے۔ ② بدائع الصنائع میں تاخیرِ عصر کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس سے پہلے نوافل جائز ہیں اور اس کے بعد جائز نہیں ہیں، پس اگر عصر کو اس کے اول وقت میں پڑھا جائے تو نفل پڑھنے کا موقع نہیں ملتا جسکی فضیلت آئی ہے اور اگر عصر کو مؤخر کیا جائے تو نوافل کا زیادہ موقع ملتا ہے، لہٰذا عصر میں تاخیر افضل ہے۔ (ایضاح الطحاوی ۱:۵۳۳)

**⑤ الوقت ما بین ھٰذین الوقتین کے متعلق امام طحاوی کے دو احتمال کی وضاحت:۔** آپ ﷺ کے اس ارشاد کے مفہوم کے متعلق امام طحاوی نے دو احتمال ذکر کئے ہیں: ① یہ نماز کا بالکل اخیر وقت ہے، اسکے خارج ہوتے ہی نماز کا وقتِ جواز بھی بالکل ختم ہوجائے گا اور نماز قضاء ہوجائے گی، جیسا کہ بعض حضرات کا مذہب ہے۔ ② یہ وقتِ مستحب و وقتِ فضیلت کی انتہاء ہے، اسکے بعد بھی نماز تو ادا ہی ہوتی ہے، بالکل فوت نہیں ہوتی، مگر اتنی تاخیر مناسب نہیں ہے، کیونکہ فضیلت و ثواب والا وقت ختم ہوگیا ہے۔

**الشق الثانی** ...... **عَنْ عَلْقَمَةَ وَالْاَسْوَدِ اَنَّهُمَا دَخَلَا عَلٰى عَبْدِاللّٰهِ فَقَالَ اَصَلّٰى هٰؤُلَاءِ خَلْفَكُمْ؟ فَقَالَا نَعَمْ فَقَامَ بَيْنَهُمَا وَجَعَلَ اَحَدَهُمَا عَنْ يَمِيْنِهٖ وَالْاٰخَرَعَنْ شِمَالِهٖ ثُمَّ رَكَعْنَا فَوَضَعْنَا اَيْدِيَنَا عَلٰى رُكَبِنَا فَضَرَبَ اَيْدِيَنَا فَطَبَّقَ ثُمَّ طَبَّقَ بِيَدَيْهِ فَجَعَلَهُمَا بَيْنَ فَخِذَيْهِ فَلَمَّا صَلّٰى قَالَ هٰكَذَا فَعَلَ النَّبِیُّ ﷺ۔** (باب التطبیق فی الرکوع)

عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔ تطبیق، وضع، تفرج کا مطلب لکھیں۔ رکوع کا وظیفہ تطبیق ہے یا گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا ہے؟ امام طحاویؒ نے کسے منسوخ قرار دیا ہے؟ نسخ کی کیا دلیل بیان کی ہے؟ نظرِ طحاوی کی وضاحت کریں۔ نیز اگر تطبیق منسوخ ہے تو پھر حضرت ابنِ مسعود ﷜ پر تطبیق کے مخفی رہنے کی وجہ تحریر کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل چھ امور ہیں ① عبارت پر اعراب ② عبارت کا ترجمہ ③ تطبیق، وضع و تفرج کا مطلب ④ رکوع کا وظیفہ مع الاختلاف والدلائل ⑤ نظرِ طحاوی کی وضاحت ⑥ حضرت ابنِ مسعود ﷜ پر نسخِ تطبیق کے مخفی رہنے کی وجہ۔

**جواب** ...... **① عبارت پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔**

② **عبارت کا ترجمہ:۔** حضرت علقمہ واسود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ دونوں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: کیا ان لوگوں نے تمہارے پیچھے نماز پڑھ لی ہے؟ دونوں نے کہا: جی ہاں، تو آپ ان دونوں کے درمیان کھڑے ہوئے اور ان دونوں میں سے ایک کو اپنی دائیں جانب اور دوسرے کو اپنی بائیں جانب کھڑا کیا، پھر ہم نے رکوع کیا اور اپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھا تو انہوں نے ہمارے ہاتھوں پر ضرب لگائی اور ان کو اکٹھا کر دیا پھر انہوں نے اپنے ہاتھوں کو اکٹھا کیا اور ان کو اپنی رانوں کے درمیان رکھ لیا، پھر جب نماز پڑھ چکے تو فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح کیا۔

③ **تطبیق، وضع و تفرج کا مطلب:۔** تطبیق: رکوع و تشہد میں دونوں ہاتھوں کو ملا کر دونوں رانوں کے درمیان کمان کی طرح رکھنا۔
وضع: دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر الگ الگ رکھنا۔ تفرج: دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو قدرے کھولنا۔

④ **رکوع کا وظیفہ مع الاختلاف والدلائل:۔** حضرت عبد اللہ بن مسعود، اسود بن یزید رضی اللہ عنہما، علقمہ اور ابراہیم نخعیؒ وغیرہ کے نزدیک رکوع میں تطبیق مسنون ہے، یہی لوگ کتاب میں **فذھب قوم** کا مصداق ہیں۔ ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء اور محدثینؒ کے نزدیک تطبیق مسنون نہیں بلکہ مسنون یہی ہے کہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو قدرے کشادہ کر کے گھٹنوں پر رکھ دیا جائے اور ایسا معلوم ہو کہ جیسے گھٹنوں کو پکڑ رکھا ہے، یہی لوگ کتاب میں **وخالفھم فی ذٰلک اٰخرون** کا مصداق ہیں۔

فریقِ اوّل کی دلیل حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے تین سندوں کیساتھ مروی وہ روایات ہیں جن سے تطبیق کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔

فریقِ ثانی کی پہلی دلیل: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت نے حضورا کرم ﷺ کا عمل نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ رکوع میں تطبیق نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر رکھتے تھے اور ایسے معلوم ہوتا تھا کہ گھٹنوں کو پکڑ رکھا ہے اور اس مضمون کی حدیث امام طحاویؒ نے پانچ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے چھ اسناد سے نقل کی ہے اور یہ روایات تواترِ سند کے ساتھ ثابت ہیں۔

دوسری دلیل: جب روایات میں تعارض ہے یعنی بعض سے تطبیق کا جواز اور بعض سے عدم جواز معلوم ہوتا ہے تو ہم نے نسخ کو جاننے کیلئے جستجو کی تو ہمیں حضرت سعد بن ابی وقاص کی روایت مل گئی وہ فرماتے ہیں کہ شروع اسلام میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رکوع میں تطبیق کیا کرتے تھے بعد میں حضور ﷺ نے اس سے ممانعت فرمائی اس روایت سے معلوم ہوا کہ تطبیق والی روایات منسوخ ہیں۔

تیسری دلیل: آپ ﷺ سجدے کی حالت میں اپنے ہاتھوں کو پہلوؤں سے اس طرح دور رکھتے تھے کہ آپ ﷺ کی بغل کی سفیدی نظر آجاتی تھی تو جس طرح سجدے کی حالت میں مبالغہ کے ساتھ اعضاء کو دور دور رکھنا ثابت ہے اسی طرح رکوع میں بھی اپنے اعضاء کو دور دور رکھنا فعلِ رسول ﷺ کے تقاضہ اور دلالت سے ثابت ہے۔ لہٰذا تطبیق درست نہ ہوگی بلکہ دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنا لازم و ثابت ہوگا۔

⑤ **نظرِ طحاوی کی وضاحت:۔** نظرِ طحاوی کا ماحصل یہ ہے کہ تطبیق کے میں دونوں ہاتھوں کو ملا کر رکھنا پایا جاتا ہے اور گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کی صورت میں دونوں ہاتھوں کو دور دور رکھنا پایا جاتا ہے اور ہم نے نماز کے اندر ارکانِ صلوٰۃ کی ہیئت کے سلسلہ میں غور کر کے دیکھا کہ حضور ﷺ ارکانِ صلوٰۃ میں اپنے اعضاء کو کس ہیئت پر رکھا کرتے تھے تو ہم نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ رکوع و سجود کے اندر اعضاء کے درمیان تجافی اور تفریق اختیار کرتے تھے اور تمام علماء کا اس طرح اعضاء کا کشادہ اور دور دور رکھنے پر اجماع ہے۔

نیز حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جو ثبوتِ تطبیق کے راوی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ نمازی کو حکم دیا گیا کہ اپنے دونوں قدموں کو قدرے فاصلہ پر رکھ کر تھوڑی تھوڑی دیر ایک ایک قدم پر ٹیک لگا کر آرام کیا جائے اور دونوں قدموں کو دور دور رکھنے کی صورت میں تطبیق ممکن نہیں بلکہ تفریق لازم آتی ہے اور اس طرح بعض اعضاء کو بعض سے تجافی اور دور دور رکھنا بالاتفاق جائز اور اولیٰ ہے اور رکوع کے بارے میں الصاق اور تفریق کے سلسلہ میں اختلاف واقع ہوا ہے لہٰذا مسئلہ اختلافی کو مسئلہ اجماعی پر قیاس کرنا لازم ہوگا کہ جس طرح دیگر ارکان میں تطبیق درست نہیں بلکہ تجافی اور تفریق لازم ہے اسی طرح رکوع میں بھی تفریق یعنی دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنا مطلوب و مسنون ہوگا۔ (ایضاح الطحاوی)

⑥ **حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ پر نسخِ تطبیق کے مخفی رہنے کی وجہ:۔** شاید حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تطبیق کو عزیمت سمجھتے ہوں۔ کیونکہ تطبیق میں عاجزی اور ذلّت کا اظہار ہوتا ہے اور ہتھیلیوں کو گھٹنوں پر رکھنے کا جو طریقہ آپ ﷺ سے ثابت ہے اس کو شاید ابن مسعود رضی اللہ عنہ اباحت اور جواز پر محمول کرتے ہونگے اور انکو تطبیق کے نسخ کی قولی روایت نہ پہنچی ہوگی۔ (بذل المجہود بحوالہ اکمال)

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۳ھ

**الشق الاوّل** ......عَنْ وَابِصَةَ اَنَّ رسولَ اللّٰہِ ﷺ راٰی رجلًا یصلّی فِی خلفِ الصفِّ وحدَہٗ فامرہ رسولُ اللّٰہِ ﷺ ان یُعِیدَ الصلاۃَ ۔ عن ابی بَکرَۃَ قال: جِئتُ و رسولُ اللّٰہِ ﷺ راکعٌ و قد حَفَزَنِیَ النَّفَسُ فرکعتُ دونَ الصفِّ ثم مَشِیْتُ اِلَی الصَّفِّ فلمّا قَضٰی رسولُ اللّٰہِ ﷺ الصلاۃَ قال: اَیُّکُمُ الذی رَکَعَ دُوْنَ الصَّفِّ؟ قال اَبُوْبَکْرَۃَ: انا، قال: زادك اللّٰہ حِرْصًا و لا تَعُدْ ۔ (باب من صلّی خلف الصف وحدہ)

اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔ صلاۃ خلف الصّف وحدہ میں ائمہ کے مذاہب مع دلائل بیان کریں۔ فریقِ مخالف کے دلائل کے جوابات لکھیں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① احادیث پر اعراب ② احادیث کا ترجمہ ③ صلاۃ خلف الصّف وحدہ میں ائمہ کے مذاہب مع دلائل ④ فریقِ مخالف کے دلائل کے جوابات۔

**جواب** ...... ① احادیث پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

② احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت وابصہؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھ رہا تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے اسے دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیا۔

حضرت ابوبکرہؓ سے مروی ہے، وہ نقل کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس اس وقت آیا کہ آپ ﷺ رکوع میں تھے، مجھے میرے نفس نے اُبھارا اور میں نے صف میں پہنچنے سے پہلے ہی رکوع کر لیا، پھر میں آہستہ آہستہ چل کر صف میں شامل ہو گیا، پس جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کس نے صف میں پہنچنے سے پہلے ہی رکوع کیا؟ ابوبکرہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: میں نے، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہاری حرص اور زیادہ کرے۔ لیکن آئندہ ایسا نہ کرنا۔

③ صلاۃ خلف الصّف وحدہ میں ائمہ کے مذاہب مع دلائل:۔ امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، ابراہیم نخعی، حسن بن صالح، وکیع بن جراح، ابن ابی لیلی، حماد بن ابی سلیمان، ابن حزم ظاہری، اہلِ ظواہر کے نزدیک جماعت کی حالت میں صف کے پیچھے تنہا کھڑا ہو کر نماز پڑھے یعنی پچھلی صف میں اسکے علاوہ کوئی دوسرا نمازی نہ ہو تو اس کی نماز فاسد و باطل ہو گی۔ حضرات حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، ابن مبارک، سفیان ثوری وغیرہ کے نزدیک صف کے پیچھے تنہا پڑھنے والے کی نماز جائز و صحیح ہے، واجب الاعادہ نہیں ہے۔ تاہم یہ شخص گنہگار ہے اور یہ نماز مکروہ ہے۔ فریقِ اول کی دلیل وہ روایات ہیں جن میں صف سے پیچھے تنہا نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے اور آپ ﷺ نے نماز لوٹانے کا حکم دیا۔ اگر نماز صحیح ہوتی تو نماز لوٹانے کا حکم نہ ہوتا۔

جمہور کی پہلی دلیل: ابوبکرہؓ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہاری حرص اور زیادہ کرے، لیکن آئندہ ایسا نہ کرنا۔ اس میں آپ ﷺ نے ان کی پچھلی صف کی نماز کو تسلیم کیا اور آئندہ اعادہ نہ کرنے کا حکم دیا۔ معلوم ہوا کہ یہ عمل مفسدِ صلوٰۃ نہیں ہے۔

دوسری دلیل: کوئی شخص امام کے پیچھے کسی صف میں تنہا نماز شروع کر دے اور اسکی سامنے والی صف میں اسکے محاذ میں ایک آدمی کی جگہ خالی ہے تو سب کے نزدیک یہ شخص اسی حالت میں خالی جگہ پہنچ سکتا ہے اور اسکی نماز بدستور صحیح رہے گی، فاسد نہ ہو گی۔ پس اگر پچھلی صف میں تنہا نماز پڑھنا مفسد ہوتا تو پھر اس شخص کی نماز بھی صحیح نہ ہوتی، فاسد ہوتی، کیونکہ جب کسی جگہ نماز صحیح نہیں ہوتی وہاں نماز شروع کرنا بھی صحیح نہیں ہوتا۔ مثلاً ناپاک جگہ پر نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے تو وہاں نماز شروع کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔ الغرض اگر پچھلی صف میں تنہا نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے تو پچھلی صف میں شروع کر کے اگلی صف میں نماز مکمل کرنا بھی صحیح نہیں ہونا چاہئے، حالانکہ یہ سب کے نزدیک صحیح ہے۔ پس ثابت ہوا کہ پچھلی صف میں تنہا نماز پڑھنا بھی درست ہے۔ زیادہ سے زیادہ خلافِ سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ ہو سکتی ہے۔ (ایضاح الطحاوی ۲:۴۶۱)

④ فریقِ مخالف کے دلائل کے جوابات:۔ آپ ﷺ نے جہاں پر نماز لوٹانے کا حکم دیا ہے اس میں دو احتمال ہیں: ① صف سے پیچھے تنہا نماز ہی نہیں ہوتی، اسلئے اعادہ کا حکم دیا ② نماز کی صفات و شرائط کا لحاظ نہیں کیا، اسلئے اعادہ کا حکم دیا۔ اب ہم کہتے ہیں کہ اعادہ کا حکم اسلئے نہیں دیا کہ تنہا صف میں نماز کیوں پڑھی؟ بلکہ اس شخص نے نماز کی صفات و شرائط کا لحاظ نہیں کیا، اسلئے اعادہ کا حکم دیا اور اس قسم کی متعدد روایات منقول ہیں جن میں شرائطِ نماز پوری نہ کرنے کی وجہ سے نماز لوٹانے کا حکم دیا گیا ہے۔

باقی جن روایات میں لاصلوٰۃ لفرد خلف الصّف وغیرہ الفاظ آئے ہیں ان میں نفیِ جواز ونفیِ صحت مراد نہیں ہے بلکہ نفیِ کمال مراد ہے، جیسا کہ **لا صلوٰۃ لجا ر المسجد الّا فی المسجد** میں نفیِ جواز ونفیِ صحت مراد نہیں بلکہ نفیِ کمال مراد ہے۔(ایضا)

نیز اعادۂ صلوۃ والی روایات میں اعادہ کا حکم استحبابی ہے وجوبی نہیں ہے۔(درس ترمذی)

نیز آپ ﷺ نے اعادہ کا حکم مصلحتاً دیا، وہ مصلحت آسانی کے طالب کو تنبیہ کرنا ہے کہ اس نے صف تک پہنچنے میں سستی کی ہے اور اس کو ہلکا و معمولی سمجھ کر پیچھے ہی تنہا نماز پڑھ لی ہے، اسلئے حکمت کا تقاضا ہوا کہ اعادہ کا حکم دے کر اس کے سہولت پسند نفس پر چوٹ ماری جائے تاکہ آئندہ وہ ایسی حرکت نہ کرے۔ گویا یہ اعادۂ نماز کا حکم زجر و توبیخ پر مشتمل ہے۔(تحفۃ الالمعی)

**الشق الثانی**......**فان قال قائل:قد قال: تحریمها التکبیر فکان هو الذی لا یدخل فیها الّا به، فکذٰلك لمّا قال: تحلیلها التسلیم کان کهو ایضا لایخرج منها الّا به؟ قیل له انّه لایجوز الدخول فی الاشیاء الّا من حیث امر به من الدخول فیها و قد یخرج من الاشیاء من حیث امر ان یخرج به منها و من غیر ذٰلك.**

عبارت کا ایسا تشریحی ترجمہ کیجئے کہ سوال و جواب واضح ہوجائے۔(باب السلام فی الصلوٰۃ ہل من فروضها او من سننها)

**جواب**...... ① عبارت کا تشریحی ترجمہ مع سوال و جواب:۔(سوال) پس اگر کوئی یہ سوال یا اعتراض کرے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تحریمها التکبیر (نماز میں حلال امور کو حرام کرنے والی چیز تکبیر ہے) تو تکبیر ہی ایسی چیز ہے جس کے بغیر نماز میں داخل ہونا صحیح ہے، پس اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا: تحلیلها التسلیم (نماز کی وجہ سے حرام کردہ امور کو دوبارہ حلال کرنے والی چیز سلام ہے) تو ثابت ہوا کہ تکبیر تحریمہ کی طرح سلام بھی لازم ہے، اسکے بغیر نماز سے خارج ہونا صحیح نہیں ہوسکتا۔ گویا تکبیرِ تحریمہ کی طرح سلام کو بھی لازم ہونا چاہئے، مگر تم صرف تکبیرِ تحریمہ کو لازم مانتے ہو، سلام کو لازم نہیں مانتے۔

جواب یہ دیا جائے گا کہ بہت سی اشیاء ایسی ہیں کہ ان میں داخل ہونے کیلئے مخصوص شرائط و طریقے ہیں، ان کے بغیر ان اشیاء میں دخول صحیح نہیں ہوتا، جبکہ انہی اشیاء سے خارج ہونے کیلئے جو شرائط و اسباب متعین ہیں ان کی رعایت کر کے بھی ان اشیاء سے خارج ہوسکتے ہیں اور ان شرائط کی رعایت کے بغیر بھی ان اشیاء سے خارج ہونا صحیح ہوتا ہے۔ مثلاً کسی عورت کے ساتھ نکاح کیلئے شرط ہے کہ وہ کسی کی منکوحہ نہ ہو، اگر مطلقہ ہے تو عدت میں نہ ہو، لہٰذا عدت سے فراغت کے بعد اس سے نکاح کرنا صحیح ہے، وگرنہ نکاح باطل ہوگا۔

نکاح سے خارج کرنے کیلئے یعنی طلاق دے کر عورت کو الگ کرنے کیلئے شرط یہ ہے کہ بیوی حالتِ حیض میں نہ ہو، نیز ایسے طہر میں طلاق ہو جس میں مباشرت نہ کی ہو، نیز ایک ہی جملہ یا ایک ہی مجلس یا ایک ہی طہر میں تین طلاق نہ ہوں۔ ان شرائط کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کسی مرد نے حالتِ حیض میں طلاق دیدی، یا ایسے طہر میں طلاق دیدی جس میں مباشرت کی ہوئی تھی، یا ایک ہی جملہ، مجلس یا طہر میں تین طلاقیں دیدی تو یہ مرد گنہگار ضرور ہوگا مگر طلاق بہر صورت واقع ہوجائے گی۔ اسی طرح زیرِ بحث مسئلہ میں بھی کوئی سلام کے بغیر نماز سے خارج ہوا تو وہ گنہگار ضرور ہوگا، مگر اس کا نماز سے خارج ہونا صحیح ہوگا۔(ایضاح الطحاوی)

## الورقة الرابعة: طحاوی شریف

## السوال الاوّل ۱۴۴۴ھ

**الشق الاوّل**......**عن انس بن مالك قال اُمر بلالٌ ان یشفعَ الاذانَ ویوترَ الاقامةَ۔**

**واحتجوا فی ذٰلك من النظر ایضا فقالوا: قد رأینا الاذانَ ماکان منه مکررا لم یثنّ فی المرة الثانیة وجعل علی النصف مما هو علیه فی الابتداء وکانت الاقامة لا یبتدأ بها انّما یکون بعد الاذان فکان النظر علی ذٰلك ان یکون ما فیها مما هو فی الاذان غیر مثنی وما فیها مما لیس فی الاذان مثنی فکل الاقامة فی الاذان غیر "قد قامت الصلاة" فیفرد الاقامة کلها ولا یثنی غیر قد قامت الصلاة فانّها تکرر لِاَنّها لیست فی الاذان.**

اقامت کے کلمات میں ائمہ کرام کی آراء ذکر فرمائیں۔ اس روایت سے کس کا استدلال ہے؟ اگر یہ احناف کے موقف کے خلاف ہو تو اس کا جواب تحریر کیجیے۔ امام طحاوی کی بیان کردہ نظر کی تشریح کیجیے۔

**جواب**......کما مرّ فی الشق الاول من السوال الاول ۱۴۳۷ھ۔

**الشق الثانی**......**عن ابی ذرٍ قال کُنّا مع رسول اللّٰہِ ﷺ فی منزلٍ فَاَذَّنَ بلالٌ فقال رسولُ اللّٰہِ:مه یا بلال ثم اراد ان یؤذِّنَ فقال:مه یا بلال ثم اراد ان یؤذنَ فقال مه یا بلال حتّی رأینا فیئ التلول ثم قال رسولِ اللّٰہ ﷺ اِنّ شدّۃَ الحرِّ من فیحِ جھنمَ فَاَبْرِدُوْا بالصلاۃ اذا اِشْتَدَّ الحَرُّ۔**

تعجیل ظہر وتاخیر ظہر میں ائمہ کرام کا اختلاف لکھئے۔ یہ روایت کس کا مستدل ہے؟ امام طحاوی نے تعجیل ظہر والی روایات کو منسوخ قرار دیا ہے، آپ دلیلِ نسخ تحریر کیجیے۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① تعجیل ظہر وتاخیر ظہر میں ائمہ کرام کا اختلاف ② روایت کے مستدلین کی تعیین ③ تعجیلِ ظہر والی روایات کے نسخ کی دلیل۔

**جواب**...... ① تعجیل ظہر وتاخیر ظہر میں ائمہ کرام کا اختلاف: ظہر کے وقت کی انتہاء وعصر کے وقت کی ابتداء جمہور کے نزدیک مثلِ اوّل مکمل ہونے پر ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مشہور قول کے مطابق مثلین مکمل ہونے پر ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے **صلّی بنا رسول اللہ اذا کان ظلك مثلك والعصر اذاکان ظلك مثلیك**۔ اسی طرح یہ حدیث السوال بھی امام صاحب کی دلیل ہے۔

جمہور کی دلیل: حدیثِ امامت جرائیل علیہ السلام ہے **ثم صلّی العصر حین کان ظل کل شیئ مثله**۔

حدیث امامتِ جبریل کا پہلا جواب یہ ہے کہ اوقاتِ نماز کے حوالے سے یہ حدیث سب سے مقدم ہے اور دیگر تاخیر ظہر والی احادیث مؤخر ہیں اور مؤخر حدیث مقدم کے لیے ناسخ ہوتی ہے۔ دوسرا جواب صاحب ہدایہ نے یہ دیا کہ حدیث امامت جبریل و دیگر احادیثِ تاخیر میں تعارض ہوگیا، حدیث جبریل دلالت کرتی ہے کہ ایک مثل پر ظہر کا وقت ختم ہوگیا اور دیگر احادیث تاخیر پر دلالت کرتی ہیں کہ مثل اول پر ظہر کا وقت ختم نہیں ہوا بلکہ باقی ہے، گویا ایک مثل پر ظہر کا وقت نکلنا مشکوک ہوگیا حالانکہ ایک مثل سے پہلے بالیقین ظہر کا وقت تھا اور قاعدہ ہے کہ جو چیز بالیقین ثابت ہو وہ شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوتی، لہٰذا شک کی وجہ سے مثل اول کے بعد ظہر کا وقت ختم نہ ہوگا۔ (اشرف الہدایہ) احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ عصر کی نماز مثلین کے بعد پڑھی جائے کیوں کہ اگر واقعتاً عصر کا وقت مثلین کے بعد ہوا اور ہم مثل ثانی میں عصر پڑھ لیں تو امکانی درجہ میں عصر وقت سے پہلے پڑھنے کی وجہ سے صحیح ہی نہ ہوگی لیکن اگر ظہر مثل ثانی میں پڑھی اور اس کا وقت مثل اول پر ختم ہوگیا ہے تو وہ نماز قضاء پڑھی گئی ہے مگر ذمہ سے ادا ہوگئی ہے۔ متعدد ائمہ احناف نے یہی مذہب اختیار کیا ہے کہ ظہر مثل اول میں پڑھی جائے اور عصر مثلین کے بعد پڑھی جائے تاکہ شک و شبہ ہی باقی نہ رہے اور دونوں نمازیں اپنے اپنے یقینی وقت میں ادا ہوں۔

② روایت کے مستدلین کی تعیین: یہ روایت امام صاحبؒ کی دلیل ہے۔ اس میں واضح طور پر تاخیر ظہر کا حکم دیا گیا ہے۔

③ تعجیلِ ظہر والی روایات کے نسخ کی دلیل: امام طحاویؒ کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں ظہر میں سنت یہی ہے کہ گرمی میں اس کو مؤخر کر کے پڑھا جائے جیسا کہ ابو مسعود اور انسؓ نے رسول اللہ ﷺ کی نماز کا تذکرہ کیا ہے۔ رہی فصل اول کی روایات تو وہ اس کے مخالف نہیں کیونکہ حدیث اسامہ، عائشہ، خباب، ابی برزہ رضی اللہ عنہم کی تمام روایات روایتِ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے منسوخ ہیں۔

مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ ہمیں جناب رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز دوپہر کی گرمی میں پڑھائی پھر فرمایا بے شک گرمی کی شدت یہ جہنم کے ابال سے ہے پس تم نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھا کرو۔ حضرت مغیرہؓ نے اپنے اثر میں بتلایا کہ آپ ﷺ ظہر کی نماز پہلے سخت گرمی میں پڑھتے تھے پھر آپ نے ٹھنڈا کر کے پڑھنے کا حکم فرمایا۔ اس سے ثابت ہوا کہ ظہر میں جلدی کرنے والا عمل منسوخ ہو چکا اور شدید گرمی کے وقت میں اسے ٹھنڈا کر کے پڑھنا لازم ہوگیا۔ نیز حضرت انس اور ابن مسعود و ابو مسعودؓ سے روایات وارد ہیں کہ آپ ﷺ ظہر کی نماز کو سردیوں میں جلدی ادا فرمالیتے اور گرمیوں میں اس میں تاخیر فرماتے۔

البتہ ایک سوال ضرور باقی رہ جاتا ہے کہ روایتِ ابن مسعود میں صلاۃِ ظہر کا تذکرہ زوال کے جلدی بعد کا ہے۔ اور پھر انہوں

نے حلف اٹھا کر یہ بات کہی کہ یہی اس نماز کا وقت ہے اور پھر اس روایت میں گرمی وسردی کسی وقت کی تعین نہیں اور اس میں اس کے خلاف پر کوئی دلالت بھی نہیں پائی جاتی۔ جواب: یہ بات بالکل درست ہے کہ روایتِ ابن مسعود میں تو اس کی دلالت نہیں مگر فصل اول میں ہم نے انسؓ کی روایت نقل کی ہے جس میں تقبیلِ ظہر کا تذکرہ ہے اور حضرت انس کی دوسری روایت جس کو زہری نے نقل کیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز زوال کے وقت پڑھائی پھر ابو خالدؒ آئے اور انہوں نے اس کی تفسیر بیان کی کہ جناب نبی اکرم ﷺ اس کو سردی میں پڑھا کرتے تھے اور گرمیوں میں تاخیر سے ادا فرماتے پس اس کے مطابق ابن مسعود کی روایت کا مطلب بھی یہی لیا جائے گا کہ اس روایت میں سردی کی نماز ظہر کا تذکرہ ہے۔ (ایضاح الطحاوی)

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۴ھ

**الشق الاوّل** ...... حدثنی ابنُ عبد اللّٰہ بن مغفل عن ابیہ .... وقلما رأیت رجلا اشد علیہ حدثا فی الاسلام منہ .... فسمعنی وانا اقرأ: بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم فقال: ای بنیّ ایاك والحدث فی الاسلام فانّی قد صلیت مع النبی ﷺ و ابی بکر و عمر وعثمان فلم اسمعها من احد منهم ولٰکن اذا قرأتَ فقل الحمد للّٰہ رب العالمین۔ (باب قراء ت بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم فی الصلاۃ)

نماز میں سورۂ فاتحہ سے پہلے تسمیہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟ جہراً پڑھی جائے گی یا سراً؟ اس میں ائمہ کے مذاہب تحریر فرمائیں۔ ہر ایک کے دلائل تحریر کریں۔ یہ روایت کس کی دلیل ہے اور احناف اس کا کیا جواب دیتے ہیں؟

**جواب** ......کما مرّ فی الشق الاول من السوال الثانی ۱۴۴۰ھ۔

**الشق الثانی** ......عن علیؓ قال قال رسولُ اللّٰہ ﷺ: نُهیتُ ان اقرأ و انا راکع و ساجد فاَمّا الرکوع فعظّموا فیہ الرب واَمّا السجود فاجتهدوا فی الدعاء فقمن اَن یُستجاب لکم۔

رکوع اور سجدہ میں تسبیح کے علاوہ ماثور دعائیں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اس میں ائمہ کرام کا اختلاف تحریر کیجیے۔ احناف کے دلائل تحریر کیجیے۔ یہ روایت کس کا معتدل ہے؟ اور احناف اس کا کیا جواب دیتے ہیں؟ امام طحاوی نے اس باب میں رکوع اور سجدہ کی جو ماثور ادعیہ نقل کی ہیں ان میں سے ایک ایک تحریر کیجیے۔

**جواب** ...... ① رکوع وسجدہ کی ماثور دعائیں:۔ عن ابی هریرۃ انّ النبی ﷺ کان یقول فی سجودہ: اللّٰهم اغْفِرْ لی ذنبی کُلَّہٗ دِقَّہٗ و جِلَّہٗ اَوَّلَہٗ و آخرہٗ عَلَانِیَتَہٗ و سِرَّہٗ۔ عن عائشۃَ قالتْ کان النبیُّ ﷺ یُکْثِرُ ان یقولَ فی رکوعہ: سُبْحَانَكَ اللّٰهم و بِحَمْدِكَ اَسْتَغْفِرُكَ و اَتُوْبُ اِلَیْكَ فَاغْفِرْلِیْ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ۔

عن عائشۃ انّ النبی ﷺ کان یقولُ فی رکوعِہ و سجودِہ: سُبّوحٌ قُدّوسٌ ربُّ الملائکۃِ و الرُّوحِ۔

(**نوٹ**: بقیہ مکمل جواب کمامرّ فی الشق الثانی من السوال الاول ۱۴۴۰ھ)

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۴ھ

**الشق الاوّل** ......عن هشام بن عروۃ عن ابیہ اَنّ عمرَ بنَ الخطابِ قَرَأَ السجدۃَ وهو علی المنبرِ یومَ الجمعۃِ فَنَزَلَ فَسَجَدَ وسجدُوا معہ ثم قرأها یوم الجُمُعَۃِ الْاُخْرٰی فَتَهَیَّؤُوا للسجودِ فقال عمر: علی رسلِکُم اِنّ اللّٰہ لم یَکْتُبْهَا علینا اِلّا ان نشاءَ فقرأها ولم یسجد ومَنَعَهُمْ اَنْ یَسْجُدُوْا۔

سجدۂ تلاوت کے وجوب وعدمِ وجوب میں ائمہ کرام کے مذاہب تحریر فرمائیں۔ ائمہ کرام کے دلائل لکھیں۔ یہ روایت اگر احناف کے موقف کے خلاف ہے تو اس کا صحیح محمل تحریر فرمائیں۔ (باب المفصل هل فیہ سجود ام لا؟)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① سجدۂ تلاوت کے وجوب وعدمِ وجوب میں ائمہ کے مذاہب ودلائل ② حدیث الباب کا جواب۔

**جواب** ...... ① سجدۂ تلاوت کے وجوب وعدمِ وجوب میں ائمہ کے مذاہب ودلائل:۔ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے ہاں سجودِ قرآن سنت

ہیں۔احناف رحمہم اللہ کے نزدیک واجب ہیں۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی پہلی دلیل فصل اوّل میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **قرأت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم النجم فلم یسجد فیھا**۔دوسری دلیل ترمذی شریف میں **باب ماجاء من لم یسجد فیه** میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ ایک دن جمعہ کے خطبہ میں آیت سجدہ تلاوت کی پھر منبر سے اتر کر سجدہ کیا پھر دوسرے جمعہ میں آیت سجدہ پڑھی **فتھیأ الناس للسجود فقال انھا لم تکتب علینا** کہ لوگوں نے سجدہ کرنے کا ارادہ کیا فرمایا کہ ہمارے اوپر فرض نہیں **الاان نشاء فلم یسجد ولم یسجدوا** کے الفاظ ہیں۔

احناف کی پہلی دلیل یہ ہے کہ سجدۂ تلاوت پورے قرآن میں تین قسم کی آیات میں ہے:① بعض آیات میں صیغہ امر کے ساتھ وارد ہوا ہے ② بعض آیات میں انبیاء علیہم السلام کے سجدہ کا تذکرہ ہے ③ بعض آیات میں کفار کے سجدہ کا انکار کرنے کی وجہ سے ان کی مخالفت کرنے کی وجہ سے سجدہ ہے۔ جہاں تک پہلی قسم کا تعلق ہے وہ وجوب کیلئے ہے کیونکہ الامر للوجوب اور دوسری قسم انبیاء کے سجدہ کا تذکرہ ہے تو ان کی اقتداء بھی ضروری ہے۔تیسری قسم کفار کی مخالفت میں یہ بھی واجب ہے۔

باقی جن روایات میں سجدہ نہیں کیا اس کے مختلف جوابات ہیں:

پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک سجدہ علی الفور واجب نہیں، ہوسکتا بعد میں کیا ہو، یہاں نفی علی الفور کی ہے۔

دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ ایک جمعہ میں سجدہ تعلیماً کیا جبکہ دوسرے جمعہ میں وضاحت فرمادی کہ سجدہ علی الفور واجب نہیں یا اس میں یہ احتمال ہے کہ **لم تکتب علینا بھیئۃ الجماعۃ** کہ ہم پر اجتماعی طور پر سجدۂ تلاوت فرض نہیں، بلکہ واجب ہے۔

② حدیث الباب کا جواب:۔ **کما مرّ آنفا۔**

**الشق الثانی** ......**عن ابی سعیدٍ الخدریؓ عن رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال : اذا صلّٰی احدُکم فلم یدر اَثلاثا صلّٰی ام اربعا فَلْیَبْنِ علی الیقینِ ویدعُ الشکَّ فَاِنْ کانت صَلاتُه نقصت فقد اتمّھا وکانت السجدتان ترغمان الشیطان و اِن کانت صلاتُه تامة کان ما زاد والسجدتان له نافلة۔**

**(باب الرجل یشکّ فی صلاته فلا یدری اثلاثا صلّی ام اربعا)**

حدیث کی مختصر تشریح کیجیے۔نماز میں اگر رکعتوں کی تعداد میں شک ہو جائے تو مختلف قسم کی روایات امام طحاوی نے ذکر کی ہیں، احناف ان تمام روایات میں کیسے تطبیق دیتے ہیں؟ یہ روایت کس کا مستدل ہے؟

**جواب** ...... ① حدیث کی تشریح:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو نماز ادا کرتے ہوئے رکعت کی تعداد میں شک ہو جائے، اسے معلوم نہ ہو کہ اس نے تین رکعت پڑھی ہیں یا چار پڑھی ہیں تو وہ اس شک کی صورت میں یقینی تعداد پر بنا کرے اور شک کو چھوڑ دے، گویا مذکورہ صورت میں تین رکعت شمار کرے۔اب اگر اس کی نماز کم بنتی ہو تو پوری کرے اور آخر میں سجدۂ سہو کرے اور سہو والے دو سجدے شیطان کو ذلیل کرنے والے ہوں گے اور اگر اس کی نماز مکمل ہو چکی تھی تو یہ اضافی رکعت اور دو سجدے اس کی زائد نماز بن جائیں گے۔

② رکعتوں کی تعداد میں شک ہو تو مختلف قسم کی روایات میں تطبیق:۔ حضرت امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد بن حسن شیبانی، امام زفر وغیرہ کے نزدیک رکعت کی تعداد میں شک ہو جائے تو نہ صرف سجدہ سہو سے نماز ہوگی اور نہ ہی اقل پر محمول کر کے ایک رکعت مزید پڑھ کر سجدۂ سہو سے نماز درست ہوگی بلکہ غالب ظن پر عمل کرنا لازم ہوگا کہ اگر تین رکعت کا ظنِ غالب ہے تو ایک رکعت مزید پڑھ لی جائے اور اگر چار رکعت کا ظنِ غالب ہے تو چار ہی شمار کر لے اور سجدۂ سہو کر لے تو نماز درست ہو جائے گی۔اور اگر کسی ایک طرف رجحان نہیں ہے تو اقل پر بناء کرے۔دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کہ اگر کسی کو نماز میں سہو وشک ہو جائے تو وہ تحری کر کے ظنِ غالب پر عمل کرے۔اس مضمون کی روایات کو امام طحاویؒ نے حضرت ابن مسعودؓ وابوہریرہؓ سے پانچ سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔

احناف کہتے ہیں کہ اگر بغیر تحری کے اقل پر عمل کیا جائے تو صرف اقل والی روایات پر عمل ہو سکے گا۔اور اگر اولاً تحری کی جائے تو تینوں قسم کی روایات پر عمل ہو جائے گا۔اور اگر تمام روایات پر عمل ہوسکتا ہو تو بعض کو چھوڑ کر بعض پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔اور تمام

روایات پر عمل اس وقت ہوسکتا ہے جب بناء علی الاقل سے پہلے تحری کی جائے۔لہذا فریق ثالث کا مدعیٰ زیادہ صحیح و درست ہوگا۔

نیز حضرت ابو ہریرہؓ سے بناء علی الاقل اور تحری دونوں کی روایات مروی ہیں۔یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں قسم کی روایات میں کوئی منافات نہیں ہے،لہٰذا دونوں پر عمل کرنا ضروری ہوگا اور یہ اس وقت ہوسکتا ہے کہ جب احناف کے مدعیٰ کو تسلیم کیا جائے۔

③ مستدلین کی تعیین:۔ یہ روایت ائمہ ثلاثہ کی دلیل ہے کہ اس میں بناء علی الیقین کا حکم ہے۔

## ﴿الورقة الرابعة فی الحدیث (طحاوی شریف)﴾

## ﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۴۵ھ

**الشق الاوّل** ......عَنِ الزِّبْرِقَانِ قَالَ اِنَّ رَهْطًا مِنْ قُرَيْشٍ اِجْتَمَعُوْا فَمَرَّ بِهِمْ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ فَاَرْسَلُوْا اِلَيْهِ غُلَامَيْنِ لَهُمْ يَسْاَلَانِهِ عَنِ الصَّلَاةِ الْوُسْطٰى فَقَالَ هِيَ الظُّهْرُ،فَقَامَ اِلَيْهِ رَجُلَانِ مِنْهُمْ فَقَالَا هِيَ الظُّهْرُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَجِيْرِ فَلَايَكُوْنُ وَرَائَهُ اِلَّا الصَّفُّ وَ الصَّفَّانِ وَالنَّاسُ فِيْ قَائِلَتِهِمْ وَ تِجَارَتِهِمْ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى (حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى)فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَيَنْتَهِيَنَّ رِجَالٌ اَوْ لَاُحَرِّقَنَّ بُيُوْتَهُمْ۔

حدیث کا ترجمہ کریں۔صلوٰۃِ وسطیٰ کی تعیین میں علماء کے اقوال لکھیں۔قولِ راجح دلیل کے ساتھ تحریر کریں۔

**جواب** ......مکمل جواب کما مرّ فی الشق الاول من السوال الاول ۱۴۴۰ھ۔

**الشق الثانی** ......باب رفع الیدین فی افتتاح الصلاة الی این یبلغ بهما؟ ذکر المصنف العلام الحدیث ثم قال: فذهب قوم الی انّ الرجل یرفع یدیه اذا افتتح الصلاة مدا ولم یوقتوا فی ذلك شیئا.... وخالفهم فی ذلك آخرون فقالوا بل ینبغی له ان یرفع یدیه حتّی یحاذی بهما منکبیه.... وخالف فی ذلك آخرون فقالوا: یرفع الایدی فی افتتاح الصلاة حتّی یحاذی بهما الاذنان.

عبارت کا ترجمہ لکھیں۔خط کشیدہ جملوں کا مصداق لکھ کر فقہاء کا اختلاف مع دلائل تحریر کیجیے۔راجح قول کی تعیین وجہِ ترجیح لکھیں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا خلاصہ درج ذیل امور ہیں:① عبارت کا ترجمہ ② ذهب قوم.... و خالفهم.... کا مصداق ورفع یدین کی مقدار میں فقہاء کا اختلاف مع دلائل ③ راجح قول کی تعیین مع وجہِ ترجیح۔

**جواب** ...... ① عبارت کا ترجمہ:۔ یہ باب تکبیر تحریمہ میں ہاتھ کہاں تک اٹھانے کے بیان میں ہے؟ مصنفؒ نے حدیث ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ ایک قوم اس بات کی طرف گئی ہے کہ آدمی نماز شروع کرتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو دراز کرے اور انہوں نے ہاتھوں کو دراز کرنے کی کوئی انتہاء بیان نہیں کی.....اس مسئلہ میں کچھ دیگر احباب نے ان کی مخالفت کی ہے،انہوں نے کہا کہ مناسب یہ ہے کہ آدمی اپنے ہاتھوں کو اُٹھائے یہاں تک کہ وہ اسکے کندھوں کے برابر ہوجائیں.....اس مسئلہ میں کچھ دوسرے لوگوں نے بھی اختلاف کیا ہے،انہوں نے کہا کہ آدمی نماز کے شروع میں اپنے ہاتھوں کو اُٹھائے یہاں تک کہ وہ اسکے کانوں کے برابر ہوجائیں۔

② ذهب قوم.... و خالفهم.... کا مصداق اور رفع یدین کی مقدار میں فقہاء کا اختلاف مع دلائل:۔ بوقت تکبیر تحریمہ رفع یدین کہاں تک کیا جائے؟ اس سلسلہ میں کچھ فرق کے ساتھ تین مذاہب منقول ہیں: ① امام احمد ابن حنبل کی ایک روایت' بعض مالکیہ اور بعض عراقیین کے نزدیک بوقتِ تحریم رفع یدین علی الاطلاق مسنون ہے اور کہاں تک اٹھانا مسنون ہے اس کی کوئی حد متعین نہیں ہے۔یہی لوگ فذهب قوم الی ان الرجل الخ کا مصداق ہیں۔② امام احمد بن حنبل کا قول مشہور' اکثر مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک بوقتِ تکبیر تحریمہ کندھوں تک رفع یدین مسنون ہے۔یہی لوگ وخالفهم فی ذلك آخرون کا مصداق ہیں۔③ حضرات حنفیہ' سفیان ثوری' ابراہیم نخعی اور وہب ابن منبہ کے نزدیک بوقت تکبیر تحریمہ کانوں تک رفع یدین مسنون ہے۔یہی لوگ کتاب کے اندر وخالف فی ذالک آخرون کا مصداق ہیں۔

مذہبِ اول کی دلیل باب کے شروع میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کھینچ کر اوپر اٹھاتے۔کہاں تک اٹھاتے تھے اس کی کوئی حد متعین نہیں ہے،اسلئے رفع یدین کی کوئی حد متعین نہیں ہے۔

مذہبِ ثانی کی دلیل ربیع بن سلیمان کی وہ حدیث ہے جس میں حضور ﷺ کا بوقتِ تحریمہ دونوں ہاتھوں کا اٹھانا ثابت ہے۔ اس مضمون کی روایت کو صاحبِ کتاب نے تین صحابی (حضرت علی، ابن عمر، ابوحمید ساعدیؓ) سے پانچ سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے۔ ان تمام روایات سے بوقت تکبیر تحریمہ کندھوں تک رفع یدین ثابت ہوتا ہے۔اسلئے کہنا ہوگا کہ کندھوں تک رفع یدین مسنون ہے۔

مذہبِ ثالث کی دلیل: محمد بن عمر بن عطاء فرماتے ہیں کہ میں نے دس صحابیِ رسول جن میں حضرت ابوقتادہ بھی تھے اور بعض روایات کے اندر حضرت ابو ہریرہ اور حضرت سہل ابن سعد وغیرہ بھی موجود تھے۔ اُن کے درمیان ابوحمید ساعدی کو کہتے ہوئے سنا وہ فرمارہے تھے کہ میں حضور کی نماز کو تمہارے مقابلہ میں زیادہ جانتا ہوں، حاضرین کے پوچھنے پر ابوحمید ساعدیؓ نے فرمایا کہ حضور جب نماز شروع فرماتے تو دونوں ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھاتے تھے۔ وہاں موجود صحابہ نے متفق ہوکر ان کی تصدیق کی کہ حضور ایسے ہی نماز پڑھا کرتے تھے۔اس مضمون کی روایت مصنفؒ نے چار صحابہ (حضرت براء بن عازب، وائل بن حجر، مالک بن حویرث اور ابوحمید ساعدی) سے پانچ سندوں کے ساتھ نقل کی ہے۔

③ راجح قول کی تعیین مع وجہِ ترجیح:۔ مذکورہ تینوں قسم کی روایات میں توجیہ کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلی قسم کی روایت جو ابو ہریرہؓ سے مروی ہے اس میں رفع یدین کی کوئی حد متعین نہیں ہے بلکہ اس میں مختلف احتمالات ہو سکتے ہیں اسلئے وہ دیگر روایات کے معارض نہیں ہوگی۔ دوسری قسم کی روایات میں کندھوں تک حد متعین ہے اور تیسری قسم کی روایات میں اذنین تک حد متعین ہے۔اسلئے مذہبِ ثانی اور ثالث کی روایات میں سخت قسم کا تعارض واقع ہوا ہے۔اس تعارض کے دفعیہ کی صورت یہ ہے کہ جن روایات میں کندھوں تک ہاتھ اٹھانا ثابت ہے وہ سردی کے زمانہ کے اعتبار سے ہے کہ صحابہ کرامؓ سردی کے زمانہ میں موٹے کپڑے پہنتے تھے اور موٹی موٹی چادریں اوڑھ لیا کرتے تھے، شدتِ سردی کی وجہ سے تکبیر تحریمہ کے وقت چادروں کے اندر سے ہاتھ باہر نہیں نکالا کرتے تھے، بلکہ چادروں کے اندر ہی اندر ہاتھوں کو اٹھا لیا کرتے تھے جس میں صرف کندھوں تک ہاتھ اٹھایا جاتا تھا۔اور جن روایات میں اذنین تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے وہ عام حالات کے اعتبار سے ہے کہ جن میں ہاتھ چادروں کے اندر نہیں ہوتا ہے۔لہٰذا عام حالات کا حکم یہی ہوگا کہ بوقتِ تکبیر تحریمہ ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھایا جائے۔

قولِ اول کے قائلین کی دلیل کا جواب: حضرت ابو ہریرہ کی روایت قائلین رفع یدین الی المنکبین کے مخالف نہیں ہے کیونکہ ان کی روایت میں دو احتمال ہیں: ① اس سے مراد کندھوں تک ہاتھ اٹھانا ہے، اس صورت میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت مذہبِ ثانی کے موافق ہو جائے گی۔ ② مراد یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو نماز سے پہلے دعا کیلئے اٹھایا تھا، پھر اسکے بعد تکبیر تحریمہ کیلئے دوبارہ کندھوں تک اٹھایا۔ تو دونوں قسم کی روایت کے درمیان تطبیق یوں ہوگی کہ حضرت ابو ہریرہ کی روایت تکبیرِ تحریمہ سے پہلے دعا کیلئے ہاتھ اٹھانے پر محمول ہوگی۔اب دونوں قسم کی روایات کے درمیان تعارض نہیں رہے گا۔

حضرت علی سے جو کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کی روایت مروی ہے وہ روایت بے انتہا ضعیف ہے کہ اس کی سند میں عبدالرحمٰن ابن ابی الزناد آیا ہے جو متکلم فیہ راوی ہے۔ لہٰذا حضرت علی کی روایت سے استدلال درست نہیں ہوسکتا بلکہ مجموعی اعتبار سے حضرت وائل ابن حجر کی روایت پر عمل کرنا مسنون ہوگا۔ یہی ہمارے علماءِ ثلاثہ کا قول ہے۔ (ایضاح الطحاوی ۱:۵۳۶)

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۵ھ

**الشق الاوّل** ......عَنْ خُفَافِ بْنِ اِيْمَاءٍ قَالَ: رَكَعَ رسولُ اللّٰهِ ﷺ ثُمّ رَفَعَ رَأسَهٗ فَقَالَ: غِفَارٌ غَفَرَ اللّٰهُ لَهَا وَاَسْلَمُ سَالَمَهَا اللّٰهُ وعُصَيَّةُ عَصَتِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ، اَللّٰهُمَّ الْعَنْ بَنِيْ لِحْيَانَ اَللّٰهُمَّ الْعَنْ رَعْلًا وَذَكْوَانَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ثُمّ خَرَّ سَاجِدًا۔ (باب القنوت فی صلوۃ الفجر و غیرها)

حدیث پر اعراب لگا کر ترجمہ کیجیے۔ غفار، اسلم اور عصیہ سے کون مراد ہیں؟ اور حضور ﷺ ان کے خلاف کیوں بددعا فرما رہے تھے؟ قنوت فی الفجر دائما کے متعلق ائمہ اربعہؒ کے اقوال ودلائل تحریر کیجیے، نیز قنوت نازلہ کے حوالہ سے امام طحاوی کا موقف لکھیں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا خلاصہ درج ذیل امور ہیں: ① حدیث پر اعراب ② حدیث کا ترجمہ ③ غفار، اسلم وعطیہ کی مراد

اوران کے خلاف بددعا کی وجہ ④ قنوت فی الفجر کے متعلق ائمہ اربعہؒ کے اقوال ودلائل ⑤ قنوت نازلہ کے متعلق امام طحاوی کا موقف۔

**جواب** ...... ① حدیث پراعراب:۔ **کما مرّ فی السوال آنفا۔**

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت خفاف بن ایماء سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رکوع کیا پھر اپنا سر اٹھایا اور فرمایا: غفار کو اللہ تعالیٰ بخشے، اسلم کو اللہ تعالیٰ سلامت رکھے اور عصیہ نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی ہے، اے اللہ! بنی لحیان پر لعنت فرما، اے اللہ! رعل وذکوان پر لعنت فرما، پھر اللہ اکبر کہہ کر آپ ﷺ سجدہ میں چلے گئے۔

③ غفار، اسلم وعطیہ کی مراد اور ان کے خلاف بددعا کی وجہ:۔ غفار: عرب کا مشہور قبیلہ ہے، حضرت ابوذر غفاریؓ اسی قبیلہ سے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں یہ قبیلہ حاجیوں کا مال چرایا کرتا تھا اور اپنی اس برائی کے سبب عام قبائل میں اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا، اسی پر آنحضرت ﷺ نے اس کے حق میں دعا فرمائی کہ اس قبیلہ کے دامن پر جو پہلا داغ لگا ہوا ہے اللہ تعالیٰ اس کو مٹائے اور قبیلہ والوں کی مغفرت وبخشش سے فرمائے کیونکہ اب اس قبیلہ کے لوگ خوشی خوشی اسلام میں داخل ہوگئے ہیں۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ ارشاد دعائیہ جملہ کے بجائے جملہ خبریہ ہے یعنی آپ ﷺ نے ان الفاظ کے ذریعہ خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے اس قبیلہ کی جاہلی زندگی کے واقعات کو کالعدم قرار دے دیا ہے اور اب اہل قبیلہ کو ان کے ایمان واسلام کی بدولت مغفرت وبخشش سے نواز دیا ہے۔

اسلم: یہ بھی ایک قبیلہ کا نام ہے اس قبیلہ کے لوگوں نے چونکہ لڑائی کے بغیر اسلام قبول کرلیا تھا اسلئے آنحضرت ﷺ نے ان کے حق میں دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس قبیلہ کے لوگوں کو سلامت رکھے اس قبیلہ کے بارے میں مذکورہ جملہ بھی جملہ خبریہ کا احتمال رکھتا ہے یعنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس جملہ کے ذریعہ یہ خبر دی ہو کہ یہ وہ قبیلہ ہے جس نے مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے کو پسند نہیں کیا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس قبیلہ کے لوگوں کو قتل وتباہی سے سلامت ومحفوظ رکھا۔

عصیہ: یہ اس بدنصیب قبیلہ کا نام ہے جس نے مسلمان قاریوں کو بیر معونہ پر مکروفریب کے ذریعہ بڑی بے دردی کے ساتھ شہید کردیا تھا آنحضرت ﷺ کو اس پر بڑا رنج ہوا تھا اور آپ ﷺ قنوت میں اس قبیلہ کے لوگوں پر لعنت اور بددعا فرمایا کرتے تھے۔ اس قبیلہ کے حق میں مذکورہ حدیث کے الفاظ صرف جملہ خبریہ کے طور پر ہیں، ان میں جملہ دعائیہ کا کوئی احتمال نہیں ہے تاہم ان الفاظ میں اس قبیلہ کا ذکر جس طرح شکوہ کو ظاہر کرتا ہے وہ بجائے خود بددعا کو مستلزم ہے لیکن اس مفہوم میں نہیں کہ اہل قبیلہ گناہ ومعصیت میں زیادہ سے زیادہ مبتلا ہوں بلکہ اس مفہوم میں کہ قبیلے والوں نے جس عظیم معصیت اور سرکشی کا ارتکاب کیا اس پر ان کو دنیا وآخرت میں ذلت وخواری نصیب ہو۔ (مشکوۃ مترجم)

④ و ⑤ قنوت فی الفجر کے متعلق ائمہ اربعہؒ کے اقوال ودلائل، قنوت نازلہ کے متعلق امام طحاوی کا موقف:۔

**کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الثالث ۱۴۴۰ھ۔**

**الشق الثانی** ......**عن یحیی بن سعید: انّ القاسم بن محمد اراھم الجلوس فنصب رجله الیمنٰی وثنٰی رجله الیسرٰی وجلس علٰی ورکه الیسرٰی ولم یجلس علٰی قدمیه ثم قال: اراني ھٰذا عبد اللّٰه بن عبد اللّٰه بن عمر وحدّثني انّ اباه عبد اللّٰه بن عمر کان یفعل ذٰلك.... وخالفھم فی ذٰلك آخرون.... مع ما شدہ من طریق النظر وذٰلك انّا رأینا القعود الاوّل فی الصلاۃ وفیما بین السجدتین فی کل رکعة ھو ان یفترش الخ**

حدیث مبارک کا ترجمہ کیجیے۔ افتراش اور تورک کے مسئلہ میں فقہاء کے اقوال مع دلائل تحریر کیجیے۔ مذکورہ مسئلہ میں نظر طحاوی وضاحت سے بیان کیجیے۔ **(باب صفة الجلوس فی الصلوۃ کیف ھی)**

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال کا خلاصہ درج ذیل امور ہیں: ① حدیث کا ترجمہ ② افتراش اور تورک کے مسئلہ میں فقہاء کے اقوال مع دلائل ③ نظر طحاوی کی وضاحت۔

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ یحیٰی بن سعید کہتے ہیں کہ قاسم بن محمد نے ہمیں تشہد میں بیٹھنا دکھایا پس انہوں نے دایاں پاؤں کھڑا کیا اور بایاں پاؤں موڑ کر دوہرا کیا اور اپنی بائیں سرین کو زمین پر ٹیک کر بیٹھ گئے اور دونوں قدموں کے زور پر نہ بیٹھے، پھر

فرمایا کہ یہ کیفیت مجھے عبداللہ بن عبداللہ بن عمرؓ نے کرکے دکھلائی ہے اور ساتھ یہ بھی کہا کہ میرے والد عبداللہ اسی طرح کرتے تھے۔

**۲ افتراش اور تورک کے متعلق فقہاء کے اقوال مع دلائل:۔** نماز میں بوقتِ تشہد یعنی قعدۂ اولی اور قعدۂ اخیرہ نیز جلسہ بین السجدتین میں بیٹھنے کی کیفیت کیا ہے؟ اس کیفیت کے بارے میں تین مذاہب منقول ہیں: ① حضرت امام مالک، عبدالرحمٰن بن قاسم، قاسم بن محمد، یحیٰ بن سعید وغیرہ کے نزدیک قعدہ اولی و اخیرہ اور جلسہ بین السجدتین میں سے ہر ایک میں تورک مسنون ہے یعنی دائیں پیر کو کھڑا کرکے بائیں پیر کو بچھا کر زمین پر بیٹھنا۔ یہی لوگ کتاب میں **فذهب قوم** کے مصداق ہیں۔ ② امام شافعی، احمد بن حنبل، اسحٰق بن راہویہ وغیرہ کے نزدیک قعدۂ اخیرہ میں تورک مسنون ہے جیسا کہ فریق اول نے بیان کیا ہے اور قعدہ اولی و جلسہ میں دائیں پیر کو کھڑا کرکے بائیں پیر کو بچھا کر اسی پر بیٹھنا مسنون ہے۔ یہی لوگ کتاب میں **وخالفهم في ذلك اخرون** کے مصداق ہیں۔ ③ حضرات حنفیہ، سفیان ثوری، ابراہیم نخعی، عبداللہ بن مبارک وغیرہ کے نزدیک قعدۂ اولی و اخیرہ اور جلسہ بین السجدتین میں سے ہر ایک میں دائیں پیر کو کھڑا کرکے بائیں پیر کو بچھا کر اس پر بیٹھنا مسنون ہے۔ یہی لوگ کتاب میں **وقد خالف في ذلك ايضا اٰخرون فقالوا القعود في الصلوة الخ** کے مصداق ہیں۔

فریق اول کی دلیل باب کے شروع کی وہ روایاتِ ابن عمرؓ ہیں جن سے تورک کا مسنون ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جن کی وضاحت یہ ہے کہ ابن عمرؓ کے صاحبزادے عبداللہ بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میرا بچپن تھا کہ میرے والد ابن عمر بوقت جلسہ تربع کرکے بیٹھے تو میں بھی ان کو دیکھ کر ایسا ہی بیٹھا تو انہوں نے مجھے منع فرمایا اور کہا کہ بے شک سنت یہی ہر کہ دائیں پیر کو کھڑا کیا جائے اور بائیں پیر کو بچھا دیا جائے تو میں نے کہا آپ کیوں نہیں کرتے؟ انہوں نے کہا کہ میرا بدن بھاری ہو چکا ہے میرے پیر مجھے اٹھا نہیں پاتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تورک کرنا ہی مسنون ہے۔

فریق اول کی دلیل کا جواب: ① ابن عمرہ کی روایت میں جو سنت کا لفظ آیا ہے وہاں سنت سے مراد یا تو خود حضرت ابن عمرؓ کی اپنی رائے یا خلفاءِ راشدین میں سے کسی کا عمل ہے، سنتِ رسول ہونا ضروری نہیں، اسلئے کہ ''علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین'' میں حضور ﷺ نے خلفاءؓ راشدین اور صحابہؓ کے عمل کو بھی سنت سے تعبیر فرمایا ہے۔ نیز ربیعہ الرائی کے سوال کے جواب میں سعید بن مسیّبؒ نے فرمایا کہ عورتوں کی انگلیوں کی دیت کا حکم وہی ہے جو مردوں کا ہے اور یہی سنت سے ثابت ہے۔ یہاں سنت سے قولِ رسول مراد نہیں ہے بلکہ سعید بن مسیّب نے حضرت زید بن ثابتؓ کے فتوی کو سنت کہا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ قول صحابی اور عمل صحابی کو بھی سنت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ② حضرت ابن عمرؓ کا یہ کہنا کہ میں تربع کرکے اسلئے بیٹھا ہوں کہ میرے دونوں پاؤں مجھے اٹھا نہیں پاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اُٹھا پاتے تو دونوں پیروں کو استعمال کرتے اور دونوں پیروں کے استعمال کی صورت یہی ہے کہ داہنے پیر کو کھڑا کر کے بائیں کو بچھا کر اس پر بیٹھ جائیں۔ لہٰذا حضرت ابن عمر کے قول کے سیاق وسباق سے فریق اول کا مدعا ثابت نہیں ہوسکتا۔

فریق ثانی کی دلیل: حضرت ابوحمید ساعدی کی روایت ہے کہ حضور ﷺ قعدۂ اولی میں بائیں پیر کو بچھا کر اس پر بیٹھ جاتے تھے اور قعدہ اخیرہ میں تورک کرتے تھے یعنی بائیں پیر کو بچھا کر اس پر نہیں بیٹھتے تھے بلکہ زمین پر بیٹھتے تھے۔ جواب: حضرت انسؓ وسمرہؓ کی احادیث میں صراحتاً تورک کی ممانعت آئی ہے۔ نیز تورک والی احادیث حالتِ عذر (بیماری، بڑھاپہ، موٹاپہ) پر محمول ہیں۔

فریق ثالث کے دلائل: ① وائل بن حجرؓ سے دوسندوں کے ساتھ مروی ہے کہ حضور ﷺ جب تشہد کیلئے بیٹھتے تو بائیں پیر کو بچھا کر اس پر بیٹھ جاتے تھے اور داہنے زانو پر داہنے ہاتھ اور بائیں زانو پر بائیں ہاتھ کو رکھتے اور پھر ابہام اور وسطی کا حلقہ بنا کر سبابہ کے ذریعہ سے اشارہ کرکے دعا کرتے تھے۔ معلوم ہوا کہ فریق ثالث کا مدعا صحیح و درست ہے کیونکہ تشہد کے بعد دعا کا ثبوت قعدہ اخیرہ ہی میں مسلم ہے۔ ② ابراہیم نخعیؒ کا فتویٰ ہے کہ قعدۂ اخیرہ میں بھی قعدۂ اولی کی طرح بائیں پیر کو بچھا کر اس پر بیٹھنا مسنون ہے، تورک کرنا مسنون نہیں ہے۔ ③ حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا ہے **قالت كان رسول الله ﷺ يفترش رجله اليسرىٰ و ينصب رجله اليمنىٰ** (رواہ مسلم)۔

**۳ نظرِ طحاوی کی وضاحت:۔** جلسہ بین السجدتین سب کے نزدیک فرض ہے، قعدۂ اولی کسی کے نزدیک بھی فرض نہیں بلکہ واجب ہے، اب ہمیں غور کرنا ہے کہ قعدۂ اخیرہ کس کے مشابہ ہے؟ پس اگر قعدہ اخیرہ واجب ہے تو قعدۂ اولی کے مشابہ ہے اور قعدۂ اولی میں تم بھی

کہتے ہو کہ تورک نہیں ہے، بلکہ بائیں پیر کو بچھا کر اس پر بیٹھنا ثابت ہے، لہٰذا قعدہ اخیرہ میں بھی یہی حکم ہوگا۔ اور اگر قعدہ اخیرہ فرض ہے تو جلسہ بین السجدتین کے مشابہ ہوگا اور جلسہ بین السجدتین کے متعلق تم بھی کہتے ہو کہ تورک نہیں ہے بلکہ بائیں پیر کو بچھا کر اس پر بیٹھنا مسنون ہے لہٰذا قعدہ اخیرہ میں بھی یہی حکم ہونا چاہئے اور یہی ہمارے علماء ثلثہ کا قول ہے۔ (تحفۃ الالمعی ۲:۸۵، ایضاح الطحاوی ۲:۸۹)

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۵ھ

**الشق الاوّل** ......عن عائشة انّها قالت: ما كان اليوم الذى يكون عندى فيه رسول الله ﷺ الّا صلّٰى ركعتين بعد العصر.... فخالفهم اكثر العلماء فى ذٰلك وكرهوهما.... ووافقهم على ذٰلك جماعة.... وهٰذا هو النظر ايضا وذٰلك انّ الركعتين بعد الظهر ليستا فرضا الخ (باب الركعتين بعد العصر)

حدیث مبارک کا ترجمہ کیجیے۔ عبارت میں مذکور مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف بیان کرتے ہوئے موافقین اور مخالفین کی تعیین بھی کیجئے۔ نیز نظر طحاوی بھی تحریر کیجئے۔ کیا عصر کے بعد دوگانۂ طواف ادا کرنا جائز ہے؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا خلاصہ درج ذیل امور ہیں: ① حدیث کا ترجمہ ② مذکور مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ③ موافقین و مخالفین کی تعیین ④ نظرِ طحاوی کی وضاحت ⑤ عصر کے بعد دوگانۂ طواف ادا کرنے کا حکم۔

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس دن بھی میرے پاس تشریف فرما ہوتے تھے تو آپ ﷺ عصر کے دو رکعت پڑھا کرتے تھے۔

② مذکور مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف:۔ کمامرّ فى الشق الاول من السوال الاول ۱۴۴۱ھ۔

③ موافقین ومخالفین کی تعیین:۔ امام اسود بن یزیدؒ احنف بن قیسؒ ابن حزم ظاہریؒ عمرو بن میمون اور داؤد ظاہریؒ وغیرہ کے نزدیک عصر کے بعد دو رکعت نفل پڑھنا جائز ومستحب ہے۔ یہی لوگ وافقهم على ذٰلك جماعة کا مصداق ہیں۔

ائمہ اربعہؒ سفیان ثوریؒ محمد بن سیرین اور جمہور امتؒ کے نزدیک عصر کے بعد نوافل پڑھنا جائز نہیں ہے بلکہ مکروہ تحریمی ہے۔

البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک عصر کے بعد سنت مؤکدہ کی قضاء جائز ہے۔ فخالفهم اكثر العلماء فى ذٰلك کا مصداق ہیں۔

④ نظرِ طحاوی کی وضاحت:۔ نظرِ طحاوی کا حاصل یہ ہے کہ ظہر کے بعد وہ رکعات فرض نہیں تھیں بلکہ سنت تھیں، جب اپنے وقت پر ان کی ادائیگی رہ گئی اور عصر کی نماز ادا کرلی تو وہ رکعات جو اپنے وقت پر سنت تھیں وہ اب نفل بن چکی ہیں اور عصر کے بعد نوافل پڑھنا بالاتفاق ممنوع ہے، لہٰذا ان رکعات کا بھی عصر کے بعد پڑھنا ممنوع ہوا۔ یہی ہمارے ائمہ ثلاثہؒ کا قول ہے۔ (ایضاح الطحاوی ۲:۲۲۳)

⑤ عصر کے بعد دوگانۂ طواف ادا کرنے کا حکم:۔ حنفیہ کے نزدیک اوقات منہیہ دو قسم پر ہیں: ① طلوع وغروب اور نصف النہار ② بعد الفجر وبعد العصر۔ قسم اول میں تو مطلقاً نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ نہ اس میں قضاء نماز جائز ہے اور نہ نوافل۔ صرف اسی دن کی نمازِ عصر غروب کے وقت جائز ہے۔ قسمِ ثانی میں نوافل ممنوع ہیں، البتہ قضاء نماز جائز ہے۔

**الشق الثانی** ......عن عروة عن عائشة قالت: انكسفت الشمس على عهد رسول الله ﷺ فقام فاطال القراءة ثم ركع فاطال الركوع ثم رفع رأسه فاطال القيام وهو دون قيامه الاول ثم ركع فاطال الركوع وهو دون ركوعه الاول ثم رفع رأسه فسجد ثم قام ففعل مثل ذٰلك غير انّ الركعة الاولى منهما اطول.... وخالفهم فى ذٰلك آخرون فقالوا: بل ثمان ركعات. (باب صلوة الكسوف كيف هى)

حدیث کا ترجمہ کیجیے۔ صلاۃ کسوف میں رکوع کی تعداد میں فقہاء کا اختلاف مع دلائل تحریر کیجیے۔ نظرِ طحاوی وضاحت سے بیان کیجیے۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا خلاصہ درج ذیل امور ہیں: ① حدیث کا ترجمہ ② صلاۃ کسوف میں رکوع کی تعداد میں فقہاء کا اختلاف مع دلائل ③ نظرِ طحاوی کی وضاحت۔

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ عروہؒ نے حضرت عائشہ سے نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا تو آپ نماز پڑھنے کھڑے ہوئے اور طویل قرات فرمائی پھر خوب طویل رکوع کیا پھر رکوع سے سر اٹھایا پھر طویل قیام کیا جو پہلے قیام سے کم تر

0313 6357... maktabazakariyamultan@gmail.com

تھا پھر لمبا رکوع کیا جو پہلے رکوع سے کم تر تھا پھر رکوع سے سر اٹھایا اور سجدہ کیا پھر آپ اٹھے اور دوسری رکعت کا قیام اسی طرح فرمایا البتہ اول رکعت کا قیام زیادہ لمبا تھا۔

② صلاۃِ کسوف میں رکوع کی تعداد میں فقہاء کا اختلاف مع دلائل:۔ صلوۃ الکسوف کی کیفیت کیا ہے؟ امام طحاوی نے پانچ مذاہب نقل فرمائے ہیں: ① حضرت امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل ابوثور اور علماءِ حجاز کے نزدیک صلوۃ الکسوف دو رکعت ہے اور ہر رکعت میں دو دو رکوع ہیں لہٰذا دو رکعت میں چار رکوع اور چار سجدے ہوں گے، یہی لوگ **فذهب قوم الخ** کا مصداق ہیں۔

② امام طاؤس بن کسان، حبیب بن ابی ثابت، عبدالملک بن جریجؒ وغیرہ کے نزدیک صلوۃ الکسوف دو رکعت ہوتی ہے اور ہر رکعت میں چار چار رکوع ہیں اور دو رکعت میں کل آٹھ رکوع ہو جائیں گے، یہی لوگ **وخالفهم فی ذٰلك آخرون** کے مصداق ہیں۔

③ قتادہ، عطا بن ابی رباح، اسحاق بن راہویہ، ابن المنذرؒ وغیرہ کے نزدیک صلوۃ الکسوف دو رکعت ہے اور ہر رکعت میں تین تین رکوع ہیں، یہی لوگ **وخالف هٰؤلاء اٰخرون** کا مصداق ہیں۔ ④ سعید بن جبیر، محمد بن جریر طبری، اسحٰق بن راہویہ اور بعض شافعیہؒ کے نزدیک صلوۃ الکسوف دو رکعت ہے، لیکن ان میں رکوع و سجود کی تعداد متعین نہیں ہے بلکہ جب تک سورج میں روشنی نہ آجائے اس وقت تک رکوع و سجود کا تکرار کرتے رہیں، یہی لوگ **وخالفهم فی ذٰلك آخرون** کے مصداق ہیں۔ ⑤ امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، محمد بن حسن، سفیان ثوری اور ابراہیم نخعیؒ وغیرہ کے نزدیک صلوۃ الکسوف دو رکعت ہے اور عام نمازوں کی طرح ہر رکعت میں ایک رکوع ہے اور دو رکعت میں صرف دو رکوع ہوں گے، یہی لوگ **وخالفهم فی ذٰلك آخرون** کے مصداق ہیں۔

فریق اول کی دلیل شروع باب کی وہ روایات ہیں جن میں حضور ﷺ کا صلوۃ الکسوف کی ہر رکعت میں دو دو رکوع کرنا ثابت ہے اور اس مضمون کی روایت امام طحاویؒ نے تین صحابہ (حضرت عائشہ، ابن عباس، عروہ بن زبیرؓ) سے چھ سندوں کے ساتھ نقل کی ہے۔

فریق ثانی کی دلیل ابوبکرہؓ سے منقول ابن عباسؓ و علیؓ کی وہ روایات ہیں جن میں ہر رکعت میں چار چار رکوع کرنا ثابت ہے۔

فریق ثالث کی دلیل حضرت عائشہؓ، جابر بن عبداللہؓ، ابن عباسؓ کی وہ روایات ہیں جن میں ہر رکعت میں تین تین رکوع کرنا ثابت ہے۔ فریق رابع کی دلیل سلیمان بن شعیب کی وہ روایت ہے جس میں سورج میں روشنی آنے تک مسلسل رکوع کرنا ثابت ہے۔ نیز حضور ﷺ کا فرمان بھی ہے کہ سورج میں روشنی آنے تک نماز پڑھتے رہو۔ پس واضح ہوا کہ تعدادِ رکوع کی مقدار متعین نہیں ہے۔ اس مضمون کی روایت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک سند کے ساتھ نقل فرمائی ہے۔

فریق خامس کے دلائل: ① وہ روایات جن میں صلوۃ الکسوف کی ہر رکعت میں عام نمازوں کی طرح ایک رکوع کا ثبوت ہے اور ایک رکوع کی روایات متواتر سندوں سے ثابت ہیں۔ صاحبِ کتاب نے اس مضمون کی روایات کو سات صحابہ (حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، حضرت علیؓ، سمرہ بن جندبؓ، ابوبکرہؓ، نعمان بن بشیرؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، قبیصہؓ) سے انیس سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے۔

مذکورہ روایات کا نچوڑ اور خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ روایات جو متواتر سندوں سے مروی ہیں وہ سب مذہبِ خامس کے موافق ہیں، ان میں سے نعمان بن بشیرؓ کی روایت میں اس بات کی صراحت ہے کہ حضور ﷺ دو رکعت نماز پڑھ کر دعا میں مصروف ہو گئے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ حضور کے ساتھ صلوۃ الکسوف میں لوگوں کا بہت بڑا مجمع تھا، اس میں بچے اور عورتیں بھی تھیں اور حضور نے قیام و قرات اور رکوع و سجود بہت زیادہ طویل فرمائے اور جب حضور ﷺ رکوع میں تشریف لے گئے تو اس میں بہت دیر لگائی، کافی دیر کے بعد کچھ لوگوں نے درمیان سے سر اٹھا کر دیکھا تو حضور کو رکوع میں دیکھ کر دوبارہ رکوع میں چلے گئے، پیچھے جو بچے اور عورتیں تھیں انھوں نے سامنے والوں کو دیکھ کر متعدد مرتبہ رکوع کر لیا اور یہی سمجھا کہ حضور نے متعدد مرتبہ رکوع فرمایا ہے۔ تو اب حقیقت واقعہ سے وہی لوگ واقف ہیں جو بالکل آگے تھے، بچے اور عورتوں کو اصل واقعہ کا علم نہ ہو سکا، اسی وجہ سے صلوۃ الکسوف کے رکوع کے سلسلہ میں اتنا بڑا اختلاف اور مختلف روایات مروی ہیں۔ حضرت نعمان بن بشیرؓ آگے کے لوگوں میں سے تھے اسلئے ان کو حضور کی نماز کا پورا حال معلوم تھا، انھوں نے حضور کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے ہر رکوع کے بعد سجدہ فرمایا ہے یعنی ایک رکعت میں ایک رکوع فرمایا ہے اور پیچھے والوں کو پورا حال معلوم نہ ہو سکا، بلکہ انہوں نے درمیان کے لوگوں کے مغالطہ کو دیکھ کر اسی کو صحیح سمجھ لیا۔ چنانچہ کسی نے دو رکوع، کسی نے تین رکوع اور کسی نے چار رکوع تک سمجھ لیا۔ لہٰذا

حضرت نعمان بن بشیرؓ کی روایت دوسروں کی روایات کے مقابلہ میں زیادہ اولیٰ اور افضل ہوگی۔ حضرت علیؓ کی روایت جو فصل ثانی میں ہے وہ اور حضرت ابن عباسؓ وحضرت عائشہؓ وغیرہ کی روایات مذکورہ مغالطہ کے تحت داخل ہوں گی اسلئے ان سے استدلال درست نہ ہوگا۔

نیز حضرت قبیصہ کی روایت میں صاف طور پر اس کا ذکر موجود ہے کہ صلوۃِ مکتوبہ کی طرح صلوۃ الکسوف پڑھی جائے لہٰذا جس طرح مکتوبہ نماز کی ہر ایک رکعت میں ایک رکوع ہوا کرتا ہے اسی طرح صلوۃ الکسوف کی ہر رکعت میں ایک ہی رکوع ہوسکتا ہے۔

ابن شہاب زہریؒ نے حضرت عروہ بن زبیرؓ سے سوال کیا کہ آپ کے بھائی عبداللہ بن زبیرؓ نے مدینہ منورہ میں صلوۃ الکسوف پڑھائی ہے اور صرف نماز فجر کی طرح دو رکعت پڑھائی ہے اس پر کوئی اضافہ نہیں کیا؟ تو حضرت عروہؓ نے جواب دیا کہ ان سے سنت کی ادائیگی میں خطا واقع ہوگئی ہے تو حضرت عروہ رض کا حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے فعل کو خلافِ سنت قرار دینا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ صلوۃ الکسوف صلوۃ الفجر کی طرح نہیں ہے بلکہ اس کی کیفیت رکوع وغیرہ کے اضافہ کے ساتھ نماز فجر سے الگ ہے۔

جواب یہ ہے کہ عبداللہ بن زبیرؓ نے بہت سے صحابہ کی موجودگی میں نماز فجر کی طرح ایک رکوع کے ساتھ صلوۃ الکسوف ادا فرمائی اور ان پر کسی نے نکیر نہیں فرمائی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن زبیرؓ کے عمل پر تمام صحابہ کا اجماع ہے اور اس اجماع کے مقابلہ میں حضرت عروہ بن زبیر کا تخطیہ کرنا کوئی اثر نہیں رکھ سکتا، اسلئے حضرت عروہ کے قول سے اشکال درست نہیں ہوسکتا۔

پس ان دلائل سے ثابت ہوا کہ صلوۃ الکسوف دو رکعت ہوتی ہے اور تعددِ رکوع کی کوئی اصل نہیں۔ نیز صلوۃ الکسوف میں اختیار ہے، چاہے خوب طویل کرے، چاہے مختصر کرے اور سورج روشن ہونے تک دعا میں مشغول ہوجائے، یہی ہمارے علماءِ ثلثہ کا قول ہے۔

**۳ نظرِ طحاوی کی وضاحت:۔** نظر طحاوی وعقلی دلیل یہ ہے کہ جب تعددِ رکوع کے سلسلہ میں روایات مختلف ہیں کہ بعض سے تعدد کا ثبوت ہوتا ہے اور بعض میں تعدد کی نفی ہے تو ہم نے غور وفکر کرکے دیکھا کہ کس کیلئے نظیر ملتی ہے تو تمام فرض ونفل نمازوں کا مشاہدہ کر کے دیکھا کہ کوئی نماز ایسی نہیں ملتی جس میں ایک رکعت میں متعدد رکوع ہوں بلکہ ہر رکعت میں ایک ہی رکوع ہوتا ہے۔ لہٰذا جن روایات میں صرف ایک رکوع کا ذکر ہے ان کو ترجیح حاصل ہوگی اور جس طرح ہر فرض ونفل نماز کی ہر رکعت میں ایک ہی رکوع ہوا کرتا ہے اسی طرح صلوۃ الکسوف کی بھی ہر رکعت میں رکوع ایک ہی ہوا کرے گا۔ (ایضاح الطحاوی ۲:۳۰۱)

**﴿بسم اللہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ﴾**

مکتبہ زکریا
ملتان ◉ پاکستان
0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

تنظیم المدارس، کنزالمدارس، نظام المدارس، وفاق المدارس العربیہ اور دیگر بورڈز
کی کتابیں، داخلہ جات، امتحانی مسائل کے حل، گزشتہ پیپرز، اور دیگر اپڈیٹس حاصل
کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ وزٹ کریں۔

www.ahlesunnatboardspak.com

## Follow Our Social Media Account:

1. Whatsapp Channel (https://whatsapp.com/channel/0029VaFmkdD0VycHbvDRY70I)
2. Youtube (https://youtube.com/@ahlesunnatboards)
3. Tiktok (https://www.tiktok.com/@ahlesunnatboardspak)
4. Facebook Page (https://www.facebook.com/ahlesunnatboardspak)

# الورقة الخامسة : ترمذی (ج ۲)

﴿الورقة الخامسة : ترمذی (ج ۲)﴾

## ﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۲۸ھ

**الشق الاوّل** ...... عن انس ان انا سا من عرینة قد موا المد ینة فا جتو وھا فبعثھم رسول اللہ ﷺ فی ابل الصد قة وقال اشربوا من البانھا وابوالھا......

ترجمی ھذا الحدیث وبیّنی معنی اجتووھا ثم اکتبی حکم ابوال الانسان والحیوان طھارة ونجاسة۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل تین امور ہیں ① حدیث کا ترجمہ ② لفظ اجتوواھا کا معنی ③ انسان اور حیوان کے ابوال کا حکم۔

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ عرینہ کے کچھ لوگ مدینہ آئے اور وہاں کی آب وہوا کوانھوں نے موافق نہ پایا تو آپ ﷺ نے انہیں صدقہ کے اونٹوں کے پاس جانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ان کا دودھ اور پیشاب پیئو۔

② اجتوواھا کا معنی:۔ اجتوواھا ای اصابتھم الجوا (ان کو جو بیماری نے آ پکڑا) اور جو اپیٹ کی بیماری ہے تو اجتوواھا کا حاصل معنی یہ ہے کہ انہوں نے مدینہ کے موسم، آب وہوا اور پانی وغیرہ کو اپنے موافق نہ پایا ان کے پیٹ اور اندرونی نظام خراب ہوگیا۔

③ انسان اور حیوان کے ابوال کا حکم:۔ انسان اور غیر ماکول اللحم جانوروں کا بول وبراز ائمہ اربعہؒ کے نزدیک بالاتفاق نجس وناپاک ہے۔ ماکول اللحم جانوروں کے بول میں اختلاف ہے: امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کا مذہب اور امام احمدؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ انکا بول وبراز بھی ناپاک ہے۔ دلیل "استنزھوا عن البول" والی حدیث ہے۔

امام مالکؒ وامام احمدؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ماکول اللحم جانوروں کا بول پاک ہے اور دلیل یہی حدیث الباب ہے۔

جواب یہ ہے کہ یہ بوقتِ ضرورت علاج پر محمول ہے۔ نیز "استنزھوا عن البول" والی حدیث کے ذریعہ یہ حدیث منسوخ ہے کیونکہ واقعہ عرنیین چھ ہجری میں پیش آیا اور ہماری دلیل کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سات ہجری میں اسلام لائے۔

**الشق الثانی** بَاب مَاجَاءَ فِیْ کَرَاھِیَةِ اَنْ یُنْبَذَ فِیْ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالنَّقِیْرِ، عَنْ عَمْرِوبْنِ مُرَّةَ قَالَ سَمِعْتُ زَاذَانَ یَقُوْلُ سَاَلْتُ اِبْنَ عُمَرَ عَمَّا نَھٰی عَنْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الْاَوْعِیَةِ وَاَخْبِرْنَاهُ بِلُغَتِکُمْ وَفَسِّرْهُ لَنَا بِلُغَتِنَا قَالَ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْحَنْتَمَةِ وَنَھٰی عَنِ الدُّبَّاءِ وَنَھٰی عَنِ النَّقِیْرِ وَنَھٰی عَنِ الْمُزَفَّتِ وَاَمَرَ اَنْ یُنْبَذَ فِیْ الْاَسْقِیَةِ۔

شکلی العبارة ثم ترجمیھا۔ مامعنی الدباء والحنتمة والنقیر والمزفت؟ ھل یجوز الانتباذ فی ھذا الظروف ام لا؟ ان کان جائزا فماجواب ھذا الحدیث؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل چار امور ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) مذکورہ الفاظ کے معانی (۴) مذکورہ حدیث کا جواب۔

**جواب** ...... ① عبارت پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

② عبارت کا ترجمہ:۔ زاذ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ان برتنوں کے بارے میں پوچھا جن سے آپ ﷺ نے منع فرمایا تھا اور عرض کیا کہ بیان کیجئے ان کو اپنی زبان میں اور ان کی تعبیر کیجئے، انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ نے منع فرمایا حنتم سے اور روکا دُبا سے اور روکا نقیر سے اور روکا مزفت سے اور حکم دیا کہ نبیذ مشکیزوں میں بنائی جائے۔

③ مذکورہ الفاظ کے معانی:۔ الدبّاء: خشک کدو جس کے گودے کو نکال کر پیالہ بنایا جائے۔ حنتم: مٹی کا گھڑا۔
نقیر: کھجور کی جڑ کو کھود کر بنایا جانے والا برتن۔ مزفت: مٹی کا ایسا برتن جس پر تارکول لگا ہوا ہو۔

یہ چاروں برتن زمانۂ جاہلیت میں شراب بنانے کے لئے استعمال ہوتے تھے۔ اس لئے آپ ﷺ نے مومنین کے دل ودماغ

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

میں شراب کی نفرت بٹھانے کے لئے شراب کے برتن کو بھی استعمال کرنے سے منع فرمایا تھا۔

④ مذکورہ حدیث کا جواب:۔ اس وقت مذکورہ برتنوں کو استعمال کرنا صحیح و جائز ہے۔

سوال ہوتا ہے کہ اس حدیث میں تو مذکورہ برتنوں کے استعمال کی ممانعت ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ ابتداء جس وقت شراب کی حرمت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے لوگوں کے دل و دماغ میں اس کی نفرت و حرمت کو راسخ و پختہ کرنے کے لئے ان برتنوں کے استعمال سے بھی منع فرما دیا تھا جن برتنوں میں شراب تیار کی جاتی ہے اس کے بعد جب شراب کی نفرت و حرمت مسلمانوں کے دل و دماغ میں راسخ ہوگئی تو پھر آپ ﷺ نے ان برتنوں کے استعمال کی اجازت دے دی۔

الغرض یہ حدیث اس وقت کی ہے جب شراب کی حرمت کے ابتدائی احکام نازل ہوئے تھے جو بعد والی احادیث سے منسوخ ہے۔

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۲۸ھ

**الشق الاوّل** ...... عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَعِدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْمِنْبَرَ فَنَادٰى بِصَوْتٍ رَفِيْعٍ قَالَ يَامَعْشَرَ مَنْ قَدْ اَسْلَمَ بِلِسَانِهٖ وَلَمْ يُفْضِ الْاِيْمَانُ اِلٰى قَلْبِهٖ لَاتُؤْذُوا الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا تُعَيِّرُوْهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ فَاِنَّهٗ مَنْ تَتَبَّعَ عَوْرَةَ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ تَتَبَّعَ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ وَمَنْ تَتَبَّعَ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ يَفْضَحْهُ وَلَوْ كَانَ فِيْ جَوْفِ اَهْلِهٖ۔

**اشرحی هذا الحديث بعد ترجمة واكتبی الاعراب عليه وبينی من هو المراد بقوله يامعشر من قد اسلم بلسانه۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال کا حل چار امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کی تشریح (۳) حدیث پر اعراب (۴) **يامعشر من قد اسلم بلسانه** کی مراد۔

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ منبر پر چڑھے اور ارشاد فرمایا کہ اے لوگوں کی وہ جماعت جو صرف زبانوں سے اسلام لائی ہے اور ایمان ان کے دلوں تک نہیں پہنچا! مسلمانوں کو تکلیف نہ دو اور انہیں عار نہ دلاؤ اور ان کے عیوب مت تلاش کرو، اس لئے کہ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کے عیب تلاش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی عیب گیری کرتے ہیں اور جس شخص کی اللہ تعالیٰ عیب گیری کریں وہ ذلیل و خوار ہو جائے گا، اگرچہ وہ اپنے گھر میں ہی ہو۔

② حدیث کی تشریح:۔ اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے دوسرے بھائی کو تکلیف پہنچانے، طعنہ دینے اور اسکے عیوب تلاش کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ جو شخص کسی مسلمان بھائی کے عیوب تلاش کر کے اس کو ذلیل و رسوا کرتا ہے تو اسکے بدلہ میں اللہ تعالیٰ بھی اس شخص کی عیب گیری کرینگے اور وہ شخص جہاں مرضی چھپ جائے اللہ تعالیٰ اس کو لوگوں میں ذلیل و خوار اور رسوا کر کے چھوڑیں گے۔

③ حدیث پر اعراب:۔ **كما مرّ فی السوال آنفا۔**

④ **يامعشر من قد اسلم بلسانه** کی مراد:۔ اس سے مراد منافقین کی جماعت ہے کہ جو محض زبان سے مسلمان ہوئے ہیں ان کے دل و دماغ ایمان سے خالی اور کافر ہیں۔

**الشق الثانی** ...... عَنْ اَبِیْ رَزِيْنِ الْعُقَيْلِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَّاَرْبَعِيْنَ جُزْءً مِنَ النُّبُوَّةِ وَهِیَ عَلٰى رِجْلِ طَائِرٍ مَالَمْ يَتَحَدَّثْ بِهَا فَاِذَاتَحَدَّثَ بِهَا سَقَطَتْ قَالَ وَاَحْسِبُهٗ قَالَ وَلَا يُحَدِّثْ بِهَا اِلَّا لَبِيْبًا اَوْ حَبِيْبًا۔ **اكتبی الاعراب علی كلمات الحديث۔ اشرحی هذا الحديث شرحًا وافيا وترجميه الی الاردية واوضحی معنی قوله وهی علی رجل طائر مالم يتحدث بها۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) حدیث کی تشریح (۴) **وهی علی رجل طائر الخ** کا مطلب۔

**جواب** ...... ① حدیث پر اعراب:۔ **كما مرّ فی السوال آنفا۔**

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابو رزین عقیلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہوتا ہے اور یہ کسی شخص پر (پرندہ کی مانند) ہے جب تک وہ اسے کسی کے سامنے بیان نہ کرے اور جب اس

0313 0537913 maktabazakariya...@gmail.com

نے وہ بیان کردیا تو وہ اُڑ گیا، راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اپنا خواب کسی عقلمند یا کسی دوست کے سامنے بیان کرو۔

۳ حدیث کی تشریح:۔ آپ ﷺ نے اس حدیث میں خواب کے متعلق ارشاد فرمایا کہ خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہوتا ہے یعنی کسی اچھے عمل سے قبل خواب آتے ہیں اور خواب کی مثال پرندہ کی ہے کہ وہ خواب دیکھنے والے کے سر پر بیٹھا ہوا ہے یعنی اس کی تعبیر معلق ہوتی ہے اور جب اس خواب کو بیان کردیا جائے تو اس کی تعبیر ظاہر ہوجاتی ہے اس لئے اپنا خواب کسی عقلمند اور قریبی دوست کو ہی بیان کروتا کہ وہ اچھی تعبیر بیان کرے۔

۴ وهي على رجل طائر الخ کا مطلب:۔ اس جملہ کا مطلب (تعبیر کا معلق ہونا) ابھی تشریح کے ضمن میں گزر چکا ہے۔

## السوال الثالث ۱۴۲۸ھ

**الشق الاوّل** ...... عَنِ الْبَرَّاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِسَبْعٍ وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ، أَمَرَنَا بِاتِّبَاعِ الْجَنَازَةِ وَعِيَادَةِ الْمَرِيْضِ وَتَشْمِيْتِ الْعَاطِسِ وَاِجَابَةِ الدَّاعِيْ وَنَصْرِ الْمَظْلُوْمِ وَاِبْرَارِ الْمُقْسِمِ وَ رَدِّ السَّلَامِ وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ: عَنْ خَاتَمِ الذَّهَبِ أَوْ حَلْقَةِ الذَّهَبِ وَآنِيَةِ الْفِضَّةِ وَلُبْسِ الْحَرِيْرِ وَالدِّيْبَاجِ وَالْاِسْتَبْرَقِ وَالْقَسِيِّ۔ حدیث شریف پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔ خط کشیدہ کی تشریح کرتے ہوئے حدیث شریف کا مفہوم بیان کریں۔ حریر، دیباج اور استبرق میں کیا فرق ہے؟ منکرات والی دعوت میں شرکت کرنا کیسا ہے۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں پانچ امور توجہ طلب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) حدیث کا مفہوم (۴) حریر، دیباج اور استبرق میں فرق (۵) منکرات والی دعوت میں شرکت کی تفصیل۔

**جواب** ...... ۱ حدیث پر اعراب:۔ کمامرّ فی السوال آنفا۔

۲ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حکم دیا ہمیں رسول اللہ ﷺ نے سات چیزوں کا اور روکا سات چیزوں سے: حکم دیا ہمیں جنازہ کے پیچھے جانے کا، مریض کی عیادت کا، چھینکنے والے کی چھینک کے جواب کا، دعوت دینے والے کی دعوت قبول کرنے کا، مظلوم کی مدد کرنے کا، قسم اٹھانے والے کو بری کرنے کا اور سلام کا جواب دینے کا، اور روکا ہمیں سات چیزوں سے: سونے کی انگوٹھی سے یا سونے کے حلقہ سے اور چاندی کے برتن سے حریر، دیباج، استبرق اور قسی کے کپڑوں کے پہننے سے۔

۳ حدیث کا مفہوم:۔ حدیث شریف کے ترجمہ سے مفہوم واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سات چیزوں کے کرنے کا حکم دیا اور سات چیزوں سے منع فرمایا اور دوسری حدیث میں ان اوامر کو حق المسلم سے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہ اوامر ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان کے ذمہ حقوق لازمہ میں سے ہیں۔ **تشمیت العاطس** یعنی چھینکنے والے کی چھینک کا جواب دینا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی چھینک کے جواب میں تم بھی چھینک مارو بلکہ مطلب یہ ہے کہ چھینکنے والے کو چاہیے کہ جب چھینک آئے تو "**الحمدللّٰہ**" کہے اور سننے والے کو چاہیے کہ اس کی چھینک کا جواب دے یعنی اس کے جواب میں "**یرحمك اللّٰہ**" کہے اور چھینکنے والے کو چاہیے کہ اس کے جواب میں پھر "**یهدیکم اللّٰہ ویصلح لکم بالکم**" کہے۔

"**ابرار المقسم**" قسم کھانے والے کی قسم کو پورا کرنا یعنی اگر کوئی مسلمان بھائی کسی معاملہ پر قسم اٹھائے تو مسلمان کو چاہیے کہ اس کی قسم کو پورا کرنے میں اس کے ساتھ تعاون کریں یعنی اس کے ساتھ آسانی کا معاملہ کریں، اس کے ساتھ ایسا رویہ اختیار نہ کریں کہ جس کی وجہ سے تنگ ہو کر اسے قسم میں حانث ہونا پڑے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی قسم میں حانث ہوجائے تو کفارہ ادا کرنے میں اس کا تعاون کرو۔

اس کے بعد سات چیزوں سے منع فرمایا، مرد کے لئے سونے کی انگوٹھی اور حلقہ کے استعمال سے منع فرمایا، چاندی کے برتن، جریر، دیباج، استبرق اور قسی کا کپڑا استعمال کرنے سے منع فرمایا، تیسری چیز کی ممانعت عمومی ہے اور باقی چھ چیزوں کی ممانعت صرف مردوں کے لئے ہے عورتوں کے لئے ان کا استعمال درست ہے۔ **القسی** ایک کپڑے کا نام ہے جو ریشم اور کتان سے بُنا جاتا

03453037313 maktabazakariyamultan@gmail.com مکتبہ زکریا ملتان پاکستان

تھا اور یہ بھی ریشم کی کثرت کی وجہ سے مردوں کے لئے ممنوع اور منھی عنہ ہے اور یہ قس کی طرف منسوب ہے جو مصر کے ایک علاقہ کا نام ہے یہ کپڑا ابتداءً چونکہ اسی علاقہ میں کثرت سے بنتا تھا اس وجہ سے اس کو قسی کہتے ہیں۔

④ حریر، دیباج واستبرق میں فرق:۔ پہلا قول: حریر وہ کپڑا جو نرم ریشم سے بنایا گیا ہو۔ استبرق وہ کپڑا جو سخت موٹے ریشم سے بنا ہوا ہو اور دیباج وہ کپڑا جو پتلے ریشم سے بنا ہوا ہو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ کپڑا جو ریشم اور غیر ریشم سے مخلوط ہو لیکن ریشم زیادہ ہو۔

الحاصل حریر عام ہے دیباج اور استبرق اس کی دو عمدہ نوعیں ہیں۔

⑤ منکرات والی دعوت میں شرکت کی تفصیل:۔ اگر کسی تقریب کے متعلق پہلے سے معلوم ہو کہ اس میں منکرات ومعاصی ہوں گے جیسے آج کل شادی وغیرہ کی تقریبات میں اسراف، بے حجابی، اختلاط تصویر کشی جیسے منکرات بے دھڑک ہوتے ہیں تو ایسے پروگرام کی دعوت ہی قبول نہ کی جائے اور بوقتِ دعوت ہی کسی بہانہ سے انکار کر دیا جائے۔

اگر دعوت قبول کر چکا ہے اسکے بعد منکرات ومعاصی کے ہونے کا علم ہوا تو اس میں درج ذیل تفصیل ہے: ① اگر ایسا شخص جو جا کر منکرات کو روکنے کی ہمت رکھتا ہے قوت یا وجاہت کی وجہ سے تو اسکا ایسی دعوت میں جانا لازم ہے کیونکہ اس میں دو عمل ہیں ایک دعوت قبول کرنا دوسرا نہی عن المنکر اس لئے ایسے شخص کو جانا ہی چاہیے۔ ② اگر وہاں موجود منکرات وخرافات کو ہٹانے کی قوت نہیں رکھتا تو پھر اس میں تفصیل ہے کہ یہ شخص مقتداء ہے کہ سب لوگ اس کی رہنمائی اور پیروی میں چلتے ہیں تو ایسے شخص کو نہیں جانا چاہیے تاکہ لوگ سند نہ بنالیں کہ فلاں مفتی صاحب یا فلاں عالم کی موجودگی میں ایسا ہوا تھا اس لئے مقتداء اور پیشوا کو بچنا چاہیے۔

اگر پیشوا اور رہنما نہیں عام افراد میں سے ہے تو اس کی شرکت میں کوئی حرج نہیں شریک ہو سکتا ہے اور کھانا کھا سکتا ہے ہدایہ میں ہے "**لابأس ان يقعد ويأكل اذالم يكن يقتدىٰ به فان كان ولم يقدر على منعهم فليخرج لمافيه من شين وفتح باب المعصية**" کوئی حرج نہیں کہ بیٹھے یا کھائے اگر اس کی پیروی اور اقتداء نہ کی جاتی ہو پھر اگر یہ پیشوا ہو اور منع پر قدرت نہ ہو تو جائے کیونکہ اس کی شرکت وخاموشی میں دین کی بدنامی اور معاصی کا دروازہ کھولنا ہے۔

**الشق الثانی** ...... **عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِبَعْضِ جَسَدِيْ وَقَالَ كُنْ فِي الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ وَعِدْ نَفْسَكَ فِيْ اَهْلِ الْقُبُوْرِ، فَقَالَ لِيْ ابْنُ عُمَرَ اِذَا اَصْبَحْتَ فَلَا تُحَدِّثْ نَفْسَكَ بِالْمَسَاءِ وَاِذَا اَمْسَيْتَ فَلَا تُحَدِّثْ نَفْسَكَ بِالصَّبَاحِ وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ قَبْلَ سُقْمِكَ وَمِنْ حَيَاتِكَ قَبْلَ مَوْتِكَ فَاِنَّكَ لَاتَدْرِيْ يَا عَبْدَاللّٰهِ مَااسْمُكَ غَدًا ۔ اشرحى الحديث بعد الترجمة واكتبى ماذا اخذت من هذا الحديث من العبرة واوضحى المراد من الجملة المخطوطة اكتبى الاعراب على كلمات الحديث۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال میں پانچ امور حل طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کی تشریح (۳) حدیث سے مستنبط سبق آموز باتیں (۴) حدیث پر اعراب (۵) **ياعبدالله مااسمك غدًا** کا مطلب۔

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے بدن کا حصہ پکڑا اور ارشاد فرمایا کہ (اے ابن عمر!) دنیا میں اس طرح رہو گویا کہ تم مسافر یا راہگیر ہو اور خود کو قبر والوں میں شمار کیا کرو، راوی حدیث کہتے ہیں کہ پھر مجھ سے ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اگر صبح ہو جائے تو شام کا بھروسہ وانتظار نہ کرو اور اگر شام ہو جائے تو صبح کا انتظار نہ کرو اور غنیمت سمجھو اپنی صحت کو بیماری سے پہلے اور اپنی زندگی کو موت سے پہلے، اسلئے کہ اے عبد اللہ! تمہیں نہیں معلوم کہ کل تمہارا نام کیا ہوگا۔

② حدیث کی تشریح:۔ اس حدیث میں آپ ﷺ نے سادگی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی تعلیم دی ہے کہ اے ابن عمرؓ! دنیا کی زندگی چند روزہ ہے اس میں راہگیر اور مسافر کی طرح زندگی بسر کرو یعنی سفر بہر صورت خوشی وغمی سے ہر طرح سے گزر ہی جائے گا اسکی پرواہ نہ کرو بلکہ منزل یعنی آخرت کی فکر کرو اور خود کو اہلِ قبر سے شمار کرو یعنی موت کا آنا یقینی ہے وہ آکر ہی رہے گی، اس لئے اسکے بعد کی فکر کرو، پھر اس کے بعد حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے مجاہد رضی اللہ عنہ! موت کسی بھی وقت آسکتی ہے اسلئے ہر گھڑی کو اپنی آخری گھڑی ہی سمجھو، صبح ہو جائے تو شام کا انتظار نہ کرو اور شام ہو جائے تو صبح کا انتظار نہ کرو اور اپنی صحت کو بیماری سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے غنیمت سمجھو، صحت میں عمل

کرلو، کیا بھروسہ کہ کس وقت بیماری آجائے اور سب کچھ یہیں کا یہیں رہ جائے، اسلئے جو اچھا عمل کرنا ہے ابھی کرلو، اسلئے کہ کچھ معلوم نہیں کہ کل تمہارا کیا نام ہو یعنی آج تو تم زندہ ہو، نامعلوم کل تمہیں زندہ کے نام سے پکارا جائے گا یا مردہ کے نام سے، آج تو تم صدر اور وزیر ہو، کل میت ہوگے، آج تو تم ایم این اے اور ایم پی اے ہو کل مردہ کے نام سے پکارے جاؤ گے، آج تم شاہی خاندان کے فرد ہو کل پتہ چلے گا کہ انتقال کرگئے ہو، اسلئے جو کچھ کرنا ہے آج اور ابھی کرلو اور اس وقت کو غنیمت سمجھو، آج فرصت ہے مگر کل مہلت نہیں ملے گی۔

③ حدیث سے مستنبط سبق آموز باتیں:۔ ① وقت کسی کی جاگیر نہیں ہے، صبح کو شام کا اور شام کو صبح کا انتظار نہ کرو، جو عمل کرنا ہے آج اور ابھی کرلو۔ ② اس فانی و چندروزہ زندگی میں شاہانہ نہیں بلکہ مسافرانہ زندگی بسر کرو اور مسافر کی طرح منزل یعنی آخرت کی فکر کرو۔ ③ بیماری سے پہلے صحت کو اور موت سے پہلے زندگی کو غنیمت سمجھو اور اچھے اعمال کرو، تندرستی ہزار نعمت ہے۔

④ حدیث پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

⑤ یاعبداللّٰہ مااسمك غدًا کا مطلب:۔ اس جملہ کا مطلب حدیث کی تشریح کے ضمن میں گزر چکا ہے۔

## الورقة الخامسة : ترمذی (ج ۲)

## السوال الاوّل ۱۴۲۹ھ

**الشق الاوّل** ...... بَابُ الْمُؤْمِنِ يَأْكُلُ فِیْ مِعیً وَاحِدٍ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اَلْكَافِرُ يَأْكُلُ فِیْ سَبْعَةِ اَمْعَاءٍ وَالْمُؤْمِنُ يَأْكُلُ فِیْ مِعیً وَاحِدٍ هٰذَا الْحَدِيْثُ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم ضَافَهٗ ضَيْفٌ كَافِرٌ فَاَمَرَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِشَاةٍ فَحُلِبَتْ فَشَرِبَ ثُمَّ اُخْرٰى فَشَرِبَهٗ ثُمَّ اُخْرٰى فَشَرِبَهٗ حَتّٰى شَرِبَ حِلَابَ سَبْعِ شِيَاهٍ ثُمَّ اَصْبَحَ مِنَ الْغَدِ فَاَسْلَمَ فَاَمَرَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِشَاةٍ فَحُلِبَتْ فَشَرِبَ حِلَابَهَا ثُمَّ اَمَرَ لَهٗ بِاُخْرٰى فَلَمْ يَسْتَتِمَّهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلْمُؤْمِنُ يَشْرَبُ فِیْ مِعًى وَاحِدٍ وَالْكَافِرُ يَشْرَبُ فِیْ سَبْعَةِ اَمْعَاءٍ۔ (ابواب الاطعمة۔ باب ما جاء ان المؤمن يأكل فی معًی واحد)

احادیث پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔ پہلی حدیث کی تشریح کریں۔ امام ترمذی کی اصطلاح حسن صحیح کی وضاحت کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں (۱) احادیث پر اعراب (۲) احادیث کا ترجمہ (۳) پہلی حدیث کی تشریح (۴) حسن صحیح کی اصطلاح کی وضاحت۔

**جواب** ...... ① عبارت پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

② عبارت کا ترجمہ:۔ باب ہے اس بات کے بیان میں کہ بے شک مؤمن ایک آنت میں کھاتا ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے اور مؤمن ایک آنت میں کھاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک کافر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں مہمان بن کر آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کیلئے ایک بکری کا دودھ نکالنے کا حکم دیا اس نے وہ دودھ پی لیا پھر دوسری کا دودھ نکالنے کا حکم دیا پس دودھ نکالا گیا اور وہ پی گیا پھر ایک بکری کا دودھ نکالا گیا وہ اسے بھی پی گیا یہاں تک کہ اس نے سات بکریوں کا دودھ پی لیا، دوسرے روز وہ اسلام لے آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کیلئے دودھ دوہنے کا حکم دیا اس نے اس بکری کا دودھ پی لیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بکری کا دودھ نکالنے کا حکم دیا لیکن وہ اسے پورا نہ پی سکا۔ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مؤمن ایک آنت میں پیتا ہے اور کافر سات آنتوں میں۔

0313 6357013 maktabazakariyamultan@gmail.com

③ پہلی حدیث کی تشریح:۔ اس حدیث کی تشریح میں حضرات علماء کرام کے متعدد اقوال ہیں:

① اس حدیث سے حقیقتاً کھانا مراد نہیں ہے۔ بلکہ دنیا و اسکی لذتوں کی قلت و کثرت مراد ہے، گویا دنیا کو اکل اور اسکے اسباب کو امعاء سے تعبیر کیا ہے مقصد یہ ہے کہ مؤمن کو دنیاوی لذتوں کا زیادہ شوق نہیں ہوتا، جبکہ کافر عیش پرست و لذت پرست ہوتا ہے۔

② مؤمن رزقِ حلال کھاتا ہے جو نسبتاً کم ہوتا ہے اور کافر حرام مال کھاتا ہے جس کے ذرائع بکثرت ہوتے ہیں، قلتِ حلال و کثرتِ حرام کو ایک آنت و سات آنت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ③ مؤمن کے کھانے میں برکت اور کافر کے کھانے میں بے برکتی

کو بیان کرنا ہے کہ مؤمن اللہ کا نام لے کر کھاتا ہے تو برکت ہوتی ہے شیطان اس کے ساتھ شریک نہیں ہوتا اور کم کھانا اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے، جبکہ کافر اللہ کا نام لئے بغیر کھاتا ہے تو شیطان کی شرکت کی وجہ سے کم کھانا اس کے لئے کفایت نہیں کرتا۔

④ اس حدیث میں مؤمن کی عمومی و غالب حالت کا ذکر ہے، اور "**سبعة**" سے عددِ مخصوص مراد نہیں ہے بلکہ مبالغہ فی التکثیر کے لئے ہے، مطلب یہ ہے کہ مؤمن کی شان اور عمومی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ کھانے پینے میں زیادہ دلچسپی نہیں لیتا اور کم کھاتا ہے، زیادہ کھانا اور مستقل اسی فکر میں لگے رہنا کفار کی صفت ہے۔ ⑤ علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ شہواتِ طعام سات ہیں، شہوت طبع، شہوت نفس، شہوت عین، شہوت انف، شہوت اُذن، شہوت فم، شہوت جوع، یہ شہوتِ جوع ضروری خواہش ہے اس کے بغیر زندہ رہنا مشکل ہے اس لئے مؤمن صرف اسی خواہش کے پورا کرنے کے لئے کھاتا ہے جبکہ کافر ساری خواہشات پوری کرتا ہے۔ (کشف الباری کتاب الاطعمہ)

یہاں سات کا ذکر بیانِ عدد کیلئے نہیں بلکہ کثرت و زیادتی کو بیان کرنا مقصود ہے۔

④ حسن صحیح کی اصطلاح کی وضاحت:۔ امام ترمذیؒ کسی حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں **حسنٌ صحیحٌ** تو امام ترمذیؒ پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے ایک ہی حدیث حسن بھی اور صحیح بھی ہو حالانکہ ان دونوں کی تعریفات الگ الگ ہیں، اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس عبارت **حسنٌ صحیحٌ** میں مختلف توجیہات کی گئی ہیں۔ ① **حسنٌ صحیحٌ** کے درمیان میں حرف عطف واؤ محذوف ہے، تو عبارت یوں ہوگی **حسنٌ وصحیحٌ** یعنی یہ حدیث متعدد طرق سے منقول ہے، بعض طرق کے اعتبار سے حسن ہے اور بعض طرق کے اعتبار سے صحیح ہے۔ ② **حسنٌ صحیحٌ** یہ ایک درمیانہ درجہ ہے جو حسنِ محض اور صحیحِ محض کے درمیان ہے یعنی جو حدیث نہ حسنِ محض ہو اور نہ صحیحِ محض ہو اس کے بارے میں امام ترمذیؒ فرماتے ہیں **حسنٌ صحیحٌ**۔

**الشق الثانی** ...... **عن عبداللہ عن النبی ﷺ قال: من رآنی فی المنام فقد رآنی فان الشیطان لایتمثل بی.**

حدیث کی تشریح علماء کے اقوال کی روشنی میں کریں، حالت خواب میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد شرعی حجت ہے یا نہیں؟ تفصیل کے ساتھ لکھیں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال کا حل دو امور ہیں (۱) حدیث کی تشریح (۲) حالتِ خواب میں ارشادِ نبوی ﷺ کی حجیت۔

**جواب** ...... ① حدیث کی تشریح:۔ اس حدیث میں آپ ﷺ نے خواب میں اپنی زیارت کے متعلق وضاحت فرمائی ہے کہ اگر کسی شخص نے خواب میں مجھے دیکھا تو وہ عنقریب مجھے دیکھ لے گا، اس کے دو مطلب ہیں: ① آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے ساتھ خاص ہے اگر کسی نے خواب میں مجھے دیکھا ہے تو عنقریب اللہ تعالیٰ اسے ہجرت کی توفیق عطا فرمائیں گے اور وہ خواب کی طرح بیداری میں بھی میری زیارت کا شرف پائے گا۔ ② یہ آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ مطلق ہے کہ جس نے بھی خواب میں مجھے دیکھا وہ عنقریب روزِ قیامت مجھے دیکھ لے گا، اس سے حسنِ خاتمہ اور آپ ﷺ کی شفاعت کی طرف اشارہ ہے کہ اسے روزِ محشر آپ ﷺ کی زیارت ہوگی اور اس کا خاتمہ بھی ایمان پر ہوگا۔

راوی فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے یا تو یہی ارشاد فرمایا اور یا پھر یہ ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے خواب میں مجھے دیکھا ہے تو اس نے مجھے ہی دیکھا ہے کسی اور کو نہیں دیکھا، کیونکہ شیطان کو میری شکل و صورت میں آنے کا اختیار نہیں ہے وہ میری شکل میں نہیں آسکتا۔

اکثر علماء کی یہی رائے ہے کہ اگر کسی نے خواب میں آپ ﷺ کے معہود اور شمائل میں مذکور حلیہ اور صورت کے مطابق دیکھا تو اس نے آپ ﷺ کو ہی یقیناً بلاشبہ دیکھا ہے۔ اور اگر کسی نے شمائل میں مذکور حلیہ کے بغیر دیکھا تو پھر بھی بعض اہلِ علم نے یہی کہا ہے کہ اس نے آپ ﷺ کو ہی دیکھا ہے کیونکہ شیطان کو اس پر کوئی تصرف و اختیار حاصل نہیں ہے۔

② حالتِ خواب میں ارشادِ نبوی ﷺ کی حجیت:۔ اگر کسی شخص نے خواب میں آپ ﷺ کو دیکھا اور آپ ﷺ نے اسے کوئی حکم دیا تو علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ خواب حجتِ شرعی اور مثبتِ حکم نہیں ہے البتہ اگر وہ ایسا حکم ہے جو شریعت کے کسی ضابطہ اور حکم کے منافی نہیں ہے تو پھر بھی وہ حجتِ شرعی نہیں ہے، البتہ محبت اور ادب کی وجہ سے اس پر عمل کرنا مستحسن ہے۔

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۲۹ھ

**الشق الاوّل** ...... عَنْ أَبِی سَعِیْدٍ قَالَ بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فِیْ سَرِیَّۃٍ فَنَزَلْنَا بِقَوْمٍ فَسَأَلْنَاھُمُ الْقِرٰی

**فَلَمْ يَقْرُوْنَا فَلُدِغَ سَيِّدُهُمْ فَأَتَوْنَا، فَقَالُوْا هَلْ فِيْكُمْ مَنْ يَرْقِىْ مِنَ الْعَقْرَبِ؟ قُلْتُ: نَعَمْ أَنَا، وَلٰكِنْ لَاأَرْقِيْهِ حَتّٰى تُعْطُوْنَا غَنَمًا، قَالُوْا فَإنَّا نُعْطِيْكُمْ ثَلَاثِيْنَ شَاةً، فَقَبِلْنَا فَقَرَأْتُ عَلَيْهِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سَبْعَ مَرَّاتٍ فَبَرَأَ، وَقَبَضْنَا الْغَنَمَ، قَالَ: فَعَرَضَ فِىْ أَنْفُسِنَا مِنْهَا شَيْئٌ، فَقُلْنَا لَا تَعْجَلُوْا حَتّٰى تَأْتُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَيْهِ ذَكَرْتُ لَهُ الَّذِىْ صَنَعْتُ قَالَ وَمَا عَلِمْتَ اَنَّهَا رُقْيَةٌ اِقْبَضُوْاالْغَنَمَ وَاضْرِبُوْا لِىْ مَعَكُمْ بِسَهْمٍ۔**

حدیث شریف پر اعراب لگائیے اور سلیس ترجمہ کیجئے۔ دم کرنے اور تعویذات لکھنے کا کیا حکم ہے؟ آیا اس حدیث سے تعویذ گنڈوں پر استدلال ہوسکتا ہے؟ اجرت علی الطاعات کا مسئلہ اختلاف ائمہ اور ان کے دلائل کے ساتھ تحریر کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال میں پانچ امور مطلوب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) دم اور تعویذات کا حکم (۴) مذکورہ حدیث سے تعویذ گنڈوں پر استدلال (۵) اجرت علی الطاعات میں اختلاف ائمہ مع الدلائل۔

**جواب** ...... ❶ حدیث پر اعراب:۔ **کما مرّفی السوال آنفا۔**

❷ **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ہم کو ایک سریہ کے ساتھ روانہ فرمایا ہم نے ایک ایسی قوم کے ہاں پڑاؤ ڈالا کہ ہم نے اس قوم سے ضیافت کے بارے میں کہا مگر انہوں نے ہماری ضیافت نہ کی پس ڈس لیا ان کے سردار کو کسی زہریلی چیز نے وہ ہمارے پاس آئے اور کہنے لگے تم میں کوئی ایسا شخص ہے جو بچھو کے کاٹے کو جھاڑ دے؟ میں نے کہا ہاں، مگر میں اس وقت تک نہیں جھاڑوں گا جب تک تم بکریاں ہمیں نہیں دو گے انہوں نے کہا کہ ہم تم کو تیس بکریاں دیں گے، پس ہم نے قبول کر لیا، میں نے اس ڈسے ہوئے پر سات دفعہ سورۃ الحمد پڑھی وہ صحیح ہوگیا ہم نے بکریاں اپنے قبضے میں لیں پھر ہمارے دلوں میں شبہ ہوگیا اور ہم نے کہا جلدی نہ کرو جب تک کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس نہ پہنچ جاؤ جب ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے میں نے اپنے عمل کا ذکر کیا جو میں نے کیا تھا آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم کو معلوم نہیں ہے یہ رقیہ ہے بکریاں لے لو اور میرے لئے تم اپنے ساتھ حصہ مقرر کرو۔

❸ **دم اور تعویذات کا حکم:۔** تعویذات کے استعمال اور اس کی اباحت وصحت اور قباحت کا تعلق اعتقاد اور توکل پر ہے، اگر آدمی تعویذ، دواء اور دم درود وغیرہ میں مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ کو سمجھے کہ شفاء من جانب اللہ ہوتی ہے اور دم، درود، دواء اور تعویذ وغیرہ کو سبب سمجھے تو پھر ان کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور اگر انہی اشیاء کو مؤثر حقیقی سمجھا جائے تو پھر ان کا استعمال ممنوع ہے۔

تعویذ پر اجرت لینا جائز ہے احادیث میں اس کا ثبوت بھی ہے کہ اسی حدیث الباب میں سے بھی اس کا ثبوت ہے مگر مستقل طور پر لوگوں کو ٹھگنے کے لئے یہ کاروبار بنا لینا درست نہیں ہے **(واللہ اعلم)**۔

❹ **مذکورہ حدیث سے تعویذ گنڈوں پر استدلال:۔** مذکورہ استدلال درست ہے باقی تعویذ گنڈوں سے مقصود خدمتِ خلق اور تعلیماتِ قرآنی کا پرچار ہونا چاہیے، مال بٹورنا مشن ومقصد نہیں ہونا چاہیے۔

❺ **اجرت علی الطاعات میں اختلاف ائمہ مع الدلائل:۔** اجرت علی الطاعات کے بارے میں روایات مختلف ہیں اسی وجہ سے ائمہ کا اختلاف ہے: ائمہ ثلاثہ ومتأخرین احناف اجرت علی الطاعۃ کو جائز قرار دیتے ہیں جبکہ متقدمین احناف ناجائز قرار دیتے ہیں۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل حدیثِ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ حدیث الباب ہے اسی طرح ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ انکو اذان کی اجرت دی گئی۔

(**نوٹ**) متأخرین احناف ضرورت کی بناء پر اجرت علی الطاعت کو جائز قرار دیتے ہیں۔

تعلیمِ قرآن کا معاوضہ لینا جائز نہیں ہے البتہ گزر اوقات کیلئے بقدرِ ضرورت احسن طریقہ سے اپنے وقت کی اجرت لینا جائز ہے اور اسے تعلیمِ قرآن کا معاوضہ اور اجرت نہیں سمجھا جائیگا بلکہ معلم کا جو وقت اس تعلیم وتعلم میں صرف ہو رہا ہے اسکا معاوضہ سمجھا جائیگا۔

**الشق الثانی** ...... **عن عبداللہ بن ابی بکر قال سمعت انس بن مالك يقول: قال رسول اللہ ﷺ يتبع الميت ثلاث فيرجع اثنان ويبقى واحديتبعه اهله وماله وعمله فيرجع اهله وماله ويبقى عمله۔**

**ترجمی الحديث الشريف۔ هل يجوز ايصال ثواب اعمال الأحياء الى الأموات؟ قدورد فى حديث "اذامات ابن ادم انقطع عمله الامن ثلث" ماهى تلك الأمور الثلث؟**

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) مردہ کے لئے ایصالِ ثواب کا حکم (۳) وہ اعمال جن کا ثواب موت کے بعد جاری رہتا ہے۔

**جواب** ...... ① **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا پیچھے جاتی ہیں میت کے تین چیزیں، دولوٹ آتی ہیں اور ایک باقی رہتی ہے پیچھے جاتے ہیں اسکے گھر والے اسکا مال اور اسکا عمل، اسکا مال اور اسکے گھر والے لوٹ آتے ہیں اور باقی رہتا ہے اسکا عمل۔

② **مردہ کے لئے ایصالِ ثواب کا حکم:۔** مردہ کے اس دنیا سے جانے کے بعد زندہ لوگ اپنے کسی عمل کا ثواب مردہ کو پہنچائیں تو مردہ کو اس کا ثواب وفائدہ پہنچتا ہے یا نہیں۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ مالی عبادات مثلاً صدقہ وغیرہ کا ثواب اور فائدہ بالاتفاق مردہ کو پہنچتا ہے البتہ بدنی عبادات یعنی نماز، روزہ وغیرہ کا ثواب پہنچنے میں اختلاف ہے، حضرات احناف کے نزدیک بدنی عبادات واعمال کا ثواب بھی مردہ کو پہنچتا ہے جبکہ حضرات شوافع کہتے ہیں کہ بدنی عبادات کا ثواب مردہ کو نہیں پہنچتا، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ مالی عبادات کا ہی ایصال ثواب کیا جائے جن کا ثواب پہنچنا یقینی اور اتفاقی ہے۔

③ **وہ اعمال جن کا ثواب موت کے بعد جاری رہتا ہے:۔** جس وقت انسان اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو اس کے اعمال کے ختم ہونے کی وجہ سے اسکے نامہ اعمال میں نیکیوں اور ثواب کا سلسلہ بھی ختم ہو جاتا ہے، مگر کچھ اعمال انسان کے ایسے ہوتے ہیں کہ انکے ثواب کا سلسلہ موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے اور برابر اسکو ثواب پہنچتا رہتا ہے اور مرنے والا اس سے منتفع ہوتا رہتا ہے۔

پہلی چیز صدقۂ جاریہ ہے یعنی آدمی نے کوئی مسجد یا مدرسہ کے لئے زمین وقف کر دی یا عمارت تعمیر کرا دی یا تالاب و کنواں بنوا دیا یا مسافروں کے لئے سائبان اور بیٹھنے کی جگہ کا انتظام کیا یا کوئی بھی چیز مخلوق خدا کے فائدہ کے لئے چھوڑ گیا تو جب تک لوگ ان اشیاء سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے میت کو برابر اس کا ثواب ملتا رہے گا۔ دوسری چیز علم نافع ہے یعنی میت اپنی زندگی میں لوگوں کو اپنے علم سے فائدہ پہنچاتا رہا یا اپنے علوم ومعارف کسی کتاب میں محفوظ کر گیا یا اپنے علم کا کوئی صحیح وارث وجانشین بنا گیا تو جب تک لوگ ان اشیاء سے فائدہ حاصل کرتے ہیں یا کرتے رہیں گے اس وقت تک برابر یہ اشیاء اس کے لئے سرمایۂ آخرت ہوں گی۔

تیسری چیز نیک اولاد ہے کہ نیک اولاد والدین کیلئے وسیلۂ نجات اور ذریعۂ فلاح ہے کہ نیک اولاد والدین کی قبر پر فاتحہ پڑھے گی، دعائے مغفرت کریگی، قرآن کریم پڑھ کر بخشے گی صدقہ وخیرات کریگی تو یہ تمام چیزیں میت کے ثواب میں اضافہ کا باعث ہونگی۔

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۲۹ھ

**الشق الاوّل** ...... **بَابُ مَاجَاءَ كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْمِلَّةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَ انِهٖ اَوْيُنَصِّرَ انِهٖ اَوْيُشَرِّكَانِهٖ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَمَنْ هَلَكَ قَبْلَ ذٰلِكَ قَالَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْاعَامِلِيْنَ بِهٖ.** **شكلى العبارة. مامعنى الفطرة والملة؟ اشرحى الحديث بحيث يتضح المراد. ماهو حكم اولاد الكفار والمشركين؟**

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں چار امور حل طلب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) فطرت کا معنی (۳) حدیث کی تشریح (۴) اطفال المشرکین کا حکم۔

**جواب** ...... ① **حدیث پر اعراب:۔** كما مرّ فى السوال آنفا۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

② **فطرت کا معنی:۔** ① علامہ مازریؒ کہتے ہیں کہ فطرت عہد الست کا نام ہے، جو اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی ارواح سے لیا۔ ② فطرت سلیمہ اور طبعی سلامتی کا نام فطرت ہے۔ ③ فطرت ملۃ اسلام اور دین کا نام ہے۔ **الفطرة هى الدين** ④ **معرفة الانسان بربه** انسان کا اپنے رب کو پہچاننا فطرت ہے۔ ⑤ فطرت اس استعداد کا نام ہے جس سے حق اور باطل کے مابین تمیز اور صحیح فیصلہ کیا جا سکے۔ ⑥ قبول حق کی استعداد کا نام فطرت ہے اور یہی راجح ہے کیونکہ اگر اس سے مراد اسلام وملت لیں تو آیت میں ہے **لاتبديل لخلق الله** تو پھر یہودیت، نصرانیت، مجوسیت وضلالت کی طرف تبدیلی کیسے؟

③ حدیث کی تشریح:۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ فطری طور پر ہر بچہ مسلمان کے گھر پیدا ہو یا کافر کے گھر وہ فطرت سلیمہ پر ہوتا ہے اگر اثرات وترغیبات اور تعلیمات اس پر اثرانداز نہ ہوں تو وہ وحدانیت اور حقانیت اسلام پر رہے یہ تبدیلی بیرونی اثرات کی وجہ سے ہے کہ ہوش سنبھالتے ہی اس کو جو سوسائٹی اور معیار زندگی ملتا ہے اسی کی رو میں بہہ جاتا ہے، اسی مؤثر اور تبدیلی لانیوالے عمل کا ذکر حدیث کے اگلے جملہ میں ہے، **فابواه يهودانه اوينصرانه او يمجسانه۔**

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول جو بچے عقل وشعور کی عمر کو پہنچنے سے قبل انتقال کر گئے اُن کا کیا حکم ہے، آیا وہ جنتی ہیں یا جہنمی ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اُنکا معاملہ اور حکم اللہ کے سپرد ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی انکے انجام کو بہتر جاننے والے ہیں۔

④ اطفال المشرکین کا حکم:۔ اطفال المسلمین بالاتفاق جنتی ہیں اور اس پر دلیل یہ آیت ہے "**والذين آمنوا و اتبعتهم ذريتهم بايمان الحقنا بهم ذريتهم**" کو جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان میں ان کی اتباع کی تو ہم ان کی اولاد کو ان کے ساتھ جنت میں ملا دیں گے۔

اطفال المشرکین کے متعلق دنیوی احکام کے اعتبار سے کفار والا معاملہ ہی ہوگا یعنی تجہیز وتکفین اور تدفین میں کفار والا عمل اور سلوک کیا جائے گا۔

البتہ اخروی حکم اور انجام میں اہلِ علم کے متعدد اقوال ہیں۔ ① اطفال المشرکین بھی جنتی ہونگے، دلیل قصۂ معراج کی وہ حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک باغیچہ میں دیکھا کہ ان کے اردگرد مسلمانوں اور کافروں کے بچے تھے ② اطفال المشرکین بھی **تبعالآبائهم** جہنمی ہونگے، دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے مسلمانوں کے بچوں اور کفار کے بچوں کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے بچے جنتی ہوں گے اور کفار کے بچے جہنمی ہوں گے ③ جنت وجہنم کے درمیان برزخ واعراف میں ہونگے "**لانهم لم يعملواالحسنات ولاالسيئات**" ④ اہلِ جنت کے خادم ہوں گے ⑤ امتحان وآزمائش ہوگی، جہنم کی طرف لے جایا جائیگا اور جہنم میں داخل ہونے کا حکم ہوگا، جو جہنم میں داخل ہو جائے گا اس کے لئے گلزار ہوگی، جس نے انکار کیا وہ جہنم میں داخل کیا جائے گا۔

انکے علاوہ بھی متعدد اقوال ہیں حافظ ابن حجرؒ نے دس اقوال ذکر کئے ہیں مگر ان میں سے مشہور یہ پانچ اقوال ہیں۔

**الشق الثانی** ...... **بَابُ مَاجَاءَ فِیْ الْوَاصِلَةِ وَالْمُسْتَوْصِلَةِ وَالْوَاشِمَةِ وَالْمُسْتَوْشِمَةِ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ لَعَنَ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُسْتَوشِمَاتِ وَالْمُتَنَمِّصَاتِ مُبْتَغِيَاتٍ لِلْحُسْنِ مُغَيِّرَاتٍ خَلْقَ اللّٰہِ۔**

**ترجمي الحديث الشريف وشكليه . اشرحي معنى الواشمات والمستوشمات والمتنمصات والواصلة والمستوصلة . هل يجوزقطع الشعرلزينة المرأة؟**

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) مذکورہ الفاظ کے معانی (۴) عورت کا زینت کیلئے بال کاٹنے کا حکم۔

**جواب** ...... ① عبارت پر اعراب:۔ **کما مرّ فی السوال آنفا۔**

② عبارت کا ترجمہ:۔ ترجمہ باب ہے واصلہ مستوصلہ واشمہ مستوشمہ کے بیان میں، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے لعنت کی واشات مستوشات متنمصات پر جو حسن کو تلاش کرنیوالی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ صورت کو تبدیل کرنے والی ہیں۔

③ مذکورہ الفاظ کے معانی:۔ **واشمة:** گوندنے والی عورت، زمانۂ جاہلیت میں اور اب بھی رواج ہے کہ چہرہ کو یا کسی اور جگہ کو گوندا جاتا ہے۔

**مستوصلة:** بالوں کیساتھ دوسرے بال لگوانے والی عورت۔ **واصلة:** بالوں کیساتھ دوسرے بال لگانے والی عورت۔

**مستوشمة:** گوندوانے کا عمل کرانے والی عورت۔ **متنمصة:** بالوں کو نوچنے والی یعنی اکھیڑنے والی عورت۔

④ عورت کا زینت کیلئے بال کاٹنے کا حکم:۔ عورت کا بغیر کسی شرعی عذر کے محض زیب وزینت وخوبصورتی کے لئے بالوں کو کاٹنا اور چھوٹا کرنا حرام اور موجب لعنت ہے۔

## الورقة الخامسة : ترمذی (ج ۲)

## السوال الاوّل ۱۴۳۰ھ

**الشق الاوّل** ...... عن ابن أبی عمار قال: قلت لجابر: الضبع أصیدهی؟ قال:نعم، قلت: آکلها؟ قال: نعم ، قلت: أقاله رسول الله ؟ قال : نعم. عن خزیمة بن جزء قال: سالت رسول الله ﷺ عن اکل الضبع قال: اویاکل الضبع احد؟ وسالته عن اکل الذئب فقال: أویاکل الذئب احدفیه خیر؟

ترجمی الحدیثین۔ ماهی الضبع و اذکری مذاهب الأئمة فی حل الضبع وحرمته ۔ اذکری دلائلهم ورجحی مذهب الاحناف بالأدلة۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حاصل تین امور ہیں (۱) احادیث کا ترجمہ (۲) ضبع کی تعریف (۳) ضبع کی حلت وحرمت میں ائمہ کے مذاہب مع الدلائل۔

**جواب** ...... ① احادیث کا ترجمہ:۔ ابن ابی عمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ بجو شکار ہے یا نہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں (شکار ہے) ابن ابی عمار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے پھر عرض کیا کہ کیا میں اس کو کھالوں؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں، میں نے پھر کہا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے؟ جواب دیا ہاں (فرمایا ہے)۔

حضرت خزیمہ بن جزء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے بجو کھانے کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے جواب دیا کہ کیا بجو کو بھی کوئی کھاتا ہے؟ پھر میں نے آپ ﷺ سے بھیڑیا کھانے کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بھیڑیئے کو بھی کوئی بھلا مانس کھاتا ہے؟

② ضبع کی تعریف:۔ یہ ایک جانور ہے جس کو ہندی زبان میں بجو کہتے ہیں اور یہ جانور ایک سال مذکر اور ایک سال مؤنث رہتا ہے حالتِ ذکورت میں حاملہ ہوتا ہے اور حالتِ انوثت میں بچہ جنتا ہے اور یہ قبروں سے مردے نکال کر کھاتا ہے۔

③ ضبع کی حلت وحرمت میں ائمہ کے مذاہب مع الدلائل:۔ امام شافعیؒ، احمد بن حنبلؒ، اسحاق بن راہویہؒ اور ابو ثورؒ یہ حضرات بجو کے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے یعنی اس کے کھانے کو مباح قرار دیتے ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ، ابن مسیبؒ، سفیان ثوریؒ، ابن مبارکؒ اکلِ ضبع کی حرمت کے قائل ہیں۔

قائلین اباحت (حلت) کے دلائل: ① حدیث الباب ہے کہ راوی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بجو کے شکار ہونے اور اپنے کھانے کے بارے میں پوچھا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے مثبت جواب دیا اور جب راوی نے پوچھا کہ کیا آپ ﷺ نے یونہی فرمایا ہے تو اس پر بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نعم فرمایا معلوم ہوا کہ بجو کا کھانا جائز ہے۔ ② حاکم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا **الضبع صید وجزاہ کبش مسن ویؤکل** اور حاکم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث سند کے لحاظ سے صحیح ہے، امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد امام بخاریؒ سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا۔ "**انہ حدیث صحیح**" تو یہ روایت جوازِ اکل ضبع پر صریح دال ہے۔ ③ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بارے میں امام شافعیؒ اور دیگر محدثین نے نقل کیا ہے کہ وہ بجو کھایا کرتے تھے۔ ④ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بجو کا گوشت صفا و مروہ کے درمیان برابر بکتا رہا اور لوگ کھاتے رہے کسی نے اس پر نکیر نہیں فرمائی اگر اسکا کھانا ناجائز ہوتا تو پھر اس پر نکیر ہوتی۔

قائلینِ حرمت کے دلائل: حضرات احناف وغیرہ بجو کی حرمت کے قائل ہیں وہ متعدد امور بطور دلائل پیش کرتے ہیں:

① حبان بن جزء کی روایت جس کی تخریج امام ترمذیؒ نے بھی کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حبان بن جزء نے اپنے بھائی خزیمہ سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ سے بجو کے کھانے کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بجو بھی کوئی آدمی کھاتا ہے؟ یہ روایت بجو کے کھانے کے عدمِ جواز پر صراحۃً دال ہے۔ ② وہ اثر جو سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے امام احمد بن حنبلؒ، اسحاق بن راہویہؒ اور ابو یعلیٰؒ وغیرہ نے اپنی اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ سعید بن المسیبؒ سے پوچھا گیا کیا کوئی قوم بجو کھاتی

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

ہے؟انہوں نے کہا کہ ان اکلھا لایحل اس وقت ابن المسیبؒ کے پاس ایک بوڑھا شخص بیٹھا ہوا تھا اس نے بیان کیا کہ مجھ سے عبداللہ نے بیان کیا ہے کہ میں نے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے یہ کہتے ہوئے سنا "نھٰی رسول اللہ ﷺ عن اکل کل ذی خطفة ونھبة ومجثمة وکل ذی ناب من السباع" معلوم ہوا کہ ابن مسیّبؒ نے بجو کے کھانے کو حلال نہیں فرمایا پھر ان کا یہ قول ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ روایت سے مؤید بھی ہو گیا کیونکہ بجو حملہ آور جانور ہے اور آپ ﷺ نے ایسے جانور کو کھانے سے منع فرمایا ہے۔③ متعدد صحابہ ابن عباس، علی، ابو ہریرہ، ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہم وغیرہ سے مشہور روایت مروی ہے "نھٰی رسول اللہ ﷺ عن اکل کل ذی ناب من السباع" اور بجو میں یہ دونوں وصف پائے جاتے ہیں کہ وہ درندہ بھی ہے اور ذی ناب بھی، اس لئے اس روایت کے تحت وہ داخل ہے لہٰذا درندہ کی طرح اس کا کھانا بھی حرام ہے۔④ آیت شریفہ "ویحرّم علیھم الخبائث" کہ مسلمانوں کے حق میں خبیث جانور حرام کئے گئے ہیں اور بجو اخبث الحیوانات ہے کیونکہ یہ انسان کے گوشت اور اس کے خون کا بہت عاشق ہے حتیٰ کہ قبر کھود کر مردار انسان کو بھی کھالیتا ہے لہٰذا اس کے خبیث ہونے میں کیا شک ہے، اس لئے بجو آیت کے تحت داخل ہے اور اس کا کھانا حرام ہے۔⑤ روایات دونوں طرح کی ہیں بعض سے حلت اور بعض سے حرمت معلوم ہوتی ہے اور قاعدہ ہے کہ ادلہ کے تعارض کے وقت احتیاطاً حرمت کو ترجیح دی جاتی ہے لہٰذا دلائل احناف راجح ہونگے۔

**الشق الثانی** ...... عن عائشة أن النبی ﷺ سئل عن البتع، فقال: کل شراب أسکرفھو حرام۔

عن النعمان بن بشیر قال قال رسول اللہ ﷺ: ان من الحنطة خمراء ومن الشعیر خمرًا، ومن الزبیب خمرًا، ومن العسل خمرًا۔ ترجمی الحدیثین۔ عرفی "البتع" و "الخمر" و"النبیذ" اصطلاحًا۔ اذکری حکم شرب الخمر والنبیذ مع اختلاف الأئمة فی ذلک ودلائلھم۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) احادیث کا ترجمہ (۲) بتع، خمر و نبیذ کی تعریف (۳) شرب خمر و نبیذ کا حکم مع الدلائل۔

**جواب** ...... ① احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بتع کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ہر شراب جو نشہ آور ہو وہ حرام ہے۔حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک گیہوں سے بھی (شراب بنتی ہے) اور جو سے بھی اور چھوارے سے بھی اور کشمش سے بھی اور شہد سے بھی شراب بنتی ہے۔

**جواب** ...... ② بتع، خمر و نبیذ کی تعریف:۔ بتع: وہ شراب جو شہد یا کھجور سے تیار کی جائے۔

خمر: وہ شراب جو انگور سے تیار کی جائے۔ نبیذ: کھجور پانی میں ڈالی جائے اور اسکا اثر پانی میں آجائے اور حد سکر کو نہ پہنچے۔

③ شرب خمر و نبیذ کا حکم مع الدلائل:۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک شرب نبیذ کا حکم یہ ہے کہ نبیذ اگر حد سکر کو نہ پہنچے تو اس کا پینا جائز ہے، اگر کسی کے پاس صرف نبیذ ہے تو وضو کرے تیمّم نہ کرے۔

ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسفؒ کے ہاں تیمّم کرے وضو نہ کرے۔ امام محمدؒ کے ہاں نبیذ سے وضو اور تیمّم دونوں کرے۔

امام صاحبؒ کی دلیل:۔ حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "تمرة طیبة وماء طھور"

جمہور کی دلیل: "فان لم تجدوا ماءً فتیمموا" اس میں مطلق ماء کا ذکر ہے اور نبیذ مطلق ماء نہیں۔

فائدہ: امام صاحبؒ نے اپنے قول سے رجوع کر لیا تھا۔اب حنفیہ کا مفتی بہ قول ائمہ ثلاثہ کی مثل ہے۔

خمر کا استعمال بالاتفاق ناجائز ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر ہو، البتہ دیگر مسکر اشربہ کے بارے میں تفصیل ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے ہاں ان کا حکم بھی وہی ہے جو خمر کا ہے امام صاحبؒ کے ہاں خمر کے علاوہ باقی اشیاء اگر حد سکر کو پہنچ جائیں تو حرام ہیں ورنہ ان کا استعمال جائز ہے کیونکہ آپ ﷺ سے مختلف نبیذوں کا پینا ثابت ہے۔

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۰ھ

**الشق الاوّل** ...... عن أبی سعید الخدری قال: صلی بنا رسول اللہ ﷺ یومًا صلاة العصر بنھار، ثم قام خطیبا فلم یدع شیئا یکون الی قیام الساعة الا أخبرنا بہ، حفظہ من حفظہ ونسیہ من نسیہ، فکان فیما

0313 6357 ... maktabazakariyamultan@gmail.com

**قال: ان الدنیا حلوۃ خضرۃ، وان اللّٰہ مستخلفکم فیھا فناظر کیف تعملون، ألا فاتقوا الدنیا واتقوا النساء۔**

**ترجمی الحدیث واشرحیہ شرحًا واضحًا۔ کیف ذکر النبی ﷺ کل مایکون الی قیام الساعۃ من جلیل وحقیر، فھل کان لدیہ علم ماکان وما سیکون؟ کما یقول بذلک البریلویۃ وھل کان وسع لتلک المعلومات العظیمۃ الکثیرۃ ھذا الوقت القلیل مابین العصر والمغرب؟ فما ھوالمعنی الصحیح لھذا الحدیث۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل چار امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کی تشریح (۳) مختصر وقت میں کائنات کے تمام واقعات کے ذکر کی توجیہ (۴) آپ ﷺ اور **علمِ ماکان وما یکون۔**

**جواب** ...... ❶ **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نماز پڑھائی آپ ﷺ نے عصر کی ایک دن پھر خطبہ کیلئے کھڑے ہوئے پس نہ چھوڑا کچھ بھی جو قیامت تک ہونا تھا مگر ہمیں اس کی خبر دی، یاد کیا اس کو جس نے یاد کیا اور بھلا دیا اس کو جس نے بھلا دیا پس ہوگا جو کچھ فرمایا، بے شک دنیا سرسبز ہے میٹھی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں خلیفہ بنانے والے ہیں پس وہ دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو خبردار! دنیا سے بچو اور عورتوں سے بچو۔

❷ **حدیث کی تشریح:۔** حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن آپ ﷺ نے عصر کی نماز کے بعد منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور قیامت تک پیش آنے والے تمام واقعات وفتنوں کا ذکر کیا اور آپ ﷺ کی بتلائی ہوئی باتوں میں سے ایک بات یہ تھی کہ دنیا سے بچو یعنی ناجائز طریقہ سے دنیا حاصل نہ کرو اور جائز طریقہ سے حاصل شدہ دنیا کو ناجائز وغلط طریقہ پر خرچ نہ کرو۔ دوسری خاص بات یہ تھی کہ عورتوں سے بچو یعنی اس دنیا کا سب سے بڑا فتنہ عورت ہے اس کی وجہ سے آدمی ہر جائز وناجائز کی پرواہ کئے بغیر سب کچھ کر گزرتا ہے اس لئے خصوصیت کے ساتھ دنیا وعورت سے بچو۔

❸ **مختصر وقت میں کائنات کے تمام واقعات کے ذکر کی توجیہ:۔** سوال ہوتا ہے کہ عصر کے بعد کے مختصر وقت میں آپ ﷺ نے کائنات کے تمام واقعات کو کیسے ذکر فرمایا حالانکہ یہ ممکن ہی نہیں ہے تو علماء نے اسکی دو توجیہ ذکر کی ہیں۔

① آپ ﷺ نے صرف امورِ دینیہ کو بیان کیا تھا تمام امور وواقعات کا ذکر نہیں فرمایا تھا۔ ② حدیث کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے قیامت تک جو فتنے ظاہر ہونے تھے ان کو بیان کیا تھا تمام امورِ دنیا کو بیان نہیں کیا تھا۔

❹ **آپ ﷺ اور علمِ ماکان وما یکون:۔** علم غیب اور تمام کائنات کا علمِ محیط یعنی کائنات کے ذرہ ذرہ کا علم کہ کوئی چیز بھی اس سے خارج نہ ہو یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اس میں کسی مخلوق کا کوئی بھی فرد حتیٰ کہ کوئی بھی فرشتہ اور نبی مرسل اس میں شریک نہیں ہے، اس میں کسی بھی درجہ میں غیر اللہ کو شریک ٹھہرانا سراسر ناانصافی ہے اور ظلم عظیم ہے، اور قرآن کریم واحادیث مبارکہ میں بے شمار مقامات پر اسی عقیدہ توحید کو بیان کیا گیا ہے اور اسی شرک والے گناہ عظیم کے خاتمہ کیلئے قرآن کریم اور انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہوئی اور ہر ایک نے دنیا کے تمام رابطوں کو ختم کر کے ایک طرف ہی پوری مخلوق کو متوجہ کیا اور کلمۂ توحید کی دعوت دی۔

اس کائنات میں اگر معمولی علم غیب بھی ہوتا تو وہ اللہ کے محبوب پیغمبر کو ہوتا مگر آپ ﷺ کی ساری زندگی دعوتِ توحید میں ہی گزری ہے اور بے شمار مقامات پر آپ ﷺ کی زندگی سے عملی طور پر ایسے واقعات نمودار ہوئے جن کی وجہ سے آپ کے علمِ غیب کی نفی ہوتی ہے، اگر آپ ﷺ کو علم غیب ہوتا تو آپ ﷺ ہر نفع کی چیز کو حاصل کرتے اور نقصان دہ چیز سے ہمیشہ محفوظ ہی رہتے، کبھی تکلیف میں مبتلا نہ ہوتے، مگر سب سے زیادہ تکالیف کا سامنا آپ ﷺ کو ہی کرنا پڑا ہے۔

اگر آپ ﷺ کو علمِ غیب ہوتا تو آپ کو طائف کے پتھروں کا سامنا نہ کرنا پڑتا، غزوۂ بدر کے موقع پر تجارتی قافلہ آپ ﷺ کے ہاتھ سے بچ کر نہ نکلتا، غزوۂ اُحد میں آپ ﷺ کے دندان مبارک شہید نہ ہوتے، آپ کے چچا کی لاش کے اس طرح بے شمار ٹکڑے نہ ہوتے، پہاڑ کی پشت کی جانب سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی طرف سے حملہ نہ ہوتا اور عارضی شکست کا سامنا نہ کرنا پڑتا، بیعتِ رضوان کے موقع پر چودہ سو جان نثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے خونِ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بدلہ کیلئے بیعت نہ لی جاتی، صلح حدیبیہ کے موقعہ پر بغیر عمرہ کی ادائیگی کے احرام کھول کر واپس نہ آنا پڑتا، اسی طرح اور بھی بے شمار واقعات ایسے ہیں جن سے علمِ غیب کی نفی ہوتی ہے۔

0313 6357913 maktabazulfiqaryanufurqan@gmail.com

البتہ انبیاء علیہم السلام کو جو علم دیا جاتا ہے اور خصوصاً آپ ﷺ کو جو علم دیا گیا وہ تمام مخلوقات جن وانس سے بڑھ کر تھا اسی عطاء کردہ علم کی وجہ سے آپ نے متعدد غیب کی باتوں کی خبر بھی دی جن کی صداقت اور سچائی کی غیروں نے بھی گواہی دی اس کی وجہ سے یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ آپ ﷺ کو متعدد غیب کی چیزوں کا علم دیا گیا تھا مگر اس کی وجہ سے آپ ﷺ کو عالم الغیب نہیں کہہ سکتے۔

الغرض حضور ﷺ کو تمام "ماکان ومایکون" کا علم نہیں دیا گیا تھا فرقہ بریلویہ کا یہ نظریہ باطل ہے بہت سی قرآنی آیات اور احادیث اس نظریہ کی تردید کرتی ہیں مثلاً "**ان الله عنده علم الساعة الاية وعنده مفاتيح الغيب لايعلمها الّا هو ومنهم من لم نقصص عليك**" وغیرہ۔

**الشق الثانی** ...... **عن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ اذا اقترب الزمان لم تكد رؤيا المؤمن تكذب وأصدقهم رؤيا أصدقهم حديثا ورؤيا المسلم جزء من ستة وأربعين جزء من النبوة۔**

**ترجمي الحديث۔ اشرحي الحديث المذكور شرحًا وافيًا و اذكري أقسام الرؤيا۔ مامعنى كون رؤيا المسلم جزء من ستة واربعين جزء من النبوة مع ان النبوة قدختمت على نبينا ﷺ۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حاصل چار امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کی تشریح (۳) خواب کی اقسام (۴) ختم نبوت کے باوجود خواب کے نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہونے کا مفہوم۔

**جواب** ...... **①** حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جب زمانہ قریب ہو جائے گا تو مؤمن کا خواب بہت کم جھوٹا ہوگا لوگوں میں سب سے سچے خواب والا وہ ہوگا جو دلی تخیل میں سب سے سچا ہوگا اور مسلم کا خواب نبوت کا چھیالیسواں جزء ہے (اور خواب تین طرح کے ہوتے ہیں: رؤیا صالحہ جو بشارت ہے اللہ کی جانب سے، وہ خواب جو شیطان کی طرف سے غم پیدا کرنے کیلئے ہوتا ہے، وہ خواب جو آدمی اپنے دل میں سوچتا ہے پس جب تم میں سے کوئی ایسا خواب دیکھے جو ناگوار ہو تو اس کو چاہیے کہ اٹھ جائے اور بائیں جانب تھتکار دے اور لوگوں سے بیان نہ کرے۔ فرمایا میں خواب میں بیڑی وزنجیر کو پسند کرتا ہوں اور طوق کو ناپسند کرتا ہوں کیونکہ پیر میں بیڑی کا مطلب دین میں ثابت قدم رہنا ہے)۔

**②** حدیث کی تشریح:۔ آپ ﷺ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ جب زمانہ قریب آئیگا تو اس وقت مؤمن کے خواب اکثر سچے ہونگے۔

اقتراب زمان سے کیا مراد ہے اس بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔

① صاحب الفائق فرماتے ہیں اس سے آخری زمانہ مراد ہے جو قرب قیامت ہوگا، اقتراب سے اس لئے تعبیر فرمایا کہ شیٔ جب قلیل وقصیر ہو جاتی ہے تو اس کے اطراف وجوانب قریب قریب ہو جاتے ہیں۔

پھر آخری زمانہ کونسا مراد ہے؟ بعض نے فرمایا خروج مہدی کا زمانہ کیونکہ اس وقت عدل وانصاف قائم ہوگا وہ وقت خوشی کا وقت ہوگا زمانہ قلیل معلوم ہوگا جیسا کہ اس کے بالمقابل پریشانی کا وقت قلیل بھی کثیر معلوم ہوا کرتا ہے اور بعض کا خیال ہے کہ یہ وہ زمانہ ہے جب عیسیٰ علیہ السلام دجال کو قتل کر کے لوگوں کے ساتھ رہیں گے وہ وقت بھی انصاف وعدل کا وقت ہوگا اور بعض نے کہا کہ آخری وہ زمانہ مراد ہے جب مؤمن انتہائی کسمپرسی کی حالت میں ہوگا کہ نہ اعوان وانصار ہوں گے اور نہ کسی طرح کی کوئی مدد ہوگی تو ایسے وقت میں اس کو سچے خواب دکھائی دیں گے تا کہ اس کی مدد ہو سکے اور اس کو سچے خواب کے ذریعے رہنمائی ہو سکے۔

② وہ زمانہ اور وقت مراد ہے جس میں رات اور دن دونوں برابر ہوتے ہیں چونکہ اس وقت انسانی مزاج صحیح و معتدل تر ہوگا اس لئے خواب میں خلط وملط نہ ہوگا بلکہ خواب سچے ہونگے ③ وہ زمانہ مراد ہے کہ جس میں سال ماہ کی طرح اور ماہ ہفتہ کی طرح اور ہفتہ یوم کی طرح اور یوم ساعۃ کی طرح قریب قریب ہو جائیں گے ④ صبح کی نزدیکی وقرب مراد ہے یعنی سحری کے وقت کے اکثر خواب سچے ہوتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ جو شخص حلال وطیب چیزیں کھاتا ہے اور ہمیشہ سچ بولتا ہے اس کے خواب بھی اکثر سچے ہوتے ہیں۔

تیسرے جملے کا مفہوم مابعد میں آرہا ہے۔

**③** خواب کی اقسام:۔ خواب کی تین اقسام ہیں: ① کبھی خواب میں آدمی وہی صورتیں دیکھتا ہے جو بیداری کی حالت میں دیکھتا

ہے اس کو حدیث النفس کہا جاتا ہے۔ ② کبھی شیطان کچھ صورتیں اور واقعات اسکے ذہن میں ڈالتا ہے کبھی خوش کرنے والے اور کبھی ڈرانے والے اس کو تسویل الشیطان کہتے ہیں یہ دونوں قسمیں باطل ہیں جن کی کوئی حقیقت واصلیت نہیں ہے اور نہ ان کی کوئی واقعی تعبیر ہوسکتی ہے۔ ③ اللہ کی طرف سے ایک قسم کا الہام ہے جو اپنے بندہ کو متنبہ کرنے یا خوشخبری دینے کیلئے کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ خزانۂ غیب سے بندہ کے قلب ودماغ میں ڈال دیتے ہیں یہ خواب صحیح وحق ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ مؤمن کا خواب ایک کلام ہے جس میں وہ اپنے رب سے شرفِ گفتگو حاصل کرتا ہے۔

④ ختم نبوت کے باوجود خواب کے نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہونے کا مفہوم:۔ تفسیر مظہری میں اسکی یہ توجیہ بیان کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی نبوت کا سلسلہ تیئس سال جاری رہا ان میں سے پہلی ششماہی میں یہ وحی الٰہی خوابوں کی صورت میں آتی رہی ہے باقی پینتالیس ششماہی میں جبرائیل امین علیہ السلام اللہ کا پیغام انسان کی صورت میں لائے اس حساب سے سچے خواب وحی نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہوئے۔ یہاں بعض لوگوں کو مغالطہ ہوگیا ہے کہ جزءِ نبوت کے دنیا میں باقی رہنے اور جاری رہنے کو نبوت کا باقی اور جاری رہنا سمجھ بیٹھے ہیں جو قرآن کریم کی نصوصِ قطعیہ اور بے شمار احادیث صحیحہ کے خلاف ہے بلکہ اجماع امت کے بھی خلاف ہے، کیونکہ عقیدۂ ختم نبوت اجماعی مسئلہ ہے اور یہ نہ سمجھے کہ کسی چیز کے ایک جزء کے موجود ہونے سے اس چیز کا موجود ہونا لازم آتا ہے اگر کسی شخص کا ایک ناخن ہے یا ایک بال کہیں موجود ہے تو کوئی انسان یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ یہاں وہ شخص موجود ہے، مشین کے بہت سے کل پرزوں میں سے اگر کسی کے پاس ایک پرزہ موجود ہے تو کیا پوری مشین موجود ہوگی؟ (نہیں ہرگز نہیں) بعینہٖ اسی طرح نبوت کے کسی جزء کے باقی رہنے سے نبوت کا باقی رہنا لازم نہیں آتا۔

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۰ھ

**الشق الاوّل** ...... **عن عبدالله بن عمرو عن النبی ﷺ قال: أربع من كن فيه كان منافقا، وان كانت خصلة منهن فيه كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها: اذا حدث كذب، واذا وعد أخلف، واذا خاصم فجر، واذا عاهد غدر. ما الفرق بين الوعد والعهد. من اجتمعت فيه الصفات الاربع هل يسمى منافقًا؟ هل تنحصر خصال المنافق فى هذه الاربع؟ اشرحى الحديث شرحًا وافيًا.**

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) وعد وعہد میں فرق (۲) **من اجتمعت فيه الصفات الخ** کا مطلب (۳) منافقین کی خصال کا انحصار (۴) حدیث کی تشریح۔

**جواب** ...... ① وعد وعہد میں فرق:۔ عہد فریقین (جانبین) میں کسی معاملہ کے ہونے یا نہ ہونے پر ہوتا ہے جبکہ وعدہ جانب واحد سے ہوتا ہے مثلاً زید وعمرو نے آپس میں یہ طے کیا کہ آئندہ ایک دوسرے کو برا بھلا نہیں کہیں گے تو یہ عہد ہے اور شاگرد استاذ سے کہتا ہے کہ آئندہ میں ضرور نماز پڑھوں گا یہ وعدہ ہے۔

② **من اجتمعت فيه الصفات الخ** کا مطلب:۔ حدیث شریف میں چار خصلتوں کا ذکر ہے جس میں یہ پائی جائیں اسے منافق کہا گیا ہے دراصل منافق دو طرح کا ہوتا ہے منافق اعتقادی، منافق عملی۔
یہاں منافقت عملی کا ذکر ہے مطلب یہ ہے کہ اگر بدقسمتی سے کسی مسلمان میں کوئی عادت پائی جائے تو یہ سمجھا جائیگا کہ اسمیں یہ منافقانہ عادت ہے اور اگر ساری عادتیں پائی جائیں تو یہ سمجھا جائیگا یہ شخص اپنی سیرت میں پورا منافق ہے یعنی کردار کے لحاظ سے پورا منافق ہے۔

③ منافقین کی خصال کا انحصار:۔ ان چار خصلتوں میں منافق کی خصال کا انحصار نہیں ہے بلکہ اغلب واکثر کا ذکر ہے کہ منافق کی عمومی خصال یہ چار ہیں۔ یا پھر آپ ﷺ کو جیسے جیسے خصالِ منافق کا علم ہوتا گیا آپ ﷺ ویسے ویسے بتلائے گئے اور ممکن ہے کہ اس وقت آپ ﷺ کو ان چار خصلتوں کا ہی علم ہو۔

④ حدیث کی تشریح:۔ آپ ﷺ نے اس حدیث میں منافق کی خصلتوں اور عادتوں کا ذکر فرمایا ہے کہ جس شخص میں یہ چاروں علامتیں پائی جائیں وہ منافق ہے اور اگر کسی میں ان میں سے بعض پائی جائیں تو گویا اس میں علامتِ نفاق پائی جاتی ہے جب تک وہ

ان خصلتوں کو چھوڑے گا نہیں اس وقت تک وہ عملی منافق رہے گا اور وہ چار علامات یہ ہیں۔
① جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ ② جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے۔
③ جب لڑائی جھگڑا کرے تو فسق وفجور گالم گلوچ پر اتر آئے۔ ④ جب معاہدہ کرے تو غدر کرے اور دھوکہ دے۔

**الشق الثانی** ...... عن حارثة بن وهب الخزاعي يقول: سمعت رسول الله ﷺ: يقول ألا أخبركم بأهل الجنة؟ كل ضعيف متضعف لو أقسم على الله لأبره، ألا أخبركم بأهل النار؟ كل عُتُلٍّ جَوَّاظٍ متكبر۔

ماالفرق بين الضعيف والمتضعف؟ مامعنى قوله: "لو أقسم على الله لأبره"؟ اشرحي كلمة "عتل" و"جواظ" و"متكبر"۔ ألا يدخل الجنة أقوياء غير ضعفاء؟ فما هو معنى الصحيح للحديث ؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں (۱) ضعیف ومتضعف میں فرق (۲) لواقسم علی اللہ لابرہ کا مطلب (۳) مذکورہ الفاظ کی تشریح (۴) حدیث کا مفہوم۔

**جواب** ...... **①** ضعیف ومتضعف میں فرق:۔ ضعیف باب نصر وکرم مجرد سے صفت کا صیغہ ہے بمعنی لاغر وکمزور ہونا اور ضعیف کا معنی لاغر وکمزور ہے اور متضعف باب تفعل مزید فیہ سے اسم مفعول کا صیغہ ہے کسی دوسرے کو ضعیف وکمزور سمجھنا اور متضعف کا معنی وہ شخص جس کو حقیر اور کمزور سمجھا جائے۔

**②** "لواقسم علی اللہ لأبرہ" کا مطلب:۔ مذکورہ جملہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ ضعیف وکمزور شخص کسی معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ اسکی کمزوری اور بے بسی کی لاج رکھتے ہوئے اس کی قسموں کو پورا کرتے ہیں یعنی اس کو قسموں کے پورا کرنے کی ہمت عطاء کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں اس کی مدد فرماتے ہیں۔

**③** مذکورہ الفاظ کی تشریح:۔ جواظ بمعنی تکبر وغرور سے چلنے والا اور بہت زیادہ کھانے والا۔
متکبر بمعنی اپنے آپ کو بڑا سمجھنے والا اور مغرور شخص۔

**④** حدیث کا مفہوم:۔ حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں صرف ضعیف وکمزور لوگ ہی جائیں گے یہ غلط ہے اور حدیث کا صحیح مفہوم ومطلب یہ ہے کہ یہ حدیث زجر وتوبیخ پر مشتمل ہے، یعنی بد خلق، بدلحاظ اور متکبر ومغرور شخص کو اس کی صفات سیئہ سے منع کرنا مقصود ہے۔ نیز دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ اغلب واکثر کے حساب سے ہے کہ جنت میں اکثریت ضعیف لوگوں کی ہوگی اور جہنم میں اکثریت بد خلق، بدلحاظ، متکبر ومغرور لوگوں کی ہوگی۔

## ﴿الورقة الخامسة : ترمذی (ج ۲)﴾

## ﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۱ھ

**الشق الاوّل** ...... قَالَ النَّبِيُّ ﷺ وَأَنَا آمُرُكُمْ بِخَمْسٍ اللّٰهُ أَمَرَنِيْ بِهِنَّ، اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ وَالْجِهَادُ وَالْهِجْرَةُ وَالْجَمَاعَةُ فَإِنَّهُ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ قِيْدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهِ إِلَّا أَنْ يَرْجِعَ، وَمَنِ ادَّعٰى بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ فَإِنَّهُ مِنْ جُثَا جَهَنَّمَ، فَقَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَإِنْ صَلّٰى وَصَامَ فَقَالَ: وَإِنْ صَلّٰى وَصَامَ فَادْعُوْا بِدَعْوَى اللّٰهِ الَّذِيْ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ عِبَادَ اللّٰهِ۔

حدیث پر مکمل اعراب لگائیے اور سلیس ترجمہ کیجئے۔ حدیث میں مذکورہ مامورات خمسہ کی تشریح کیجئے۔ من فارق الجماعة قيد شبر کا مطلب بیان کیجئے۔ دعوی الجاهلية اور دعوی الله کی تشریح کیجئے۔ حضور اکرم ﷺ نے اس حدیث میں ہجرت کا حکم دیا ہے جبکہ آپ نے فرمایا "لاهجرة بعد الفتح" دونوں میں تطبیق کی کیا صورت ہوگی؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل چھ امور ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) مامورات خمسہ کی تشریح (۴) "من فارق الجماعة الخ" کا مطلب (۵) دعوی الجاهلية اور دعوی الله کا مطلب (۶) احادیثِ ہجرت میں تطبیق۔

**جواب** ...... **①** حدیث پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

② **حدیث کا ترجمہ:۔** آپ ﷺ نے فرمایا میں پانچ چیزوں کا حکم کرتا ہوں، کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کا حکم دیا ہے، سننے کا اطاعت کا جہاد کا ہجرت اور جماعت کا، پس جو شخص علیحدہ ہو گیا جماعت سے ایک بالشت کی مقدار پس تحقیق اس نے اتار دیا اسلام کی رسی کو اپنی گردن سے مگر یہ کہ لوٹ آئے اور جس نے دعویٰ کیا جاہلیت کا دعویٰ پس وہ دوزخ کا شعلہ اور ایندھن ہے پس کہا ایک آدمی نے اے اللہ کے پیغمبر ﷺ! اگر چہ وہ نماز پڑھے اور روزہ رکھے، آپ ﷺ نے فرمایا اگر چہ وہ نماز پڑھے اور روزے رکھے پس تم دعویٰ کرو اللہ تعالیٰ کا دعویٰ اس نے تمہارا نام رکھا مسلمان مؤمنین عباد اللہ۔

③ **ماموراتِ خمسہ کی تشریح:۔** آپ ﷺ اس حدیث میں چند امور کے متعلق تاکیدی ارشاد فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان امور کا حکم دیا ہے: ① سننا یعنی کان دھرنا، اس سے مراد علمِ دین سیکھنا ہے۔ ② اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ اور امیر المؤمنین کی اطاعت وفرمانبرداری کرنا۔ ③ اعلاءِ کلمۃ اللہ، دینِ اسلام کی سربلندی اور شریعت محمدی ﷺ کے نفاذ کیلئے جہاد کرنا۔ ④ علمِ دین سیکھنے کیلئے اور کسی جگہ دین کی حفاظت احکامِ خداوندی پر عمل کرنا مشکل ہو تو اسکی حفاظت کرنے اور اس پر عمل کرنے کیلئے دوسرے علاقہ کی طرف ہجرت کرنا۔ ⑤ اسلام کے نظامِ اجتماعیت کو برقرار رکھنے کیلئے باہم متحد و متفق رہنا کیونکہ ارشادِ نبوی ہے: **یداللہ علی الجماعۃ۔**

اسکے بعد ارشاد فرمایا: جس نے اجتماعیت کو ذرہ برابر بھی چھوڑ دیا اور اجتماعی معاملات میں مسلمانوں سے علیحدہ ہو گیا تو اس نے اسلام کی رسی کو اپنے گلہ سے نکال دیا، گویا وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا اور جس نے جاہلیت والا کوئی کام کیا اور جاہلیت والے رسم ورواج کی دعوت دی تو ایسا شخص جہنم کی آگ کا شعلہ، انگارا اور ایندھن ہے اسلئے کسی کو جاہلیت کی طرف دعوت نہ دو بلکہ باری تعالیٰ کے احکامات اور شریعتِ محمدی ﷺ کے مبارک طریقوں پر خود بھی چلو اور دوسروں کو بھی اسی کی دعوت دو، یہی مقصد ہے اور اسی میں کامیابی ہے۔

④ **"من فارق الجماعة الخ" کا مطلب:۔** قِیْد قاف کے کسرہ اور یاء کے جزم سے ہے اور اس کی اصل قود ہے جس کا معنی مماثلت اور قصاص ہے "قِیْدَ شِبْرٍ" کا معنی ہوگا ایک بالشت کے برابر، یعنی جو آدمی جماعت مسلمین کے عقائد ونظریات سے تھوڑا سا بھی ہٹا "یعنی اگر ہم اس کو خارج میں دیکھنا چاہیں تو ایک بالشت کی بقدر ہو" تو اس آدمی نے اپنی گردن سے اسلام کا کڑا پھینک دیا، اس حدیث پاک میں احکامِ خداوندی کو کڑے کے ساتھ تشبیہ دی یعنی جس طرح کڑے کے اندر جانور باندھا ہوتا ہے اسی طرح احکامِ خداوندی کا انسان اپنے کو پابند کر لیتا ہے۔

⑤ **دعوی الجاھلیة اور دعوی اللہ کا مطلب:۔** اسکے دو معنی بیان کئے گئے ہیں جو دونوں قریب قریب ہیں:

① **دعویٰ الجاھلیة** سے مراد جاہلی طریقے ہیں، مطلب یہ ہوگا کہ جماعت مسلمین سے چمٹے رہنا الگ نہ ہونا مسلمانوں کا طریقہ ہے تو جو آدمی جماعت المسلمین سے الگ ہوتا ہے گویا کہ وہ جاہلی طریقوں کی طرف بلاتا ہے۔ ② دوسرا مطلب یہ ہے کہ دعویٰ بمعنی دعاء اور نداء کے ہے، یعنی جو آدمی پکارے جاہلیت کی پکار کے ساتھ اور جاہلیت کی پکار یہ ہے کہ آدمی پر جب اس کا خصم غالب آجاتا تو وہ اپنی قوم کو زور سے پکارتا یا آلِ فلان! تو اسکی قوم اسکی مدد کرتی عام ہے کہ یہ پکارنے والا شخص ظالم ہوتا یا مظلوم ہوتا۔

⑥ **احادیثِ ہجرت میں تطبیق:۔** ہجرت کا حکم تو اب بھی ہے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا اور "**لاهجرة بعد الفتح**" کا مطلب یہ ہے کہ پہلے مسلمانوں پر جو ہجرت فرض تھی کہ وہ مکہ مکرمہ کو چھوڑ کر مدینہ طیبہ میں جائیں آج مکہ کے فتح ہونے کے بعد یہ ہجرت اب باقی نہیں رہی۔ نیز طلب علم کیلئے ہجرت کرنا اور اسی طرح دین کی حفاظت اور اس پر عمل کرنا مشکل ہو تو اس کی حفاظت اور اس پر عمل کرنے کیلئے ہجرت کرنے کا حکم اب بھی باقی ہے۔ نیز جہاد اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے نکلنے کا حکم بھی باقی ہے۔

**الشق الثانی** ...... **عن ابی هريرة قال قال يهودى بِسوقِ المدينةِ لا والذى اصطفى موسىٰ على البشرِ قال فرفع رجل مِن الانصارِ يده فصكَّ بِها وجهه قال تقول هذا وفينا نبى الله ﷺ فقال رسول اللّٰهِ ونفخ فِى الصورِ فصعِق من فِى السمٰوٰتِ ومن فِى الارضِ اِلّا من شاء اللّٰه ثم نفخ فِيهِ اخرى فاذا هم قِيام ينظرون فاكون اول من رفع رأسه فاذا موسىٰ آخِذ بِقائِمةٍ مِن قوائِمِ العرشِ فلا ادرى ارفع رأسه قبلِى ام كان مِمّن استثنى اللّٰه ومن قال انا خير مِن يونس بنِ متى فقد كذب** ۔(ابواب تفسير القرآن۔ سورة الزمر)

0313-... maktabazakariyamultan@gmail.com

حدیث کا معنی خیز ترجمہ کریں۔حدیث کی بے غبار تشریح کریں۔خط کشیدہ جملہ کی وضاحت کریں ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل تین امور ہیں: ① حدیث کا ترجمہ ② حدیث کی تشریح ③ خط کشیدہ جملہ کی وضاحت۔

**جواب** ...... **①** حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مدینہ کے بازار میں ایک یہودی نے کہا اس اللہ کی قسم جس نے موسی علیہ السلام کو تمام انسانوں میں پسند کرلیا، اس پر ایک انصاری نے ہاتھ اٹھایا اور اس کے منہ پر طمانچہ مار دیا اور کہا کہ تم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں یہ بات کہتے ہو؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: **ونفخ فی الصور فصعق من فی السموٰت ومن فی الارض الا من شاء اللّٰہ ثم نفخ فیہ اخریٰ فاذا ھم قیام ینظرون** (اور صور پھونکا جائے گا تو بے ہوش ہو جائے گا جو کچھ آسمانوں اور جو کوئی زمین میں ہے مگر جسے اللہ چاہے گا، پھر وہ دوسری دفعہ پھونکا جائے گا تو یکایک وہ کھڑے دیکھ رہے ہوں گے (الزمر)) اس موقع پر سب سے پہلے سر اٹھانے والا میں ہوں گا اور دیکھوں گا کہ موسی علیہ السلام عرش کا پایہ پکڑے ہوئے ہیں، مجھے علم نہیں کہ انہوں نے مجھ سے پہلے سر اٹھایا یا وہ ان میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالی نے مستثنی کر دیا اور جس نے یہ کہا کہ میں یونس بن متی سے افضل ہوں وہ جھوٹ بولتا ہے۔

**②** حدیث کی تشریح:۔ آیت کریمہ: **ونُفخ فی الصور فصعق من فی السموٰت ومن فی الارض الا من شاء اللّٰہ ثم نفخ فیہ اخریٰ فاذا ھم قیام ینظرون** کے مصداق اور باہم انبیاء کی فضیلت کے حوالہ سے امام ترمذی نے یہ حدیث ذکر کی ہے، جسکی وضاحت ایک واقعہ کے ضمن میں یہ ہے کہ مدینہ کے بازار میں ایک یہودی نے انصاری مسلمان کو چڑانے کیلئے کہا اس ذات کی قسم جس نے موسی علیہ السلام کو تمام انسانوں میں چنا اور پسند کیا، اس پر اس انصاری کو غصہ آیا اور اس نے یہودی کے منہ پر طمانچہ مار دیا اور کہا: تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں یہ بات کہتے ہو؟ پھر وہ دونوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہودی نے اپنی شکایت پیش کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی جس کا مفہوم یہ ہے کہ جب پہلا صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں وزمین کی ساری مخلوق بے ہوش ہو جائے گی مگر جسے اللہ چاہے گا وہ بیہوشی سے بچے گا، پھر دوسری دفعہ صور پھونکا جائے گا تو سب مردہ مخلوقات کھڑے دیکھ رہے ہوں گے (الزمر)) اس موقع پر سب سے پہلے میں سر اٹھاؤں گا اور دیکھوں گا کہ موسی علیہ السلام عرش کا پایہ پکڑے کھڑے ہوں گے، اب مجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے مجھ سے پہلے سر اٹھایا یا وہ ان میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالی نے آیت میں مستثنی کر دیا کہ ان پر بیہوشی ہی طاری نہیں ہوئی۔ نیز فرمایا کہ جس نے مجھے یونس بن متی علیہ السلام سے افضل کہا اس نے جھوٹ بولا۔ اس واقعہ سے انبیاء علیہم السلام کی تنقیص کا پہلو نکلتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مناسب انداز میں اس سے منع کر دیا کہ انبیاء علیہم السلام کا باہم موازنہ کرنا اور ایک کو دوسرے پر فضیلت دیتے ہوئے کسی کی تنقیص کرنا مناسب نہیں ہے۔

**③** خط کشیدہ جملہ کی وضاحت:۔ جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص موازنہ کرتے ہوئے مجھے حضرت یونس علیہ السلام پر فضیلت دیتا ہے (مثلا وہ کہتا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم کو عذاب کی خبر دے کر اذنِ خداوندی کے بغیر وہاں سے چلے گئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کی اجازت ملنے تک وہاں ڈٹے رہے اور وہاں سے از خود کوچ نہیں کیا) تو یہ شخص جھوٹا ہے یعنی کسی نبی کی تنقیص کرنا جائز نہیں ہے۔

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۱ھ

**الشق الاوّل** ...... **عن جابر أن رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: ان من أحبکم الی وأقربکم منی مجلسًا یوم القیامۃ أحاسنکم أخلاقا وان أبغضکم الی وأبعدکم منی مجلسا یوم القیامۃ الثرثارون والمتشدقون والمتفیھقون۔**

مذکورہ حدیث کی مکمل ترکیب نحوی کیجئے۔ **ثرثارون ،متشدقون** اور **متفیھقون** کی لغوی تحقیق کیجئے۔ مذکورہ حدیث کی تشریح کیجئے اور ثرثرہ کے کچھ نقصانات تحریر کیجئے۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حاصل چار امور ہیں (۱) حدیث کی ترکیب (۲) مذکورہ الفاظ کی لغوی تحقیق (۳) حدیث کی تشریح (۴) "ثرثرہ" کے کچھ نقصانات۔

**جواب** ...... **①** حدیث کی ترکیب:۔ "**عن جابر**" جار ومجرور ملکر متعلق ہوا "**روی**" فعل مجہول کا "**انّ**" حرف مشبہ بالفعل "**رسول اللّٰہ**" مضاف ومضاف الیہ ملکر "انّ" کا اسم "**قال**" فعل وفاعل "انّ" حرف مشبہ بالفعل "**من**" موصولہ "**احبکم**" مضاف

ومضاف الیہ "الـــیّ" جار ومجرور ملکر متعلق ہوا اسم تفضیل کا، اسم تفضیل اپنے مضاف الیہ ومتعلق سے ملکر معطوف علیہ "واؤ" عاطفہ "اقربکم" اسم تفضیل مضاف ومضاف الیہ اس میں "ھو" ضمیر ممیز "منّی" مضاف ومضاف الیہ ملکر متعلق ہوا "مجلسا" تمیز، ممیز تمیز ملکر فاعل "یوم القیامۃ" مضاف ومضاف الیہ ملکر مفعول فیہ، اسم تفضیل اپنے فاعل، متعلق ومفعول فیہ سے ملکر معطوف، معطوف علیہ ومعطوف ملکر مبتداء "احاسنکم" اسم تفضیل مضاف "کم" ضمیر ممیّز "اخلاقا" تمیز، ممیّز وتمیز ملکر مضاف الیہ، مضاف ومضاف الیہ ملکر خبر، مبتدا وخبر ملکر جملہ اسمیہ ہوکر صلہ، موصول صلہ ملکر خبر ہوئی "انّ" کی "انّ" اپنے "ھـــم" اسم محذوف وخبر سے ملکر معطوف علیہ "واؤ" عاطفہ "ان امن ابـغـضـکـم الخ" پورا جملہ سابقہ جملہ کی طرح معطوف، معطوف علیہ ومعطوف ملکر مقولہ، قول مقولہ ملکر خبر ہوئی "انّ" کی "ان" اپنے اسم وخبر سے ملکر نائب فاعل ہوا "رُوِی" فعل مجہول کا، فعل مجہول اپنے نائب فاعل ومتعلق سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

**②** مذکورہ الفاظ کی لغوی تحقیق:۔ **ثـرثـارون: ثـرثـرۃ** سے ماخوذ ہے اس کا معنی کثرت کلام ہے، ثرثارون وہ لوگ جو تکلفاً کثرت سے واہی تباہی فضول بک بک کرنے والے ہیں۔

**المتشدقون:** تشدق سے ماخوذ ہے معنی بتکلف اس طرح کلام کرنا کہ جبڑے بھر جائیں یعنی غیر محتاط ہوکر ہر طرح کی کلام کرنا اور لوگوں کے ساتھ ٹھٹھہ کرنا۔ **المتفیھقون: فھق** سے ماخوذ ہے اس کا معنی بھی تقریباً تشدق والا ہی ہے۔

**③** حدیث کی تشریح:۔ حدیث شریف کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے تم میں سے سب سے زیادہ محبوب اور قیامت کے دن میرے سب سے زیادہ نزدیک تمام امت میں سے وہ شخص ہوگا جس کے اخلاق اچھے ہونگے خواہ اپنا ہو یا بیگانہ ہو جس نے ہر شخص سے اچھا معاملہ کیا اور ہر ایک سے اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آیا وہ روز قیامت سب سے زیادہ میرے نزدیک ہوگا۔ جو لوگوں کے ساتھ غلط اخلاق سے پیش آیا، بلا سوچے سمجھے گفتگو کی بلا احتیاط منہ سے بات نکال ڈالی اور بات کرتے ہوئے بھی تکبر کیا اور اپنے آپ کو بڑا سمجھا تو ایسا شخص میرے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض اور مجھے انتہائی ناپسند ہے اور روز محشر ایسا شخص مجھ سے سب سے زیادہ دور ہوگا۔

**④** "ثـــرثـــرہ" کے کچھ نقصانات:۔ ① ثرثرۃ کا سب سے پہلا نقصان یہ ہے کہ اس نے اپنا سب سے قیمتی سرمایہ وقت ضائع کیا۔
② دوسرا نقصان یہ کہ لوگوں کی نظروں سے اس کا مقام ومرتبہ ختم ہوگیا اور اسے پاگل وفارغ سمجھا جاتا ہے۔
③ دنیا تو گئی ہی تھی آخرت بھی برباد ہوئی کہ ایسا شخص آپ ﷺ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض وناپسند ہے اور جو آپ ﷺ کو ناپسند ومبغوض ہے وہ عند اللہ بھی مبغوض وناپسند ہے (اعاذنا اللہ منہ)۔

**الشق الثانی** ...... **كَانَ لِابْنِ عَبَّاسٍ غِلْمَةٌ ثَلَاثَةٌ حَجَّامُوْنَ ، فَكَانَ اِثْنَانِ يُغِلَّانِ عَلَيْهِ وَ وَاحِدٌ يَحْجِمُهٗ وَيَحْجِمُ اَهْلَهٗ، قَالَ وَقَالَ اِبْنُ عَبَّاسٍ قَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ ، نِعْمَ العَبْدُ الْحَجَّامُ يَذْهَبُ بِالدَّمِ وَيُخِفُّ الصُّلْبَ وَيَجْلُوْ عَنِ الْبَصَرِ وَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ حِيْنَ عُرِجَ بِهٖ مَامَرَّ عَلٰى مَلَاءٍ مِنَ الْمَلَآئِكَةِ اِلَّا قَالُوْا عَلَيْكَ بِالْحِجَامَةِ وَقَالَ اِنَّ خَيْرَ مَاتَدَا وَيْتُمْ بِهِ السَّعُوْطُ وَاللَّدُوْدُ وَالْحِجَامَةُ وَالْمَشِيُّ......**

عبارت کا ترجمہ کیجئے۔ **سعوط ، لدود، حجامت، مشی** اور **وجر** کا مطلب بتائیے۔ دیگر تمام دواؤں سے علاج کا حکم تحریر کیجئے۔

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) مذکورہ الفاظ کا مطلب (۳) دیگر ادویہ سے علاج کا حکم۔

**جواب** ...... **①** عبارت کا ترجمہ:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تین غلام تھے پچھنے لگانے والے پس دو تو اجرت لیتے تھے اور ایک پچھنے لگاتا تھا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے گھر والے کو، راوی کہتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا بہترین غلام پچھنے لگانے والا ہے خون لے جاتا ہے اور پیٹھ کو ہلکا کرتا ہے اور نظر کو تیز کرتا ہے اور فرمایا بے شک رسول اللہ ﷺ جس وقت معراج کے لئے تشریف لے گئے تو نہیں گزرے فرشتوں کی جماعت میں سے کسی پر مگر انہوں نے کہا لازم پکڑو پچھنے لگوانے کو اور فرمایا بہترین چیز جن سے تم علاج کرتے ہو سعوط، لدود حجامت اور مشی ہے۔

**②** مذکورہ الفاظ کا مطلب:۔ **سعوط:** وہ دوا جو ناک میں ٹپکائی جائے۔

**لدود:** وہ دوا جو مریض کے منہ میں ڈالی جائے۔　　　**الحجامۃ:** پچھنے لگوانا یعنی فاسد خون نکلوانا۔

**المشی:** دست آور اور اسہال والی دوا۔ **وجود:** یہ بھی لدود کی طرح وہ دوا جو منہ میں ڈالی جائے۔

③ **دیگر ادویہ سے علاج کا حکم:۔** چقندر سنا مکی کلونجی اثمد کیؔ شہد وغیرہ ان تمام دواؤں سے علاج معالجہ درست ہے، ان میں کوئی حرج نہیں ہے۔ آج کل کی تیار شدہ کوئی دواء ایسی ہے کہ وہ حرام اشیاء سے تیار شدہ ہے تو اس سے علاج معالجہ درست نہیں ہے، البتہ اگر جان کو خطرہ ہو اور کوئی ماہر حاذق حکیم صوم وصلوٰۃ اور امورِ شرع کا پابند یہ کہہ دے کہ اس دواء کے علاوہ کوئی اور دواء اس وقت مفید ثابت نہیں ہو سکتی صرف یہی دواء ہی ہے تو زندگی بچانے کے لئے اس کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اگر جان کا خطرہ نہ ہو تو پھر امام ابوحنیفہؒ، امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مطلقاً حرام وممنوع ہے۔

## السوال الثالث ۱۴۳۱ھ

**الشق الاوّل** ...... **خَطَبَنَا عَلِیٌّ فَقَالَ: مَنْ زَعِمَ أَنَّ عِنْدَنَا شَیْئًا نَقْرَؤُهٗ اِلَّاکِتَابَ اللّٰهِ وَهٰذِهِ الصَّحِیْفَةِ، صَحِیْفَةٌ فِیْهَا أَسْنَانُ الْاِبِلِ، وَأَشْیَاءُ مِنَ الْجِرَاحَاتِ، فَقَدْ کَذَبَ، وَقَالَ فِیْهَا: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلْمَدِیْنَةُ حَرَمٌ مَا بَیْنَ عِیْرٍ اِلٰی ثَوْرٍ فَمَنْ أَحْدَثَ فِیْهَا حَدَثًا أَوْ آوٰی مُحْدِثًا فَعَلَیْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِکَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِیْنَ لَا یَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا، وَمَنِ ادَّعٰی اِلٰی غَیْرِ أَبِیْهِ أَوْ تَوَلّٰی غَیْرَ مَوَالِیْهِ فَعَلَیْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِکَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِیْنَ، لَا یُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ، وَذِمَّةُ الْمُسْلِمِیْنَ وَاحِدَةٌ یَسْعٰی بِهَا أَدْنَاهُمْ۔**

عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔ حدیث کی تشریح کریں۔ عیر اور ثور کیا چیز ہیں اور کہاں واقع ہیں؟ ''صرف وعدل'' کا کیا مطلب ہے؟ مدینہ منورہ کا حکم بھی ''حرم'' کا ہے یا نہیں؟ اختلاف مع دلائل تحریر کریں۔ **وذمة المسلمين واحدة يسعى بها أدناهم** کی تشریح کیجئے۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں سات امور مطلوب ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) عبارت کی تشریح (۴) عیر، ثور کی وضاحت اور محل وقوع (۵) صرف وعدل کا مطلب (۶) حرمِ مدینہ میں اختلافِ ائمہ (۷) مذکورہ جملہ کی تشریح۔

**جواب** ...... ① **حدیث پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔**

② **حدیث کا ترجمہ:۔** خطبہ دیا ہمیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پس فرمایا جو شخص گمان کرے کہ بے شک ہمارے پاس کوئی چیز ہے جس کو ہم پڑھتے ہیں کتاب اللہ اور اس صحیفہ کے علاوہ جس میں اونٹوں کی عمروں کا بیان ہے اور زخموں کے متعلق کچھ باتیں ہیں (جو ایسا گمان کرے) پس تحقیق کہ اس نے جھوٹ بولا اور فرمایا کہ صحیفہ میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا مدینہ منورہ حرم ہے وہ حصہ جو عیر سے ثور تک ہے پس جو شخص نئی چیز پیدا کرے اس حصہ میں یا کسی بدعتی کو ٹھکانہ دے پس اس پر اللہ کی لعنت اور تمام فرشتوں اور انسانوں کی اس پر لعنت ہوگی، نہیں قبول فرمائیں گے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے فریضہ کو اور نہ نفل کو یا اس کی توبہ اور فدیہ کو اور جو شخص اپنے نسب کو غیر باپ کی طرف منسوب کرے یا کوئی غلام غیر مولیٰ کو اپنا مولیٰ بتائے پس اس پر بھی اللہ کی لعنت اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے، نہیں قبول کرینگے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ اور نہ اس کا فدیہ اور تمام مسلمانوں کا عہد وپیمان ایک ہے، ذمہ دار ہو سکتا ہے ان میں سے ادنیٰ شخص بھی۔

③ **عبارت کی تشریح:۔** شیعانِ علی وروافض کا یہ نظریہ ہے کہ اصل قرآن کریم چالیس پاروں کا تھا وہ سورتیں وآیات جن میں حضرت علی واہل بیت رضی اللہ عنہم کے فضائل ومناقب تھے ان کو حضرت عمرو عثمان رضی اللہ عنہما اور ان کے رفقاء نے قرآن کریم سے خارج کر دیا نیز ان کا دوسرا نظریہ یہ تھا کہ اصل نبی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں حضرت جبرائیل علیہ السلام غلطی سے وحی آپ ﷺ کے پاس لیکر پہنچ گئے نیز ان کا تیسرا نظریہ یہ بھی تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفۂ بلافصل ہونے کے حق کو خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم نے غصب کیا ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان تمام باتوں کا رد کرتے ہوئے یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔ حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہے بلکہ یہ کلام زجر وتوبیخ اور مبالغہ پر محمول ہے کہ یہ کام اتنا برا ہے کہ اس کام کا کرنیوالا اللہ تعالیٰ، فرشتے اور تمام لوگوں کے نزدیک مبغوض وملعون ہے۔

نیز یہ حکم اس شخص کیلئے ہے جو ایسی بدعت ایجاد کرے جو نصوصِ شرعی اور احکامِ نبوی ﷺ کے بالکل صریح خلاف ہو تو ایسا شخص واقعتاً دائرہ اسلام سے خارج ہو جائیگا ایسی صورت میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں ہے اسکا سب کچھ ضائع وبیکار چلا جائے گا۔

④ **عیر وثور کا محل وقوع:۔** عیر اور ثور دونوں مدینہ طیبہ میں پہاڑ ہیں، ثور یہ اُحد کے پیچھے شمالی جانب میں واقع ہے جس کی غار میں

آپ ﷺ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کیساتھ شب ہجرت میں قیام کیا تھا اور عیر مدینہ کے جنوب میں واقع پہاڑ کا نام ہے۔

⑤ صرف وعدل کی تشریح:۔ جمہور علماء کے ہاں صرف کے معنی فریضہ اور عدل کے معنی نفل کے ہیں جبکہ حضرت حسن بصریؒ کے ہاں اس کے برعکس ہے۔ امام اصمعیؒ کے نزدیک صرف کے معنی توبہ اور عدل کے معنی فدیہ کے ہیں۔

⑥ المدینۃ حرم میں مذاہب ائمہ:۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مکہ مکرمہ کی طرح مدینہ طیبہ کا بھی حرم ہے اور اس کے بھی وہی احکام ہے جو حرم مکہ کے ہیں یعنی نہ اس میں شکار پکڑا جائیگا اور نہ وہاں کے درخت وغیرہ کاٹے جائینگے۔ البتہ فرق صرف اتنا ہے کہ حرمِ مدینہ میں شکار کرنے یا درخت کاٹنے والے پر حرمِ مکہ کی طرح جزا لاگو نہ ہوگی، اسی طرح بغیر احرام حرم مدینہ میں داخل ہونا بھی جائز ہے۔ ائمہ احناف کے نزدیک حرمِ مکہ کی طرح مدینہ کا حرم ضرور ہے مگر اس کے احکام حرم مکہ والے نہیں ہیں یہاں شکار کرنا، درخت کاٹنا بغیر احرام داخل ہونا سب جائز ہے۔ حدیث الباب کا مطلب یہ ہے کہ مکہ کی طرح مدینہ کا بھی حرم ہے یعنی یہ بھی معظم ومحترم جگہ ہے یہاں عام جگہوں کی طرح خلافِ شان کوئی کام نہ کیا جائے۔

⑦ مذکورہ جملہ کی تشریح:۔ **وذمة المسلمين واحدة يسعى بها ادناهم** اس جملہ کا حاصل یہ ہے کہ عہد وامان کے حق میں تمام مسلمان برابر ہیں اعلیٰ ہو یا ادنیٰ، ایک ہو یا ایک سے زائد ہوں، امیر ہو یا غریب ہو کوئی بھی امان دے تو سب مسلمانوں کی طرف سے یہ امان سمجھا جائے گا اور تمام مسلمانوں کے نزدیک اس کا جان ومال محفوظ ومامون سمجھا جائے گا۔

**الشق الثانی** ...... **عن جدامة بنت وهب الأسدية أنها سمعت رسول الله ﷺ يقول: لقد هممت أن أنهى عن الغيلة حتى ذكرت أن الروم وفارس يصنعون ذلك "ولا يضر أولادهم".**

غیل کیا چیز ہے؟ حدیث شریف کا ترجمہ کیجئے؟ ابوداؤد کی روایت **لاتقتلوا أولادكم سرًّا فان الغيل يدرك الفارس فيدعثره عن فرسه** اور مذکورہ روایت میں جو واضح تعارض ہے اس کو دور کیجئے۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں (۱) غیل کی تعریف (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) احادیث سے رفع تعارض۔

**جواب** ...... ① غیل کی تعریف:۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ چھوٹے بچے کے دودھ پینے کے زمانہ میں عورت سے وطی کرنا غیل ہے، بعض نے کہا کہ حاملہ ہونے کی حالت میں عورت کا بچے کو دودھ پلانا غیل ہے۔

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت جذامہ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے ارادہ کیا تھا کہ میں دودھ پلانے کے زمانے میں وطی کرنے سے منع کروں مگر روم وفارس کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ لوگ ایسا کرتے ہیں اور یہ ان کی اولاد کو ضرر نہیں دیتا۔

③ احادیث سے رفع تعارض:۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بحالت حمل عورت کا دودھ پلانا بچے کیلئے نقصان دہ نہیں جبکہ ابوداؤد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ غیل سے اولاد کو نقصان ہوتا ہے، درحقیقت بات یہ ہے کہ آپ ﷺ کو عرب کا یہ مقولہ پہنچا کہ حالتِ رضاعت یا حالتِ حمل میں مباشرت کرنے سے بچے کو نقصان ہوتا ہے تو آپ ﷺ نے منع کا ارادہ کیا مگر جب پتہ چلا کہ روم وفارس والے ایسا کرتے ہیں اور کوئی نقصان نہیں ہوتا تو پھر آپ ﷺ نے منع نہیں فرمایا، لہٰذا اب غیل جائز ہے اور دونوں حدیثوں میں بھی کوئی تعارض نہیں ہے۔

## ﴿الورقة الخامسة : ترمذی (ج۲)﴾

0313 6357913 ... @gmail.com

## ﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۲ھ

**الشق الاوّل** ...... **عن جابر بن عبدالله قال: قال النبي ﷺ: انما مثلي ومثل الأنبياء قبلي كرجل بنى دارا فأكملها وأحسنها الا موضع لبنة فجعل الناس يدخلونها ويتعجبون منها، ويقولون: لو لا موضع اللبنة**

حدیث کا ترجمہ کریں اور بتائیں کہ یہ استثناء متصل ہے یا منقطع؟ یہاں مشبہ بہ مفرد ہے اور مشبہ ایک جماعت ہے، یہ تشبیہ کیسے درست ہے؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) استثناء کی نشاندہی (۳) مشبہ ومشبہ بہ کی وضاحت۔

**جواب** ...... **①** **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری مثال اور سابقہ انبیاء علیہم السلام کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جس نے کوئی دار (حویلی) بنایا پس اس کو مکمل کیا اور اس کو خوبصورت بنایا مگر ایک اینٹ کی جگہ، پس لوگ اس دار میں آنے لگے اور اس سے تعجب وحیرت میں پڑنے لگے اور کہنے لگے کہ ایک اینٹ کی جگہ کیوں نہیں بھری گئی۔

**②** **استثناء کی نشاندہی:۔** یہ استثناء متصل و منقطع دونوں ہوسکتا ہے۔

**③** **مشبہ و مشبہ بہ کی وضاحت:۔** یہاں تشبیہ تمثیلی ہے یعنی انبیاء علیہم السلام ان کے ارشادات و تعلیمات اور مکارمِ اخلاق کو ایک ایسے محل سے تشبیہ دی گئی ہے جس کی بنیاد مضبوط اور عمارت بلند و بالا ہو اور اس میں صرف ایک اینٹ کی جگہ خالی ہو اس خالی جگہ کو پُر کرنے کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا۔ (حاشیہ)

**الشق الثانی** ...... **عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یأخذ من لحیته من عرضها وطولها.** حدیث شریف کا ترجمہ کریں، داڑھی کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا یہ حدیث "**اعفوا اللحی**" کے معارض نہیں ہے؟ دونوں حدیثوں میں تطبیق کی کیا صورت ہے؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) داڑھی کی شرعی حیثیت (۳) احادیث میں تطبیق۔

**جواب** ...... **①** **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ آپ علیہ السلام اپنی داڑھی سے لیا کرتے تھے اس کی چوڑائی و لمبائی میں سے۔

**②** **داڑھی کی شرعی حیثیت:۔** ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے اور اس سے کم رکھنے والا تارکِ واجب ہونے کی وجہ سے فاسق ہے، اور احادیث میں داڑھی بڑھانے کا حکم دیا گیا ہے اور داڑھی کتنی بڑھانی چاہئے؟ اس سلسلہ میں حدیث میں کوئی مقدار متعین نہیں کی گئی۔ البتہ ایک مشت سے کم داڑھی کاٹنے کی اجازت کسی سے منقول نہیں ہے۔ بلکہ ایسا کرنا حرام ہے، ہاں ایک مشت سے زیادہ کاٹنا بعض کے نزدیک مباح اور بعض کے نزدیک مستحب ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ داڑھی ایک مشت سے زیادہ نہیں کاٹی جائے گی، اسے اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے گا۔ ایک مشت سے زیادہ داڑھی اس قدر بڑھ جائے کہ بدنما نظر آنے لگے تو ایسی صورت میں زائد بال تراشنے کو بعض علماء نے ضروری اور بعض نے مستحب کہا ہے۔ ہاں ایک مشت داڑھی رکھنے پر اجماع ہے۔ (کشف الباری، کتاب اللباس صفحہ ۲۴۹)

**③** **احادیث میں تطبیق:۔** بظاہر احادیث میں تعارض ہے اس لئے کہ حدیث الباب سے داڑھی کاٹنے کا جواز معلوم ہورہا ہے جبکہ دوسری جگہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "**اعفوا اللحی**" (داڑھی بڑھاؤ) کا حکم دیا ہے۔

رفعِ تعارض و تطبیق یہ ہے کہ "**اعفوا اللحی**" کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین کی مخالفت کرتے ہوئے داڑھی رکھی جائے، نہ بالکل منڈائی جائے اور نہ زیادہ کم کی جائے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو داڑھی کاٹنا ثابت ہے وہ ایک مشت (مٹھی) سے زائد حصہ ہے، اس حصہ کے کاٹنے سے تعارض پیدا نہیں ہوتا۔ (واللہ اعلم)

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۲ھ

**الشق الاوّل** ...... **عن ابن عمر أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم سئل عن أکل الضب فقال: لا آکله ولا أحرمه.**

حدیث شریف کا ترجمہ کریں۔ "ضب" کے بارے میں فقہاء کے اختلافات مع دلائل ذکر کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا خلاصہ دو امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) ضب میں فقہاء کا اختلاف مع الدلائل۔

**جواب** ...... **①** **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گوہ کھانے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ میں اس کو کھاتا ہوں اور نہ اسے حرام قرار دیتا ہوں۔

**②** **ضب میں فقہاء کا اختلاف مع الدلائل:۔** ائمہ احناف رحمہم اللہ کے نزدیک گوہ کا گوشت مکروہ تحریمی ہے۔

بعض حضرات نے مکروہ تنزیہی کا بھی ذکر کیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر حضرات کے نزدیک گوہ کا گوشت حرام ہے۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک گوہ کا گوشت مباح اور حلال ہے۔ الغرض دو مذہب ہوگئے: ① مباح و حلال ② مکروہ تحریمی اور حرام۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ حلت اور اباحت کے قائل ہیں ان کی دلیل یہی حدیث ہے اور اس سے ملتی جلتی دیگر احادیث ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کراہت اور نفرت کی وجہ سے نہیں کھائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھائی گئی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا اور دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی حرمت کے متعلق پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حرام نہیں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ائمہ احناف رحمہم اللہ حرمت اور کراہت تحریمی کے قائل ہیں، ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں یہ الفاظ ہیں "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نهى عن اكل الضب" کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے دلائل کا جواب یہ ہے کہ محرم و مبیح میں سے محرم کو ترجیح ہوتی ہے۔

نیز دوسرا جواب یہ ہے کہ توقف اور اباحت کا قول آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ارشاد فرمایا تھا پھر بعد میں بالکل منع فرمادیا، یہی اولیٰ واقوی ہے۔

**الشق الثانی** ...... عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِيْ وَقَّاصٍ عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ: مَرِضْتُ عَامَ الْفَتْحِ مَرَضًا أَشْفَيْتُ مِنْهُ عَلَى الْمَوْتِ فَأَتَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَعُوْدُنِيْ، فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اِنَّ لِيْ مَالًا كَثِيْرًا وَلَيْسَ يَرِثُنِيْ اِلَّا ابْنَتِيْ، اَفَاُوْصِيْ بِمَالِيْ كُلِّهٖ؟ قَالَ: لَا، قُلْتُ: فَثُلُثَيْ مَالِيْ؟ قَالَ: لَا، قُلْتُ فَالشَّطْرِ؟ قَالَ لَا، قُلْتُ: فَالثُّلُثِ؟ قَالَ: اَلثُّلُثُ، وَالثُّلُثُ كَثِيْرٌ، اِنَّكَ اِنْ تَدَعْ وَرَثَتَكَ اَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ اَنْ تَدَعَهُمْ يَتَكَفَّفُوْنَ النَّاسَ

پوری عبارت پر اعراب لگاکر "أشفيت" اور "يتكففون" کی لغوی تحقیق کر کے حدیث شریف کا ترجمہ کریں۔ حضرت سعد کی بیماری کا یہ واقعہ فتح مکہ کے موقع پر پیش آیا یا کسی اور موقع پر؟ تحقیقی بات لکھیں "وليس يرثني إلا ابنتي" کا مطلب علماء کے اقوام کی روشنی میں لکھیں اور ایک تہائی سے زائد وصیت کا حکم کیا ہے؟ علماء کے اختلافات ذکر کریں۔

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل چھ امور ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) "اشفيت و يتكففون" کی لغوی تحقیق (۳) حدیث کا ترجمہ (۴) حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بیماری کے پیش آنے کا موقع (۵) جملہ کے مطلب میں علماء کے اقوال (۶) تہائی سے زائد وصیت کا حکم۔

**جواب** ...... ① حدیث پر اعراب:۔ کما مر في السوال آنفًا۔

② "اشفيت و يتكففون" کی لغوی تحقیق:۔ "أَشْفَيْتُ" صیغہ واحد متکلم بحث ماضی معلوم از مصدر اِشْفَاءً (افعال) بمعنیٰ کنارہ پر پہنچنا "اشفيت اى صرت على شفاه" (میں موت کے کنارے پہنچ گیا)

"يَتَكَفَّفُوْنَ" صیغہ جمع مذکر غائب فعل مضارع معلوم از مصدر اَلتَّكَفُّفُ (تفعل) بمعنیٰ مانگنے کے لئے ہاتھ پھیلانا۔ "يتكففون اى يسألون بالاكف" (وہ ہاتھ پھیلا کر سوال کرتے رہیں)

③ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں فتح مکہ کے سال سخت بیمار ہوا جس سے میں مرنے کے قریب ہوگیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لئے تشریف لائے، تو میں نے کہا اے اللہ کے رسول! میرے پاس مال بہت ہے اور میری صرف ایک ہی بیٹی وارث ہے، کیا میں اپنے سارے مال کی وصیت کردوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، میں نے عرض کیا کہ کیا میں دو تہائی مال کی وصیت کردوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، میں نے عرض کیا کہ نصف مال کی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، میں نے عرض کیا کہ تہائی مال کی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تہائی مال کی وصیت کرسکتے ہو اور تہائی بھی بہت ہے۔ بیشک تو اگر اپنے ورثاء کو مالدار وغنی چھوڑے یہ بہتر ہے اس بات سے کہ تو ان کو اس حال میں چھوڑے کہ وہ لوگوں سے بھیک مانگتے پھریں۔

④ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بیماری کے پیش آنے کا موقع:۔ حافظؒ فرماتے ہیں کہ امام زہریؒ کے تمام تلامذہ اس بات پر متفق ہیں کہ یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔ صرف ابن عیینہؒ نے فتح مکہ ذکر کیا ہے اور یہ انکا وہم ہے۔ (تحفۃ الالمعی جلد۵، صفحہ ۴۵۶)

⑤ جملہ کے مطلب میں علماء کے اقوال:۔ اس جملہ کے مطلب میں پہلا قول یہ ہے کہ اولاد اور خواص ورثاء میں سے ایک بیٹی کے علاوہ اور کوئی وارث نہیں ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اصحاب الفروض میں سے ایک بیٹی کے علاوہ میرا کوئی وارث نہیں ہے۔

⑥ تہائی سے زائد وصیت کا حکم:۔ جمہور فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ ثلث (تہائی) مال سے زائد وصیت کرنا باطل ہے البتہ

اگر ورثاء زائد مقدار پر راضی ہو جائیں اور ورثاء میں کوئی نابالغ و مجنون بھی نہ ہو تو پھر ثلث سے زائد کی وصیت جائز ہے، باقی اگر ورثاء کی تین اقسام (اصحاب الفروض، عصبات وذوی الارحام) میں سے کوئی قسم بھی نہ ہو تو پھر ثلث سے زائد کی وصیت جائز ہے یا نہیں؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے حنفیہ رحمہم اللہ کے نزدیک جائز ہے اور باقی ائمہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ حدیث الباب حنفیہ کی دلیل ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثلث سے زائد وصیت سے منع فرمایا کہ ورثاء کو مالدار ہونے کی حالت میں چھوڑنا بہتر ہے، لہٰذا جب ورثاء نہیں ہوں گے تو یہ علت ختم ہوگئی۔ لہٰذا اب ثلث سے زائد کی بھی وصیت جائز ہے۔ (خیر المفاتیح جلد۳، صفحہ ۴۲۱)

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۲ھ

**الشق الاوّل** ...... **سمعت أسماء بنت يزيد تحدث أن رسول الله مر في المسجد يومًا وعصبة من النساء قعود فألوى بيده بالتسليم، وأشار عبدالحميد بيده.**

حدیث شریف کا ترجمہ کریں۔ مردوں کا اجنبی عورتوں کو اور عورتوں کا اجنبی مردوں کو سلام کرنا کیسا ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اشارۃ کیسے سلام کیا حالانکہ یہود ونصاریٰ اشارہ سے سلام کرتے ہیں اور ہمیں ان کے ساتھ تشبہ اختیار نہ کرنے کا حکم ہے۔ کیا طالبات کیلئے اپنے استاذوں کو جو غیر محرم ہیں سلام کرنے کی اجازت ہے؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل چار امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) اجنبی مرد وعورت کا ایک دوسرے کو سلام کرنے کا حکم (۳) ہاتھ کے اشارہ سے سلام کرنے کا حکم (۴) طالبات کا غیر محرم اساتذہ کو سلام کرنے کا حکم۔

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ سنا میں نے حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے وہ بیان کرتی ہیں کہ بیشک آپ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے مسجد میں ایک دن اور عورتوں کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی پس آپ نے ہاتھ سے سلام کا اشارہ کیا اور اشارہ کیا عبدالحمید نے اپنے ہاتھ سے۔

② اجنبی مرد وعورت کا ایک دوسرے کو سلام کرنے کا حکم:۔ امام بخاری اور دیگر بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ مردوں کا عورتوں کو سلام کرنا جائز ہے، دلیل یہی حدیث الباب ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام انسانی شکل میں آکر سلام کرتے تھے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے پاس جمعہ کے دن جاتے اور سلام کرتے اور حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کے موقع پر سلام کرنا ثابت ہے۔

مالکیہ نے جوان عورت اور بوڑھی عورت میں فرق کیا ہے کہ بوڑھی عورت کو سلام کرنا جائز اور جوان عورت کو سلام کرنا جائز نہیں ہے اور بعض نے جمیلہ وغیر جمیلہ میں فرق کیا ہے، تاکہ فتنہ پیدا نہ ہو، ربیعہؒ نے مطلقاً سلام سے منع فرمایا ہے اور اہل کوفہ نے عورت کیلئے ابتداء بالسلام کو ممنوع قرار دیا ہے کیونکہ عورت کو اذان واقامت اور قراءت بالجہر سے منع کیا گیا ہے۔

الغرض شرعی حکم کے اعتبار سے تمام مسلمانوں کا ایک دوسرے کو سلام کرنا جائز اور فضائل کثیرہ کے حصول کا سبب وموجب ہے، ہر جگہ ہر کسی کو سلام کرنا جائز ہے، البتہ اگر فتنہ وفساد کا اندیشہ ہو تو پھر سلام کرنا جائز نہیں ہے، یہ ساری بحث غیر محرم کے متعلق ہے، محرم کو سلام کرنا مستحسن ومسنون ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ (انعامات منعم ج۱ ص۳۳۸)

③ ہاتھ کے اشارہ سے سلام کرنے کا حکم:۔ صرف ہاتھ کے اشارہ پر کفایت کرنا یا اسے سلام کا جز سمجھنا یا موجبِ ثواب سمجھنا مشابہت کفار اور بدعت ضالہ ہے۔

البتہ اگر سامع دور ہو اور سلام کی آواز سننے میں شک ہو تو سلام کے لفظ کے ساتھ ہاتھ سے اشارہ کرنا جائز ہے جیسا کہ ہمارے علاقوں میں ہے۔

④ طالبات کا غیر محرم اساتذہ کو سلام کرنے کا حکم:۔ نامحرم کو سلام کرنا جبکہ دونوں جوان ہوں فتنہ سے خالی نہیں اس لئے سلام کرنا اور اس کا جواب دینا دونوں جائز نہیں، البتہ اگر استاد اپنی آمد کی اطلاع کے لئے سلام کرے اور طالبات اپنی موجودگی کی خبر دینے کے لئے آہستہ آواز سے جواب دیں تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔

**الشق الثانی** ...... **عن أسماء بنت عميس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سألها بما تستمشين؟ قالت بالشبرم، قال: حَارٌّ جَارٌّ قالت، ثم استمشيت بالسنا فقال النبي صلى الله عليه وسلم: لو أن شيئًا كان فيه شفاء من الموت لكان في السنا.**

استمشاء، شبرم اور سنا کی تشریح کیجئے۔ حدیث پاک کا سلیس ترجمہ کیجئے اور تشریح کیجئے۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل تین امور ہیں ① اشتمشاء، شبرم اور سنا کی تشریح ② حدیث کا ترجمہ ③ حدیث کی تشریح۔

**جواب** ...... ① **اشتمشاء، شبرم اور سنا کی تشریح:۔** شبرم: یہ پیڑ کی جڑ کا چھلکا ہے جو گرم وخشک ہوتا ہے۔

سناء: یہ ایک گھاس کی بوٹی ہے جو پیٹ کی صفائی کیلئے معتدل ہے اور بلغم سوداء کیلئے مسہل ہے۔

استمشاء: کسی چیز سے اسہال لینا۔

② **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کس چیز سے اسہال لیتی ہو؟ انہوں نے کہا شبرم سے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ بہت زیادہ گرم اور ظالم ہے وہ فرماتی ہیں پھر میں سناء کے ساتھ اسہال لینے لگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کسی چیز میں موت سے شفاء ہوتی تو سناء ہوتی۔

③ **حدیث کی تشریح:۔** آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ تم اسہال کے لئے شبرم استعمال نہ کرو کیونکہ شبرم تو بہت زیادہ گرم ہے اور مادہ فاسدہ کے ساتھ ساتھ مادہ زائد کو بھی خارج کردے گی جس سے نقصان کا اندیشہ ہے لہٰذا اسہال کے لئے سناء استعمال کرو جو پیٹ کی صفائی کے لئے متعدل ہے۔ نیز ارشاد فرمایا کہ اگر موت سے کوئی چیز بچانے والی ہوتی تو وہ سناء ہی ہوتی، اس جملہ سے سناء کی افادیت اور اہمیت کو بیان کرنا مقصود ہے کہ وہ بہت زیادہ مفید ہے۔

## ﴿الورقة الخامسة : ترمذی (ج ۲)﴾

## ﴿السؤال الاوّل﴾ ۱۴۳۳ھ

**الشق الاوّل** ...... سَمِعْتُ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ: مَنْ مَنَحَ مَنِيْحَةَ لَبَنٍ اَوْوَرِقٍ اَوْ هَدٰى زِقَاقًا كَانَ لَهٗ مِثْلُ عِتْقِ رَقَبَةٍ۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: "مَثَلُ الَّذِیْ يُعْطِی الْعَطِيَّةَ ثُمَّ يَرْجِعُ فِيْهَا كَالْكَلْبِ اَكَلَ حَتّٰى اِذَا شَبِعَ قَاءَ ثُمَّ عَادَ فَرَجَعَ فِیْ قَيْئِهٖ"۔ احادیث پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔ منیحہ کسے کہتے ہیں۔ ھدی زقاقا کے مطالب واضح کریں۔ بتائیے ھدیہ دے کر رجوع کرنے کا کیا حکم ہے؟

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال میں پانچ امور مطلوب ہیں (۱) احادیث پر اعراب (۲) احادیث کا ترجمہ (۳) منیحہ کی تعریف (۴) **ھدی زقاقا** کے مطالب (۵) ھدیہ دیکر رجوع کرنے کا حکم۔

**جواب** ...... ① **احادیث پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔**

② **احادیث کا ترجمہ:۔** (راوی کہتے ہیں) میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جو شخص کسی کو دودھ والے جانور کا عطیہ دے یا چاندی کا عطیہ دے یا کسی کو راستہ بتادے تو اس کو ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ہوگا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس شخص کی مثال جو کوئی چیز عطیہ کرتا ہے پھر اس میں رجوع کرتا ہے مثل اس کتے کے ہے جس نے خوب کھایا حتی کہ جب سیر ہو گیا تو قیئ کردی پھر جب وہ لوٹا تو اپنی قیئ کو دوبارہ کھانا شروع کردیا۔

③ **منیحہ کی تعریف:۔** منیحہ وہ اونٹ یا بکری جو دودھ والی ہو۔

④ **ھدی زقاقا کے مطالب:۔** ① زقاق بالضم کا معنٰی راستہ ہے مطلب یہ ہے کہ کسی کو راستہ دکھایا یا نابینا کی رہبری کی۔ ② بعض نے کہا کہ اس سے مراد پھل والے پیڑوں کی قطار ہے مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کو اپنے باغ سے پھلوں والے درخت کی قطار دیدے۔ چنانچہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت میں **اھدی زقاقا** کا لفظ واقع ہوا ہے جو ہدیہ سے ماخوذ ہے بمعنی التصدق مگر اولیٰ یہ ہے کہ ہدی ماخوذ من الھدایۃ ہے، نہ کہ من الھد یہ لہٰذا اول معنی راجح ہیں۔ ③ حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ روایت کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح غلام آزاد کر کے اس نے اپنے کل اعضاء کو جہنم کی آگ سے بچالیا ہے اسی طرح اس نے یہ عطیات کر کے جہنم کی آگ سے خود کو یعنی پورے جسم کو بچالیا ہے، روایت مذکورہ میں ان عطیات کرنے والے کیلئے جہنم سے بچاؤ کی خوشخبری ہے۔

⑤ **ھدیہ دیکر رجوع کرنے کا حکم:۔** اگر کوئی شخص کسی کو کوئی چیز ہبہ کرے اور قبضہ بھی دیدے تو وہ چیز واہب کی ملک سے نکل کر موہوب لہ کی ملک میں داخل ہو جاتی ہے، اب واہب اس ہبہ کردہ چیز کو واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟

امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ واہب کے لئے اپنے ہبہ میں رجوع کرنا جائز نہیں نہ قضاءً اور نہ دیانۃً، ہاں اگر والد نے اپنے بیٹے کو کوئی چیز ہبہ کی ہے تو وہ اس سے رجوع کرسکتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ، امام اسحاقؒ، امام نخعیؒ اور امام ثوریؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے غیر ذی رحم محرم کو ہبہ کیا تو اس کے لئے اپنے ہبہ میں رجوع کرنا جائز ہے جب تک اس نے موہوب لہ سے کوئی عوض نہ لیا ہو اور اگر ذی رحم محرم کو ہبہ کیا تو اس کے لئے رجوع جائز نہیں ہے عام ازیں کہ وہ والد ہو یا غیر والد ہو۔

امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کی پہلی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا "**الرجل احق بهبة مالم يثب منها**" دوسری دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: **من وهب هبة فهو احق بها مالم يثب منها.**

امام شافعیؒ وغیرہ کا استدلال حدیثِ باب سے ہے اور حضرت ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم والی مرفوع حدیث سے ہے "**لايحل لرجل ان يعطى عطية أويهب هبة فيرجع فيها الاالوالدفيما يعطى ولده ومثل الذى يعطى العطية ثم يرجع فيه كمثل الكلب ياكل فاذا شبع قاء ثم عاد فى قيئه**"۔ احناف کی طرف سے جواب یہ ہے کہ ہبہ میں رجوع کرنا یہ انسانی مروّت کے خلاف ہے حرام نہیں اور صاحبِ ہدایہ یہ فرماتے ہیں کہ حنفیہ کے نزدیک رجوع کے جواز سے مراد قضاء ہے اور کراہتِ تحریمہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول **العائد فى هبة كالعائدفى قيئه** کی وجہ سے ہے۔

**(نوٹ)** احناف کے نزدیک چند اشیاء ایسی ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی ایک چیز پائی گئی تو پھر بھی ہبہ میں رجوع جائز نہیں ہے۔
① عوض: یعنی موہوب لہ نے ہبہ کے عوض میں کوئی چیز دیدی۔ ② زیادتِ متصلہ: یعنی موہوب لہ نے ہبہ میں ایسی زیادتی کردی جو اس سے علیحدہ نہیں ہوسکتی مثلاً کپڑا تھا، اس نے اس پر کڑھائی کروالی۔ ③ موت: یعنی دونوں میں سے کسی ایک کی موت واقع ہوگئی۔ ④ خروج عن الملک: یعنی وہ چیز موہوب لہ کی ملک سے بھی نکل گئی مثلاً اس نے آگے کسی اور کو ہبہ کردی یا فروخت کردی۔ ⑤ زوجیت: یعنی واہب اور موہوب لہ کی آپس میں شادی ہوگئی تو پھر بھی رجوع جائز نہیں ہے۔ ⑥ قرابت: یعنی واہب اور موہوب لہ میں کوئی اور رشتہ داری وقرابت کا تعلق قائم ہوگیا۔ ⑦ ہلاکت: یعنی وہ موہوبہ چیز ہلاک ہوگئی تو پھر بھی اس میں رجوع جائز نہیں ہے۔

**الشق الثانی** ......**عن أبى مجلز قال: خرج معاوية فقام عبدالله بن الزبير وابن صفوان حين رأوه، فقال: اجلسا، سمعت رسول الله ﷺ يقول: من سرّه ان يتمثل له الرجال قيامًا فليتبوأ معقده من النار.**
حدیث شریف کا واضح ترجمہ کریں۔ بڑوں کیلئے احتراماً کھڑے ہونے کا کیا حکم ہے؟ احادیث واقوال علماء کی روشنی میں تفصیل لکھیں۔
﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں دو امور حل طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) بڑوں کیلئے احتراماً کھڑے ہونیکا حکم۔

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ ابومجلزؒ سے مروی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نکلے تو ابنِ زبیر اور ابنِ صفوان کھڑے ہوئے جس وقت انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دونوں بیٹھ جاؤ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ لوگ اسکے سامنے کھڑے رہیں تو اس کو چاہیئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔

② بڑوں کیلئے احتراماً کھڑے ہونے کا حکم:۔ کسی کا دوسرے کے لئے کھڑا ہونا دو طرح ہے۔ تعظیم کے لئے اور فرحت وانبساط کیلئے، پھر قیامِ تعظیمی کی دو صورتیں ہے ① مسلسل کھڑے رہنا جب تک وہ بڑا مجلس میں موجود ہے ② کھڑے ہوکر بڑے کے بیٹھنے کے فوراً بعد بیٹھ جانا، یہ دونوں صورتیں ممنوع ہیں پہلی صورت مکروہ تحریمی ہے اور دوسری صورت اس سے کم مکروہ ہے۔ البتہ انبساط وفرحت کیلئے کھڑا ہونا اور آنے والے کو خوش آمدید کہنا نہ صرف جائز ہے بلکہ مستحسن ہے۔ اور حدیث میں اس شخص کیلئے وعید کا ذکر ہے جو از خود اس کا خواہش مند ہو اور اس میں وہ اپنی بڑائی وفخر محسوس کرے۔ (تحفۃ الالمعی جلد ۶ صفحہ ۵۲۳)

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۳ھ

**الشق الاوّل** ......**عن عمران بن حصين أن رسول الله ﷺ نهى عن الكى، قال: فابتلينا فما أفلحنا ولا انجحنا.**
حدیث شریف کا ترجمہ کریں۔ **أفلحنا** اور **أنجحنا** کی لغوی تحقیق کریں اور بتائیں کہ ابوداؤد کی روایت میں **أفلحن** اور

أنـجـحـن کے صیغے وارد ہیں، ان میں سے کون سا صیغہ درست ہے؟ ایک دوسری حدیث میں "کـی" کا اثبات ہے، اس حدیث میں اور مذکورہ حدیث میں تعارض معلوم ہوتا ہے اس تعارض کو دور کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں ① حدیث کا ترجمہ ② أفـلـحـنـا اور أنـجـحـنـا کی لغوی تحقیق ③ افلحن وانجحن اور افلحنا وانجحنا میں سے درست صیغہ کی نشاندہی (۴) احادیث "کیّ" سے رفعِ تعارض۔

**جواب**...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا آگ کے ذریعے داغ دینے سے، فرمایا ہم مبتلا ہوئے (بیمار ہوئے) ہم نے آگ کا داغ لگوایا تو ہم کامیاب نہیں ہوئے اور اپنا مقصد حاصل نہ کر سکے۔

② أفـلـحـنـا اور أنـجـحـنـا کی لغوی تحقیق:۔ افـلـحـنـا: صیغہ جمع متکلم فعل ماضی معروف از مصدر اِفْلَاح (افعال) بمعنی ایسا کامیاب ہونا جس کا اثر باقی رہے اس کا مجرد فلح ہے۔

انجحنا: صیغہ جمع متکلم فعل ماضی معروف از مصدر انجاح (افعال) بمعنی کامیاب وفتح مند ہونا اس کا مجرد نجح ہے۔

③ أفلحن وأنجحن اور افلحنا وانجحنا میں سے درست صیغہ کی نشاندہی:۔ مذکورہ دونوں صیغوں میں سے افلحنا اور انجحنا کے صیغے درست ہیں۔

④ احادیثِ "کی" سے رفعِ تعارض:۔ ایک باب میں امام ترمذیؒ نے "کـی" کی کراہت کو اور دوسرے باب میں اباحت کو ذکر کیا ہے اور کراہت واباحت دونوں جمع ہوسکتے ہیں دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلاضرورت شدید داغ لگوانے سے منع کیا ہے اور جہاں اجازت ہے وہاں ضرورت کی بناء پر ہے کہ جب داغ لگوانے کے علاوہ کوئی اور علاج نہ ہو تو پھر داغ لگوانا جائز اور درست ہے۔ نیز ''کیّ'' انتہائی تکلیف دہ علاج ہے اور یہ عـذاب مـن النار کے مشابہ ہے اسلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ حتی الوسع اس سے بچنا ہی چاہئے البتہ اگر کوئی اور حل وعلاج ممکن نہ ہو تو پھر اجازت ہے۔

**الشق الثانی**...... عَـنْ ثَـابِـتِ بْـنِ الـضَّـحَّـاكِ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: لَيْسَ عَلَى الْعَبْدِ نَذْرٌ فِيمَا لَا يَمْلِكُ، وَلَا عِنِ الْمُؤْمِنِ كَقَاتِلِهٖ، وَمَنْ قَذَفَ مُؤْمِنًا بِكُفْرٍ فَهُوَ كَقَاتِلِهٖ، وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهٗ بِشَيْئٍ عَذَّبَهُ اللّٰهُ بِمَا قَتَلَ بِهٖ نَفْسَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

حدیث پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔ ''لیـس عـلـی الـعـبـد نـذ ر فیما لا یملك'' کی تشریح کریں اور ایک روایت میں ''أیما رجل قال لاخیه کا فر فقد باء أحد هما'' وارد ہے، اس کی بے غبار تشریح کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) "لیـس عـلـی العبد نذر فیما لایملك" کی تشریح (۴) ایما رجل قال لاخیه کافر الخ کی تشریح۔

**جواب**...... ① حدیث پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفًا۔

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بندہ پر اس چیز کی نذر ومنت نہیں ہے جس کا وہ مالک نہیں ہے اور مومن پر لعن طعن کرنے والا اس سے قتال کرنے والے کی مثل ہے اور جو شخص کسی مومن پر کفر کی تہمت لگاتا ہے وہ بھی اس سے قتال کرنے والے کی مثل ہے اور جس شخص نے خود کو کسی چیز کے ذریعہ قتل کیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو اس چیز کے ذریعہ سزا دیں گے جس سے اس نے خود کو قتل کیا ہوگا۔

③ "لیـس عـلـی العبد نذر فیما لایملك" کی تشریح:۔ مطلب یہ ہے کہ بندہ بوقتِ نذر جس چیز کا مالک نہیں ہے اسکی نذر و منت ماننا صحیح نہیں ہے حتیٰ کہ اگر نذر کے بعد وہ چیز ملک میں آ گئی پھر بھی اس نذر کو پورا کرنا لازم نہیں ہے۔ بخلاف غلام کے عتق کے کہ اگر اس نے غلام کے عتق وغیرہ کو ملک کے ساتھ معلق کر دیا تو وہ پھر بھی ہمارے نزدیک آزاد ہو جائے گا۔ (حاشیہ)

④ ایما رجل قال لاخیه کافر الخ کی تشریح:۔ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان نے اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہا تو لامحالہ ان دونوں میں سے ایک کافر ہو جائے گا۔ یعنی وہ قائل کافر ہو جائے گا۔

چونکہ گناہ کبیرہ کے ذریعہ مومن کافر نہیں ہوتا اسلئے علماء نے اس کی متعدد توجیہات ومطلب بیان کئے ہیں۔ ① اگر اس نے دینِ

اسلام کے بطلان کے عقیدہ پر یہ جملہ کہا ہے تو وہ واقعتاً کافر ہو گیا۔② اگر اس نے محض گالی وغیرہ کے طور پر یہ جملہ کہا ہے تو اس سے مراد مستحل ہے یعنی جس نے یہ جملہ حلال و جائز سمجھتے ہوئے کہا ہے کیونکہ معصیت کو حلال سمجھنا کفر ہے۔③ جب اس نے اپنی مثل کو کافر کہا تو اس نے خود کو بھی کافر کہا ہے۔④ اس نے ایسا کام کیا ہے جو کافر کرتے ہیں کیونکہ کافر لوگ ہی مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہیں۔(حاشیہ)

## السوال الثالث ١٤٣٣ھ

**الشق الاوّل** ......عن اسامة بن زيد ان رسول الله ﷺ قال: لا يرث المسلم الكافر و لا الكافر المسلم۔
حدیث شریف کا ترجمہ کریں۔ مرتد کے مال کا کیا حکم ہوگا، ائمہ مجتہدین کے اقوال و مذاہب ذکر کریں؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حاصل دو امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) مرتد کے مال کا حکم۔

**جواب** ...... ① **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا اور نہ کافر مسلمان کا وارث ہوتا ہے۔

② **مرتد کے مال کا حکم:۔** اس پر اجماع ہے کہ مرتد مسلمان کا وارث نہیں ہوگا البتہ مرتد کے مال کے بارے میں مختلف مذاہب ہیں: امام شافعی، ربیعہ و ابن لیلیٰؒ فرماتے ہیں کہ مرتد کے مرنے کے بعد اس کا مال فئی للمسلمین ہوگا۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مال مسلمانوں کیلئے فئی ہے البتہ اگر مرتد نے اسلئے ارتداد کو اختیار کیا ہو کہ ورثاء کو محروم کردے تو پھر ورثاء محروم نہ ہوں گے بلکہ ان کو وارث بنایا جائیگا۔

امام ابو یوسف و محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مرتد کا مال مسلمان ورثاء کو دیا جائیگا۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو مال بحالت اسلام کمایا ہے اس کے وارث مسلمان ورثاء ہوں گے اور جو مال مرتد ہونے کے بعد حاصل کیا ہے وہ بیت المال میں جمع کیا جائیگا۔

علقمہ اور بعض تابعین رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ اسکے مال کے مستحق وہ اہلِ دین ہونگے جن کے دین کی طرف وہ منتقل ہوا ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مرتد تو حکماً میت ہے تو اس کی موت کا حکم وقتِ ردّت کی طرف منسوب ہوگا لہٰذا ردّت اختیار کرنے تک تو مسلمان تھا اب مرتد ہو کر وہ میت ہو گیا تو اب تک کا جو مال اس کے پاس ہے وہ بحالتِ اسلام کمایا ہوا ہے تو مسلمان ورثاء اسکے وارث ہوں گے کیونکہ یہ "توريث المسلم للمسلم" ہوئی اور ردّت کے بعد جو مال اس نے حاصل کیا وہ کفر کی حالت کا ہے اب مسلمان کو اس کا وارث نہیں بنایا جائے گا ورنہ "توريث المسلم للكا فر" لازم آئے گا بلکہ اس کا مال بیت المال میں جمع کر دیا جائیگا۔

فائدہ: یہ حکم مرتد مرد کے مال کے بارے میں ہے اور مرتدہ کے بارے میں اجماع ہے کہ اسکا مال جو بحالتِ اسلام ہو یا بحالت ارتداد مسلمان ورثاء کا ہے "لانها لاتقتل عندنا بل تحبس حتى تسلم اوتموت"۔(درسِ ترمذی ۳:۱۱۶)

**الشق الثانی** ......عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثَلَاثًا ثُمَّ يَجِيْئُ قَوْمٌ مِنْ بَعْدِهِمْ يَتَسَمَّنُوْنَ وَيُحِبُّوْنَ السِّمَنَ يُعْطُوْنَ الشَّهَادَةَ قَبْلَ أَنْ يُسْأَلُهَا۔
حدیث شریف پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔ يتسمنون ويحبون السمن کا مطلب واضح کریں۔ ایک دوسری حدیث میں "خير الشهداء من أرى شهادته قبل أن يسألها" آیا ہے، دونوں حدیثوں میں بظاہر جو تعارض ہے اس کو دور کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) يتسمنون و يحبون السمن کا مطلب (۴) احادیث سے رفعِ تعارض۔

**جواب** ...... ① **حدیث پر اعراب:۔** کمامرّفی السوال آنفا۔

② **حدیث کا ترجمہ:۔** عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا کہ لوگوں میں سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے پھر وہ لوگ ہیں جو انکے قریب ہیں پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں تین بار فرمایا پھر آئیگی انکے بعد ایسی قوم جو (اسبابِ) سمن کو طلب کریگی اور موٹاپے کو پسند کریگی اور گواہی دیگی اس سے قبل کہ ان سے گواہی طلب کی جائے۔

③ **يتسمنون ويحبون السمن کا مطلب:۔** يتسمنون یہ السمن سے ہے جس کا معنی لغۃ موٹاپا ہے اس سے مراد یا تو یہ ہے کہ قرون ثلاثہ کے بعد ایسی قوم آئے گی جو تکبر کرے گی ایسی چیزوں پر جو ان کو حاصل نہ ہوں گی مثلاً عزّ و جاہ کے دعویدار ہوں گے

حالانکہ یہ ان کو حاصل نہ ہوگی۔
بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مال کا جمع کرنا ہے یعنی قرون ثلاثہ کے بعد ایسی قوم آئے گی جو مال کے جمع کرنے کے درپے ہوگی۔
بعض اہل علم نے فرمایا کہ اس سے مراد ماکولات ومشروبات میں وسعت ہے، یعنی ایسی قوم ہوگی جن کی توجہ کھانے پینے کی وسعت پر ہوگی دین کی طرف رغبت نہ ہوگی لہٰذا وہ قوم موٹا ہونے کے اسباب کو اختیار کرے گی۔ علامہ تورپشتیؒ کہتے ہیں کہ دراصل یہ کنایہ ہے غفلت اور قلت اہتمام سے کہ دین کا اہتمام نہ ہوگا بلکہ امور دین سے غفلت ہوگی چونکہ جو لوگ ماکولات و مشروبات میں زیادہ مشغول رہتے ہیں ان کے بدن پھول جاتے ہیں اور ریاضت نفس نہیں کرتے بلکہ حظوظ نفسانیہ کو پورا کرتے ہیں۔
④ احادیث سے رفع تعارض:۔ "**یعطون الشهادة قبل ان یسألها**" کا محمل شہادت زور (جھوٹی گواہی) ہے اور "**خیر الشهداء...... ان یسألها**" میں خیر الشہداء اس شخص کو کہتے ہیں جس سے کسی بارے میں شہادت طلب کی گئی اور وہ شہادت دے دے اور شہادت کو نہ چھپائے اور قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے "**ولا تکتموا الشهادة**" چونکہ کتمان شہادت جائز نہیں اور ضرورت پڑ جانے پر شہادت دینا واجب ہے اور اس نے واجب کو ادا کیا ہے جس سے احیاء حق ہوا ہے اس وجہ سے اس کو خیر الشہداء فرمایا گیا ہے۔

## الورقة الخامسة : ترمذی (ج ۲)

## السوال الاوّل ۱۴۳۴ھ

**الشق الاوّل** ......**عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا تَجُوْزُ شَهَادَةُ خَائِنٍ وَ لَا خَائِنَةٍ، وَ لَا مَجْلُوْدٍ حَدًّا وَلَا مَجْلُوْدَةٍ وَلَاذِیْ غَمَرٍ لِاَخِیْهِ وَ لَا مُجَرَّبِ شَهَادَةٍ وَ لَا الْقَانِعِ اَهْلَ الْبَیْتِ لَهُمْ وَ لَا ظَنِیْنٍ فِیْ وِلَاءٍ وَ لَا قَرَابَةٍ۔**
حدیث پر اعراب لگائیں اور ترجمہ کریں۔ محدود فی القذف کی شہادت توبہ کے بعد قبول ہوگی یا نہیں؟ ائمہ کے اختلافات تحریر کریں؟
﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) محدود فی القذف کی توبہ کے بعد شہادت کی قبولیت میں اختلاف۔

**جواب** ...... ① حدیث پر اعراب:۔ **کما مر فی السوال آنفًا۔**
② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی خیانت کرنیوالے مرد اور عورت کی گواہی جائز نہیں ہے اور نہ ایسے مرد و عورت کی گواہی جن پر کوڑوں کی حد جاری کی گئی ہو اور نہ کسی بغض وعداوت والے کی گواہی اسکے بھائی کیلئے (یا اس کے حسد وبغض کی وجہ سے) اور نہ ایسے شخص کی گواہی جس کی جھوٹی گواہی پہلے آزمائی جا چکی ہو اور نہ ایسے شخص کی گواہی جو کسی گھر والوں پر قانع ہو (خادم، غلام وغیرہ) اور نہ ایسے شخص کی گواہی جو ولاء عتاقہ یا قرابت کا متہم ہو۔
③ محدود فی القذف کی توبہ کے بعد شہادت کی قبولیت میں اختلاف:۔ توبہ کے بعد محدود فی القذف کی شہادت وگواہی کی قبولیت میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ، ابو یوسف، امام محمد، امام زفر وسفیان ثوری رحمہم اللہ کے نزدیک توبہ کے بعد بھی اسکی شہادت معتبر نہیں ہے امام مالک، امام شافعی ولیث رحمہم اللہ کے نزدیک توبہ کے بعد محدود فی القذف کی شہادت قبول کی جائے گی۔
اس اختلاف کا منشاء یہ ہے کہ آیت کریمہ **فا جلدوهم ثما نین جلدة ولاتقبلوا لهم شهادة ابدًا واولئك هم الفاسقون الّا الذین تابوا من بعد ذلك الخ** میں استثناء کس جملہ سے ہے؟ حنفیہ کے نزدیک قریب ہونے کی وجہ سے صرف **هم الفاسقون** سے استثناء ہے اور دیگر ائمہ رحمہم اللہ کے نزدیک دونوں چیزوں (شہادت کی عدم قبولیت وفسق) سے استثناء ہے۔ (دروس ترمذی ۴:۱۳۶)

**الشق الثانی** ...... **عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال: القا تل لایرث۔**
قاتل مستحق میراث ہوگا یا نہیں؟ اس میں تفصیل کیا ہے؟ ائمہ کے اختلاف ان کے دلائل کے ساتھ تحریر کریں۔

**جواب** ...... قاتل کے مستحق میراث ہونے میں اختلاف ائمہ کی وضاحت:۔ حضرات احناف اور شوافع کے ہاں قاتل وارث نہیں بنتا نہ مال کا نہ دیت کا، خواہ قتل عمد ہو، خواہ شبہ عمد ہو، خطاء ہو تینوں صورتوں میں وراثت سے محروم ہوگا۔
امام مالکؒ کے ہاں قاتل قتل خطاء کی صورت میں مال کا مالک ہوگا، البتہ دیت کا وارث نہ ہوگا۔ جمہور کی دلیل حدیث الباب

ہے کیونکہ یہ مطلق ہے اس میں عمد و شبہ، خطاء کی کوئی تخصیص نہیں ہے اور دلیل کے بغیر تخصیص نہیں ہوسکتی اور یہاں دلیل نہیں ہے۔

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۴ھ

**الشق الاوّل** ...... **عن جابر قال: قال رسول اللہ ﷺ: اذا سمیتم بی فلا تکتنوا بی۔ وعن علی انہ قال: یا رسول اللہ!أرأیت ان ولدلی بعدك أسمیه محمدًا و أکنیه بکنیتك ؟قال: نعم، قال: فکانت رخصة لی۔**

دونوں حدیثوں کا سلیس ترجمہ کریں۔آپ کے اسم گرامی اور کنیت کو جمع کرنے کے بارے میں علماء کے اقوال نقل کریں۔ اور بتائیں کہ اس سے نہی کی وجہ کیا ہے؟ دونوں حدیثوں کے درمیان جو تعارض نظر آرہا ہے اس کو دور کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) احادیث کا ترجمہ (۲) آپ کے اسم گرامی اور کنیت کو جمع کرنے کا حکم اور نہی کی وجہ (۳) احادیث سے رفعِ تعارض۔

**جواب** ...... ① احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم نام رکھو میرے نام کے ساتھ تو پس نہ کنیت رکھو تم میری کنیت کے ساتھ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کا کیا خیال ہے کہ آپ کے بعد میرا بیٹا ہوا تو میں اس کا نام محمد رکھوں گا اور اس کی کنیت آپ کی کنیت کے ساتھ (ابوالقاسم) رکھوں گا؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جی ہاں ٹھیک ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ رخصت میرے لئے تھی۔

② آپ ﷺ کے نام و کنیت کو جمع کرنے کا حکم اور نہی کی وجہ:۔ جمہور علماء کے نزدیک محمد نام رکھنا جائز ہے جیسا کہ حدیث میں تصریح ہے۔بعض حضرات عدمِ جواز کے قائل ہیں اسلئے کہ نام کے ادب کے تقاضے پورے کرنا ہر شخص کے بس میں نہیں ہے۔

آپ ﷺ کی کنیت ابوالقاسم تھی۔ یہ کنیت رکھنا درست ہے یا نہیں اس میں مختلف اقوال ہیں: ① اہلِ ظواہر کے نزدیک ابوالقاسم کنیت رکھنا مطلقاً ممنوع ہے۔دلیل یہی حدیث الباب ہے۔ ② عند البعض ابوالقاسم کنیت رکھنا مکروہ تنزیہی اور خلافِ ادب ہے حرام نہیں۔

③ جمہور کے نزدیک یہ نہی و ممانعت آپ ﷺ کے زمانہ کے ساتھ خاص تھی اس کی ایک وجہ التباس کا خطرہ تھا، حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے ابوالقاسم کہہ کر پکارا تو آپ ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے، اس شخص نے کہا کہ اے اللہ کے پیغمبر ﷺ میں نے آپ ﷺ کو نہیں بلایا، بلکہ میں نے فلاں شخص کو بلایا ہے تو آپ ﷺ نے اس موقع پر ارشاد فرمایا کہ تم میرے نام کے ساتھ اپنا نام محمد تو رکھ سکتے ہو مگر میری کنیت کے ساتھ اپنی کنیت ابوالقاسم نہیں رکھ سکتے، اس سے معلوم ہوا کہ ابوالقاسم کنیت رکھنے سے ممانعت التباس کی وجہ سے تھی مگر جب آپ ﷺ کا وصال ہوگیا تو التباس کا اندیشہ ختم ہوگیا اس وجہ سے اب بلا تردد ابوالقاسم کنیت رکھنا جائز و درست ہے۔ دوسری وجہ مسلم کی روایت میں یہ آئی ہے "**لا تکنوا بکنیتی فانما بعثت قاسمًا اقسم بینکم**" یعنی میں تمہارے درمیان علم و بھلائی و اموالِ غنیمت تقسیم کرتا ہوں اس لئے میں ابوالقاسم ہوں۔

پہلی وجہ تو آپ ﷺ کے زمانہ کے ساتھ خاص تھی، لہٰذا اب کنیت ابوالقاسم رکھنا جائز ہے۔اس کی تائید حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ہوتی ہے "**قلت یا رسول اللہ ان ولد لی من بعدك ولد اسمیه با سمك و اکنیه بکنیتك**" **قال نعم** (اے اللہ کے رسول! اگر آپ ﷺ کے بعد میرا بیٹا پیدا ہو تو کیا میں آپ کا نام و کنیت دونوں اس کے لئے رکھ سکتا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جی ہاں)۔ دوسری وجہ عام ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ ابوالقاسم کنیت اب بھی نہیں رکھنی چاہیے۔ ④ آپ ﷺ کا نام و کنیت دونوں کو جمع کرنا جائز نہیں ہے لیکن اگر دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار کیا جائے تو بلا کراہت جائز ہے۔(کشف الباری کتاب الادب صفحہ ۶۰۶)

③ احادیث سے رفعِ تعارض:۔ دونوں احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے اسلئے کہ ابتداءً آپ ﷺ نے ابوالقاسم کنیت رکھنے سے منع فرمایا تھا، پھر بعد میں ازخود اسکی اجازت بھی عنایت فرمادی۔ گویا ممانعت والی احادیث منسوخ ہیں اور جواز و اباحت والی احادیث ناسخ ہیں۔

**الشق الثانی** ...... **عن ابن عمر أن رسول اللہ ﷺ قال ان من الشجر شجرة لایسقط ورقها، وهی مثل المؤمن، حدثونی ماهی؟ قال عبداللہ فوقع الناس فی شجر البوادی ووقع فی نفسی أنها النخلة فقال النبی**

ﷺ **ھی النخلۃ۔** حدیث کا ترجمہ کریں۔اس درخت کی مؤمن کے ساتھ کیا مشابہت ہے؟ علماء کے اقوال تحریر کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل دو امر ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) درخت کی مؤمن کے ساتھ وجہ مشابہت۔

**جواب** ...... **①** حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا بیشک درختوں میں سے ایک درخت ایسا ہے جسکے پتے نہیں گرتے اور وہ مؤمن کی مثال ہے بیان کرو وہ کیا ہے؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں سوچ میں پڑ گئے لوگ جنگلوں کے درختوں کے بارے میں اور میرے دل میں یہ بات آئی کہ وہ کھجور کا درخت ہے پس آپ ﷺ نے فرمایا وہ کھجور کا درخت ہے۔

**②** درخت کی مؤمن کیساتھ وجہ مشابہت:۔ نخلہ کو مسلم کیساتھ اس وجہ سے تشبیہ دی ہے کہ متعدد امور میں یہ ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔

① نافع ہونے میں دونوں متحد و مشترک ہیں کہ جس طرح کھجور کی ہر چیز سے فائدہ اور نفع اٹھایا جاتا ہے کہ اس کا تنا شہتیر اور ستون کے کام آتا ہے اگر کمزور ہو تو جلانے کے کام آتا ہے، اسکے پتے چھت اور پنکھے میں استعمال ہوتے ہیں اس کے ریشوں سے رسیاں بٹی جاتی ہیں اس کا پھل انسان کھاتے ہیں، اس کی گٹھلیاں جانور کھاتے ہیں نیز تسبیح کے دانے بھی بنتے ہیں الغرض اس کی کوئی چیز ضائع نہیں جاتی، اس طرح مؤمن کا کوئی بھی عمل جو ایمان کے مقتضی کے مطابق ہو ضائع نہیں جاتا، چلنا، پھرنا، اٹھنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا، کھانا پینا ہر چیز مفید ہے اور شریعت کے مطابق ہو تو عبادت بھی ہے۔ ② وجود وغیرہ میں دونوں متحد ہیں کہ کھجور کی جڑ تو زمین میں ہے اور شاخیں آسمان میں ہیں یعنی وجود کے اعتبار سے ارضی ہے اور سر کے اعتبار سے سماوی ہے، اسی طرح مسلمان وجود کے اعتبار سے ارضی ہے اور علوم و معارف اور اعمال کے اعتبار سے سماوی ہے۔ ③ جس طرح انسان کا سر کٹ جائے تو وہ زندہ نہیں رہ سکتا اسی طرح کھجور کے درخت کے اوپر کا حصہ کاٹ دیا جائے تو وہ بھی خشک ہو جاتا ہے۔

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۴ھ

**الشق الاوّل** ...... **عن عبداللہ قال قال رسول اللہ ﷺ: من کذب علی متعمدًا فلیتبوأ مقعدہ من النار۔**

حدیث کا ترجمہ کریں۔ فلیتبوّأ امر کا صیغہ یہاں کس معنی میں ہے؟ ایک روایت میں **من کذب علیّ متعمدًا لیضل بہ الناس** کی قید ہے کیا اس حدیث کی بنیاد پر اگر لوگوں کا اضلال مقصود نہ ہو بلکہ لوگوں کو دین کی طرف راغب کرنا مقصود ہو تو حدیثیں گھڑی جاسکتی ہیں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) **فلیتبوّا** (امر) کا معنی (۳) ترغیبِ دین کے لئے احادیث گھڑنے کا حکم۔

**جواب** ...... **①** حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو شخص جان بوجھ کر میرے بارے میں جھوٹ بولے پس چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

**②** فلیتبوّأ (امر) کا معنی ① فلیتبوّأ یہ امر کا صیغہ ہے جس سے مقصود بددعا ہے ② امر بمعنی اخبار ہے، یعنی حضور ﷺ نے یا تو اس کو بددعا دی کہ ایسے آدمی کا ٹھکانہ جہنم ہو یا پھر خبر دی کہ ایسے آدمی کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

**③** ترغیبِ دین کے لئے احادیث گھڑنے کا حکم:۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک حدیث گھڑنا بالکل جائز نہیں گناہ کبیرہ ہے جن کے بہت سے دلائل ہیں۔ البتہ بعض اہل بدعت مثلاً کرامیہ وغیرہ اور ان کی اتباع میں بعض جہلا صوفیہ ترغیب و ترہیب زہد فضائل وغیرہ کے بارے میں وضع احادیث کو جائز سمجھتے ہیں، جس پر وہ بزعم خود دو دلیلیں پیش کرتے ہیں: ①: ممانعت **کذب علی النبی** ﷺ کی ہے جبکہ فضائل میں وضع حدیث **کذب للنبی** ﷺ ہے۔ علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہاں **علیّ افتراء** کے معنی کو متضمن ہے، مطلب یہ ہے کہ عمداً حضور ﷺ کی طرف جھوٹی بات کی نسبت کرنا گناہ کبیرہ ہے، نیز اگر یہ دلیل تسلیم کرلی جائے تو پھر الفاظ قرآن میں بھی اضافہ جائز ہونا چاہیے۔ ②: یہی حدیث **من کذب علی متعمدًا لیضل الناس** کے الفاظ سے مسند بزار وغیرہ میں منقول ہے، معلوم ہوا لوگوں کی ہدایت کے لئے وضع جائز ہے۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں زیادۃ **با طلۃ اتفق الحفاظ علی ابطا لھا** یہ زیادتی باطل ہے اور اسکے بطلان پر حفاظ کا اتفاق ہے۔

**الشق الثانی** ...... **عن ابن عباس قال: رسول اللہ ﷺ: صنفان من أمتی لیس لھما فی الاسلام**

نصیب، المرجئة والقدرية۔ حدیث شریف کا واضح ترجمہ کریں۔ مرجئہ اور قدریہ کا مختصر تعارف تحریر کریں۔ بتائیے کہ کیا مرجئہ اور قدریہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں؟ اگر نہیں تو پھر "لیس لهما فی الاسلام نصیب" کا کیا مطلب ہے؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حاصل تین امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) مرجیہ اور قدریہ کا تعارف (۳) **لیس لهما فی الاسلام نصیب** کا مطلب۔

**جواب** ...... **①** حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کی دو قسمیں ایسی ہیں کہ ان کے لئے اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

**②** مرجیہ اور قدریہ کا تعارف:۔ مرجیہ: وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ تمام افعال بتقدیر اللہ ہیں بندہ کو کوئی اختیار نہیں ہے اور ایمان کے بعد معصیت سے کوئی نقصان نہیں ہوتا۔

قدریہ: یہ تقدیر کے منکر ہیں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر چیز کا خالق بندہ خود ہے تقدیر کو اس میں کوئی اختیار و دخل نہیں ہے۔

**③** **لیس لهما فی الاسلام نصیب** کا مطلب:۔ بعض لوگ حدیث کے ظاہر کو دیکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ مرجیہ اور قدریہ کافر ہیں مگر محققین کے ہاں یہ کافر نہیں ہیں اسلئے کہ یہ مؤوّلین ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان تہدید و تشدید پر محمول ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں **لاایمان لمن لا امانة له** کے الفاظ ہیں حالانکہ خائن شخص مؤمن ہی رہتا ہے تو جیسے یہ حدیث زجر و توبیخ پر محمول ہے اسی طرح حدیث الباب بھی زجر و توبیخ پر محمول ہے۔ نیز ان کے قلتِ نصیب کو **القلیل کا لمعدوم** کے ضابطہ سے بالکل معدوم قرار دے دیا۔

## ﴿الورقة الخامسة : ترمذی (ج ۲)﴾

## ﴿السؤال الاوّل﴾ ۱۴۳۵ھ

**الشق الاوّل** ...... **عن عائشة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل مسرورا تبرق اسارير وجهه، فقال: الم ترى ان مجززا نظر آنفا الى زيد بن حارثة واسامة بن زيد، فقال: هذه الاقدام بعضها من بعض۔**

حدیث شریف کا سلیس ترجمہ کریں۔ شریعت میں قیافہ شناسی کی کیا حیثیت ہے؟ مدلل ذکر کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں دو امر مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) شریعت میں قیافہ شناسی کی حیثیت مع دلیل۔

**جواب** ...... **①** حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے یہاں تشریف لائے اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش تھے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کے خطوط چمک رہے تھے، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ رضی اللہ عنہا! تجھے معلوم نہیں مجزز قائف نے ابھی زید بن حارثہ اور اسامہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا اور کہا کہ یہ بعض اقدام بعض میں سے ہیں۔

**②** شریعت میں قیافہ شناسی کی حیثیت مع الدلیل:۔ اس بارے میں اختلاف ہے کہ ثبوت نسب میں قائف کا قول معتبر ہے یا نہیں جمہور قائف کے قول کو ثبوتِ نسب میں حجت قرار دیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی مجہول النسب بچے کے بارے میں دو یا دو سے زائد افراد دعویٰ کریں اور کسی کے پاس کوئی گواہ نہ ہو تو قائف کے قول کو حجت قرار دیا جائیگا۔

حضرات احناف فرماتے ہیں کہ ثبوتِ نسب میں قائف کا قول معتبر نہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگر باندی دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو اور اس سے بچہ ہو اور دونوں دعویٰ کریں تو دونوں سے نسب ثابت ہو جائے گا۔

جمہور نے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا روایۃ الباب سے استدلال کیا ہے کہ اگر قائف کا قول حجت نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشی کیوں ہوتی۔

حضرات احناف فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشی ثبوت نسبت پر نہیں ہوئی تھی کیوں کہ نسب تو پہلے سے ثابت تھا مگر علیٰ طریق الجاہلیت بھی ثبوتِ نسب ہو گیا تھا اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشی ہوئی تھی۔

**الشق الثانی** ...... **عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ: لَايُعْدِيْ شَيْئٌ شَيْئًا، فَقَالَ اَعْرَابِيٌّ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، اَلْبَعِيْرُ الْاَجْرَبُ الْحَشَفَةُ نُدْبِنُهٗ فَيُجْرِبُ الْاِبِلَ كُلَّهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَمَنْ اَجْرَبَ الْاَوَّلَ؟ لَاعَدْوٰى وَلَاصَفَرَ، خَلَقَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ وَكَتَبَ حَيَاتَهَا وَرِزْقَهَا وَمَصَائِبَهَا۔**

حدیث پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔ حدیث شریف کی واضح تشریح کریں اور بتائیں "لاعدوی ولاصفر" کا کیا مطلب ہے؟

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) حدیث کی تشریح (۴) "لاعدوی ولاصفر" کا مطلب۔

**جواب** ...... ① حدیث پر اعراب:۔ **کما مرّ فی السوال آنفا۔**

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے درمیان آپ ﷺ کھڑے ہوئے پس فرمایا نہیں بڑھتی ہے کوئی چیز کسی چیز کی طرف پس ایک دیہاتی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! خارشی اونٹ کرتے ہیں ہم اصطبل میں پس وہ سب اونٹوں کو خارشی بنا دیتا ہے پس فرمایا رسول اللہ ﷺ نے پہلے اونٹ کو کس نے خارشی کیا تھا؟ پس نہ کوئی بیماری میں تعدیہ ہے اور نہ صفر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہی ہر نفس کو پیدا کیا ہے، اور اس کی زندگی، اس کے رزق ومصائب کو لکھا ہے۔

③ حدیث کی تشریح:۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی مرض اور بیماری کسی شخص سے دوسرے شخص میں اور کسی جانور سے دوسرے جانور میں منتقل نہیں ہوتی بلکہ ہر انسان اور ہر جانور کی اپنی ہی بیماری اور مرض ہوتا ہے تو اس موقع پر ایک دیہاتی نے کھڑے ہو کر سوال کیا کہ اے اللہ کے پیغمبر ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا کہ بیماری ایک جانور سے دوسرے جانور میں منتقل نہیں ہوتی اور بڑھتی نہیں ہے حالانکہ ہمارے ایک اونٹ کو خارش ہوتی ہے جب ہم اس کو اصطبل میں باندھتے ہیں تو اس کی وجہ سے دوسرے اونٹوں کو بھی خارش لاحق ہو جاتی ہے اور باقی اونٹ بھی خارشی ہو جاتے ہیں، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر یہی وجہ ہے کہ تو پھر سب سے پہلے اونٹ کو کس نے خارشی کیا تھا؟ گویا جس طرح پہلا اونٹ از خود قدرتی طور پر خارشی ہوا ہے اسی طرح باقی اونٹ بھی از خود خارشی ہوئے ہیں پہلے اونٹ کی وجہ سے نہیں پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بیماری میں تعدیہ نہیں ہے یعنی ایک کی وجہ سے دوسروں کو بیماری نہیں لگتی۔

اسی طرح صفر کے مہینہ میں بھی کوئی نحوست نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے جس وقت کسی بھی نفس کو پیدا کیا اسی وقت اس کی زندگی، رزق اور بیماری ومصائب وغیرہ کو بھی لکھ دیا، لہٰذا سب کچھ قدرت کی طرف سے ہے، کوئی تعدیہ وغیرہ نہیں ہے۔

④ "لاعدوی ولاصفر" کا مطلب:۔ یہ اعداء سے ماخوذ ہے بمعنی کسی کا مرض دوسرے کو لگنا، آپ ﷺ نے زمانہ جاہلیت کے غلط گمان کو رد کیا کہ اللہ تعالیٰ ہی مریض بناتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی مرض ختم کرتا ہے یعنی مرض فی نفسہ دوسرے کی جانب متعدی نہیں ہوتا۔

"ولاصفر" محمد بن راشد نے کہا کہ صفر سے محرم کے بعد کا مہینہ مراد ہے کہ جس کو اہل جاہلیت محل نزول بلا وآفات سمجھ کر منحوس خیال کرتے تھے جیسا کہ ہمارے اس زمانہ میں بھی ماہ صفر میں بیاہ، شادی کو منحوس خیال کرتے ہیں حضور ﷺ نے "ولاصفر" فرما کر اس اعتقاد کو باطل فرمایا ہے۔ بقول بعض اہلِ عرب وہم کرتے تھے کہ آدمی کے پیٹ میں ایک سانپ ہے جو بھوک کے وقت کاٹتا ہے جس سے آدمی کو تکلیف ہوتی ہے۔ نوویؒ نے کہا کہ بزعمِ عرب صفر پیٹ کے اندر ایک قسم کا کیڑا ہے جو بھوک کے وقت کاٹتا ہے اور کبھی انسان کے بدن میں درد پیدا کر کے ہلاک بھی کر دیتا ہے اور بعض نے کہا کہ "ولاصفر" سے نسیئ کو رد کرنا مراد ہے یعنی محرم کو تاخیر کر کے ماہ صفر کو محرم قرار دیکر شہر حرام میں شمار کرنا **کما فی تفسیر قولہ تعالیٰ انما النّسیع زیادۃ فی الکفر۔** ان سب اعتقادات جاہلیہ کو رد کر دیا۔

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۵ھ

**الشق الاوّل** ...... **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَخْرُجُ فِىْ اٰخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ اَحْدَاثُ الْاَسْنَانِ سُفَهَاءُ الْاَحْلَامِ ، يَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ ، لَايُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ يَقُوْلُوْنَ مِنْ قَوْلِ خَيْرِ الْبَرِيَّةِ ، يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ ۔ (؟؟؟)**

حدیث پر اعراب لگائیے اور ترجمہ کیجئے۔ "قوم" کا مصداق کیا ہے؟ یہ لوگ ظاہر ہو چکے ہیں یا ابھی ظاہر ہوں گے؟ واضح تشریح کیجئے

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) قوم کا مصداق اور ظہور کا وقت

**جواب** ...... ① حدیث پر اعراب:۔ **کما مرّ فی السوال آنفا۔**

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ نکلے گی آخر زمانہ

میں ایک قوم جو نوجوان ہوگی کم عقل والی ہوگی، قرآن کریم کو وہ پڑھیں گے نہیں اترے گا قرآن ان کے حلق سے بات کریں گے مخلوق میں سے سب سے بہتر کی (یعنی آپ ﷺ کی) نکل جائیں گے وہ لوگ دین سے جیسے تیر نکل جاتا ہے کمان سے۔

③ قوم کا مصداق، اور ظہور کا وقت:۔ اس قوم سے مراد خوارج کا گروہ ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ان کا ظہور ہو چکا ہے۔

**الشق الثانی** ...... **عن انس قال قال رسول اللہ ﷺ : شفاعتي لاهل الكبائر من امتي۔**

حدیث شریف کا ترجمہ کرکے اس کا واضح مطلب تحریر کریں۔ شفاعت کی قسمیں تحریر کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کا مطلب (۳) شفاعت کی اقسام۔

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری سفارش میری امت کے گناہگاروں کے لئے ہے۔

② حدیث کا مطلب:۔ اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں سے گناہ ہوگیا وہ ناامید نہ ہوں ان کی شفاعت کروں گا لہٰذا شفاعت کا استحقاق پیدا کرنے کیلئے اللہ کے ساتھ اپنی بندگی کے تعلق اور میرے امتی ہونے کے تعلق کو درست کرنے کی فکر کرو۔

③ شفاعت کی اقسام:۔ علامہ سیوطیؒ نے کنز مدفون میں شفاعت کی آٹھ اقسام ذکر کی ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص ہیں اور وہ درج ذیل ہیں: ① شفاعتِ عظمیٰ جس کا تمام انبیاء علیہم السلام جواب دے دیں گے اور آپ ﷺ اسکی حامی بھر لیں گے ② وہ شفاعت جو اس امت کا جلد حساب لینے کیلئے ہوگی ③ ان لوگوں کی شفاعت جن کیلئے جہنم میں ڈالنے کا حکم کیا گیا ہوگا پھر وہ اس سے نجات پائیں گے ④ اپنے چچا ابوطالب کے عذاب میں تخفیف کیلئے شفاعت کریں گے اور ان کا عذاب کم ہو جائے گا ⑤ چند اقوام کیلئے بغیر حساب کے جنت میں داخل ہونے کی شفاعت کریں گے ⑥ ان لوگوں کیلئے جنت میں داخلے کی شفاعت کریں گے جن کیلئے جنتی ہونے کا فیصلہ کیا جا چکا ہوگا ⑦ جنت میں داخل ہونے والوں کیلئے ترقیِ درجات کی شفاعت کریں گے ⑧ اپنی امت کے اہل کبائر کیلئے جو جہنم میں داخل ہو چکے ہوں گے انہیں جہنم سے نکالنے کی شفاعت کرینگے۔ (مسندِ امام اعظم رحمہ اللہ مترجم)

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۵ھ

**الشق الاوّل** ...... **قال رسول اللہ ﷺ : لان يمتلى جوف احد كم قيحا خيرله من ان يمتلى شعرًا۔**

حدیث کا ترجمہ و مطلب لکھیں۔ شریعت کے نزدیک شعر کا کیا حکم ہے؟ نیز بتائیں کہ کیا اشعار پیٹ میں ہوتے ہیں؟

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کا مطلب (۳) شریعت کے نزدیک شعر کا حکم (۴) اشعار کا محل و مقام۔

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ کسی آدمی کے پیٹ کا ایسی پیپ سے بھرنا جو اس کے معدہ کو خراب کردے البتہ اس سے بہتر ہے کہ اس کا پیٹ شعر سے بھرے۔

② حدیث کا مطلب:۔ اس حدیث پاک میں نبی کریم ﷺ نے شعر کی مذمت کو بیان فرمایا کہ انسان کا پیٹ، پیپ سے بھرا ہو جو اس کے معدہ کو برباد کردے یہ اس سے بہتر ہے کہ انسان شعر میں ایسا مصروف ہو جائے کہ احکامات الٰہیہ سے بھی غافل ہو جائے کیونکہ پہلی صورت میں اس کی دنیاوی زندگی ضائع ہوگی جبکہ دوسری صورت میں انسان کی آخرت ضائع ہوتی ہے۔

③ شریعت کے نزدیک شعر کا حکم:۔ شریعت میں نفس شعر مذموم نہیں بلکہ مذمت اس کے مضمون کی وجہ سے آتی ہے یعنی جس شعر کا مضمون خلافِ شریعت ہو مثلاً جھوٹ، بہتان، کسی مسلمان کی مذمت کرنا، شرکیہ اشعار وغیرہ تو ایسا شعر شرعاً جائز نہیں ہے، اسی طرح وہ اشعار جن کا مضمون اگرچہ درست ہو مگر اس میں اتنا مصروف ہو جائے کہ فرائض و واجبات سے بھی غافل ہو جائے اس کی مذمت اس حدیث پاک میں بیان کی گئی ہے اور اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو جائز ہے۔ مثلاً حمد و ثناء، شانِ رسالت، جہادی ترانے وغیرہ تو یہ جائز ہیں، حضور پاک ﷺ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کیلئے منبر بچھواتے اور **اللّٰھم ایدہ بروح القدس** سے دعا دیتے تھے۔

④ اشعار کا محل و مقام:۔ جوف سے مافی الجوف مراد ہے یعنی سینہ اور دل، ظرف بول کر مجازاً مظروف مراد لیا ہے، لہٰذا اشکال ختم ہو گیا۔

## الورقة الخامسة : ترمذی (ج ۲)

## السوال الاوّل ۱۴۳۶ھ

**الشق الاوّل** ...... عن مولی عمرو بن العاص ان عمرو بن العاص ارسله الی علی یستاذنه علی اسماء بنت عمیس فاذن له، حتی اذا فرغ من حاجته سال المولی عمرو بن العاص عن ذلک فقال: ان رسول اللّٰہ ﷺ نهانا ان ندخل علی النساء بغیر اذن ازواجهن۔ حدیث کا ترجمہ کریں۔ کیا کسی اجنبی مرد کیلئے جائز ہے کہ وہ کسی نامحرم عورت کے پاس جائے اگرچہ شوہر نے اجازت دی ہو؟ کیا عورتیں مردوں کو دیکھ سکتی ہیں؟ تفصیل سے لکھیں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) اجنبی مرد کا شوہر کی اجازت سے کسی نامحرم عورت کے پاس جانے کا حکم (۳) عورتوں کا مردوں کو دیکھنے کا حکم۔

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے مولیٰ سے روایت ہے کہ بے شک عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اس کو بھیجا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف کہ وہ اجازت مانگیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا پر پس انہوں نے اجازت دیدی یہاں تک کہ جب فارغ ہوئے اپنی حاجت سے تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کے مولیٰ نے سوال کیا اس کے متعلق آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا بے شک رسول اللہ ﷺ نے ہمیں روکا کہ ہم داخل ہوں عورتوں پر انکے خاوندوں کی اجازت کے بغیر۔

② اجنبی مرد کا شوہر کی اجازت سے کسی نامحرم عورت کے پاس جانے کا حکم:۔ اجنبی مرد نامحرم عورت کے پاس اس کے شوہر کی اجازت سے ضرورت شرعی یا ضرورت طبعی کی بناء پر جا سکتا ہے اور حدیث میں یہی مراد ہے البتہ اجنبی مرد کا نامحرم عورت کے ساتھ خلوت اختیار کرنا کسی صورت بھی جائز نہیں ہے۔

③ عورتوں کا مردوں کو دیکھنے کا حکم:۔ معارف القرآن میں وقل للمؤمنٰت یغضضن من ابصارهن الخ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ عورتوں کا اپنے محرم کے سوا کسی اجنبی مرد کو دیکھنا مطلقاً حرام ہے۔ بہت سے علماء کا یہ قول ہے اور انہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث الباب سے استدلال کیا ہے اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ بغیر شہوت کے نامحرم کو دیکھنے میں مضائقہ نہیں اور انہوں نے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے استدلال کیا ہے کہ مسجد نبوی کے احاطہ کے حبشی نوجوان کو دیکھا اور آپ ﷺ نے منع نہیں فرمایا۔ اسکے بعد مفتی شفیع صاحب فرماتے ہیں کہ اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ نظر شہوت حرام ہے اور بلا شہوت نظر کرنا خلافِ اولیٰ ہے اسلئے اس سے بھی احتیاط کرنا اولیٰ و اتقی ہے۔

**الشق الثانی** ...... عن أبی هریرة قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: خمس من الفطرة: الاستحداد والختان وقص الشارب ونتف الابط وتقلیم الأظفار۔ خصالِ فطرت بعض روایات میں پانچ، بعض میں دس بیان کی گئی ہیں ان کے درمیان تطبیق کی کیا صورت ہوگی؟ مذکورہ خصالِ فطرت کے احکام تفصیل سے لکھیں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل دو امور ہیں (۱) خصالِ فطرت کی تعداد والی روایات میں تطبیق (۲) مذکورہ خصالِ فطرت کے احکام۔

**جواب** ...... ① خصالِ فطرت کی تعداد والی روایات میں تطبیق:۔ سوال ہوتا ہے کہ روایات میں بظاہر تعارض ہے اسلئے کہ کسی روایت میں پانچ خصلتوں کا ذکر ہے اور کسی میں دس خصلتوں کا ذکر ہے۔ جواب یہ ہے کہ کوئی تعارض نہیں اسلئے کہ عددِ اقل عددِ اکثر کے منافی نہیں ہے ممکن ہے کہ اولاً آپ ﷺ کو پانچ خصلتوں کا علم دیا گیا ہو اور بعد میں دس خصلتوں کا علم دیا گیا ہو لہٰذا کوئی تعارض نہیں ہے۔ نیز ممکن ہے کہ ہر شخص کے مزاج اور طبیعت کے لحاظ سے اسکے سامنے خصلتوں کا ذکر فرمایا ہو جسکے اندر پانچ کی کمی پائی اسکے سامنے پانچ کو ذکر کر دیا اور جس کے اندر دس کی کمی پائی اسکے سامنے دس کو ذکر کر دیا، لہٰذا روایات میں کوئی تعارض نہیں۔

② مذکورہ خصالِ فطرت کے احکام:۔ ① استحداد ② قص الشارب ③ نتف الابط ④ تقلیم الاظفار۔ مذکورہ بالا چار اعمال ہر جمعہ کو مستحب ہیں اگر ہر جمعہ کو نہ ہو سکیں تو پندرھویں دن، اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو تیسرے ہفتہ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو چالیس دن پر واجب ہیں اگر اس سے تجاوز کیا تو گناہ گار ہوگا۔ صحیح قول کے مطابق ناخن کاٹنے کا کوئی طریقہ اسلاف سے منقول نہیں۔ البتہ بزرگوں کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے شروع کرے اور بائیں ہاتھ کے ابہام پر ختم کرے آخر میں دائیں ہاتھ کے ابہام کا ناخن کاٹے۔

ناخن کاٹنے میں مبالغہ مستحب ہے لیکن اتنا مبالغہ بھی نہ ہو کہ انگلیوں کو نقصان پہنچے۔(طحاوی)
ناخن دانت سے کاٹنا مکروہ ہے اس سے برص کی بیماری ہوتی ہے۔
ناخن اور بال کاٹنے کے بعد دفن کر دینے چاہئیں اور اگر دفن نہ کرے تو کسی محفوظ جگہ ڈال دے تو بھی جائز ہے مگر نجس جگہ نہ ڈالے۔
(٥) **الختان:** ختنہ شعائر اسلام میں سے ہے اور یہ واجب ہے اس کو چھوڑنے والا سخت گنہگار ہوگا۔ بچہ میں جب ختنہ کو برداشت کرنے کی قوت پیدا ہو جائے تو ختنہ کر دینا چاہیے، اتنی تاخیر کہ بچہ بالغ ہو جائے یا قریب البلوغ ہو جائے یہ جائز نہیں۔

## ﴿السوال الثانی﴾ ١٤٣٦ھ

**الشق الاوّل** ...... **عن ابن عباس قال: کنا مع رسول الله ﷺ فی سفر فحضر الأضحٰی فاشترکنا فی البقرة سبعة وفی البعیر عشرة۔**

حدیث کا ترجمہ کریں۔ گائے اور اونٹ کی قربانی میں کتنے حصے ہوتے ہیں علماء کے مذاہب اور انکے دلائل بیان کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) گائے اور اونٹ کی قربانی کے حصوں میں علماء کے مذاہب مع الدلائل۔

**جواب** ...... **①** حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہم ایک سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ تھے، پس عید الاضحیٰ کا دن آیا تو ہم گائے میں سات افراد اور اونٹ میں دس افراد شریک ہوئے۔

**②** گائے اور اونٹ کی قربانی کے حصوں میں علماء کے مذاہب مع الدلائل:۔ ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک گائے اور اونٹ میں کوئی فرق نہیں ہے، جس طرح گائے میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں اسی طرح اونٹ میں بھی سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں، سات سے زیادہ نہیں۔ امام اسحٰق بن راہویہؒ کے نزدیک اونٹ کی قربانی میں دس آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔
امام اسحٰقؒ کی دلیل حدیث الباب ہے کہ گائے کی قربانی میں سات افراد اور اونٹ کی قربانی میں دس افراد شریک ہوئے۔
جمہور کی طرف سے پہلا جواب یہ ہے کہ ہماری دلیل اس حدیث کیلئے ناسخ ہے نیز خود ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری روایت میں اونٹ کے سات حصوں کا ذکر ہے اور متعدد روایات اس کے لئے مؤید بھی ہیں۔
جمہور کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے "**نحرنا مع رسول الله ﷺ بالحدیبیة البدنة عن سبعة والبقرة عن سبعة**"۔ جمہور کا مذہب راجح ہے اس لیے کہ ان کی دلیل صحیح بھی ہے اور صریح بھی ہے، نیز متعدد روایات اس کیلئے مؤید ہیں، جب کہ امام اسحاقؒ کی دلیل صریح و قطعی نہیں ہے، اس میں دوسرا احتمال بھی موجود ہے۔

**الشق الثانی** ...... **عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ قسم فی النفل للفرس بسهمین وللراجل بسهم۔**

حدیث کا ترجمہ کریں۔ مسئلہ مذکورہ فی الحدیث کو واضح کر کے لکھیں، حضرات ائمہ کے مذاہب اور دلائل ضرور تحریر کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) فارس و راجل کے حصہ کی وضاحت (۳) حضرات ائمہ کے مذاہب و دلائل۔

**جواب** ...... **①** حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مالِ غنیمت میں تقسیم کرتے وقت گھوڑے کے دو حصے اور پیدل کا ایک حصہ مقرر فرمایا۔

**②، ③** فارس اور راجل کے حصہ کی وضاحت اور ائمہ کے مذاہب مع الدلائل:۔ راجل کے لئے بالاتفاق ایک حصہ ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے، البتہ فارس کے حصہ میں اختلاف ہے۔
امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، عمر بن عبدالعزیزؒ، حسن بصریؒ، ابن سیرینؒ، ثوریؒ، لیث بن سعدؒ، اسحاقؒ، ابوثورؒ، اوزاعیؒ، ابنِ حزم ظاہریؒ اور صاحبین کے نزدیک راجل (سوار) کیلئے تین حصے ہونگے ایک حصہ سوار کیلئے اور دو حصے گھوڑے کیلئے ہونگے۔
حضرت عمر، علی ابن طالب، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم، امام ابوحنیفہؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک سوار کیلئے دو حصے ہوں گے ایک سوار کیلئے

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

اوردوسرا گھوڑے کیلئے۔ اس حدیث سے ائمہ ثلاثہ وغیرھم نے استدلال کیا ہے کہ گھوڑے کیلئے دو حصے اور مالک کیلئے ایک حصہ ہوگا۔

حضرت عمر، حضرت علی رضی اللہ عنہما، امام ابوحنیفہؒ اور امام زفرؒ کی سب سے قوی دلیل حضرت مجمع بن جاریہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جو ابوداؤد میں منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اہلِ حدیبیہ پر غزوہ خیبر کا مالِ غنیمت تقسیم کیا تو فارس کو دو حصے اور راجل کو ایک حصہ دیا، بایں طور کہ مال کے اٹھارہ سو حصے بنائے جبکہ لشکر کی تعداد پندرہ سو تھی جن میں بارہ سو پیدل اور تین سو فارس تھے تو پیدل کو ایک حصہ اور فارس کو دو حصے دیئے تو اس روایت میں **فاعطی الفارس سهمين وللراجل سهما** کے الفاظ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ہیں۔

دوسری دلیل مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے، جس میں **ان رسول الله** صلی اللہ علیہ وسلم **جعل للفارس سهمين وللراجل سهما** کے الفاظ ہیں۔ تیسری دلیل قیاس ہے کہ اگر فرس کو دو حصے دیئے جائیں تو اس صورت میں فرس کی افضل المخلوقات پر ترجیح لازم آئے گی۔

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۶ھ

**الشق الاوّل** ......**عن ابی ذر قال قال رسول الله** صلی اللہ علیہ وسلم **من كشف سترا فادخل بصره فى البيت قبل ان يؤذن له فرأى عورة اهل فقد اتى حدا لايحلّ له ان ياتيه، لو انه حين ادخله بصره استقبله رجل ففقأ عينيه ما غيرت عليه و ان مرّ الرجل على باب لا ستر له غير مغلق فنظر فلا خطيئة عليه انما الخطيئة على اهل البيت۔**

حدیث کا ترجمہ کریں "**لو انه حين ادخله بصره استقبله رجل ففقأ عينيه ما غيرت عليه**" کا مطلب واضح کریں اور بتائیں کہ اس صورت میں اگر آنکھ پھوڑ دی جائے تو کسی قسم کا ضمان وقصاص ہے یا نہیں؟ ائمہ کا اختلاف واضح کریں؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) مذکورہ جملہ کا مطلب (۳) سوراخ سے جھانکنے کی صورت میں آنکھ پھوڑ دینے سے ضمان وقصاص میں ائمہ کا اختلاف۔

**جواب** ...... **۱** حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے پردہ اٹھایا اور اجازت دیئے جانے سے پہلے ہی اس نے اپنی نظر گھر میں داخل کی اور اس نے گھر والے کا ستر دیکھ لیا تو وہ ایک ایسی حد پر پہنچ گیا کہ اس کے لئے اس حد پر پہنچنا جائز نہیں تھا، اگر یہ بات ہو کہ جس وقت اسنے اپنی نظر گھر میں داخل کی اور اس کے سامنے کوئی شخص آ گیا پس اس نے اس کی دونوں آنکھیں پھوڑ دیں تو میں اس کو موردِ الزام نہیں ٹھہراؤں گا۔ اور اگر کوئی آدمی ایسے دروازے پر گزرا جس پر پردہ بھی نہیں ہے، وہ بند بھی نہیں ہے پس اس نے گھر میں دیکھ لیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، بے شک گناہ گھر والوں پر ہے۔

**۲** مذکورہ جملہ کا مطلب:۔ اس جملہ کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی آدمی نے گھر کے اندر جھانکا اور اندر سے کسی نے کوئی چیز مار کر اس کی آنکھ پھوڑ دی تو میں اس شخص کو موردِ الزام و مجرم قرار نہیں دوں گا اور میں اس کی طرف عیب کو منسوب نہیں کروں گا یعنی اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہے۔

**۳** سوراخ سے جھانکنے کی صورت میں آنکھ پھوڑ دینے سے ضمان وقصاص میں ائمہ کا اختلاف:۔ اگر کسی آدمی نے سوراخ سے گھر کے اندر جھانکا اور اندر سے کسی نے کوئی چیز مار کر اس کی آنکھ پھوڑ دی تو اس پر قصاص و دیت لازم ہے یا نہیں ہے اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

امام شافعیؒ کا قول صحیح اور امام احمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ اس کا دم بالکل معاف ہے نہ دیت ہے اور نہ قصاص ہے۔ اس لئے کہ حدیث الباب میں اس کو بالکل معاف کیا گیا ہے کہ میں اس کو بالکل مجرم ہی قرار نہیں دوں گا۔

مالکیہؒ کے نزدیک اگر اندر سے کسی نے جان بوجھ کر آنکھ پھوڑنے کی نیت سے ہی کوئی چیز ماری تو پھر اس پر قصاص ہے اور اگر اس نے تنبیہ کے لئے کوئی چیز ماری اور اتفاقاً اس کی آنکھ نکل گئی تو پھر خطاء کی وجہ سے صرف دیت لازم ہے۔

0313 6357913 maktabazamzamyamultan@gmail.com

حنفیہؒ کے نزدیک بہر صورت دیت ہی لازم ہے۔ حنفیہؒ کی پہلی دلیل ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم **فى العين نصف الدية** ہے یہ ارشاد عام ہے۔ نیز دوسری دلیل مشہور حدیث ہے کہ مسلمان کا خون تین وجہ کے علاوہ بہانا جائز نہیں ہے اس ارشاد کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس کا خون بہانا یعنی آنکھ نکالنا و پھوڑنا جائز نہیں ہے نیز اگر دروازہ کھلا ہو تو پھر اندر جھانکنے سے بھی آنکھ پھوڑنا جائز نہیں ہے۔

حدیث الباب کا جواب یہ ہے کہ یہ زجر و توبیخ اور تغلیظ و تشدید پر محمول ہے۔ اس لئے کہ اگر واقعی یہ عمل قابل حد ہوتا تو پھر اندر والے شخص کیلئے گھر سے باہر نکل کر اُس کی آنکھ پھوڑنا بھی جائز ہوتا حالانکہ اس کا کوئی امام بھی قائل نہیں ہے۔ (حاشیہ)

**الشق الثانی** ...... عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَاتَجُوْزُ شَهَادَةُ خَائِنٍ وَلَا خَائِنَةٍ وَلَامَجْلُوْدٍ حَدًّا وَلَا مَجْلُوْدَةٍ وَلَاذِیْ غِمْرٍ لِاَخِیْهِ وَلَامُجَرَّبٍ شَهَادَةٍ وَلَاالْقَانِعِ لِاَهْلِ الْبَيْتِ لَهُمْ وَلَاظَنِیْنٍ فِیْ وَلَاءٍ وَلَا قَرَابَةٍ۔

حدیث کا ترجمہ وتشریح کریں۔کون سے رشتہ داروں کی گواہی رشتہ دار کے حق میں قبول نہیں اور کس کی قبول ہے؟ تفصیل سے لکھیں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کی تشریح (۳) رشتہ دار کے حق میں رشتہ دار کی گواہی کا حکم۔

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ نہیں جائز ہے کسی خائن وخائنہ کی شہادت اور نہ ایسے مرد وعورت کی شہادت جن پر بطور حد کوڑے لگائے گئے ہوں اور نہ بغض وعداوت والے کی اس کے بغض کی بناء پر اور نہ ایسے شخص کی شہادت جو شہادتِ زور میں آزمایا جاچکا ہو اور نہ ایسے شخص کی جو کسی گھر والوں پر قانع ہو گھر والوں کے حق میں اور نہ ایسے شخص کی جو متہم ہو ولاءِ عتاقہ کا یا قرابت کا۔

② حدیث کی تشریح:۔ "لاتجوز شهادة خائن ولا خائنة" یعنی خائن اور خائنہ کی شہادت جائز نہیں ہے یہاں خیانت سے مراد لوگوں کی امانت میں خیانت ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ عام خیانت مراد ہے خواہ حقوق العباد میں ہو یا حقوق اللہ اور اس کے احکام میں ہو پس اس قول کے مطابق خائن سے مراد فاسق ہے۔

"ولا مجلود حدًا ولا مجلودة" یعنی نہ ایسے مرد وعورت کی شہادت جائز ہے جن پر بطور حد کوڑے لگائے گئے ہوں، اس سے مراد اگر حدِ قذف کے علاوہ ہے تو مراد یہ ہے کہ محدود فی غیر القذف نے اگر توبہ نہ کی ہو اس کی شہادت معتبر اور اگر اس سے مراد حدِ قذف ہے تو مراد یہ ہے کہ جس شخص پر حدِ قذف جاری کردی گئی ہو خواہ اس نے توبہ بھی کرلی ہو مگر اس کی سزا یہ ہے کہ کبھی بھی اس کی گواہی معتبر نہیں ہے۔ "ولاذی غمر لاخیه" غمر کے معنی حقد وکینہ ہے، یہاں دو نسخے ہیں:

① لاخيه بالياء اور اخ سے اخ مسلم ہے خواہ نسبی ہو یا اجنبی ہو تليينًا لقلبه وتقبيحًا له الخ فرمایا ہے۔اب مطلب یہ ہوگا کہ دشمن کی گواہی اس کے دشمن کے حق میں قبول نہیں ہوگی خواہ وہ اس کا حقیقی بھائی ہو یا دینی بھائی ہو۔

② دوسرا ضبط لاحنه بكسر الهمزه وسكون الحاء المهمله وبالنون ہے جس کے معنی حقد وغضب کے ہیں، نہایہ میں اس کا معنی عداوۃ (سمع) ہے مواحنه بمعنی معاداۃ مستعمل ہے اب مطلب ہوگا اسکی شہادت حسد وبغض کی بناء پر قبول نہیں کی جائیگی، دشمن کی گواہی کے بارے میں مالکیہؒ، شافعیہؒ فرماتے ہیں کہ "لاتقبل" مگر حنفیہ کے ہاں فروعات میں تفصیل ہے اگر دنیوی عداوت ہو تو قبول نہیں کی جائے گی اور اگر عداوتِ دینیہ ہے تو تدین کی بناء پر شہادت قبول کی جائے گی۔

"ولا مجرب شهادة" یعنی ایسے شخص کی گواہی بھی معتبر نہیں جسکی شہادت بار بار آزمائی جاچکی ہو اور وہ جھوٹا ثابت ہوچکا ہو۔

"ولاالقانع اهل البيت لهم" قانع قنوع سے ماخوذ ہے نہ کہ قناعت سے ای الطالب من اهل البیت اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جس کی منفعت مشھود لہ سے متعلق ہے چونکہ ایسا شخص شہادت دیکر فائدہ اٹھانا چاہتا ہے لہٰذا اسکی گواہی ان لوگوں کے حق میں معتبر نہیں جن سے اس کا نفع متعلق ہے مثلاً خادم بیت تابع بیت، اسی طرح وہ مخصوص طالب علم جو استاد کے نقصان کو اپنا نقصان سمجھتا ہے اور اسکے گھر کھاتا پیتا ہے اسکی شہادت استاد کے حق میں معتبر نہیں، صاحب بدائع نے فرمایا کہ قبولِ شہادت کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ شاہد اپنی شہادت سے نفع نہ اٹھائے اور ضرر دفع نہ کرے۔ نیز شہادت کے ذریعے جلب منفعت اور دفع مضرت کی بناء پر وہ شخص متہم ہوگیا اور متہم کی شہادت معتبر نہیں۔

0313 ... maktabazakariyamultan@gmail.com

"ولاظنين فی ولاء ولاقرابة" ظنین کا لفظ ظنۃ بمعنی تہمت سے ماخوذ ہے، اس جملہ کے دو مطلب ہے:

① ایسے شخص کی شہادت معتبر نہیں جو ولاء یا قرابت میں متہم ہو مثلاً آزاد کردہ غلام کسی کا ہے اور دعویٰ کررہا ہے دوسرے کے بارے میں اور لوگ اس کی تکذیب کررہے ہیں اسی طرح وہ غلط دعویٰ کرے قرابت کا کہ میں فلاں کا بیٹا ہوں یا بھائی ہوں اور لوگ اس کو جھوٹا سمجھتے ہوں تو ایسے شخص کے کذب وفسق کی بناء پر شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ ② جو شخص کسی کا آزاد کردہ غلام ہے یا قرابت دار ہے، وہ مشھود لہ کے حق میں اسلئے گواہی دیتا ہے کہ وہ ان کا غلام رہ چکا ہے یا اس کو قرابت ہے ان کے نفع وضرر کو اپنا نفع

وضر تصور کرتا ہے تو ایسا شخص متہم بالمحبۃ والمنفعۃ ہے اس وجہ سے اس کی گواہی معتبر نہیں۔

③ رشتہ دار کے حق میں رشتہ دار کی گواہی کا حکم:۔ جمہور کے نزدیک والد کی شہادت ولد کے حق میں اور اسی طرح ولد کی گواہی والد کے حق میں معتبر نہیں ہے، بعض اہلِ ظاہر نے جمہور کے قول کی مخالفت کی ہے۔ اسی طرح جمہور کے نزدیک زوجین میں سے ایک کی گواہی دوسرے کے حق میں معتبر نہیں ہے۔ اسلئے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا نہیں قبول کی جائے گی والد کی گواہی اس کے لڑکے کے حق میں اور نہ لڑکے کی اسکے والد کے حق میں اور نہ بیوی کی گواہی اس کے خاوند کے حق میں اور نہ خاوند کی گواہی اس کی بیوی کے حق میں، ابن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں کہ خاوند کی گواہی بیوی کے حق میں معتبر ہے، مگر بیوی کی گواہی خاوند کے حق میں معتبر نہیں، امام شافعیؒ کے نزدیک زوجین میں سے ہر ایک کی گواہی دوسرے کے حق میں معتبر ہے۔

الغرض مطلق قرابت دار کی گواہی قرابت دار کے حق میں معتبر ہے لیکن اگر قرابت کاملہ ہے یعنی قرابت ولاء ہے تو پھر معتبر نہیں۔

## الورقة الخامسة : ترمذی (ج ۲)

## السوال الاوّل ۱۴۳۷ھ

**الشق الاوّل** ......عن ابی سلمة انّ رسول اللّٰه ﷺ قال اذا اصاب احدُکم مصیبةٌ فلیقل انّا للّٰه و انّا الیه راجعون اللهم عندك احتسب مصیبتی فأجرنی فیها و ابدلنی منها خیرا فلمّا اُحتضر ابو سلمة قال اللّٰهم اخلف فی اهلی خیرا منّی فلما قُبض قالت ام سلمة انّا للّٰه و انّا الیه راجعون عند اللّٰه احتسب مصیبتی فاجرنی فیها۔ (ابواب الدعوات) حدیث کا ترجمہ کریں۔ مختصر تشریح کر کے بتائیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ دعا کس صورت میں قبول ہوئی؟ کسی مصیبت زدہ کو دیکھ کر کونسی دعا پڑھنا مسنون ہے؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② حدیث کی تشریح و مذکورہ دعا کی قبولیت کی صورت ③ مصیبت زدہ کو دیکھ کر پڑھی جانے والی مسنون دعا۔

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کسی کو کوئی مصیبت پہنچے تو اسے چاہیے کہ انّا للّٰه الخ پڑھے یعنی ہم سب اللہ ہی کی ملکیت میں ہیں اور اسی کی طرف جانے والے ہیں۔ اے اللہ میں اپنی مصیبت کا ثواب تجھ سے چاہتا ہوں، مجھے اس کا اجر عطا فرما اور اس کے بدلے بہتر چیز عطا فرما۔ پھر جب ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے دعا کی کہ اے اللہ میری بیوی کو مجھ سے بہتر شخص عطا فرما۔ جب ابو سلمہ رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے انّا للّٰه وانّا الیه راجعون الخ پڑھا۔

② حدیث کی تشریح و مذکورہ دعا کی قبولیت کی صورت:۔ حاصلِ حدیث یہ ہے کہ مصیبت زدہ شخص کو بوقتِ مصیبت صبر استقلال اور ہمت و جوانمردی سے کام لینا چاہئے اور مذکورہ دعا پڑھنی چاہئے، اسکے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی مدد شاملِ حال ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اسے نعم البدل عطاء فرماتے ہیں۔ مذکورہ دعا کی قبولیت رسول اللہ ﷺ کی زوجیت کی صورت میں ظاہر ہوئی کہ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ام سلمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کے عقد میں آئیں اور ام المؤمنین ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

③ مصیبت زدہ کو دیکھ کر پڑھی جانے والی مسنون دعا:۔ الحمد للّٰه الّذی عافانی مما ابتلاك به وفضّلنی علٰی کثیر ممن خلق تفضیلا (تمام تعریفیں اسی ذات کیلئے ہیں جس نے مجھے اس مصیبت سے نجات دی جس میں تجھے مبتلا کیا اور مجھے اپنی اکثر مخلوق پر فضیلت دی)

**الشق الثانی** ......عن عباد بن تمیم عن عمه انه رأی النبی ﷺ مستلقیا فی المسجد واضعا احدی رجلیه علی الاخری۔ عن جابر قال: قال رسول اللّٰه ﷺ اذا استلقی احدکم علی ظهره فلا یضع احدی رجلیه علی الاخری۔ دونوں حدیثوں کا اردو ترجمہ کریں۔ دونوں حدیثوں کے درمیان ظاہراً تعارض ہے، اس تعارض کو دور کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں دو امور مطلوب ہیں (۱) احادیث کا ترجمہ (۲) احادیث سے رفعِ تعارض۔

**جواب** ...... ① **احادیث کا ترجمہ:۔** حضرت عباد بن تمیم اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے آپ ﷺ کو مسجد میں چت لیٹے ہوئے دیکھا اس حال میں کہ آپ ﷺ اپنا ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھے ہوئے تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی ایک چت لیٹے اپنی پیٹھ پر تو وہ اپنے ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں پر نہ رکھے۔

② **احادیث سے رفعِ تعارض:۔** بظاہر ان دونوں احادیث میں تعارض ہے اس لئے کہ پہلی حدیث سے پاؤں پر پاؤں رکھ کر لیٹنے کا جواز معلوم ہو رہا ہے جبکہ دوسری حدیث میں اس کی ممانعت ہے، اس کے متعدد جوابات ہیں۔

① جواز والی حدیث کے ذریعہ ممانعت والی حدیث منسوخ ہے۔ ② ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں پر رکھ کر لیٹنے کی دو صورتیں ہیں، پہلی صورت یہ ہے کہ دونوں پاؤں پھیلا کر ایک قدم دوسرے قدم پر رکھ کر لیٹنا، اس طرح لیٹنے میں کوئی حرج نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک پاؤں کا گھٹنا کھڑا کرے دوسرا پاؤں اس پر رکھ کر لیٹے، یہ صورت ممنوع ہے اسلئے کہ عرب میں چادر باندھنے کا رواج و دستور تھا اور چادر کی صورت میں اس طرح لیٹنے سے ستر کھلنے کا قوی اندیشہ ہے، اسلئے آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔

③ اصل ممانعت ہے مگر بامرِ مجبوری ضرورت وتھکاوٹ کی صورت میں بیانِ جواز کے لئے آپ ﷺ اس طرح لیٹے۔

④ نہی وممانعت کی علت کشفِ عورت (ستر کا کھلنا) ہے اگر اس سے امن ہو تو اس طرح لیٹنا جائز ہے۔

## السوال الثانی ۱۴۳۷ھ

**الشق الاوّل** ...... **عن سلمان قال: قال رسول الله ﷺ لایرد القضاء الا الدعاء ولا یزید فی العمر الا البر.**

"قضاء" اور "قدر" کسے کہتے ہیں؟ واضح تعریف کریں۔ حدیث شریف کا ترجمہ کر کے ایسی واضح تشریح کریں کہ کسی قسم کا اشکال باقی نہ رہے۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) قضاء اور قدر کی تعریف (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) حدیث کی تشریح۔

**جواب** ...... ① **قضاء اور قدر کی تعریف:۔** قدر کا لغوی معنی اندازہ کرنا اور قضاء کا لغوی معنی فیصلہ کرنا ہے، اصطلاح شریعت میں اللہ تعالیٰ کے حکم کلی اجمالی ازلی کو قضاء کہتے ہیں اور اس حکم کلی کی جزئیات اور تفصیلات کو قدر کہتے ہیں بعض حضرات قدر اور قضاء دونوں کو مترادف کہتے ہیں۔

② **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہیں بدل سکتی ہے تقدیر کو مگر دعا اور نہیں زیادتی کرتی ہے عمر میں مگر نیکی۔

③ **حدیث کی تشریح:۔** "**لَایَرُدُّ الْقَضَاءَ اِلَّا الدُّعَاءُ**" قضاء سے مراد امرِ مقدر ہے، حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کے وقوع کے بارے میں بندہ خوف رکھتا ہے کہ شاید فلاں مصیبت آئے گی جب اس کو دعا کی توفیق ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بدل دیتے ہیں گویا متوقع امر کو قضاء مجازاً کہا گیا ہے جو داعی کے اعتقاد کے اعتبار سے قضاء ہے۔ جس کی وضاحت بایں طور کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کے حق میں کوئی شیٔ اسی طرح مقدر کی ہے کہ اگر یہ شخص اس کیلئے دعا کرے گا تو وہ مصیبت واقع ہوگی اب بندہ اس مصیبت کے وقوع کا خوف کر رہا ہے اور اس سے بچنا چاہتا ہے تو اسکے دفع کی دعا کر لیتا ہے اس طرح گویا اسکی دعا کے ذریعے وہ قضاء بدل دی گئی ہے درحقیقت بدلی نہیں بلکہ اس طرح مقدر میں لکھی ہوئی تھی، یا مراد یہ ہے کہ دعا ایسی اہم شیٔ ہے کہ جب کوئی شخص دائمی طور پر دعائے خیر کرتا رہے گا تو اسکے حق میں اللہ کی قضاء خیر و بہتر واقع ہوگی گویا اسکی دعا سبب ہوگی اسکے حق میں اچھے فیصلے کیلئے اس طرح گویا قضاءِ شر سے قضاءِ خیر کا سبب دعا ہوگئی ہے۔

"**ولا یزید فی العمر الا البر**" ① نیکیوں کے ذریعے عمر میں برکت ہوتی ہے کہ عمر بڑھ جاتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "**وما یعمر من معمر ولا ینقص من عمرہ الا فی کتاب، یمحو اللّٰہ مایشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب**" یہاں بھی اسی طرح تقریر ہے کہ تقدیر کے اندر لکھا ہوا ہے کہ یہ شخص اگر حج کرے گا اور غزوہ میں شرکت کرے گا تو عمر ساٹھ سال ہے اور اگر نہیں کریگا تو عمر چالیس سال ہے اب اس نے دونوں کام کر لئے تو اس کی عمر ساٹھ سال ہوگی اور اگر ایک کیا تو چالیس سال تو اس طرح اسکی عمر کم ہوگئی۔

② نیک اعمال کرنے والے شخص کی عمر ضائع نہیں ہوتی گویا یہ بھی ایک قسم کی زیادتی ہے۔ ③ زیادتِ عمر سے مراد یہ ہے کہ قلیل مدت عمر میں ایسا نیک شخص بڑے بڑے کام سرانجام دیتا ہے کہ دوسرے لوگ طویل عمر میں انجام نہیں دے پاتے۔

**الشق الثانی** ...... عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ الشُّهَدَاءِ الَّذِيْ أَتِي بِالشَّهَادَةِ قَبْلَ أَنْ يُسْأَلَهَا۔ حدیث شریف پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں حدیث شریف کی تشریح کریں اور "الذی یأتی بالشهادة قبل أن يسألها" کا مطلب علماء کے اقوال کی روشنی میں واضح کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) حدیث شریف کی تشریح (۴) "الذی یأتی بالشهادة قبل أن يسألها" کا مطلب۔

**جواب** ...... ① حدیث پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

② حدیث کا ترجمہ:۔ زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کیا میں تم کو نہ خبر دوں گواہوں میں سے سب سے اچھے گواہ کی، وہ شخص ہے جو شہادت دے قبل اس کے کہ اس سے مطالبۂ شہادت ہو۔

③، ④ حدیث شریف کی تشریح اور "الذی یأتی بالشهادة قبل أن يسألها" کا مطلب:۔ ① صاحبِ حق کو معلوم نہیں کہ اس کا کوئی گواہ ہے اب گواہ اس کے مطالبہ کے بغیر گواہی دیتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ میں تیرا گواہ ہوں چونکہ اس شہادت سے صاحبِ حق کا حق وصول ہوا ہے تو گویا اس نے اپنی امانت یعنی شہادت کو محض ثواب کیلئے ادا کردیا ہے اس وجہ سے اس کو خیر الشہداء فرمایا ہے۔ ② اس سے مراد امانتوں وغیرہ میں گواہی دینا ہے جب اس شاہد کے علاوہ دوسرا گواہ نہیں ہے ظاہر ہے کہ حقوق العباد کو اس شاہد نے شہادت سے زندہ کیا ہے اس وجہ سے اس کو خیر الشہداء فرمایا گیا ہے۔ ③ حقوق اللہ کے متعلق شہادت دینا مراد ہے مثلاً رؤیتِ ہلال، وقف، وصایا، طلاق، عتق وغیرہ میں کوئی شخص گواہ بنتا ہے کیونکہ یہ گواہی خود اس پر واجب ہے تو اس نے حقِ واجب کو ادا کیا ہے اس وجہ سے اس کو خیر الشہداء کہا۔ ④ طلبِ شہادت کے بعد اداءِ شہادت میں مسارعت و مبالغہ کرنا مراد ہے۔

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۷ھ

**الشق الاوّل** ...... عن ابی هريرة عن النبي ﷺ قال يسلم الصغير على الكبير والمار على القاعد والقليل على الكثير۔ وعنه انّ رسول الله ﷺ قال اذا انتهى احدكم الى مجلس فليسلم فان بدا له ان يجلس فليجلس ثم اذا قام فليسلم فليست الاولى باحق من الآخرة ۔ (ابواب الاستيذان و الآداب)

احادیث کا ترجمہ و واضح تشریح کریں۔ خط کشیدہ جملہ کی وضاحت کریں ۔ ابتداء بالسلام کے کم از کم تین فضائل تحریر کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① احادیث کا ترجمہ ② احادیث کی تشریح ③ خط کشیدہ جملہ کی وضاحت ④ ابتداء بالسلام کے فضائل۔

**جواب** ...... ① احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چھوٹا بڑے کو، چلنے والا بیٹھنے والے کو اور تھوڑی تعداد والے لوگ زیادہ تعداد کو سلام کریں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی کسی مجلس میں پہنچے تو انہیں سلام کرے پھر اگر بیٹھنا ہو تو بیٹھ جائے اور جب کھڑا ہو تو پھر سلام کرے اسلئے کہ ان میں سے پہلا سلام دوسرے سلام سے زیادہ حقدار نہیں ہے۔

② احادیث کی تشریح:۔ آپ ﷺ نے ان احادیث میں سلام کرنے کے بعض آداب بیان کئے ہیں، چنانچہ فرمایا کہ چھوٹا بڑے کو، چلنے والا بیٹھنے والے کو اور تھوڑی تعداد والے لوگ زیادہ تعداد والے لوگوں کو سلام کریں، اس سے باہم لوگ مربوط بھی ہوں گے، ایک دوسرے کی قدر بھی پہچانیں گے اور تواضع و انکساری بھی پیدا ہوگی۔ دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا کہ کسی مجلس میں جاؤ تو سب سے پہلے انہیں سلام کرو پھر جتنی دیر بیٹھنا چاہو بیٹھ جاؤ اور جب جانا چاہو تو پھر سلام کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جیسے مجلس میں آتے وقت سلام کرنا مسنون ہے اسی طرح مجلس سے رخصت ہوتے وقت بھی سلام کرنا مسنون ہے۔

③ خط کشیدہ جملہ کی وضاحت:۔ جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ابتدائی و پہلے سلام کی فضیلت انتہائی و دوسرے سلام سے زیادہ نہیں ہے کہ صرف پہلا سلام ہی مسنون ہو بلکہ جو اہمیت پہلے سلام کی ہے وہی اہمیت دوسرے سلام کی بھی ہے۔

④ **ابتداء بالسلام کے فضائل:۔** حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول! جب دو آدمیوں کی ملاقات ہو کون پہلے سلام کرے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ کے زیادہ نزدیک ہوگا وہ سلام میں پہل کرے گا یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت سے قریب وہ شخص ہے جو سلام میں پہل کرتا ہے۔ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سلام میں پہل کرنے والا تکبر سے بری ہے۔سلام کرنا سنت ہے اور اس کا جواب دینا واجب ہے، گویا ابتداء بالسلام ایسی سنت ہے جس کا ثواب واجب سے زیادہ ہے کیونکہ یہ ایک واجب کا سبب ہے اور **الدال علی الخیر کفاعله** کے ضابطہ سے اس سنت میں سنت اور واجب دونوں کا ثواب ہے۔ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سلام کے معاملہ میں غفلت و کوتاہی کرنے والے سے بڑا کوئی بخیل نہیں ہے۔

**الشق الثانی** ...... **عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: تعلموا من انسابکم ماتصلون به ارحامکم فان صلة الرحم محبة فی الاهل مثراة فی المال منساة فی الاثر۔** "مثراة" اور "منساة" کی لغوی تحقیق کریں؟ حدیث کا ترجمہ اور مطلب بیان کریں؟ "**منساة فی الاثر**" کی وضاحت کریں اور اس پر شرعاً کوئی اشکال ہو تو اس کو دفع کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال کا حل چار امور ہیں (۱) "**مَثْرَاةٌ وَ مَنْسَاةٌ**" کی لغوی تحقیق (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) حدیث کا مطلب (۴) "**منساة فی الاثر**" کی وضاحت۔

**جواب** ...... ① **"مَثْرَاةٌ وَ مَنْسَاةٌ" کی لغوی تحقیق:۔** "**مثراة**" یہ لفظ "**ثروة**" سے ماخوذ ہے بمعنی مال کا کثیر ہونا۔

"**منساة**" یہ لفظ "**نساء**" سے ماخوذ ہے بمعنیٰ مؤخر ہونا۔

② **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے نسبی رشتہ داروں کا علم حاصل کرو (جان پہچان حاصل کرو) جن کے ذریعے تم اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کر سکو، اس لئے کہ صلہ رحمی خاندان میں محبت کا سبب، مال میں کثرت کا سبب اور دیر تک یاد آوری کا ذریعہ و سبب ہے۔

③ **حدیث کا مطلب:۔** اپنے رشتہ دار و عزیز و اقارب کے رشتے پہچانو اور ان کو یاد رکھو، کیونکہ اگر رشتہ داری کا علم ہوگا تو بندہ ان کے ساتھ ان کے رشتہ کی بقدر صلہ رحمی کرے گا اور اچھے برتاؤ سے پیش آئے گا۔اور اس صلہ رحمی کے نتیجہ میں رشتہ دار و عزیز و اقارب کی اس سے محبت میں اضافہ ہوگا، اور یہی رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی اسکے مال کی کثرت کا سبب و ذریعہ بنے گی اور اسکی عمر میں برکت و نیک نامی کا سبب و ذریعہ بنے گی۔

④ **"مَنْسَاةٌ فِی الْاَثَرِ" کی وضاحت:۔** اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ صلہ رحمی موت میں تاخیر کا ذریعہ و سبب ہے۔اس پر اشکال ہوتا ہے کہ "**لَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَاءَ اَجَلُهَا**" کے ضابطہ سے موت میں تاخیر ممکن ہی نہیں ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلہ رحمی کو موت میں تاخیر کا ذریعہ کیسے قرار دیا ہے؟ علماء نے اس اشکال کے پیشِ نظر اس جملہ کے متعدد مفہوم بیان کئے ہیں۔

① تاخیرِ موت کا مطلب عمر و اعمالِ صالحہ میں برکت ہے یعنی اس کو اعمالِ صالحہ کی توفیق ہوگی۔ ② اولاد میں برکت مراد ہے جس کی وجہ سے اس کی یاد تادیر باقی رہے گی۔ ③ اس کا ذکرِ خیر رہتی دنیا تک جمیل لوگوں میں باقی رہے گا۔ (دروسِ ترمذی ج ۲ ص ۱۴۸)

## ﴿الورقة الخامسة : ترمذی (ج ۲)﴾

## ﴿السؤال الاوّل﴾ ۱۴۳۸ھ

**الشق الاوّل** ...... **عن عقار بن المغیرة بن شعبة عن ابیه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اکتوی او استرقی فقد بری من التوکل۔** حدیث کا ترجمہ کریں۔ "**کیی و استرقاء**" کیا چیز ہیں؟ ان کا حکم کیا ہے؟ وضاحت کے ساتھ لکھیں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال کا حل تین امور ہیں ① حدیث کا ترجمہ ② **کیّ و استرقاء** کی وضاحت ③ **کیّ و استرقا** کا حکم۔

**جواب** ...... ① **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے گرم لوہے سے داغوایا یا جھاڑ پھونک کروائی تو وہ توکل (اللہ پر اعتماد و بھروسہ) سے بری ہے۔

② **"کیّ و استرقا" کی وضاحت:۔** "**کیّ**" لوہا گرم کر کے کھال داغنے اور جلانے کو کہتے ہیں۔

"**استرقاء**" یہ رقیہ سے ماخوذ ہے بمعنی جھاڑ پھونک کرنا، دم و تعویذ کرنا۔

③ **کَیّ و استرقاء** کا حکم:۔ گرم لوہے کے ذریعہ کھال کو داغنا اور اسی طرح جھاڑ پھونک کرنا ان دونوں کاموں کے متعلق آپ ﷺ سے اجازت وممانعت دونوں مروی ہیں، مطلق اجازت بھی نہیں ہے اور مطلق ممانعت بھی نہیں ہے۔ آپ ﷺ سے منقول اجازت وممانعت والی روایات میں علماء نے مختلف طرح سے تطبیق دی ہے۔

① سخت ضرورت کے وقت جب کوئی دوسرا علاج نہ ہو تو دغوانا جائز ہے وگرنہ جائز نہیں ہے، اسی طرح خاص بیماریوں میں جھاڑ پھونک کروانا اور ان کو مؤثر حقیقی نہ سمجھنا جائز ہے اور یہ توکل کے منافی نہیں ہے۔ وگرنہ جائز نہیں ہے۔ اور توکل کے بھی منافی ہے۔

② **استرقاء** کی عدمِ جواز والی روایات کا محمل وہ عجمی الفاظ ہیں جن کے معانی معلوم نہ ہوں کیونکہ ان میں کفر کا اندیشہ ہے اور جواز والی روایات کا محمل وہ دعائیں ہیں جو ماثور ومنقول ہیں۔ ③ عدمِ جواز ان لوگوں کے حق میں ہے جو جاہلیت کی طرح رقیہ کو مؤثر بالذات سمجھتے ہیں اور جواز ان لوگوں کیلئے ہے جو اس کو اسباب کے درجہ میں سمجھتے ہیں۔ ④ علامہ توربشتیؒ فرماتے ہیں کہ اولاً ممانعت تھی پھر منسوخ ہو کر اجازت ہوگئی۔ چنانچہ جملہ روایاتِ جواز اور آثارِ سلف سے یہی مستفاد ہے نیز ابواب الدعوات کی روایات سے بھی اجازت معلوم ہوتی ہے۔ حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ **فقد برئ من التوکل** کا مطلب یہ ہے کہ بلاضرورت داغ لگوانا اور جھاڑ پھونک پر اعتماد کرنے والا توکل کے اعلیٰ واوسط مقام سے بری ہے بلکہ اس کو ادنی درجہ بھی حاصل نہیں ہے البتہ اگر مجبوراً داغ لگوایا یا شرعی حدود میں رہتے ہوئے جھاڑ پھونک کی تو اس کو توکل کا ادنی درجہ حاصل ہے اسلئے کہ اس نے ان چیزوں کو محض اسباب کے طور پر اختیار کیا ہے ان کو مؤثر بالذات نہیں سمجھا۔ (دروس ترمذی)

(**نوٹ**): جھاڑ پھونک کی چند قسمیں ہیں: ① وہ کلام جس میں شرکیہ کلمات اور غیر اللہ سے استمداد ہو ایسے کلمات سے دم کرنا اور کرانا حرام ہے۔ ② جو مبہم اور غیر واضح الفاظ ہوں جن کا مطلب سمجھ نہ آتا ہو کہ یہ صحیح ہیں یا غلط ہیں ان الفاظ سے دم کرنا مکروہ تحریمی قریب بحکم اول ہے۔ ③ وہ کلمات جو صحیح المفہوم ہوں لیکن منقول وماثور نہ ہوں تو ان سے دم کرنا مباح اور جائز ہے۔ ④ وہ آیات، دعائیں اور کلمات جو آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں ان سے دم کرنا مندوب ہے۔

الغرض نتیجتاً یہ دو صورتیں بنتی ہیں: ① بالکل کفریہ کلمات یا مشتبہات: ان سے تعویذ ودم کرنا ناجائز وحرام ہے۔ ② صحیح المفہوم و منقول: ان سے دم کرنا وتعویذ کرنا جائز ومباح ہے۔

**الشق الثانی** ...... **عن ابی امامة الباهلی قال: سمعت رسول الله ﷺ یقول فی خطبته عام حجة الوداع ان الله تبارك وتعالی قد اعطی کل ذی حق حقه، فلا وصية لوارث، والولد للفراش، وللعاهر الحجر وحسابهم علی الله تعالیٰ، ومن ادعی الی غیر ابیه او انتمی الی غیر موالیه فعلیه لعنة الله التابعة الی یوم القیامة، لاتنفق امراة من بیت زوجها الا باذن زوجها، قیل: یا رسول الله، ولاالطعام، قال: ذاك افضل اموالنا، وقال: العارية مؤداة والمنحة مردودة والدین مقضی والزعیم غارم.**

حدیث شریف کا سلیس اور واضح ترجمہ کیجئے؟ "**الولد للفراش وللعاهر الحجر**" کی تشریح کیجئے؟ "**العارية مؤداة**" کی تشریح کیجئے اور ہلاک ہونے کی صورت میں ضمان ہے یا نہیں؟ اختلافِ ائمہ نقل کیجئے۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) "**الولد للفراش وللعا هر الحجر**" کی تشریح (۳) **العارية مؤداة** کی تشریح اور ہلاکت کی ضمان میں اختلاف۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے خطبۂ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دیدیا ہے پس وارث کے لئے وصیت نہیں ہے اور بچہ صاحبِ فراش کا ہے اور زانی کے لئے محرومی وسنگساری ہے اور ان کا حساب وکتاب اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے اور جو شخص غیر والد کی طرف اپنی نسبت کرے یا غیرِ مولیٰ کی طرف اپنی نسبت کرے تو اس پر قیامت تک تسلسل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوگی، کوئی عورت اپنے زوج کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے خرچ نہ کرے، کہا گیا کہ اے اللہ کے رسول! کھانا یعنی گندم بھی خرچ نہیں کر

سکتی؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا کہ یہ تو ہمارے بہترین اموال ہیں۔اور عاریت پر لی ہوئی چیز ادا کی جائے اور انتفاع کے لئے دیا ہوا جانور لوٹایا جائے اور قرض ادا کیا جائے اور کفیل ضامن وتاوان دینے والا ہے۔

**②"الولد للفراش وللعاهر الحجر" کی تشریح:۔** اس جملہ کا حاصل یہ ہے کہ اولاد صاحب بستر یعنی شوہر و مولیٰ کیلئے ہے بچہ کا نسب انہی سے ثابت ہوگا زانی سے ثابت نہ ہوگا اور زانی کیلئے اپنے فعلِ زنا کی وجہ سے اولاد سے محرومی ہے بلکہ سنگساری کی سزا ہے۔اور اس کا اخروی معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے کہ خواہ معاف کرے یا عذاب میں مبتلا کرے۔

**③"العارية مؤداة" کی تشریح اور ہلاکت کی ضمان میں اختلاف:۔** اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے کوئی چیز ضرورت کیلئے عاریت پر لی ہے تو جب ضرورت پوری ہو جائے فوراً وہ چیز واپس کر دو، خواہ مخواہ غفلت لاپرواہی وسستی کا مظاہرہ نہ کرو۔

اگر عاریت پر لی ہوئی چیز ہلاک وضائع ہو جائے تو ضمان لازم ہے یا نہیں ہے اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خواہ تعدی سے وہ چیز ہلاک ہو یا بغیر تعدی کے ہلاک ہو بہر صورت ضمان لازم ہے اور دلیل حدیث الباب ہے۔حنفیہ کے نزدیک عاریت والی چیز امانت ہوتی ہے لہٰذا اگر وہ تعدی سے ہلاک ہوئی ہے تو ضمان لازم ہے اور اگر تعدی کے بغیر ہلاک ہوگئی تو کوئی ضمان لازم نہیں ہے۔(تحفۃ الالمعی ۴:۱۹۲) حنفیہ نے حدیث الباب کی یہ تاویل کی ہے کہ اگر عاریت والی چیز میں تعدی نہیں کی اور وہ ہلاک بھی نہیں ہوئی تو اس کی ادائیگی لازم ہے اور اگر وہ تعدی سے ہلاک ہوئی ہے تو پھر بھی ادائیگی لازم ہے۔

## السوال الثانی ۱۴۳۸ھ

**الشق الاوّل** ......عن انس قال قال رسول اللّٰہ ﷺ یأتی الدجال المدینة فیجد الملائکةَ یحرسونها فلا یدخلها الطاعونُ ولا الدجالُ إن شاء الله ۔ عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال الایمان یمان والکفر من قبل المشرق والسکینة لاهل الغنم والفخر والریاء فی الفدّادین اهل الخیل واهل الوبر یأتی المسیح اذا جاء دبراحد صرفت الملائکة وجهه قبل الشام وهنالك یهلك.(ابواب الفتن. باب ماجاء فی انّ الدجال لا یدخل المدینة)

احادیث کا ترجمہ کر کے تشریح کریں اور "الایمان یمان" کا مطلب علماء کے اقوال کی روشنی میں تحریر کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) احادیث کا ترجمہ (۲) احادیث کی تشریح (۳)''الایمان یمان'' کا مطلب۔

**جواب** ...... **①احادیث کا ترجمہ:۔** حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دجال مدینہ طیبہ کے پاس آئے گا اور فرشتوں کو اس کی حفاظت کرتے ہوئے پائے گا پس نہ تو طاعون مدینہ طیبہ میں آسکتا ہے اور نہ ہی دجال، ان شاء اللہ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایمان تو یمن والوں کا ہے اور کفر مشرق کی جانب سے ہے اور سکون و اطمینان بکریاں پالنے والوں میں ہوتا ہے اور فخر وتکبر وریاکاری چلّانے والوں میں یعنی گھوڑے واونٹ پالنے والوں میں ہوتا ہے اور مسیح دجال (مدینہ کے قریب) آئے گا، جب وہ احد پہاڑ کے پیچھے ہوگا تو فرشتے اسکے چہرے کو شام کی طرف پھیر دیں گے اور وہ وہیں پر ہلاک ہوگا۔

**②احادیث کی تشریح:۔** پہلی حدیث کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دجال مدینہ طیبہ کے پاس آئے گا اور فرشتوں کو اسکی حفاظت کرتے ہوئے پائے گا۔مسند احمد وحاکم کی روایت کے مطابق دجال جب بھی مدینہ میں داخل ہونا چاہے گا تو ہر راستہ پر فرشتہ تلوار سونتے ہوئے کھڑا نظر آئے گا جو اسے مدینہ میں داخل ہونے سے روک دے گا۔پس نہ طاعون جیسی کوئی وباء وآفت مدینہ طیبہ میں آسکتی ہے اور نہ ہی دجال مدینہ میں داخل ہو سکے گا۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

دوسری حدیث میں اولاً اہلِ یمن کی تعریف کی گئی ہے کہ اصل ایمان تو یمن والوں کا ہے کیونکہ وہ نرم دل، مخلص اور نفاق سے دور ہوتے ہیں۔ علامہ نوویؒ شارح مسلم فرماتے ہیں کہ اصل ایمان کی نسبت اہلِ یمن کی طرف کی گئی ہے حالانکہ ایمان کا اصل مبدأ مکہ ومدینہ ہیں، اس لئے اہلِ علم نے اسکی متعدد تاویلات کی ہیں: ①اس روایت میں یمن سے مراد مکہ ہے اس لئے کہ مکہ تہامہ سے ہے اور تہامہ کا تعلق یمن سے ہے۔ ② آپ ﷺ نے یہ ارشاد تبوک میں فرمایا تھا اور مکہ ومدینہ تبوک سے یمن کی جانب ہیں لہٰذا آپ ﷺ کی مراد یمن سے مکہ ومدینہ ہیں ③ اہل یمن سے مراد حضرات انصار رضی اللہ عنہم ہیں کیونکہ وہ اصل یمن کے رہنے والے ہیں

انہوں نے خود ایمان اختیار کیا اور اہل ایمان کی مدد کی ④ اگر روایت کے ظاہری معنی مراد لیں تب بھی کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ ان کے کمالِ ایمان کو بیان کرنے سے اہل مکہ و مدینہ کے کمالِ ایمان کی نفی لازم نہیں آتی، کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد حصر پر دال نہیں ہے۔ نیز ارشاد فرمایا کہ مدینہ سے مشرق کی جانب کفر شدید ہوگا اور اس سے مراد ملکِ فارس کے لوگ ہیں، ان کے بادشاہ نے آپ ﷺ کا والا نامہ چاک کیا تھا اور مسیلمہ کذاب بھی اسی جانب سے اٹھا تھا۔ اور دجال کا خروج بھی مدینہ سے مشرق کی جانب ہوگا۔

سکون و اطمینان بکریاں پالنے والوں میں ہوتا ہے، ان کا مزاج نرم ہوتا ہے اور ان میں وقار ہوتا ہے اور فخر و تکبر و ریاء کاری چیخنے چلانے والوں میں ہوتی ہے اس سے مراد گھوڑے و اونٹ پالنے والے لوگ ہیں ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ اہلِ غنم سے مراد اہلِ یمن ہیں کیونکہ ان کے اکثر مویشی بکریاں ہوتی ہیں اور اہلِ خیل و اہلِ وبر سے مراد قبیلۂ ربیعہ و مضر کے لوگ ہیں۔

مسیح دجال مدینہ میں داخل نہیں ہو سکے گا جب بھی وہ مدینہ آنا چاہے گا احد پہاڑ کے قریب پہنچے گا تو فرشتے اس کو ملکِ شام کی طرف بھگادینگے اور وہیں پر شہر لد کے گیٹ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچے گا۔ (دروسِ ترمذی ج۴ ص۵۵)

③ "الایمان یمان" کا مطلب:۔ ابھی حدیث کی تشریح کے ضمن میں اس کا مطلب واضح ہو چکا ہے۔

**الشق الثانی** ......**عن جابران رسول الله ﷺ أخذ بيد مجذوم فأدخله معه فى القصعة ثم قال: "كل بسم الله ثقة بالله وتوكلا عليه"۔**

حدیث شریف کا ترجمہ کریں؟ "**كل بسم الله ثقة بالله وتوكلا عليه**" کی نحوی ترکیب کریں؟ معروف حدیث ہے "**فرمن المجذوم فرارك من الأسد**" دونوں حدیثوں کے درمیان حضرات علماء کے اقوال کی روشنی میں تعارض کو رفع کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) جملہ کی ترکیب (۳) احادیث سے رفعِ تعارض۔

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک کوڑھی کا ہاتھ پکڑا، پس اس کو اپنے ساتھ بڑے پیالہ میں داخل کیا۔ اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اور اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے پھر فرمایا کہ اللہ کا نام لے کر کھا۔

② جملہ کی ترکیب:۔ مذکورہ ترجمہ کے لحاظ سے **كل بسم الله** مستقل جملہ ہے اور مابعد والے دونوں جملے معطوف علیہ و معطوف مل کر "**ادخله**" کی ضمیر فاعل سے حال واقع ہوں گے۔

دوسری ترکیب یہ ہے کہ "**ثقة وتوكلا**" یہ دونوں مصدر مفعول مطلق ہیں، تقدیر عبارت "**اثق ثقة بالله و اعتمد اعتمادًا عليه**" ہے اس صورت میں دونوں جملے معطوف علیہ و معطوف ملکر سابقہ جملہ "**كل بسم الله**" سے حال ہونگے (تحفۃ الالمعی ۵:۱۶۳)

③ احادیث سے رفعِ تعارض:۔ امراض کے متعدی ہونے میں احادیث مختلف ہیں کہ بیماریوں میں تعدی اور تجاوز ہے یا نہیں، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف وہم ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں اور بیماری ایک سے دوسرے کو نہیں لگتی اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بیماری دوسرے کی طرف متعدی ہوتی ہے۔

اصولی طور پر متعارض احادیث کے مابین رفع تعارض کے تین طریقے ہیں۔ نسخ و تنسیخ، ترجیح اور تطبیق۔

یعنی دونوں میں سے ایک کو ناسخ اور دوسری کو منسوخ قرار دیا جائے، یا سند، متن، مفہوم، مثبت، نافی ہونے میں کسی ایک کو ترجیح دے دی جائے یا پھر مختلف حالات و صور پر محمول کر کے تطبیق دی جائے، یہاں سب طریقے و صورتیں ممکن ہیں۔

① نسخ و تنسیخ: اصحاب مالک میں سے عیسیٰ بن دینار نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے اور مجذوم سے فرار والی روایت کو لاعدویٰ سے منسوخ قرار دیا ہے۔ ② ترجیح: بعض اہل علم نے لاعدویٰ نافی حدیث کو مثبت فرار وغیرہ والی احادیث پر ترجیح دی ہے کہ تعدیہ امراض نہ ہونا راجح ہے حاشیہ بذل میں ہے "**لكن الاحاديث الصحيحة تدلّ على ان العدوىٰ ليس بشيئ**" صحیح و صریح احادیث سے ثابت ہے کہ عدویٰ کچھ نہیں۔ ③ تطبیق: اکثر اہل علم نے دونوں احادیث میں تطبیق کی بھرپور کوشش کی ہے پھر اس کی متعدد توجیہات کی ہیں: ۱ ...... جن احادیث مبارکہ میں فرار اور بچنے کا حکم ہے یہ استحباب و احتیاط پر مبنی ہیں احتیاطاً بچنا چاہیے اور جن میں نفی ہے اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ کھانے کا ذکر ہے اس میں جواز بیان کرنا مقصود ہے یعنی احتیاطاً بچو لیکن بالکل

غلط بھی مت سمجھو۔ ۲......زمانہ جاہلیت میں یہ اعتقاد جڑ پکڑ گیا تھا کہ جذام اور دیگر بعض بیماریوں میں یقیناً وحتماً تعدیہ ہے اور یہ ضرور دوسرے کو لگ جاتی ہیں اور یہ ان کی ذاتی تاثیر ہے تو آنحضرت ﷺ نے لاعدویٰ فرما کر اس باطل نظریہ اور خیالات کی اصلاح فرمائی کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں کہ امراض بالذات اور اپنی تاثیر کی وجہ سے متعدی ہوں اور دوسروں کو لگیں، نہیں ہرگز نہیں، پھر اس کی اصلاح کے بعد فرمایا کہ ظاہراً ایک سبب کی حد تک ایک مرض دوسرے کے مرض کا سبب ہوسکتا ہے تو نفی سبب حقیقی اور تاثیر ذاتی کی ہوئی لاعدویٰ میں اور اثبات سبب ظاہری کا ہوا۔

۳......تطبیق کی ایک عمدہ توجیہ یہ بھی ہے کہ حقیقت یہی ہے کہ امراض میں تعدیہ نہیں اور یقیناً نہیں۔ ہاں اگر کوئی ضعیف الایمان اور کمزور عقیدے والا ہو تو اسے توہمات سے بچنے کے لئے بیمار کے پاس زیادہ ٹھہرنے اور کثرت سے آمد و رفت سے اجتناب واحتیاط کرنی چاہیے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس کو تکلیف لاحق ہو اور یہ اپنے کچے عقیدے کی وجہ سے تعدیہ کا قائل بن جائے اور مزید عقیدہ خراب ہوجائے تو اسے اس کمزوری کی وجہ سے بچنا چاہیے نہ کہ حقیقتاً امراض میں تعدیہ ہے۔

## السوال الثالث ۱۴۳۸ھ

**الشق الاوّل** ......**عن أنس بن مالك قال: سئل النبی ﷺ أيتخذ الخمر خلا؟ قال: لا۔**

تخلیلِ خمر میں فقہاء کے مذاہب ودلائل لکھیں اور جو حضرات جواز کے قائل ہیں وہ اس حدیث کا کیا جواب دیتے ہیں؟ تحریر کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) تخلیلِ خمر میں فقہاء کے مذاہب (۲) فقہاء کے دلائل (۳) حدیث الباب کا جواب۔

**جواب** ...... **۱** تخلیلِ خمر میں فقہاء کے مذاہب:۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تخلیلِ خمر (شراب سے سرکہ بنانا) جائز ہے، امام احمدؒ کے نزدیک تخلیلِ خمر بالکل حرام ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک کسی اور چیز کو شامل کئے بغیر محض دھوپ سے سایہ میں اور سایہ سے دھوپ میں منتقل کرنے سے سرکہ بن گئی تو وہ پاک وحلال ہے، امام مالکؒ کے نزدیک راجح قول کے مطابق شراب کا سرکہ بنانا جائز نہیں ہے، لیکن اگر وہ خود بخود سرکہ بن جائے یا کوئی سرکہ بنائے تو اس کا گناہ اپنی جگہ ہے مگر اس کا استعمال جائز ہے۔

الغرض خلاصہ کے طور پر حنفیہ کے نزدیک تخلیلِ خمر جائز ہے اور بقیہ ائمہؒ کے نزدیک تخلیلِ خمر جائز نہیں ہے۔ بالفاظِ دیگر امام احمدؒ کے نزدیک تخلیل خمر جائز نہیں ہے اور بقیہ ائمہؒ کے نزدیک جائز ہے (دونوں طرح گروہ بندی درست ہے)۔

**۲** فقہاء کے دلائل:۔ قائلینِ جواز کی دلیل بیہقی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے **خير خلكم خل خمركم** (تمہارا بہترین سرکہ شراب کا سرکہ ہے) دوسری دلیل یہ ہے کہ شراب کی حرمت اس کے نشہ آور ہونے کی وجہ سے ہے، اگر کوئی شخص اس کی ماہیت تبدیل کر کے اس کا سرکہ بنالے تو نشہ آور نہ ہونے کی وجہ سے اس کا استعمال جائز ہے اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

قائلینِ عدمِ جواز کی دلیل حدیث الباب ہے کہ آپ ﷺ نے تخلیلِ خمر سے منع فرمایا اور اس کی اجازت نہ دی۔

**۳** حدیث الباب کا جواب:۔ مذکورہ حدیثِ نہی کا جواب یہ ہے کہ حرمتِ خمر کے ابتدائی زمانہ میں آپ ﷺ نے شراب کی نفرت و قباحت راسخ کرنے کیلئے شراب کو سرکہ بنانے سے بھی منع فرمایا حتیٰ کہ شراب کے برتنوں کو بھی توڑ دینے کا حکم دیا۔ پھر جب مسلمانوں کے دلوں میں شراب کی نفرت راسخ ہوگئی تو متعدد احکامِ شراب منسوخ ہوگئے۔ لہٰذا اب شراب کے برتن توڑنے اور شراب بہانے کا حکم منسوخ ہے۔ اور شراب کا سرکہ بنانا جائز ہے۔ (تحفۃ الالمعی جلد۴، صفحہ ۲۱۷)

**الشق الثانی** ......**عن أبی هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: "لايزنی الزانی حين يزنی وهو مؤمن، ولايسرق السارق حين يسرق وهومؤمن، ولكن التوبة معروضة"۔** حدیث کا ترجمہ ومطلب بتائیں اور وہ تاویلات جو حضرات علماء نے کی ہیں ذکر کریں اور بتائیں کہ اس حدیث میں تاویل کی ضرورت کیوں پڑی ہے؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کا مطلب وتاویلات (۳) حدیث کی تاویلات کرنے کی وجہ۔

**جواب** ...... **۱** حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں زنا کرتا کوئی زنا کرنے والا

اس حال میں کہ وہ مؤمن ہواور نہیں چوری کرتا کوئی چوری کرنے والا اس حال میں کہ وہ مؤمن ہواور لیکن توبہ ایسے لوگوں پر پیش کی ہوئی ہے۔

② حدیث کا مطلب وتاویلات:۔ آپ ﷺ کے اس ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ مؤمن آدمی زنا وچوری جیسے برے اعمال نہیں کرسکتا یعنی چوری وزنا کرنا مؤمن آدمی کا کام نہیں ہے، کافر آدمی کا کام ہے، البتہ اگر کوئی مؤمن آدمی ان کبیرہ گناہوں میں سے کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اسکے بعد بھی اسکے پاس توبہ کی مہلت وموقع ہوتا ہے۔ بظاہر یہ حدیث معتزلہ وخوارج کی دلیل ہے کہ اسکے ظاہری الفاظ سے مرتکبِ کبیرہ کے ایمان کا باقی نہ رہنا معلوم ہو رہا ہے اسلئے علماء نے اس حدیث کی متعدد تاویلات کی ہیں:

① اس حدیث میں کمالِ ایمان کی نفی ہے کہ مرتکبِ کبیرہ کامل مؤمن نہیں رہتا البتہ نفس ایمان اس میں موجود رہتا ہے۔ ② ایمان کے متعلق دو چیزیں ہیں نفس ایمان ونورِ ایمان۔ مرتکبِ کبیرہ میں نفسِ ایمان موجود رہتا ہے البتہ نورِ ایمان ختم ہوجاتا ہے۔ حدیث میں اسی نورِ ایمان کا ذکر ہے۔ ③ اس حدیث میں ایمانِ لغوی مراد ہے کہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب کے وقت مؤمن آدمی امن والا نہیں رہتا خطرہ ہوتا ہے کہ یہ ابھی عذابِ الٰہی کی لپیٹ میں نہ آجائے۔ ④ اس سے مراد مستحل کبائر ہے کہ جو شخص ان کبیرہ گناہوں کو حلال سمجھتے ہوئے کرے وہ مؤمن نہیں رہتا۔

③ حدیث کی تاویلات کرنے کی وجہ:۔ متعدد نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتکبِ کبیرہ کا ایمان باقی رہتا ہے وہ کافر نہیں ہوتا۔ مثلاً **ان الله لايغفر ان يشرك به ويغفر مادون ذلك لمن يشاء ۔ عن ابى ذر ...... من قال لا اله الا الله دخل الجنة وان زنى و ان سرق ۔ عن عبادة بن الصامت ...... انهم بايعوه ﷺ على ان لايسرقوا و لايزنوا ولايعصوا الخ ثم قال فمن و فى منكم فاجره على الله ومن فعل شيئا من ذلك فعوقب فى الدنيا فهو كفارته و من فعل ولم يعاقب فهو الى الله ان شاء عفا عنه وان شاء عذبه** ۔ ان مذکورہ نصوص کی وجہ سے اہلِ حق کا اس بات پر اجماع ہے کہ مؤمن آدمی چوری، زنا وقتل کے باوجود بھی کافر نہیں ہوتا بشرطیکہ وہ شرک نہ کرے۔ بظاہر یہ حدیث اہلِ حق کے اس اجماع کے خلاف تھی اور معتزلہ وخوارج کی دلیل بن رہی تھی اس لئے اس میں تاویلات کی ضرورت پیش آئی۔

## الورقة الخامسة: جامع الترمذی ج ۲

## السوال الاوّل ۱۴۳۹ھ

**الشق الاوّل** ......**عن سهل بن سعد الساعدى أن رجلا اطلع على رسول الله ﷺ من جحر فى حجرة النبى ﷺ، ومع النبى ﷺ مدراة، يحك بها رأسه، فقال النبى ﷺ "لوعلمت أنك تنظر لطعنت بها فى عينك، انما جعل الاستئذان من أجل البصر"**۔

**مدراة** کی لغوی تحقیق کریں۔ **استیذان** کا حکم بیان کریں۔ حدیث شریف کا ترجمہ کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) **مدراة** کی لغوی تحقیق (۲) **استیذان** کا حکم (۳) حدیث کا ترجمہ۔

**جواب** ...... ① "مِدْرَاةٌ" کی لغوی تحقیق:۔ یہ مفرد ہے اس کی جمع "مَدَارٍ، مَدَارٰی" آتی ہے بمعنی کنگھا خواہ لکڑی کا ہو یا لوہے کا ہو یا کسی اور چیز کا ہو، اسی طرح بالوں والا برش بھی مراد ہوسکتا ہے۔

② **استیذان کا حکم**:۔ آیتِ کریمہ **يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَأْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا** " کے پیشِ نظر دوسروں کے گھروں میں بلا اجازت داخل ہونا حرام ہے۔ اسی طرح جس گھر میں اجنبی عورتیں ہوں انکے پاس بھی بغیر اجازت داخلہ ممنوع ہے اور اپنے گھر میں داخلہ کیلئے اجازت طلب کرنے کا حکم استحبابی ہے وجوبی نہیں، اسلئے اگر کوئی شخص اپنے گھر میں داخل ہونا چاہے اور گھر کے اندر پردہ والی عورتیں بھی ہوں تو مستحب یہی ہے کہ اجازت لیکر داخل ہوتا کہ نامحرم بے پردہ عورت پر نظر نہ پڑسکے، لیکن غیر عورت کا غیر گھر میں برہنہ ہونے کا احتمال چونکہ ضعیف ہے اسلئے بغیر اجازت داخلہ مکروہ تنزیہی ہے (تفسیر مظہری ۸:۲۷۱)

③ **حدیث کا ترجمہ**:۔ حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے کسی کمرے میں سوراخ سے جھانکا اور آپ ﷺ کے پاس ایک کنگھا تھا جس سے آپ ﷺ اپنا سر کھجلا رہے تھے، پس آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں جانتا کہ تو دیکھ رہا ہے تو میں یہ کنگھا تیری آنکھ میں مارتا، یہ اجازت طلب کرنا اسی نظر کی وجہ سے ہی مقرر کیا گیا ہے۔

03134557913 maktabazakariyakhan@gmail.com

**الشق الثانی** ......عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ أَوْ عَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: سَبْعَةٌ یُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظِلِّهٖ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ: اِمَامٌ عَادِلٌ وَ شَابٌّ نَشَأَ بِعِبَادَةِ اللّٰهِ وَ رَجُلٌ کَانَ قَلْبُهٗ مُعَلَّقًا بِالْمَسْجِدِ اِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتّٰی یَعُوْدَ وَ رَجُلَانِ تَحَابَّا فِی اللّٰهِ فَاجْتَمَعَا عَلٰی ذٰلِكَ وَ تَفَرَّقَا، وَ رَجُلٌ ذَکَرَ اللّٰهَ خَالِیًا فَفَاضَتْ عَیْنَاهُ .....

اعراب لگا کر ترجمہ کریں، خط کشیدہ کلمات کی لغوی وصرفی تحقیق کریں، مذکورہ سات افراد کی تعیین اور روزِ قیامت ان کا مقام واضح کیجیے۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث پر اعراب ② حدیث کا ترجمہ ③ کلمات مخطوطہ کی تحقیق ④ ذکر کردہ سات اشخاص کی تعیین ومقام۔

**جواب** ...... ① حدیث پر اعراب:۔ کما مر فی السوال آنفًا۔

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یا حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سات قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ ایسے دن اپنا سایہ عنایت کریں گے کہ جس دن اس کے سایے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا: ① عادل امام وپیشوا ② وہ جوان جو اللہ کی عبادت میں پروان چڑھا ③ وہ آدمی جس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہے جب کہ وہ مسجد سے نکلے یہاں تک کہ وہ مسجد کی طرف لوٹ آئے ④ وہ دو آدمی جو اللہ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں پس وہ دونوں اس پر اکٹھے ہوتے ہیں اور اسی پر جدا ہوتے ہیں ⑤ وہ آدمی جس نے تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا اور اس کی آنکھیں بہہ پڑیں.....الحدیث

③ کلمات کی تحقیق:۔ تَفَرَّقَا: صیغہ تثنیہ مذکر غائب فعل ماضی معلوم از مصدر تَفَرُّقًا (تفعل) بمعنی جدا ہونا۔

یُظِلُّ: صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معلوم از مصدر اِظْلَالٌ (افعال۔مضاعف) بمعنی سایہ ڈالنا و پناہ میں لینا۔

شَابٌّ: یہ مفرد ہے اس کی جمع شَبَابٌ و شُبَّانٌ ہے بمعنی جوان۔ مصدر شَبَابًا و شَبِیْبَةً (ضرب۔مضاعف) بمعنی جوان ہونا۔

تَحَابَّا: صیغہ تثنیہ مذکر غائب فعل ماضی معلوم از مصدر تَحَابًّا (تفاعل۔مضاعف) بمعنی باہم محبت کرنا۔

خَالِیًا: صیغہ واحد مذکر بحث اسم فاعل از مصدر خُلُوًّا و خَلَاءً (نصر۔ناقص) بمعنی خالی و اکیلا ہونا۔

فَاضَتْ: صیغہ واحد مؤنث غائب فعل ماضی معلوم از مصدر فَیْضًا و فَیْضَانًا (ضرب۔اجوف) بمعنی بہنا و جاری ہونا۔

④ سات افراد کی تعیین اور مقام:۔ اس حدیث میں ظل سے مراد اللہ تعالیٰ کا اعزاز واکرام کرنا اور اسکی حفاظت میں ہونا ہے یا عرش کا سایہ اور جنت کا سایہ مراد ہے۔ سات اشخاص کی تفصیل یہ ہے: ① عادل بادشاہ یا حاکم یا امور مسلمین کا نگران وذمہ دار۔ کیوں کہ ان کے عادل ہونے کا نفع متعدی ہو کر ہر خاص وعام کو پہنچتا ہے۔ ② وہ جوان جو جوانی کی حالت میں بھی عبادت کرے جو کہ غلبۂ شہوت وخواہشات کا زمانہ ہے۔ ③ ایسا شخص جس کا مسجد سے شدید تعلق ہو، مسجد کو آباد رکھے، مسجد کا خیال رکھے، مسجد سے باہر جائے تب بھی اس کا دل مسجد میں اٹکا ہو۔ ④ وہ دو آدمی جو حقیقۃً اللہ کی رضا کیلئے ہی آپس میں محبت کریں، باہم ملیں یا جدا ہوں ان میں سلسلۂ محبت باقی ہو۔ ⑤ وہ آدمی جو خلوت میں اللہ کو یاد کرے اور اسکے دل میں اللہ تعالیٰ کا اس قدر خوف ہو کہ آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں۔ ⑥ وہ شخص جسے اچھے خاندان اور حسن وجمال والی عورت زنا کی دعوت دے اور وہ خوفِ خدا کی وجہ سے رک جائے اور گناہ سے انکار کردے۔ ⑦ وہ شخص جو فرضی یا نفلی صدقہ چھپا کردے کہ کسی کو خبر بھی نہ ہو۔ (دروسِ ترمذی: ج۴)

ان سات افراد کا مقام اور اعزاز واکرام واضح ہے کہ میدان حشر میں جب سب لوگ پریشان ہوں گے اس دن یہ سایۂ خداوندی میں بے خوف وخطر آرام سے ہوں گے، اس سے بڑھ کر اور خوش نصیبی کیا ہوگی؟ (تحفۃ الالمعی)

0313 6357915 maktabazakariyamultan@gmail.com

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۹ھ

**الشق الاوّل** ......عن الصنابحی عن عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ أنه قال: دخلت علیه و هو فی الموت فبکیت فقال: مهلا لم تبکی؟ فو اللّٰه لان استشهدت لأشهدن لك و لان شفعت لأشفعن لك و لان استطعت لأنفعنك، ثم قال: و اللّٰه ما من حدیث سمعته من رسول اللّٰه ﷺ لکم فیه خیر الا حدثتکموه الا حدیثا واحداء و سأحدثکموه الیوم و قد أحیط بنفسی ..... الخ ترجمہ کیجیے، حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے آخری وقت میں کون سی حدیث بیان

کی؟ کیا مسلمان بھی دوزخ میں داخل نہ ہوں گے؟ حدیث کا مطلب واضح کیجیے۔ خط کشیدہ کلمات کی لغوی وصرفی تحقیق کیجیے۔

﴿ خلاصۂ سوال ﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث ③ حدیث کا مطلب ④ کلمات مخطوطہ کی تحقیق۔

**جواب**...... ① **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت صنابحی سے مروی ہے کہ میں حضرت عبادہ بن صامتؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اس حال میں کہ وہ مرض وفات میں تھے، پس میں رونے لگا، حضرت عبادہؓ نے فرمایا: صبر کرو یا صبر سے کام لو، روتے کیوں ہو؟ قسم بخدا! اگر مجھ سے گواہی طلب کی گئی تو میں ضرور تمہارے لیے گواہی دوں گا اور اگر میری سفارش قبول کی گئی تو میں ضرور تمہاری سفارش کروں گا، اور اگر میری طاقت واستطاعت میں ہوا تو میں ضرور تمہیں نفع پہنچاؤں گا۔ پھر فرمایا کہ قسم بخدا! ایسی کوئی حدیث نہیں جو میں نے آپ ﷺ سے سنی ہو اور اس میں تمہارے لیے بھلائی ہو مگر میں نے وہ حدیث تم سے بیان کردی ہے، سوائے ایک حدیث کے جو میں آج بیان کروں گا جب کہ میری روح گھیر لی گئی ہے۔

② **حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث:۔** حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے آخر وقت میں یہ حدیث بیان کی تھی: **من شهد ان لا اله الا الله و ان محمدا رسول الله حرم الله عليه النار** (جس شخص نے یہ گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ اس پر جہنم کی آگ حرام کردیں گے)۔

③ **حدیث کا مطلب:۔** حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ ایمان بسیط ہے، صرف اقرارِ توحید پر سیدھا جنت میں داخلہ مل جائے گا، جہنم حرام ہو جائے گی بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو بھی توحید ورسالت کا قائل ہے وہ کسی نہ کسی دن جنت میں ضرور پہنچ جائے گا، اگرچہ اس کو گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں بھیجا جائے گا مگر وہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا۔ (تحفۃ الالمعی)

④ **کلمات مخطوطہ کی تحقیق:۔** **شُفِّعْتُ**: صیغہ واحد متکلم فعل ماضی مجہول از مصدر **تَشْفِيْعًا** (تفعیل) بمعنی سفارش قبول کرنا۔

**اُسْتُشْهِدْتُ**: صیغہ واحد متکلم فعل ماضی مجہول از مصدر **اِسْتِشْهَادًا** (استفعال) بمعنی شہادت طلب کرنا۔

**لَاَنْفَعَنَّ**: صیغہ واحد متکلم بحث لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ از مصدر **نَفْعًا** (فتح) بمعنی نفع دینا و پہنچانا۔

**حَدَّثْتُ**: صیغہ واحد متکلم فعل ماضی معلوم از مصدر **تَحْدِيْثًا** (تفعیل) بمعنی بیان کرنا۔

**اُحَدِّثُ**: صیغہ واحد متکلم فعل مضارع معلوم از مصدر **تَحْدِيْثًا** (تفعیل) بمعنی بیان کرنا۔

**اُحِيْطَ**: صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی مجہول از مصدر **اِحَاطَةً** (افعال۔ اجوف) بمعنی گھیرنا و احاطہ کرنا۔

## الشق الثانی

......**عن عبد الله بن مسعودؓ قال: قال رسول الله ﷺ: لما وقعت بنو اسرائيل في المعاصي فنهتهم علماء هم فلم ينتهوا فجالسوهم في مجالسهم و واكلوهم و شاربوهم فضرب الله قلوب بعضهم على بعض و لعنهم على لسان داؤد و عيسى بن مريم ذلك بما عصوا و كانوا يعتدون، و قال: و جلس رسول الله ﷺ و كان متكئا فقال: لا والذى نفسي بيده حتى تأطروهم أطرا.**

ترجمہ کیجیے، بنی اسرائیل پر لعنت کیوں بھیجی گئی؟ خط کشیدہ کلمات کی لغوی وصرفی تحقیق کیجیے۔ **حتی تأطروهم أطرا** سے کیا مراد ہے؟

﴿ خلاصۂ سوال ﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② بنی اسرائیل پر لعنت کی وجہ ③ کلمات مخطوطہ کی تحقیق ④ **حتی تأطروهم أطرا** کی مراد۔

**جواب**...... ① **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بنی اسرائیل معاصی میں مبتلا ہوئے تو ان کے علماء نے ان کو روکا مگر وہ نہ رکے، ان کے علماء نے ان کی مجلسوں میں ان کی ہم نشینی اختیار کی اور ان کے ساتھ کھاتے پیتے رہے، پس اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب میں سے بعض کو بعض پر مارا (ایک جیسے ہو گئے) اور ان کو حضرت داؤد و حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی بددعا کی وجہ سے ملعون کر دیا گیا یہ بات ان کی نافرمانی کی وجہ سے ہوئی اور اس وجہ سے کہ وہ حد سے گزر گئے تھے، راوی کہتے ہیں کہ پھر آپ ﷺ سیدھے بیٹھ گئے جب کہ اس سے پہلے آپ ﷺ ٹیک لگائے ہوئے تھے اور فرمایا: نہیں! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، یہاں تک کہ ان کو چوکھٹے میں بند کر دو، اچھی طرح بند کرنا۔

0313-0357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

② بنی اسرائیل پر لعنت کی وجہ:۔ بنی اسرائیل پر لعنت کی وجہ قرآن کریم میں ان الفاظ سے مذکور ہے: **کانوا لا یتناھون عن منکر فعلوہ، لبئس ما کانوا یفعلون** (وہ ایک دوسرے کو برے اعمال و برے کاموں سے روکتے نہیں تھے اور ان کی یہ خصلت و حرکت بہت بری تھی)۔

③ کلمات مخطوطہ کی تحقیق:۔ **وَاکَلُوْا**: صیغہ جمع مذکر غائب فعل ماضی معلوم از مصدر **مواکلۃ** (مفاعلہ۔مہموز) بمعنی باہم کھانا وکھلانا۔

**لَمْ یَنْتَھُوْا**: صیغہ جمع مذکر غائب فعل نفی جحد بلم معلوم از مصدر **انتھاء** (افتعال۔ناقص) بمعنی انتہاء کو پہنچنا اور کنا۔

**جَالَسُوْا**: صیغہ جمع مذکر غائب فعل ماضی معلوم از مصدر **مجالسۃ** (مفاعلہ) بمعنی باہم وساتھ بیٹھنا۔ مجرد **جلوساً** (ضرب) بیٹھنا۔

**شَارَبُوْا**: صیغہ جمع مذکر غائب فعل ماضی معلوم از مصدر **مشاربۃ** (مفاعلہ) بمعنی باہم پینا۔

**تَاْطِرُوْا**: صیغہ جمع مذکر حاضر فعل مضارع معلوم از مصدر **اَطْرًا** (ضرب۔مہموز) بمعنی موڑنا۔

⑤ حتی تأطروھم أطرا کی مراد:۔ **اَطْرًا** کا معنی کسی چیز کو موڑنا و بند کرنا ہے، فریم کرنا و چوکھٹے میں بند کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک تم ان کو بالکل چوکھٹے میں بند نہ کردو یعنی ان کو پوری طرح دین میں نہ لے آؤ تو تمہاری معافی نہیں ہوسکتی۔

## السوال الثالث ۱۴۳۹ھ

**الشق الاوّل** ......**عن صہیب قال: کان رسول اللّٰہ ﷺ اذا صلی العصر همس و الھمس فی قول بعضھم: تحرك شفتیه کأنه یتکلم فقیل له: انك یا رسول اللّٰہ اذا صلیت العصر ھمست؟ قال: ان نبیا من الأنبیاء کان أعجب بأمته فقال: من یقوم لھؤلآء؟ فأوحی اللّٰہ الیه أن خیرھم بین أن أنتقم منھم و بین أن أسلط علیھم عدوھم، فاختاروا النقمة، فسلط علیھم الموت، فمات منھم فی یوم سبعون ألفا۔**

ترجمہ کیجیے، اصحاب البروج کا واقعہ بیان کیجیے، خط کشیدہ کلمات کی تحقیق کیجیے، سورۃ البروج میں شاهد و مشہود سے کیا مراد ہے؟

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② اصحاب البروج کا واقعہ ③ کلمات مخطوطہ کی تحقیق ④ شاهد و مشہود کی مراد۔

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آپ ﷺ عصر کی نماز پڑھتے تھے تو آہستہ سے کچھ کہتے تھے اور بعض نے کہا کہ ہمس کا معنی دونوں ہونٹ ہلانا ہے جیسے وہ کلام کررہا ہے، پس آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول! جب آپ عصر کی نماز پڑھتے ہیں تو آہستہ سے کچھ بولتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام میں سے ایک نبی کو اپنی امت بہت پسند آئی (ان کی کثرت پر ناز ہوا) اس نبی نے کہا کہ اس قوم کے مقابلے میں کون کھڑا ہوگا؟ (ان کا مقابلہ کون کرسکتا ہے؟) اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ آپ ان کو اختیار دیں کہ میں خود ان سے بدلہ و انتقام لوں یا دشمن کو ان پر مسلط کروں؟ انہوں نے سزا و بدلہ کو پسند و اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر موت مسلط کردی پس ان میں سے ایک ہی دن میں ستر ہزار مرگئے۔

② اصحاب البروج کا واقعہ:۔ ایک بادشاہ تھا جس کے ہاں ایک کاہن اور ساحر تھا، بادشاہ اپنا ہر کام اس ساحر سے کروالیتا گویا اسکی سلطنت اسکے جادو کے بل پر قائم تھی، اخیر عمر میں اس ساحر نے بادشاہ سے کہا کہ میری عمر ختم ہونے والی ہے آپ مجھے کوئی ذہین لڑکا دیں جس کو میں اپنا علم سکھا سکوں، بادشاہ نے ایک لڑکا اسکے حوالہ کردیا وہ بچہ صبح شام اس ساحر کے پاس حاضر ہونے لگا اسی دوران راستہ میں اس کی کسی راہب سے ملاقات ہوئی وہ بچہ اس راہب سے بڑا متاثر ہوا، راہب نے اس بچہ کو توحید کی تعلیم دی وہ بچہ ایمان لے آیا، پھر بچہ روزانہ اس ساحر کے پاس آتے جاتے اس راہب کے پاس آنے جانے لگا، ایک دن یہ بچہ بادشاہ کی طرف جارہا تھا کیا دیکھتا ہے کہ کسی مہلک جانور نے راستہ روک رکھا ہے لوگ ٹھہرے ہوئے ہیں، اس بچہ نے سوچا کہ آج میں امتحان لیتا ہوں کہ ساحر حق پر ہے یا راہب، چنانچہ اس نے پتھر اٹھایا اور کہا کہ اے خدا اگر اس راہب کا مذہب حق ہے تو اس پتھر سے اس جانور کو ہلاک فرما، چنانچہ پتھر سے وہ جانور ہلاک ہوگیا اور لوگوں میں شہرت ہوگئی کہ بچہ کو جادوگری میں کمال حاصل ہوگیا ہے، پھر آہستہ آہستہ وہ بچہ ولایتِ عظمیٰ کے مرتبہ پر فائز ہوگیا، لاعلاج مریض اسکی دعا سے شفایاب ہونے لگے، شہرت کی وجہ سے بادشاہ کا نابینا مصاحب بھی آیا اور تحفے و نذرانے پیش کرکے درخواست کی کہ مجھ پر بھی کچھ نظرِ کرم

0313 0307913 · maktabazakariyamultan@gmail.com

کریں، میری آنکھیں بھی درست کردیں بچہ نے کہا کہ شفاء میرے ہاتھ میں نہیں ہے، میرا رب شفا دیتا ہے اگر تو میرے رب پر ایمان لائے تو میں اس سے دعا کرتا ہوں امید ہے کہ آنکھیں درست ہوجائیں گی، چنانچہ اسی طرح ہوا کہ وہ ایمان لے آیا بچہ نے دعا کی اسکی آنکھیں درست ہوگئیں۔ جب وہ آدمی صبح بادشاہ کے دربار میں پہنچا تو بادشاہ نے تعجب سے پوچھا کہ پہلے تو کسی بھی معالج سے ٹھیک نہیں ہوا اب کیسے ٹھیک ہوگیا؟ اس نے کہا کہ میرے پروردگار نے اپنی قدرت سے مجھے بینائی دی ہے، بادشاہ نے کہا کہ میرے سوا تیرا پروردگار کون ہے؟ اس نے کہا کہ جس نے ساری کائنات پیدا کی ہے، بادشاہ اسکے جواب سے غضبناک ہوا اور اسے مارا پیٹا اور پوچھا کہ بتا تجھے یہ عقیدہ کس نے سکھایا ہے؟ اس نے بچہ کا نام لیا، اور پھر بچہ کو بلا کر سختی سے پوچھا گیا تو اس نے راہب کا نام لیا، بادشاہ نے اس راہب کو بلا کر دین چھوڑنے کا کہا اس نے انکار کیا تو بادشاہ نے اسے آرے سے چیر دیا پھر مصاحب سے بھی اسی طرح کہا اس نے انکار کردیا بادشاہ نے اس کو بھی چیر دیا، اور بچہ سے کہا کہ تو بھی اپنے دین سے باز آجا، ورنہ تیرا بھی یہی انجام ہوگا بچہ نے انکار کردیا، الغرض بادشاہ نے مختلف حیلے بہانے کئے مگر تمام تدابیر ناکام ہوگئیں وہ اس کو قتل نہ کرسکے پھر بچہ نے خود ہی اپنے قتل کی تدبیر بتلائی کہ بڑے میدان میں لوگوں کو جمع کرو پھر مجھے سولی پر چڑھا دو اور پھر **بسم اللّٰہ رب ھٰذا الغلام** کہہ کر مجھے تیر مارو میں مرجاؤں گا چنانچہ اسی طرح کیا گیا تیر اس بچہ کی کنپٹی پر لگا اور وہ جاں بحق ہوگیا جب لوگوں نے یہ دیکھا تو تمام لوگوں نے بآوازِ بلند کہا **آمنّا برب ھٰذا الغلام**، بادشاہ کو اور غصہ آگیا کہ پہلے تین تھے اب بے شمار لوگ اس بچہ کے رب پر ایمان لاچکے ہیں چنانچہ اس نے حکم دیا کہ خندقیں کھود کر ان میں آگ لگائی جائے اور تمام لوگوں سے ایک ایک کرکے پوچھا جائے جو بھی ان میں سے ہمارے مذہب سے پھر گیا ہو اسکو اس آگ میں ڈال دیا جائے چنانچہ خندقیں کھود کر تمام اعیانِ سلطنت ان کے کناروں پر نظارہ کیلئے بیٹھ گئے اور پھر تمام اہلِ ایمان کو آگ میں ڈالنا شروع کردیا گیا۔ اسی دوران آگ بھڑکی اور بادشاہ اور اسکے کارندے جو کناروں پر بیٹھے نظارہ کررہے تھے ان تمام کو آگ نے جلا کر راکھ کردیا۔

③ کلماتِ مخطوطہ کی تحقیق:۔ **النِّقْمَةُ**: یہ مفرد ہے اسکی جمع **نِقَمٌ**، **نَقِمٌ** ہے بمعنی انتقام، سزا و بدلہ۔ مصدر **نَقْمًا** (ضرب، سمع) سزا دینا۔

**هَمَسَ**: صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معلوم از مصدر **هَمْسًا** (ضرب) بمعنی آواز کو پست کرنا، آہستہ سے بات کرنا۔

**أُعْجِبَ**: صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی مجہول از مصدر **اِعْجَابًا** (افعال) خوش ہونا، تعجب کرنا و تعجب میں ڈالنا۔

**يَقُوْمُ**: صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معلوم از مصدر **قَوْمًا، قِيَامًا** (نصر۔ اجوف) بمعنی کھڑا ہونا و ٹھہرنا۔

**خَيَّرَ**: صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معلوم از مصدر **تَخْيِيْرًا** (تفعیل۔ اجوف) بمعنی پسند کرنے کا اختیار دینا۔

**سَلَّطَ**: صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی معلوم از مصدر **تَسْلِيْطًا** (تفعیل) بمعنی کسی پر غالب و قابض بنانا۔ قدرت دینا۔

④ شاہد و مشہود کی مراد:۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع روایت ہے کہ **شاهد** سے مراد جمعہ کا دن اور **مشهود** سے مراد عرفہ کا دن ہے۔ اگرچہ اس میں اور بھی اقوال ہیں مگر راجح قول یہی ہے۔

**الشق الثانی** ......**كان عليٌّ اذا وصف النبي ﷺ قال: ليس بالطويل الممغط و لا بالقصير المتردد و كان ربعة من القوم و لم يكن بالجعد القطط و لا بالسبط كان جعدا رجلاء، و لم يكن بالمطهم و لا بالمكلثم و كان في الوجه تدوير أبيض مشرب أدعج العينين أهدب الأشفار جليل المشاش و الكتد أجرد ذو مسربة الخ**

ترجمہ کیجئے، کلماتِ مخطوطہ کی وضاحت کیجئے، حضرت عائشہ اور انس رضی اللہ عنہما کی روایتوں کے مطابق حضور ﷺ کے تکلم کا انداز کیا تھا؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل تین امور ہیں: ① حدیث کا ترجمہ ② کلماتِ مخطوطہ کی وضاحت ③ آپ ﷺ کے تکلم کا انداز۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب آپ ﷺ کا حلیہ بیان کرتے تو فرماتے کہ آپ ﷺ نہ زیادہ لمبے تھے نہ زیادہ پست قد تھے بلکہ درمیانہ قد لوگوں میں سے تھے، آپکے بال نہ بالکل پیچ دار تھے اور نہ بالکل سیدھے تھے، بلکہ تھوڑے سے پیچ دار گھنگریالے تھے، نہ آپ ﷺ موٹے بدن والے تھے اور نہ آپ ﷺ کا چہرہ گول تھا، بلکہ آپ ﷺ کے چہرے میں معمولی گولائی تھی، آپ ﷺ کا رنگ سفید سرخی مائل تھا، آپ ﷺ کی آنکھیں نہایت سیاہ اور پلکیں دراز و طویل تھیں، بدن کے جوڑوں کے ملنے کی ہڈیاں اور شانے موٹی و پر گوشت تھیں، آپ ﷺ کے بدن پر بال نہ تھے، آپ ﷺ کے سینہ سے ناف تک بالوں کی لکیر تھی۔

② کلمات مخطوطہ کی وضاحت:۔ **اَلْمُمَغَّطُ**: بمعنی بہت زیادہ لمبا وطویل ہونا، امام اصمعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک اعرابی و دیہاتی کو یہ لفظ استعمال کرتے ہوئے اس طرح سنا: **تَمَغَّطَ فِیْ نُشَّابَتِهٖ** یعنی کمان میں تیر ڈال کر بہت کھینچا۔

**اَلْمُتَرَدِّدُ**: اتنا ٹھگنا وکوتاہ قد کہ بعض اعضاء دوسرے اعضاء میں گھسے ہوئے ہوں۔ **اَلْاَهْدَبُ**: طویل ولمبی پلکوں والا ہونا۔

**اَلْمُطَهَّمُ**: یعنی بہت موٹا اور بھاری جسم والا ہونا۔ **اَلْمُكَلْثَمُ**: چہرے کا گول ہونا، چہرے کے گوشت کا سمٹ جانا۔

**اَلْمُشْرَبُ**: اسم مفعول بمعنی پلایا ہوا، **مُشْرَبٌ** وہ شخص جس کی سفیدی میں سرخی ملائی گئی ہو۔

③ آپ ﷺ کے تکلم کا انداز:۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق آپ ﷺ جلدی جلدی کلام نہ کرتے تھے کہ کچھ سمجھ آئے اور کچھ سمجھ نہ آئے، بلکہ ایسی اطمینان بخش اور واضح گفتگو ہوتی کہ مخاطبین وحاضرین اچھی طرح کلام سمجھ جاتے۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق اگر کلام کا مضمون مشکل ہوتا یا مجمع زیادہ ہوتا تو آپ ﷺ حسبِ ضرورت تینوں طرف متوجہ ہو کر تین تین مرتبہ دہراتے تاکہ حاضرین کو مضمون اچھی طرح سمجھ میں آ جائے۔

## الورقة الخامسة: جامع الترمذی (ج۲)

## السوال الاول ۱۴۴۰ھ

**الشق الاوّل** ......**عن جابر قال قال رسول اللّٰه ﷺ من اكل من هٰذه (قال اول مرة) الثام ثم قال الثام والبصل والكرّاث فلا يقربنا فی مساجدنا۔ و عن عبد اللّٰه بن ابی يزيد ين ابيه عن ام ايوب اخبرته ان النبی ﷺ نزل عليهم فتكلفوا له طعاما فيه من بعض هٰذه البقول فكره اكله فقال لاصحابه كلوه فانّی لست كاحد كم انّی اخاف ان اوذی صاحبی۔**

احادیث کا ترجمہ کریں۔ پیاز ولہسن کا حکم بیان کریں اور بتائیں کہ ان کا کھانا کب مکروہ ہے؟۔ نبی ﷺ کس وجہ سے پیاز نہیں کھاتے تھے حالانکہ ابو العالیہ فرماتے ہیں **الثوم من طيبات الرزق**؟ وضاحت کریں۔ خط کشیدہ جملوں کا مطلب واضح کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① احادیث کا ترجمہ ② پیاز ولہسن کا حکم اور کراہت کی کیفیت ③ آپ ﷺ کے پیاز نہ کھانے کی وجہ ④ خط کشیدہ جملوں کا مطلب۔

**جواب** ...... ① احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے اس سے کھایا پہلی مرتبہ میں ارشاد فرمایا کہ لہسن پھر فرمایا لہسن پیاز اور گندنا (پیاز ولہسن کے مشابہ ترکاری) تو وہ شخص ہماری مسجدوں کے قریب نہ آئے۔ حضرت ام ایوب رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان کے ہاں تشریف لائے اور انہوں نے آپ ﷺ کیلئے پرتکلف کھانے کا اہتمام کیا جس میں ان ترکاریوں میں سے کوئی ترکاری تھی پس آپ نے اسکے کھانے کو ناپسند کیا، اور اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تم کھاؤ اسلئے کہ میں تمہاری مثل نہیں ہوں، میں خوف کرتا ہوں کہ اپنے ساتھی کو تکلیف پہنچاؤں۔

② پیاز ولہسن کا حکم اور کراہت کی کیفیت:۔ عام حالات میں پیاز کھانا جائز ہے۔ جمہور علما کے نزدیک مسجد میں داخل ہونے کے وقت کچا پیاز لہسن اور وہ سبزیاں جن کے کھانے سے منہ میں بو پیدا ہو ان کا استعمال کرنا مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ اس سے فرشتوں اور انسانوں کو تکلیف ہوتی ہے (دروس ترمذی) لہٰذا کوئی بھی ایسی جگہ جہاں لوگوں کا اجتماع ہو وہاں بدبودار چیز کھا کر جانا منع ہوگا، خواہ مسجد ہو یا عام جگہ ہو، البتہ اگر بدبو پیدا نہ ہو مثلاً یہی اشیاء پکی ہوئی ہیں یا مریض کو یہ کھانے کا کہا گیا ہے تو پھر ممنوع نہیں ہے۔

0313 6537515 maktabazakariyamultan@gmail.com

③ آپ ﷺ کے پیاز نہ کھانے کی وجہ:۔ ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ لہسن حلال وپاکیزہ کھانوں میں سے ہے، اسکے باوجود آپ ﷺ کے نہ کھانے کی وجہ کی طرف حدیث میں اشارہ موجود ہے کہ اسکے بدبودار ہونے کی وجہ سے نوری مخلوق (فرشتوں) کو تکلیف ہوتی ہے۔

④ خط کشیدہ جملوں کا مطلب:۔ پہلے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ کیلئے پرتکلف کھانے کا انتظام کیا۔

دوسرے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں نے اس کھانے کو کھایا تو میرے اس عمل کی وجہ سے میرے صاحب وساتھی یعنی حضرت جبریل علیہ السلام کو تکلیف وایذا پہنچنے کا اندیشہ ہے، کیونکہ وہ کسی بھی وقت وحی لیکر آ سکتے ہیں۔

**الشق الثانی**......عن ام المنذرِ قالت دخل علیّ رسول اللّٰہِ ﷺ ومعہ علیّ ولنا دوالٍ معلقۃ قالت فجعل رسول اللّٰہ ﷺ یأکل وعلِی معہ یأکل فقال رسول اللّٰہِ ﷺ لِعلِیّ مہ مہ یا علی فانّك ناقِہ قال فجلس علیّ والنبِی ﷺ یأکل قالت فجعلت لھم سِلقا وشعِیرا فقال النبی ﷺ یا علِیّ مِن ھذا فأَصِب فاِنّہ اوفق لك۔

حدیث کا ترجمہ وتشریح کریں۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کس چیز سے روکا گیا تھا؟ خط کشیدہ کلمات کی لغوی وصرفی تحقیق کریں

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل چار امور ہیں: ① حدیث کا ترجمہ ② حدیث کی تشریح ③ منع کی گئی چیز کی وضاحت ④ خط کشیدہ کلمات کی لغوی وصرفی تحقیق۔

**جواب**...... ① **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت ام منذر رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر ہمارے ہاں تشریف لائے، ہمارے ہاں کھجوروں کے خوشے پکنے کیلئے لٹک رہے تھے، آپ ﷺ اور حضرت علی دونوں نے کھانا شروع کر دیا، آپ ﷺ نے فرمایا اے علی! ٹھہر جاؤ ٹھہر جاؤ تم تو ابھی بیماری سے اٹھے ہو۔ام منذر کہتی ہیں اس پر حضرت علی بیٹھ گئے اور آپ ﷺ کھاتے رہے، پھر میں نے ان کیلئے چقندر اور جو تیار کیا۔آپ ﷺ نے فرمایا اے علی! اس میں سے لے لو۔یہ تمہاری طبیعت کے مطابق ہے۔

② **حدیث کی تشریح:۔** ام منذر رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمارے یہاں تشریف لائے، ہمارے ہاں کھجوروں کے خوشے پکنے کیلئے لٹک رہے تھے، آپ ﷺ اور حضرت علی دونوں نے وہ کھجوریں کھانا شروع کر دیں، آپ ﷺ نے فرمایا اے علی! ٹھہر جاؤ ٹھہر جاؤ، تم تو ابھی بیماری سے اٹھے ہو اور طبیعت میں کمزوری باقی ہے اسلئے تم نہ کھاؤ۔ام منذر کہتی ہیں آپ ﷺ کے فرمان کے بعد حضرت علی بیٹھ گئے اور آپ ﷺ کھاتے رہے، پھر میں نے ان کیلئے چقندر اور جو کا کھچڑا تیار کیا۔آپ ﷺ نے فرمایا اے علی! اس میں سے کھاؤ، بارد ہونے کی وجہ سے یہ تمہاری طبیعت کے مطابق ہے۔

③ **منع کی گئی چیز کی وضاحت:۔** آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کھجوریں کھانے سے منع کیا کہ یہ ثقیل غذا ہے اور بیماری کے بعد کمزوری کی وجہ سے ممکن ہے کہ معدہ کو نقصان پہنچائے۔

④ **خط کشیدہ کلمات کی لغوی وصرفی تحقیق:۔** **اَوْفَق** : صیغہ واحد مذکر بحث اسم تفضیل از مصدر **وَفْقًا** (مثال) بمعنی موافق ہونا

**دَوَال**: یہ جمع ہے اس کا مفرد **دَالِیَۃٌ** ہے بمعنی پکی کھجور کا خوشہ۔ **مَہ مَہ**: یہ اسم فعل ہے بمعنی **اُکْفُفْ** (امر حاضر) بمعنی رُک جا۔

**نَاقِہٌ**: صیغہ واحد مذکر اسم فاعل از مصدر **نَقَھًا** ، **نُقُوْھًا** (فتح وسمع) بمعنی بیماری سے تندرست ہونے کے بعد ضعف باقی رہنا۔

**اَصِبْ**: صیغہ واحد مذکر حاضر امر حاضر معروف از مصدر **اِصَابَۃٌ** (افعال۔اجوف) بمعنی پانا۔

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۰ھ

**الشق الاوّل**......عن ام حبیبۃ الطائی قال اوصی الیّ اخی بطائفۃ من مالہ فلقیت ابا الدرداء فقلت انّ ا خی اوصٰی الیّ بطا ئفۃ من مالہ فاین تری لی وضعہ،فی الفقراء او المسٰکین او المجا ھد ین فی سبیل اللّٰہ؟ قال اما انا فلو کنت لم اعد ل با لمجاھد ین سمعت رسول اللّٰہ ﷺ یقول مثل الذی یعتق عند الموت کمثل الذی یھدی اذا شبع۔

مذکورہ سوال وجواب کی وضاحت کریں۔خط کشیدہ عبارت کی تشریح کریں۔مرض الموت میں وصیت کا حکم اور مقدارِ وصیت تحریر کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① سوال وجواب کی وضاحت ② خط کشیدہ عبارت کی تشریح ③ مرض الموت میں وصیت کا حکم اور مقدار وصیت۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

**جواب**...... ① **سوال وجواب کی وضاحت:۔** حضرت ابو حبیبہ طائی کہتے ہیں کہ مجھے میرے بھائی نے اپنے مال کے ایک حصے کی وصیت کی۔میری ابو درداء رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے پوچھا کہ میرے بھائی نے میرے لئے کچھ مال کی وصیت کی ہے۔آپ کا کیا خیال ومشورہ ہے کہ وہ مال کہاں خرچ کیا جائے؟ یعنی فقراء پر، مساکین پر یا اللہ تعالی کے راستے میں جہاد کرنے والوں پر۔ ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر میں ہوتا تو مجاہدین کے برابر کسی کو نہ دیتا یعنی میری رائے میں مجاہدین فی سبیل اللہ سے بڑھ کر میرے نزدیک کوئی مصرف نہیں ہے۔

② خط کشیدہ عبارت کی تشریح:۔ مرتے وقت غلام آزاد کرنے والے کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص شکم سیر ہو کر ہدیہ بھیجے، یعنی اصل و کامل صدقہ اور خیرات یہ ہے کہ آدمی صحت و تندرستی کی حالت میں احتیاج اور ضرورت کے باوجود تنگی برداشت کرتے ہوئے اللہ کی راہ میں خرچ کرے، زندگی سے مایوس و ناامید ہونے کے بعد اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا اعلیٰ درجہ کی عبادت نہیں ہے۔

③ مرض الموت میں وصیت کا حکم اور مقدارِ وصیت:۔ مرض الموت میں جو بھی تبرع و احسان کیا جائے وہ وصیت کے حکم میں ہے اور وصیت کے متعلق اصولِ شرعی یہ ہے کہ ثُلُثِ مال (ایک تہائی) سے کم میں وصیت جائز ہے اور ایک ثُلُث سے زائد کی وصیت یا اسی طرح کسی وارث کیلئے مطلقاً وصیت دیگر ورثاء کی اجازت پر موقوف ہے۔ اگر وہ اجازت دیں گے تو یہ وصیت درست ہوگی وگرنہ درست نہ ہوگی۔

**الشق الثانی** ...... **عن عائشة قالت كان رسول الله ﷺ يدعو بهؤلاء الكلمات اللّٰهم انی اعوذ بك من فتنة النار وعذاب النار وفتنة القبر وعذاب القبر ومن شر فتنة الغنى ومن شر فتنة الفقر ومن شر فتنة المسيح الدجال اللهم اغسل خطاياى بماء الثلج والبرد وانق قلبى من الخطايا كما انقيت الثوب الابيض من الدنس وباعد بينى وبين خطاياى كما باعدت بين المشرق والمغرب اللهم انی اعوذ بك من الكسل والهرم والمأثم والمغرم۔ (ابواب الدعوات عن رسول الله ﷺ)**

حدیث کا ترجمہ کریں۔ خط کشیدہ کلمات کی لغوی و صرفی تحقیق کریں۔ دعا کی اہمیت اور دعا کی قبولیت کی شرائط تحریر کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل تین امور ہیں: ① حدیث کا ترجمہ ② خط کشیدہ کلمات کی لغوی و صرفی تحقیق ③ دعا کی اہمیت اور دعا کی قبولیت کی شرائط۔

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس طرح دعا کیا کرتے تھے، ترجمہ: اے اللہ میں تجھ سے آگ کے فتنہ و دوزخ کے عذاب، قبر کے فتنہ و امیری کے فتنہ، فقر کے فتنہ اور دجال کے فتنہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اے اللہ میری خطاؤں کو برف اور اولوں کے پانی سے دھو دے اور میرے دل کو خطاؤں سے اس طرح پاک کر دے جیسے تو سفید کپڑے کو میل کچیل سے صاف کر دیتا ہے، میرے اور میری خطاؤں کے درمیان اس طرح دوری فرما جیسے تو نے مشرق و مغرب کے درمیان دوری کر دی۔ اے اللہ میں سستی، بڑھاپے، گناہ اور قرض سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

② خط کشیدہ کلمات کی لغوی و صرفی تحقیق:۔ **اَلْکَسَلُ**: یہ باب سمع کا مصدر ہے بمعنی کاہل و سست ہونا۔

**اَلْهَرَمُ**: یہ باب سمع کا مصدر ہے بمعنی بہت زیادہ کمزور و بوڑھا ہونا۔ **اَلْمَأْثَمُ**: یہ باب سمع کا مصدر ہے بمعنی گناہ کرنا۔

**اَلْمَغْرَمُ**: یہ مفرد ہے اس کی جمع مَغَارِمُ ہے بمعنی تاوان و قرض۔ باب سمع کا مصدر بھی ہے بمعنی قرض ادا کرنا۔

③ دعا کی اہمیت اور دعا کی قبولیت کی شرائط:۔ امام ترمذیؒ نے دعا کی اہمیت کے متعلق تین احادیث ذکر کی ہیں، جن کا حاصل یہ ہے کہ تمام اذکار و عبادات میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب و پسندیدہ عمل دعا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو یہ بات سب سے زیادہ پسند ہے کہ اس کے بندے اس سے مانگتے رہیں، کیونکہ دعا میں بندہ عجز و انکساری اور اپنی بندگی کا اعتراف کرتا ہے۔ نیز فرمایا کہ دعا ہر عبادت کا مغز و جوہر ہے، گویا جس نے دعا کو ترک کر دیا اس نے عبادت کی اصل روح و مغز کو ضائع کر دیا۔ نیز فرمایا کہ دعا صرف بندوں کی حاجت طلبی ہی نہیں بلکہ دعا عبادت ہے، اس سے بڑھ کر فرمایا کہ دعا عینِ عبادت ہے، یعنی اگر بندوں کی مطلوبہ چیز ان کو نہ دی جائے تو ان کی دعا کو عبادت کے طور پر ان کے اعمال نامہ میں لکھ دیا جاتا ہے۔ نیز ارشاد باری ہے کہ مجھ سے مانگو میں عطاء کروں گا اور جو نہیں مانگتا اللہ تعالیٰ اس سے سخت ناراض و غضبناک ہوتے ہیں۔

قرآن کریم میں قبولیتِ دعا کی بظاہر کوئی شرط نہیں، یہاں تک کہ مسلمان ہونا بھی قبولیتِ دعا کی شرط نہیں ہے، کافر کی دعا بھی اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے، یہاں تک کہ ابلیس کی دعا تا قیامت زندہ رہنے کی قبول ہوگئی۔ نہ دعا کے لئے کوئی وقت شرط ہے، نہ طہارت اور باوضو ہونا شرط ہے۔ مگر احادیث معتبرہ میں بعض چیزوں کو موانعِ قبولیت فرمایا ہے۔ ان چیزوں سے اجتناب لازم ہے جیسا کہ حدیث میں فرمایا کہ بعض آدمی بہت سفر کرتے اور آسمان کی طرف دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں اور یارب یارب کہہ کر اپنی حاجت مانگتے ہیں

0313 6357915 maktabazakariyamultan@gmail.com

مگران کا کھانا حرام، پینا حرام، لباس حرام، ان کو حرام ہی سے غذا دی گئی تو ان کی دعا کہاں قبول ہوگی۔اسی طرح غفلت ولا پرواہی کے ساتھ بغیر دھیان دیئے دعا کے کلمات پڑھیں تو حدیث میں اس کے متعلق بھی آیا ہے کہ ایسی دعا بھی قبول نہیں ہوتی۔(معارف القرآن)

دعا کی قبولیت کی مختلف شرائط ذکر کی گئی ہیں: ① دعا و مدد صرف باری تعالی سے مانگی جائے ② جائز وسیلہ اپنایا جائے ③ جلد بازی سے پرہیز کیا جائے ④ دعا میں گناہ و قطع رحمی والی بات نہ ہو ⑤ دعا کی قبولیت کا حسنِ ظن بلکہ یقین ہونا چاہیئے ⑥ حضورِ دل سے دعا مانگی جائے، غفلت ولا پرواہی نہ ہو ⑦ کھانا پینا و پہننا سب حلال ہونا چاہیئے ⑧ دعا میں حدود سے تجاوز نہ ہو ⑨ دعا کی مشغولیت کی وجہ سے کسی اہم وضروری کام کی ادائیگی میں کوتاہی نہ ہو۔(اسلام سوال وجواب، گوگل)

## السوال الثالث ۱۴۴۰ھ

**الشق الاوّل**......عن عمران بن حصين ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن الكيى، قال: فابتلينا فاكتوينا فما افلحنا ولا انجحنا۔ حدیث مبارکہ کا ترجمہ کریں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منع کرنے کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے داغ کیوں لگوائے؟ وجہ ذکر کریں۔بعض روایات سے کیی (داغ لگوانا) کی اباحت معلوم ہوتی ہے تو روایات میں تطبیق دیں۔کیی سے روکنے کی حکمت کیا ہے اور کیا آج کل کا آپریشن کیی کے حکم میں ہے؟ تفصیلاً بیان کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل پانچ امور ہیں: ① حدیث کا ترجمہ ② آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منع کرنے کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے داغ لگوانے کی وجہ ③ روایتِ کراہت واباحت میں تطبیق ④ کیی سے روکنے کی حکمت ⑤ آج کل کے آپریشن کا حکم۔

**جواب**...... ① **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا آگ کے ذریعہ داغ دینے سے۔فرمایا ہم مبتلا ہوئے ہم نے آگ کا داغ لگوایا تو ہم کامیاب نہیں ہوئے اور اپنا مقصد حاصل نہ کر سکے۔

② **آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منع کرنے کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے داغ لگوانے کی وجہ:۔** روایت کا حاصل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو داغ لگوانے سے منع فرمایا مگر ہم نے داغ لگوایا تو کامیابی نہ ہوئی دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلاضرورت شدیدہ داغ لگوانے سے منع فرمایا حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے غیر ضرورت کو ضرورت سمجھتے ہوئے داغ لگوایا تو شفاء نہ ہوئی ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مخالفت کا تصور نہیں ہوسکتا ہے۔بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو بواسیر کا مرض تھا ان کے لئے داغ لگوانا مضر تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر ان کو منع فرمایا تھا جب مرض زیادہ بڑھ گیا تو انہوں نے مجبوراً داغ لگوایا مگر شفاء نہ ہوئی۔(درس ترمذی ۲:۲۷۵)

③ **روایتِ کراہت واباحت میں تطبیق:۔** داغ لگوانا بلاضرورت محض حفظ ماتقدم کیلئے مکروہ ہے، نیز جب دوسرے ذرائع علاج موجود و ممکن ہوں تو داغ لگوانے کو مکروہ وخلافِ اولیٰ قرار دیا گیا ہے، نیز یہ صرف اہلِ عرب واہلِ ترک کا طریق ہے عام علاج نہیں ہے لہٰذا یہ موہوم علاج ہے یقینی نہیں البتہ اگر کوئی حاذق حکیم بطور علاج داغ ہی لگوانا تجویز کردے تو پھر اسکی اجازت ورخصت ہوگی چنانچہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکی اجازت ہے اس طرح دونوں روایاتِ کراہت واباحت کے درمیان تطبیق ہوجاتی ہے۔(ایضاً)

④ **کیی سے روکنے کی حکمت:۔** داغ دینے سے روکنے کی حکمت یہ ہے کہ اس میں تکلیف زائد ہے اور اس سے جسم خراب ہوجاتا ہے اور اس میں تعذیب بالنار بھی ہے اور اس کے اثرات جسم کے دوسرے حصوں کی طرف بھی پھیل سکتے ہیں۔(ایضاً)

⑤ **آجکل کے آپریشن کا حکم:۔** آج کل کے آپریشن کا بھی یہی حکم ہوگا کہ حتی الامکان آپریشن سے بچنے کی کوشش ہو اور اگر آپریشن ضروری ہو اور اس کے بغیر چارہ کار نہ ہو تو پھر اس کی اجازت ہے اور آپریشن یہ داغ دینے کے حکم میں ہے۔(ایضاً)

**الشق الثانی**......عن عائشة قالت ماغِرْتُ علٰى احد من ازواج النبى صلى الله عليه وسلم ما غِرتُ علٰى خديجة وما بى ان اكون ادركتها و ما ذٰلك الّا لكثرة ذكر رسول الله صلى الله عليه وسلم لها و ان كان ليذبح الشّاةَ فيتتّبع بها صدائق خديجة فيهديها لهنّ .... وفى رواية ما حسدتُ امرأة ما حسدتُ خديجة .....

حدیث کا ترجمہ کریں۔حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے خیر نساء العالم ہونے کا مطلب بیان کریں۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے

0313 6537913 maktabazakariyamultan@gmail.com

لئے لفظ حسد وغیرت کس معنی میں استعمال کیا ہے؟ خط کشیدہ جملہ میں کس صلہ رحمی کا ذکر ہے؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں: ① حدیث کا ترجمہ ② حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے **خیر نساء العالم** ہونے کا مطلب ③ حسد وغیرت کے معنی کی تعیین ④ خط کشیدہ جملہ میں صلہ رحمی کی وضاحت۔

**جواب**...... ① **حدیث کا ترجمہ:۔** ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ مجھے حضرت خدیجہ کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بیوی پر غیرت نہیں آئی حالانکہ میں نے ان کو نہیں پایا، اس غیرت کی وجہ صرف یہ تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بکثرت یاد کرتے اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بکری ذبح کرتے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کو تلاش کر کے ان کو گوشت کا ہدیہ بھیجتے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی عورت پر حسد نہیں کیا۔

② **حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے خیر نساء العالم ہونے کا مطلب:۔** مختلف احادیث میں چار خواتین (حضرت مریم، حضرت خدیجہ، حضرت عائشہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن) کی فضیلت کا ذکر ملتا ہے، علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس سے دو باتیں حاصل ہوتی ہیں ① یہ جہان میں من حیث المجموع (مجموعی طور پر) باقی مستورات سے افضل ہیں ② جہان کی عورتوں پر فضیلت رکھتی ہیں لیکن باہم ان کے درجات متفاوت ہیں۔ علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سب سے افضل فاطمہ ہیں، پھر خدیجہ پھر عائشہ رضی اللہ عنہن۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ (نقلاً عن بعض اساتذہ) کہتے ہیں **فاطمة افضل فی الدنیا وعائشة افضل فی الاٰخرة۔**

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں خدیجہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے مابین فضائل قریب قریب ہیں، گویا انہوں نے توقف کو ترجیح دی ہے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ **افضل النساء مریم وفا طمة** اور **افضل امهات المؤمنين خد يجة وعائشة ۔**

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں توقف اولیٰ ہے کیونکہ اس میں کوئی دلیل قطعی (حرف آخر) نہیں۔

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ دراصل فضل ومرتبہ کی بناء الگ الگ ہے جس سے باآسانی تطبیق حاصل ہوتی ہے۔

ان میں سے ہر ایک کو ایسی فضیلت حاصل ہے جس کا کوئی دوسرا سہیم نہیں، سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا تقدم فی الاسلام میں افضل ہیں، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا علم، فضل وکمال کے اعتبار سے افضل ہیں (کہ کبار صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اکثر مسئلہ کی تحقیق انہی سے کرتے اور اپنی علمی پیاس بجھاتے) سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا اصل ونسب اور شرافت کے اعتبار سے افضل ہیں۔ (انعاماتِ منعم ص ۳۲۳)

③ **حسد کے معنی کی تعیین:۔** ① یہاں حسد اپنے حقیقی معنی میں نہیں ہے کیونکہ حضرت خدیجہ وعائشہ رضی اللہ عنہا کا زمانہ ایک نہیں ہے، بلکہ یہاں حسد رشک وغبطہ کے معنی میں ہے۔ ② یہاں طبعی غیرت مراد ہے جو کسی بھی صاحبِ فضیلت وصاحبِ نسبت عورت سے بعید اور کالعدم نہیں، کیونکہ یہ مقتضائے طبیعت ہے، اگر یہ کینہ وغضب تک نہ پہنچے تو جائز ہے۔ (انعامات المنعم)

## ﴿الورقة الخامسة : ترمذی (ج ۲)﴾

## ﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۴۱ھ

**الشق الاوّل**......**عَنْ اَبِیْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِیِّ اَنَّهٗ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا بِاَرْضِ اَهْلِ الْكِتَابِ فَنَطْبَخُ فِیْ قُدُوْرِهِمْ وَنَشْرَبُ فِیْ آنِیَتِهِمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنْ لَمْ تَجِدُوْا غَیْرَهَا فَارْحَضُوْهَا بِالْمَاءِ ثُمَّ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا بِاَرْضِ صَیْدٍ فَكَیْفَ نَصْنَعُ قَالَ اِذَا اَرْسَلْتَ كَلْبَكَ الْمُكَلَّبَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ فَقَتَلَ فَكُلْ وَاِنْ كَانَ غَیْرَ مُكَلَّبٍ فَذُكِّیَ فَكُلْ وَاِذَا رَمَیْتَ بِسَهْمِكَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ فَقَتَلَ فَكُلْ۔** (ابواب الاطعمة۔باب ماجاء فی الاكل فی آنیة الكفار)

حدیث پر اعراب لگا کر ترجمہ وتشریح کریں۔ خط کشیدہ کلمات کی صرفی ولغوی تحقیق کریں۔ بتائیں کہ کتا کب معلم کہلاتا ہے؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث پر اعراب ② حدیث کا ترجمہ ③ حدیث کی تشریح ④ کلماتِ مخطوطہ کی لغوی وصرفی تحقیق ⑤ کلبِ معلّم کی وضاحت۔

**جواب**...... ① **حدیث پر اعراب:۔** **کما مرّ فی السوال آنفا۔**

② **حدیث کا ترجمہ:۔** ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم لوگ اہلِ کتاب کے علاقے میں رہتے ہیں

0313 6017015 maktabazakariyamultan@gmail.com

پس ان کی ہانڈیوں میں پکاتے اوران کے برتنوں میں پیتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر دوسرے برتن نہ ملیں تو انہیں پانی سے صاف کرلیا کرو۔ پھر عرض کیا یا رسول اللہ! ہم شکاری زمین میں ہوتے ہیں تو کیسے کیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا جب تم نے اپنا سکھایا ہوا کتا شکار پر چھوڑ دیا اور اللہ کا نام پڑھ لیا پھر اس نے شکار کو مار ڈالا تو کھالو اور اگر کتا سکھلایا ہوا نہ ہو اور شکار کو ذبح کیا گیا ہو تب بھی کھالو اور جب اللہ کا نام لے کر تیر پھینکو اور جانور مر جائے تب بھی کھالو۔

**۳ حدیث کی تشریح:۔** اس حدیث میں آپ ﷺ نے کفار کے برتن اور شکار وغیرہ کے متعلق مختلف احکام ذکر کئے ہیں۔

① کفار واہلِ کتاب کے برتن دھونے و پاک کرنے کے بعد مسلمانوں کیلئے استعمال کرنا جائز ہیں، جمہور کا بھی یہی مسلک ہے، خواہ دیگر برتن ہوں یا نہ ہوں۔ ② شکار پر سکھلائے ہوئے کتے کو بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا گیا ہو اور وہ کتا اس شکار کو دانتوں سے پکڑ کر مار ڈالے تو وہ شکار کھانا حلال ہے، اگر کلبِ معلَّم نہیں ہے تو پھر از خود اس کو ذبح کرنا ضروری ہے، وگرنہ شکار حرام ہوگا۔ ③ اللہ تعالیٰ کا نام لیکر تیر پھینکا گیا اور تیر لگنے کے نتیجہ میں خون بہہ کر شکار مر گیا تب بھی اس کو کھانا حلال ہے۔ اگر وہ شکار صرف زخمی ہوا ہے تو پھر اس کو ذبح کرنا ضروری ہے۔ (دروسِ ترمذی ۱:۴۸)

**۴ کلماتِ مخطوطہ کی لغوی وصرفی تحقیق:۔** آنِيَةٌ : یہ اِنَاءٌ کی جمع ہے، جمع الجمع اَوَانٍ ہے بمعنی برتن۔

**اِرْحَضُوْ:** صیغہ جمع مذکر حاضر فعل امر حاضر معلوم از مصدر رَحْضًا (فتح) بمعنی دھونا۔

**اَلْمُكَلَّبُ:** صیغہ واحد مذکر بحث اسم مفعول از مصدر تَكْلِيْبًا (تفعیل) بمعنی کتّے کو سدھانا وسکھانا۔

**ذُكِّيَ:** صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی مجہول از مصدر تَذْكِيَةٌ (تفعیل۔ناقص) بمعنی ذبح کرنا۔

**۵ کلبِ معلَّم کی وضاحت:۔** کتے اور باز کے معلَّم (سدھایا ہوا) ہونے کی امام صاحبؒ کے نزدیک پانچ شرائط ہیں: ① کتا اور باز سدھایا اور سکھایا ہوا ہو اور ان کے سکھانے کا یہ اصول ہے کہ جب تم کتے کو شکار پر چھوڑ و تو وہ شکار کو پکڑ کر تمہارے پاس لائے خود اس کو نہ کھانے لگ جائے اور باز کیلئے اصول یہ ہے کہ جب اسے شکار پر چھوڑا جائے تو جب واپس بلاؤ وہ فوراً واپس آجائے ② خود اپنے ارادے سے کتے یا باز کو شکار کے پیچھے چھوڑو، نہ کہ وہ خود بخود شکار کریں ③ شکاری جانور خود شکار سے نہ کھائیں بلکہ تمہارے پاس لے آئیں ④ کتے یا باز کو چھوڑتے وقت تسمیہ یعنی بسم اللہ اللہ کبر پڑھے ⑤ شکاری جانور شکار کو زخمی بھی کرے۔ (معارف القرآن ۳:۴۰)

**الشق الثانی** ......عن ابی هريرة قال قال رسول اللهِ ﷺ اِن الرجل ليتكلم بِالكلِمةِ لا يرى بِها بأسا يهوِى بِها سبعِين خرِيفا فِى النارِ. وقال فى حديث آخر ويل لِلذِى يحدِث بِالحدِيثِ لِيضحِك بِهِ القوم فيكذِب ويل له ويل له. (ابواب الزهد. باب ما جاء من تكلم بالكلمة ليضحك به الناس)

احادیث کا ترجمہ وتشریح کریں۔ ''سبعين خريفا'' سے کیا مراد ہے؟۔ کیا مزاح میں جھوٹ بولنا جائز ہے اور کیا جھوٹے لطائف سنانے والا مذکورہ وعید کا مستحق ہوگا؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① احادیث کا ترجمہ ② احادیث کی تشریح ③ ''سبعين خريفا'' کی مراد ④ مزاح میں جھوٹ بولنے وجھوٹے لطائف سنانے کا حکم۔

**جواب** ...... **۱ احادیث کا ترجمہ:۔** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ایسی بات کہتے ہیں جس میں ان کے نزدیک کوئی حرج نہیں ہوتا حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے انہیں ستر سال کی مسافت تک دوزخ میں پھینک دیتا ہے۔ دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہلاکت ہے اس شخص کے لئے جو لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹی بات کرے، اس کیلئے ہلاکت ہے اس کیلئے ہلاکت ہے۔

**۲ احادیث کی تشریح:۔** پہلی حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آدمی کو اپنی زبان اپنے کنٹرول میں رکھنی چاہئے اور سوچ سمجھ کر بولنا چاہئے، بسا اوقات کچھ لوگ غیر شعوری طور پر ایسی بات کہتے ہیں جس میں ان کے نزدیک کوئی ضرر ونقصان نہیں ہوتا جبکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ تباہی کا سبب ہوتا

ہے اور اسکی وجہ سے انہیں ستر سال کی مسافت تک دوزخ میں پھینک دیا جاتا ہے، جیسے جنت میں اوپر کی جانب درجات ہیں اسی طرح جہنم میں نیچے کی جانب درکات ہیں (کما قال تعالی: انّ المنافقین فی الدّرك الاسفل من النار) جو شخص جتنا نیچے ہوگا اس کا اتنا ہی سخت عذاب ہوگا، تو فرمایا کہ جھوٹ بولنے کے نتیجہ میں یہ شخص جہنم میں اتنا نیچے چلا جائے گا جتنا ستر سال میں آدمی نیچے کی طرف گرتا ہے۔ دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو ہنسانے وخوش کرنے کیلئے جھوٹ بولنے والے کیلئے ہلاکت وتباہی ہے کا ذکر کیا ہے۔ (درسِ ترمذی وتحفۃ الالمعی)

③ "سبعین خریفا" کی مراد:۔ سبعین سے یا تو ستّر کا عدد ہی مراد ہے اور خریف کا معنی گرمی وسردی کا درمیانی موسم ہے، اس سے مراد پورا سال ہے۔ یا سبعین سے مراد کثرت کو بیان کرنا ہے یعنی طویل مدت کی مسافت تک وہ شخص جہنم کے نچلے طبقات میں گر جاتا ہے۔

④ مزاح میں جھوٹ بولنے وجھوٹے لطائف سنانے کا حکم:۔ ہنسی ومزاح میں بھی جھوٹ بولنے کی اجازت نہیں ہے اور مذکورہ وعید میں جھوٹے لطائف سنانے والا بھی شامل ہے۔ گویا کسی طور بھی جھوٹ بولنے کی اجازت نہیں ہے۔

## السوال الثانی ۱۴۴۱ھ

**الشق الاوّل** ...... قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ لَمْ تُقْبَلْ لَهٗ صَلَاةٌ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا فَاِنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَاِنْ عَادَ لَمْ يَقْبَلِاللّٰهُ لَهٗ صَلَاةً اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا فَاِنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَاِنْ عَادَ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهٗ صَلَاةً اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا فَاِنْ عَادَ الرَّابِعَةَلَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهٗ صَلَاةً اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا فَاِنْ تَابَ لَمْ يَتُبِ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَقَاهُ مِنْ نَهْرِ الْخَبَالِ قِيْلَ: يَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ! وَمَا نَهْرُالْخَبَالِ؟ قَالَ: نَهْرٌ مِنْ صَدِيْدِ اَهْلِ النَّارِ۔ (ابواب الاشربة۔ باب ما جاء فی شارب الخمر)

حدیث پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں؟ چالیس دن کی تخصیص کی وجہ تحریر کریں۔ فان تاب لم یتب اللہ علیہ کی وضاحت کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل چار امور ہیں ① حدیث پر اعراب ② حدیث کا ترجمہ ③ چالیس دن کی تخصیص کی وجہ ④ جملہ کی وضاحت

**جواب** ...... ① حدیث پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے شراب پی اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں کرتے پس اگر وہ توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول کرتے ہیں، پھر اگر اس نے دوبارہ شراب پی تو اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں کرتے پس اگر وہ توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول کرتے ہیں، پھر اگر اس نے تیسری مرتبہ شراب پی تو اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں کرتے پس اگر اس نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول کرتے ہیں، پھر اگر اس نے چوتھی مرتبہ شراب پی تو اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی نماز کو قبول نہیں کرتے، پس اگر وہ توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو بھی قبول نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ اس کو خبال (زہرناک نہر) سے پلائیں گے، سائل نے پوچھا کہ اے ابوعبدالرحمٰن! یہ خبال نہر کیا چیز ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ یہ جہنمیوں کے پیپ کی نہر ہے۔

③ چالیس دن کی تخصیص کی وجہ:۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ ہر نیکی ومعصیت کا اثر آدمی کے دل پر چالیس دن تک رہتا ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ہر غذا وپانی کا اثر جسم میں چالیس دن تک رہتا ہے، پس اگر لوگ چالیس دن تک حرام کھانے سے رُک جائیں تو نظام عالم تبدیل ہو جائے۔ الغرض چالیس کے عدد کی نیکی وبرائی میں تاثیرِ بلیغ ہے، اسی وجہ سے کہا گیا کہ جس شخص کیلئے چالیس سال تک خیر شر پر غالب نہ ہو اس کیلئے موت بہتر ہے۔ (خیر التوضیح بحوالہ مرقات)

مذکورہ اقوال سے معلوم ہوا کہ کسی بھی کھانے پینے والی چیز کا اثر چالیس یوم تک جسم میں رہتا ہے، تو جب تک شراب کا اثر آدمی کے جسم میں رہتا ہے اس وقت تک نماز کی عدم قبولیت کو اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے۔

④ جملہ کی وضاحت:۔ بظاہر اس حدیث کے آخری جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ چوتھی مرتبہ شراب پینے کے بعد توبہ بھی قبول نہیں ہوتی یہ جملہ وعید میں مبالغہ کیلئے ہے اور زجر وتوبیخ وشدت پر مبنی ہے تا کہ بندہ گناہ وتوبہ کو کھیل تماشہ نہ بنالے، لہٰذا اگر کوئی شخص متعدد مرتبہ گناہ کرنے کے بعد بھی صدقِ دل سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضل سے اس کو بھی محروم نہیں کرتے اور اس کی توبہ کو بار بار گناہ

0313 6357913 maktabazakariyanaqshbandi@gmail.com

کے باوجود بھی قبول کر لیتے ہیں۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جب بندہ چوتھی مرتبہ شراب پیتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو توبہ کی توفیق ہی عنایت نہیں کرتے اور وہ اسی پر مصر رہتے ہوئے شرابی ہونے کی حالت میں ہی اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے۔

## السوال الثالث ١٤٤١ھ

**الشق الاوّل** ......عن جابر قال سمعت رسول اللّٰہ ﷺ يقول ما من احد يدعو بدعاء الّا آتاه اللّٰه ما سئل او كفّ عنه من السوء مثله ما لم يدع باثم او قطيعة رحم۔ عن ابى هريرة قال قال رسول اللّٰہ ﷺ من سرّه ان يستجيب اللّٰه له عند الشدائد والكرب فليكثر الدعاء فى الرخاء۔(ابواب الدعوات۔ باب ماجاء انّ دعوة المسلم مستجابة)

احادیث کا ترجمہ کریں۔احادیث کی تشریح کرتے ہوئے دعا کی قبولیت کی صورتیں تحریر کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل تین امور ہیں: ① احادیث کا ترجمہ ② احادیث کی تشریح ③ دعا کی قبولیت کی صورتیں۔

**جواب** ...... ① احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا جو شخص بھی دعا مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اسے وہ چیز عطا فرماتا ہے جو اس نے مانگی ہو یا اس کے برابر کسی برائی کو اس سے دور فرماتا ہے بشرطیکہ اس نے کسی گناہ یا قطع رحم کے لئے دعا نہ کی ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جسے یہ بات پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ مصیبت اور سختی میں اس کی دعا قبول کرے تو اسے چاہیے کہ راحت کی حالت میں بکثرت دعا کرے۔

② احادیث کی تشریح:۔ پہلی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان بندہ کی ہر دعا قبول ہوتی ہے، البتہ قبولیت کی مختلف صورتیں ہیں: اگر جائز مطالبہ ہو اور اسکو پورا کرنے میں مصلحت ہو تو اس کا مطالبہ پورا کر دیا جاتا ہے اور مانگی ہوئی چیز ہی مل جاتی ہے اور کبھی کسی مصلحت کی وجہ سے وہ مانگی ہوئی چیز تو نہیں ملتی لیکن اسکی دعا دفعِ بلیات کی طرف پھیر دی جاتی ہے یعنی جو 'الا، بلا' مقدر ہوتی ہے اس دعا کی وجہ سے وہ ٹال دی جاتی ہے۔البتہ دعا کی قبولیت کی شرط یہ ہے کہ وہ کسی گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ ہو۔

دوسری حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص مصیبت وسختی اور تنگدستی میں اپنی دعا کی قبولیت چاہتا ہے اُسے چاہیے کہ راحت کی حالت میں کثرت سے دعا کرے۔یعنی جس کا عام حالات (عافیت وخوشی) میں پروردگار سے جتنا زیادہ تعلق ہوگا پریشانی کی حالت میں اُسی قدر زیادہ وجلد دعا قبول ہوگی۔اگر عام حالات میں تعلق کمزور ہے تو دعا کی قبولیت میں بھی پس وپیش ہو سکتا ہے۔

③ دعا کی قبولیت کی صورتیں:۔ ① مطلوبہ چیز ہی مل جاتی ہے ② کبھی کسی مصلحت کی وجہ سے وہ مطلوبہ چیز تو نہیں ملتی لیکن متبادل کے طور پر اس کی مثل یا اس سے بہتر چیز مل جاتی ہے ③ کسی مصلحت کی وجہ سے اسکی دعا دفعِ بلیات کی طرف پھیر دی جاتی ہے ④ دعا کو عبادت قرار دے کر آخرت کیلئے ذخیرہ کر دیا جاتا ہے۔

**الشق الثانی** ......عن ابى هريرة قال خرج علينا رسول اللّٰہ ﷺ ونحن نتنازع فِى القدرِ فغضِب حتى احمرّ وجهه حتى كانّما فقئ فِى وجنتيهِ الرُّمّانُ فقال اَبِهٰذا اُمِرتُم ام بِهٰذا اُرسِلتُ اِليكم اِنّما هلك مَنْ كان قبلكم حين تنازعوا فِى هٰذا الامرِ عَزَمْتُ عليكم عزمت عليكم ان لا تنازعوا فِيه۔

حدیث کا ترجمہ وتشریح کر کے تنازع فی القدر کا مطلب واضح کریں۔(ابواب القدر۔باب ماجاء من التشدید فی الخوص فی القدر)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل دو امور ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② حدیث کی تشریح وتنازع فی القدر کا مطلب۔

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن ہم قضا وقدر کے مسئلہ پر بحث کر رہے تھے کہ سرکار دو عالم ﷺ تشریف لے آئے آپ ﷺ کا چہرہ انور غصہ کی وجہ سے سرخ ہو گیا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا انار آپ ﷺ کے رخسار مبارک پر نچوڑ دیئے گئے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تمہیں اسی چیز کا حکم دیا گیا ہے یا میں اسی لئے تمہارے پاس رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں؟ تم سے پہلے لوگ اسی لئے ہلاکت کی وادی میں پھینک دیئے گئے کہ انہوں نے اس سلسلہ میں الجھنا اپنا مشغلہ بنا لیا تھا لہٰذا میں تمہیں اس بات کی قسم دیتا ہوں اور پھر دوبارہ قسم دیتا ہوں کہ تم اس مسئلہ پر بحث نہ کیا کرو۔

② حدیث کی تشریح وتنازع فی القدر کا مطلب:۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں تقدیر کے مسئلہ پر بحث کر رہے تھے بعض صحابہؓ یہ کہہ

رہے تھے کہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے نوشتۂ تقدیر کے مطابق ہیں تو پھر ثواب وعذاب کا ترتب کیوں ہوتا ہے؟ جیسا کہ معتزلہ کا مذہب ہے اور کچھ حضرات یہ کہہ رہے تھے کہ اس میں اللہ کی کیا مصلحت وحکمت ہے کہ بعض انسانوں کو تو جنت کیلئے پیدا کیا اور بعض انسانوں کو دوزخ کیلئے پیدا کیا ہے؟ کچھ صحابہ نے اس کا جواب دیا کہ یہ اسلئے ہے کہ انسانوں کو کچھ اختیارات بھی اعمال کے کرنے اور نہ کرنے کا دے دیا ہے، کچھ نے کہا یہ اختیار کس نے دیا؟

بہرحال اس قسم کی گفتگو ہو رہی تھی اور اپنی عقل ودانش کے بل بوتہ پر اللہ کے اس راز ومصلحت کی حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کی جارہی تھی کہ سرکار دوعالم ﷺ نے جب ان کو اس بحث ومباحثہ میں مشغول پایا تو غصہ وغضب سے چہرۂ انور سرخ ہوگیا، صحابہ کو بتلادیا گیا کہ یہ تقدیر کا مسئلہ اللہ کا ایک راز وبھید ہے جو کسی پر ظاہر نہیں کیا گیا ہے لہٰذا اس میں اپنی عقل لڑانا اور غور وتحقیق کرنا گمراہی کی راہ اختیار کرنا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اسلئے دنیا میں نہیں بھیجا گیا کہ تقدیر کے بارہ میں بتاؤں اور تم اس میں بحث ومباحثہ کرو، سابقہ امتیں بھی اسی بحث ومباحثہ کی وجہ سے ہی ہلاک ہوئی ہیں۔ میری بعثت کا مقصد صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام تم لوگوں تک پہنچاؤں اور اطاعت وفرمانبرداری کی راہ پر تمہیں لگاؤں، دین وشریعت کے فرائض واعمال کے کرنے کا تمہیں حکم دوں، جن اعمال کے کرنے کا تمہیں حکم دوں اس کی بجاآوری میں لگے رہو، تم اس تقدیر کے مسئلہ میں مت پڑو پس اتنا ہی اعتقاد تمہارے لئے کافی ہے کہ یہ اللہ کا ایک راز ہے، جس کی حقیقت ومصلحت وہی جانتا ہے، اس کو اسی کی مرضی پر چھوڑ دو۔

## الورقة الخامسة : فی الحدیث (ترمذی۔ ج۲)

### السؤال الاوّل ۱٤٤٢ھ

**الشق الاوّل**......عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ کل مسکر حرام ، ماأسکر الفرق منه فملأ الکف منه حرام، قال أحدهما فی حدیثه،الحسوة منه حرام۔

حدیث کا ترجمہ اور تشریح کیجئے۔ خمر اور دیگر مسکرات کا حکم خوب تفصیل سے تحریر کیجئے۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حاصل تین امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کی تشریح (۳) خمر اور دیگر مسکرات کا حکم۔

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہر نشہ والی چیز حرام ہے جس چیز کے ایک فرق سے نشہ ہو اس کا ایک چلو بھی حرام ہے۔ راویوں میں سے کسی ایک نے اپنی حدیث میں یہ بھی کہا **الحسوة منه حرام۔**

② حدیث کی تشریح:۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر نشہ والی چیز حرام ہے یعنی جس چیز کے پینے سے آدمی کو نشہ آجائے تو اسکی چلو بھر یعنی معمولی مقدار بھی حرام ہے اور ائمہ ثلاثہ کا یہی مذہب ہے جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خمر مطلقاً حرام ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر ہو اور اسکے علاوہ دیگر اشربہ کی اتنی مقدار پینا کہ وہ نشہ آور ہو جائے یہ بھی حرام ہے البتہ دیگر اشربہ کی معمولی مقدار حرام نہیں ہے کیونکہ بقیہ اشربہ کی حرمت کی وجہ سکر یعنی نشہ ہے اور جب تک وہ نشہ آور نہ ہوں اس وقت تک وہ حلال ہیں۔

③ خمر ودیگر مسکرات کا حکم:۔ **کما مرّ فی الشق الثانی من السؤال الاول ۱٤٣٠ھ۔**

**الشق الثانی**......عن أبی هریرة قال قال رسول الله ﷺ اذا اقترب الزمان لم تکدرؤیا المؤمن تکذب وأصدقهم رؤیا أصدقهم حدیثا ورؤیا المسلم جزء من ستة وأربعین جزء من النبوة و الرؤیا ثلاث...... فاذا رأی احدکم ما یکره فلیقم و لیتفل و لا یحدث بها الناس۔

**اقترب الزمان، لم تکد رؤیا المؤمن تکذب** کا مطلب واضح کریں۔ مؤمن کا خواب کے نبوت کا چھیالیسواں حصہ کیسے ہے؟ واضح کریں۔ خواب کی تین قسمیں کون کونسی ہیں؟ بیان کریں۔ بُرا یا ڈراؤنا خواب دیکھنے پر مسنون عمل اور اس کا فائدہ تحریر کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① جملوں کا مطلب ② خواب کے نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہونے کا مفہوم ③ خواب کی اقسام ④ بُرا یا ڈراؤنا خواب دیکھنے پر مسنون عمل اور اس کا فائدہ۔

**جواب** ...... ① تا ③ **کما مرّ فی الشق الثانی من السؤال الثانی ۱٤٢٨ھ**

④ بُرا یا ڈراؤنا خواب دیکھنے پر مسنون عمل اور اس کا فائدہ:۔ کوئی شخص ایسا خواب دیکھے جو بُرا یا ناگوار ہو تو اس کو چاہیے کہ اٹھ جائے، خواب کی بُرائی

اورشیطان کے شر سے اللہ کی پناہ مانگے، بائیں جانب تھتکار دے، کسی سے تذکرہ نہ کرے، دو نفل پڑھے، پہلو بدل کر سو جائے۔(تحفۃ الالمعی)

کسی کے سامنے بُرے خواب کے تذکرہ سے اسلئے منع کیا کہ بعض تقدیری امور معلق ہوتے ہیں جنہیں قضائے معلق کہا جاتا ہے، ایسی صورت میں اچھی تعبیر سے معاملہ اچھا اور بُری تعبیر سے معاملہ بُرا ہو جاتا ہے، تو خدانخواستہ سننے والا کوئی تعبیر دیدے اور معاملہ اسکے مطابق ہو جائے۔ نیز ممکن ہے کہ وہ کوئی ایسی تعبیر بتادے جو رنج والم کا باعث ہو اور اس پر خیال بھی جم جائے کہ اب مجھ پر مصیبت آنے والی ہے، ارشاد باری ہے **انا عند ظنّ عبدی بی** (بندہ میرے بارے میں جیسا گمان کرتا ہے میں ویسا ہی ہو جاتا ہوں) جب وہ مصیبت آنے پر یقین کر بیٹھا تو عادۃ اللہ کے مطابق اس پر مصیبت کا آنا لازم ہو گیا۔ حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ کسی کے سامنے بُرے خواب کے تذکرہ سے اسلئے منع کیا کہ جب لوگوں کے درمیان اس کا تذکرہ ہو گا خواب دیکھنے والے کے دل میں رنج والم اور غلط وساوس پیدا ہونگے۔(دروس ترمذی ج۴)

## ﴿الورقة الخامسة : فی الحدیث﴾

## ﴿السوال الاوّل﴾ (ترمذی ثانی) ۱۴۴۳ھ

**الشق الاوّل** ......**حدثنا عبدُ العزیزِ بنُ محمدٍ عن العلاءِ بنِ عبدِ الرحمٰنِ عن ابِیْهِ عن ابِیْ هُرَیْرَةَ قال قِیل یا رسولَ اللّٰهِ! مَا الْغِیْبَةُ قال ذِکْرُكَ اخاك بِما یکرهُ قال اَرَاَیْتَ اِنْ کان فِیهِ ما اقولُ؟ قالَ اِنْ کان فِیهِ ما تقول فقد اَغْتَبْتَهٗ وَ اِنْ لم یکن فِیْهِ ما تقولُ فقدْ بَهَتَّهٗ ۔(ابواب البر و الصلة۔باب ما جاء فی الغیبة)**

ترجمہ کریں اور غیبت کا حکم بیان کریں۔ غیبت کن لوگوں کی جائز ہے اور غیبت کے گناہ کی توبہ کا طریقہ تحریر کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② غیبت کا حکم ③ غیبت کی استثنائی صورتیں ④ غیبت سے توبہ کا طریقہ۔

**جواب** ...... **①** حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ غیبت کیا ہے؟ فرمایا تو اپنے بھائی کے بارے میں ایسی بات کہے جس کو وہ ناپسند کرتا ہو، عرض کیا: اگر وہ عیب واقعی اس میں موجود ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم اس عیب کا تذکرہ کرو جو واقعی اس میں ہے تو غیبت ہے وگرنہ تو نے اس پر بہتان باندھا۔

**②** غیبت کا حکم:۔ مسلمان کی غیبت کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ بچہ، مجنون اور ذمی کافر کی غیبت بھی حرام ہے کیونکہ ان کی ایذا بھی حرام ہے۔ قرآن کریم میں کسی کی غیبت وتحقیر کو مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تعبیر کیا گیا ہے کہ جیسے مردہ کا گوشت کھانے سے مردے کو کوئی جسمانی اذیت نہیں ہوتی ایسے ہی اس غائب کو جب تک غیبت کی خبر نہیں ہوتی اس کو بھی کوئی اذیت نہیں ہوتی مگر جیسا کسی مردہ مسلمان کا گوشت کھانا حرام اور بڑی خست و دناءت کا کام ہے اسی طرح غیبت حرام بھی ہے اور خست و دناءت بھی کہ پیٹھ پیچھے کسی کو برا کہنا کوئی بہادری کا کام نہیں۔ حدیث میں غیبت کو زنا سے بھی سخت و بدتر قرار دیا گیا ہے، صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یہ کیسے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص زنا کرتا ہے پھر توبہ کر لیتا ہے تو اس کا گناہ معاف ہو جاتا ہے اور غیبت کرنے والے کا گناہ اس وقت تک معاف نہیں ہوتا جب تک وہ شخص معاف نہ کرے جس کی غیبت کی گئی ہے۔(معارف القرآن)

**③** غیبت کی استثنائی صورتیں:۔ ① مظلوم سلطان وحاکم کے سامنے ظالم کے ظلم کو بیان کرے تو یہ غیبت ہے کہ ظالم کی برائیاں اور زیادتیاں بیان ہو رہی ہیں لیکن یہ ظلم سے نجات پانے کیلئے جائز ہے۔ ② نہی منکر اور برائیوں کی اصلاح کیلئے ذکر کرنا اور یہ اس شخص یا ادارے سے کہنا جائز ہے جو قوتِ اقدام رکھتا ہو۔ ③ استفتاء مسئلہ معلوم کرنے کیلئے کسی کی غلطی بیان کرنا کیونکہ اگر مفتی کے سامنے بات واضح نہ کریگا تو فتویٰ کیسے دیا جائیگا۔ ④ لوگوں کو کسی شریر وفسادی کی شرارتوں کی خبر دینا تاکہ لوگ سنبھل جائیں اور اسکے شر و فساد سے بچ سکیں۔ ⑤ مشورے کے وقت کسی ایک کی رائے میں نقص کے پہلو کو واضح کرنا تاکہ صحیح فیصلہ کی راہ ہموار ہو سکے۔ ⑥ مشتری کو بائع ومبیعہ کا عیب بتانا تاکہ وہ دھوکے سے بچ سکے اور عبد سارق، زانی، شارب خمر کی اطلاع دینا۔ ⑦ ایسے عالم برحق کو کسی مبتدع اور فاسق کی خبر دینا جو اسکے پاس آمد ورفت رکھتا ہو اور استفادہ کرتا ہو تاکہ یہ بھی بدعات وخرافات میں ملوث نہ ہو جائے۔ ⑧ راویوں، گواہوں، مصنفوں کے متعلق جرح کرنا تاکہ غلط فیصلہ اور ان کے تقریری وتحریری شرور سے بچ سکیں۔ ⑨ **مجاهر ومعلن** (ایسا آدمی جو کھلے عام فسق وفجور کا مرتکب ہو) کا ایسے آدمی سے ذکر کرنا جس کے بس میں اسکی درستگی ہو۔ ⑩ ایسے الفاظ جن میں عیب کا معنی ہو

لیکن متعارف ہوگئے ہوں کہ اب عیب کا معنی معروف نہ ہو بلکہ بطور علامت استعمال ہوتے ہوں مثلاً **اعمش ازرق اعمی قصیر۔**

④ غیبت سے توبہ کا طریقہ:۔ غیبت ایک ایسا گناہ ہے جس میں حق اللہ کی بھی مخالفت ہے اور حق العبد بھی ضائع ہوتا ہے اسلئے جس کی غیبت کی گئی ہے اس سے معاف کرانا ضروری ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ غیبت کی خبر جب تک صاحبِ غیبت کو نہ پہنچے اس وقت تک وہ حق العبد نہیں ہوتی اسلئے اس سے معافی کی ضرورت نہیں۔ اس صورت میں گو اس شخص سے معافی مانگنا ضروری نہیں مگر جس شخص کے سامنے یہ غیبت کی تھی اسکے سامنے اپنی تکذیب کرنا یا اپنے گناہوں کا اقرار کرنا ضروری ہے اور اگر وہ شخص مرگیا ہے یا اس کا پتہ نہیں تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ جس کی غیبت کی گئی ہے اس کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعائے مغفرت کرے اور یوں کہے کہ یا اللہ ہمارے اور اس کے گناہوں کو معاف فرما۔ (معارف القرآن)

**الشق الثانی**...... **عن عبد اللّٰہ بن عمرو قال قال رسول اللّٰہ ﷺ خیارکم احاسنکم اخلاقا، و لم یکن النبیّ ﷺ فاحشا و لا متفحشا۔ (ابواب البر و الصلۃ۔ باب ما جاء فی الفحش)**

واضح ترجمہ کریں۔ حسنِ خلق سے کیا مراد ہے؟ **خیا رکم احا سنکم اخلاقا** بظاہر **انّ اکرمکم عند اللّٰہ اتقکم** کے خلاف ہے، مناسب تطبیق قلمبند کریں۔ **فا حش و متفحش** سے کیا مراد ہے؟

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② حسنِ خلق کی مراد ③ آیت و حدیث میں تطبیق ④ فاحش و متفحش کی مراد۔

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سب سے بہترین وہ لوگ ہیں جو اخلاق کے اعتبار سے اچھے ہیں۔ اور آپ ﷺ نہ ہی فطری بدگو و فحش گو تھے اور نہ بہ تکلف بدگوئی و فحش گوئی کرتے تھے۔

② حسنِ خلق کی مراد:۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے منقول ہے کہ حسنِ خلق تین چیزوں کے مجموعے کا نام ہے: ① لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آنا۔ ② لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک برتنا، خواہ جان سے ہو یا مال سے ہو۔ ③ لوگوں کو تکلیف پہنچانے سے بچنا۔ گویا خوش خلقی میں تمام ظاہری و باطنی اوصافِ حمیدہ (نرم خوئی و مہربانی، مروت، ایذاء رسانی سے احتراز) شامل ہیں۔

③ آیت و حدیث میں تطبیق:۔ حدیث کا تعلق خصوصیت کے ساتھ معاشرت کے ساتھ ہے کہ تم میں سے حسنِ معاشرت کے اعتبار سے بہترین وہ شخص ہے جس کے اخلاق اچھے ہیں۔ اور آیت میں عموم ہے، حقوق اللہ و حقوق العباد، فرائض و واجبات، اوامر و نواہی، حلال و حرام، جائز و ناجائز تمام احکام و شعبہ ہائے زندگی کو شامل ہے۔

④ فاحش و متفحش کی مراد:۔ فاحش: قول و فعل کا انتہائی بُرا و قابلِ مذمت ہونا۔ متفحش: بتکلف فحش گوئی، بدکلامی و گالی گلوچ کرنا۔

فاحش کا معنی زبان پر بلا تکلف فحش کلام کا جاری ہونا ہے، یہ جبلی و خلقی وصف ہے۔ متفحش کا معنی بتکلف ارادۃً فحش کلام کرنا ہے، یہ کسبی وصف ہے۔ گویا آپ ﷺ نہ پیدائشی و خلقی طور پر فحش گو تھے اور نہ کسبی طور پر بتکلف فحش گوئی کرتے تھے۔ (تحفۃ الالمعی و دروسِ ترمذی)

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۳ھ

**الشق الاول**...... **عَنْ حُذَیفَۃَ بنِ الیَمانِ قال حَدَّثَنَا رسولُ اللّٰہ ﷺ حَدِیْثَیْنِ قد رأیتُ اَحَدَھُمَا و انَا اَنْتَظِرُ الْاٰخَرَ: حَدَّثَنَا اَنَّ الْاَمانَۃَ نَزَلَتْ فِیْ جَذْرِ قُلُوْبِ الرِّجَالِ ثُمَّ نَزَلَ الْقُرْاٰنُ فَعَلِمُوْا من القراٰن وَ عَلِمُوْا مِنَ السُّنَّۃِ ثم حَدَّثَنَا عَنْ رفعِ الْاَمانَۃِ فقالَ یَنامُ الرَّجُلُ نَوْمَۃً فَتُقْبَضُ الامانۃُ مِنْ قَلْبِہٖ فَیَظِلُّ اَثَرُھَا مِثْلَ الْوَکْتِ ثم ینام نَوْمَۃً فَتُقْبَضُ الْاَمانَۃُ مِنْ قَلْبِہٖ فَیَظِلُّ اَثَرُھَا مِثْلَ الْمَجَلِ کَجَمْرٍ دَحْرَجْتَہٗ عَلٰی رِجْلِكَ فَنَفِطَتْ فَتَرَاہُ مُنْتَبِرًا وَلَیْسَ فِیْہِ شَیْئٌ۔**

حدیث پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔ امانت کی تعریف کریں اور حدیث سے مستفاد مفہوم بیان کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں ① حدیث پر اعراب ② حدیث کا ترجمہ ③ امانت کی تعریف ④ حدیث سے مستفاد مفہوم۔ (ابواب الفتن۔ باب فی رفع الامانۃ)

**جواب** ...... ① احادیث پر اعراب:۔ **کما مرّ فی السوال آنفا۔**

② احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دو باتیں بیان فرمائیں ان میں سے ایک کو

میں نے دیکھ لیا اور دوسری کا منتظر ہوں۔انہوں نے ہمیں بیان کیا کہ بے شک امانت لوگوں کے دلوں کی جڑ میں اتری ہے پھر قرآن کریم نازل ہوا، پس لوگوں نے قرآن کریم کو سیکھا پھر انہوں نے سنت کو سیکھا پھر آپ ﷺ نے ہمیں اس امانت کے اٹھنے کے متعلق بتلایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی ایک مرتبہ سوئے گا تو اسکے دل سے امانت کو چھین لیا جائیگا اور صرف ایک چھالے کا نشان باقی رہ جائے گا پھر آدمی ایک مرتبہ اور سوئے گا تو امانت بالکل چھین لی جائیگی اور اس کا اثر بڑے آبلہ کی مثل رہ جائیگا مثل انگارے کے جسے تم اپنے پاؤں پر لڑھکا دو اور وہ آبلہ بن جائے پس تم اُسے اُبھرا ہوا دیکھتے ہو لیکن اس میں کچھ نہیں ہوتا۔

③ امانت کی تعریف:۔ لغوی معنی: ذمہ داری، فرض منصبی، دیانتداری و راست بازی۔ امین و دیانتدار ہونا۔

اصطلاحی معنی: وہ ذمہ داری جو انسان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یا بندوں کی طرف سے عائد کی جاتی ہے۔(تحفۃ الالمعی)

اسکی مراد میں متعدد اقوال ہیں: ① مشہور معنی (لوگوں کے حق میں خیانت نہ کرنا) مراد ہے۔ ② تمام احکامِ شرعیہ و تکالیف کے ساتھ مکلّف ہونے کی استعداد مراد ہے۔ ③ عقل مراد ہے۔ ④ ایمان و ہدایت کا بیج مراد ہے۔(دروس ترمذی ۳:۲۲۷)

④ حدیث سے مستفاد مفہوم:۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں انسانوں کے دل نورِ ایمان سے منور تھے جس سے ایمان اور دین واحکام شرع کی حقیقت کو معلوم کر لیتے تھے لیکن بعد میں یہ امانت اور نورِ ایمان آہستہ آہستہ کم ہوتا گیا جب اوّل جزء زائل ہوا تو ظلمت اور تاریکی چھانے لگی اور وہ ظلمت اور تاریکی ایک نقطہ کی شکل نظر آئی پھر جب اس سے ایک اور جزء زائل ہوا تو وہ ظلمت اور بڑھی حتیٰ کہ ایسے ہوگئی جیسے کام کرتے کرتے ہاتھوں میں بعض جگہیں سخت ہوجاتی ہیں گھٹے پڑجاتے ہیں پھر یہ نور زائل ہوتا رہے گا اور ظلمت بڑھتی رہے گی حتیٰ کہ ایک وقت آئے گا کہ کوئی امانت دار شخص نہ رہے گا۔لوگ ایک ایسے انسان کے متعلق فیصلہ کریں گے جس کے دل میں رائی کے برابر ایمان نہ ہوگا کہ وہ امین ہے، دنیاوی کاروبار میں چست وچالاک ہے اور وہ قابل تعریف وستائش ہوگا حالانکہ نورِ ہدایت کو بالکل کھو چکا ہوگا اور دنیا گمراہی کے گھٹاٹوپ اندھیرے میں گھر چکی ہوگی، دینِ حق مٹ چکا ہوگا اور کفر کا غلبہ ہوگا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے اس حدیث کو بیان کرنے سے مقصود قربِ قیامت کے فتنوں کی طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ نے قربِ قیامت میں جن فتنوں کے وقوع وظہور کی خبر دی تھی انمیں سے ایک فتنہ مسلمانوں کے دلوں سے امانت وایمانداری اور نورِ ایمان کا ختم ہوجانا ہے۔

**الشق الثانی** ......عن النعمان بن بشير قال قال رسول الله ﷺ ان من الحنطة خمرًا ومن الشعير خمرًا ومن الزبيب خمرًا ومن العسل خمرًا۔(ابواب الاشربة۔باب فی الحبوب التی يُتّخذ منها الخمر)

خمر کا لغوی واصطلاحی معنی اور وجہ تسمیہ بیان کریں۔اشربہ اربعہ محرمہ ذکر کریں۔خمر کی حقیقت میں ائمہ کا اختلاف مع دلائل تحریر کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں ① خمر کا معنی اور وجہ تسمیہ ② اشربہ اربعہ محرمہ کی وضاحت ③ خمر کی حقیقت میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل۔

**جواب** ...... ① خمر کا معنی اور وجہ تسمیہ:۔ لغوی معنی: (۱) انگوری شراب (۲) ہر نشہ آور چیز نیز اور بھی لغوی معانی ہیں لیکن زیادہ مشہور یہی دو ہیں۔ اصطلاحی معنی:۔ هی ماء العنب اذا غلٰی واشتدّ وقذف بالزبد یعنی انگور کا کچا پانی جب جوش مارے اور نشہ آور ہوجائے اور جھاگ پھینکنے لگے۔ خمر کو خمر اسلئے کہتے ہیں کہ یہ تخمر سے مشتق ہے اور تخمر کا معنی شدت وقوت ہے، چونکہ انگور کے کچے پانی سے بھی شدت اور قوت آتی ہے اسلئے اسے خمر کہتے ہیں۔بعض نے مخامرہ بمعنی عقل کو بگاڑنا سے مشتق مانا ہے چونکہ شراب کے پینے سے عقل میں بگاڑ پیدا ہوجاتا ہے اسلئے اُسے خمر کہتے ہیں۔

0313 6357913

② اشربۂ اربعہ محرمہ کی وضاحت:۔ چار قسم کی شرابیں حرام ہیں: ① خمر: انگور کے کچے پانی کو کہتے ہیں جب وہ جوش کھا کر ابلنے لگے گاڑھا ہوجائے اور جھاگ پھینکنے لگے۔ ② عصیر: اس کو طلاء، باذق (بادہ) بھی کہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ انگور کے رس کو اتنا پکایا جائے کہ دوتہائی سے کم جل جائے اور مسکر ہوجائے۔ ③ نقیع تمر: پختہ تر کھجور کا کچا رس جو جوش کھا کر گاڑھا اور مسکر ہوجائے۔ ④ نقیع زبیب: خشک انگور (کشمش) پانی میں بھگو لیا جائے اور وہ جوش کھا کر گاڑھا ہوجائے۔

③ خمر کی حقیقت میں اختلاف مع الدلائل:۔ اس بارے میں علماء کرام کا اختلاف ہے کہ ہر مسکر مشروب کو خمر کہیں گے یا انگور کا کچا

پانی جب جوش مارے اور جھاگ پیدا کرے صرف اسی کو خمر کہا جاتا ہے۔ائمہ ثلاثہ اور اصحاب ظواہر رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ ہر مسکر خمر ہے جبکہ احناف رحمہم اللہ کے نزدیک انگور کا پانی جب اوصافِ مذکورہ کا حامل ہو تو وہ خمر ہوگا باقی کو خمر نہیں کہیں گے۔

ائمہ ثلاثہ نے اپنے دعویٰ پر تین دلیلیں پیش کی ہیں: ① **کل مسکر خمر** (الحدیث) یعنی ہر نشہ لانے والی شئی شراب ہے ② حدیث میں ہے **الخمر من هاتين الشجرتين** یعنی ان دونوں درختوں (انگور اور کھجور) سے جو بنے وہ خمر ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ خمر کا اطلاق انگور کی شراب کے علاوہ دوسری شرابوں پر بھی ہوتا ہے ③ خمر مخامرۃ العقل سے مشتق ہے یعنی عقل کا مستور و مغلوب ہو جانا اور یہ کیفیت ہر شراب سے ہوتی ہے۔پس معلوم ہوا کہ ہر مسکر خمر ہے۔

احناف نے بھی دو دلیلیں پیش کی ہیں ① اہل لغت کا اتفاق ہے کہ خمر صرف انگور کی شراب کا نام ہے کیونکہ خمر کا استعمال اسی انگور کی شراب میں معروف و مشہور ہے اور اس کے علاوہ دیگر مشروبات کے نام علیحدہ ہیں جیسے نقیع وغیرہ ② خمر کی حرمت قطعی ہے اور غیر خمر کی حرمت ظنی ہے۔اگر انگور کی شراب کے علاوہ دیگر شرابوں کو خمر کہا جائے گا تو اس کی حرمت قطعی ماننی ہوگی حالانکہ یہ بے دلیل ہے اور صحیح نہیں ہے۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی پہلی دلیل کا جواب: یہ ہے کہ اس پر یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے طعن کیا ہے اور مطعون حدیث قابل استدلال نہیں ہوتی۔

دوسری دلیل کا جواب: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خمر کی حرمت کو بیان کیا ہے نہ کہ اس کی تخلیق کو کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شرائع کو بیان کرنے کے لئے آئے ہیں، نہ کہ اشیاء کی تخلیق کو کیونکہ ان اشیاء کی تخلیق لوگوں کو خود معلوم ہے۔ تیسری دلیل کا جواب: خمر تخمر سے مشتق ہے نہ کہ مخامرۃ سے اور تخمر کا معنی شدت اور قوت ہے اور یہ معنی صرف انگور کی شراب میں ہے کیونکہ وہ سب سے قوی اور مقوی ہوتی ہے۔

احناف کا مذہب راجح ہے اسلئے کہ اہلِ لغت کا اتفاق اس کیلئے مؤید ہے۔جبکہ ائمہ ثلاثہ کے دلائل بذاتہ قابلِ استدلال نہیں ہیں اور نیز ان کیلئے کوئی مؤید بھی نہیں ہے۔(اشرف الہدایہ)

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۳ھ

**الشق الاوّل** ......**عن عبدِ اللّٰہِ بنِ مُغَفَّلٍ قال قال رجلٌ لِلنبی صلی اللہ علیہ وسلم یا رسولَ اللّٰہ! واللّٰہِ اِنّی لَاُحِبُّکَ فقال انظر ماذا تقول قال واللّٰہِ اِنّی لَاُحِبُّکَ فقال انظر ماذا تقول قال واللّٰہِ اِنّی لَاُحِبُّکَ ثلاثَ مَرَّاتٍ فقال اِنْ کُنْتَ تُحِبُّنِی فَاَعِدَّ لِلْفَقْرِ تِجْفَافًا فَاِنَّ الْفَقْرَ اَسْرَعُ اِلٰی مَنْ یُحِبُّنِی مِنَ السَّیْلِ اِلٰی مُنْتَہَاہُ۔ (ابواب الزهد۔ باب فی فضل الفقر)**

حدیث کا مطلب خیز ترجمہ کریں۔سوال کا اعادہ کروانے کی وجہ تحریر کریں۔مالداری وفقر میں سے کونسی حالت مؤمن کیلئے بہتر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کونسی محبت مطلوب ہے؟ طبعی یا عقلی؟ واضح کیجئے۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② سوال کا اعادہ کروانے کی وجہ ③ مؤمن کیلئے مالداری وفقر میں سے بہتر حالت کی وضاحت ④ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مطلوب محبت کی نشاندہی۔

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اللہ کی قسم میں آپ سے محبت کرتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سوچو کیا کہہ رہے ہو، کہنے لگا: اللہ کی قسم میں آپ سے محبت کرتا ہوں اس نے تین مرتبہ یہ بات کہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تو مجھ سے محبت کرتا ہے تو فقر کیلئے تیار ہو جا، کیونکہ جو مجھ سے محبت کرتا ہے تو اس کی طرف فقر اس سیلاب سے بھی تیز رفتاری سے آتا ہے جو اپنے بہاؤ یا انتہاء کی طرف تیزی سے چلتا ہے۔

② سوال کا اعادہ کروانے کی وجہ:۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل وحاضرین کے دل و دماغ میں سوال کی اہمیت اور اپنی محبت وعظمت راسخ کرنے کیلئے بار بار سوال کا اعادہ کروایا کہ تم مجھ سے محبت کے دعوے دار بن کر بہت بڑا سوال کر رہے ہو، تمہیں اس بات کا اندازہ ہی نہیں ہے کہ تمہیں اس محبت کی کیا قیمت ادا کرنی پڑے گی، اسلئے بار بار سوچ لو۔

0313-9071815 maktabazakariyamultan@gmail.com

③ مؤمن کیلئے مالداری وفقر میں سے بہتر حالت کی وضاحت:۔ اکثر انبیاء واولیا کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معیار زندگی اور بسر اوقات بھی غرباء وفقراء کی طرح تھا، یعنی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم خوشحال زندگی اختیار کرنے کی قدرت رکھنے کے باوجود اپنی زندگی اس طرح بسر کرتے تھے جس طرح کوئی غریب و مفلس شخص بسر کرتا ہے اور اپنے متعلقین کی کفالت اسی تنگی اور سخت کوشی و جانکاہی کے

ساتھ کرتے تھے جو غریب ونادار لوگوں کا معمول ہے، چنانچہ غریب ونادار مؤمن کی فضیلت کیلئے یہی بات کافی ہے۔
واضح رہے کہ اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ صبر ورضا اختیار کرنے والا غریب ومفلس سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے یا شکر گزار غنی وخوشحال شخص؟ چنانچہ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ شکر گزار غنی زیادہ فضیلت رکھتا ہے کیونکہ اسکے پاس موجود مال صدقہ وخیرات، مالی انفاق وایثار یعنی زکوۃ قربانی اور نیک کاموں میں خرچ کی صورت میں اللہ تعالیٰ کا زیادہ سے زیادہ قرب ونزدیکی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ نیز حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے اغنیاء کی تعریف میں آیت کریمہ: ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء (یہ مال ودولت اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے) کی تلاوت فرمائی۔ اکثر حضرات یہ فرماتے ہیں کہ صبر کرنے والا غریب ومفلس زیادہ فضیلت رکھتا ہے جس کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ خود حضور سرور کائنات ﷺ کا معیارِ زندگی اغنیاء کے مطابق نہیں تھا بلکہ غرباء اور مفلسوں کی طرح تھا۔ تاہم یہ بات ملحوظ رہے کہ ان اختلافی اقوال کا تعلق دراصل مطلق فقر وغنا کی حقیقت وماہیت سے ہے اور اس کا اعتبار بھی وجوہ کے مختلف ہونے پر ہے۔ چنانچہ ایک شخص کے حق میں کبھی تو غنا یعنی دولتمندی خیر وبھلائی کا باعث بن سکتی ہے اور کبھی اس کا فقیر ومفلس ہونا ہی اسکے حق میں بہتر ہوسکتا ہے جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندہ پر مہربان ہوتا ہے تو اس کو وہی چیز دیتا ہے جو اسکے حق میں صلاح وفلاح کا ذریعہ ہوتی ہے، خواہ فقر ہو یا غنا اور خواہ صحت ہو یا تندرستی۔ حضرت شیخ المشائخ سید عبدالقادر جیلانیؒ سے کسی نے پوچھا کہ صبر کرنے والا مفلس بہتر ہے یا شکر گزار دولتمند؟ جواب دیا کہ شکر گزار فقیر دونوں سے بہتر ہے۔ انہوں نے اس جواب کے ذریعہ گویا فقر وافلاس کی فضیلت کی طرف اشارہ فرمایا کہ فقر افلاس درحقیقت ایک نعمت ہے کہ اس پر شکر گزار ہونا چاہئے نہ کہ وہ کوئی مصیبت وبلا ہے جس پر صبر کیا جائے۔ (مشکوۃ مترجم)
الغرض اکثر نصوص سے فقر کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ جبکہ شاکر مالدار کی فضیلت بھی متعدد روایات سے ثابت ہے۔ اسی بناء پر علماء میں فضیلت کا اختلاف ہے کہ ان میں سے کون افضل ہے؟ قولِ فیصل یہ ہے کہ اصل چیز اللہ تعالیٰ کی محبت ومعرفت اور احکام کی بجا آوری ہے، اگر کسی مالدار میں یہ چیزیں موجود ہیں اور وہ راہِ خدا میں خرچ بھی کرتا ہے تو یہ شاکر مالدار حریص فقیر سے افضل ہے اور اگر فقر محبت ومعرفت، صبر وقناعت کا سبب ہے اور احکام کی بجا آوری سے مانع نہیں ہے تو پھر فقر افضل ہے۔ (دروس ترمذی)

④ آپ ﷺ کے ساتھ مطلوب محبت کی نشاندہی:۔ علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں محبتِ عقلی مراد ہے، نہ کہ محبتِ طبعی۔ اسلئے کہ ہوسکتا ہے کہ کسی مسلمان کو طبعا اپنی اولاد سے زیادہ محبت ہو۔ (روضۃ الطالبین)

**الشق الثانی** ......عن نَبْهَانَ مولى اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّهُ حدّثه اَنَّ اُمَّ سَلَمَةَ حَدَّثَتْهُ اَنَّها كانت عِند رسولِ اللّٰهِ ﷺ وميمونةُ قالت فبينا نحن عِنده اَقْبَلَ اِبْنُ اُمِّ مكتوم فَدَخَلَ عليه وذٰلِك بَعْدَ مَا اُمِرْنَا بالحِجابِ فقال رسول اللّٰهِ ﷺ اِحْتَجِبَا مِنْهُ فقلتُ يا رسول اللّٰهِ اَلَيْسَ هو اَعْمٰى لَايُبْصِرُنَا وَلَا يَعْرِفُنَا؟ فَقَالَ رسولُ اللّٰهِ ﷺ اَفَعَمْيَاوَانِ انتما اَلَسْتُمَا تُبْصِرَانِه۔ (ابواب الاستيذان. باب فى احتجاب النساء من الرجال)

حدیث کا سلیس ترجمہ کریں۔ حدیث کی بے غبار تشریح کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② حدیث کی تشریح۔

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ نبہان مولی ام سلمہؓ حضرت ام سلمہ ؓ سے روایت کرتا ہے: انہوں نے بیان کیا کہ میں اور ام المؤمنین میمونہ ؓ نبی اکرم ﷺ کے پاس بیٹھی تھیں کہ ابن ام مکتوم (نابینا صحابی) داخل ہوئے اور یہ واقعہ پردے کا حکم نازل ہونے کے بعد کا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان سے پردہ کرو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا یہ نابینا نہیں ہیں؟ یہ نہ ہمیں دیکھ سکتے ہیں اور نہ یہ ہمیں پہچانتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم دونوں بھی نابینا ہو؟ کیا تم بھی اسے نہیں دیکھ سکتیں؟

② حدیث کی تشریح:۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح مرد عورتوں کی طرف نہیں دیکھ سکتے اسی طرح عورتیں بھی مردوں کی طرف نہیں دیکھ سکتیں، کیونکہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم ؓ تو اگرچہ تمہیں نہیں دیکھ رہے مگر تم تو ان کو دیکھ رہی ہو یعنی تمہیں بھی چاہئے کہ تم بھی مردوں کی طرف نہ دیکھو۔ بہت سے علماء کا یہی قول ہے اور انہوں نے حضرت امِ سلمہ ؓ کی اسی حدیث

سے استدلال کیا ہے اور بعض فقہاء نے کہا کہ بغیر شہوت کے نامحرم کو دیکھنے میں مضائقہ نہیں اور انہوں نے حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا سے استدلال کیا ہے کہ مسجد نبوی کے احاطہ کے حبشی نوجوانوں کو کھیلتے ہوئے دیکھا اور آپ ﷺ نے منع نہیں فرمایا۔ مفتی شفیعؒ صاحب فرماتے ہیں کہ اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ نظرِ شہوت حرام ہے اور بلاشہوت نظر کرنا خلافِ اولیٰ ہے اسلئے اس سے بھی احتیاط کرنا اولیٰ واتقی ہے۔

## ﴿الورقة الخامسة: ترمذی دوم﴾

## ﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۴۴ھ

**الشق الاوّل** ......عن عقار بن المغيرة بن شعبة عن ابيه قال: قال رسول الله ﷺ من اكتوى او استرقى فقد برئ من التوكل۔عن اسامة بن شريك قال قالت الاعراب يا رسول الله الا نتداوى؟ قال نعم يا عباد الله تداووا فَاِنّ الله لم يضعْ داءً الّا وضع له شفاء۔ عن انس انّ رسولَ الله ﷺ رخّص فی الرقية من الحمة والعين والنملة ۔(باب ما جاء فی الداء و الحث عليه)

ترجمہ کیجیے۔علاج کروانے کا شرعی حکم لکھئے۔اس روایت میں کیّ اور رقیہ کو خلافِ توکل قرار دیا ہے جبکہ دوسری روایات میں اجازت بھی منقول ہے، دونوں طرح کی روایات میں تطبیق دیجیے۔آج بھی بہت سی بیماریاں لاعلاج کہی جاتی ہیں تو خط کشیدہ جملے کا کیا مطلب ہے؟

**جواب** ...... ① احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے گرم لوہے سے دغوایا یا جھاڑ پھونک کروائی تو وہ توکل (اللہ پر اعتماد و بھروسہ) سے بری ہے۔

حضرت اسامہ بن شریکؓ کہتے ہیں کہ دیہاتیوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا ہم دوا نہ کیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کے بندو! دوا کیا کرو۔اسلئے کہ اللہ تعالی نے کوئی مرض ایسا نہیں رکھا کہ اس کا علاج نہ ہو یا فرمایا اس کی دواء نہ ہو۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بچھو کے کاٹنے ،نظر بد اور پہلو کے زخم میں جھاڑ پھونک کی اجازت دی ہے۔

② علاج کروانے کا حکم:۔ اللہ تعالی نے ہر چیز کا سبب بنایا ہے۔پس بیماری کیلئے بھی اسباب پیدا کئے ہیں اور شفا کے بھی اسباب بنائے ہیں، پھر جو اسباب ظاہری ہیں ان کو اختیار کرنا مامور بہ ہے، اس لئے بیماری کا علاج کرانا مسنون ہے اور یہ توکل کے منافی نہیں۔حدیث: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: یارسول اللہ! کیا ہم علاج نہ کرائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ کے بندو! علاج معالجہ کراؤ، کیونکہ اللہ تعالی نے کوئی بیماری پیدا نہیں کی مگر اس کیلئے شفا بھی پیدا کی ہے۔احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے مختلف امراض کیلئے مختلف علاج خود بھی تجویز فرمائے۔پس معلوم ہوا کہ علاج معالجہ مسنون ہے۔

جب یہ دنیا اسباب کی دنیا ہے تو صحت کے اسباب اختیار کرنا اور مرض کے اسباب سے بچنا ضروری ہے، ورنہ اسباب بے فائدہ ہو نگے۔البتہ اسباب تین قسم کے ہیں: ظاہری، مخفی اور اخفی۔سببِ ظاہرہ وہ ہے جس کا سبب ہونا ہر شخص جانتا ہے اور سببِ خفی: سبب ظنی کا نام ہے، اور سبب اخفی وہ سبب ہے جس کا سبب ہونا عام طور پر لوگ نہیں جانتے، جیسے روٹی سے آدمی شکم سیر ہوتا ہے اور پانی سے سیراب ہوتا ہے، اور دوا سے شفا حاصل ہوتی ہے یہ اسباب ظاہرہ ہیں اور جھاڑ پھونک سے بھی فائدہ ہوتا ہے مگر یہ سببِ خفی ہے۔(تحفة الالمعی)

③ روایات میں تطبیق:۔ كما مرّ فی الشق الاول من السوال الثانی ۱۴۳۳ والشق الاول من السوال الاول ۱۴۳۸ و الشق الاول من السوال الثالث ۱۴۴۰ھ۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

④ خط کشیدہ جملہ کا مطلب:۔ جیسے اللہ تعالی نے بیماریاں پیدا کی ہیں اسی طرح ان بیماریوں کی دواء و علاج بھی پیدا کئے ہیں، البتہ کسی بیماری کا علاج معلوم ہے اور کسی کا معلوم نہیں ہے۔پس کسی مرض کے علاج کا معلوم نہ ہونا یہ اس بات کی علامت نہیں ہے کہ وہ لاعلاج مرض ہے۔بالفاظِ دیگر کسی بیماری کے علاج کا عدمِ علم اسکے عدمِ وجود کی دلیل نہیں ہے۔

**الشق الثانی** ......عن أبی هريرة قال قال رسول الله ﷺ اذا اقترب الزمان لم تكد رؤيا المؤمن تكذب وأصدقهم رؤيا أصدقهم حديثا ورؤيا المسلم جزء من ستة وأربعين جزء من النبوة والرؤيا ثلاث: فالرؤيا

**الصالحة بشریٰ من اللّٰہ والرؤیا من تحزین الشیطان والرؤیا مما یحدث بھا الرجل نفسہ فاذا رأی احدکم ما یکرہ فلیقم ولیتفل ولا یحدّث بہ الناسَ قال واحب القید فی النوم، واکرہ الغل،القید ثبات فی الدین۔**

مکمل ترجمہ کیجیے۔حدیث شریف کی روشنی میں خواب کی قسمیں بیان کیجیے۔خط کشیدہ جملہ کی تشریح کیجیےاور بتائیے کیا اس سے نبوت کے جاری رہنے کی دلیل نہیں بنتی؟ ڈراؤنے خواب دیکھنے کی صورت میں سنت طریقہ کیا ہے؟

**جواب** ...... ① ترجمہ،خواب کی اقسام وجملہ کی تشریح:۔ **کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الثانی ۱۴۳۰ھ**

② ڈراؤنا خواب دیکھنے کی صورت میں مسنون طریقہ:۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم میں سے کوئی خواب میں ایسی چیز دیکھے جسے وہ ناپسند کرتا ہو یا کوئی ڈراؤنا خواب وغیرہ دیکھے تو اپنے بائیں طرف تین مرتبہ تھوکے اور اللہ تعالیٰ سے اس خواب کے شر سے پناہ مانگے تو اسے نقصان نہیں پہنچے گا۔ ناپسندیدہ خواب دیکھنے کی صورت میں چھ اعمال کرنے چاہئیں: ① خواب کی برائی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے۔ ② شیطان کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے۔ ③ جب نیند سے بیدار ہو تو اپنے بائیں طرف تین مرتبہ تھوکے۔ ④ کسی سے یہ خواب بیان نہ کرے۔ ⑤ کم از کم دو نفل پڑھے۔ ⑥ کروٹ بدل کر سو جائے۔ (تحفۃ الالمعی ۶:۵۷)

## السوال الثانی ۱۴۴۴ھ

**الشق الاوّل** ......**عَنْ سَلَمَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ مِحْصَنِ الْخَطْمِيِّ عن ابیہ وکانت لہٗ صُحْبَةٌ قال قالَ رسول اللّٰہ ﷺ مَنْ اَصْبَحَ مِنْكُم آمِنًا فِی سِرْبِهٖ مُعَافًى فِیْ جَسَدِهٖ عِنْدَهٗ قُوْتُ يَوْمِهٖ فَكَاَنَّمَا حِيْزَتْ لَهُ الدُّنْيَا۔**

**عَنْ اَبِی اُمَامَةَ عنِ النبیِّ ﷺ قَالَ اِنَّ اَغبطَ اَوْلِيَائِی عِنْدِی لَمُؤمِنٌ خَفِيْفُ الْحَاذِ ذُو حَظٍّ مِنَ الصَّلَاةِ اَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهٖ وَاَطَاعَهٗ فِی السِّرِّ وَكَانَ غَامِضًا فِی النَّاسِ لا يُشَارُ اِلَيْهِ بِالْاَصَابِعِ وَكَانَ رِزْقُهٗ كَفَافًا فَصَبَرَ عَلٰى ذٰلِكَ ثُمَّ نَقَرَ بِيَدَيْهِ فقال عُجِّلَتْ مَنِيَّتُهٗ قَلَّتْ بَوَاكِيْهِ قَلَّتْ تُرَاثُهٗ۔(ابواب الزھد۔باب ما جاء فی الزھادۃ فی الدنیا)**

مذکورہ احادیث پر اعراب لگا کر ترجمہ کیجیے۔خط کشیدہ جملے کی مختصر تشریح کیجیے۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل تین امور ہیں: ① احادیث پر اعراب ② احادیث کا ترجمہ ③ خط کشیدہ جملے کی تشریح۔

**جواب** ...... ① احادیث پر اعراب:۔ **کما مرّ فی السوال آنفا۔**

② احادیث کا ترجمہ:۔ سلمہ بن عبید اللہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں (انہیں آپ ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل تھا) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے تم میں سے اس حالت میں صبح کرے کہ وہ اپنے کنبہ و گھر والوں میں مطمئن ہو، بدن کے لحاظ سے تندرست ہو، اس کے پاس اس دن کی روزی موجود ہو تو گویا کہ اس کیلئے دنیا سمیٹ دی گئی۔ حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے دوستوں میں سب سے قابل رشک وہ شخص ہے جو کم مال والا، نماز میں زیادہ حصہ رکھنے والا، اپنے رب کی اچھی طرح عبادت کرنے والا، خلوت میں بھی اپنے رب کی اطاعت کرنے والا اور لوگوں میں چھپا رہنے والا ہے اور اس کی طرف انگلیوں سے اشارے بھی نہ کئے جائیں، اس کا رزق بقدرِ کفایت ہو اور وہ اسی پر صبر کرتا ہو پھر نبی ﷺ نے ہاتھ جھاڑنے کی مثل ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا اور فرمایا اس کی موت جلدی آئے، اس پر رونے والیاں کم ہوں اور اس کی میراث بھی کم ہو۔

③ خط کشیدہ جملے کی تشریح:۔ آپ ﷺ نے ہاتھ جھاڑنے کی مثل ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا یعنی کسی کام کے آناً فاناً ختم ہونے کی مثل ہاتھ جھاڑتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس کی موت بھی جلدی آئے کہ لوگوں کو پتہ ہی نہ ہو، جس کی وجہ سے اس پر رونے والیاں بھی کم ہوں اور اس کی میراث وترکہ کم ہونے کی وجہ سے اس میں کوئی جھگڑا بھی نہ ہو تو ایسا شخص قابلِ رشک ہے کہ اس کو دنیا کے تمام بکھیڑوں سے جلد نجات مل گئی اور وہ مامون و مصون رہ کر اپنے پروردگار کے پاس پہنچ گیا۔ (دروس ترمذی)

**الشق الثانی** ......**عن سھل بن سعد انّہ قِیل لہ اَکَلَ رسولُ اللّٰہِ ﷺ اَلنَّقِیَّ یعنِی الْحُوَّارٰی فَقَالَ سھلٌ مَا رَأٰی رسولُ اللّٰهِ ﷺ اَلنَّقِیَّ حتّٰی لَقِیَ اللّٰہ فَقِیْلَ لہٗ ھَلْ کانت لَکُمْ مَنَاخِلُ عَلٰی عَھْدِ رسول اللّٰہِ ﷺ قَالَ مَا کَانَتْ لَنَا مَنَاخِلُ قِیْلَ فَکَیْفَ کُنْتُمْ تَصْنَعُوْنَ بِالشَّعِیرِ قال کُنَّا نَنْفُخُهٗ فَیَطِیْرُ مِنْهُ مَا طَارَ ثُمَّ نُثَرِّیْهِ فَنَعْجِنُهٗ۔**

**سَمِعْتُ سَعْدَ بنَ ابی وقاص یقولُ اِنِّی لَاَوَّلُ رَجُلٍ اَهْرَاقَ دَمًا فِیْ سبیلِ اللّٰہِ و اِنِّی لَاَوَّلُ رجلٍ رَمٰی بِسَهْمٍ فِیْ سبیلِ اللّٰہِ ولقد رَاَیْتُنَا نَغْزُوْ مَعَ رسولِ اللّٰہِ ﷺ وَ مَا لنا طَعَامٌ اِلَّا الْحُبْلَةُ وھٰذا السَّمُرُ حَتّٰی اِنَّ اَحَدَنَا لَیَضَعُ کَمَا تَضَعُ الشَّاۃُ ثُمَّ اَصْبَحَتْ بَنُوْ اَسَدٍ یُعَزِّرُوْنِیْ فی الدِّیْنِ لَقَدْ خِبْتُ اِذًا وضَلَّ عَمَلِیْ ۔**

اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔خط کشیدہ عبارت میں جس واقعہ کی طرف اشارہ ہے وہ مختصراً لکھیں۔(**باب ماجاء فی معیشة النبی ﷺ**)

﴿خلاصہ سوال﴾......اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں: ① احادیث پر اعراب ② احادیث کا ترجمہ ③ مشارالیہ واقعہ کی وضاحت۔

**جواب** ...... ① احادیث پر اعراب:۔ **کما مرّ فی السوال آنفا۔**

② **احادیث کا ترجمہ:۔** حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا کیا نبی ﷺ نے کبھی میدہ کھایا؟ حضرت سہل نے جواب دیا کہ آپ ﷺ نے زندگی بھر میدہ نہیں دیکھا، پھر پوچھا گیا کیا عہد نبوی میں آپ لوگوں کے پاس چھلنیاں ہوا کرتی تھیں؟ آپ نے فرمایا نہیں، عرض کیا گیا تو پھر جو کے آٹے کو کس طرح چھانتے تھے انہوں نے فرمایا ہم اسے پھونک مارتے جو اُڑنا ہوتا وہ اُڑ جاتا پھر باقی میں پانی ڈال کر گوندھ لیتے۔

حضرت سعد بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں پہلا عرب ہوں جس نے اللہ تعالی کے راستے میں تیر پھینکا مجھے یاد ہے کہ ہم لوگ نبی ﷺ کے ساتھ جہاد کر رہے تھے ہمارے پاس کھانے کے لئے خاردار درختوں کے پتوں اور جھاڑیوں کے سوا کچھ نہ ہوتا تھا یہاں تک کہ ہمارا پاخانہ بکریوں کی مینگنیوں کی طرح ہوتا لیکن اب بنو اسد نے مجھے دین کی وجہ سے ملامت کرنی شروع کر دی تو میں سوچنے پر مجبور ہو گیا ہوں کہ اگر ایسا ہی ہے تو میں تو برباد ہو گیا اور میری نیکیاں ضائع ہو گئیں۔

③ **مشارالیہ واقعہ کی وضاحت:۔** حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں اپنے کارنامے اور اپنی مساعی جمیلہ اور قدیم الاسلام ہونا بیان کیا ہے۔اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کوفہ کے امیر تھے،کوفہ کے کچھ لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کی بہت سی شکایات کیں حتی کہ یہ بھی شکایت کی کہ یہ نماز تک بھی اچھی طرح سے نہیں پڑھتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انکو بلوایا اور فرمایا کہ لوگ تمہاری بہت سی شکایات کرتے ہیں حتی کہ نماز تک کی بھی شکایت کرتے ہیں۔اس پر انہوں نے اپنی صفائی میں اپنا قدیم الاسلام ہونا اسلام کے بارے میں مشقتوں کا برداشت کرنا وغیرہ بیان کر کے عرض کیا کہ یہ لوگ مجھے نماز پر دھمکیاں دیتے ہیں میں نے جس طرح حضور اقدس ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا میں اس سے ذرا بھی کوتاہی نہیں کرتا، اگر میری دین سے ناواقفیت کا یہی حال ہے جیسا یہ لوگ بتاتے ہیں تو **خسر الدنیا والاخرۃ** دنیا اس تنگی وعسرت میں گئی اور دین کی یہ حالت کہ نماز سے بھی واقفیت نہ ہوئی۔اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ کوفہ میں دو آدمی بھیجے کہ وہ وہاں گشت کر کے ان سے متعلقہ شکایات کی تحقیق کریں۔انہوں نے کوفہ کی کوئی مسجد نہیں چھوڑی جس میں جا کر نمازیوں سے حالات کی تحقیق نہ کی ہو،سب نے ان کی تعریف کی البتہ ایک شخص نے کہا کہ اگر قسم دیکر پوچھتے ہو تو سچ یہ ہیکہ سعد جہاد کیلئے نہیں نکلتے گویا اپنی جان پیاری ہے۔ نیز یہ تقسیم میں مساوات اور برابری نہیں کرتے اور فیصلہ میں انصاف نہیں کرتے۔حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس نے تین شکایات کی ہیں اسلئے ہر ایک کے مناسب تین بددعائیں کرتا ہوں، اے اللہ اگر یہ شخص جھوٹا ہے محض شہرت اور دنیا کو دکھلانے کی غرض سے کھڑا ہوا ہے کہ بڑے آدمی پر تنقید کرنے سے شہرت ہوا کرتی ہے تو اسکی عمر بڑھا دے، فقر میں اضافہ کر اور فتنوں میں مبتلا فرما، اسکے بعد دیکھنے والا اپنا مشاہدہ بیان کرتا ہے کہ میں نے اس شخص کو دیکھا کہ بڑھاپے کی وجہ سے پلکیں آنکھوں پر گر گئی تھیں، فقیر ہو گیا تھا، گلی کوچوں میں لڑکیوں کو چھیڑتا تھا، کوئی پوچھتا کہ یہ کیا ہوا؟ تو کہتا کہ سعد کی بددعا لگ گئی (**اللھم انا نعوذبك من غضبك و غضب اولیاء ك**)۔(خصائل نبوی:۳۵۴)

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۴ھ

**الشق الاوّل** ......**سَمِعْتُ بُرَیْدَۃَ یقولُ خَرَجَ رسولُ اللّٰہِ ﷺ فِیْ بعضِ مَغَازِیْهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ جَائَتْ جَارِیَۃٌ سَوْدَاءُ فَقَالَتْ یا رسولَ اللّٰہِ اِنِّی کُنْتُ نَذَرْتُ اِنْ رَدَّكَ اللّٰہُ سالِمًا اَنْ اَضْرِبَ بَیْنَ یَدَیْكَ بِالدُّفِّ و**

**اَتَغَنّٰی فقال لها رسولُ اللّٰهِ ﷺ اِنْ كُنْتِ نَذَرْتِ فَاضْرِبِیْ وإلّا فَلَا فَجَعَلَتْ تَضْرِبُ فَدَخَلَ ابو بكرٍ وهي تَضْرِبُ ثُمَّ دخل عَلِیٌّ وهِیَ تضرب ثم دخل عثمانُ وهي تضرب ثم دخل عمرُ فَاَلْقَتِ الدُّفَّ تَحْتَ اِسْتِهَا ثم قَعَدَتْ عليهِ فقال رسولُ اللّٰهِ ﷺ اِنّ الشيطانَ لَيَخَافُ مِنْكَ يَا عُمَرُ۔**

حدیث کا ترجمہ کیجیے۔کیا دف بجانا اور گانا گانا درست ہے؟ مدلل جواب دیجیے۔جاریہ کا عمل اگر شیطانی تھا تو حضور ﷺ نے اسے کیسے برداشت کیا؟ اور اگر نہیں تھا تو حضرت عمرؓ کے آنے پر اس نے یہ عمل کیوں موقوف کیا؟

﴿ خلاصۂ سوال ﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② دُف بجانے اور گانا گانے کا حکم مع دلیل ③ جاریہ کے عمل کی وضاحت۔

**جواب**...... ① **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ کسی جہاد سے واپس تشریف لائے تو ایک سیاہ فام باندی حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو صحیح سلامت واپس لائے تو میں آپ کے سامنے دُف بجاؤں گی اور گانا گاؤں گی۔آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم نے نذر مانی تھی تو اس کو پورا کرو، ورنہ نہیں۔اس نے دُف بجانا شروع کیا تو ابوبکر ؓ آگئے وہ بجاتی رہی پھر علی اور عثمان ؓ کے آنے پر بھی وہ دف بجاتی رہی لیکن اس کے بعد عمر ؓ داخل ہوئے تو وہ دف نیچے رکھ کر اس پر بیٹھ گئی آپ ﷺ نے فرمایا اے عمر! تم سے شیطان بھی ڈرتا ہے۔

② **دُف بجانے اور گانا گانے کا حکم مع دلیل:۔** دف بجانا جائز نہیں ہے لیکن اس طرح کے مواقع پر جائز ہے جن میں شارع علیہ السلام کی اجازت منقول ہوئی ہے جیسے مذکورہ نوعیت کی نذر پوری کرنا یا نکاح کا اعلان کرنا۔پس بعض علاقوں جیسے یمن کے بعض مشائخ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ حالتِ ذکر میں دف بجاتے تھے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جانا چاہیے۔ان کا وہ فعل حدیث کے بالکل معارض تھا۔ملا علی قاریؒ نے اس حدیث کے جملہ ’’اور گاؤں گی‘‘ کے تحت جو لکھا ہے اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عورت کا ایسا گانا یا ترانہ سننا کہ جو نہ ساز کے ساتھ ہو، نہ فحش اور غیر اخلاقی مضامین پر مشتمل ہو اور اس سے کسی چھوٹی یا بڑی برائی میں مبتلا ہونے کا خدشہ بھی نہ ہو تو یہ جائز ہے۔اسی طرح بعض حضرات نے عرسوں اور عید وغیرہ جیسی تقریبات اور خوشی و مسرت کے مواقع پر اس کو جائز و مختار کہا ہے۔لیکن یہ بات فقہ حنفی کی روایتوں کے خلاف ہے کیونکہ بحسب ظاہر روایت فقہاء مطلق راگ (گانا) حرام ہے جیسا کہ درمختار اور بحرالرائق وغیرہ میں لکھا ہے بلکہ ہدایہ میں تو اس کو گناہ کبیرہ لکھا ہے اگرچہ وہ راگ محض اپنا دل خوش کرنے کیلئے ہو۔ان فقہاء کے نزدیک جواز کی حدیثیں منسوخ ہیں۔(مشکوۃ مترجم)

③ **جاریہ کے عمل کی وضاحت:۔** اس لونڈی نے آپ ﷺ کے سامنے دف بجانے کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے اجازت دیدی پھر اس نے دف بجانا شروع کیا تو آپ ﷺ خاموش رہے۔نہ پسندیدگی کا اظہار کیا اور نہ ناگواری کا۔گویا وہ صورت رہی جس کو اصطلاحِ حدیث میں تقریر کہا جاتا ہے اور یہی صورت حضرت ابوبکر، حضرت علی و عثمان ؓ کے آنے پر رہی لیکن جب حضرت عمر آئے تو اس لونڈی نے دف بجانا بند کر دیا اور آخر میں آپ ﷺ نے اس کو شیطان سے تعبیر کیا، آخر ایسا کیوں؟

علماء نے لکھا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ سفرِ جہاد کو نکلے تو اس لونڈی نے انتہائی عقیدت و محبت کے تحت آپ ﷺ کی فتح و سلامتی کی دعا مانگی، جب آپ ﷺ فتح و سلامتی کے ساتھ واپس آئے تو اس لونڈی نے عافیت کے ساتھ اس مراجعت کو اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت سمجھا جو اس کے نزدیک یقیناً شکر گزاری کا موجب بھی تھی اور اظہار خوشی و مسرت کی متقاضی بھی۔اسی بنا پر آنحضرت ﷺ نے اس کو نذر پوری کرنے کی اجازت دیدی۔پس اس کے ایک اچھی نیت اور اچھے جذبے پر مبنی ہونے کی وجہ سے اور آنحضرت ﷺ کی مخصوص اجازت کے تحت یہ دف بجانا ’’لہو‘‘ کے حکم سے نکل کر حقانیت کے حکم میں اور کراہیت کی صورت سے نکل کر استحباب کی صورت میں داخل ہو گیا۔لیکن یہ اس پر منحصر تھا کہ یہ عمل (دف بجانا) بہت محدود وقت اور اتنی کم سے کم حد تک رہتا جس سے ایفاءِ نذر کا مقصد پورا ہو جاتا۔مگر جب اس لونڈی نے دف بجانا شروع کیا تو اتنی منہمک ہوئی کہ اس حد سے گذر گئی اور اس کا یہ عمل کراہت کے دائرہ میں داخل ہو گیا اور اتفاق سے جس وقت وہ حد سے متجاوز ہوئی عین اسی وقت حضرت عمر آ گئے، پس

0313 9597913 maktabazakariyakhan@gmail.com

آنحضرت ﷺ نے مذکورہ الفاظ ارشاد فرمائے جن میں اس طرف اشارہ تھا کہ یہ کام بس اتنا ہی جائز ہے جتنے کی اجازت دی گئی ہے اس سے زیادہ ممنوع ہے اور بلاضرورت بجانا یعنی محض تفریح اور شوق کی خاطر تو اس کی بالکل اجازت نہیں ہے۔

ایک توجیہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ دراصل حضرت عمر اس مباح چیز کو بھی پسند نہیں کرتے تھے جو برائی کے مشابہ ہو اگرچہ کسی جہت سے اس میں اچھائی ہی کیوں نہ ہو۔ اس کی تائید متعدد روایتوں سے ہوتی ہے جن کو صاحبِ مرقاۃ نے نقل کیا ہے۔ پس دف کے مسئلہ میں اگرچہ ضرورت کے تحت جواز کی گنجائش نکلتی ہے، اسی لئے آنحضرت ﷺ نے اس لونڈی کو اجازت دی کہ وہ اپنی نذر پوری کرنے کیلئے دف بجالے مگر دف بجانا بہر حال ایک ممنوع چیز (باجا بجانے) کی صورت رکھتا ہے اسلئے حضرت عمر اس کو کیسے گوارا کر لیتے؟ یہی بات جانتے ہوئے اس لونڈی نے حضرت عمر کو آتا دیکھ کر نہ صرف یہ کہ دف بجانا روک دیا بلکہ اس دف کو ان کی نظروں سے چھپالیا اور آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر کی اسی خصوصیت کے پیشِ نظر مذکورہ الفاظ ارشاد فرمائے۔ (ایضا)

**الشق الثانی**......عن عمرو بن غالب انّ رجلا نالَ من عائشةَ عند عمّار بن یاسر فقال اَغْرِبْ مَقْبُوْحًا مَنْبُوْحًا اَ تُؤذِیْ حبیبةَ رسولِ اللّٰه ﷺ۔

عن عائشةَ قالتْ ما حَسِدْتُ امرأةً ما حسدتُ خدیجةَ وما تزوّجنی رسول اللّٰهِ ﷺ اِلّا بَعْدَ ما مَاتَتْ وذٰلك انّ رسولَ اللّٰهِ ﷺ بَشَّرَهَا بِبَیْتٍ فی الجنّة مِنْ قَصَبٍ لَا صَخَبَ فیه ولا نَصَبَ۔

دونوں حدیثوں کا سلیس ترجمہ کیجیے۔ خط کشیدہ کلمات کی لغوی تحقیق کیجیے۔ حضرت خدیجہ، حضرت عائشہ، حضرت فاطمہ اور حضرت مریم کے بارے میں بتائیں کہ ان میں سے افضل کون ہیں؟ وضاحت سے لکھیں۔ (ابواب المناقب۔ من فضل عائشةؓ)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① احادیث کا ترجمہ ② خط کشیدہ کلمات کی لغوی تحقیق ③ حضرت خدیجہ، عائشہ، فاطمہ رضی اللہ عنہن و مریم علیہا السلام میں سے افضل کون؟

**جواب**...... ① احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت عمرو بن غالب سے روایت ہے کہ حضرت عمار بن یاسر کی موجودگی میں کسی شخص نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کچھ کہا، انہوں نے فرمایا کہ مردود اور بدترین آدمی دفع ہو جاؤ تم نبی اکرم ﷺ کی لاڈلی رفیقۂ حیات کو اذیت پہنچاتے ہو۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی پر اتنا رشک نہیں کیا۔ حالانکہ میرا نکاح آپ ﷺ سے ان کی وفات کے بعد ہوا لیکن نبی اکرم ﷺ نے انہیں جنت میں ایسے گھر کی بشارت دی جو موتی سے بنا ہوا ہے، نہ اس میں شور و غل ہے، نہ ایذاء و تکلیف ہے۔

② خط کشیدہ کلمات کی لغوی تحقیق:۔ اَغْرِبْ: یہ اِغْرَابٌ (افعال) مصدر سے امر حاضر کا صیغہ ہے بمعنی ہٹانا و دور کرنا۔

مَقْبُوْحًا: یہ قَبْحًا قُبُوْحًا (فتح) مصدر سے اسم مفعول کا صیغہ ہے بمعنی افعالِ خیر سے محروم کرنا۔ بھلائی سے دور رکھنا۔

مَنْبُوْحًا: یہ نَبْحًا نُبُوْحًا (فتح و ضرب) مصدر سے اسم مفعول کا صیغہ ہے بمعنی بھونکنا۔

قَصَبٌ: ہر وہ نبات و درخت جس کا تنا پتلا، کھوکھلا اور گانٹھ دار ہو جیسے بانس، سرکنڈا، نرکل وغیرہ۔ یاقوت سے مرصّع۔

صَخَبَ: شور و غل، ہنگامہ۔ نَصَب: تھکان، دکھ، درد وغیرہ۔

③ حضرت خدیجہؓ، عائشہؓ، فاطمہؓ و مریمؑ میں سے افضل کون:۔ کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الثالث ۱۴۴۰ھ

## ﴿الورقة الخامسة فی الحدیث (ترمذی-۲)﴾

0313 63579... gmail.com

### ﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۴۵ھ

**الشق الاوّل**......عن ابن عباس انّه قال أُكِلَ الضبُّ علٰی مائدة رسول اللّٰه ﷺ و انّما تركه رسولُ اللّٰه ﷺ تقذرا۔ عن محمد بن اسحٰق عن ابن ابی نجیح عن مجاهد عن ابن عمرؓ قال: نهٰی رسولُ اللّٰهِ ﷺ عن اكلِ الجلالةِ و البانها۔ وروی الثوریُّ عن ابن ابی نجیح عن مجاهد عن النبیِّ ﷺ مرسلا۔ عن عكرمة عن ابن عباس ان النبیَّ ﷺ نهٰی عن المجثمة ولبن الجلالة وعن الشرب من فی السقاء۔

احادیث مبارکہ کا ترجمہ کیجئے۔تشریح کیجئے۔اکلِ ضب، جلالہ اور مجثمہ کا حکم بیان کیجئے۔(باب ماجاء فی اکل لحوم الجلالہ)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل تین امور ہیں: ① احادیث کا ترجمہ ② احادیث کی تشریح ③ اکلِ ضب، جلالہ ومجثمہ کا حکم۔

**جواب** ...... ① **احادیث کا ترجمہ:۔** حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کے دسترخوان پر گوہ کھائی گئی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے کراہت وناپسندیدگی کی وجہ سے اس کو ترک کردیا۔حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پاخانہ وگندگی کھانے والے جانور کا گوشت کھانے اور اس کا دودھ پینے سے منع فرمایا۔حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ایسا جانور کھانے سے منع فرمایا جس کو باندھ کر تیر وغیرہ سے نشانہ بنایا گیا ہو، جلالہ کا دودھ پینے سے اور مشکیزہ کو منہ لگا کر پانی پینے سے بھی منع فرمایا۔

② **احادیث کی تشریح:۔** ترجمہ سے تشریح واضح ہے۔مزید تفصیل مابعد والے امر میں حکم کے ضمن میں موجود ہے۔

③ **اکلِ ضب، جلالہ ومجثمہ کا حکم:۔ اکلِ ضب: کما مرّ فی الشق الاول من السوال الثانی ١٤٣٢ھ۔**

جلالہ: امام مالک، لیث بن سعد، حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ جلالہ جانور کا گوشت، دودھ وغیرہ استعمال کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ حافظ ابن حجر نے اکثر شافعیہ سے مطلقاً کراہت تنزیہ کا قول نقل کیا ہے۔مگر جمہور علماء احناف نیز شافعیہ کی جماعت امام الحرمین، قفال، ابواسحاق مروزی، علامہ بغوی اور علامہ غزالیؒ نے کراہت تحریمی کا قول فرمایا ہے۔یہی حنابلہ کا قول ہے اور علامہ ابن دقیق العید نے اسی کو راجح وصحیح قرار دیا ہے۔نیز جلالہ کے انڈے کو بھی جلالہ کے گوشت کے ساتھ لاحق کرتے ہوئے مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔

حضرات فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر جلالہ کو محبوس رکھا جائے کہ اس کا منہ نجاست تک نہ پہنچ پائے یا اس کو پاک غذا کھلائی جائے یہاں تک کہ اس کی بو زائل ہو جائے تو اس کا کھانا جائز ہے۔البتہ مدتِ حبس کے بارے میں اختلاف ہے: امام ابوحنیفہؒ سے اس بارے میں توقف مروی ہے۔علامہ سرخسیؒ نے فرمایا کہ اس کے واسطے کوئی مدت متعین نہیں ہے۔حضرت گنگوہیؒ نے بھی یہی فرمایا ہے۔نیز فرمایا کہ اصل نجاست کے اثر کا زوال ہے وہ جب بھی متحقق ہو جائے۔تجنیس میں لکھا ہے کہ مرغی کو تین دن، بکری کو چار دن، اونٹ وبیل کو دس دن محبوس رکھا جائے، وھو المختار علی الظاہر۔بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اونٹ وگائے کو چالیس دن، بکری کو سات دن اور مرغی کو تین دن محبوس رکھا جائے۔وھو المختار فی التھذیب والتحریر۔

مجثمہ: وہ جانور جس کو محبوس کر دیا جائے یا باندھ دیا جائے، پھر تیر یا بندوق وغیرہ سے نشانہ باندھ کر اس کو مارا جائے۔اس طرح محبوس یا مربوط کر کے نشانہ بنانا بُرا فعل ہے، اس میں جانور کو سخت تکلیف ہوتی ہے حتیٰ کہ موت کے قریب ہو جاتا ہے۔جانور کو اس طرح نشانہ بنا کر مارنا جائز نہیں اور نہ اس کا کھانا جائز ہے کیونکہ وہ موقوذہ میں داخل ہے جس کی حرمت منصوص ہے۔البتہ اگر اس طرح تیر وغیرہ مارنے سے وہ جانور نہیں مرا اور پھر اس کو باقاعدہ بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا گیا تو اس کا کھانا جائز ہے۔(دروس ترمذی)

**الشق الثانی** ...... **عَنْ اَبِیْ سعیدٍ روایۃً: اَنَّہٗ نَھٰی عَنِ اخْتِنَاثِ الْاَسْقِیَۃِ۔ عن کَبْشَۃَ قالت: دَخَلَ عَلَیَّ رسولُ اللّٰہِ ﷺ فَشَرِبَ مِنْ فِیْ قِرْبَۃٍ مُعَلَّقَۃٍ قَائِمًا فَقُمْتُ اِلٰی فِیْھَا فَقَطَعْتُہٗ۔ عَنْ عِیْسَی بْنِ عبدِاللّٰہِ بْنِ اُنَیْسٍ عَنْ اَبِیْہِ قال: رَأَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ قَامَ اِلٰی قِرْبَۃٍ مُعَلَّقَۃٍ فَخَنَثَھَا ثُمَّ شَرِبَ مِنْ فِیْھَا۔**

اعراب لگا کر ترجمہ کیجئے۔اختناث سے نہی کی حکمت بیان کرتے ہوئے روایاتِ اباحت ونہی میں تطبیق دیجئے۔کھڑے ہو کر پانی پینے کا حکم بیان کیجئے۔صحابیہ کے مشکیزے کا منہ کاٹنے کی وجہ تحریر کیجئے۔**(باب ماجاء فی النھی عن اختناث الاسقیۃ)**

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا خلاصہ درج ذیل امور ہیں: ① احادیث پر اعراب ② احادیث کا ترجمہ ③ اختناث سے نہی کی حکمت وروایاتِ اباحت ونہی میں تطبیق ④ کھڑے ہو کر پانی پینے کا حکم ⑤ صحابیہ کے مشکیزے کا منہ کاٹنے کی وجہ۔

**جواب** ...... ① **احادیث پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔**

② **احادیث کا ترجمہ:۔** حضرت ابوسعیدؓ سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ نے مشکیزوں کا منہ الٹ کر ان سے پانی پینے سے منع فرمایا۔
حضرت کبشہ ؓ کہتی ہیں کہ آپ ﷺ میرے پاس تشریف لائے پس آپ ﷺ نے لٹکے ہوئے مشکیزے سے کھڑے ہو کر پانی پیا پس میں کھڑی ہوئی اس کے منہ کی طرف اور میں نے اس حصہ کو (بطور تبرک وادب) کاٹ لیا۔

حضرت عبداللہ بن انیسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ لٹکے ہوئے مشکیزہ کی طرف کھڑے ہوئے پس اس کو جھکایا پھر اس کے منہ سے پانی پیا۔

③ اختناث سے نہی کی حکمت وروایاتِ اباحت ونہی میں تطبیق:۔ مشکیزہ کو منہ لگا کر پانی پینے کی ممانعت مختلف وجوہ کی بناء پر ہے جن میں سے بعض کا ذکر روایات میں ملتا ہے: ① ممکن ہے کہ پانی میں کوئی زہریلا جانور ہو وہ پانی کے ساتھ پیٹ میں چلا جائے جس سے نقصان کا اندیشہ ہے چنانچہ احمد بن حنبل، ابوبکر ابی شیبہ نے روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص نے اس طرح پانی پی لیا تو سانپ اس کے پیٹ میں چلا گیا تھا تو آپ ﷺ نے منہ لگا کر پانی پینے سے منع فرمادیا تھا، لہٰذا اس عمل کا تقاضا یہ ہے کہ اگر سارا پانی نظروں کے سامنے ہو تو پھر منہ لگا کر پانی پینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ② مشکیزے سے منہ لگا کر پانی پینے سے پانی خراب ہونے کا خطرہ ہے کہ اس پانی میں تعفن پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ پس پانی میں سانس لیتے ہوئے یا مشکیزے کی کھال کو منہ میں لے کر پانی پینا ممنوع ہے اور اگر مشکیزے کے منہ سے پانی منہ میں ڈالے تو ممانعت نہیں ہونی چاہیے کیونکہ ایسی صورت میں خراب ہونے کا خطرہ نہیں ہے۔ ③ مشکیزے کو منہ لگا کر پانی پینے سے مقدار سے زیادہ یک لخت پانی منہ میں آئے گا جس سے قدرِ حاجت سے زیادہ پانی ہونے کی وجہ سے پانی گلے میں اٹک جانے کا اندیشہ ہے کہ سانس بند ہو کر موت واقع ہوسکتی ہے۔ نیز قلب کے برابر والی رگوں کے کٹ جانے کا بھی خطرہ ہے جس سے ہلاکت ہوسکتی ہے۔ ④ ممکن ہے کہ مشکیزے کے منہ سے پانی اس قدر نکل جائے کہ بدن وکپڑے تر ہوجائیں تو ایسی صورت میں سردی وغیرہ کا اندیشہ ہے اور بیماری بھی ہوسکتی ہے۔ ⑤ جب مشکیزے سے منہ لگا کر پانی پیئے گا تو منہ کے لعاب اور سانس کے بخارات سے اس مشکیزہ کا منہ خراب ہوجائے گا، دوسرا آدمی اس جگہ سے پیتے ہوئے گھن محسوس کرے گا۔ ⑥ شارب نے کوئی میٹھی چیز کھا کر منہ لگایا اور پانی پی لیا تو ظاہر ہے کہ مٹھاس کا اثر مشکیزہ کے منہ پر ہوجائے گا اور اس پر چپکاہٹ کی وجہ سے مختلف زہریلے کیڑے مکوڑے مکھیاں اس جگہ بیٹھیں گی جن سے گندگی بھی پیدا ہوگی اور جانور کے زہر کا اثر بھی ہوسکتا ہے اب اس کے بعد خود یا اور کوئی پانی پیئے گا تو نقصان کا قوی اندیشہ ہے۔ ⑦ اگر اس طرح بلاضرورت پینے کی اجازت دی جائے گی تو مشکیزہ کا منہ جلد ہی خراب ہوجائے گا۔ مقصودِ روایت یہ ہے کہ مشکیزے یا اسی طرح کا ایسا برتن جس کے اندر بھرا ہوا پانی دکھائی نہ دے رہا ہو اس سے منہ لگا کر پانی پینے سے منع ہے۔

مشکیزے کو منہ لگا کر پانی پینے کے بارے میں روایاتِ اباحت ونہی دونوں وارد ہیں۔ اسی وجہ سے علماء میں اختلاف ہے: مذکورہ وجوہات کی وجہ سے علامہ ابن حزم ظاہری تحریم کے قائل ہیں۔ ابن عربی وغیرہ فرماتے ہیں کہ مشکیزہ کے منہ سے پانی پینا مباح ہے خاص طور پر ضرورت کے وقت مثلاً کوئی دوسرا برتن پانی کیلئے نہیں ہے یا وقت کی کمی ہے کہ جنگ وغیرہ کا موقع ہے یا مشکیزہ بڑا ہے کہ اس سے دوسرے برتن میں پانی کا حصول مشکل ہے تو ایسی صورت میں منہ لگا کر پینے میں کوئی کراہت نہیں ہے البتہ احتیاط اسی میں ہے کہ دوسرے برتن میں پانی لیکر پیا جائے۔

الغرض احادیثِ نہی کا تعلق عام حالات کے ساتھ ہے اور احادیثِ اباحت کا تعلق ضرورت ومجبوری کے ساتھ ہے۔

④ کھڑے ہو کر پانی پینے کا حکم:۔ کھڑے ہو کر کھانے اور پینے کے بارے میں روایات مختلف وارد ہوئی ہیں کہ بعض میں آپ ﷺ سے نہی مروی ہے اور بعض میں اجازت ہے۔ (روایاتِ نہی: روایات الباب، روایتِ ابی سعید خدری اخرجہ احمد ومسلم، روایتِ انس اخرجہ ابوداؤد ومسلم، روایتِ ابی ہریرہ اخرجہ مسلم) ان سب روایات میں کھڑے ہو کر کھانے اور پینے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔

روایاتِ رخصت واباحت: روایت ابن عمر وابن عباس اخرجہ الترمذی، روایت علی اخرجہ احمد وبخاری، روایتِ سعد اخرجہ الترمذی، روایتِ عبداللہ بن عمرو اخرجہ الترمذی، روایتِ عائشہ وانس اخرجہ البزار، روایتِ عبداللہ بن انیس اخرجہ الطبرانی، روایتِ ام سلیم اخرجہ ابن شاہین، روایتِ عبداللہ بن ثابت اخرجہ ابن ابی حاتم، روایتِ عائشہ اخرجہ الترمذی، روایتِ کلثم اخرجہ ابوموسیٰ بسند حسن، ثبت الشرب قائماً عن عمر اخرجہ الطبرانی، ان عمر وعثمان وعلی کانوا یشربون قیاما کذا فی المؤطا۔ مذکورہ روایات کے اختلاف کی بناء پر علماء کے درمیان اختلاف ہوگیا کہ کھڑے ہو کر کھانا پینا کیسا ہے؟ جمہور علماءؒ کے نزدیک جائز ہے مگر خلافِ اولیٰ اور مکروہ تنزیہی ہے۔ جبکہ ایک جماعت مکروہ تحریمی قرار دیتی ہے۔

شراح حدیث نے آپ ﷺ سے نقل کردہ روایات مختلفہ کے بارے میں متعدد توجیہات کی ہیں: ① ترجیح یعنی احادیثِ جواز احادیثِ نہی کے مقابلہ میں راجح ہیں یہ ابوبکر بن اثرم کا قول ہے۔ ② نسخ یعنی احادیثِ نہی احادیثِ جواز سے منسوخ ہیں۔ قرینہ عملِ خلفاراشدین، معظم صحابہ والتابعین ہے۔ ابن شاہین اور اثرم کا میلان یہی ہے مگر علامہ ابن حزم نے احادیثِ جواز کو احادیثِ نہی سے منسوخ قرار دیا ہے۔ ③ تاویل یعنی دونوں طرح کی روایات کے درمیان کسی تاویل کے ذریعہ جمع کر دیا جائے۔ چنانچہ ابوالفرج الثقفی کہتے ہیں کہ روایت میں قیام سے مراد مشی ہے یعنی چلتے پھرتے کھانا پینا منع ہے۔ ④ امام طحاوی کہتے ہیں کہ روایاتِ نہی کا محمل وہ شخص ہے جو پینے کے وقت بسم اللہ نہ پڑھے یعنی اگر کوئی شخص کھڑے ہو کر پیئے اور بسم اللہ نہ پڑھے تو یہ ممنوع ہے۔ لیکن اگر بسم اللہ پڑھتے ہوئے پیئے گا تو بسم اللہ کی برکت سے کوئی نقصان نہ ہوگا۔ ⑤ احادیث نہی کا محمل کراہتِ تنزیہ ہے اور احادیثِ جواز کا محمل بیانِ جواز ہے۔ اکثر علماء وشراحِ حدیث خطابی، ابن بطال، اثرم، طبری وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے اور فرمایا کہ اس صورت میں کوئی اعتراض واقع نہیں ہوتا ہے۔ ⑥ ممانعت کی روایات کا محمل طبی ہے یعنی کھڑے ہو کر پانی پینے میں ضرر کا اندیشہ ہے کہیں کلیجہ اور حلق میں تکلیف نہ ہو جائے اسکے برخلاف بیٹھ کر پینے میں اس طرح کا کوئی اندیشہ نہیں، چنانچہ علماء نے کھڑے ہو کر پانی پینے کے بارے میں فرمایا کہ اس سے مکمل سیرابی بھی نہیں ہوتی اور پانی معدہ میں اچھی طرح نہیں ٹھہرتا کہ بعض اعضاء تک بسہولت پہنچ سکے۔ نیز جب ایک دم سے معدہ میں پانی جائے گا تو معدہ کی حرارت میں بھڑکاؤ پیدا کرے گا جس سے نقصان کا اندیشہ ہے جس طرح کسی گرم لوہے وغیرہ پر پانی ڈالدیا جائے تو ایک دم پانی گرنے سے اس میں بھاپ پیدا ہوجاتا ہے، ہاں البتہ کبھی اتفاقاً اگر پی لیا جائے یا کسی کی عادت نہ بن جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ ⑦ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ دراصل روایاتِ جواز کا محمل ماءِ زمزم ہے کہ اس کو کھڑے ہو کر پینا مناسب ہے اور نہی کی روایات کا محمل عام پانی ہے۔ مگر اس پر اشکال ہے کیونکہ آپ ﷺ سے ماءِ زمزم کے علاوہ بھی کھڑے ہو کر پانی پینا ثابت ہے۔ (دروس ترمذی ۱:۱۵۰)

⑤ صحابیہ کے مشکیزے کا منہ کاٹنے کی وجہ:۔ حضرت کبشہؓ نے مشکیزہ کے منہ کو اسلئے کاٹا تاکہ آپ ﷺ کے منہ سے لگا ہوا مشکیزہ کا ٹکڑا انکے لئے تبرک کا ذریعہ بن جائے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ کبشہؓ نے اس وجہ سے مشکیزہ کا منہ کاٹا تاکہ آپ ﷺ کے بعد اس جگہ کوئی دوسرا شخص منہ نہ لگائے کہ اس میں بے ادبی معلوم ہوتی ہے۔ روایت سے معلوم ہوا کہ اکابر کے تبرکات کو رکھا جاسکتا ہے کہ وہ باعثِ برکت ہوتے ہیں جیسا کہ سلف کے ہاں معمول رہا ہے کہ اکابر کے ملبوسات وغیرہ کو بطورِ تبرک رکھتے آئے ہیں۔

## السوال الثانی ۱۴۴۵ھ

**الشق الاوّل** ...... حدثنا عبدُ اللّٰہ بنُ معاویۃَ الجمحی حدثنا صالح المری عن ہشام بن حسان عن محمد بن سیرین عن ابی ہریرۃ قال خرج علینا رسول اللّٰہ ﷺ ونحن نتنازع فِی القدرِ فغضِب حتی اِحمرّ وجھه حتی کانّما فقیٔ فِی وجنتیهِ الرُّمّانُ فقال اَبِھٰذا اُمِرتُم ام بِھٰذا اُرسِلتُ اِلیکم اِنّما ھلك مَن کان قبلکم حین تنازعوا فِی ھٰذا الامرِ عَزَمتُ علیکم ان لا تنازعوا فِیه۔ وفی الباب عن عمر وعائشۃ و انس وھٰذا حدیث غریب لا نعرفه الّا من ھٰذا الوجه من حدیث صالح المری، وصالح المری له غرائب یتفرد بھا لایتابع علیھا۔ (ابواب القدر۔ باب ماجاء من التشدید فی الخوص فی القدر)

ترجمہ کیجیے۔ تشریح کیجیے۔ امام ترمذی نے اس روایت کو غریب قرار دیا ہے، حسبِ کتاب اس کی وجہ بیان کیجیے۔

**جواب** ...... ① و ② ترجمہ وتشریح:۔ کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الثالث ۱۴۴۱ھ۔

③ روایت کو غریب قرار دینے کی وجہ:۔ اس روایت کی سند میں صالح بن بشیر المری واقع ہیں جو ضعیف راوی ہیں، امام ترمذی کے علاوہ اصحابِ ستہ میں سے کسی نے بھی ان کی روایت نقل نہیں کی ہے۔ یہ غریب روایات کے ناقل ہیں، جن کا کوئی متابع بھی موجود نہیں ہے۔ ان کا شمار ساتویں طبقہ کے رواۃ میں ہوتا ہے۔

**الشق الثانی** ...... عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَخْرُجُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ اَحْدَاثُ الْاَسْنَانِ سُفَھَاءُ الْاَحْلَامِ، یَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ، لَایُجَاوِزُ تَرَاقِیَھُمْ یَقُوْلُوْنَ مِنْ قَوْلِ خَیْرِالْبَرِیَّۃِ،

0313 6537915 maktabazakariyamultan@gmail.com

**يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ۔**

اعراب لگا کر ترجمہ کیجیے۔فرقہ خوارج کا تعارف وبنیادی عقائد بیان کر کے یہ بتائیں کہ یہ مسلمان ہیں یا نہیں؟

**جواب** ...... ① و ② اعراب وترجمہ:۔ **کما مرّ فی الشق الاول من السوال الثالث ۱۴۳۵ھ۔**

③ خوارج کا تعارف وبنیادی عقائد اور مسلمان ہونے کا حکم:۔ اسلام میں جو فتنے سب سے پہلے رونما ہوئے ان میں خوارج کا فتنہ بھی ہے،اس کے آثار حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد ہی سے ظاہر ہونے لگے تھے،مگر یہ فرقہ با قاعدہ جنگ صفین کے بعد منصۂ شہود پر آیا،صفین میں جب تحکیم کا واقعہ پیش آیا اور فریقین نے دو شخصوں کو حکم بنایا تو حضرت علیؓ کو خوارج ہی نے مجبور کیا تھا،ورنہ حضرت علی تو جنگ جیت چکے تھے،پھر جب نمائندہ نامزد کرنے کا وقت آیا تو حضرت علی حضرت ابن عباس کو نامزد کرنا چاہتے تھے مگر ان لوگوں نے حضرت علی کو مجبور کیا کہ حضرت ابوموسی اشعری کو نامزد کریں،پھر جب پنچایت نے فیصلہ سنایا اور وہ ان کی مرضی کے خلاف ہوا تو انھوں نے کہنا شروع کردیا: **اِنِ الحکمُ اِلّا لِلّٰہِ** (فیصلہ تو خدا ہی کا ہے۔پس اس حکم خداوندی کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے دونوں فریق کافر ہوگئے ہیں)۔وہ باغی جن کی تعداد دس بارہ ہزار تھی حروراء نامی گاؤں میں اکٹھے ہوگئے،حضرت علیؓ نے پہلے اتمام حجت کیا جب یہ لوگ کسی طرح نہ مانے تو ان سے جنگ کی اور ان کو تتر بتر کردیا۔ان کا نظریہ وعقائد آج بھی موجود ہیں،ان کا مشہور عقیدہ ہے کہ مرتکبِ کبیرہ کافر ہے،جب بھی امیر المؤمنین سنت کی خلاف ورزی کرے اسکے خلاف بغاوت فرض ہے۔حضرات عثمان،حضرت علی،حضرت معاویہ،حضرت طلحہ،حضرت زبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے وہ بیزاری کا اظہار کرتے ہیں اور ان کو کافر قرار دیتے ہیں۔(تحفۃ الالمعی ۵:۵۶۳)

خوارج کا شمار مسلمانوں میں ہی ہے،مگر یہ فرقہ دورِ اول کا مبتدع،فاسق،گمراہ وبڑا فتنہ تھا۔(دروس ترمذی ۳:۵۰۱)

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۵ھ

**الشق الاوّل** ......**اَنّ عبدَ اللّٰہِ بنَ الزبیرِ حدّثہ اَنّ رجلا مِنَ الانصارِ خَاصَمَ الزبیرَ فی شِرَاجِ الْحَرَّةِ التی یسقون بھا النخلَ فقال الانصاریُّ سَرِّحِ الْمَاۗءَ یمرّ فابٰی علیہ فاختصموا عند رسولِ اللّٰہ ﷺ فقال رسول اللّٰہ ﷺ للزبیرِ : اِسْقِ یا زبیرُ ثمّ اَرْسِلِ الْمَاۗءَ الی جارِكَ فَغَضِبَ الانصاریُّ فقال: یا رسولَ اللّٰہِ اَنْ کان ابنَ عمّتِكَ فتغیّرَ وجہُ رسولِ اللّٰہ ﷺ ثم قال:یا زبیرُ اسقِ وَاحْبِسِ الماءَ حتّی یرجع الی الجدار فقال الزبیرُ:واللّٰہ انّی لَاَحْسِبُ ھٰذہ الآیۃَ نزلت فی ذٰلك"فلا وربك لا یؤمنون حتّی یحکّموك فیما شجر بینھم"**

ترجمہ وتشریح کیجئے۔کیا آپ ﷺ کے کسی فیصلے پر اقرباء پروری کا اعتراض کرنے سے ایمان باقی رہتا ہے؟مدلل جواب دیجئے۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا خلاصہ درج ذیل امور ہیں:① حدیث کا ترجمہ ② حدیث کی تشریح ③ آپ ﷺ کے فیصلہ پر اقرباء پروری کا اعتراض کرنے سے ایمان باقی رہنے کا حکم۔ (باب ماجاء فی الرجلین یکون احدھما اسفل من الآخر فی الماء)

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے انہیں بتایا کہ ایک انصاری نے رسول اللہ ﷺ کے پاس حضرت زبیر سے پتھریلی زمین کی ان نالیوں کے بارے میں جھگڑا کیا جن کے ذریعے کھجوروں کو پانی دیا جاتا تھا،انصاری نے کہا پانی چلتا چھوڑ دیا جائے زبیرؓ نے انکار کیا پس وہ دونوں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش ہوئے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اے زبیر! تم اپنے کھیتوں کو پانی پلا کر اپنے پڑوسی کے کھیتوں میں چھوڑ دیا کرو،اس پر انصاری غصہ میں آ گئے اور کہنے لگے یہ آپ کے پھوپھی زاد بھائی ہیں اسلئے آپ نے ان کے حق میں فیصلہ دیا ہے،اس پر رسول اللہ ﷺ کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا،آپ ﷺ نے فرمایا اے زبیر! تم اپنے کھیتوں کو پانی دے کر پانی روک لو،یہاں تک کہ پانی منڈیر تک واپس چلا جائے،حضرت زبیر کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم میرے خیال میں یہ آیت اسی مسئلہ میں نازل ہوئی **"فلا وربك لا یؤمنون حتّی یحکّموك فیما شَجَرَ بینھم"** (آپ کے رب کی قسم ان کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوسکتا جب تک یہ اپنے جھگڑوں میں آپکے فیصلوں کو تہِ دل سے قبول نہ کرلیں)۔

② حدیث کی تشریح:۔ اس حدیث شریف کی تشریح علماء کرام نے دو طریقوں سے کی ہے:① جب قدرتی پانی اوپر سے آرہا ہو تو جس شخص کے پاس وہ پانی پہلے پہنچے شرعاً اس کو یہ حق ہے کہ وہ پہلے اس پانی کے ذریعہ اپنی زمین کو سیراب کرے اور پھر دوسرے کیلئے

چھوڑے۔ چنانچہ بعض علماء نے فرمایا کہ پہلے شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ نہ صرف اپنی ضرورت کے مطابق بلکہ منڈیروں تک پانی بھرلے، پھر اپنے پڑوسی کیلئے چھوڑے۔ شریعت کا اصل حکم ہی ہے۔ لیکن حضور اقدس ﷺ سے جب انصاری نے شکایت کی تو آپ ﷺ نے اس کی رعایت کی خاطر حضرت زبیرؓ سے فرمایا کہ تم اپنا تھوڑا سا حق چھوڑ دو، اسلئے تم جب اپنے باغ کو پانی دے چکو تو اپنے پڑوسی کیلئے پانی چھوڑ دو اور منڈیروں تک بھرنے کا انتظار مت کرو۔ لیکن جب اس انصاری نے اعتراض کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم نے تمہاری رعایت کی خاطر یہ حکم دیا تھا، اب وہ رعایت ختم ہوگئی لہٰذا آپ ﷺ نے حضرت زبیرؓ سے فرمایا کہ منڈیروں تک پانی بھرلو اور اس طرح اصل حکم کے مطابق فیصلہ فرمادیا۔ حضور ﷺ کا یہ حکم سزا کے طور پر تھا۔

② علامہ ماوردیؒ نے فرمایا کہ اصل حکم وہ ہے جو حضور اقدس ﷺ نے پہلی مرتبہ دیا کہ اوپر والا شخص اپنی ضرورت کے مطابق اپنے کھیت اور باغ کو سیراب کردے اور پھر اپنے پڑوسی کیلئے پانی چھوڑ دے، منڈیروں تک بھرنا اسکے حق میں داخل نہیں۔ لیکن جب اس انصاری نے حضور اقدس ﷺ کے فیصلے پر اعتراض کیا تو آپ ﷺ نے سزا کے طور پر حکم دیا کہ اب تمہارا جو حق ہے وہ تمہیں نہیں دیا جائے گا اور حضرت زبیرؓ سے فرمایا کہ تم اپنی منڈیروں تک پانی بھرلو، پھر پانی آگے چھوڑنا۔

③ **آپ ﷺ کے فیصلہ پر اقرباء پروری کا اعتراض کرنے سے ایمان باقی رہنے کا حکم:۔** عام طور پر لوگ مالی فیصلہ کو اپنے خلاف ہی سمجھتے ہیں اگرچہ ان صاحب کے دل میں یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ فیصلہ کرنے والے آنحضور ﷺ تھے اور ایسی بدگمانی موجب کفر ہے لیکن فطری وجبلّی حبِ مال کی وجہ سے ان کو غصہ آیا اور کہنے لگے کہ یہ آپ کے پھوپھی زاد ہیں۔ بخاری کتاب الصلح میں ہے **قد شهد بدرا** جن حضرات نے ان پر منافق ہونے کا اطلاق کیا ہے انہوں نے ان کے ظاہری کلام سے استدلال کیا ہے کہ **ان كان ابن عمتك** کے الفاظ مخلص مؤمن کی زبان پر جاری نہیں ہوسکتے۔

جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے یہ غزوہ بدر سے قبل کی بات ہو۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے جواب دیا کہ یہ ایک عرف اور محاورہ ہے لہٰذا اس سے ان کی تکفیر نہیں کی جاسکتی اور آنحضرت ﷺ کے غضب سے بھی ان صاحب کی تکفیر لازم نہیں ہوتی کیونکہ آپ ﷺ تو حضرت معاذؓ پر بھی غصہ ہوئے تھے جب انہوں نے قرات طویل کی تھی۔ لہٰذا یہ مطلب نہیں کہ آپ ﷺ نے ناحق فیصلہ کیا بلکہ آپ کو اس فیصلہ سے خوشی ہوگی کہ یہ آپ کے پھوپھی زاد ہیں۔ ابن العربیؒ فرماتے ہیں **انما اراد به ان كان ابن عمتك سرّك ان يكون الحق في نصيبه۔** یہ سبقت لسانی ہے جو غصہ کے وقت بلا سوچے سمجھے زبان پر جاری ہوا۔ (تشریحات ترمذی ۵:۲۷۶)

**الشق الثانی** ...... **عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ: قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا اَظَلَّتِ الْخَضْرَاءُ وَلَا اَقَلَّتِ الْغَبْرَاءُ مِنْ ذِیْ لَهْجَةٍ اَصْدَقَ وَلَا اَوْفٰی مِنْ اَبِیْ ذَرٍّ شِبْهِ عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ كَالْحَاسِدِ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَتَعْرِفُ ذٰلِكَ لَهٗ؟ قَالَ: نَعَمْ فَاعْرِفُوْهُ ـ (مناقب ابی ذر الغفاریؓ)**

اعراب لگا کر ترجمہ کیجئے۔ خط کشیدہ عبارت کا مطلب واضح کیجئے۔ حضرت ابوذرؓ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کس چیز میں تشبیہ دی گئی ہے؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا خلاصہ درج ذیل امور ہیں: ① حدیث پر اعراب ② حدیث کا ترجمہ ③ خط کشیدہ عبارت کا مطلب ④ حضرت ابوذرؓ کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ وجہ تشبیہ۔

**جواب** ...... ① **حدیث پر اعراب:۔** **كما مرّ في السوال آنفا۔**

② **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں سایہ فگن ہوا آسمان اور نہیں اٹھایا زمین نے کسی بھی بات کہنے والے کو ابوذر سے زیادہ سچے آدمی کو اور زیادہ وعدہ وفا کرنے والے کو (ابوذرؓ سے زیادہ سچا اور وعدہ پورا کرنے والا آدمی آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر کوئی پیدا ہی نہیں ہوا) وہ عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حسد کے طور پر کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ ان کیلئے یہ بات جانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، پس تم لوگ اس کو جان لو۔

③ **خط کشیدہ عبارت کا مطلب:۔** جملہ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوذرؓ سے حسد کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! ابوذر کی اس درجہ تک سچائی اور وعدہ وفائی کے متعلق آپ جانتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے عمر!

جی، میں تو جانتا ہی ہوں، تمہیں اس کا علم نہیں ہے، تم لوگ یہ جان لو۔

اس حدیث کا راوی عکرمہ بن عمار صدوق (معمولی ثقہ راوی) ہے اور وہ حدیثوں میں غلطی کرتا تھا اور اس کے پاس کتاب بھی نہیں تھی۔ پس اس نے جو حضرت عمرؓ کے حسد و جلنے کی بات کہی ہے وہ غیر معتبر ہے۔ بھلا حضرت عمر رسول اللہ ﷺ سے یہ بات کیسے کہہ سکتے ہیں کہ کیا آپ ان کے لئے یہ بات جانتے ہیں؟ کیا وہ آپ کو اللہ کا رسول نہیں مانتے تھے؟ (تحفۃ الالمعی ۸:۴۱۶)

④ __حضرت ابوذرؓ کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ وجہِ تشبیہ:__۔ ایک حدیث میں ہے کہ ابوذر زمین میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زہد کے ساتھ چلتے ہیں یعنی ابوذر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زہد کا نمونہ ہیں۔

ان الفاظ میں حضرت ابوذر کے کمال زہد و ورع کی طرف اشارہ ہے چنانچہ ان کے زہد اور دنیا سے ان کی بے تعلقی و بے رغبتی کا عالم یہ تھا کہ دنیا کی جائز و مباح لذتوں سے بھی اپنے آپ کو محروم رکھتے تھے، تنہائی کی بے کیف زندگی پر پوری طرح قانع و صابر تھے مال جمع کرنا ان کے نزدیک حرام تھا، چاہے وہ کتنے ہی جائز ذرائع سے حاصل کیا گیا ہو اور زکوۃ وغیرہ کتنی ہی پابندی و احتیاط سے ادا گئی ہو۔ حضرت ابوذر چونکہ کامل درویش اور تارک الدنیا تھے اور زہد و فقر پر سختی سے کاربند تھے اسلئے ان کا مسلک یہ تھا کہ روپیہ پیسہ اور مال و زر جمع کرنا و بچا کر رکھنا جائز نہیں ہے، اللہ تعالی جو کچھ دے سب اسی کی راہ میں خرچ کر دینا چاہئے۔ اس سلسلہ میں ان کے مزاج میں اتنی شدت تھی کہ دولت کے جواز میں کوئی بات سننا پسند نہیں کرتے تھے۔

صاحب استیعاب نے نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص حضرت عیسی علیہ السلام کے تواضع و انکسار کے دیکھنے کی خواہش وسعادت حاصل کرنا چاہتا ہو وہ ابوذر کو دیکھ لے۔ اس روایت میں آنحضرت ﷺ نے ابوذرؓ کی جس صفت کو حضرت عیسی کے مشابہ فرمایا ہے وہ تواضع و انکساری ہے۔ جس روای نے زہد کے الفاظ میں مشابہت کی توضیح کرنی چاہی ہے ان کے علم میں یہ حدیث نہیں تھی، جس کو صاحبِ استیعاب نے نقل کیا ہے، اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ زہد اور تواضع کے درمیان کوئی منافات نہیں یہ دونوں صفتیں ایک ساتھ ہو سکتی ہیں بلکہ جو شخص زاہد ہوگا وہ متواضع و منکسر المزاج بھی یقیناً ہوگا۔ (مشکوۃ مترجم)

**صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم**

مکتبہ زکریا
ملتان پاکستان
0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

تنظیم المدارس، کنزالمدارس، نظام المدارس، وفاق المدارس العربیہ اور دیگر بورڈز
کی کتابیں، داخلہ جات، امتحانی مسائل کے حل، گزشتہ پیپرز، اور دیگر اپڈیٹس حاصل
کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ وزٹ کریں۔

www.ahlesunnatboardspak.com

## Follow Our Social Media Account:

1. **Whatsapp Channel (https://whatsapp.com/channel/0029VaFmkdD0VycHbvDRY70I)**
2. **Youtube (https://youtube.com/@ahlesunnatboards)**
3. **Tiktok (https://www.tiktok.com/@ahlesunnatboardspak)**
4. **Facebook Page (https://www.facebook.com/ahlesunnatboardspak)**

# الورقة السادسة : ابوداؤد(اوّل)

## الورقة السادسة : ابوداؤد(اوّل)

## السوال الاوّل ۱۴۳۶ھ

**الشق الاوّل**......**جاء سهل بن ابى حثمة الى مجلسنا قال :امرنا رسول الله ﷺ اذا خرصتم فخذوا ودعوا الثلث فان لم تدعوا او تجدوا الثلث فدعوا الربع۔** (ص ۲۳۷۔ج۱۔رحمانیہ)

**ترجمى الحديث المبارك ۔ ماهو الخرص لغة واصلاحًا ۔ ما هوحكم الخرص عندالعلماء اذكرى بادلتهم ۔ اشرحى قوله "ودعواالثلث، فان لم تدعوا اوتجدوا الثلث فدعواالربع۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) خرص کا لغوی واصطلاحی معنیٰ (۳) خرص کا حکم مع الدلائل (۴) مذکورہ قول کی تشریح۔

**جواب**...... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ (حضرت عبدالرحمٰن بن مسعود کہتے ہیں کہ) حضرت سہل بن ابی حثمہ ہماری مجلس میں تشریف لائے اور فرمایا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ جب تم خرص کرلو تو پھل توڑلو یعنی مالک کو پھل توڑنے کی اجازت دیدو اور ثلث چھوڑ دو، پس اگر تم ثلث نہ چھوڑو یا ترکِ ثلث کو مناسب نہ سمجھو تو پھر ربع ہی چھوڑ دو۔

❷ خرص کا لغوی واصطلاحی معنیٰ:۔ خرص کا لغوی معنیٰ اندازہ لگانا ہے اور کتاب الزکوٰۃ کی اصطلاح میں اس کا مطلب یہ ہے کہ حاکم کھیتوں اور باغوں میں پھلوں کے پکنے سے پہلے ایک آدمی بھیجے جو یہ اندازہ لگائے کہ اس سال کتنی پیداوار ہورہی ہے۔خرص کا فائدہ یہ ہے کہ حکومت کو پہلے سے اندازہ ہوجائے کہ اس سال کتنی پیداوار ہونی ہے اور اس پر کتنا عشر واجب ہوگا نیز اس طرح مالکوں کے پیداوار کو چھپانے کا سدّ باب بھی ہوجاتا ہے۔

❸ خرص کا حکم مع الدلائل:۔ امام احمدؒ کے نزدیک خرص کا حکم یہ ہے کہ اندازہ سے جتنی پیداوار ثابت ہواتنی پیداوار کا عشر اسی وقت پہلے سے کٹے ہوئے پھلوں سے وصول کیا جاسکتا ہے لیکن امام شافعیؒ یہ فرماتے ہیں کہ محض اندازہ سے عشر نہیں وصول کیا جاسکتا بلکہ پھلوں کے پکنے کے بعد دوبارہ وزن کرکے حقیقی پیداوار معین کی جائے گی اور اس سے عشر وصول کیا جائے گا۔مالکیہ کا مسلک بھی شافعیہ کے مطابق ہے اور امام ابوحنیفہؒ سے اس بارے میں کوئی روایت مروی نہیں لیکن حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ قواعد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس بارے میں حنفیہ کا مسلک بھی شافعیہ کے مطابق ہے۔

امام احمدؒ کا استدلال حدیث باب میں **اذا خرصتم فخذوا** کے الفاظ سے ہے۔نیز اسی باب میں عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ان کا استدلال ہے **اِن النبى ﷺ قال فى زكوة الكروم انها تخرص كما يخرص النخل ثم تؤدى زكوته زبيبًا كما تؤدى زكوة النخل تمرًا۔**

جمہور کا استدلال ان احادیث سے ہے جن میں بیع مزابنہ سے منع کیا گیا ہے اور یہ احادیث صحیح اور تقریباً مشہور کے درجہ میں ہیں جبکہ اس باب کی بیشتر احادیث سنداً متکلم فیہ ہیں لہٰذا ان کی وجہ سے مزابنہ کی صحیح اور صریح احادیث کو نہیں چھوڑا جاسکتا بالخصوص جبکہ وہ ایک اصل کلی پر مشتمل ہوں۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

امام احمدؒ کے نزدیک اسکا مطلب یہ ہے کہ جب خرص کے ذریعہ عشر وصول کیا جارہا ہو تو اندازہ سے جتنی پیداوار ثابت ہوئی ہو عشر وصول کرتے وقت اس میں سے ایک تہائی یا ایک چوتھائی چھوڑ کر باقی کا عشر وصول کرنا چاہیے کیونکہ ایک تو اندازہ میں غلطی کا احتمال ہے دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ پھلوں کے پکتے پکتے کچھ مقدار خراب ہوجائے لہٰذا احتیاطاً ایک تہائی یا ایک چوتھائی چھوڑ کر باقی سے عشر وصول کیا جائیگا۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چونکہ پیداوار کی کوئی مقدار عشر سے مستثنیٰ نہیں لہٰذا ان کے نزدیک اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت پیداوار کا اندازہ لگایا جارہا ہو تو اندازہ لگانے میں حقیقی مقدار سے ایک تہائی یا ایک چوتھائی کم کا اندازہ لگانا چاہیے کیونکہ پھلوں

کے پکنے تک اتنی مقدار کے سوکھ جانے یا جھڑ جانے کا احتمال ہے۔

مالکیہ میں سے ایک جماعت کے نزدیک حدیث باب کے مذکورہ بالا جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ایک تہائی یا چوتھائی مقدار کے بارے میں مالک کو یہ اختیار ہے کہ وہ خود فقراء کو دے اور اس کیلئے یہ ضروری نہیں کہ وہ اس مقدار کو بھی بیت المال کے سپرد کردے۔

④ مذکورہ قول کی تشریح:۔ وَدَعُوا الثُّلُث اور خرص کے وقت ایک ثلث زکوٰۃ مالکِ باغ کے پاس چھوڑ دو، ابن عربی مالکی ثلث یا ربع کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ جب خرص کے بعد پھل پک جائیں اور عشر وصول کرنے کا وقت آجائے تو زمیندار یا کاشتکار نے جتنی مؤنت پیداوار کے لئے اٹھائی ہے اس کو مستثنیٰ کر کے باقی پر عشر لگایا جائے گا اور چونکہ اس دور میں مؤنت عموماً پیداوار کا ثلث یا ربع ہوتی تھی اس لئے اس مقدار کا ذکر کردیا گیا۔ صاحبین کے نزدیک مؤنت کی مقدار تو عشر سے مستثنیٰ نہیں ہوتی البتہ اتنی مقدار مستثنیٰ ہوتی ہے جتنی مالک اور اس کے اہل وعیال کے گزارہ کیلئے کافی ہو اور یہ مقدار چونکہ ثلث یا ربع کے مساوی ہوتی تھی اس لئے خاص طور پر ثلث یا ربع کا ذکر کردیا گیا ہے۔

**الشق الثانی** ......**عن ابنِ عباسٍ انّه قال یا زید بن ارقم! هل علِمتَ انّ رسول اللّٰهِ ﷺ اُهدِیَ اِلیهِ عُضدُ صیدٍ فلم یَقبلْه وقال اِنّا حُرُمٌ؟ قال نعم۔ عن جابر بن عبداللّٰه قال سمعت رسول اللّٰه ﷺ یقول: صیدالبرلکم حلال مالم تصیدوه أویصادلکم۔ قال ابوداؤد اذاتنازع الخبران عن النبی ﷺ ینظربما اخذبه اصحابه۔** (ص ۲۷۰۔ ج ۱۔ رحمانیہ)

**ترجمی الحدیثین واذکری مذاهب الائمة فی اکل الصید للمحرم مع بسط دلائلهم۔ ما هووجه التوفیق بین الحدیثین؟ اشرحی ما قاله ابوداؤد و وضحی مراده۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال کا حل چار امور ہیں ① احادیث کا ترجمہ ② محرم کیلئے شکار کا گوشت کھانے میں اختلاف مع الدلائل ③ احادیث میں تطبیق ④ امام ابوداؤدؒ کے قول کی مراد۔

**جواب** ...... ① احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت زید بن ارقم سے کہا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس شکار کے گوشت کا ایک ٹکڑا ہدیہ میں بھیجا گیا تھا لیکن آپ ﷺ نے اس کو قبول نہیں فرمایا تھا اور فرمایا تھا کہ ہم احرام باندھے ہوئے ہیں؟ حضرت زید بن ارقم نے کہا ہاں مجھے معلوم ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: تمہارے لئے خشکی کا شکار حلال ہے تاوقتیکہ تم خود شکار نہ کرو یا تمہارے واسطے شکار نہ کیا جائے۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ جب دو روایتیں متعارض ہوں تو یہ دیکھا جائے گا کہ صحابہ کا عمل کس روایت کے مطابق ہے۔

② محرم کیلئے شکار کا گوشت کھانے میں اختلاف مع الدلائل:۔ محرم کیلئے خشکی کا شکار بنص قرآنی حرام ہے اسی طرح اگر محرم نے کسی غیر محرم کی شکار میں مدد کی ہو یا اشارہ کیا ہو یا دلالت کی ہو تب بھی اس شکار کا کھانا محرم کیلئے بالاتفاق حرام ہے البتہ اگر محرم کی اعانت دلالت یا اشارہ کے بغیر کسی غیر محرم نے شکار کیا تو محرم کے حق میں ایسا شکار کھانے کے جواز وعدمِ جواز میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

سفیان ثوریؒ اور اسحاق بن راہویہؒ کا مسلک یہ ہے کہ ایسا شکار بھی مطلقاً ممنوع ہے **صِیدَ لاجله** ہو یا نہ ہو حضرت ابن عمر ؓ، طاؤسؒ اور جابر بن زیدؒ سے بھی یہی منقول ہے اور انکا استدلال **وحُرِّمَ علیکم صید البر مادمتم حرمًا** کے اطلاق سے ہے کہ اس میں **صیدلاجله اَوْ لَا** کی کوئی تفریق نہیں کی گئی۔ نیز حضرت صعب بن جثامہ ؓ کی روایت بھی ہے **ان رسول اللّٰه مافی وجهه من الکراهیة فقال انه لیس بنا ردّ علیك ولکنّا حرم۔**

اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ وہ حمار وحشی مارا ہوا تھا ہوسکتا ہے کہ وہ زندہ ہو اور زندہ شکار کا قبول کرنا محرم کیلئے جائز نہیں ہے اور اگر مان لیا جائے کہ وہ حمار وحشی مقتول تھا تو ہوسکتا ہے کہ آپ نے سد ذرائع کیلئے اس کو رد فرمایا ہو۔

امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر غیر محرم نے محرم کیلئے یعنی اسکو کھلانے کی غرض سے

شکار کیا تھا تو محرم کیلئے اس کا کھانا ناجائز ہے اور اگر اس نیت سے شکار نہیں کیا تھا تو جائز ہے ائمہ ثلاثہ کا استدلال حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیثِ باب سے ہے **عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال صید البر لکم حلال وانتم حرم مالم تصید وہ او یصد لکم۔**

حنفیہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مقابلہ میں سنداً اقوی اور اصح ما فی الباب ہے اس لئے کہ حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ کی سند میں مطلب متکلم فیہ راوی ہے نیز یہ حدیث منقطع بھی ہے نیز یہ نہی سدِ ذرائع کے لئے ہوسکتی ہے نیز یہ نہی تنزیہی پر محمول ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحابؒ کے نزدیک محرم کیلئے ایسے شکار کا کھانا مطلقاً جائز ہے **صید لاجلہ أولا** اور حنفیہ کا استدلال اسی باب میں حضرت ابوقتادۃ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے **انہ کان مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی اذا کان ببعض طریق مکۃ تخلف مع اصحاب لہ محرمین وھوغیر محرم فرای حمارًا وحشیًا فاستوی علی فرسہ فسأر اصحابہ ان ینا ولوہ سوطہ فابوا فسالھم رمحہ فأبوا علیہ فأخذ فشد علی الحمار فقتلہ فأکل منہ بعض اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وأبی بعضھم فأدرکوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسألوہ عن ذلک فقال انما ھی طعمۃ اطعمکم اللہ**، اس حدیث کے بعض طرق میں یہ تفصیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتویٰ دینے سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا **اشرتم اواعنتم او اصدتم** جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان سوالات کا جواب نفی میں دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کی اجازت دے دی اگر اس میں صائد کی نیت پر بھی مدار ہوتا تو جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سوال کیا تھا، اسی طرح حضرت ابو قتادۃ رضی اللہ عنہ سے بھی دریافت فرماتے کہ تم نے کس نیت سے شکار کیا تھا پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت ابوقتادہ نے یہ حمار وحشی صرف خود کھانے کیلئے شکار نہیں کیا تھا بلکہ عام رفقاء کو کھلانا مقصود تھا اس کی تائید بخاری کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔(درسِ ترمذی ۳:۱۰۲)

③ احادیث میں تطبیق:۔ اس سلسلے میں روایات مختلف ہیں بعض سے شکار کا قبول کرنا ثابت ہے اور بعض سے رد کرنا جمع بین الروایات المختلفہ میں علماء مختلف ہیں۔ حضرت امام بخاریؒ و بیہقیؒ نے تطبیق اس طرح کی کہ رَدّ کی روایات زندہ شکار پر محمول ہیں اور قبول کی روایات لحم صید پر، اسی لئے امام بخاریؒ نے باب قائم کیا **اذا اھدی للمحرم حمارًا وحشیًا حیًا لم یقبل** لیکن امام نوویؒ نے شرح مسلم میں اس توجیہ پر سخت رد کیا ہے کیونکہ صحیح مسلم کی بعض روایات میں لحم صید کی تصریح کے باوجود یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رد فرمایا اسی طرح یہاں ابوداؤد میں عضو صید کے بارے میں عدمِ قبول روایت میں مذکور ہے لہٰذا یہ توجیہ تو واقعی درست نہیں اور دوسری توجیہ وہ ہے جو ائمہ ثلاثہ و جمہورؒ نے اپنے اپنے مسلک کے پیشِ نظر فرمائی ہے کہ رد کی راویات کو **ما صِیْدَ لاجل المحرم** پر محمول کیا ہے اور قبول کی روایات کو اسکے علاوہ پر۔(ایضاح ج۳ ص۲۲۱)

④ امام ابوداوٗدؒ کے قول کی مراد:۔ امام ابوداوٗدؒ کے قول کا حاصل یہ ہے کہ اس مسئلہ میں احادیثِ مرفوعہ متعارض ومختلف ہیں، لہٰذا ایسی صورت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کو دیکھا جائے کہ انکا کیا عمل ہے، اختلافِ احادیث کی صورت میں جو خلفاءِ راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول ہو اسی پر عمل کرنا چاہیے۔(الدر المنضود ج۳ ص۲۲۲)

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۶ھ

**الشق الاوّل** ......**عن سلیمان بن ابی عبدِ اللّٰہِ قال رأیت سعد بن ابی وقاص اخذ رجلا یصِید فِی حرمِ المدِینۃِ الذِی حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسلبہ ثِیابہ فجاء موالِیہِ فکلموہ فِیہِ فقال اِنّ رسول اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم حرّم ھذا الحرم وقال من وجد احدا یصِید فِیہِ فلیسلبہ ثِیابہ ولا اَرُدُّ علیکم طعمۃ اطعمنِیھا رسولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم ولٰکِن اِن شِئتم دفعت اِلیکم ثمنہ ۔**

**ترجمی الحدیث واشرحیہ ۔ اذکری اقوال العلماء فی المدینۃ المنورۃ ھل لھا حرم کما ھو لمکۃ؟ واذکری دلائلھم ۔ این یقع "ثور" من مدینۃ؟**

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حدیث کی تشریح (۳) مدینہ کے حرم میں

اختلاف مع الدلائل (۴) ''ثور'' کا محلِ وقوع۔

**جواب** ...... **۱** **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت سلیمان بن ابی عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے مدینہ میں ایک شکار والے شخص کو پکڑا اور اس کے کپڑے چھین لئے اس پر اس شخص کے لوگوں نے حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر گفتگو کی حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حرم کو حرام ٹھہرایا ہے اور فرمایا اگر کوئی اس حرم میں کسی کو کوئی شکار کرتا ہوا پائے تو وہ اس کے کپڑے چھین لے اور میں تم کو وہ سامان ہرگز نہ دوں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دلایا ہے، ہاں اگر تم چاہو تو میں تمہیں اس کی قیمت دے سکتا ہوں۔

**۲** **حدیث کی تشریح:۔** حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں ایک شکار والے شخص کو پکڑ کر اس کے کپڑے و سامان چھین لیا، اس پر اس شخص کے متعلقین نے حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ سے گفتگو کی تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حرم کو حرام قرار دیا ہے اور فرمایا کہ اگر کوئی شخص اس حرم میں کسی کو کوئی شکار کرتا ہوا پائے تو وہ اس کے کپڑے چھین لے لہٰذا میں تمہیں تمہارا سامان ہرگز واپس نہ دوں گا، البتہ اگر تم چاہو تو میں تمہیں اس کی قیمت دے سکتا ہوں۔

جمہور کا اس حدیث پر عمل نہیں ہے کیونکہ یہ اخبارِ آحاد میں سے ہے، اور اخذ مالِ غیر کا مسئلہ بہت سخت ہے، جس کیلئے مشہور وقوہ حدیث کی ضرورت ہے۔ صرف ابن حزم ظاہری کا اس حدیث پر عمل ہے۔ (الدر المنضود)

**۳** **مدینہ کے حرم میں اختلاف مع الدلائل:۔** حرمِ مدینہ میں بالاتفاق بغیر احرام کے داخل ہونا جائز ہے اور ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک حرمِ مکہ کی طرح شجرِ مدینہ کو کاٹنا اور وہاں شکار کرنا حرام ہے البتہ اس میں جزاء واجب نہ ہوگی۔ امام مالکؒ کا مذہب امام احمدؒ کی ایک روایت اور امام شافعیؒ کا قول جدید یہی ہے جبکہ امام احمدؒ کی ایک روایت اور امام شافعیؒ کا قول قدیم یہ ہے کہ اسکی سزا یہ ہے کہ اسکے بدن کے کپڑے اور ساتھ کا سامان سلب کر لیا جائے اور ان کی دلیل تحریم روایات الباب ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک حرم مدینہ کا حکم یہ نہیں کہ وہاں کے درخت اور شکار حرام ہیں بلکہ صرف یہ حکم ہے کہ وہ معظم و محترم جگہ ہے اس کی شان کے خلاف وہاں کوئی کام نہ کیا جائے اسکے خوشنما مناظر کو باقی رکھا جائے اور ان کو بلاضرورت توڑ پھوڑ کر بدنمانہ بنایا جائے۔

امام طحاویؒ نے اس پر اس حدیثِ انس رضی اللہ عنہ سے استدلال کیا ہے جس میں ہے **یا ابا عمیر مافعل النغیر** کہ اگر صیدِ مدینہ حرام ہوتا تو اس کا حبس جائز نہ ہوتا، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ممکن ہے وہ پرندہ (نغیر) انہوں نے حل (خارج حرم) سے پکڑا ہو، لیکن حافظ نے اس کو خود ہی رد کر دیا اسلئے کہ حنفیہ کے نزدیک حل کا شکار جب حرم میں داخل ہو جائے تو اس کیلئے حرم کا حکم ثابت ہو جاتا ہے یعنی صیدِ حل بھی حرم میں آ کر صیدِ حرم ہی ہو جاتا ہے۔

نیز امام طحاویؒ نے تحریم کی روایات کا ایک جواب یہ دیا ہے کہ ممکن ہے یہ حکم اس وقت کا ہو جب ہجرۃ الی المدینۃ واجب تھی تاکہ مدینہ کی زینت باقی رہے اور یہ زینت کا بقاء ہجرۃ کی رغبت اور الفتِ مدینہ کا ذریعہ ہو پس جب ہجرۃ منسوخ ہوئی تو یہ تحریم بھی منسوخ ہوگئی، چنانچہ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ بعض روایات میں آتا ہے **ان النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن ھدم آطام المدینۃ فانھا من زینۃ المدینۃ** یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی اونچی دیواروں اور قدیم قلعوں کے منہدم کرنے سے منع فرمایا کیونکہ ان کا وجود باعث زینت ہے۔ اسی طرح ان تحریم کی روایات میں خود استثناء موجود ہے **الاان یعلف رجل بعیرہ** کہ بقدرِ ضرورت آدمی اپنی سواری کیلئے گھاس کاٹ سکتا ہے دوسری روایۃ کے لفظ یہ ہیں **الاما یُساق بہ الجمل** اور ایک روایت میں ہے **ولکن یھش ھشا رفیقا** یعنی وہاں کے درختوں کے پتے ضرورۃً آہستہ آہستہ جھاڑ سکتے ہیں غرضیکہ جن روایات سے جمہور تحریم پر استدلال کر رہے ہیں خود انہی روایات میں عدم تحریم کا پہلو موجود ہے۔ (الدر المنضود ج ۳ ص ۳۲۳)

**۴** **ثور کا محلِ وقوع:۔** اس حدیث میں دو لفظ مذکور ہیں، عائر (جس کو عَیر بھی کہتے ہیں) اور دوسرا لفظ ثور یہ دو پہاڑوں کے نام ہیں یعنی انکا درمیانی حصہ سب کا سب حرم مدینہ ہے، صحیح بخاری میں ایک جگہ تو اس طرح ہے کہ **من کذا الی کذا** اور ایک جگہ ہے **ما بین عائر الی کذا،** گویا ایک جگہ تو دونوں ہی مبہم ہیں اور دوسری جگہ اوّل معین اور دوسرا مبہم ہے۔ غرضیکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ثور

کا لفظ اختیار نہیں فرمایا۔ اور صحیح مسلم کی ایک روایۃ میں **من کذا الی کذا** اور ایک روایت میں **مابین عیر الی ثور** ہے۔ حافظؒ فرماتے ہیں کہ بعض شراح کا خیال یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے ثانی کی تعیین قصداً نہیں فرمائی کیونکہ ثور کا لفظ ان کے نزدیک صحیح نہیں تھا اسی لئے بجائے **الی ثور** کے **الی کذا** نقل کیا۔ اسلئے کہ عائر کا مدینہ میں ہونا تو معروف ہے اور ثور کا وہاں ہونا غیر معروف ہے بلکہ اس کا مکہ میں ہونا مشہور و معروف ہے اور یہ وہی پہاڑ ہے جس کے غار میں حضور ﷺ بوقت ہجرت کفار سے بچ کر ٹھہرے تھے۔ اسلئے بعض تو یہ کہتے ہیں کہ یہ لفظ وہم راوی ہے اسکے بجائے کچھ اور ہوگا مثلاً الی احد، چنانچہ مسند احمد کی ایک روایت میں اسی طرح ہے۔ بعض شراح نے اسکی یہ توجیہ فرمائی کہ یہ کلام قیاس وتشبیہ پر محمول ہے کہ جس طرح مکہ میں جبل ثور معروف ہے اسی طرح وہاں جبلِ عائر بھی ہے اور حدیث میں یہ مکہ کے دو پہاڑ مراد ہیں مطلب یہ ہے کہ جتنی مکہ میں ان دو پہاڑوں کے درمیان مسافت ہے اتنی ہی وسیع جگہ مدینہ میں اسکا حرم ہے بعض محققین وصاحبِ قاموس کی تحقیق کے مطابق بعض علماء سے منقول ہے کہ ہم نے خود مدینہ میں جا کر اسکی تحقیق کی تو بعض عمر رسیدہ لوگوں سے پتہ چلا کہ واقعتاً اُحد پہاڑ کے پیچھے ایک پہاڑی کو ثور کہتے ہیں۔ (الدر المنضود ج۳ ص۳۲۴)

**الشق الثانی** ...... **عن أبی الدرداء أن رسول الله ﷺ کان فی غزوة فرأی امرأة مجحا، فقال: لعل صاحبها ألم بها، قالوا: نعم، قال: لقد هممت أن ألعنه لعنة تدخل معه فی قبره! کیف یورثه وهو لایحل له! وکیف یستخدمه وهو لایحل له!** (ص۳۱۰۔ ج۱۔ رحمانیہ)

**اشرحی کلمة "مجحا" لغةً ثم ترجمی الحدیث الشریف۔ اشرحی الحدیث کاملًا ووضحی معنی قوله علیه الصلاة والسلام "کیف یورثه وهو لایحل له، وکیف یستخدمه وهو لایحل له"۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں۔ (۱) **مجحا** کی تشریح۔ (۲) حدیث کا ترجمہ۔ (۳) حدیث کی تشریح۔ (۴) مذکورہ جملہ کی وضاحت۔

**جواب** ...... **①** مُجِحًّا کی تشریح:۔ **مجحا** سے مراد وہ حاملہ عورت ہے جو قریب الولادۃ ہو۔

**②** حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک غزوہ میں شریک تھے، آپ ﷺ نے ایک عورت کو دیکھا جو حاملہ قریب الولادۃ تھی، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ شاید اس باندی کے مالک نے اسکے ساتھ (قبل الاستبراء) المام (جماع) کیا ہے (آپ ﷺ کو شاید وحی یا کشف کے ذریعہ معلوم ہوا ہوگا)۔ آپ ﷺ کے اس ارشاد کی بعض حاضرین نے تصدیق بھی کردی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس شخص کو ایسی بددعا دوں جو اس کے ساتھ قبر میں بھی داخل ہو (اب یہ شخص قبل الاستبراء مباشرت کی وجہ سے) کیسے وارث بنا سکتا ہے اسے حالانکہ اس کے لئے یہ حلال نہیں ہے اور کیسے خدمت لے سکتا ہے اس سے حالانکہ یہ بھی اس کے لئے حلال نہیں ہے۔

**③** حدیث کی تشریح:۔ ترجمہ سے حدیث کا مطلب وتشریح واضح ہے کہ ایک غزوہ میں آپ ﷺ نے ایک لونڈی کو دیکھا کہ وہ حاملہ ہے اور قریب الولادۃ ہے تو اس کی اس حمل کی حالت میں ہی اسکے مالک نے اسکے ساتھ مباشرت بھی کی ہے تو آپ ﷺ کے اس فرمان کے جواب میں بعض حاضرین نے آپ ﷺ کی تصدیق بھی کردی کہ واقعتاً اس کی حاملہ ہونے کی حالت میں اس کے مالک نے اس کے ساتھ مباشرت کی ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اسکے مالک کو چاہیے تھا کہ حمل کے اختلاط سے بچنے کیلئے حالتِ حمل میں اس سے مباشرت نہ کرتا بلکہ وضع حمل کا انتظار کرتا اور استبراء کے بعد اس سے مباشرت کرتا کیونکہ اس مباشرت قبل الاستبراء کی وجہ سے اگر چھ ماہ سے قبل بچہ پیدا ہو گیا تو وہ بچہ اس کا وارث بھی نہیں بن سکتا کیونکہ اس میں یہ امکان موجود ہے کہ یہ زوجِ اوّل کے نطفہ سے ہو اور اس کا نسب اس مالک سے ثابت نہ ہو اور چھ ماہ کے بعد بچہ پیدا ہونے کی صورت میں اس سے خدمت نہیں لے سکتا کیونکہ اس میں یہ امکان موجود ہے کہ یہ مالک کے نطفہ سے ہونے کی وجہ سے غلام نہ ہو بلکہ آزاد ہو، اسلئے اس کا مالک پیدا ہونے والے بچہ کو وارث بھی نہیں بنا سکتا اور غلام وخادم بنا کر اس سے خدمت بھی نہیں لے سکتا، یہ دونوں کام اس کیلئے حلال نہیں ہیں۔ لہٰذا میرا دل کرتا ہے کہ اس کے مالک کو ایسی بددعاء دوں جو اس کی قبر میں بھی اس کے ساتھ داخل ہو۔ الحاصل قید کردہ باندی

0313 6557573 maktabazakariyamultan@gmail.com

کے ساتھ قبل الاستبراء مباشرت کرنا انتہائی قبیح ومذموم فعل ہے۔ استبراء یعنی وضع حمل یا حیض کا انتظار کرنا چاہیے۔

④ مذکورہ جملہ کی وضاحت:۔ مذکورہ جملہ کی وضاحت ابھی تشریح کے ضمن میں تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے۔

## السوال الثالث ۱۴۳۶ھ

**الشق الاوّل** ......عن طاؤس أن رجلا يقول له أبو الصبهاء كان كثير السؤال لابن عباس قال: أما علمت أن الرجل كان اذا طلق امرأته ثلاثًا قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وصدرًا من امارة عمر؟ قال ابن عباس: بلى، كان الرجل اذا طلق امرأته ثلاثًا قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وصدرًا من امارة عمر، فلما رأى الناس قد تتابعوا فيها قال: أجيزوهن عليهم۔ (ص ۳۱۷۔ ج ۱۔ رحمانیہ)

ترجمي الحديث ترجمة واضحة۔ اذكري حكم ايقاع الطلقات الثلاث دفعة واحدة عند العلماء اسردي أدلة الجمهور مع دحض شبهات من خالفهم في هذه المسألة۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل تین امور ہیں ① حدیث کا ترجمہ ② طلاقِ ثلاثہ دفعۃً واحدۃً کا حکم مع الدلائل ③ شبہ کا جواب

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت طاؤس سے روایت ہے کہ ایک آدمی جسے ابوالصہباء کہا جاتا تھا وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بہت زیادہ سوال کرتا تھا، اس نے (ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے) کہا کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ جب کوئی شخص اپنی غیر مدخول بہا عورت کو تین طلاق دیتا تھا تو دورِ نبوی ﷺ، دورِ صدیقی اور دورِ فاروقی رضی اللہ عنہما کی ابتداء میں ان کو ایک ہی طلاق شمار کیا جاتا تھا؟ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، جی ہاں! جب آدمی اپنی غیر مدخول بہا بیوی کو تین طلاق دیتا تھا تو عہدِ نبوی ﷺ، عہدِ صدیقی اور عہدِ فاروقی رضی اللہ عنہما کی ابتداء میں اس کو ایک ہی شمار کیا جاتا تھا، پس جب انہوں نے دیکھا کہ وہ اس میں پے در پے واقع ہو رہے ہیں (کثرت سے طلاقِ ثلاثہ دے رہے ہیں) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان کی تین طلاق کو ہی ان پر نافذ ولازم کردو۔

② طلاقِ ثلاثہ دفعۃً واحدۃً کا حکم مع الدلائل:۔ کمامرّ في الورقة الثالثة الشق الاوّل من السوال الثاني ۱۴۳۳ھ۔

③ شبہ کا جواب:۔ سوال ہوتا ہے کہ جب عہدِ نبوی ﷺ وصدیقی رضی اللہ عنہ میں تین طلاق کو ایک شمار کیا جاتا تھا تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے عمل کے خلاف فیصلہ کیوں دیا کہ آج کے بعد تین طلاق تین ہی شمار ہونگی۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے کوئی انوکھا نیا فیصلہ یا حکم صادر نہیں فرمایا تھا، بلکہ صورتحال یہ تھی کہ عہدِ نبوی ﷺ وعہدِ صدیقی رضی اللہ عنہ میں لوگ انت طالق کا لفظ تین بار کہتے تھے اور انکا مقصود انشاءِ جدید نہ ہوتا تھا بلکہ تاکید کے لئے وہ دوسری اور تیسری مرتبہ اس کو ذکر کرتے تھے اور وہ خیر القرون کا زمانہ تھا اور لوگوں کی دیانت پر اس وقت اعتماد تھا اس لئے تاکید وتاسیس کے سلسلہ میں ان کے قول کا اعتبار ہوتا تھا اور اس کا قول قضاءً بھی قبول کیا جاتا تھا بعد میں جب خیر القرون کا زمانہ دور ہوتا چلا گیا اور لوگوں کی دیانت کا معیار پہلے کی طرح نہ رہا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمایا کہ آج کے بعد تین طلاق دینے والے شخص کی طرف سے تاکید کا قول معتبر نہ ہوگا بلکہ الفاظ کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے اس کو تین طلاق ہی شمار کیا جائے گا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں عہدِ نبوی ﷺ اور عہدِ صدیقی رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، آپ ﷺ کے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قول وفعل کا ذکر نہیں ہے۔

**الشق الثاني** ......عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مَنْ أَدْخَلَ فَرَسًا بَيْنَ فَرَسَيْنِ يَعْنِي وَهُوَ لَا يَأْمَنُ أَنْ يَسْبِقَ فَلَيْسَ بِقِمَارٍ، وَمَنْ أَدْخَلَ فَرَسًا بَيْنَ فَرَسَيْنِ وَقَدْ أَمِنَ أَنْ يَسْبِقَ فَهُوَ قِمَارٌ۔ (ص ۳۷۲۔ ج ۱۔ رحمانیہ)

شكّلي الحديث بالضبط وترجمة واضحة۔ عرفي القمار ما هو؟ ماهي الحكم التي من اجلها نهى الشرع عن المقامرة؟ اشرحي الحديث شرحًا مبسوطًا۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں چار امور حل طلب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) قمار کی تعریف و حکم (۴) حدیث کی تشریح۔

**جواب** ...... ① حدیث پر اعراب:۔ **کما مرّ فی السوال آنفا۔**

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص دو گھوڑوں (متسابقین) کے درمیان تیسرا گھوڑا شامل کرے اس حال میں کہ اس گھوڑے کے سبقت کرنے سے امن نہ ہو تو یہ قمار نہیں ہے اور جو شخص دو گھوڑوں میں ایسا گھوڑا شامل کرے جس کے سبقت کرنے سے امن ہو تو یہ قمار ہے۔

③ قمار کی تعریف وحکم:۔ **ھو استواء الجانبین فی احتمال الغرامة** یعنی وہ معاملہ جس میں متعاقدین میں سے ہر ایک پر ضمان آنے کا امکان ہو۔ دو میں سے کسی ایک پر ضمان آنا ضروری ہو۔ اب دیکھئے محلل نہ ہونے کی صورت میں ضمان متسابقین میں سے کسی ایک پر ضرور آئے گی۔ یعنی صرف ایک پر اور ادخال محلل کے بعد ایک شق ایسی نکل آئی کہ اس میں ضمان ان دونوں پر ہے صرف ایک پر نہیں، اس تشریح سے یہ بات سامنے آئی کہ قمار اس قسم کے معاملہ کا نام ہے جس میں جانبین میں سے لاعلی التعیین کسی ایک کا نفع دوسرے کے ضرر کو مستلزم ہو یعنی جس ایک کا بھی نفع ہو گا وہ اپنے اندر دوسرے کے ضرر کو لئے ہوئے ہوگا، کس قدر تکلیف دہ اور خبیث معاملہ ہے اسکی حرمت محاسن شریعت میں سے ہے، ہماری شریعت میں تو محاسن ہی محاسن ہیں، عبادات ہوں یا معاملات، لیکن لوگ لالچ اور مال کی حرص وطمع میں نفع موہوم کی خاطر اس قمار بازی میں مبتلا ہوتے ہیں۔ (الدر المنضود ج۴ ص ۳۴۹)

④ حدیث کی تشریح:۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر متسابقین کسی تیسرے ایسے شخص کو مسابقت میں شامل کرلیں جس میں سابق ومسبوق دونوں احتمال موجود ہوں تو پھر یہ مسابقت کا معاملہ قمار میں داخل ہو کر حرام نہ ہوگا بلکہ یہ قمار سے خارج ہو جائیگا اور اگر اس گھوڑے میں دونوں احتمال نہ ہوں بلکہ فقط مسبوق ہونے کا تعین ہو یا فقط سابق ہونے کا تعین ہو تو پھر یہ قمار ہو گا اور حرام ہو گا۔

## ﴿الورقة السادسة : ابوداؤد﴾

## ﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۷ھ

**الشق الاوّل** ......**حدثنا عبدالله بن مسلمة، حدثنا مالك وقرأه على مالك أيضًا عن نافع عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ فرض زكاة الفطر، قال فيه: فيما قرأه على مالك: زكاة الفطر من رمضان صاع من تمر أو صاع من شعير على كل حر أو عبد ذكر أو أنثى من المسلمين۔** (ص ۲۳۸۔ ج۱۔ رحمانیہ)

**هل لصدقة الفطر نصاب؟ انكرى أقوال العلماء و أدلتهم۔ اذكرى ما يترتب على قوله "من المسلمين" من الأحكام واكتبى أقوال العلماء فى زيادة "من المسلمين" هل هى زيادة ثابتة أم لا؟ ولوثبتت فما هو محمله الصحيح؟**

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل چار امور ہیں (۱) صدقۂ فطر کے وجوب کیلئے نصاب کی شرط میں اختلاف (۲) ائمہ کے دلائل (۳) **من المسلمين** کا ثبوت اور محمل (۴) **من المسلمين** پر مرتب حکم۔

**جواب** ...... ① صدقۂ فطر کے وجوب کیلئے نصاب کی شرط میں اختلاف:۔ ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک صدقۂ فطر کیلئے کوئی نصاب شرط نہیں ہے بلکہ جس شخص کے پاس بھی ایک دن کی ضروریات سے زائد مال ہو اس پر صدقۂ فطر فرض ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک صدقۂ فطر کے وجوب کیلئے نصابِ زکوٰۃ شرط ہے اور البتہ نامی ہونا اور حولانِ حول شرط نہیں ہے۔

② ائمہ کے دلائل:۔ امام ابو حنیفہؒ کے دلائل: ① آیتِ کریمہ **قد افلح من تزکی** ہے۔ اس میں صدقۂ فطر پر زکوٰۃ کا لفظ مستعمل ہے اور زکوٰۃ کیلئے بالاتفاق نصاب شرط ہے۔ ② **اتوا الزکوٰۃ** والی آیاتِ قرآنیہ ہیں، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ان آیات کا عموم صدقۂ فطر کو بھی شامل ہے، لہٰذا اس کیلئے نصاب شرط ہونا چاہیے۔ ③ حدیثِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے **قال رسول الله ﷺ لا صدقة الّا عن ظهر غنى** کہ صدقۂ فطر غنی پر لازم ہے اور ایک دن کی ضرورت سے زائد مال والے شخص کو غنی نہیں کہا جاتا۔

ائمہ ثلاثہؒ کی پہلی دلیل: یہ ہے کہ روایات میں صدقۂ فطر کیلئے کوئی نصاب بیان نہیں کیا گیا۔

دوسری دلیل: حضرت ابو ثعلبہ عن ابیہ رضی اللہ عنہ کی صدقۂ فطر والی طویل حدیث ہے جس کے آخر میں یہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے **اما غنيكم فيزكيه الله واما فقيركم فيرد عليه اكثر مما اعطاه**، اس سے معلوم ہوا کہ فقیر پر بھی صدقۂ فطر واجب ہے۔

جواب یہ ہے کہ اگر فقیر پر صدقۂ فطر واجب کیا جائے انقلابِ موضوع لازم آئے گا کہ آج فقیر صدقۂ فطر ادا کرے اور اگلے ہی دن لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہوا نظر آئے۔ نیز ابن العربی مالکیؒ فرماتے ہیں کہ فقیر کو دینے کا حکم ہے اس سے لینے کا حکم نہیں ہے۔

نیز محقق ابن الہمامؒ فرماتے ہیں کہ اسکی سند میں نعمان بن بشیر راوی ضعیف ہے اور ابن ابی صغیر راوی مجہول ہے لہٰذا یہ حدیث ضعیف ہے۔

نیز اکثر روایات میں فقیر کا ذکر نہیں ہے لہٰذا یہ روایت شاذ ہے۔ (المسائل والدلائل ص ۴۱۶، درسِ ترمذی ج ۲ ص ۴۹۷)

**۳ و ۴ من المسلمین کا ثبوت اور محمل اور اس پر مرتب حکم:۔** ائمہ ثلاثہؒ فرماتے ہیں کہ من المسلمین کی قید روایت میں ثابت ہے چنانچہ اس پر یہ مسئلہ متفرع ہوگا کہ کافر غلام کی طرف سے مسلمان مالک پر صدقۂ فطر واجب نہیں ہے، البتہ مسلمان غلام کی طرف سے ائمہ اربعہ کے نزدیک بالاتفاق مسلمان مالک پر صدقۂ فطر واجب ہے۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ صدقۂ فطر کی روایات میں عبد کا لفظ مطلق اور عام ہے، مسلم و کافر دونوں کو شامل ہے بلکہ بعض روایات میں کافر اور نصرانی کے لفظ کی تصریح بھی ہے، لہٰذا کافر غلام کی طرف سے بھی صدقۂ فطر واجب ہے۔

نیز من المسلمین کی زیادتی بعض روایات میں نہیں ہے جیسے امام ترمذیؒ فرماتے ہیں **ورواه غير واحد عن نافع ولم يذكروا فيه من المسلمين**، لہٰذا یہ روایت مضطرب ہے۔ نیز خود راویِ حدیث حضرت ابن عمرؓ کا عمل اس کے خلاف ہے لہٰذا یہ روایت مرجوح ہے۔

نیز علی سبیل التسلیم اگر اس قید من المسلمین کو درست و ثابت بھی تسلیم کرلیں تو پھر اس قید کا تعلق مخرجینِ صدقہ سے ہے جنہوں نے صدقۂ فطر ادا کرنا ہے، مخرج عنہم سے اس کا تعلق نہیں ہے جن کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مولیٰ اور مالک کا مسلمان ہونا ضروری ہے، غلام اور مملوک کا مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے۔ (ایضاً)

**الشق الثانی** ...... **عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده عبدالله بن عمرو بن العاص عن رسول الله ﷺ انه سئل عن الثمر المعلق فقال: من اصاب بفيه من ذى حاجة غير متخذ خبنة فلا شيئ عليه ومن خرج بشيئ منه فعليه غرامة مثليه والعقوبة ومن سرق منه شيئا بعد ان يؤويه الجرين فبلغ ثمن المجن فعليه القطع وذكر فى ضالة الابل والغنم كما ذكره غيره قال: وسئل عن اللقطة فقال: ما كان منها فى طريق الميتاء او القرية الجامعة فعرفها سنة فان جاء طالبها فادفعها اليه وان لم يأت فهى لك وما كان فى الخراب يعنى ففيها وفى الركاز الخمس.** (ص ۲۵۲۔ ج ۱۔ رحمانیہ)

**اشرحى كلا من الكلمات التالية: خبنة، الجرين، الميتاء. ترجمى الحديث المبارك بكامله. ماهو حكم الانتفاع باللقطة عند الائمة؟ اذكرى مع ادلتهم**

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) **خبنة، الجرين، الميتاء** کی تشریح (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) لقطہ سے انتفاع کا حکم مع الدلائل۔

**جواب** ...... **۱ خبنة، الجرين، الميتاء کی تشریح:۔** **اَلْخُبْنَةُ:** یہ مفرد ہے اس کی جمع **خُبَنٌ** ہے بمعنی کپڑے کی تہ، جھولی، وہ خوراک جو دامن و جھولی میں ڈالی جائے، مطلب یہ ہے کہ ضرورتمند و حاجت مند آدمی بامرِ مجبوری گزارہ کیلئے باغ کے اندر پھل کھا سکتا ہے، اس کو جھولی میں ڈال کر نہیں لیجا سکتا۔ **اَلْجَرِيْنُ:** یہ مفرد ہے اس کی جمع ہے **جُرُنٌ** ہے بمعنی کھلیان، کھجور وغیرہ خشک کرنے کی جگہ۔ مطلب یہ ہے کہ جب میوہ خشک ہونے کے لئے کھیت میں کسی جگہ ڈالا گیا ہو تو اُس کو اُٹھانا جائز نہیں ہے۔

**اَلْمِيْتَاءُ:** یہ **اِتْيَانٌ** سے اسم ظرف ہے بمعنی لوگوں کی عام گزرگاہ، یعنی شارعِ عام سے کوئی چیز ملے تو ایک سال تک اسکی تشہیر کی جائے۔

**۲ حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ درختوں پر میوہ لٹکتا ہے اسکے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص اس کو کھالے اور وہ شخص ضرورت مند ہو تو (درست ہے) لیکن اس کو چھپا کر نہ لے جائے تو کچھ حرج نہیں اور جو شخص چھپا کر کچھ لے جائے تو وہ دوہرا جرمانہ ادا کرے اور اس کو سزا اس کے علاوہ

ملے گی اور جب میوہ پختہ ہو کر کھیت میں خشک ہونے کیلئے ڈالا جائے اور کوئی شخص وہاں سے اتنا چوری کر کے لے جائے کہ جس کی مالیت (تلوار کی) ڈھال کے برابر ہو تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائیگا اسکے بعد گم شدہ بکری اور اونٹ کا حال بیان کیا جیسا کہ دیگر حضرات نے بیان کیا۔اس کے بعد آپ ﷺ سے لقطہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ جو لقطہ عام راستے پر آباد علاقہ میں پایا جائے تو ایک سال تک تشہیر کرو، اگر اس کا مالک آجائے تو اس کو دے دو مالک نہ آئے تو وہ تمہارا (یعنی پانے والے کا ہے) اور جو لقطہ کسی ویران جگہ سے ملے یا کان سے ملے تو اس میں سے پانچواں حصہ دینا ہوگا (باقی سب لقطہ پانے والے کا حق ہے)۔

③ لقطہ سے انتفاع کا حکم مع الدلائل:۔ ائمہ ثلاثہؒ فرماتے ہیں کہ ملتقط خواہ غنی ہو یا فقیر وہ لقطہ اس کیلئے حلال ہے اور وہ خود اسے استعمال کر سکتا ہے۔البتہ استعمال کے بعد اگر مالک آگیا تو پھر مالک کو اس کی ضمان ادا کرنا لازم ہوگی۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر ملتقط فقیر اور مستحق زکوٰۃ ہے تو پھر اس کے لئے استعمال کرنا جائز ہے اور اگر وہ غنی وغیر مستحق ہے تو پھر اسے اختیار ہے چاہے امانت کے طور پر اپنے پاس محفوظ رکھے اور اگر چاہے تو صدقہ کر دے۔البتہ اگر صدقہ کے بعد مالک آگیا تو پھر اس کو اختیار ہے چاہے تو صدقہ کو نافذ کر دے اور اس کو صدقہ کا ثواب مل جائے گا اور اگر چاہے تو ملتقط سے ضمان لے لے اس صورت میں ملتقط کو صدقہ کا ثواب مل جائے گا۔

ائمہ ثلاثہؒ کی پہلی دلیل: حضرت ابی بن کعب ؓ کا واقعہ ہے کہ اُن کو راستہ سے سو دینار کی تھیلی ملی تھی اور اُن کے غنی و مالدار ہونے کے باوجود آپ ﷺ نے اُن کو انتفاع کی اجازت دی تھی۔

دوسری دلیل: حضرت علی ؓ کو کہیں سے ایک دینار ملا تھا، آپ ؓ نے اُس کا اعلان کیا، جب اُس کا مالک نہ ملا تو آپ ﷺ نے حضرت علی ؓ کو اُس دینار سے انتفاع کی اجازت دی۔اور حضرت علی ؓ بنو ہاشم میں سے تھے اُن کے لئے صدقہ کھانا جائز نہیں تھا۔معلوم ہوا کہ اُن کے غیر مستحق ہونے کے باوجود آپ ﷺ نے اُن کو فائدہ اُٹھانے کی اجازت دی۔

حنفیہ کی پہلی دلیل: حضرت عیاض بن حمار ؓ کی مرفوع روایت ہے **من اصاب لقطة فليشهد ذا عدل او ذوی عدل ولا يكتم ولا يغيب فان وجد صاحبها فليردها عليه والافهو مال الله يوتيه من يشاء** ۔اس حدیث میں **فهو مال الله يوتيه من يشاء** کا جملہ ہے، یہ تعبیر عموماً اُس چیز کیلئے ہوتی ہے جس کے مستحق فقراء ہوتے ہیں نہ کہ اغنیاء۔

دوسری دلیل: حضرت عبداللہ بن شخیر ؓ کی مرفوع حدیث ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا **ضالة المسلم حرق النار**۔

تیسری دلیل: حضرت جارود ؓ کی حدیث ہے **ضالة المسلم حرق النار فلايقربنها**۔

چوتھی دلیل: حضرت یعلیٰ بن مرۃ ؓ کی مرفوع روایت ہے **من التقط لقطة يسيرة ثوبا او شبهه فليعرفه ثلاثة ايام ومن التقط اكثر من ذلك ستة ايام فان جاء صاحبها والا فليتصدق بها فان جاء صاحبها فليخيره**۔

ان احادیث میں سے بعض صریح نہیں ہیں اور بعض سنداً ضعیف ہیں مگر متعدد آثارِ صحابہ سے تائید ہونے کی وجہ سے یہ احادیث بے اصل نہیں ہیں چنانچہ آٹھ صحابہ کرام ؓ سے یہ بات ثابت ہے کہ ملتقط کو لقطہ سے فائدہ اٹھانے اور اپنے استعمال میں لانے کی اجازت نہیں۔

ائمہ ثلاثہؒ کی پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ بوقتِ انتفاع حضرت ابی بن کعب ؓ فقراء صحابہ میں سے تھے۔چنانچہ حضرت طلحہ ؓ کے اپنا باغ صدقہ کرنے کے بعد وہ غنی ہوئے تھے۔

دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی ؓ کے پورے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اُن کو صرف بامرِ مجبوری گھر میں کچھ نہ ہونے کی وجہ سے استعمال کی اجازت دی تھی۔اور حنفیہ کے نزدیک عدمِ انتفاع کا مطلب یہ ہے کہ ملتقط کے لئے اُس لقطہ کو اپنی چیز سمجھ کر کھانا جائز نہیں۔البتہ اگر وہ اس شرط کے ساتھ استعمال کرے کہ جب مالک کو ضرورت ہوگی میں اُس کو قیمت ادا کردوں گا تو اُس چیز کا استعمال جائز ہے۔(کشف الباری ۵۵۱:۳۔تقریر ترمذی ۳۲۰:۱)

## السوال الثانی ۱۴۳۷ھ

**الشق الاوّل** ......عن ابن عباس قال: طلق عبد يزيد. ابو ركانة و اخوته. ام ركانة ونكح امرأة من مزينة

فجاءت النبی ﷺ فقالت: ما یغنی عنی الا کما تخنی هٰذه الشعرة، لشعرة اخذتها من رأسها، ففرق بینی وبینه فاخذت النبی ﷺ حمیة فدعا برکانة واخوته ثم قال لجلسائه: اترون فلانا یشبه منه کذا وکذا من عبد یزید وفلانا یشبه منه کذا وکذا؟ قالوا نعم، قال النبی ﷺ لعبد یزید: طلقها ففعل ثم قال: راجع امرأتك ام رکانة واخوته، فقال: انی طلقتها ثلاثًا یا رسول اللّٰہ؟ قال: قد علمت راجعها وتلا: "یا ایها النبی اذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن"۔(ص۳۱۶۔ج۱۔رحمانیہ)

**انذکری حکم التطلیقات الثلاث عند العلماء ۔ ترجمی الحدیث واذکری من یستدل بهٰذا الحدیث؟ وما هو الجواب عنه عند من لایقول به؟**

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) طلاقِ ثلاثہ کا حکم مع الدلائل (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) حدیث کے مستدلین کی تعیین (۴) حدیث کا جواب۔

**جواب** ...... ① و ④ طلاقِ ثلاثہ کا حکم اور جواب:۔ کما مرّ فی الورقة الثالثة الشق الاوّل من السوال الثانی ۱۴۳۳ھ

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ عبدِ یزید نے (جو کہ رکانہ اور اس کے دوسرے بھائیوں کا باپ ہے) ام رکانہ کو طلاق دیدی اور اس نے قبیلہ مزینہ کی ایک عورت سے شادی کرلی تو وہ عورت آپ ﷺ کے پاس آئی اور اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! وہ میرے کسی کام کا نہیں ہے مثل ان بالوں کے (ان بالوں کے متعلق اس نے کہا جو اس نے اپنے سر کے بال پکڑے ہوئے تھے) پس آپ ﷺ میرے اور اس کے درمیان تفریق کردیں، آپ ﷺ کو غیرت وغصہ آگیا، آپ ﷺ نے رکانہ اور اس کے بھائیوں کو بلایا اور پھر حاضرین مجلس سے فرمایا کہ کیا تم دیکھ رہے ہو کہ فلاں کی فلاں چیز عبد یزید کے مشابہ ہے؟ اور فلاں کی فلاں فلاں چیز مشابہ ہے؟ حاضرین نے کہا کہ جی ہاں، آپ ﷺ نے عبدِ یزید سے کہا کہ اس کو طلاق دیدو پس اس نے ایسا ہی کیا یعنی طلاق دیدی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی بیوی ام رکانہ اور بھائیوں سے رجوع کرلے، اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے اسکو تین طلاقیں دی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے تو رجوع کرلے اور آپ ﷺ نے یہ آیت **یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ** تلاوت فرمائی۔

③ حدیث کے مستدلین کی تعیین:۔ یہ حدیث ان لوگوں کا مستدل ہے جو طلاق ثلاثہ کو ایک طلاق قرار دیتے ہیں۔

**الشق الثانی** ......عن عائشة "ان زوج بریرة کان حرا حین اعتقت وانها خیرت فقالت: ما احب ان اکون معه، وان لی کذا و کذا۔(ص۳۲۲۔ج۱۔رحمانیہ)

**ترجمی الحدیث ترجمة واضحة ۔ متی تخیر المملوکة خیار العتق؟ اذکری مذاهب العلماء وادلتهم ۔ زوج بریرة کان حرا او عبدا عند عتقها؟ حققی الامر فی ضوء الروایات، وبینی کیف التوفیق بین الروایات المختلفة فی هٰذا الصدد۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) مملوکہ کے خیارِ عتق میں اختلاف مع الدلائل (۳) حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی آزادی کے وقت زوج کے غلام یا آزاد ہونے کی روایات میں تطبیق۔

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے زوج ان کی آزادی کے وقت آزاد تھے اور ان کو خیار دیا گیا تھا اور انہوں نے عرض کیا کہ مجھے مغیث کے ساتھ رہنا منظور نہیں، اگرچہ مجھے اتنا اتنا مال ملے۔

0313 6535910 maktabazakariyamultan@gmail.com

② مملوکہ کے خیارِ عتق میں اختلاف مع الدلائل:۔ عندالاحناف باندی جب آزاد ہو تو اس کو خیارِ عتق ملے گا خواہ اس کا خاوند آزاد ہو یا غلام۔ عندالجمہور باندی جب آزاد ہو تو خاوند کی حالت کا اعتبار ہوگا یعنی اگر خاوند آزاد ہے تو خیارِ عتق نہ ملے گا اور اگر خاوند غلام ہے تو خیارِ عتق ملے گا۔

محلِ اختلاف یہ ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا جب آزاد ہوئیں تو ان کے خاوند آزاد تھے یا غلام۔

عندالجمہور حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی آزادی کے وقت ان کے خاوند حضرت مغیث رضی اللہ عنہ غلام تھے اور احناف کے نزدیک ان کے

خاوند حضرت مغیث رضی اللہ عنہ آزاد تھے۔ احناف کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ روایت ہے جس میں ہے **ان زوجها کان حرًا**۔
جمہور کی دلیل وہ روایات ہیں جن میں ہے **ان زوجها کان عبدًا**، نیز واقعہ ایک ہی ہے اور روایات میں یہ بھی ہے کہ **لو کان حرًا لم یخیرها**۔

جواب: جن روایات میں **ان زوجها کان عبدًا** ہے وہ ماضی کے اعتبار سے ہیں، اور وہ روایات جن میں **لو کان حرًا لم یخیّرها** ہے یہ حضرت عروہ کا مقولہ ہے جیسا کہ نسائی شریف میں اس کی تصریح بھی موجود ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقولہ نہیں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ روایت جو اسود نقل کرتے ہیں جس میں **ان زوجها کان حراحین اعتقت** ہے اس کو اس وجہ سے ترجیح حاصل ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صاحبِ واقعہ ہیں اور وہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے حالات کو دوسرے حضرات سے زیادہ جانتی ہیں، پس ان کی اس روایت کو ترجیح ہوگی جس میں نہ تو شک کے الفاظ ہیں اور نہ ہی راوی کی روایت میں تضاد ہے۔

نیز اسود عن عائشہ رضی اللہ عنہا والی روایت تسلیم کرنے کی صورت میں دونوں قسم کی روایات میں تطبیق اور ان میں جمع کرنا ممکن ہے۔

(درسِ ترمذی ج ۳ ص ۴۵۰، کشف الباری کتاب الطلاق ص ۴۸۴، المسائل والدلائل ص ۵۲۸، الدر المنضود ج ۴ ص ۱۱۲)

③ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی آزادی کے وقت زوج کے غلام یا آزاد ہونے کی روایات میں تطبیق:۔ **کما مرّ آنفا**۔

## السوال الثالث ۱۴۳۷ھ

**الشق الاوّل** ......أخبرني كريب أن أم الفضل ابنة الحارث بعثته إلى معاوية بالشام قال: فقدمت الشام فقضيت حاجتها فاستهل رمضان وأنا بالشام فرأينا الهلال ليلة الجمعة ثم قدمت المدينة في آخر الشهر فسألني ابن عباس ثم ذكر الهلال فقال متى رأيتم الهلال؟ قلت رأيته ليلة الجمعة قال أنت رأيته؟ قلت: نعم، ورآه الناس وصاموا وصام معاوية. قال: لكنا رأيناه ليلة السبت، فلا نزال نصومه حتى نكمل الثلاثين أو نراه. فقلت: أفلا تكتفي برؤية معاوية وصيامه؟ قال: لا، هكذا أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم (۳۳۹:ا۔رحمانیہ)

**ترجمي الحديث المبارك بإيضاح، اذكري أقوال العلماء وأدلتهم على اختلاف المطالع هل يعتبر به أم لا۔**

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل دو امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) اختلافِ مطالع کے معتبر ہونے میں اختلاف مع الدلائل۔

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ خبر دی مجھ کو کریب نے کہ ام فضل بنت حارث نے مجھے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس شام بھیجا۔ کریب کہتے ہیں کہ میں شام گیا اور ان کا کام پورا کیا، اسی اثناء میں رمضان آگیا۔ پس ہم نے جمعہ کی شب چاند دیکھا، پھر میں رمضان کے آخر میں مدینہ واپس آیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھ سے چاند کا ذکر کیا اور پوچھا کہ تم نے کب چاند دیکھا تھا؟ میں نے کہا جمعہ کی شب کو، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تم نے خود دیکھا تھا؟ میں نے کہا: لوگوں نے دیکھا اور روزہ رکھا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی روزہ رکھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہم نے تو ہفتے کی رات چاند دیکھا تھا لہٰذا ہم تیس روزے رکھیں گے یا یہ کہ عید الفطر کا چاند نظر آجائے۔ حضرت کریب کہتے ہیں کہ: میں نے کہا کیا آپ کے لئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا چاند دیکھنا اور روزہ رکھنا کافی نہیں؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا! نہیں، ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح حکم دیا ہے۔

② اختلافِ مطالع کے معتبر ہونے میں اختلاف مع الدلائل:۔ حدیث باب سے ائمہ ثلاثہ نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ اختلافِ مطالع شرعاً معتبر ہے لہٰذا ایک مطلع کی رؤیت دوسرے مطلع کے لئے کافی نہیں بلکہ ہر شہر کے لوگ اپنی رؤیت کا الگ اعتبار کرینگے لیکن حنفیہ کا اصل مذہب یہ ہے کہ اختلافِ مطالع معتبر نہیں لہٰذا اگر کسی ایک شہر میں چاند نظر آجائے تو دوسرے شہر کے لوگ اسکے مطابق رمضان یا عید کر سکتے ہیں خواہ انہیں چاند نظر نہ آئے بشرطیکہ اس شہر میں رؤیتِ ہلال کا ثبوت شرعی طریقہ سے ہوجائے یعنی شہادت سے یا شہادت علی الشہادت سے۔ یا شہادت علی القضاء سے یا استفاضہ خبر سے۔

البتہ متاخرین حنفیہ میں سے حافظ زیلعی نے کنز کی شرح میں لکھا ہے کہ بلادِ بعیدہ میں اختلافِ مطالع ہمارے نزدیک بھی معتبر ہے لہٰذا بلادِ بعیدہ کی رؤیت کافی نہیں۔ متاخرین نے اسی قول پر فتویٰ دیا ہے۔

0313-9661752 maktabazakariyamultan@gmail.com

لیکن بلادِ قریبہ اور بعیدہ کی تفریق کا کیا معیار ہوگا؟ اس کی وضاحت کتبِ فقہ میں نہیں ہے، البتہ علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الملہم میں اس کا یہ معیار تجویز فرمایا ہے کہ جو بلاد اتنی دور ہوں کہ ان کے اختلاف مطالع کا اعتبار نہ کرنے سے دو دن کا فرق پڑ جائے وہاں اختلاف مطالع معتبر ہوگا (یعنی ایک جگہ کی رؤیت دوسری جگہ کے لئے کافی نہ ہوگی) کیونکہ ایسے بلاد بعیدہ میں بھی اختلاف مطالع کا اعتبار نہ کیا جائے تو مہینہ یا اٹھائیس دن کا یا اکتیس دن کا ہوسکتا ہے جس کی شریعت میں کوئی نظیر نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیثِ باب چونکہ ائمہ ثلاثہؒ کے مسلک کے عین مطابق اور ان کا مستدل ہے اس لئے حنفیہ کی طرف سے اس کی متعدد توجیہات کی جاتی ہیں:

ایک یہ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ فیصلہ اس بات پر مبنی تھا کہ انہوں نے شام کو مدینہ طیبہ کے مقابلہ میں بلاد بعیدہ میں سے شمار کیا اور بلاد کا قُرب وبُعد ایک اجتہادی چیز ہے۔

دوسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ ان کی رؤیت مدینہ طیبہ کے لئے کافی ہوسکتی تھی لیکن چونکہ خبر دینے والے صرف حضرت کریبؒ تھے اور نصابِ شہادت موجود نہ تھا اس لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے قبول نہ کیا۔

اس پر اشکال ہوسکتا ہے کہ مسئلہ رمضان کی رؤیت کا تھا جس میں شہادت شرط نہیں ہوتی لہٰذا اگر اختلاف مطالع کا اعتبار نہ ہو تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو حضرت کریبؒ کے بیان کا اعتبار کرتے ہوئے شام کی رؤیت کا اعتبار کرنا چاہیے تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اگرچہ رمضان کے چاند کا معاملہ تھا لیکن چونکہ یہ گفتگو مہینہ کے آخر میں ہو رہی تھی اسلئے اس سے عید کا مسئلہ متعلق ہوگیا تھا اور اس میں ایک شخص کی خبر یا شہادت کافی نہ تھی اور یہاں چاند کی خبر دینے والے صرف حضرت کریب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ ابتداءِ رمضان میں تو ثبوت ''شہر'' کے لئے ایک شخص کی خبر کافی سمجھی گئی ہے۔ البتہ انتہاءِ رمضان میں اگر کوئی شخص ہلال رمضان کی رؤیت کے بارے میں شہادت دے تو اس کی دو جہتیں ہیں ایک یہ کہ چونکہ ماہِ رمضان ہی کی شہادت ہے اس لئے ایک آدمی کی خبر کافی ہونی چاہیے اور دوسری یہ کہ اب اس رؤیت سے عید کا مسئلہ متعلق ہوگیا ہے اس لئے رمضان کے لئے بھی عید کا نصابِ شہادت ضروری ہونا چاہیے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے غالباً اسی دوسری جہت کو درست سمجھا چنانچہ حضرت کریبؒ کے بیان پر فیصلہ نہ فرمایا۔

بہرحال بلادِ بعیدہ میں متأخرین حنفیہ کا مسلک بھی ائمہ ثلاثہ کے مطابق ہے کہ اختلافِ مطالع معتبر ہے۔ (درسِ ترمذی ۲:۵۳۰)

**الشق الثانی** ......**عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده قال: جاء هلال احد بنی متعان الی رسول اللّٰه ﷺ بعشور نحل له وكان سأله ان يحمی واديا يقال له سلبة، فحمی له رسول اللّٰه ذلك الوادی فلما ولی عمر بن الخطاب كتب سفيان بن وهب الی عمر بن الخطاب ﷺ يسأله عن ذلك، فكتب عمر: إن ادی اليك ما كان يؤدی الی رسول اللّٰه ﷺ من عشور نحله فاحم له سلبة وإلّا فانما هو ذباب غيث ياكله من يشاء۔**

**ترجمی الحديث بتمامه۔ اكتبی مذاهب العلماء فی زكوٰة العسل وأدلتهم۔ حققی اسناد عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده مفصلا صحة وضعفا۔** (ص۲۳۳۔حقانیہ)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل تین امور ہیں۔ (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) شہد کی زکوٰۃ میں علماء کے مذاہب (۳) **عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده** کی سند کی بحث۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

**جواب** ...... ① __حدیث کا ترجمہ:۔__ عمرو بن شعیب الخ کی سند سے مروی ہے کہ بنی متعان میں سے ہلال نامی ایک شخص اپنے شہد کا دسواں حصہ لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہ آپ ﷺ سے سلبہ نامی وادی کا ٹھیکہ لینا چاہتا تھا (میرے علاوہ اس میں مداخلت نہ کرے) پس آپ ﷺ نے اُسے وہ ٹھیکہ دے دیا پس جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو سفیان بن وہب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا اور اس معاملہ کے متعلق دریافت کیا، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اُسے لکھا کہ اگر یہ شخص تمہیں وہی عشر ادا کرتا ہے جو رسول اللہ ﷺ کو ادا کیا کرتا تھا اپنے شہد کے عشر میں سے تو یہ

وادیٔ سلبہ کا ٹھیکہ اُسی کو دے دو وگرنہ پس وہ جنگل کی مکھیاں ہیں اُن کا شہد جو چاہے استعمال کرسکتا ہے۔

② شہد کی زکوٰۃ میں علماء کے مذاہب:۔ امام ابوحنیفہؒ، صاحبینؒ، امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ کے نزدیک شہد میں عشر لازم ہے، البتہ امام صاحبؒ کے نزدیک شرط یہ ہے کہ وہ شہد عشری زمین سے لیا گیا ہو۔ شافعیہؒ و مالکیہؒ کے نزدیک شہد میں عشر لازم نہیں ہے۔

حدیث الباب حنفیہ و جمہورؒ کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے دس مشک شہد میں ایک مشک عشر لازم کیا ہے۔

شافعیہؒ و مالکیہؒ نے حدیث الباب کو صدقۃ بن عبداللہ کی وجہ سے ضعیف و نا قابل استدلال قرار دیا ہے۔

حنفیہؒ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ اولاً صدقۃ بن عبداللہ متکلم فیہ راوی ہے، بہت سے حضرات نے اس کی توثیق بھی کی ہے، ثانیاً اس حدیث کے متعدد شواہد بھی موجود ہیں، جس کی وجہ سے یہ روایت حسن کے درجہ میں آجاتی ہے: ① **عن ابی سیارۃ قال قلت یارسول اللہ ! ان لی نحلا قال اد العشر۔** (ابن ماجہ) ② **عن عمرو بن العاص عن النبی ﷺ انه اخذ من العسل العشر۔** (ابن ماجہ) ③ **عن ابی ہریرۃ...... کتب رسول اللہ ﷺ الی اہل الیمن ان یؤخذ من اہل العسل العشور** (مصنف عبدالرزاق) ان تمام روایات کی اسناد اگرچہ کلام سے خالی نہیں ہیں مگر ان کی کثرت اس پر دال ہے کہ شہد پر عشر لینا بلا دلیل نہیں ہے۔ نیز سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ و عمر بن عبدالعزیزؒ شہد پر عشر وصول کیا کرتے تھے۔ (درس ترمذی ۲:۴۴۴)

شافعیہؒ و مالکیہؒ کی دلیل یہ ہے کہ شہد جانور (مکھیوں) سے حاصل ہوتا ہے، لہٰذا یہ ریشم کی مثل ہے کیونکہ ریشم بھی جانور (کیڑوں) سے پیدا ہوتا ہے اور ریشم میں بالاتفاق عشر واجب نہیں ہے، لہٰذا شہد میں بھی عشر لازم نہیں ہے۔

جمہورؒ کی طرف سے اس عقلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ پھل و پھولوں میں عشر لازم ہے اور جو چیز ان سے پیدا ہوگی اس پر بھی عشر لازم ہوگا، اور ریشم میں اس لیے عشر لازم نہیں ہے کہ ریشم کے کیڑے شہتوت کی پتیاں کھاتے ہیں اور پتیوں پر عشر واجب نہیں ہے، پس اس سے پیدا شدہ ریشم پر بھی عشر لازم نہیں ہوگا، لہٰذا ریشم پر شہد کو قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

شافعیہ و مالکیہ کے پاس صرف ایک عقلی دلیل ہے، کوئی نقلی دلیل نہیں ہے اور اس عقلی دلیل کا جواب بھی گزر چکا ہے جبکہ جمہور و حنفیہ کا مذہب احادیثِ مرفوعہ اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مبرہن و مزین ہونے کی وجہ سے راجح ہے۔

③ **عمرو بن شعیب الخ** کی سند کی بحث:۔ عمرو بن شعیب کی جو روایت **عن ابیه عن جده** کے طریق سے مروی ہے اس پر طویل کلام ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ محدثین کی ایک جماعت ایسی سند سے مروی روایت کو قابل استدلال نہیں سمجھتی ان حضرات محدثین کا کہنا ہے کہ شعیب کا سماع اپنے دادا حضرت عبداللہ بن العاص رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے چنانچہ امام دارقطنیؒ اس کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں **وقد روی عبیداللہ بن عمر العمری وهو من الائمة العدول عن عمرو بن شعیب عن ابیه قال کنت جالسا عندعبداللہ بن عمروبن العاص فجاء رجل فاستفتاہ فی مسئلة فقال یا شعیب امض معه الی ابن عباس فقد صح بهذا سماع شعیب من جده عبداللہ وقد اثبت سماعه منه احمد بن حنبل وغیرہ** نیز مستدرک حاکم کی ایک روایت سے بھی شعیب کا سماع عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے ثابت ہوتا ہے **عن عمرو بن شعیب عن ابیه أن رجلا اتی عبداللہ بن عمرو ویساله عن محرم الخ**، امام حاکم اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں **هذاحدیث ثقات رواته حفاظ وهو کالأخذ بالید فی صحة سماع شعیب ابن محمد عن جده عبداللہ بن عمرو** ۔ یہی وجہ ہے کہ عمرو بن شعیب الخ کی سند سے مروی روایات کو اکثر محدثین نے صحیح اور قابلِ استدلال قرار دیا ہے چنانچہ حافظ عبدالغنی مصریؒ اپنی سند سے امام بخاریؒ کے بارے میں نقل کرتے ہیں **انه سئل أیحتج به؟ فقال رایت احمد بن حنبل وعلی بن المدینی والحمیدی واسحاق بن راهویه یحتجون بعمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ماترکه احدمن المسلمین،** اس کے بعد امام بخاریؒ نے فرمایا **من الناس بعد هم،** نیز حسن ابن سفیان اسحاق بن راہویہؒ سے نقل کرتے ہیں **قال عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده کأیوب عن نافع عن ابن عمر (وهذاالتشبیه فی نهایة الجلالة من مثل اسحاق رحمه اللہ)** بہرحال جمہور محدثین کے نزدیک ایسی تمام روایات صحیح اور مقبول ہیں اگرچہ بعض حضرات نے ان کی روایات کو وجادۃ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ شعیب کا سماع اپنے دادا عبداللہ

0313 6530710 maktabazakariyamultan@gmail.com

سے ثابت نہیں ہے ان کے پاس اپنے دادا کا صحیفہ صادقہ موجود تھا اور وہ اس سے روایات بیان کرتے تھے بہر حال جو بھی صورت ہو یہ روایات مقبول ہیں چنانچہ صحیفہ صادقہ کی روایات بھی بیشتر کتب احادیث میں مروی ہیں۔ (درسِ ترمذی ج ۲ ص ۴۶۱)

## الورقة السادسة : ابوداؤد

## السوال الاوّل ۱۴۳۸ھ

**الشق الاوّل**......عن اسحاق بن عبدالله بن الحارث عن ابیه (وکان الحارث خلیفة عثمان علی الطائف) فصنع لعثمان طعاما فیه من الحجل والیعاقیب ولحم الوحش قال: فبعث الی علی بن ابی طالب فجاء ه الرسول وهو یخبط لاباعر له فجاء ه وهو ینفض الخبط عن یده فقالوا له : کل فقال اطعموه قوما حلاله فانا حرم فقال علی انشد الله من کان ههنا من اشجع اتعلمون ان رسول الله ﷺ اهدی الیه رجل حمار وحشی وهو محرم فابی ان یاکله؟ قالو: نعم ۔ (ص ۲۶۹۔ج ۱۔رحمانیہ)

اشرحی لغویا الکلمات التالیة: اباعر، الخبط، الحجل، الیعاقیب ۔ ترجمی الحدیث الشریف ترجمة واضحة ۔ ماهو حکم لحم الصید فی الحرم؟ اذکری مذاهب العلماء وادلتهم۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) اباعر، خبط، حجل، یعاقیب کا لغوی معنی (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) محرم کے لئے شکار کا گوشت کھانے میں اختلاف مع الدلائل۔

**جواب**...... ① **اباعر، خبط، حجل، یعاقیب کا لغوی معنی:۔** "اَبَاعِرُ" یہ جمع ہے اسکا مفرد بَعِیْرٌ ہے بمعنی اونٹ۔ "خَبَطٌ" بمعنی درخت کے پتے جو ڈنڈے مار کر گرائے جائیں۔ "حُجَلٌ" یہ جمع ہے اس کا مفرد حَجَلَةٌ ہے بمعنی چکور۔ "یَعَاقِیْبُ" یہ جمع ہے اس کا مفرد یعقوب ہے بمعنی نر چکور۔

② **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت عبداللہ بن حارثؒ نے جو کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مقام طائف میں خلیفہ تھے، انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے چکور، چڑیوں اور گورخر کے گوشت سے کھانا تیار کیا۔ انہوں نے وہ کھانا علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا تو وہ اس وقت اپنے اونٹوں کے لئے چارہ تیار کر رہے تھے اور وہ اپنے ہاتھ سے چارہ جھاڑ رہے تھے۔ جس وقت وہ شخص پہنچا تو لوگوں نے ان سے کہا کہ کھانا تناول فرمالیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم وہ کھانا ان لوگوں کو کھلا دو جو کہ حالت احرام میں نہ ہوں، ہم نے تو احرام باندھ رکھا ہے۔ اس وجہ سے (میں وہ کھانا نہیں کھا سکتا) اور میں ان لوگوں کو اللہ کی قسم دیتا ہوں جو کہ (قبیلہ) اشجع کے ہیں کیا تم لوگ اس بات سے واقف نہیں کہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص نے گورخر بھیجا، آپ ﷺ نے اس کو کھانے سے انکار فرمایا اور اس وقت آپ ﷺ احرام باندھے ہوئے تھے؟ لوگوں نے جواب دیا، جی ہاں۔

③ **محرم کیلئے شکار کا گوشت کھانے میں اختلاف مع الدلائل:۔** کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الاوّل ۱۴۳۶ھ

**الشق الثانی**......عن سلمة بن الاکوع قال لما نزلت هٰذه الآیة وعلی الذین یطیقونه فدیة طعام مسکین کان من اراد منا ان یفطر یفتدی فعل حتی نزلت الآیة بعدها فنسختها ۔ (ص ۳۳۷۔ج ۱۔رحمانیہ)

ترجمی الحدیث اوّلًا ثم بینی اسم ابی سلمة وجده ثانیًا، اذکری القرائتین لقوله تعالٰی وعلی الذین یطیقونه فدیة و تفسیرهما، هل هٰذه الآیة منسوخة او محکمة۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں چار امور حل طلب ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کے والد اور دادا کا نام (۳) وعلی الذین یطیقونه فدیة الخ کی دو قراءتیں اور تفسیر (۴) آیت فدیہ کے منسوخ یا محکم ہونے کی وضاحت۔

**جواب**...... ① **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آیت وعلی الذین یطیقونه فدیة طعام مسکین نازل ہوئی تو ہم میں سے جو شخص روزہ افطار کرنا (چھوڑنا) چاہتا وہ فدیہ دے کر روزہ افطار کر لیتا حتی کہ جب اس کے بعد والی آیت نازل ہوئی تو اُس نے اِسے منسوخ کر دیا۔

② حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کے والد اور دادا کا نام:۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کا پورا نام سلمہ بن عمرو بن اکوع اسلمی مدنی ہے، ان کے والد کے نام میں عمرو کے علاوہ اور بھی متعدد اقوال ہیں جبکہ دادا اکوع کا نام سنان بن عبداللہ بن قشیر ہے۔ (کشف الباری ج۴ص ۱۸۳)

③ **وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ الخ** کی دو قراءتیں اور تفسیر:۔ مذکورہ آیت کریمہ **وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین** میں مختلف قرآتیں ہیں۔

(الف)...... سب سے مشہور اور جمہور کے نزدیک یہی قرآت ہے مطلب یہ ہے کہ جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں مگر روزہ نہیں رکھتے ان کے ذمہ فدیہ کی ادائیگی واجب ہے، چونکہ یہ مذہب کسی کا بھی نہیں اس لئے اس قرآت کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں۔

① عندالجمہور یہ آیت منسوخ ہے اور اس کیلئے ناسخ آیت کریمہ **فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ** ہے ② **یطیقونہ** کا لفظ باب افعال سے ہے اور اس میں سلب ماخذ والی خاصیت پائی جاتی ہے، مطلب یہ ہے کہ جو لوگ روزہ کی طاقت نہیں رکھتے ان سے طاقت سلب ہوگئی ہے وہ لوگ فدیہ ادا کریں لہٰذا یہ آیت منسوخ نہیں ہے ③ **یطیقونہ** سے پہلے **لا** نافیہ محذوف ہے اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے یہی قرآت **وعلی الذین لایطیقونہ** مروی ہے، اس پر کوئی اشکال نہیں ہے۔

(ب)...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک آیت کریمہ **وعلی الذین یطوّقونہ** (جمع مذکر غائب مضارع مجہول باب تفعیل) ہے، مطلب یہ کہ جو لوگ روزہ کی وجہ سے تکلیف میں مبتلا ہو جائیں ان پر فدیہ ہے، اس صورت میں بھی یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔

④ آیت فدیہ کے منسوخ یا محکم ہونے کی وضاحت:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک یہ آیت محکم ہے جبکہ جمہور کے نزدیک یہ آیت مابعد والی آیت کی وجہ سے منسوخ ہے کمامرّ آنفا۔

## السوال الثانی ۱۴۳۸ھ

**الشق الاوّل**...... **باب فی الجعائل فی الغزو: عن ابی ایوب انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول : ستفتح علیکم الامصار وستکون جنود یقطع علیکم فیھا بعوثا فیکرہ الرجل منکم البعث فیھا فیتخلص من قومہ ثم یتصفح القبائل یعرض نفسہ علیھم یقول:من اکفیہ بعث کذا الاوذلک الاجیر الیٰ آخرقطرۃمن دمہ۔**

**ترجمی الحدیث وبینی اسم ابی ایوب۔ حققی کلمۃ الجعائل حق تحقیق۔ اکتبی اختلاف فقھاء الامۃ فی الجعائل فی الجھاد۔** (ص۳۴۹۔حقانیہ)

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال کا حل چار امور ہیں (۱) حدیث کا ترجمہ (۲) حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے نام کی وضاحت (۳) جعائل کی لفظی تحقیق (۴) جعائل فی الجہاد میں فقہاء کا اختلاف۔

**جواب**...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ یہ باب اُجرت پر جہاد کرنے کے بیان میں ہے: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ عنقریب تم پر بڑے بڑے شہر فتح کئے جائیں گے اور عنقریب لشکر اکٹھے کئے جائیں گے، اُن لشکروں میں سے تم پر فوجیں مقرر کی جائیں گی (یعنی ہر قبیلہ سے لشکر کا ایک حصہ فوج کے لئے طلب کیا جائے گا) پس ایک آدمی تم میں سے بلا اُجرت لشکر کے ساتھ جانے کو ناگوار سمجھے گا پس وہ شخص اپنے قبیلہ میں سے بھاگ پڑے گا پھر وہ قبیلوں کو تلاش کرے گا اور اپنے نفس کو یہ کہتے ہوئے اُن پر پیش کرے گا کہ کون شخص ہے کہ میں اُسے اُجرت کے بدلے میں کفایت کر جاؤں؟ (یعنی مجھے لشکر کی خدمت کے لئے اُجرت پر کون رکھے گا) آگاہ رہو یہ شخص خون کے آخری قطرہ تک مزدور ہے۔

② حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے نام کی وضاحت:۔ آپ کا نام خالد بن زید بن کلیب انصاری ہے۔

③ جعائل کی لفظی تحقیق:۔ یہ **جعیلۃ** کی جمع ہے، جہاد کیلئے اپنی طرف سے جس مزدور کو بھیجا جائے اسکی اجرت کو **جعیلۃ** کہتے ہیں۔

④ جعائل فی الجہاد میں فقہاء کا اختلاف:۔ امام مالکؒ جہاد کی مزدوری یا گھوڑے کی مزدوری کو مکروہ کہتے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ بھی مزدوروں سے جہاد کروانے کو مکروہ کہتے ہیں مگر یہ کہ مسلمان کمزور ہوں اور بیت المال میں بھی کوئی چیز نہ ہو تو اس وقت مجاہد کو مزدوری دیکر جہاد کرانا جائز ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک بادشاہ سے تنخواہ لینا جائز ہے، غیر بادشاہ سے مزدوری لینا

0343 0337513 Maktabazakariyamultan@gmail.com

جائز نہیں۔ وجہ کراہت یہ ہے کہ جہاد فرضِ کفایہ ہے اور فرض کی ادائیگی پر اجرت لینا صحیح نہیں۔

**الشق الثانی** ...... حَدَّثَنَا مُسَدَّدُ بْنُ مُسَرْهَدٍ نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ وَعَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ قَالَ عَنْ حَمَّادٍ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ وَقَالَ عَنْ عَبْدِ الْوَارِثِ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ. (۲۔حقانیہ)

حدیث پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں اور بتائیں کہ یہ دعا کس وقت پڑھی جائیگی؟ خبث وخبائث کی تفسیر کے ساتھ سند کی تشریح کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں پانچ امور مطلوب ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) دعا پڑھنے کا وقت (۴) خبث وخبائث کی تفسیر (۵) سند کی تشریح۔

**جواب** ...... ① حدیث پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو یہ الفاظ کہتے تھے حماد کہتے ہیں **اللھم انی اعوذبك** اور عبدالوارث کہتے ہیں **اعوذ باللّٰہ من الخبث والخبائث** کہتے تھے۔

③ دعا پڑھنے کا وقت:۔ جب بیت الخلاء میں جانے کا ارادہ ہو تو بیت الخلاء میں داخل ہونے سے پہلے یہ دعا پڑھی جائے گی۔

④ خبث وخبائث کی تفسیر:۔ ''خبائث'' کے بارے میں اتفاق ہے کہ یہ خبیثہ کی جمع ہے اور اس سے مراد مونث شیاطین ہیں البتہ ''خبث'' کے بارے میں اختلاف ہے علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ اصلاح خطاء المحدثین میں فرماتے ہیں کہ اصحابِ حدیث لفظِ ''خبث'' کو بسکون الباء روایت کرتے ہیں اور علامہ ابوعبید رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس لفظ کو اسی طرح نقل کیا ہے حالانکہ درحقیقت یہ لفظ باء کے ضمہ کے ساتھ ہے یعنی خُبُث جو کہ خبیث کی جمع ہے اور ''خُبْث'' بسکون الباء تو مصدر ہے بہر حال خبث اور خبائث سے شیاطین مراد ہیں خبث سے ذکور اور خبائث سے اناث، اور دخولِ بیت الخلاء کے وقت شیاطین سے استعاذہ کی وجہ یہ ہے کہ یہ اور اس جیسے دوسرے گندگی کے مقامات شیاطین کے مراکز ہوتے ہیں اور قضاءِ حاجت کے وقت شیاطین انسانوں کو تکلیف پہنچاتے ہیں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کشفِ عورت کے وقت شیاطین انسانوں سے کھیلتے ہیں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی وفات اسی طرح واقع ہوئی کہ وہ قضاءِ حاجت کیلئے گئے پھر بعد میں وہیں مردہ پائے گئے اس وقت ایک پُر اسرار آواز سنی گئی جیسے کوئی یہ شعر پڑھ رہا ہو۔

**قتلناسیدالزرج سعد بن عبادة    رمیناه بسهمین فلم نخطفؤاده**

معلوم ہوا کہ یہ ایک جنّی کی آواز تھی جس نے حضرت سعد کو قتل کیا تھا۔ (درس ترمذی ج ۱ ص ۱۷۲)

⑤ سند کی تشریح:۔ حدیث کی سند میں مسدد کے دو استاد ہیں، حماد اور عبدالوارث، دونوں استادوں کے الفاظِ حدیث میں فرق ہے، حماد کہتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم **اللھم انی اعوذبك** کے الفاظ کہتے تھے اور عبدالوارث کہتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم **اعوذ باللّٰہ من الخبث والخبائث** کے الفاظ کہتے تھے۔

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۸ھ

**الشق الاوّل** ...... عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: مَرَّالنَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَلٰى قَبْرَيْنِ فَقَالَ اِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِيْ كَبِيْرٍ، اَمَّاهٰذَا فَكَانَ لَايَسْتَنْزِهُ مِنَ الْبَوْلِ وَاَمَّا هٰذَا فَكَانَ يَمْشِيْ بِالنَّمِيْمَةِ ثُمَّ دَعَا بِعَسِيْبٍ رَطْبٍ فَشَقَّهٗ بِاثْنَيْنِ ثُمَّ غَرَسَ عَلٰى هٰذَا وَاحِدًا وَعَلٰى هٰذَا وَاحِدًا وَقَالَ لَعَلَّهٗ يُخَفَّفُ عَنْهُمَا مَالَمْ يَيْبَسَا. (۴۔حقانیہ)

حدیث پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔ اس حدیث سے جو فوائد حاصل ہو رہے ہیں ان کو تفصیل سے لکھیں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) حدیث سے مستنبط فوائد۔

**جواب** ...... ① حدیث پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دو قبروں پر گزر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے اور ان کو کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا، پس یہ شخص اپنے پیشاب (کے چھینٹوں) سے

نہیں بچتا تھا، اور یہ شخص چغل خوری کرتا تھا پھر آپ ﷺ نے تر ٹہنی منگوائی اور اسے دو حصوں میں پھاڑا پھر ایک ٹہنی کو اس قبر پر اور ایک ٹہنی کو اس (دوسری) قبر پر گاڑ دیا اور فرمایا کہ شاید ان ٹہنیوں کے خشک ہونے تک ان کے عذاب میں تخفیف ہو جائے۔

③ حدیث سے مستنبط فوائد:۔ ① عذابِ قبر حق ہے جیسا کہ اہل السنّت والجماعت کا مذہب ہے ② حدیث میں البول مطلق آیا ہے پس معلوم ہوا کہ بول مطلقاً ناپاک ہے خواہ ماکول اللحم کا ہو یا غیر ماکول اللحم کا ہو ③ قبر کے سرہانے کوئی پودا، درخت یا شاخ گاڑنا مفید ہے۔ (علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تخفیفِ عذاب میں تر و تازہ شاخ کی کوئی خصوصیت نہیں ہے اور نہ اس میں ایسی کوئی خاص صفت ہے جو خشک شاخ میں نہیں ہے بلکہ یہ آپ ﷺ کی دعا کا اثر تھا جو آپ ﷺ نے اسکے تر و تازہ رہنے تک فرمائی ہوگی، علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شاخ میں دفع عذاب کی خاصیت تھی مگر یہ خاصیت آپ ﷺ کے دستِ مبارک کی برکت سے حاصل ہوئی تھی۔

نیز وہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی بناء پر لوگوں نے قبر پر شاخ وغیرہ رکھ دینے کا جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ بالکل ناپسندیدہ اور شریعت کی مرضی کے خلاف ہے کیونکہ بذاتہ شاخ میں تخفیفِ عذاب کی کوئی خصوصیت نہیں ہے اور حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے۔ لہٰذا قبروں پر شاخیں گاڑنا اور پھولوں کی پتیاں وغیرہ پھینکنا امر منکر و بدعت ہے۔ (شرح نسائی ج ۱ ص ۶۵))

**الشق الثانی** ...... **ولا یؤخذ فی الصدقۃ ھَرِمَۃٌ ولاذات عَوَارٍ من الغنم ولا تَیسُ الغنم الّا ان یشاء المصدق۔**

حدیث کے اس جملہ کا مطلب لکھیں۔ زکوٰۃ کا لغوی و اصطلاحی معنیٰ لکھ کر زکوٰۃ الغنم کی وضاحت کریں۔ (۲۳۷۔ حقانیہ)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) حدیث کا مطلب (۲) زکوٰۃ کا لغوی و اصطلاحی معنیٰ (۳) زکوٰۃ الغنم کی وضاحت

**جواب** ...... ① حدیث کا مطلب:۔ حدیث کے اس جملہ کو ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ کس قسم کا جانور زکوٰۃ میں لینا چاہیے چنانچہ فرمایا کہ بالکل بوڑھا جانور اور عیب دار جانور زکوٰۃ میں وصول نہ کیا جائے اور عیب سے مراد یہ ہے کہ جس کی وجہ سے بیع میں خیارِ رد حاصل ہو جو کہ تجار کے نزدیک ثمن میں نقصان کا سبب ہو اور بعض نے کہا کہ وہ عیب مراد ہے جو قربانی کے جواز سے مانع ہو اسی طرح بکریوں کی زکوٰۃ میں نَر جانور نہیں لیا جائے گا البتہ اگر بکریوں کا مالک خود نَر جانور (بکرا) دینا چاہے تو وہ دے سکتا ہے زکوٰۃ وصول کرنے والے کو از خود نَر جانور لینے کا حق نہیں ہے۔

② زکوٰۃ کا لغوی و اصطلاحی معنیٰ:۔ زکوٰۃ کا لغوی معنیٰ بڑھنا، طہارت و پاکیزگی ہے۔ اصطلاحی طور پر متعدد معانی بیان کئے گئے ہیں۔ ① مخصوص مال میں سے ایک مخصوص حصے کا اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے کسی مخصوص شخص کو مالک بنانا۔ ② مالِ نصاب میں سے شرائط کے پائے جانے کی صورت میں چالیسواں حصہ کسی مستحق کو دینا۔ (خیر التوضیح)

③ زکوٰۃ الغنم کی وضاحت:۔ چالیس بکریوں میں ایک بکری ایک سو بیس تک، ایک سو اکیس میں دو بکریاں دو سو تک، دو سو ایک میں تین بکریاں تین سو ننانوے تک، چار سو میں چار بکریاں چار سو ننانوے تک، پانچ سو میں پانچ بکریاں پانچ سو ننانوے تک، اسی طرح اوپر ہر سو میں ایک بکری لازم ہے۔

## ﴿الورقۃ السادسۃ : ابوداؤد (ج ۱)﴾

## ﴿السوال الاول﴾ ۱۴۳۹ھ

**الشق الاوّل** ...... **عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ لا صرورۃ فی الاسلام۔**

حدیثِ مذکور کا مطلب لکھیں۔ فضیلت نکاح کے متعلق تین احادیث لکھیں۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) حدیث کا مطلب (۲) فضیلتِ نکاح کے متعلق تین احادیث۔

**جواب** ...... ① حدیث کا مطلب:۔ اسلام میں رہبانیت (قطع تعلق) کی اجازت نہیں ہے یعنی لوگوں سے الگ ہو کر عبادت میں مصروف رہنے اور لوگوں سے میل ملاپ، نکاح و شادی چھوڑ دینے کی اسلام میں گنجائش نہیں ہے۔

② فضیلتِ نکاح کے متعلق تین احادیث:۔ ① سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اربع من سنن المرسلین الحیاء والتعطر والسواک والنکاح (چار چیزیں انبیاء علیہم السلام کی سنت ہیں حیاء، خوشبو، مسواک اور نکاح)

② آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی عورت سے نکاح کرو اسلئے کہ میں اُمت کی زیادتی کے باعث مجھے دیگر امتوں پر فضیلت دی گئی ہے۔ ③ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رہبانیت (تنہائی) اختیار نہ کرو نیز فرمایا کہ جو نکاح کی ذمہ داریاں اٹھانے کی استطاعت رکھتا ہو اُسے چاہیے کہ نکاح کرے کیونکہ اس سے نگاہیں نیچی رہتی ہیں اور شرمگاہوں کی حفاظت ہوتی ہے۔

**الشق الثانی** ......اَنَّ اُمَّ حَبِیْبَةَ قَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ لَكَ فِیْ اُخْتِیْ؟ قَالَ فَاَفْعَلُ مَاذَا؟قَالَتْ فَتَنْكِحُهَا.قَالَ اُخْتُكِ؟قَالَتْ نَعَمْ قَالَ اَوَ تُحِبِّیْنَ ذٰلِكِ؟ قَالَتْ لَسْتُ بِمُخْلِیَةٍ بِكَ وَاَحَبُّ مَنْ شَرِكَنِیْ فِیْ خَیْرٍ اُخْتِیْ، قَالَ فَاِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِیْ. قَالَتْ فَوَاللّٰهِ لَقَدْ اُخْبِرْتُ اَنَّكَ تَخْطُبُ دُرَّةَ ـــــ الخ۔ (۲۸۷۔حقانیہ)

حدیث پراعراب لگا کر ترجمہ کریں۔آپ ﷺ نے یہاں **لاتحلّ لی** اور درہ بنت ابی سلمہ کے متعلق **ما حلت لی** کیوں فرمایا؟وجہ تحریر کریں

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل تین امور ہیں ① حدیث پر اعراب ② حدیث کا ترجمہ ③ **لاتحلّ لی** اور **ما حلت لی** فرمانے کی وجہ

**جواب** ...... ① **حدیث پر اعراب:۔** كما مرّ فی السؤال آنفًا

② **حدیث کا ترجمہ:۔** اِم حبیبہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا آپ کو میری بہن میں رغبت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا میں کیا کروں؟ (تو مجھے کیا کہنا چاہتی ہے؟) اِم حبیبہؓ نے عرض کیا کہ آپ اس سے نکاح کرلیں.آپ ﷺ نے فرمایا تیری بہن سے؟ اِم حبیبہؓ نے عرض کیا کہ جی ہاں.آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو یہ پسند کرتی ہے؟انہوں نے کہا میں اکیلی ہی آپ کے نکاح میں نہیں ہوں اور میں زیادہ پسند کرتی ہوں اپنی بہن کو ان لوگوں میں جو میرے ساتھ بھلائی میں شریک ہوں۔آپ ﷺ نے فرمایا وہ میرے لئے حلال نہیں ہے.انہوں نے کہا قسم بخدا مجھے یہ خبر ملی ہے کہ آپ ﷺ نے درہ بنت ابی سلمہ کو نکاح کا پیغام بھیجا ہے؟............

③ **لاتحلّ لی** اور **ما حلت لی فرمانے کی وجہ:۔** بظاہر یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت اُم حبیبہ ؓ کی بہن کے متعلق مضارع کا صیغہ استعمال کیا کہ تیری بہن فی الحال میرے لئے حلال نہیں ہے اسلئے کہ اِس وقت تُو میرے نکاح میں ہے البتہ تجھ سے پہلے یا تیری وفات یا طلاق کے بعد وہ میرے لئے حلال ہے جبکہ درہ بنت ابی سلمہ ؓ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہونے کی وجہ سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مستقل طور پر میرے لئے حرام ہے اُسکے حلال ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے اِسی لئے اسکے متعلق ماضی کا صیغہ استعمال کیا۔

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۹ھ

**الشق الاوّل** ......عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّ اِبْرَاهِیْمَ علیه السلام لَمْ یَكْذِبْ قَطُّ اِلَّا ثَلَاثًا،ثِنْتَانِ فِیْ ذَاتِ اللّٰهِ، قَوْلُهٗ اِنِّیْ سَقِیْمٌ وَقَوْلُهٗ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا وَبَیْنَمَا هُوَیَسِیْرُ فِیْ اَرْضِ جَبَّارٍ مِنَ الْجَبَابِرَةِ اِذْ نَزَلَ مَنْزِلًا فَاُتِیَ الْجَبَّارُ فَقِیْلَ لَهٗ اِنَّهٗ نَزَلَ هٰهُنَا رَجُلٌ مَعَهٗ اِمْرَاَةٌ هِیَ اَحْسَنُ النَّاسِ قَالَ فَاَرْسَلَ اِلَیْهِ فَسَاَلَهٗ عَنْهَا فَقَالَ اِنَّهَا اُخْتِیْ ......الخ۔ (۳۰۸۔حقانیہ)

حدیث پراعراب لگا کر ترجمہ کریں۔حضرت ابراہیم علیہ السلام پر کذب کا اطلاق کیسے کیا گیا جب کہ وہ نبی تھے؟اور حضرت سارہ علیہا السلام کے علاوہ اس زمانہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لانے والوں میں حضرت لوط علیہ السلام بھی تھے پھر **وانه لیس الیوم مسلم غیری وغیرك** کا کیا مطلب ہے؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) حدیث پر اعراب (۲) حدیث کا ترجمہ (۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام پر کذب کے اطلاق کی وضاحت (۴) **وانه لیس الیوم مسلم غیری وغیرك** کا مطلب۔

0313 6357913 maktabeabujuraira@gmail.com

**جواب** ...... ① **حدیث پر اعراب:۔** كما مرّ فی السؤال آنفًا

② **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت ابو ہریرہ ؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین مرتبہ کے علاوہ کبھی جھوٹ نہیں بولا، دو مرتبہ تو اللہ تعالیٰ کے لئے، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول **اِنِّیْ سَقِیْمٌ** اور **بَلْ فَعَلَهٗ كَبِیْرُهُمْ** ہے، اور ایک مرتبہ وہ کسی ظالم بادشاہ کے ملک میں جا رہے تھے جب آپ علیہ السلام ایک مقام پر پہنچے تو بادشاہ کو اطلاع دی گئی کہ یہاں پر ایک آدمی پہنچا ہے جسکی بیوی بہت خوبصورت ہے چنانچہ اس بادشاہ نے آپ کی طرف پیغام بھیجا (اور اپنے پاس طلب

کرلیا) اور حضرت سارہ علیہا السلام کے متعلق پوچھا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ میری بہن ہے........

③ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر کذب کے اطلاق کی وضاحت:۔ اس حدیث میں جو کذب کا لفظ استعمال ہوا ہے اس سے کذب حقیقی مراد نہیں ہے بلکہ یہاں توریہ کیا گیا ہے کیونکہ جھوٹ بولنا تو ہر جگہ حرام ہے اور جہاں جھوٹ بولنے کا جواز معلوم ہوتا ہے وہاں مراد توریہ ہے کہ کسی لفظ کے دو معنی ہوں ایک معنی قریب اور دوسرا معنی بعید، اور کلام میں متکلم معنی بعید مراد لے رہا ہو اور مخاطب معنی قریب مراد لے۔ چنانچہ یہاں بھی توریہ کیا گیا ہے۔

④ **وانہ لیس الیوم مسلم غیری وغیرك** کا مطلب:۔ سوال ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لانے والوں میں حضرت سارہ علیہا السلام کے علاوہ حضرت لوط علیہ السلام بھی تھے **کما قال اللّٰہ تعالٰی فآمن لہٗ لوط** پھر **وانہ لیس الیوم مسلم غیری وغیرك** کیسے فرمایا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد وہ علاقہ اور بستی ہے جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا وہاں کوئی اور مسلمان نہ تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لانے والوں میں اگرچہ حضرت لوط علیہ السلام بھی تھے مگر وہ دوسرے علاقہ میں تھے (الدر المنضود ج ۴)

**الشق الثانی** ......**حدثنا يحيى بن معين ثنا عمرو بن الربيع بن طارق قال: أنا يحيى بن ايوب عن عبد الرحمن بن رزين عن محمد بن يزيد عن أيوب بن قطن عن أبي بن عمارة قال يحيى بن ايوب و كان قد صلّى مع رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم القبلتين أنه قال: يا رسول اللّٰه! أأمسح على الخفين؟ قال: نعم، قال: يوما؟ قال: يوما، قال: و يومين؟ قال: و يومين، قال: و ثلاثة؟ قال: نعم و ما شئت. قال أبو داؤد: و رواه ابن أبي مريم المصري عن يحيى بن أيوب ..... الخ**

حدیث مبارک کا ترجمہ کیجیے، مسح علی الخفین کی مدت میں اقوال ائمہ مع دلائل بیان کیجیے۔ حدیث کے الفاظ **وما شئت** کی تشریح کیجیے، مذکورہ حدیث کے متعلق امام ابوداؤد نے کیا فرمایا ہے؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② مسح علی الخفین کی مدت میں اقوال ائمہ مع دلائل ③ **وما شئت** کی تشریح ④ **قال أبو داؤد** کی وضاحت۔

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابی بن عمارہ رضی اللہ عنہ (جن کے متعلق یحییٰ بن ایوب کہتے ہیں کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قبلتین کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی ہے) سے مروی ہے کہ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا میں موزوں پر مسح کر سکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں، انہوں نے عرض کیا کہ ایک دن تک؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں ایک دن تک، پھر انہوں نے عرض کیا کہ دو دن تک؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو دن تک بھی، عرض کیا کہ تین دن تک؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین دن تک بھی اور جیسے تمہارا دل چاہے۔

② مسح علی الخفین کی مدت میں علماء کے اقوال و دلائل:۔ جمہور کے نزدیک مسح علی الخفین کی مدت مقیم کے لیے ایک دن و ایک رات اور مسافر کے لیے تین دن و تین رات ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ سے دو روایتیں ہیں: ① مقیم موزوں پر بالکل مسح نہ کرے اور مسافر کا مسح دائمی و ابدی ہے یعنی وقت کی کوئی حد نہیں ہے جب تک چاہے مسح کر سکتا ہے۔ ② مقیم کا حکم بھی مسافر والا ہی ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ مسح کی مشروعیت ضرورت کی وجہ سے ہے اور مقیم کے لیے ضرورت نہیں ہے۔ اور مسافر کے حق میں دلیل حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات دن کے سوال کے بعد فرمایا کہ تو جب تک چاہے مسح کرتا رہ۔ معلوم ہوا کہ مسافر کے لیے مسح کی کوئی مدت مقرر نہیں ہے۔

جمہور کی دلیل حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ میں نے موزوں پر مسح کے متعلق پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **للمقیم یوم و لیلۃ و للمسافر ثلثۃ ایام و لیالیھا**۔ حاشیہ ابوداؤد میں لکھا ہے کہ **توقیت فی المسح** کی روایات اٹھارہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ حدیث مجہول ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا اس کے رجال غیر معروف ہیں۔ امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کی سند میں اختلاف ہے اور قوی نہیں ہے۔ دارقطنی نے کہا کہ اس کی سند

0317 6357313 maktabazakariyamultan@gmail.com

غیر ثابت ہے۔ یحیی بن معین نے کہا کہ اس کی سند مضطرب ہے۔ پس اس شاذ حدیث کی وجہ سے احادیث مشہورہ کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔ نیز آپ ﷺ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ یہ مسح مؤبد ہے یعنی غیر منسوخ ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ اس مدت میں موزے ہی نہ اتارے۔ اورامام مالک رحمہ اللہ کے قول (مقیم کیلئے عدمِ ضرورت) کا جواب یہ ہے کہ مقیم کیلئے بھی ضرورت ہے کہ مقیم جب صبح کے وقت موزے پہن کر اپنی ضرورت کیلئے گھر سے باہر جائے تو شام کو واپسی تک موزے اتارنا مشکل وشاق ہوگا پس اس ضرورت کے پیش نظر مقیم کیلئے بھی مسح کی اجازت ہے۔ (اشرف الہدایہ)

④ **وما شئت کی تشریح:۔** اس کا مفہوم یہ ہے کہ مسح علی الخفین جب تک چاہو قاعدہ وضابطہ کے مطابق کرتے رہو اور ضابطہ یہی ہے کہ مقیم ایک دن وایک رات اور مسافر تین دن وتین رات کے بعد موزے اتار کر پاؤں دھوئے اور دوبارہ موزے پہن لے اور ہمیشہ اسی طرح اتارتا اور پہنتا رہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ ایک ہی مرتبہ پہن کر ہمیشہ مسح کرتا رہے۔ (الدر المنضود)

⑤ **قال أبو داؤد کی وضاحت:۔** امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اس حدیث کے دوسرے طریق کو ذکر کیا ہے، اس طریق میں مذکور ہے کہ سائل نے سات دن تک مسح کے متعلق سوال کیا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں سات دن تک بھی مسح کر سکتے ہو اور اس کے علاوہ بھی جیسے تمہارا دل چاہے یعنی جب تک چاہو مسح علی الخفین کر سکتے ہو۔ اس طریق کو ذکر کرنے کے بعد امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں اختلاف ہے اور یہ قوی درجہ کی سند نہیں ہے۔

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۹ھ

**الشق الاوّل** ......**حدثنا عثمان بن أبي شيبة نا عبدة المعني و احد عن هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة قالت: بعث رسول الله ﷺ أسيد بن حضير و أنا سامعه فى طلب قلادة أضلتها عائشة فحضرت الصلاة فصلوا بغير وضوء فأتوا النبى ﷺ فذكروا ذلك له، فأنزلت اٰية التيمم۔ زاد ابن النفيل: فقال له أسيد: يرحمك الله ما نزل بك أمر تكرهينه الا جعل الله للمسلمين و لك فيه فرجا.**

حدیث مبارک کا ترجمہ کیجیے، آیت تیمّم سے کون سی آیت مراد ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار کس غزوہ میں گم ہوا اور حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے ان سے کیا فرمایا؟ تیمّم کس چیز سے کیا جاتا ہے؟ اس کی کتنی ضربات ہیں؟ اقوال بھی بتائیں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② آیتِ تیمّم کی مراد ③ غزوہ کی تعیین ④ حضرت اسید رضی اللہ عنہ کا قول ⑤ اشیاءِ تیمّم کی تعیین ⑥ تیمّم کی ضربات۔

**جواب** ...... ① **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو اور ان کے ساتھ کچھ دیگر لوگوں کو اس ہار کی تلاش کے لیے بھیجا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے گم کر دیا تھا، پس نماز کا وقت ہوگیا تو انہوں نے بغیر وضو کے نماز پڑھ لی اس کے بعد وہ خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا تو اس موقع پر آیتِ تیمّم نازل ہوئی، ابن نفیل نے یہ الفاظ بھی زائد ذکر کیے ہیں کہ حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے کہ تم پر کبھی ناخوشگوار واقعہ نازل نہیں ہوا مگر اس واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے آسانی وخیر بنا دیا۔

② **آیت تیمّم کی مراد:۔** ابن العربی کہتے ہیں کہ یہ ایسا مشکل مسئلہ ہے کہ میں نے اس مرض کا کوئی علاج نہیں پایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد کون سی آیت ہے؟ ابن بطال نے کہا کہ اس سے مراد سورۃ نساء کی آیت ہے یا سورۃ مائدہ کی آیت، کوئی متعین نہیں ہے۔

0313 0337015 maktabazakariyamultan@gmail.com

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد آیتِ نساء (**یٰاَیُّها الذین اٰمنوا لا تقربوا الصلوة... فلم تجدوا ماء فتيمموا صعيدا طيبا الخ**) ہے کیوں کہ آیتِ مائدہ (**یٰاَیُّها الذين اٰمنوا اذا قمتم الى الصلوة ... الخ**) آیتِ وضو کے نام سے مشہور ہے، اگرچہ اس میں تیمّم کا بھی ذکر ہے، اور آیتِ نساء میں صرف تیمّم کا ذکر ہے۔ علامہ عینی نے حمیدی کی **جمع بين الصحيحين** میں مذکور روایت (**فنزلت یٰاَیُّها الذين اٰمنوا اذا قمتم الى الصلوة ... الخ**) کی وجہ سے آیت مائدہ کا متعین ہونا لکھا ہے (الدر المنضود)

③ **غزوہ کی تعیین:۔** واقعۂ افکِ عائشہ رضی اللہ عنہا اور مشروعیتِ تیمّم دونوں کا سبب ہار کا گم ہونا ہے اور واقعۂ افک بالاتفاق غزوہ مریسیع (بنو

المصطلق) میں پیش آیا اور ایک بڑی جماعت کی رائے یہ ہے کہ آیتِ تیمّم کا نزول بھی اسی غزوہ میں ہوا۔ جب کہ ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ واقعۂ افک کے بعد دوسرے سفر میں ہار دوبارہ گم ہوا اس میں آیتِ تیمّم نازل ہوئی، چنانچہ طبرانی کی روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ واقعۂ افک کے بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دوسرے غزوہ میں شریک ہوئی تو اس میں آیتِ تیمّم نازل ہوئی، مگر اس روایت میں سفر کا نام نہیں ہے، حافظ ابن القیم وابن الحجر کا میلان اسی طرف ہے۔ حافظؒ نے بعض علماء سے آیتِ تیمّم کا نزول غزوہ ذات الرقاع میں نقل کیا ہے، ممکن ہے کہ وہ غزوہ یہی ہو۔ مگر یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ ذات الرقاع مقدم ہے یا بنوالمصطلق مقدم ہے۔ علامہ قسطلانی فرماتے ہیں کہ آیت تیمّم کا نزول ۵ھ یا ۶ھ ہجری میں ہوا، تاریخ خمیس میں ۵ھ اور ابن الجوزی کی التلقیح میں ۴ھ لکھا ہے۔ (ایضاً)۔

④ حضرت اسید رضی اللہ عنہ کا قول:۔ حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دعا دیتے ہوئے یہ جملہ کہا **ما نزل بك أمر تكرهينه الا جعل الله للمسلمين و لك فيه فرجا** (اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے کہ جب بھی تمہیں کوئی ناخوش گوار بات یا واقعہ پیش آیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے تمہارے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے راحت وسہولت کا سبب وسامان بنادیا)

⑤ اشیاءِ تیمّم کی تعیین:۔ صعید طیب سے تیمّم کا حکم ہے اور اس کی تفسیر میں اختلاف ہے، امام شافعی واحمد رحمہما اللہ کے نزدیک اس کی تفسیر صرف تراب (مٹی) ہے، اور تراب کے ساتھ غبار بھی ہونا چاہیے، امام ابوحنیفہ وامام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک صعید کا مصداق وجہ الارض ہے، لہٰذا تیمّم مٹی کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ جو چیز بھی جنس الارض ہے یعنی پگھلانے سے پگھلے نہیں اور جلانے سے جلے نہیں اس سے تیمّم جائز ہے۔

⑥ تیمّم کی ضربات:۔ امام احمد، اسحٰق بن راہویہ، امام بخاری وغیرہ محدثین کے نزدیک تیمّم ایک ضرب اور حنفیہ وشافعیہؒ کے نزدیک دو ضربیں ہیں۔ امام مالکؒ سے دونوں روایتیں ہیں اور تیسری روایت یہ ہے کہ ایک ضرب فرض اور دوسری سنت ہے، یہی ان کا راجح قول ہے۔

**الشق الثانی** ......**عن سعید بن ابی سعید عن ابیه انّ ابا هریرة قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لا یحل لامرأة مسلمة تسافر مسیرة لیلة الا ومعها رجل ذو حرمة منها.**

**عن ابی سعید قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لا یحل لامرأة تؤمن بالله والیوم الآخر ان تسافر فوق ثلاثة ایام فصاعدا الّا ومعها ابوها او اخوها او زوجها او ابنها او ذو محرم منها.** (باب فی المرأة تحج بغیر محرم)

احادیث کا ترجمہ کریں۔ عورت کیلئے محرم یا شوہر کے بغیر سفرِ حج کے جواز وعدمِ جواز میں فقہاء کے اقوال مع دلائل تحریر کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① احادیث کا ترجمہ ② عورت کیلئے محرم یا شوہر کے بغیر سفرِ حج کے جواز وعدمِ جواز میں فقہاء کے اقوال مع دلائل۔

**جواب** ...... ① احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی مسلمان عورت کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ محرم کے بغیر ایک رات کی مسافت کا سفر کرے۔ حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورت اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتی ہو اس کیلئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ تین دن سے زائد کا سفر کرے مگر یہ کہ اس کے ساتھ اس کا باپ ہو یا بھائی ہو یا شوہر ہو یا بیٹا ہو یا کوئی ایسا رشتہ دار ہو جو اس کا محرم ہو۔

② عورت کیلئے محرم یا شوہر کے بغیر سفرِ حج کے جواز وعدمِ جواز میں فقہاء کے اقوال مع دلائل:۔ اگر کسی عورت کے گھر اور مکۃ المکرمہ کے درمیان تین دن یا اس سے زائد کی مسافت ہو تو اس عورت کیلئے محرم یا زوج کے بغیر حج کے سفر پر جانا جائز نہیں ہے البتہ اگر تین دن سے کم مسافت ہو تو پھر زوج اور محرم کے بغیر بھی حج پر جانا جائز ہے۔

دلیل ① آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے **لا تَحُجَّنَّ امرأة الا و معها محرم** ② محرم اور زوج کے بغیر سفر میں فتنہ کا خوف واندیشہ ہے۔

امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ عورت اگر ساتھیوں کے ساتھ سفرِ حج پر جائے اور اس کے ساتھ ثقہ اور قابل اعتماد عورتیں ہوں تو پھر بھی اسکا سفرِ حج پر جانا جائز ہے اگر چہ اس کے ساتھ محرم اور شوہر نہ ہو، کیونکہ رفاقت کی وجہ سے امن حاصل ہے۔

جواب: عورت ناقص العقل والدین ہے اور بغیر محرم کے فتنہ کا اندیشہ ہے، جب یہ عورتیں ایک سے زائد ہو جائیں گی تو اس سے فتنہ میں

اضافہ ہی ہوگا، کمی واقع نہ ہوگی۔اسی وجہ سے مرد کا اجنبیہ عورت کے ساتھ جمع ہونا حرام ہے، اگر چہ وہاں دوسری عورت بھی ہو۔(اشرف الہدایہ)

## ﴿الورقة السادسة: سنن أبي داؤد ج ۱﴾

### ﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۴۰ھ

**الشق الاوّل** ......عن ابن عباس أن معاوية بن أبي سفيان أخبره قال: قصرت عن النبي صلى الله عليه وسلم بمشقص على المروة ... عن ابن عباس قال: و الله ما أعمر رسول الله صلى الله عليه وسلم عائشة في ذي الحجة ليقطع بذلك أمر أهل الشرك، فان هذا الحي من قريش و من دان دينهم كانوا يقولون: اذا عفا الوبرو برء الدبر و دخل صفر فقد حلت العمرة لمن اعتمر، فكانوا لا يحرمون العمرة حتي ينسلخ ذو الحجة و المحرم۔

ترجمہ کیجیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعداز ہجرت کتنے عمرے کئے؟ اوران کے مواقع کیا ہیں؟ راجح قول کے مطابق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کا قصر کیا؟ خط کشیدہ کلمات کے معانی کے بعد بتایئے کہ ذوالحجہ میں عمرہ ادا ہوسکتا ہے یا نہیں؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں پانچ امور مطلوب ہیں: ① حدیث کا ترجمہ ② بعداز ہجرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمروں کی تعداد و مواقع ③ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال قصر کرنے کا موقع ④ خط کشیدہ کلمات کے معانی ⑤ ذوالحجہ میں عمرہ کا حکم۔

**جواب** ...... ❶ **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے انہیں خبر دی کہ انہوں نے مروہ پہاڑی پر پیکان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کا قصر کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ قسم بخدا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو صرف اس لیے عمرہ کروایا تھا کہ مشرکین کا نظریہ وخیال غلط ہوجائے، کیوں کہ قریش اور جولوگ ان کے طریقہ پر چلتے تھے وہ سب یہ کہتے تھے کہ جب اونٹ کے بال بڑھ جائیں، اس کی پیٹھ کا زخم صحیح ہوجائے اور صفر کا مہینہ شروع ہوجائے تو عمرہ کا ارادہ کرنے والے کے لیے عمرہ حلال ہوجاتا ہے، اوروہ لوگ ذوالحجہ ومحرم کے ختم ہونے تک عمرہ کو حرام سمجھتے تھے۔

❷ **آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمروں کی تعداد ومواقع:۔** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حقیقتاً وحکماً چار عمرے کئے تھے: ① ۶ھ میں حکمی عمرہ جو مشرکین کے روکنے کی وجہ سے نا تمام رہا ② آئندہ سال ۷ھ میں عمرۃ القضاء کیا تھا ③ عمرۂ جعرانہ فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انیس دن تک مکہ میں قیام کیا تھا پھر حنین تشریف لے گئے، وہاں سے طائف گئے، ایک ماہ تک اس کا محاصرہ کیا پھر لوٹ کر جعرانہ آئے، وہاں حنین کی غنیمت تقسیم کی اور یہیں سے عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ ادا کیا تھا ④ حجۃ الوداع کے موقع پر حج قران کیا تھا یعنی حج وعمرہ دونوں ایک ہی احرام سے ادا کئے تھے۔(تحفۃ الالمعی ۳:۲۰۹)

❸ **حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قصر کرنے کا موقع:۔** بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ حجۃ الوداع کا موقع ہے، مگر یہ درست نہیں کیوں کہ حجۃ الوداع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں حلق کروایا تھا، اور یہ عمرۃ القضاء کا واقعہ بھی نہیں ہے کیوں کہ اس وقت تک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ عمرۂ جعرانہ کا واقعہ ہے جو ۸ھ میں پیش آیا۔(الدر المنضود)

❹ **کلمات مخطوطہ کے معانی:۔** مِشْقَصٌ: اس کی جمع مَشَاقِصُ ہے، بمعنی تیر کی پیکان ودھار (مراد قینچی ہے۔ الدر المنضود)

عَفَا: بمعنی بالوں کو چھوڑ دینا حتی کہ وہ زیادہ و لمبے ہوجائیں۔ — بَرِءَ: بمعنی تندرست ہونا، بیماری سے شفایاب ہونا۔

اَلْوَبَرُ: اس کی جمع اَوْبَارٌ ہے بمعنی اونٹ وخرگوش کے بال۔ — اَلدَّبَرُ: بمعنی اونٹ کی پیٹھ کا زخم۔

❺ **ماہ ذوالحجہ میں عمرہ کا حکم:۔** سال بھر عمرہ کیا جاسکتا ہے، اس کا کوئی وقت مقرر نہیں البتہ صرف پانچ دن (۹ تا ۱۳ ذوالحجہ) مکروہ ہے۔(الدر المنضود ۳:۱۸۶)

**الشق الثانی** ......عن حبيبة بنت سهل الأنصارية أنها كانت تحت ثابت بن قيس بن شماس و أن رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج الى الصبح فوجد حبيبة بنت سهل عند بابه في الغلس فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من هذه؟ قالت: أنا حبيبة بنت سهل قال: ما شأنك؟ قالت: لا أنا و لا ثابت بن قيس لزوجها... الخ

حدیث مذکور کا ترجمہ کیجیے، حضرت حبیبہ بنت سہل رضی اللہ عنہا اوران کے شوہر کا پورا قصہ لکھیے اور بتایئے کہ انہوں نے خلع کیوں طلب کیا تھا؟ خلع سے کیا واقع ہوتا ہے اور بلا عذر خلع طلب کرنے پر کیا وعید ہے؟ خلع کی عدت ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کتنی ہے؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② حبیبہ بنت سہل رضی اللہ عنہا اوران کے شوہر کا قصہ اور طلبِ خلع کی وجہ ③ خلع کا حکم ④ بلا عذر طلبِ خلع پر وعید ⑤ خلع کی عدت۔

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت حبیبہ بنت سہل انصاریہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صبح کی نماز کے لیے نکلے تو حبیبہ رضی اللہ عنہا کو اندھیرے میں دروازے کے پاس پایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں حبیبہ بنت سہل ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ یا میں نہیں یا (میرے شوہر) ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نہیں (یعنی ہم دونوں اکٹھے نہیں رہ سکتے)۔

② حبیبہ بنت سہلؓ کا قصہ اور طلبِ خلع کی وجہ:۔ حضرت حبیبہ بنت سہل انصاریہ رضی اللہ عنہا حضرت ثابت بن قیس بن شماسؓ کے نکاح میں تھیں، ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کے لیے نکلے تو حضرت حبیبہ رضی اللہ عنہا کو اندھیرے میں دروازے کے پاس پایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں حبیبہ بنت سہل ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں اور میرے شوہر ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ بعد میں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ بھی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تمہاری بیوی تمہاری شکایت کر رہی ہے اور خلع کا مطالبہ کر رہی ہے اور کہتی ہے کہ جو کچھ مہر انہوں نے مجھے دیا ہے وہ موجود ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ان سے خلع کر لو اور جو کچھ ان کے پاس تمہارا ہے وہ واپس لے لو، حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے بدلِ خلع وصول کر لیا اور اس طرح ان دونوں میں خلع کے ذریعے جدائی ہوگئی۔

حضرت حبیبہ بنت سہل رضی اللہ عنہا اپنے خاوند حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے سوءِ خلق اور مزاج کی سختی و مار پیٹ سے نالاں تھیں، اسی وجہ سے انہوں نے خلع کا مطالبہ کیا تھا۔

③ خلع کا حکم:۔ احناف وشوافع کا اختلاف ہے کہ خلع فسخِ نکاح ہے یا طلاق۔ احناف کے نزدیک خلع طلاق ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک خلع فسخِ نکاح ہے۔ ثمرۂ اختلاف یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو دو طلاق دیدیں پھر عدت میں ہی خلع کر لیا یہ شخص عدت گزرنے کے بعد ہمارے نزدیک اس عورت کے ساتھ بغیر حلالہ کے نکاح نہیں کر سکتا جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک نکاح کر سکتا ہے۔

④ بلا عذر طلبِ خلع پر وعید:۔ ابوداؤد کی روایت کے مطابق بلا وجہ خواہ مخواہ اپنے شوہر سے خلع کا مطالبہ کرنے والی عورت پر جنت کی بو حرام ہے۔ ترمذی کی روایت میں ایسی عورتوں کو منافق قرار دیا گیا ہے، کیوں کہ نکاح کا تقاضا محبت ہے اور خلع نفرت کی بناء پر ہوتا ہے۔

⑤ خلع کی عدت:۔ جمہور علماء جو خلع کو طلاق کہتے ہیں ان کے نزدیک عدت تین قروء ہے، اور جو اس کے فسخِ نکاح ہونے کے قائل ہیں ان کے نزدیک اس کی عدت ایک حیض ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فسخ کے قائل ہیں مگر عدت تین قروء ہی کہتے ہیں۔ (الدر المنضود)

## ﴿السؤال الثانی﴾ ۱۴۴۰ھ

**الشق الاوّل** ......عن ابن عباسؓ قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: لما أصيب اخوانكم بأحد جعل الله أرواحهم فی جوف طير خضر ترد أنهار الجنة تأكل ثمارها و تأوی الی قناديل من ذهب معلقة فی ظل العرش، فلما وجدوا طيب مأكلهم و مشربهم ومقيلهم قالوا: من يبلغ اخواننا عنا أنا أحياء فی الجنة نرزق؟ .... الحديث۔ و عن حسناء بنت معاوية الصريمية قالت: حدثنا عمی قال: قلت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم: من فی الجنة؟ قال: النبی فی الجنة و الشهيد فی الجنة و المولود فی الجنة و الوئيد فی الجنة.

دونوں حدیثوں کا ترجمہ کیجیے، شہداءِ احد کی مندرجہ بالا آرزو کس نے کس طرح پوری کی؟ خط کشیدہ کلمات کی لغوی وصرفی تحقیق کیجیے، مولود اور وئید سے کون مراد ہیں؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① احادیث کا ترجمہ ② شہداءِ احد کی آرزو پوری ہونے کی کیفیت ③ کلمات مخطوطہ کی تحقیق ④ مولود اور وئید کی مراد۔

**جواب** ...... ① احادیث کا ترجمہ:۔ ① حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے جو بھائی

غزوۂ احد میں شہید کیے گئے اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح کو جنت کے سبز پرندوں کے پیٹوں یا پوٹوں میں رکھ دیا ہے، وہ جنت کی نہروں (وباغات) میں سیر کرتے پھرتے ہیں، اس کے پھلوں کو کھاتے ہیں اور عرش کے نیچے معلق وآویزاں خوش نما سونے کی قندیل میں ٹھکانہ پکڑتے ہیں۔ جب شہداء احد کی ارواح نے وہاں کھانے پینے اور سونے کی سہولت وخوش گوار حالت دیکھی تو انہوں نے کہا (چاہا) کہ ہماری اس خوشحالی کی خبر ہمارے بھائیوں تک کون پہنچائے گا کہ ہم جنت میں زندہ ہیں اور رزق دیے جاتے ہیں؟ ② حسناء بنت معاویہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ مجھے میرے چچا نے حدیث بیان کی کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ جنت میں کون کون جائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نبی (مراد تمام انبیاء ہیں) جنت میں جائے گا اور شہید (مراد مؤمن ہے) جنت میں جائے گا اور نابالغ بچہ جنت میں جائے گا اور زندہ درگور کیا ہوا بچہ جنت میں جائے گا۔

② **شہداءِ احد کی آرزو پوری ہونے کی کیفیت:۔** شہداءِ احد کی یہ آرزو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیات کریمہ نازل فرما کر پوری فرمائی: **ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا، بل أحیاء عند ربهم یرزقون، فرحین بما آتاهم اللہ من فضله .... الخ** (الدر المنضود)

③ **کلمات مخطوطہ کی تحقیق:۔** **جَوْفٌ**: مفرد ہے اس کی جمع **أَجْوَافٌ** ہے بمعنی پیٹ واندرونی حصہ۔

**خُضُرٌ**: یہ **خُضْرَةٌ** کی جمع ہے بمعنی سبز رنگ۔ مصدر **خَضَرًا** (سمع) بمعنی سبز ہونا۔

**مَقِيْلٌ**: یہ ظرف مفرد کا صیغہ ہے از مصدر **قَيْلًا** ، **مَقِيْلًا**، **قَيْلُوْلَةً** (ضرب۔ اجوف) بمعنی دوپہر کو سونا۔

**اَلْمَوْلُوْدُ**: صیغہ واحد مذکر بحث اسم مفعول از مصدر **وِلَادَةً**، **وِلَادًا** (ضرب۔ مثال) بمعنی جننا و پرورش کرنا۔

**اَلْوَئِيْدُ**: صیغہ صفت (اسم مفعول) از مصدر **وَأْدًا** (ضرب۔ مثال ومہموز) بمعنی زندہ درگور کرنا۔

④ **مولود اور وئید کی مراد:۔** **مَوْلُوْدٌ**: سے مراد وہ بچہ ہے جو بلوغ وحنث سے پہلے ہی وفات پا جائے۔

**وَئِيْدٌ**: سے مراد وہ بچہ ہے جسے زندہ درگور کر دیا گیا ہو۔

**الشق الثانی** ...... **عن المهاجِرِ بنِ قنفذ انه اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وهو یبول فسلم علیهِ فلم یرد علیهِ حتی توضأ ثم اعتذر الیهِ فقال انِی کرِهت ان اذکر اللہ تعالی الا علی طهر او قال علی طهارة۔ عن عائِشة قالت کان رسول اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم یذکر اللہ عز وجل علی کلِ احیانِهِ۔**

احادیث کی مختصر تشریح کریں۔ بظاہر جو تعارض ہے اس کی وضاحت کے بعد تطبیق کی صورت تحریر کریں۔ سلام کو ذکر اللہ سے تعبیر کرنے کی وجہ تحریر کریں۔ قضائے حاجت کے وقت سلام کرنے اور سلام کا جواب دینے کا حکم تحریر کریں۔

﴿ خلاصۂ سوال ﴾...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① احادیث کی تشریح ② تعارض وتطبیق کی وضاحت ③ سلام کو ذکر اللہ سے تعبیر کرنے کی وجہ ④ قضائے حاجت کے وقت سلام کرنے اور جواب دینے کا حکم۔

**جواب** ...... ① **احادیث کی تشریح:۔** حضرت مہاجر بن قنفذ رضی اللہ عنہ کی روایت کا حاصل یہ ہے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب کر رہے تھے، میں نے سلام کیا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب نہیں دیا، بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے استنجا سے فراغت کے بعد وضو کیا اور مجھ سے معذرت کی اور فرمایا کہ مجھے یہ بات اچھی نہیں لگی کہ میں پاکی کے بغیر اللہ کا ذکر کروں، اسلئے میں نے سلام کا جواب نہیں دیا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام اوقات (پاکی وناپاکی) میں اللہ کا ذکر کرتے تھے۔

② **تعارض وتطبیق کی وضاحت:۔** پہلی حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پاکی کے بغیر اللہ کا ذکر نہیں کرتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پاکی وناپاکی کی حالت میں اللہ کا ذکر کرتے تھے؟

متعدد طرح سے تطبیق دی گئی ہے ① پہلی حدیث میں ذکرِ لسانی مراد ہے اور حدیثِ عائشہ میں ذکرِ قلبی مراد ہے ② پہلی حدیث

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

اولویت پر محمول ہے اور حدیثِ عائشہ بیانِ جواز پر محمول ہے ③ **کل احیانه** کی ضمیر کا مرجع ذکر ہے، مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ ان تمام اوقات میں ذکر کرتے تھے جن میں ذکر کرنا مناسب ہے۔ اس صورت میں کوئی اشکال وتعارض ہی نہیں ہے۔ (الدر المنضود)

④ سلام کو ذکر اللہ سے تعبیر کرنے کی وجہ:۔ سلام اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے، ارشاد باری ہے **هو الله الذی لااله الّا هو الملك القدّوس السلام**، تو سلام میں ذکر اللہ ہونے کی وجہ سے سلام کو ہی ذکر اللہ سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔

④ قضائے حاجت کے وقت سلام کرنے اور جواب دینے کا حکم:۔ قضائے حاجت کے وقت سلام کرنا اور سلام کا جواب دینا دونوں مکروہ ہیں، پہلی حدیث سے یہی مسئلہ معلوم ہو رہا ہے، اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ کشفِ عورت کی حالت ہے اور کشفِ عورت کی حالت میں مطلقا کلام کرنا مکروہ ہے چہ جائیکہ سلام وذکر اللہ ہو۔ اور قضائے حاجت سے فراغت کے بعد تبرع واحسان ہے، واجب نہیں ہے۔ (ایضا)

## السوال الثالث ۱۴۴۰ھ

**الشق الاوّل** ......**عن عائشة قالت ان ام حبيبةؓ بنت جحش استحيضت فی عهد رسول الله ﷺ فامرها بالغسل لكل صلوة ۔ وعنها فی المستحاضة: تغتسل تعنی مرّة واحدة ثم توضأ الی ايام اقرائها۔**

استحاضہ کسے کہتے ہیں؟ کیا مستحاضہ ہر نماز کیلئے علیحدہ غسل کرے گی؟ ائمہ کے اقوال تحریر کریں۔ مخالفین کے استدلال کا جواب تحریر کریں۔

﴿ خلاصۂ سوال ﴾...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① استحاضہ کی تعریف ② مستحاضہ کا ہر نماز کیلئے علیحدہ غسل کرنے کا حکم ③ مخالفین کے استدلال کا جواب۔

**جواب** ...... ① استحاضہ کی تعریف:۔ استحاضہ وہ خون ہے جو عورت کو بیماری کی وجہ سے غیر طبعی طور پر آئے اور یہ ولادت کے بعد والے خون اور ہر ماہ کے مخصوص ایام والے خون کے علاوہ ہوتا ہے جس عورت کو یہ خون آئے اس کو مستحاضہ کہتے ہیں۔

② مستحاضہ کا ہر نماز کیلئے علیحدہ غسل کرنے کا حکم:۔ غسل لکل صلوۃ کے وجوب کے قائلین میں صحابہ کرام میں سے حضرت علی، ابن مسعود، ابن زبیر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کا نام لکھا ہے اور ان کے دلائل وہ احادیث ہیں جن میں غسل لکل صلوۃ کا حکم ہے۔

جمہور وائمہ اربعہ کے نزدیک مستحاضہ عورت پورے ماہ میں حیض کے منقطع ہونے کے وقت صرف ایک مرتبہ غسل کرے گی، اسکے بعد پورا مہینہ صرف وضوء کرے گی۔ شوافع کے نزدیک ہر فرض نماز کیلئے اور احناف وحنابلہ کے نزدیک ہر فرض نماز کے وقت کیلئے وضوء کرے گی، جبکہ مالکیہ کے نزدیک وضوء مطلقا واجب ہی نہیں بلکہ مستحب ہے کیونکہ ان کے نزدیک استحاضہ ناقضِ وضوء نہیں ہے۔ (الدر المنضود)

پھر ماہانہ انقطاعِ حیض والے غسل کے اعتبار سے مستحاضہ کی تین اقسام ہیں: مبتدأہ، معتادہ، متحیرہ۔

مبتدأہ: وہ عورت جس کو بالغ ہوتے ہی خون شروع ہوا اور اکثر مدتِ حیض گزرنے کے بعد بھی بند نہیں ہو رہا یہ عورت ابتداءِ خون سے دس دن حیض شمار کرے نماز وغیرہ نہ پڑھے اور بقیہ بیس ایام استحاضہ شمار کرے سب سے پہلی نماز کیلئے غسل کرے اور اس کے بعد ہر نماز کے وقت وضو کر کے نماز پڑھے۔

معتادہ: وہ عورت جس کو عادت کے مطابق کچھ دن حیض آتا رہا ہو پھر اس کے بعد کبھی خون آیا اور اکثرِ مدت حیض گزرنے کے باوجود بھی بند نہیں ہو رہا ہے اس کا حکم یہ ہے کہ عادت کے مطابق جتنے دن حیض آتا تھا اتنے دن حیض شمار کرے اور غسل کے ذریعہ پاک ہونے کے بعد بقیہ ایام ہر مہینہ میں استحاضہ شمار کرے اور وضو کر کے نماز پڑھتی رہے۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

متحیرہ: وہ عورت جس کی حیض کی کوئی عادت نہ ہو کبھی پانچ دن، کبھی سات دن اور کبھی دس دن حیض آتا ہو اور اب مسلسل خون آنا شروع ہو گیا، یا پھر اس کی عادت تو مقرر تھی مگر اس کو عادت بالکل یاد نہیں ہے اس کا حکم یہ ہے کہ یہ عورت تحری کرتے ہوئے ظن غالب پر عمل کرے اور اگر تحری سے کوئی جہت غالب اور راجح نہ ہو تو پھر اس پر تین طرح کے وقت آئیں گے:

① وہ وقت جس میں اس کو طہر ہونے کا یقین ہو اس میں وہ نماز وغیرہ پڑھتی رہے۔ ② وہ وقت جس میں اس کو حیض ہونے کا یقین ہو اس میں وہ نماز وغیرہ ترک کر دے۔ ③ وہ وقت جس میں اس کو حیض یا طہر ہونے میں تردد ہو، اس تردد کی دو قسمیں ہیں:

اگر دخول فی الحیض میں تردد ہو تو جب تک حیض کا یقین نہ ہو جائے اس وقت تک بدستور نماز وغیرہ پڑھتی رہے اور اگر خروج من الحیض میں تردد ہو تو پھر ہر نماز کے وقت غسل کر کے نماز پڑھے یہاں تک کہ طہر کا یقین ہو جائے۔

③ **مخالفین کے استدلال کا جواب و تاویل:۔** آپ ﷺ نے مستحاضہ عورت کیلئے غسل لکل صلوٰۃ کا جو حکم ارشاد فرمایا ہے اس کے متعدد جواب و تاویلات ہیں: ① یہ ارشاد علاج کیلئے ہے۔ ② یہ حکم استحبابی ہے، وجوبی نہیں ہے۔ ③ یہ حکم منسوخ ہے۔ ابتداءً غسل لکل صلوٰۃ کا حکم تھا۔ ④ یہ حکم عام نہیں ہے بلکہ مستحاضہ کی بعض اقسام کیلئے ہے، جس کی تفصیل ابھی ماقبل میں گزر چکی ہے۔

امام ابوداؤدؒ نے اس باب میں متعدد احادیث ذکر کی ہیں ان میں سے کسی حدیث و روایت سے بھی غسل لکل صلوٰۃ مرفوعاً ثابت نہیں، صرف ابن اسحٰق کے طرز سے یہ حکم مرفوعاً ثابت ہوتا ہے مگر ابنِ اسحٰق متکلم فیہ ہیں اور مصنفؒ کے نزدیک غسل لکل صلوٰۃ مرفوعاً ثابت ہے اس لئے مصنفؒ ابن اسحٰق کی روایت کی تائید میں "قال ابوداؤد" سے ایک دوسری روایت پیش کر رہے ہیں کہ اس روایت میں بھی مستحاضہ کیلئے غسل لکل صلوٰۃ کا حکم مرفوعاً ثابت ہے۔ جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ باب کی تمام روایات امِ حبیبہؓ کے متعلق ہیں اور یہ روایت جو بطورِ تائید پیش کی جارہی ہے یہ زینب بنت جحشؓ کے متعلق ہیں لہٰذا تائید درست نہیں ہے۔

نیز امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ روایت ابوالولید الطیالسی سے نہیں سنی لہٰذا یہ روایت منقطع ہوئی اور حدیث منقطع سے کیا تائید ہوسکتی ہے؟ (الدر المنضود)

**الشق الثانی** ......**عن عمرو بن یحیی المازنی عن ابیہ قال سمعت ابا سعید الخدری یقول قال رسول اللّٰہ ﷺ لیس فیما دون خمس ذود صدقۃ ولیس فیما دون خمس اواق صدقۃ ولیس فیما دون خمسۃ اوسق صدقۃ۔**

حدیث کی مختصر تشریح کریں۔ زمین کی پیداوار میں عُشر کب لازم ہے اختلافِ ائمہ مع دلائل تحریر کریں۔ قولِ راجح ذکر کریں۔

﴿ خلاصۂ سوال ﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کی تشریح ② زمین کی پیداوار میں عُشر کا لزوم مع اختلافِ ائمہ ③ قولِ راجح مع وجہ ترجیح۔

**جواب** ...... ① **حدیث کی تشریح:۔** حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پانچ اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ لازم نہیں ہے، اسی طرح پانچ اوقیہ چاندی (ایک اوقیہ چالیس درہم) سے کم میں زکوٰۃ لازم نہیں ہے گویا دو سو درہم یعنی ایک سو چالیس مثقال سے کم میں بھی زکوٰۃ لازم نہیں ہے اور پانچ وسق سے کم غلہ اناج اور پھل میں بھی زکوٰۃ لازم نہیں ہے، ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے تو پانچ وسق تین سو صاع یعنی تقریباً پچیس من سے کم میں بھی زکوٰۃ لازم نہیں ہے۔

② **زمین کی پیداوار میں عُشر کا لزوم مع اختلافِ ائمہ:۔** امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک زمین کی پیداوار خواہ کم ہو یا زیادہ ہو، ایک سال تک باقی رہنے والی ہو یا باقی رہنے والی نہ ہو، زمین کو نہر کے جاری پانی سے سیراب کیا جائے یا بارش کے پانی سے، بہر صورت اس پیداوار پر عشر واجب ہے، صرف نرگل، ایندھن کی لکڑی اور گھاس پر عشر واجب نہیں ہے۔

صاحبینؒ کے نزدیک عشر کے واجب ہونے کی دو شرطیں ہیں: پہلی شرط یہ کہ وہ پیداوار بغیر کسی علاج کے ایک سال تک باقی رہ سکتی ہو جیسے چاول گندم چنے وغیرہ، دوسری شرط یہ کہ وہ پیداوار پانچ وسق سے کم نہ ہو، اگر پیداوار پانچ وسق یا اس سے زائد ہے اور ایک سال تک باقی بھی رہ سکتی ہے تو پھر اس میں عشر واجب ہے۔ دلائل: ① حدیث ہے "**لیس فیما دون خمسۃ اوسق صدقۃ**" کہ پانچ وسق سے کم میں صدقہ (عشر) نہیں ہے۔ ② حدیث ہے "**لیس فی الخضروات صدقۃ**" صدقہ سے مراد عشر ہی ہے کیونکہ سبزیاں اگر تجارت کیلئے ہوں تو ان پر بالاتفاق زکوٰۃ لازم ہے اور عشر کے لازم نہ ہونے کی علت عدم بقا ہے پس جو چیز بغیر کیمیکل دوائی علاج کے سال تک نہ رہ سکے اس پر عشر نہیں ہے۔ ③ دلیل عقلی یہ ہے کہ عشر بھی زکوٰۃ کی مانند ہے کیونکہ عشر کا تعلق بھی زمین کے نما کے ساتھ ہے جیسا کہ زکوٰۃ کے وجوب کیلئے نما (بڑھنا) کی شرط ہے، نیز زکوٰۃ کی طرح عشر بھی کافر پر واجب نہیں ہے۔ نیز عشر کا مصرف بھی وہی ہے جو صدقات (زکوٰۃ وغیرہ) کا مصرف ہے، معلوم ہوا کہ عشر زکوٰۃ کی مانند ہے اور زکوٰۃ کیلئے نصاب کا ہونا شرط ہے تاکہ تونگری اور غنیٰ متحقق ہو جائے، پس عشر کیلئے بھی نصاب کی شرط ہوگی تاکہ غنیٰ اور تونگری متحقق ہو جائے۔

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل: ① قولِ باری تعالیٰ **"اٰتوا حقه یوم حصاده"** کا عموم ہے ② قولِ باری تعالیٰ **"انفقوا من طيبات ما كسبتم ومما اخرجنا لكم من الارض"** کا عموم ہے کہ اس میں زمین کی مطلق پیداوار پر خواہ قلیل ہو یا کثیر، باقی رہنے والی ہو یا نہ ہو انفاق کا حکم ہے۔ ③ ارشادِ نبوی ﷺ **"ما اخرجت الارض ففيه العشر"** کا عموم ہے۔

صاحبین کی پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ **"ليس فيما دون خمسة اوسق صدقة"** میں زکوٰۃ تجارت مراد ہے یعنی مال تجارت میں زکوٰۃ کے وجوب کیلئے **"خمسة اوسق"** کی شرط ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت لوگ وسق کے حساب سے خرید و فروخت کرتے تھے اور ایک وسق کھجور کی قیمت چالیس درہم ہوتی تھی تو پانچ وسق کی قیمت دوسو درہم ہوئی اور دوسو درہم زکوٰۃ کا نصاب ہے، معلوم ہوا کہ پانچ وسق کی شرط زکوٰۃ کیلئے ہے نہ کہ عشر کیلئے۔

دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث عاشر (عشر وصول کرنے والے) کے متعلق ہے کہ اگر کوئی شخص عاشر کے پاس سے سبزیاں لیکر گزرے اور عشر کی قیمت دینے سے انکار کرے تو عاشر سبزیوں سے عشر وصول نہ کرے، کیونکہ عاشر کے شہر سے دور رہنے کی وجہ سے ان سبزیوں کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے کہ پڑی پڑی خراب ہو جائیں گی، اس وجہ سے وہ سبزیوں سے عشر وصول نہ کرے، بلکہ مالک کو چاہیے کہ وہ خود عشر نکال کر مستحقین میں تقسیم کر دے۔

عقلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ عشر میں مالک معتبر نہیں، یہی وجہ ہے کہ عشر مکاتب بچہ اور مجنون کی زمین میں بھی واجب ہے اور موقوفہ زمین میں بھی واجب ہے حالانکہ موقوفہ زمین کا کوئی مالک نہیں ہوتا پس جب عشر میں مالک کا اعتبار نہیں تو اس کی صفت غنیٰ اور تونگری کا بھی اعتبار نہیں، اسلئے اس میں حولانِ حول کی بھی شرط نہیں کیونکہ یہ شرط نما حاصل کرنے کیلئے ہوتی ہے اور زمین کی کل پیداوار ہی نما ہے۔ پس زمین کی پیداوار خواہ قلیل ہو یا کثیر ہو باقی رہنے والی ہو یا باقی نہ ہو، بہرصورت اس پر عشر واجب ہے۔

③ قولِ راجح مع وجہ ترجیح:۔ قاضی ابوبکر ابن العربی مالکیؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا مذہب دلائل، فقراء و مساکین کیلئے فائدہ مند اور نعمت کا شکر ادا کرنے کے اعتبار سے اقوی و اولیٰ ہے (الدر المنضود)

## الورقة السادسة: سنن أبي داؤد ج ۱

## السوال الاوّل ۱۴۴۱ھ

**الشق الاوّل** ...... **عن عائشة ان النبي ﷺ دخل مسرورا تبرق اسارير وجهه، فقال: الم ترى ان مجززا نظر آنفا الى زيد بن حارثة واسامة بن زيد، فقال: هذه الاقدام بعضها من بعض۔**

حدیث شریف کی تشریح کریں۔ مجزز مدلجی کون تھے؟ اور ان کے قول سے رسول اللہ ﷺ کے مسرور ہونے کی وجہ تحریر کریں۔ حضرت اسامہ اور ان کے والد کے متعلق لوگ کیا شک کرتے تھے؟۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں: ① حدیث کی تشریح ② مجزز مدلجی کا تعارف اور رسول اللہ ﷺ کے مسرور ہونے کی وجہ ③ حضرت اسامہ اور ان کے والد کے متعلق شک کی وضاحت۔

**جواب** ...... ① حدیث کی تشریح:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ان کے یہاں تشریف لائے تو آپ ﷺ بہت خوش تھے، حتی کہ آپ ﷺ کے چہرے کے خطوط چمک رہے تھے یعنی انتہائی خوش تھے، میں نے وجہ پوچھی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے عائشہ رضی اللہ عنہا! مجزز قائف نے ابھی زید بن حارثہ اور اسامہ رضی اللہ عنہما کو دیکھا اور کہا کہ یہ آپس میں باپ بیٹا ہیں، یعنی مجزز قائف نے ان کے ثبوتِ نسب کی گواہی دی ہے۔

② مجزز مدلجی کا تعارف اور رسول اللہ ﷺ کے مسرور ہونے کی وجہ:۔ مجزز ایک مشہور قائف تھا (قائف: وہ شخص جو آثار و علامات کو دیکھ کر فروع کو اصول کے ساتھ لاحق کر دے مثلاً فلاں فلاں کا بیٹا یا بھائی ہے، جسے ہم قیافہ شناس کہتے ہیں) اس کا تعلق بنو مدلج سے تھا اسی لئے اس کو مدلجی کہتے ہیں۔

آپ ﷺ کو خوشی ثبوتِ نسبت پر نہیں ہوئی تھی کیوں کہ نسب تو پہلے سے ثابت تھا مگر علیٰ طریق الجاہلیت بھی ثبوتِ نسب

ہو گیا تھا اس وجہ سے آپ ﷺ کو خوشی ہوئی تھی۔

③ حضرت اسامہ اور ان کے والد کے متعلق شک کی وضاحت:۔ حضرت اسامہ اور حضرت زید دونوں باپ و بیٹے کا رنگ مختلف تھا ،حضرت اسامہ کا رنگ بالکل سیاہ تھا اور حضرت زید انتہائی گورے وسفید تھے اور حضرت اسامہ کی والدہ ام ایمن (نام: برکہ) حبشیہ وسیاہ فام تھیں، اسی رنگت کے اختلاف کی وجہ سے مشرکین حضرت اسامہ کے نسب میں شک کرتے تھے اور عیب لگاتے تھے۔

**الشق الثانی** ......**عن ام هانئ قالت لمّا كان يوم الفتح فتح مكة جاء ت فاطمة فجلست عن يسار رسول الله ﷺ و ام هانئ عن يمينه قالت فجاء ت الوليدة باناء فيه شراب فناولته فشرب منه ثم ناوله ام هانئ فشربت منه فقالت يا رسول الله ! لقد افطرت و كنت صائمة فقال لها اكنت تقضين شيئا ؟ قالت لا، قال فلا يضرك ان كان تطوعًا۔**

حدیث کا ترجمہ کریں۔خط کشیدہ عبارت میں سوال وجواب کی وضاحت کریں۔ضیافت کی خاطر نفل روزہ توڑنے کا حکم بیان کریں۔اگر کوئی شخص نفل روزہ رکھ کر توڑ دے تو اس پر قضاء ہے یا نہیں؟ اختلاف ائمہ مع دلائل ذکر کریں۔

﴿ خلاصۂ سوال ﴾......اس سوال کا حل چار امور ہیں: ① حدیث کا ترجمہ ② سوال وجواب کی وضاحت ③ ضیافت کی خاطر نفل روزہ توڑنے کا حکم ④ نفل روزہ توڑنے کی قضاء میں اختلافِ ائمہ مع الدلائل۔

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے دن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں اور آپ ﷺ کے بائیں جانب بیٹھ گئیں، اور ام ہانی رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے دائیں جانب بیٹھی ہوئی تھیں، پس اسی دوران ایک لونڈی برتن لیکر آئی جس میں پینے کی کوئی چیز تھی، اس نے وہ برتن آنحضرت ﷺ کو دیا اور آپ ﷺ نے اس میں سے کچھ پیا، پھر آپ ﷺ نے وہ ام ہانی کو دیا اور انہوں نے بھی اس میں سے کچھ پیا، پھر عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں نے افطار کرلیا حالانکہ میں روزہ سے تھی، آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کیا تو کسی چیز کی قضاء کررہی تھی؟ انہوں نے کہا کہ نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا اگر نفل روزہ تھا تو پھر تجھے کوئی نقصان نہیں ہے۔

② سوال وجواب کی وضاحت:۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کیا تو کسی چیز کی قضاء کررہی تھی؟ یعنی تیرا نفل روزہ تھا یا تو کسی قضاءِ رمضان ونذر والے روزہ کی ادائیگی کررہی تھی؟ انہوں نے کہا کہ قضاء روزہ نہیں تھا بلکہ نفل روزہ تھا، آپ ﷺ نے فرمایا اگر نفل روزہ تھا تو پھر تجھے کوئی نقصان نہیں ہے یعنی کوئی گناہ نہیں ہے۔

③ ضیافت کی خاطر نفل روزہ توڑنے کا حکم:۔ معقول عذر کی وجہ سے نفلی روزہ توڑا جاسکتا ہے چنانچہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نفلی روزہ کی حالت میں تھیں، انہوں نے سوچا کہ روزہ تو پھر بھی رکھا جاسکتا ہے مگر آپ ﷺ کے دستِ اقدس سے بابرکت مشروب نا معلوم زندگی میں دوبارہ نصیب ہو یا نہ ہو، اسلئے انکار نہ کرسکیں اور یہ افطار کا معقول عذر ہے۔

④ نفل روزہ توڑنے کی قضاء میں اختلافِ ائمہ مع الدلائل:۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں نفلی روزہ شروع کرنے سے واجب ہوجاتا ہے اور توڑنے کی صورت میں اس کی قضاء واجب ہوجاتی ہے، امام مالک اور امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت بھی یہی ہے۔امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں قضاء لازم نہیں، امام مالک اور امام احمد رحمہ اللہ کی ایک ایک روایت یہی ہے۔

وجوب قضاء کی دلیل آیت قرآنیہ "**ولاتبطلوا اعمالكم**" ہے اس آیت کا مقتضی یہ ہے کہ کسی عبادت کو شروع کر کے ضائع نہیں کرنا چاہیے اسے صحیح طریقے سے ادا کرنا چاہیے اور دوسری دلیل وہ حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے مسئلہ پوچھنے پر قضاء کرنے کا حکم دیا، اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ نفل روزہ توڑنے کی وجہ سے قضاء لازم ہے۔

عدمِ وجوب قضاء کی دلیل حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کی حدیث الباب ہے جس کے آخر میں انہوں نے کہا تھا "**انی اذنبت فاستغفرلی قال ماذاك؟ قالت كنت صائمة فافطرت قال اَمِنَ القضاء كنت تقضينه؟ قالت لاقال فلاتضرك**" اس سے معلوم ہوا کہ اگر قضاء وغیرہ کا روزہ نہ ہو تو اس کے توڑنے سے قضاء لازم نہیں ہوتی۔

احناف رحمہم اللہ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا فی اسنادہ مقال، دوسرا ضعف سے قطع نظر یہاں فلا یضرك میں گناہ کی نفی ہے کیونکہ سوال میں گناہ کا ذکر ہے لہٰذا قضاء کی نفی اس سے معلوم نہیں ہوتی۔

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۱ھ

**الشق الاوّل** ......عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم وَھُوَیُقَالُ لَہٗ اَنَّہٗ یُسْتَقٰی لَکَ مِنْ بِئْرِبُضَاعَۃَ وَھِیَ بِئْرٌ یُلْقٰی فِیْھَا لُحُوْمُ الْکِلَابِ وَالْمَحَایِضُ وَعَذْرُالنَّاسِ،فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّ الْمَاءَ طَھُوْرٌ لَایُنَجِّسُہٗ شَیْئٌ۔(باب ما جاء فی بئر بضاعۃ)

حدیث پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔ وقوعِ نجاست کی وجہ سے پانی کے نجس ہونے اور نہ ہونے میں ائمہ کا اختلاف مع دلائل تحریر کریں۔ حدیثِ مذکور کس کی دلیل ہے اور فریقِ مخالف کی جانب سے اس کے کیا جوابات ہیں؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں ① حدیث پر اعراب ② حدیث کا ترجمہ ③ وقوعِ نجاست کی وجہ سے پانی کے حکم میں اختلاف مع دلائل ④ متدلین کی تعیین اور جوابات۔

**جواب** ...... ① حدیث پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پینے کے لئے بیئر بضاعہ سے پانی لایا جاتا ہے حالانکہ وہ ایسا کنواں ہے کہ کتوں کے گوشت، حیض کے چیتھڑے اور لوگوں کی گندگی وغیرہ اس میں ڈالے جاتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے شک پانی طہور (طاہر) ہے اس کو کوئی چیز نجس نہیں کرتی۔

③ وقوعِ نجاست کی وجہ سے پانی کے حکم میں اختلاف مع دلائل:۔ حضرت حسن بصری اور داؤد ظاہری رحمہما اللہ کی طرف یہ منسوب ہے کہ پانی خواہ قلیل ہو یا کثیر وقوعِ نجاست سے اس وقت تک نجس نہیں ہوگا جب تک اس کی طبیعت یعنی رقت وسیلان باقی رہے خواہ اس کے اوصاف ثلاثہ متغیر ہو گئے ہوں۔

حنفیہ کے نزدیک اگر ماء قلیل ہو تو وہ وقوعِ نجاست سے نجس ہو جائے گا اور اگر کثیر ہو تو اس وقت تک نجس نہیں ہوگا جب تک متغیر الاوصاف نہ ہو اور اگر متغیر الاوصاف ہو جائے تو نجس ہو جائیگا خواہ قلتین سے کم ہو یا زیادہ ہو اور احناف کے نزدیک قلت وکثرت کا مدار مبتلی بہ کی رائے پر ہے اگر اس کا ظنِ غالب یہ ہو کہ ایک طرف واقع ہونے والی نجاست کا اثر دوسری طرف پہنچ جائے گا تو یہ ماءِ قلیل ہے اور اگر ایک طرف واقع ہونے والی نجاست کا اثر دوسری طرف نہیں پہنچے گا تو یہ ماءِ کثیر ہے اور اس قلت وکثرت کی پہچان کے مختلف طریقے ہیں۔ ① ایک طرف وضو کرنے کی حرکت دوسری طرف پہنچے تو قلیل ہے ورنہ کثیر ہے ② ایک طرف رنگ ڈالنے کا اثر دوسری طرف پہنچے تو قلیل ہے ورنہ کثیر ہے ③ ایک طرف مٹی ڈالنے کا اثر دوسری طرف پہنچ جائے تو قلیل ہے ورنہ کثیر ہے ④ اگر مساحت طولاً وعرضاً مشہور قول کے مطابق دس ذراع ہو تو کثیر ہے اور اگر اس سے کم ہو تو قلیل ہے۔

مالکیہ کے نزدیک وقوعِ نجاست سے اس وقت تک پانی نجس نہیں ہوتا جب تک احد الاوصاف متغیر نہ ہو، اگر احد الاوصاف متغیر ہو جائے تو پانی نجس ہو جائیگا، گویا مالکیہ کے نزدیک نجاست وطہارت کا مدار تغیر پر ہے اگر تغیر ہو تو نجس ہے ورنہ طاہر ہے۔

شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک اگر پانی کی مقدار قلتین یا اس سے زائد ہو تو وہ وقوعِ نجاست سے نجس نہیں ہوگا جب تک کہ اسکے اکثر اوصاف متغیر نہ ہوں اور اگر قلتین سے کم ہو تو وہ نجس ہو جائیگا، عام ازیں اوصاف متغیر ہوں یا نہ ہوں گویا انکے نزدیک قلت وکثرت کا مدار قلتین پر ہے، قلتین اور مافوق القلتین کثیر ہے اور مادون القلتین قلیل ہے۔

حنفیہ کے دلائل: ① وہ احادیث جن میں ٹھہرے ہوئے پانی میں بول وغسل سے منع فرمایا گیا ہے حالانکہ ایک آدھ مرتبہ بول سے تغیر نہیں ہوتا اسی طرح وہ ٹھہرا ہوا پانی جس میں غسل کیا جا سکے، ظاہر ہے کہ وہ پانی قلتین سے زیادہ ہوگا مگر پھر بھی غسل سے منع فرمایا گیا ہے، معلوم ہوا کہ اگر پانی قلتین سے زائد ہو تو پھر بھی وقوعِ نجاست سے نجس ہو جائیگا۔ ② وہ احادیث جن میں یہ حکم ہے کہ

اگر کتا برتن میں منہ ڈالے تو اس کو دھوؤ، حالانکہ کتے کے منہ ڈالنے سے وہ متغیر الاوصاف نہیں ہوتا، معلوم ہوا کہ نجس ہونے کا مدار تغیر پر نہیں ہے۔ (۳) وہ احادیث جن میں یہ حکم ہے کہ سونے سے بیدار ہونے کے بعد برتن میں ہاتھ داخل نہ کرو بلکہ پہلے ہاتھ دھوؤ، حالانکہ ہاتھوں پر نجاست کا وھم ہے، جب نجاست کے وھم ہونے سے غسل ید کا حکم ہے تو وقوعِ نجاست سے بطریق اولیٰ پانی نجس ہو جائے گا اور ادخالِ ید سے وہ متغیر الاوصاف نہیں ہوتا، معلوم ہوا کہ ماءِ قلیل متغیر الاوصاف ہو یا نہ ہو بہر صورت وہ وقوعِ نجاست سے نجس ہو جائے گا۔ (۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ ہے کہ ایک حبشی بئر زمزم میں گر کر مر گیا تھا تو حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فتویٰ دیا کہ سارا پانی نکالو، معلوم ہوا کہ وہ پانی نجس ہو گیا تھا حالانکہ وہ متغیر الاوصاف بھی نہیں ہوا تھا اور ظاہر ہے کہ بیئرِ زمزم میں پانی قلتین سے زیادہ ہو گا اس کے باوجود پانی نجس ہو گیا، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس فتویٰ پر موجود صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے انکار نہیں کیا تو گویا اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع سکوتی ہو گیا کہ وقوعِ نجاست سے پانی نجس ہو جائے گا اگرچہ قلتین سے زائد ہو۔

شوافع وحنابلہ کی دلیل: حدیثِ قلتین ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحراء میں موجود پانی کے متعلق سوال ہوا کہ اس پر درندے آتے رہتے ہیں تو اس کا کیا حکم ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **اذا کان الماء قلتین لم یحمل الخبث** کہ جب پانی قلتین ہو جائے تو وہ نجس نہیں ہوتا۔ اس حدیث کا مدار تین شخصوں پر ہے۔ (۱) ولید بن کثیر (۲) محمد بن اسحاق (۳) حماد بن سلمہ۔

حنفیہ کی طرف سے پہلا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں سنداً، متناً، معنًی، مصداقاً اور رفعاً ووقفاً اضطراب ہے اس لئے یہ حدیث قابلِ استدلال نہیں ہے۔

سنداً اضطراب اس طرح ہے کہ اس حدیث شریف کا مدار تین راویوں پر ہے:

راوی نمبر (۱) ولید ابن کثیر ہے اور ولید ابن کثیر سے چار طریقہ سے یہ سند مروی ہے۔

**١۔ ولید ابن کثیر عن محمد بن جعفر ابن زبیر۔ ٢۔ ولید ابن کثیر عن محمد ابن عباس ابن زبیر۔**

**٣۔ ولید ابن کثیر عن عبیداللہ ابن عمر۔ ٤۔ ولید ابن کثیر عن عبداللہ بن عمر۔**

راوی نمبر (۲) محمد بن اسحاق ہے تو محمد ابن اسحاق سے یہ حدیث دو طریقہ سے مروی ہے۔

١ ...... **محمد ابن اسحاق عن محمد ابن جعفر ابن زبیر۔** ٢ ...... **محمد ابن اسحاق عن محمد ابن عباد ابن الزبیر۔** محمد بن اسحاق کو علی ابن مدینی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حفاظِ حدیث نے ضعیف کہا ہے۔

راوی نمبر (۳) حماد ابن سلمہ ہے، یہ معتبر راوی ہے اور ان کی سند میں اضطراب بھی نہیں ہے لیکن ان کی روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر موقوف ہے اور تمہارے نزدیک موقوف حدیث ایسے اختلافی مسئلہ پر قابلِ استدلال نہیں ہوتی ہے۔ اس لئے حماد ابن سلمہ کی روایت سے استدلال درست نہیں ہو سکتا ہے۔

متناً اضطراب اس طرح ہے کہ اس میں چھ طرح کے الفاظ ہیں: (۱) **اذا کان الماء قلتین لم یحمل الخبث** (۲) **اذا کان الماء قلتین او قدر ثلاث** (۳) **اذا کان الماء قلة** (۴) **اذا کان الماء اربعین قلة** (۵) **اذا کان الماء اربعین دلوًا** (۶) **اذا کان الماء اربعین غربا۔** اب ان چھ الفاظ میں سے کس متن پر عمل کریں؟

معناً اضطراب اس طرح ہے کہ لغت میں قلة کے متعدد معانی ہیں۔ مثلاً **قامة الانسان** (قدِ آدم) **رأس الجبل** (پہاڑ کی چوٹی) **مایحمل البعیر** (اونٹ کا سامان) **جرّہ** (مٹکا) اس لئے ان معانی میں سے کس معنیٰ کو مراد لیں؟

مصداقاً اضطراب اس طرح ہے کہ مٹکے مختلف مقدار میں ہیں، بعض مٹکے دو مشکیزے کے برابر، بعض تین مشکیزے کے برابر، بعض چار اور پانچ مشکیزے کے برابر ہیں تو کس مقدار والے مٹکے کو حدیث کا مصداق ٹھہرائیں؟

رفعاً ووقفاً اضطراب اس طرح ہے کہ حماد بن سلمہ اور حماد بن زید میں سے ایک اسے موقوف اور دوسرے اسے مرفوع قرار دے رہے ہیں لہٰذا جس حدیث میں اس قدر شدید اضطراب ہو وہ اتنے اہم مسئلہ میں دلیل نہیں بن سکتی۔

دوسرا جواب: حدیثِ قلتین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماعِ سکوتی کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابلِ استدلال نہیں ہے کیونکہ بئرِ

زمزم میں حبشی کے گرنے کے وقت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے فتوی پر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے سکوت اختیار کیا تھا، معلوم ہوا کہ قلتین سے زائد پانی بھی وقوعِ نجاست سے نجس ہوجاتا ہے۔

تیسرا جواب: **لم یحمل الخبث** کا معنی یہ ہے کہ جب پانی کم ہوتے ہوتے قلتین ہوجائے تو وہ حامل نجاست نہیں ہوسکتا یعنی وہ نجاست کو برداشت نہیں کرسکتا وہ نجس ہوجاتا ہے۔

④ مستدلین کی تعیین اور جوابات:۔ حدیث بئر بضاعہ مالکیہ کی دلیل ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ **ان الماء طھور لاینجسه شیئ** اس میں **الماء** کا الف لام جنسی ہے، معلوم ہوا کہ جنسِ ماء نجس نہیں ہوتا، عام ازیں کہ ماءِ قلیل ہو یا کثیر ہو۔

پہلا جواب: مالکیہ کا استدلال حدیث بیئر بضاعہ سے تب تام ہوگا جب الف لام جنسی ہو حالانکہ یہ الف لام جنسی نہیں ہے بلکہ الف لام عہد خارجی کا ہے اس سے پورے جہاں کا پانی مراد نہیں بلکہ بیئر بضاعہ کا پانی مراد ہے کہ بیئر بضاعہ کا پانی وقوع نجاست سے ناپاک نہیں ہوتا، باقی بیئر بضاعہ کا پانی نجس کیوں نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ماءِ جاری کے حکم میں ہے باقی ماءِ جاری اس طرح ہے کہ اس کے ذریعے باغوں اور کھیتوں کو سیراب کیا جاتا تھا اور کثرتِ سیرابی کی وجہ سے اس میں استقرار نہیں تھا یعنی اس میں پانی ٹھہرتا نہیں تھا ہر وقت نکالا جاتا تھا تو استقرار نہ ہونے کی وجہ سے یہ ماءِ جاری کے حکم میں ہے۔

سوال: اگر بیئر بضاعہ کا پانی جاری تھا تو پھر نہر بضاعہ کیوں نہیں کہا، نہر بضاعہ کہنا چاہیے؟

جواب: ہم نے کب دعویٰ کیا ہے کہ نہر اور دریا کی طرح جاری تھا بلکہ اس وجہ سے کہ کثرت سے پانی نکالا جاتا تھا ماءِ جاری کے حکم میں ہے اور ماءِ جاری کا حکم یہ ہے کہ جب تک متغیر الاوصاف نہ ہو نجس نہیں ہوتا۔

چنانچہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے یہ ثابت کیا کہ اس کا پانی جاری تھا کہ کثرت سے اس سے پانی نکالا جاتا تھا۔

سوال: واقدی تو ایسا شخص ہے کہ اس پر سخت قسم کی جرح کی گئی ہے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو جھوٹا قرار دیا ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کی ساری کتابیں جھوٹ سے بھری ہوئی ہیں۔

جواب: محققین کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ امور جو احادیث صحیحہ یا اجماعِ امت سے ثابت ہوں اس کے خلاف واقدی کا قول قبول نہیں اور وہ امور جو احادیث صحیحہ یا اجماع امت سے ثابت ہوں اس کے خلاف نہ ہوں اس کا تعلق سیر و مغازی سے ہو یا امکنہ کے احوال سے متعلق ہو تو قابل قبول ہے اور ظاہر ہے کہ ہم جو یہاں واقدی کا قول لے رہے ہیں ایک کنویں کی حالت معلوم کرنے کے لئے کہ اس کا پانی جاری تھا یا نہیں تو اس بارے میں اس کا قول لینا کوئی باعثِ اشکال نہیں ہے۔

دوسرا جواب: یہ حدیث بوجوہِ ثلاثہ سنداً قابل استدلال نہیں ہے۔

(پہلی وجہ) سند میں ولید بن کثیر موجود ہے، یہ خارجی ہونے کی وجہ سے متکلم فیہ راوی ہے۔

(دوسری وجہ) سند میں محمد بن اسحاق موجود ہے، جسکے فضائل و مناقب بحمد اللہ سب کو معلوم ہیں خصوصاً مدلس بھی ہے۔

(تیسری وجہ) جس کی طرف امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اشارہ کیا یعنی اس میں اضطراب ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کرنے والا راوی کون ہے یہ راوی مجہول ہے اس میں پانچ قول ہیں ① عبیداللہ بن عبداللہ بن رافع بن خدیج ② عبداللہ بن عبداللہ بن رافع ③ عبیداللہ بن عبدالرحمان بن رافع ④ عبداللہ بن عبدالرحمان بن رافع ⑤ عبدالرحمان بن رافع تو گویا راوی کے نام میں بھی اختلاف ہے اور اس کے والد کے نام میں بھی اختلاف ہے۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

تیسرا جواب: **ان الماء طھورٌ لاینجسه شیئ** نجاستوں کے نکال دینے کی بعد کی حالت پر محمول ہے یعنی جب نجاستوں کو تو نکال دیا تھا لیکن **طینُ البئر** (کنویں کی مٹی) اور مابین الجدران (رہے ہوئے اجزاءِ نجاسۃ) باقی تھے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے صحابہ تم جن چیزوں کو نجس سمجھ رہے ہو ماءِ طاری (نئے آنے والے پانی) کے لئے یہ چیزیں منجس نہیں کیونکہ اس میں حرج ہے اور دین میں حرج مدفوع ہے۔ یہ جواب امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے اور انہوں نے کچھ نظائر بھی پیش کیے ہیں مثلاً **المؤمن لاینجس، الارض لاتنجس** ان کو بھی جاری کرلو۔ (درسِ ترمذی ۱:۲۶۶، المسائل والدلائل ص ۱۴۷)

**الشق الثانی** ......عَنِ الْبَرَّاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْوُضُوْءِ مِنْ لُحُوْمِ الْاِبِلِ فَقَالَ تَوَضَّئُوْا مِنْهَا وَسُئِلَ عَنْ لُحُوْمِ الْغَنَمِ فَقَالَ لَا تَوَضَّئُوْا مِنْهَا وَسُئِلَ عَنِ الصَّلَاةِ فِیْ مَبَارِكِ الْاِبِلِ فَقَالَ لَا تُصَلُّوْا فِیْ مَبَارِكِ الْاِبِلِ فَاِنَّهَا مِنَ الشَّيَاطِيْنِ وَسُئِلَ عَنِ الصَّلَاةِ فِیْ مَرَابِضِ الْغَنَمِ فَقَالَ صَلُّوْا فِيْهَا فَاِنَّهَا بَرَكَةٌ ۔

حدیث پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔ مبارک و مرابض کا معنی لکھ کر خط کشیدہ جملوں کا مفہوم واضح کریں۔ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کے وجوب میں ائمہ کا اختلاف مع دلائل تحریر کریں۔ **(باب الوضوء من لحوم الابل)**

﴿ خلاصۂ سوال ﴾......اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں ① حدیث پر اعراب ② حدیث کا ترجمہ ③ مبارک و مرابض کا معنی و خط کشیدہ جملوں کا مفہوم ④ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کے وجوب میں ائمہ کا اختلاف مع دلائل۔

**جواب** ...... ① حدیث پر اعراب:۔ **کما مرّ فی السوال آنفا۔**

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اونٹ کا گوشت کھا کر وضو کرنے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اس سے وضو کرو اور بکری کا گوشت کھا کر وضو کرنے کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا اس سے وضو مت کرو اور اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ پر نماز پڑھنے کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ پر نماز مت پڑھو، کیونکہ وہ شیطانوں کی جگہ ہے اور بکریوں کے رہنے کی جگہ پر نماز پڑھنے کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا وہاں نماز پڑھ لو کیونکہ وہ برکت کی جگہ ہے۔

③ مبارک و مرابض کا معنی، و جملوں کا مفہوم:۔ **مَبَارِكْ:** یہ مَبْرَكٌ کی جمع ہے بمعنی اونٹوں کا باڑہ و اونٹ باندھنے کی جگہ۔

**فَاِنَّهَا مِنَ الشَّيَاطِيْنِ:** ① ضمیر مبارک کی طرف راجع ہے اور مضاف محذوف ہے مطلب یہ ہے کہ مبارک شیاطین کا ٹھکانہ ہیں۔ ② ضمیر ابل کی طرف راجع ہے، اس صورت میں لازم آئے گا کہ اونٹ شیاطین کی نسل سے ہو۔ اس صورت میں بعض نے کہا کہ یہ حقیقت پر محمول ہے اسلئے کہ اونٹ شیاطین کے پانی سے ہی پیدا ہوئے ہیں۔ بعض نے کہا کہ اس سے مقصود نفور و شرارت میں تشبیہ دینا ہے۔ ③ بعض نے کہا کہ شیاطین دو قسم پر ہیں: ایک وہ جو جنّات کی نسل سے ہیں اور معروف ہیں اور دوسرا ہر سرکش و شریر پر بھی شیطان کا اطلاق ہوتا ہے اور اونٹ بھی انتہائی شریر و کینہ پرور جانور ہے۔

**مَرَابِض:** یہ مَرْبَضٌ کی جمع ہے بمعنی بکریوں کا باڑہ و باندھنے کی جگہ۔

**فَاِنَّهَا بَرَكَةٌ:** ① اس جملہ میں بکری کو اونٹ کے مقابلہ میں برکت کہا گیا ہے یعنی اونٹ موذی و شریر جانور ہے اور بکری شریف جانور ہے۔ ② یہ حقیقت پر محمول ہے کہ بکری برکت ہے۔ ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے امِ ہانی! بکریاں رکھو کہ ان میں برکت ہے اور دوسری جگہ فرمایا کہ بکری جنتی جانوروں میں سے ہے۔ (الدر المنضود ۱:۳۲۰)

④ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کے وجوب میں ائمہ کا اختلاف مع دلائل:۔ امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہؒ کے نزدیک اونٹ کا گوشت کھانا ناقضِ وضو ہے، دوبارہ وضو کرنا واجب ہے اور بکرے وغیرہ کے گوشت کھانے میں تفصیل یہ ہے کہ کچا گوشت کھانا ناقضِ وضو نہیں ہے اور پکا ہوا کھانے کی صورت میں ان کے دونوں قول ہیں (جو کہ ماقبل میں گزرے ہیں)۔

ائمہ ثلاثہ، جمہور فقہاء، محدثین رحمہم اللہ کے نزدیک عام جانوروں کی طرح اونٹ کا گوشت کھانے سے بھی وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔

فریقِ اوّل کی دلیل حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جس میں اس بات کی وضاحت ہے کہ آپ ﷺ نے اونٹ کا گوشت کھا کر وضوء کا حکم فرمایا تھا اور بکرے کا گوشت کھا کر وضو کا حکم نہیں فرمایا تھا۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

جمہور کی پہلی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ حضور ﷺ نے اونٹ کا گوشت کھا کر وضو کے لئے جو حکم فرمایا ہے اس سے غسل ید مراد ہو، اور اونٹ اور غنم کے گوشت کے درمیان جو فرق کیا گیا ہے وہ اس لئے ہے کہ اونٹ کے گوشت کے اندر چکنائی زیادہ ہوتی ہے اور اس میں ایک خاص قسم کی بو ہوتی ہے اسلئے ازالۂ بو کیلئے آپ ﷺ نے ہاتھ منہ دھونے کا حکم فرمایا ہے اور لحمِ غنم کے اندر اس طرح کی غلیظ چکنائی اور بو نہیں ہوتی اس لئے اسکے گوشت کو کھا کر وضو یعنی غسلِ ید وغیرہ کا حکم نہیں فرمایا ہے۔

دوسری دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی صراحت ہے کہ حضور ﷺ کا آخری عمل ترکِ وضو ہے جو کہ آگ میں پکی ہوئی چیزوں کے

سلسلے میں تھا اور اس حکم کے اندر اونٹ اور دوسرے تمام جانوروں کا گوشت داخل ہے۔ لہٰذا اونٹ کے گوشت کے لئے علیحدہ حکم ثابت نہیں کیا جا سکتا یہی اس باب کی احادیث شریفہ کو صحیح قرار دینے کے لئے بہترین توجیہ ہے۔

تیسری دلیل نظرِ طحاوی کا خلاصہ یہ ہے کہ اونٹ اور بکرے بہت سے حکم میں یکسانیت کا درجہ رکھتے ہیں، مثلاً دونوں کی فروختگی کا جائز ہونا اور دونوں کے دودھ کا حلال ہونا اور دونوں کے گوشت کا پاک ہونا وغیرہ، جب ہر چیز میں دونوں کا حکم یکساں ہے تو نظر کا تقاضا بھی یہی ہوگا کہ گوشت کھا کر وضو میں کوئی فرق نہ آنے میں بھی دونوں کا حکم یکساں ہونا چاہیے۔ (ایضاح الطحاوی ١:٢١٩)

## ﴿السوال الثالث﴾ ١٤٤١ھ

**الشق الاوّل** ......عن سعد قال لما بايع رسول الله ﷺ النساء قامت امرأة جليلة كانّها من نساء مضر فقالت يا نبى الله انّا كلّ على آبائنا وابنائنا فما يحل لنا من اموالهم؟ فقال الرطب تأكلنه وتهدينه۔

حدیث کا ترجمہ کریں۔ جلیلہ، کلّ، رطب کی تحقیق کر کے حدیث کی تشریح کریں۔ کیا بیوی کیلئے اپنے شوہر کی کمائی سے اسکی اجازت کے بغیر خرچ کرنا جائز ہے؟ وضاحت کریں۔ **(كتاب الزكوٰة۔باب المرأة تصدق من بيت زوجها)**

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② جلیلہ، کلّ، رطب کی تحقیق و حدیث کی تشریح ③ بیوی کا شوہر کی اجازت کے بغیر اس کا مال خرچ کرنے کا حکم۔

**جواب**...... ❶ حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب عورتوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تو ایک قدر و مرتبہ والی عورت کھڑی ہوئی جو قبیلۂ مضر کی عورت لگتی تھی اس نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! ہم تو اپنے ماں باپ اور بیٹوں کے تابع ہوتی ہیں تو ہمارے لئے ان کے مال میں سے کیا چیز حلال ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ رطب کھاؤ اور ہدیہ دو۔

❷ جلیلہ، کلّ، رطب کی تحقیق و حدیث کی تشریح:۔ جَلِیْلَہ: یہ جلالاً و جلالۃً (ضرب) سے صفت کا صیغہ ہے بمعنی جم، عمر یا مقام و مرتبہ میں بڑا ہونا۔

**کَلٌّ:** اسکے متعدد معانی ہیں: کمزور، بے اولاد، یتیم، وکیل، مصیبت، فقیر، عیال و بوجھ۔

**رَطْبٌ:** ہر وہ تر چیز جسے خرابی کے اندیشہ سے ذخیرہ نہ کیا جا سکے، جیسے پھل و سبزی، روٹی و سالن، دودھ وغیرہ۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ جب عورتوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر مشہور بیعت کی جس کا ذکر قرآن کریم میں بھی ہے ل، اس موقع پر ایک قدر و مرتبہ یا قد کاٹھ والی عورت کھڑی ہوئی جو قبیلۂ مضر کی عورت معلوم ہوتی تھی اس نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! ہم عورتوں کی ملکیت میں کوئی مال نہیں ہوتا اور نہ ہم کماتی ہیں ہم تو اپنے ماں باپ اور بیٹوں کے تابع ہوتی ہیں انہی کے اموال سے کھاتی پیتی ہیں اور ان پر ایک طرح کا بوجھ ہوتی ہیں تو ہمارے لئے ان کے مال میں سے کیا کیا چیز حلال ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تر چیزیں تم خود بھی کھا سکتی ہو اور ہدیہ و صدقہ بھی کر سکتی ہو۔

❸ بیوی کا شوہر کی اجازت کے بغیر اس کا مال خرچ کرنے کا حکم:۔ قاضی ابوبکر ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں اختلاف ہے: بعض علماء فرماتے ہیں کہ ایسی معمولی چیز جسکی لوگ عموماً پرواہ نہیں کرتے اور اسکی طرف التفات نہیں کرتے ایسی چیز عورت صدقہ و ہبہ کر سکتی ہے، کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس کا مدار شوہر کی اجازت پر ہے جس قسم کی چیز کی اس کی طرف سے صراحتاً یا دلالۃً یعنی قرائن سے معلوم ہو کہ شوہر کو اشکال نہ ہوگا ایسی چیز عورت صدقہ و ہبہ کر سکتی ہے، اسکے علاوہ نہیں۔ امام بخاری کا میلان بھی اسی دوسرے قول کی طرف ہے اور انہوں نے اجازت کا ذکر کیا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس کا مدار لوگوں کی عادت پر ہے جس علاقہ کے لوگوں کی جیسی عادت ہوگی اسی کا اعتبار ہوگا۔ (الدر المنضود ٣:٣٤٣)

**الشق الثانی** ......عن ابن عباس انّ رسول اللّٰه ﷺ صلى الظهر بذى الحليفة ثم دعا ببدنة فاشعرها من صفحة سنامها الايمن ثم سلت عنها الدم وقلّدها بنعلين ثم اتى براحلته فلما قعد عليها

واستوت به علی البیداء اهلّ بالحج۔ (کتاب الحج۔ باب فی الاشعار)

حدیث کا ترجمہ وتشریح کریں۔اشعار کا معنی وحکم مع الاختلاف تحریر کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل تین امور ہے:① حدیث کا ترجمہ ② حدیث کی تشریح ③ اشعار کا معنی و حکم مع اختلاف

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز ذوالحلیفہ میں پڑھی پھر ایک اونٹ منگوایا اور اس کا اشعار کیا کوہان کے داہنی طرف سے، پھر اس پر خون کومل دیا اور دو جوتے اس کے گلے میں لٹکا دیئے، اس کے بعد اپنے اونٹ پر سوار ہوئے اور بیداء پہنچ کر حج کا تلبیہ کہا۔

② حدیث کی تشریح:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کا حاصل یہ ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز ذوالحلیفہ میں پڑھی پھر ایک اونٹ منگوایا اور کوہان کی دائیں جانب سے اس کا اشعار کیا پھر اس اونٹ پر خون مَل دیا (سلّت کا اصل معنی پونچھنا وصاف کرنا ہے مگر اس سے اشعار والا مقصد پورا نہیں ہوتا (الدرالمنضود)) اور علامت کے طور پر اس اونٹ کے گلے میں دو جوتے بھی لٹکا دیئے، اس کے بعد اپنے اونٹ پر سوار ہوئے اور بیداء پہاڑی پر پہنچ کر حج کا احرام باندھا اور تلبیہ کہا۔

③ اشعار کا معنی وحکم مع اختلاف:۔ لغوی معنی علامت ونشان لگانا ہے اور اصطلاح میں ہدی کے جانور کی اطلاع دینے کے لئے اس کے کوہان کو خون آلود اور زخمی کرنا اشعار ہے، تاکہ دیکھنے والے کو معلوم ہوجائے کہ یہ ہدی کا جانور ہے۔

جمہور علماء، ائمہ ثلاثہ وصاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک اشعار مسنون ہے۔امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ مُثلہ ہے اور مثلہ منسوخ ہے، اگر کسی کو اسکے نسخ میں تردد ہوتو تعارض کی وجہ سے محرّم کو مبیح پر ترجیح ہوگی۔امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ امام صاحب مطلقاً اشعار کو ممنوع نہیں کہتے تھے بلکہ اپنے زمانہ کے عجمیوں کے اشعار کو ممنوع کہتے تھے کیونکہ ان کو اِشعار کا صحیح طریقہ نہیں آتا تھا وہ اس میں مبالغہ کرتے تھے جس سے جانور کو اذیت پہنچتی تھی اور اسکی ہلاکت کا اندیشہ ہوتا تھا۔(الدرالمنضود ۱۷۵:۳)

**الشق الثانی** ......عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ اِنَّ اِمْرَأَتِی لَا تَمْنَعُ يَدَ لَامِسٍ قَالَ غَرِّبْهَا قَالَ اَخَافُ اَنْ تَتْبَعَهَا نَفْسِیْ قَالَ فَاسْتَمْتِعْ بِهَا۔ (کتاب النکاح۔ باب فی تزویج الابکار)

حدیث پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔نکاح کا لغوی واصطلاحی معنی لکھیں۔خط کشیدہ جملہ میں محدثین کے اقوال وحدیث کی تشریح لکھیں

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے:① حدیث پر اعراب ② حدیث کا ترجمہ ③ نکاح کا لغوی واصطلاحی معنی ④ خط کشیدہ جملہ کے متعلق محدثین کے اقوال ⑤ حدیث کی تشریح۔

**جواب** ...... ① حدیث پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میری بیوی کسی ہاتھ لگانے والے کو نہیں روکتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو طلاق دیدے، اس نے کہا مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں میرا دل اس سے نہ لگا رہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر اس سے فائدہ اٹھاتا رہ۔

③ نکاح کا لغوی واصطلاحی معنی:۔ نکاح کا لغوی معنی "ضم" (ملانا) ہے پھر وطی کے ضم پر مشتمل ہونے کی وجہ سے یہ وطی کے معنی میں منقول ہے پھر نکاح کے سبب ضم ہونے کی وجہ سے یہ عقدِ نکاح کی طرف منقول ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں النکاح هو عقدٌ یرد علی ملك المتعة قصدًا (نکاح ایسے عقد کا نام ہے جو من حیث القصد ملک متعہ کو ثابت کرے۔

④ خط کشیدہ جملہ کے متعلق محدثین کے اقوال وحدیث کی تشریح:۔ ① وہ فاحشہ ہے، لامس سے مراد زانی شخص ہے کہ کوئی بھی جوان اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیتا ہے اور اس سے اپنی حاجت پوری کر لیتا ہے، یہ اسے منع نہیں کرتی۔ ② لامس سے مراد سائل ہے اور لاتمنع سے مراد بیجا سخاوت ہے کہ مالِ زوج میں تصرف کر کے صدقہ وغیرہ کرتی رہتی ہے ہر مانگنے والے کو دیدیتی ہے اور انکار نہیں کرتی۔ ③ لمسِ ید سے مراد صرف لذت کیلئے چھونا ہے اور یہی معنی راجح ہے۔

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ صحابی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی زوجہ کے متعلق مذکورہ شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

طلاق دیدو، صحابی نے عرض کیا کہ میرے اندر اسکی ہمت وطاقت نہیں ہے، مجھے اس سے شدید محبت ہے اگر میں نے اس کو طلاق دیدی تو میرا نفس اسکے ساتھ ہی چلا جائے گا یعنی قلبی طور پر میں یہ برداشت نہیں کرسکتا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہی بات ہے تو پھر تو اسی کیفیت کے ساتھ ہی اس سے مستفید ہوتا رہ۔ (الدر المنضود ص ۹ ج ۴)

## ﴿الورقة السادسة : فی الحدیث (ابوداؤد۔ج ۱)﴾

### ﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۴۲ھ

**الشق الاوّل** ......**عن ابی ایوب روایةً قال اِذا اتیتم الغائط فلا تستقبِلوا القِبلة بِغائِط ولا بول ولٰکِن شرِّقوا او غرِّبوا فقدِمنا الشام فوجدنا مراحِیض قد بُنِیت قِبل القِبلة فکُنّا ننحرِف عنها ونستغفِر اللّٰه۔**

(باب کراهیة استقبال القبلة عند قضاء الحاجة)

حدیث کا واضح ترجمہ کریں۔ عن ابی ایوب روایة میں روایة کا اعراب ومطلب تحریر کریں۔ حدیث کی مختصر تشریح کر کے استقبالِ قبلہ کے جواز وعدمِ جواز میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل تحریر کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② روایة کا اعراب ومطلب ③ حدیث کی تشریح ④ استقبالِ قبلہ کے جواز وعدمِ جواز میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل۔

**جواب**...... ① **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت ابوایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم بیت الخلاء میں جاؤ تو پیشاب پاخانہ کرتے وقت قبلہ کی طرف رخ مت کرو بلکہ اپنا رخ مشرق یا مغرب کی طرف کرلیا کرو۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم ملکِ شام میں وارد ہوئے تو ہم نے یہاں قبلہ رخ بنے ہوئے بیت الخلاء دیکھے پس ہم اپنا رخ تبدیل کرلیتے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے۔

② **روایة کا اعراب ومطلب:۔** یہ منصوب ہے۔ اس سے مراد مرفوعاً ہے، تقدیرِ عبارت روایةً عن النبیّ ﷺ ہے۔ یہ مرفوع حکمی کے الفاظ میں سے ہے، جیسا کہ یرفع الحدیث و یبلغ به رفعِ حکمی کے الفاظ ہیں اگرچہ راوی آپ ﷺ کے نام کی تصریح نہ کرے۔ (الدر المنضود)

③ **حدیث کی تشریح:۔** ابوایوب انصاریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پیشاب پاخانہ کرتے وقت قبلہ کی طرف رخ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور مشرق ومغرب کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا۔

**شرّقوا او غرّبوا** (مشرق ومغرب کی طرف منہ کرنے) کا حکم اہلِ مدینہ کیلئے ہے کیونکہ وہاں کعبہ جنوب میں واقع ہے جبکہ اہلِ پاکستان کا قبلہ مغرب کی جانب ہے اس لئے اہلِ پاکستان کے لئے مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرنے کی بجائے شمال یا جنوب کی طرف منہ کرنے کا حکم ہے۔

ابوایوب انصاریؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے ملکِ شام میں قبلہ رخ بنے ہوئے بیت الخلاء دیکھے پس ہم ان سے انحراف کرتے تھے۔

**عنها** کی ضمیر کے مرجع میں دو احتمال ہیں: ① مراحیض، مطلب یہ کہ ہم ان مراحیض وبیت الخلاء سے انحراف کرتے تھے ان کو استعمال نہیں کرتے تھے۔ ② مرجع قبلہ ہے، مطلب یہ کہ ہم قضاءِ حاجت کے وقت قبلہ سے انحراف کرتے ہوئے اپنا رخ تبدیل کرلیتے اور اگر کبھی بھول کر قبلہ رخ بیٹھ جاتے تو اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے تھے۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

④ **استقبالِ قبلہ کے جواز وعدمِ جواز میں ائمہ کا اختلاف:۔** قضائے حاجت کے وقت استقبال واستدبارِ قبلہ میں اختلاف ہے:

حضرت ابوہریرہ، ابن مسعود، ابوایوب انصاری، سراقہ بن مالک، مجاہد، ابراہیم نخعی، امام اوزاعی، سفیان ثوری، ابن حزم ظاہری، ابن قیم، امام ابوحنیفہ وامام محمد رحمہم اللہ کا مذہب اور حنفیہ کا مفتی بہ قول یہ ہے کہ استقبال واستدبار دونوں مطلقاً ناجائز ہیں۔ خواہ کھلی فضا میں ہو یا آبادی وعمارت میں ہو۔

حضرت ابن عباس، ابن عمر، عامر شعبی رضی اللہ عنہم، امام شافعی، امام مالک اور اسحٰق بن راہویہ رحمہم اللہ کے نزدیک صحراء ومیدان میں

دونوں منع ہیں اور آبادی (بیت الخلاء وچار دیواری) میں دونوں جائز ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ امام مالک کے استاذ ربیعہ الرائی اور داؤد ظاہری کے نزدیک استقبال واستدبار مطلقاً دونوں جائز ہیں خواہ آبادی میں ہو یا صحرا میں ہو۔ دیگر اقوال بھی ہیں مگر مشہور یہی تین مذاہب ہیں۔ (درس ترمذی ج ا ص ۱۸۵)

حنفیہ کے دلائل: ① حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے **قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اذا اتيتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة بغائط ولابول ولاتستدبروها ولكن شرقوا اوغربوا** ۔(صحاح ستہ) ② حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے **لقد نهانا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ان نستقبل القبلة بغائط او بول** ۔(مسلم ابوداؤد، نسائی وابن ماجہ) ③ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے **اذا اتى احدكم الغائط فلا يستقبل القبلة ولايستدبرها** ۔(مسلم ابوداؤد، نسائی وابن ماجہ) ان تمام احادیث میں مطلق ممانعت ہے، میدان وعمارت یا استقبال واستدبار کا کوئی فرق نہیں ہے۔ نیز ممانعت کی علت احترام قبلہ ہے جو میدان وعمارت سب کو شامل ہے لہٰذا حکم بھی عام ہونا چاہیے۔

امام مالک وامام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل: ① حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے **قال رقيت يوما على بيت حفصة فرأيت النبي صلی اللہ علیہ وسلم على حاجته مستقبل الشام مستدبر الكعبه** ۔ (بخاری، مسلم وترمذی) ② حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے **قال نهى النبي صلی اللہ علیہ وسلم عن ان نستقبل القبلة ببول فرأيته قبل ان يقبض بعام يستقبلها** ۔(ترمذی وابوداؤد)

داؤد ظاہری وغیرہ کی دلیل بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہی حدیث ہے۔

حنفیہ کی طرف سے روایاتِ اباحت کا ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے قصداً نہیں دیکھا تھا اور نہ ایسی حالت میں کوئی کسی کو دیکھتا ہے تو ایسی سرسری رؤیت کو مسئلہ کی بنیاد بنانا صحیح نہیں ہے۔

روایاتِ اباحت کا دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ جزئیہ ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت پر محمول ہے کیونکہ علماء کی ایک جماعت کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات پاک تھے لہٰذا بعید نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم سے مستثنیٰ ہوں۔

حنفیہ کا مسلک اور روایات متعدد وجوہ سے راجح ہیں: ① روایتِ ابوایوب رضی اللہ عنہ باتفاق محدثین سنداً اصح مافی الباب ہے ② روایاتِ محرم قانون وقاعدہ کلیہ ہیں اور روایاتِ مبیح واقعہ جزئیہ ہیں اور قاعدہ کلیہ کو واقعہ جزئیہ پر ترجیح ہوتی ہے ③ روایاتِ محرم قولی وفعلی دونوں ہیں جبکہ روایاتِ مبیح صرف فعلی ہیں اور بوقتِ تعارض قولی روایات کو ترجیح ہوتی ہے ④ جب روایاتِ محرم ومبیح میں تعارض ہو جائے تو محرم کو ترجیح ہوتی ہے ⑤ منع کی روایات مؤید بالقیاس ہیں کہ جب قبلہ کی طرف تھوکنا ممنوع ہے تو استقبال بطریق اولیٰ منع ہوگا۔ (تلخیص از درس ترمذی ج ا ص ۱۸۹)

**الشق الثانی** ......**عن خزيمة بن ثابت عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال المسح على الخفين لِلمسافِرِ ثلاثة ايام ولِلمقِيمِ يوم وليلة قال ابو داؤد رواه منصور بن المعتمِرِ عن اِبراهِيم التيمِي بِاِسنادِهٖ قال فِيهِ ولو استزدناه لزادنا** ۔(باب التوقيت فى المسح)

حدیث کا ترجمہ کریں۔ توقیت فی المسح علی الخفین میں ائمہ کے مذاہب مع دلائل تحریر کریں۔ **ولو استزدناه لزادنا** سے کس مذہب کی تائید ہوتی ہے اور فریق مخالف اس کا کیا جواب دیتے ہیں؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② مسح کی مدت میں ائمہ کے مذاہب مع دلائل ③ **ولو استزدناه لزادنا** کے مذہبِ مؤید کی تعیین اور فریق مخالف کی طرف سے جواب۔

0313 6307573 maktabazakariyamultan@gmail.com

**جواب** ...... ① **حدیث کا ترجمہ:-** حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسافر کیلئے موزوں پر مسح کی مدت تین دن (اور تین رات) ہے اور مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات ہے۔ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو منصور بن معتمر نے ابراہیم تیمی سے اس کی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے اس میں یوں ہے کہ اگر ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مدت کے طلب گار ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں مزید مدت تک کی اجازت مرحمت فرما دیتے۔

② مسح کی مدت میں ائمہ کے مذاہب مع دلائل:۔کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الثانی ۱۴۳۹ھ

③ ولو استزدناه لزادنا کے مذہبِ مؤید کی تعیین اور فریق مخالف کی طرف سے جواب:۔ یہ جملہ بظاہر امام مالکؒ کی دلیل ہے کہ راوی کہتے ہیں: اگر ہم آپ ﷺ سے مسح خفین کیلئے زیادہ مدت کا مطالبہ کرتے تو آپ ﷺ ہمیں مزید مدت تک مسح کی اجازت بھی مرحمت فرمادیتے۔

اسکے متعدد جوابات ہیں: ① ان زائد الفاظ کے ثبوت میں تردد ہے، ترمذی میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ ② "لَوْ" نفی کیلئے ہی آتا ہے جیسے لَو جئتَنی لاکرمتُك (اگر تو میرے پاس آتا تو میں تیرا اکرام کرتا، یعنی نہ تو میرے پاس آیا اور نہ میں نے تیرا اکرام کیا) یہاں پر مجیئت اور اکرام دونوں کی نفی ہے، پس اس حدیث میں بھی دونوں افعال (زیادتی طلب کرنا اور اجازت دینا) کی نفی ہے۔
③ یہ ظنِ راوی ہے جو حسبان وتخمین (گمان واندازہ) کی قبیل سے ہے، پس اس کا اعتبار نہیں ہے۔ (الدر المنضود)

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۲ھ

**الشق الاوّل** ......عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا جَلَبَ وَلَا جَنَبَ وَلَا تُؤْخَذُ صَدَقَاتُهُمْ اِلَّا فِىْ دُوْرِهِمْ۔ (كتاب الزكوة. باب اين تصدّق الاموال)

عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْاَنْهَارُ وَالْعُيُوْنُ اَوْ كَانَ بَعْلًا اَلْعُشْرُ وَفِيْمَا سُقِىَ بِالسَّوَانِىْ اَوِ النَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ۔ (باب صدقة الزرع)

دونوں احادیث پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔ جامع تشریح کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل تین امور ہیں: ① احادیث پر اعراب ② احادیث کا ترجمہ ③ احادیث کی تشریح۔

**جواب** ...... ① احادیث پر اعراب:۔کما مرّ فی السوال آنفا۔

② احادیث کا ترجمہ:۔ حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد کے واسطہ سے اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا زکوۃ کے معاملہ میں نہ جلب ہے اور نہ جنب، بلکہ زکوۃ ان کے ٹھکانوں پر ہی لی جائے گی۔

سالم بن عبداللہ اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو زراعت (زمین) بارش، نہر اور چشمہ سے سیراب ہو یا خود بخود زمین کی تری پا کر اُگے اس میں عُشر (دسواں حصہ) لازم ہوگا اور جس زراعت میں پانی کھینچ کر دیا جائے اس میں نصفِ عشر (بیسواں حصہ) لازم ہوگا۔

③ احادیث کی تشریح:۔ جلب کا مطلب یہ ہے کہ مصدق (صدقہ وصول کرنے والا) ہر شخص کے پاس جا کر زکوۃ وصول کرنے کی بجائے کسی ایک جگہ بیٹھ جائے اور لوگوں کو وہاں آ کر زکوۃ دینے پر مجبور کرے اور جنب کا مطلب یہ ہے کہ زکوۃ ادا کرنے والا اپنا مال لیکر کہیں دور دراز علاقہ میں چلا جائے جس سے مصدق کو وہاں پہنچنے میں دشواری ہو، یہ دونوں ممنوع ہیں۔ گویا زکوۃ دینے والے اور لینے والے دونوں فریقوں کو حیلہ وزیادتی سے منع کیا گیا ہے۔

دوسری حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو زمین قدرتی وسائل مثلاً بارش، نہر و چشموں کے پانی سے سیراب ہو اسکی پیداوار میں سے دسواں حصہ راہِ خداوندی میں مستحقین کو دینا لازم ہے اور جو زمین مشقت کیساتھ آبپاشی کے ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے سیراب کی جائے، آج کل ٹریکٹر، انجن، ٹیوب ویل وغیرہ کے ذریعہ سیراب کی جائے اسکی پیداوار میں سے بیسواں حصہ مستحقین کو دینا لازم ہے۔

**الشق الثانی** ......عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يُسْئَلُ بِوَجْهِ اللّٰهِ اِلَّا الْجَنَّةُ۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنِ اسْتَعَاذَ بِاللّٰهِ فَاَعِيْذُوْهُ وَمَنْ سَئَلَ بِاللّٰهِ فَاَعْطُوْهُ وَمَنْ دَعَاكُمْ فَاَجِيْبُوْهُ وَمَنْ صَنَعَ لَكُمْ مَعْرُوْفًا فَكَافِئُوْهُ فَاِنْ لَمْ تَجِدُوْا مَا تُكَافِئُوْا بِهٖ فَادْعُوْا لَهٗ حَتّٰى تَرَوْا اَنَّكُمْ قَدْ كَافَأْتُمُوْهُ۔ (كتاب الزكوة. باب كراهية المسئلة بوجه الله و باب عطية من سئل بالله عزّ و جلّ)

دونوں احادیث پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔ جامع تشریح کر کے بتائیں کہ کیا اللہ تعالیٰ سے جنت کے علاوہ کوئی چیز مانگنا

ممنوع ہے؟ اگر ممنوع نہیں تو پہلی حدیث میں جنت کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے کا حل تین امور ہیں: ① احادیث پر اعراب ② احادیث کا ترجمہ ③ احادیث کی تشریح و پہلی حدیث میں جنت کی تخصیص کی وجہ۔

**جواب** ...... ① **احادیث پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔**

② **احادیث کا ترجمہ:۔** حضرت جابرؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے نام پر سوائے جنت کے کوئی چیز نہ مانگی جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ کے نام پر پناہ طلب کرے اس کو پناہ دو اور جو شخص اللہ کے نام پر تم سے کچھ مانگے اس کو دو اور جو شخص تمہاری دعوت کرے اس کو قبول کرو اور جو شخص تمہارے ساتھ احسان کا معاملہ کرے تو تم اس کو اس کا بدلہ دو اگر اس کا بدلہ چکانے کی طاقت نہ ہو تو اس کے حق میں دعائے خیر کرتے رہو، یہاں تک کہ تم محسوس کرو کہ تم نے اس کا بدلہ پورا ادا کر دیا ہے۔

③ **احادیث کی تشریح و پہلی حدیث میں جنت کی تخصیص کی وجہ:۔** پہلی حدیث کا ایک مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی کی عظیم ذات کو توسط و وسیلہ بنا کر اللہ تعالی سے جنت کے علاوہ کوئی حقیر چیز طلب نہ کی جائے، بلکہ جنت الفردوس کا سوال کیا جائے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ لوگوں سے دنیاوی مال و متاع کے سوال کیلئے اللہ تعالی کی عظیم ذات کو توسط و وسیلہ نہ بنایا جائے، بلکہ عظیم ذات کے وسیلہ سے صرف جنت الفردوس جیسی عظیم چیز ہی طلب کرنی چاہیئے۔

دوسری حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم سے کوئی شخص اللہ تعالی کی عظیم ذات کے نام پر پناہ طلب کرے تو تم اس کو پناہ دیدو اور اگر کوئی شخص اللہ کے نام پر تم سے کسی چیز کا سوال کرے تو تم اس کو وہ چیز دیدو۔ اگر کوئی شخص تمہاری دعوت کرے تو تم اس کو قبول کرو، یا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مشکل میں تمہیں مدد کیلئے پکارے تو تم اسکی مدد کرو۔ اگر کوئی شخص تمہارے ساتھ اچھا سلوک و برتاؤ کرے احسان کا معاملہ کرے تو تم بھی اسکے ساتھ ویسا ہی احسان کا معاملہ کرو، اگر اس کا بدلہ چکانے کی ہمت و طاقت نہ ہو تو اس کے حق میں دعائے خیر کرتے رہو، یہاں تک کہ تم محسوس کرو کہ تم نے اس کا بدلہ پورا ادا کر دیا ہے۔ ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ اگر کسی احسان کرنے والے کو تم نے **جزاك الله خيرا** وغیرہ کے الفاظ سے دعا دی تو تم نے اسکے احسان کا بدلہ اللہ تعالی کے سپرد کر دیا۔ (الدر المنضود)

اللہ تعالی سے ہر چھوٹی بڑی چیز مانگنا جائز ہے، رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں میں دنیا و آخرت کی بیشمار چیزوں کے سوال کا ذکر ہے۔ بلکہ نصوص میں ہر چیز اللہ تعالی سے ہی مانگنے کا حکم و ترغیب دی گئی ہے حتی کہ فرمایا کہ اگر جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ تعالی سے ہی مانگو۔ باقی پہلی حدیث میں جنت کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ جب عظیم ذات سے کچھ مانگنا ہی ہے تو جنت الفردوس جیسی عظیم چیز مانگو۔

## ﴿الورقة السادسة : فی الحدیث (ابو داؤد، اول)﴾

## ﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۴۳ھ

**الشق الاوّل** ......**عن علی قال قال رسول اللّٰه ﷺ مفتاح الصلوة الطهور وتحريمها التكبير وتحليلها التسليم۔**

نماز میں سلام فرض ہے یا واجب؟ ائمہ کے اقوال و دلائل بیان کریں۔ سلام فرض نہ ہونے کے قائلین اس حدیث کا کیا جواب دیتے ہیں؟ تکبیر تحریمہ بالاتفاق فرض ہے اور سلام میں اختلاف ہے جبکہ اس حدیث میں دونوں کا ایک جیسا ذکر ہے، اس فرق کی کیا وجہ ہے؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① نماز میں سلام کے حکم میں اختلاف و دلائل ② حدیث الباب کا جواب ③ تکبیر و سلام کے ایک جیسے ذکر کے باوجود حکم میں فرق کی وجہ۔

**جواب** ...... ① **نماز میں سلام کے حکم میں اختلاف و دلائل:۔** امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک خروج بصنعه (کوئی بھی حرکت کر کے نماز کو پورا کرنا) فرض ہے البتہ لفظ سلام کہہ کر نکلنا فرض نہیں واجب ہے۔ امام شافعی کے نزدیک لفظ سلام کہہ کر نماز سے نکلنا فرض ہے۔

ان کی دلیل وہ تمام احادیث ہیں جن میں آپ ﷺ نے سلام کر کے نماز پوری کی ہے۔ دوسری دلیل یہیقو لی حدیث ہے:

قال رسول اللّٰہ ﷺ مفتاح الصلوٰۃ الطہور وتحریمہا التکبیر وتحلیلہا التسلیم۔اس حدیث کے مطابق جیسے آدمی تکبیر کہہ کر نماز میں داخل ہوگا،اسی طرح سلام کہہ کر آدمی نماز سے نکلے گا۔

ہماری دلیل عبداللہ ابن مسعودؓ کی حدیث ہے آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم تشہد کی مقدار بیٹھ لو یا تشہد کہہ لو تو تمہاری نماز پوری ہو جائے گی اسکے بعد چاہو تو بیٹھو اور چاہو تو کھڑے ہو جاؤ۔ اس میں اختیار دیا گیا تھا،اور اختیار دینا فرض اور واجب ہونے کے منافی ہے، پھر بھی ہم نے روایت الباب کی وجہ سے احتیاطاً وجوب کو ثابت کیا اور اس قسم کی حدیث سے فرض ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

دوسری دلیل: طحاوی میں عمرو بن العاص اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب امام قعدہ اخیرہ میں بیٹھ گیا اور حدث لاحق ہو گیا تو نماز پوری ہوگئی۔معلوم ہوا کہ سلام کرنا یا کہنا فرض نہیں ہے،اگر سلام کرنا فرض ہوتا تو حدث سے نماز کیسے پوری ہو جاتی؟۔البتہ ہم حدیث الباب کی بناء پر احتیاطاً سلام کہہ کر نماز سے نکلنا واجب کہتے ہیں۔

② **حدیث الباب کا جواب:۔** دلائل کے ضمن میں معلوم ہو گیا کہ سلام کے بغیر نماز مکمل ہونے والی روایات کی وجہ سے کم از کم فرضیت ثابت نہیں ہوسکتی۔زیادہ سے زیادہ احتیاطاً وجوب ثابت ہوتا ہے،اس وجوب کے ہم بھی قائل ہیں۔

③ **تکبیر وسلام کے ایک جیسے ذکر کے باوجود حکم میں فرق کی وجہ:۔** کما مرّ فی الورقۃ الرابعۃ الشق الثانی من السوال الثالث ۱۴۴۳ھ

**الشق الثانی** ......اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ بَیْنَا ھُوَ یَخْطُبُ یومَ الجمعۃِ اِذ دَخَلَ رجلٌ فقال عمرُ اَتَحْتَبِسُوْنَ عَنِ الصَّلاۃِ فقال الرجلُ ما ھو اِلَّا اَنْ سَمِعْتُ النِّدَاءَ فَتَوَضَّأتُ فقال عمرُ وَالْوُضُوْءُ اَیْضًا اَوَ لَمْ تَسْمَعُوْا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ اِذَا اَتٰی اَحَدُکُمُ الْجُمُعَۃَ فَلْیَغْتَسِلْ۔(کتاب الطہارۃ۔ باب فی الغسل للجمعۃ)

حدیث کا ترجمہ کریں۔ جمعہ کیلئے غسل واجب ہونے میں ائمہ کا اختلاف مع دلائل بیان کریں۔ غسل واجب نہ ہونے کے قائلین اس حدیث کا کیا جواب دیتے ہیں؟۔ جمعہ کے دن خواتین کیلئے غسل کا کیا حکم ہے؟

﴿ خلاصۂ سوال ﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث کا ترجمہ ② غسلِ جمعہ کے حکم میں اختلاف مع الدلائل ③ حدیث الباب کا جواب ④ جمعہ کے دن خواتین کیلئے غسل کا حکم۔

**جواب** ...... ① **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ جمعہ کے دن حضرت عمر بن خطابؓ خطبہ دے رہے تھے کہ ایک آدمی آیا آپؓ نے فرمایا کیا تم نماز سے روک لئے جاتے ہو؟ اس شخص نے کہا کہ میں نے اذان سنی اور پھر صرف وضو ہی کیا ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا کیا صرف وضو ہی کیا ہے؟ کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ جو شخص نماز جمعہ کیلئے آئے تو غسل کر کے آئے۔

② **غسلِ جمعہ کے حکم میں اختلاف مع الدلائل:۔** ائمہ اربعہ اور جمہور سلف وخلف کے نزدیک غسل یوم الجمعہ سنت ہے،واجب نہیں۔

اہل ظاہر کے نزدیک غسلِ یوم الجمعہ واجب ہے،حنابلہ ومالکیہ کا بھی ایک قول یہی ہے۔

جمہور کے دلائل: ① حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث من توضأ یوم الجمعۃ فبہا ونعمت ومن اغتسل فہو افضل اور یہ حدیث سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔② حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے من توضأ فاحسن الوضوء ثم اتی الجمعۃ فدنا واستمع وانصت غفرلہ،اس حدیث میں غسل کا ذکر ہی نہیں ہے۔

③ حضرت عمر وعثمان رضی اللہ عنہما کا سوال میں مذکور مشہور واقعہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ دے رہے تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دیر سے جمعہ میں تشریف لائے اور غسل بھی نہیں کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک آئے دیر سے ہیں اور پھر آئے بھی بغیر غسل کے ہیں حالانکہ آپ ﷺ نے ہمیں غسل یوم الجمعہ کا حکم دیا ہے۔الحاصل اگر غسل واجب ہوتا تو اولاً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ازخود غسل کر کے تشریف لاتے، یا کم از کم حضرت عمرؓ کے اعتراض کے بعد ہی تشریف لے جاتے۔ ثانیاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی ان کو غسل کیلئے واپس جانے کا حکم فرماتے ان دونوں امور میں سے کوئی بھی ثابت نہیں ہے اور پھر اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع سکوتی بھی ہو گیا کہ کسی نے اس موقعہ پر وجوب کی بات نہ کی۔ان تین وجوہ سے معلوم ہوا کہ غسل یوم الجمعہ واجب نہیں ہے۔

اہل ظاہر کی پہلی دلیل: یہ حدیث ہے **من اتی الجمعة فلیغتسل** اس میں امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کیلئے آتا ہے۔

دوسری دلیل: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے **ان رسول اللہ ﷺ قال غسل یوم الجمعة واجب علی کل محتلم**، اس میں صراحت کے ساتھ وجوبِ غسل کا ذکر ہے۔

جمہور کی طرف سے پہلا جواب: غسل کا حکم عارض کی وجہ سے تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم محنت مزدوری کرتے تھے، اون وغیرہ کے کپڑے پہنتے تھے جو پسینہ سے شرابور ہوتے تھے اور مسجد انتہائی تنگ تھی اور چھت بھی نیچی تھی تو پسینہ کی بدبو کی وجہ سے آپس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تنگی ہوتی تھی اسلئے غسل کا حکم دیا گیا تھا، پھر وسعت ہوئی محنت مزدوری ختم ہوگئی مسجدیں وسیع ہوگئیں، اچھا کھانا پینا اور پہننا ہوگیا تو وہ عارض بدبو والا ختم ہوگیا، جب عارض ختم ہوگیا تو غسل والا حکم بھی ختم ہوگیا۔

دوسرا جواب: عدمِ غسل والی احادیث کے قرینہ سے امر کا صیغہ وجوب کیلئے نہیں بلکہ استحباب کیلئے ہے۔ (المسائل والدلائل ص ۳۳۴)

④ حدیث الباب کا جواب:۔ یہ حدیث وجوبِ غسل کی دلیل ہی نہیں ہے بلکہ متعدد وجوہ سے عدمِ وجوبِ غسل کی دلیل ہے۔ کما مرّ آنفا۔

④ جمعہ کے دن خواتین کیلئے غسل کا حکم:۔ ① اگر جمعہ کے دن کا غسل لصلوٰۃ الجمعہ ہو تو پھر یہ غسل صرف ان مردوں کے ساتھ خاص ہوگا جن پر نمازِ جمعہ لازم ہے۔ اور اگر یہ غسل لیوم الجمعہ ہو تو پھر خواتین بھی غسل کریں گی۔ ② جمعہ کے دن غسل صرف مردوں کیلئے مسنون ہے، عورتوں کیلئے نہیں۔ البتہ خواتین ویسے ہی صفائی ستھرائی کیلئے ہفتہ وار غسل کریں تو اچھی بات ہے۔

## ﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۳ھ

**الشق الاوّل** ...... **عَنْ سهل بن سعدٍ الساعديّ اَنّ رسول اللّٰهِ ﷺ: جاءَ تْهُ اِمْرَأَةٌ فَقَالَتْ: يَا رسول اللّٰهِ! اِنِّي قد وَهَبْتُ نَفْسِي لَكَ فَقَامَتْ قِيَامًا فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رسول اللّٰهِ! زَوِّجْنِيْهَا اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَكَ بِهَا حَاجَةٌ فَقَالَ..... فَالْتَمِسْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيْدٍ فَذَهَبَ فَالْتَمَسَ فَلَمْ يَجِدْ شَيْئًا فَقَالَ لَهٗ رسول اللّٰهِ ﷺ فَهَلْ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ شَيْئٌ؟ قَالَ: نَعَمْ سُوْرَةُ كَذَا وَسُوْرَةُ كَذَا لِسُوَرٍ سَمَّاهَا فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَدْ زَوَّجْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ۔ (كتاب النكاح۔ باب فی التزويج علی عمل يعمل)**

اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔ کیا لوہے کی انگوٹھی پہننا جائز ہے؟ مدلل ذکر کریں۔ تعلیم قرآن کریم کو مہر بنانے کا حکم مع الدلائل ذکر کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں پانچ امور توجہ طلب ہیں: ① حدیث پر اعراب ② حدیث کا ترجمہ ③ لوہے کی انگوٹھی پہننے کا حکم مع دلائل ④ تعلیم قرآن کریم کو مہر بنانے کا حکم مع الدلائل۔

**جواب** ...... ① حدیث پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت سہل بن سعدؓ سے مروی ہے کہ ایک خاتون نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میں اپنے آپ کو ہبہ کرنے آئی ہوں۔ دیر تک وہ خاتون کھڑی رہی ایک صاحب نے اُٹھ کر عرض کی کہ اگر آپ ﷺ کو ان کی ضرورت نہیں ہے تو ان کا نکاح مجھ سے کر دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا.... تلاش کرو لوہے کی ایک انگوٹھی ہی سہی، انہوں نے تلاش کیا اور کوئی چیز نہ ملی تو آپ ﷺ نے انہیں فرمایا تمہیں قرآن کتنا یاد ہے؟ انہوں نے عرض کی کہ فلاں فلاں سورتیں، انہوں نے سورتوں کا نام لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اس خاتون کا نکاح تمہارے ساتھ اس قرآن کی وجہ سے کیا جو تمہیں یاد ہے۔

③ لوہے کی انگوٹھی کا حکم:۔ لوہے کی انگوٹھی ائمہ اربعہ میں سے جمہور یعنی حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک مکروہ ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں قولِ اصح کے مطابق بلا کراہت جائز ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی جائز معلوم ہوتا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حدیثِ باب سے استدلال کرتے ہیں۔ مگر یہ استدلال صریح نہیں ہے کیونکہ لوہے کی انگوٹھی تلاش کرنے کا حکم دینے سے اسکے استعمال کے جواز پر کوئی دلالت نہیں ہوتی، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس استدلال کو رد کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ استدلال درست نہیں ہے اسلئے کہ تلاش کرنے کے جواز سے پہننے کا جواز لازم نہیں آتا۔ ممکن ہے آپ ﷺ نے اسلئے تلاش کرنے کا حکم دیا ہو کہ عورت اس کی قیمت سے منتفع ہو سکے۔

جمہور کی پہلی دلیل ابوداؤد کی روایت ہے کہ ایک آدمی کے پاس لوہے کی انگوٹھی تھی، آپ ﷺ نے دیکھ کر فرمایا **مالی اری علیك حلیة اهل النار**۔علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ابن حبان نے یہ حدیث نقل کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔

جمہور کا دوسرا استدلال مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے، انہوں نے سونے کی انگوٹھی پہنی، رسول اللہ ﷺ نے کراہت کی نگاہ سے دیکھا تو انہوں نے وہ پھینک دی اور لوہے کی انگوٹھی پہنی تو آپ نے فرمایا یہ زیادہ بری ہے۔اس روایت کی سند میں عبداللہ بن مؤمل ایک ضعیف راوی ہے۔مسند احمد میں اس طرح کی ایک اور روایت حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

بہرحال اگرچہ ان روایات کی سند پر کلام ہے تاہم شواہد کی وجہ سے یہ صحیح کے درجہ میں نہیں تو حسن کے درجے میں آجاتی ہیں جو کراہت ثابت کرنے کیلئے کافی ہے۔( کشف الباری کتاب اللباس ص ۲۲۸)

⑤ تعلیم قرآن کریم کو مہر بنانے کا حکم:۔ حضرات شافعیہ تعلیم قرآن کے مہر بنانے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ان کی دلیل یہی حدیث الباب ہے۔

جمہور اور حنفیہ کے نزدیک تعلیم قرآن کو مہر بنانا جائز نہیں۔جمہور کا استدلال قرآن کریم کی آیت سے ہے: **واحلّ لکم ما وراء ذلکم ان تبتغوا باموالکم** اس میں ابتغاء بالمال کا حکم دیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مہر کیلئے مالِ متقوم کا ہونا ضروری ہے اور جو مال نہ ہو وہ مہر نہیں بن سکتا اور تعلیم قرآن بھی مال نہیں، اسلئے اس کو مہر بنانا جائز نہیں۔

جہاں تک حدیث باب کا تعلق ہے اسکے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں: ① تعلیم قرآن کو مہر بنانا متعلقہ صحابی کی خصوصیت تھی چنانچہ اس خصوصیت کی بعض روایات میں تصریح ہے **ان رسول الله ﷺ زوج رجلا علی سورة من القرآن ثم قال: لاتکون لاحد بعدك مهرا**۔یہ روایت ابن قدامہ نے ''المغنی'' میں ذکر فرمائی ہے ② **بما معك من القران** میں باءعوض کی نہیں بلکہ سببیت کیلئے ہے، مطلب یہ ہے کہ **ملکتکها لِانّك من اهل القرآن** یعنی اہلِ قرآن ہونے کی وجہ سے تم پر مہرِ معجّل واجب نہیں البتہ مہر مؤجل قواعد کے مطابق واجب ہوگا۔( کشف الباری کتاب النکاح ص ۱۶۹)

**الشق الثانی** ......اَنَّ يَحْيٰى بْنَ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ طَلَّقَ بِنْتَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَكَمِ الْبَتَّةَ فَانْتَقَلَهَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ فَاَرْسَلَتْ عَائِشَةُ اِلٰى مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ وَهُوَ اَمِيْرُ الْمَدِيْنَةِ فَقَالَتْ لَهُ اِتَّقِ اللّٰهَ وَارْدُدِ الْمَرْاَةَ اِلٰى بَيْتِهَا فَقَالَ مَرْوَانُ فِىْ حَدِيْثِ سليمان اِنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ غَلَبَنِىْ وقال مَرْوَانُ فِىْ حَدِيْثِ الْقَاسِمِ اَوْ مَا بَلَغَكِ شَاْنُ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ فَقَالَتْ عَائِشَةُ لَا يَضُرُّكَ اَنْ لَا تَذْكُرَ حَدِيْثَ فَاطِمَةَ فَقَالَ مَرْوَانُ اِنْ كَانَ بِكِ الشَّرُّ فَحَسْبُكِ مَا كَانَ بَيْنَ هٰذَيْنِ مِنَ الشَّرِّ ۔(کتاب الطلاق. باب من انکر ذٰلك علی فاطمة)

حدیث پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔حضرت فاطمہ کا کیا قصہ ہے جس کی طرف حدیث میں اشارہ ہے؟ حضرت عائشہؓ نے حضرت فاطمہ کا ذکر کرنے سے کیوں روکا؟ اسکی وجہ بیان کریں۔خط کشیدہ جملہ کا مطلب بیان کریں۔

﴿ خلاصۂ سوال ﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① حدیث پر اعراب ② حدیث کا ترجمہ ③ حضرت فاطمہ کے قصہ کی وضاحت ④ حضرت عائشہؓ کے مروان کو حضرت فاطمہ کا ذکر کرنے سے روکنے کی وجہ ⑤ خط کشیدہ جملہ کا مطلب۔

**جواب** ...... ① حدیث پر اعراب:۔ **کما مرّ فی السوال آنفا**۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

② حدیث کا ترجمہ:۔ سلیمان بن یسار سے روایت ہے کہ یحیٰی بن سعید بن عاص نے عبدالرحمٰن کی بیٹی (مروان کی بھتیجی) کو طلاق بتہ دی پس عبدالرحمٰن نے اپنی بیٹی کو ان کے گھر سے اٹھالیا تو حضرت عائشہ نے امیر مدینہ مروان بن حکم کے پاس کہلا بھیجا کہ اللہ سے ڈر اور عورت کو اس کے گھر (شوہر کے گھر) واپس بھیج دے تو مروان نے سلیمان کی حدیث کے مطابق جواب میں کہلایا کہ عبدالرحمٰن نے مجھے مجبور کر دیا اور قاسم کی حدیث میں یہ ہے کہ جواب میں مروان نے کہلایا کہ کیا آپ کو فاطمہ بنت قیس کے معاملہ کا علم نہیں ہے؟ (جس پر آپ ﷺ نے ان کو شوہر کے گھر سے نکلنے کی اجازت دی تھی) اس پر حضرت عائشہ نے فرمایا کہ اگر تو حدیث فاطمہ کا ذکر نہ بھی کرتا تو تیرا کچھ

نقصان نہ ہوتا (فاطمہ کے سلسلہ میں مجبوری تھی اسلئے اس کو گھر سے نکلنے کی اجازت ملی تھی) مروان نے کہا اگر آپ یہ فرماتی ہیں کہ وہاں شر کا خوف تھا تو یہاں بھی ان دونوں میاں بیوی کے درمیان شر کا خوف ہے (لہٰذا مکان بدلنے میں کوئی حرج نہیں)۔

③ **حضرت فاطمہ کے قصہ کی وضاحت:۔** حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو ان کے شوہر ابو عمرو بن حفص نے طلاقِ بائن دی اور وہ غائب تھے تو انہوں نے اپنے وکیل کو کچھ جَو و کھجوریں دے کر ان کی طرف بھیجا، وہ اُس سے ناراض ہوئیں اور شکایت لیکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا اس پر تیرا نفقہ لازم نہیں ہے اور آپ نے اسے حکم دیا کہ وہ ام شریک رضی اللہ عنہا کے ہاں اپنی عدت پوری کرے پھر فرمایا کہ ام شریک مہمان نواز عورت ہیں جہاں ہمارے صحابہ رضی اللہ عنہم اکثر جمع ہوتے رہتے ہیں تو تم ابن ام مکتوم (اپنے چچا کے بیٹے) کے گھر میں عدت پوری کرو کیونکہ وہ نابینا آدمی ہیں وہاں تم آزادی و بے تکلفی سے رہ سکوگی، جب عدت پوری ہو جائے تو مجھے خبر دینا۔ چنانچہ عدت مکمل ہونے کے بعد وہ حاضر ہوئیں تو آپ ﷺ نے ان کا نکاح حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ چونکہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے شوہر کا گھر ویرانے میں تھا اور وہاں پر ان کا عدت گزارنا مناسب نہیں تھا یا وہ زبان ولہجہ کی قدرے تیز وگرم تھیں اور اپنے شوہر وسسرال والوں کیخلاف زبان درازی کیا کرتی تھیں، اسلئے آنحضرت ﷺ نے ان کو شوہر کے گھر سے ہٹا دیا۔ (تفصیل درسِ ترمذی ۳:۴۸۲۔ المسائل والدلائل ص ۵۳۰۔ کشف الباری، طلاق ۵۶۲)

④ **حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مروان کو حضرت فاطمہ کا ذکر کرنے سے روکنے کی وجہ:۔** حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مروان کو اپنی بھتیجی کیلئے بطورِ دلیل حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے واقعہ کو پیش کرنے سے منع کیا کہ تم اپنی بھتیجی کو عدت میں اپنے شوہر کے گھر سے لانے کے دفاع میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ کو بطورِ دلیل پیش نہ کرو، وہاں مجبوری تھی کہ ان کے شوہر کا گھر ویرانے میں تھا اور وہاں پر ان کا عدت گزارنا مناسب نہیں تھا یا وہ زبان ولہجہ کی قدرے تیز وگرم تھیں اور اپنے شوہر وسسرال والوں کیخلاف زبان درازی کیا کرتی تھیں، اسلئے آنحضرت ﷺ نے بامرِ مجبوری ان کو شوہر کے گھر کی بجائے چچازاد کے گھر میں عدت گزارنے کا حکم دیا تھا۔ (کشف الباری)

⑤ **خط کشیدہ جملہ کا مطلب:۔** مروان کے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ کے نزدیک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے معاملہ میں وہاں شر تھا اور زوجین میں نبھا نہیں ہوسکتا تھا اور وہ شوہر کے گھر میں نہیں رہ سکتی تھیں اسلئے آپ ﷺ نے انہیں دوسری جگہ عدت گزارنے کا حکم دیا تھا تو یہاں بھی زوجین میں شدید اختلاف اور نزاع کی وجہ سے نبھا نہیں ہوسکتا اور مجبوراً میری بھتیجی کو شوہر کے گھر سے اس کے والد کے گھر میں عدت گزارنے کیلئے لایا گیا ہے۔ (ایضا)

## السوال الثالث ۱۴۴۳ھ

**الشق الاوّل** ......عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن امرأة أتت رسول الله ﷺ و معها ابنة لها و فى يدى ابنتها مسكتان غليظتان من ذهب فقال لها: أتعطين زكاة هذا؟ قالت: لا، قال: أيسرك أن يسورك الله بهما يوم القيامة سوارين من النار؟ قال: فخلعتهما فألقتهما الى النبى ﷺ و قالت: هما لله و لرسوله۔

ترجمہ کیجیے، ائمہ اربعہ کے نزدیک زیورات میں زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ سونے، چاندی کا نصاب کیا ہے؟ اور موجودہ زمانے میں اس کا کتنا وزن ہے؟ احناف کے نزدیک زکوٰۃ کے مصارف کتنے اور کیا کیا ہیں؟ سند میں عن ابیہ عن جدہ کی ضمائر کا مرجع تحریر کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال کا حل پانچ امور ہیں: ① حدیث کا ترجمہ ② ائمہ اربعہ کے نزدیک زیورات میں زکوٰۃ کا حکم ③ سونے چاندی کی زکوٰۃ کا نصاب اور موجودہ زمانے میں ان کا وزن ④ احناف کے ہاں زکوٰۃ کے مصارف ⑤ ضمائر کا مرجع۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

**جواب** ...... ① **حدیث کا ترجمہ:۔** عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ہے کہ ایک عورت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس کے ساتھ اس کی بیٹی بھی تھی اور اس کی بیٹی کے ہاتھ میں سونے کے دو موٹے موٹے کنگن بھی تھے، آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا تو ان زیورات وکنگن کی زکوٰۃ ادا کرتی ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تو اس بات کو پسند کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے ان کنگنوں کے بدلے میں قیامت کے دن آگ کے کنگن پہنائیں؟ راوی کہتے ہیں کہ اس عورت نے وہ کنگن اتارے اور آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیے اور کہا کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں۔

② ائمہ اربعہ کے نزدیک زیورات میں زکوٰۃ کا حکم:۔ امام ابوحنیفہ وصاحبین رحمہم اللہ کے ہاں سونے چاندی کے زیورات میں زکوٰۃ فرض ہے اور امام مالک وامام احمد رحمہما اللہ کے ہاں اور امام شافعی رحمہ اللہ کے اظہر قول کے مطابق زیورات میں زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔

احناف کے دلائل: ① سونے چاندی میں وجوبِ زکوٰۃ کی مطلق نصوص زیورات کو بھی شامل ہیں مثلاً **والذین یکنزون الذهب والفضة** (توبہ) **هاتوا صدقة الرقة** (ترمذی) نیز وہ تمام نصوص جو زیورات کی زکوٰۃ پر دال ہیں مثلاً **یا معشر النساء تصدقن ولو من حلیکن فانکن اکثر اهل جهنم یوم القیامة** (ترمذی) ② عمرو بن شعیب کی سند سے مروی ہے کہ دو عورتیں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں انکے ہاتھوں میں دو سونے کے کنگن تھے آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم انکی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ انہوں نے کہا نہیں آپ ﷺ نے فرمایا! کیا تم چاہتی ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں آگ کے کنگن پہنائیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا اسکی زکوٰۃ ادا کیا کرو۔ (ترمذی) ③ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا کہ وہ اپنی طرف سے مسلمانوں کی عورتوں کو حکم دیں کہ وہ اپنے زیورات کی زکوٰۃ ادا کریں۔ ④ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ زیورات میں زکوٰۃ ہے۔ ⑤ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ اپنی عورتوں کو حکم دیتے تھے کہ وہ اپنے زیورات کی زکوٰۃ ادا کریں۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی پہلی دلیل: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: آپ ﷺ نے فرمایا: زیورات میں زکوٰۃ نہیں۔ (التحقیق لابن جوزی)

دوسری دلیل: موقوف آثار ہیں: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر و حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اثر (موطا مالک) حضرت اسماء بنت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا اثر، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا اثر (دارقطنی) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا اثر (مسند شافعی)۔

جوابات: پہلی مرفوع حدیث کا جواب یہ ہے کہ بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے اور یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ نیز مذکورہ احادیث کے قرینہ سے یہ مؤول ہے اور سونا چاندی کے علاوہ دوسرے جواہر کے زیورات پر محمول ہے۔

آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا جواب یہ ہے کہ کتاب اللہ اور مرفوع احادیث کے مقابلہ میں موقوف احادیث و آثار حجت نہیں ہیں۔

③ سونے چاندی کا نصاب اور موجودہ زمانے میں اس کا وزن:۔ سونے کی زکوٰۃ کا نصاب بیس مثقال اور چاندی کی زکوٰۃ کا نصاب دو سو درھم ہے۔ اور موجودہ زمانے میں سونے کا نصاب سات تولے ساڑھے آٹھ ماشے سونا ہے اس میں دو ماشے اڑھائی رتی سونے کی مالیت زکوٰۃ فرض ہے۔ چاندی کا نصاب چوّن تولے دو ماشے ہے، جس شخص کے پاس اتنی مالیت کی چاندی ہو تو اُس پر ایک تولہ چار ماشہ دو رتی چاندی کی مالیت زکوٰۃ فرض ہے۔

④ احناف کے ہاں زکوٰۃ کے مصارف:۔ زکوٰۃ کے کل آٹھ مصارف ہیں **کما قال اللّٰه تعالیٰ: انما الصدقات** ① **للفقراء** ② **والمساکین** ③ **والعاملین علیها** ④ **والمؤلفة قلوبهم** ⑤ **وفی الرقاب** ⑥ **والغارمین** ⑦ **وفی سبیل اللّٰه** ⑧ **وابن السبیل**۔ یعنی فقراء، مساکین، حکومت کی جانب سے صدقات وصول کرنے والے عامل، مؤلفۃ قلوب یعنی جن کے اسلام لانے کی امید ہو یا وہ اسلام میں کمزور ہوں (اب یہ قسم منسوخ ہے) غلام کا بدلِ کتابت ادا کرنا، آفت یا حادثہ میں مقروض ہونے والا، مجاہدین جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں اور وہ مسافر جس کے پاس سفر میں رقم نہ ہو اگرچہ اس کے پاس گھر میں رقم موجود ہو۔ الحاصل مؤلفۃ قلوب کے منسوخ ہونے کی وجہ سے اب صدقات و زکوٰۃ کے سات مصارف ہیں۔

⑤ عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده کی ضمائر کا مرجع:۔ **کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الثالث ۱۴۳۷ھ**

0315 0557013 maktabazakariyamultan@gmail.com

**الشق الثانی** ...... **عن ابن عباسٍ اَنَّ رسولَ اللّٰه ﷺ اَهدیٰ عامَ الْحُدَیْبِیَةِ فی هدایا رسولِ اللّٰه ﷺ جَمَلًا کان لِاَبِیْ جَهْلٍ فی رأْسِهٖ بُرَّةٌ فِضَّةٍ۔ عن عائشَةَ زوجِ النبیِّ ﷺ اَنَّ رسولَ اللّٰهِ ﷺ نَحَرَ عن آلِ محمدٍ فِی حَجَّةِ الْوَدَاعِ بَقَرَةً وَاحِدَةً۔ (کتاب المناسك۔ باب فی الهدی)**

ترجمہ کریں۔ آپ ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن تھیں اور سب پر ہدیِ تمتع واجب تھی تو ایک بقرہ سب کیلئے کیسے کافی ہوگئی؟ ابوجہل کا اونٹ آپ ﷺ کے پاس حدیبیہ میں کیسے آیا؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① احادیث کا ترجمہ ② سب ازواج کی طرف سے ایک ہدیِ تمتع (بقرہ) کی وضاحت ③ حدیبیہ میں ابوجہل کا اونٹ آپ ﷺ کے پاس آنے کی وضاحت۔

**جواب** ...... ① **احادیث کا ترجمہ:۔** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حدیبیہ والے سال میں آنحضرت ﷺ کئی اونٹ ہدی کیلئے لے کر گئے جن میں ایک اونٹ ابوجہل کا بھی تھا جس کی ناک میں چاندی کا حلقہ (چھلا وکڑا) تھا۔ زوجۂ رسول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے آل (اپنی ازواج) کی طرف سے حجۃ الوداع میں ایک گائے ذبح کی تھی۔

② **سب ازواج کی طرف سے ایک ہدیِ تمتع (بقرہ) کی وضاحت:۔** بعض روایات میں تو ''ۃ'' اور واحدۃ کے بغیر ''بقر'' کا لفظ ہے، جو قابل اشکال ہی نہیں ہے۔ بخاری کی روایت میں صرف ''البقر'' کا لفظ آیا ہے۔ نیز مسلم کی روایت میں **ذبح رسول اللہ ﷺ عن عائشة بقرة** کے الفاظ ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دو بقرہ کو ذبح کیا گیا، تو ممکن ہے اس میں حضرت عائشہؓ کے ساتھ کسی دوسری زوجہ (شاید حضرت سودہؓ) کو بھی شامل کرلیا گیا ہو۔ نیز نسائی کی روایت میں **ذبح رسول اللہ ﷺ عنّا یوم حججنا بقرةً بقرةً** کے الفاظ ہیں یعنی سب ازواج مطہرات کی طرف سے الگ الگ قربانی کی گئی۔ اس سے اشکال بالکل ختم ہوگیا۔ (الدر المنضود)

بعض روایات میں "ضحّٰی" کے الفاظ ہیں یعنی یہ گائے قربانی کے طور پر ذبح کی گئی تھی، ہدی کے طور پر نہیں۔ (فلا اشکال علیہ)۔

③ **حدیبیہ میں ابوجہل کا اونٹ آپ ﷺ کے پاس آنے کی وضاحت:۔** یہ اونٹ جنگ بدر کے مالِ غنیمت میں مسلمانوں کو حاصل ہوا تھا اور عمرۃ الحدیبیہ کے سفر میں جو جانور بطور ہدی آپ کے ساتھ تھے ان میں یہ اونٹ بھی تھا، تو آپ ﷺ نے قصداً کفار کے دلوں کو تکلیف پہنچانے کیلئے یہ اونٹ ذبح کیا تھا۔ (الدر المنضود)

## ﴿الورقة السادسة: ابو داؤد اوّل﴾

## ﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۴۴ھ

**الشق الاوّل** ......**عن جابرٍ قال خرجنا مع رسولِ اللّٰہِ ﷺ یعنِی فِی غزوةِ ذاتِ الرِّقاعِ فَاَصابَ رجلٌ اِمْرأَةَ رجلٍ مِنَ المشرکِینَ فَحَلَفَ اَنْ لااَنْتَهِیَ حتّٰی اُهْرِیْقَ دماً فِیْ اصحابِ محمدٍ فَخَرَجَ یَتْبَعُ اَثَرَ النَّبِیِّ ﷺ فَنَزَلَ النبِیُّ ﷺ منزلًا فقال مَنْ رَجُلٌ یَکْلَؤُنَا فَانْتَدَبَ رجلٌ مِن المهاجِرِینَ ورجل مِن الانصارِ فقال: کُونَا بِفَمِ الشِّعْبِ قال فلمّا خرج الرّجلانِ اِلٰی فَمِ الشِّعْبِ اِضْطَجَعَ المهاجِرُ وقام الانصارِیُّ یُصَلِّی و اَتَی الرَّجُلَ فلمّا رأی شَخْصَهٗ عَرِفَ اَنَّهٗ رَبِیئَةٌ لِلقومِ فَرَمَاه بِسهمٍ فوضعه فِیْهِ فَنَزَعَهٗ حتّٰی رماه بِثَلَاثَةِ اَسْهُمٍ ثُمّ رَکَعَ وسَجَدَ ثُمّ انْتَبَهَ صَاحِبُهٗ فلمّا عَرِفَ اَنَّهُمْ قد نَذِرُوْا بِهٖ هرب۔**

حدیث شریف کا ترجمہ کیجیے۔ امام ابوداؤد نے یہ روایت کس مسئلہ کے اثبات کیلئے ذکر فرمائی ہے اس میں ائمہ کرام کی آراء تحریر فرمائیں۔ احناف کے دلائل دیجیے اور احناف کی طرف سے اس روایت کا جواب ذکر کیجیے۔ **(باب الوضوء من الدم)**

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل دو امور ہیں: ① حدیث کا ترجمہ ② مسئلۃ الباب کی وضاحت، ائمہ کے دلائل وجوابات۔

**جواب** ...... ① **حدیث کا ترجمہ:۔** حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ غزوہ ذات الرقاع میں ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے ایک شخص نے کسی مشرک کی عورت کو قتل کرڈالا۔ تو اس مشرک نے قسم کھائی کہ جب تک اصحاب محمد ﷺ میں سے کسی کا خون نہیں بہالوں گا تب تک چین سے نہیں بیٹھوں گا، پس وہ رسول اللہ ﷺ کے نشاناتِ قدم پر ان کی تلاش میں چل پڑا، ایک جگہ نبی ﷺ نے قیام کیا تو فرمایا کون ہماری حفاظت کرے گا؟ اس پر مہاجرین وانصار میں سے ایک ایک شخص نے آمادگی ظاہر کی آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ گھاٹی کے سرے پر جا کر حفاظت کرو، جب یہ دونوں حضرات گھاٹی کے سرے پر پہنچ گئے تو مہاجر صحابی (عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ) آرام کی غرض سے لیٹ گئے اور انصاری صحابی (عباد بن بشر رضی اللہ عنہ) کھڑے ہوکر نماز پڑھنے لگے اتنے میں وہ مشرک شخص آ پہنچا جب اس نے ان کو دیکھا تو جان گیا کہ یہ قوم کا محافظ ہے اس نے ایک تیر مارا جو اُن کے آ کر لگا، انہوں نے اس کو نکال ڈالا یہاں تک کہ اس نے تین تیر مارے پھر انہوں نے رکوع وسجود کیا (نماز پوری کی) اور اپنے ساتھی کو بیدار کیا جب اس کافر شخص نے دیکھا کہ یہ لوگ بیدار ہوگئے ہیں تو وہ بھاگ گیا۔

**②** <u>مسئلۃ الباب کی وضاحت، ائمہ کے دلائل وجوابات:</u>۔ یہ روایت امام ابوداؤدؒ دمِ خارج من غیر السبیلین کے ناقضِ وضو نہ ہونے کے اثبات میں دلیل کے طور پر لائے ہیں۔

حنفیہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک کوئی نجاست جسم کے کسی بھی حصہ سے خارج ہو وہ ناقضِ وضو ہے خواہ خروجِ نجاست عادۃً ہو یا بیماری کی وجہ سے ہو، امام احمد بن حنبل اور امام اسحٰقؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ اس کے برعکس امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ صرف اس نجاست کا خروج ناقض ہوتا ہے جو خود بھی معتاد ہو اور اس کا مخرج بھی معتاد ہو جیسے بول وبراز، لہٰذا قیح، رعاف اور خون ان کے نزدیک ناقض نہیں کیونکہ انکا مخرج معتاد نہیں اور اگر سبیلین سے بول وبراز، منی، مذی، ودی اور ریح کے علاوہ کوئی اور چیز خارج ہو تو وہ بھی ان حضرات کے نزدیک ناقض نہیں کیونکہ مخرج تو معتاد ہے لیکن خارج ہونے والی چیز معتاد نہیں البتہ دم استحاضہ اگرچہ خارج غیر معتاد ہے لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس سے قیاساً تو وضو نہ ٹوٹنا چاہیے مگر وہ امر تعبدی کے طور پر اس کو ناقضِ وضو مانتے ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مخرج کا معتاد ہونا تو ضروری ہے لیکن خارج کا معتاد ہونا ضروری نہیں لہٰذا اگر سبیلین سے غیر معتاد یعنی بول وبراز کے علاوہ کوئی اور چیز خارج ہو تو وہ ان کے نزدیک ناقض ہے، لہٰذا غیر سبیلین سے کسی نجاست کے خروج سے نہ مالکیہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک وضو ٹوٹتا ہے اور نہ ہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وضو ٹوٹتا ہے جبکہ حنفیہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک جسم کے کسی بھی حصے سے کسی بھی قسم کی نجاست وغیرہ کے نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ (درسِ ترمذی ۱:۳۱۶)

احناف کی دلیل احادیث متعلقہ بالرّعاف ہیں یعنی وہ احادیث جن میں یہ حکم ہے کہ جب نماز کے دوران نکسیر جاری ہو جائے تو وضو کر کے قاعدہ شرعیہ کے مطابق بناء کر لے چنانچہ یہ روایت چار صحابہ حضرت عائشہ، ابن عباس، ابوسعید خدری وعلی رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ اس کا قدرِ مشترک یہ ہے کہ اگر نماز کے دوران نکسیر جاری ہو جائے تو نمازی نماز سے پھر کر وضو کرے اور شرائطِ معروفہ کے ساتھ بناء کرے۔

مالکیہ وشافعیہ رحمۃ اللہ علیہم کی پہلی دلیل: حدیثِ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ (حدیث السوال) ہے۔ اس روایت کے مطابق انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے خون کے جاری ہوتے ہوئے بھی نماز کو جاری رکھا تو معلوم ہوا کہ خروجِ دم من غیر سبیلین ناقض نہیں ہے۔

جوابات: ① یہ انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کا اپنا اجتہاد ہے اور دلیل تام تب ہوگی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر اسکو حاصل ہو حالانکہ تقریر حاصل نہیں ہے۔ ② اس صحابی نے مغلوب الحال ہونے کی وجہ سے ایسا کیا جیسا کہ الفاظ اس پر دال ہیں **کنت فی سورۃ اقرء ھا فلم احبّ ان اقطعھا۔** ③ ان کو تین تیر لگے ہیں تو ظاہر ہے کہ تین تیر لگنے کی وجہ سے کپڑے بھی خون آلود ہوئے ہونگے تو کپڑے ناپاک ہونے کے باوجود کیسے نماز پڑھی؟ **ما ھو جوابکم فھو جوابنا** اگر تم کہو خون فوارے کی شکل میں نکلا تو یہ احتمال بعید ہے ④ سنداً بھی یہ حدیث ضعیف ہے اس میں محمد بن اسحاقؒ تشریف فرما ہے جو کہ متکلم فیہ اور ضعیف راوی ہے۔

شوافع ومالکیہؒ کی دوسری دلیل: واقعۂ سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ اور واقعۂ سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ہے کہ ان دونوں حضرات نے نکسیر کے باوجود نماز کو مکمل کیا۔ جوابات: ① یہ معذور پر محمول ہے انکو نکسیر کا مرض ہوگا ② درھم سے کم مقدار تھی اسلئے یہ ناقض نہیں ہے۔

**الشق الثانی**......**عـن عبدِ الـرحمٰنِ بنِ ابزٰی قال کنتُ عِندَ عُمَرَ فجائه رجلٌ فقال اِنّا نَکُوْنُ بِالمکانِ الشّھْرَ او الشّھْرَیْنِ فقال عمرُ امّا انا فَلَمْ اَکُنْ اُصَلِّیْ حتّٰی اَجِدَ الْمَاءَ قال فقال عَمّارٌ یا اَمِیرَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَمَا تـذْکُرُ اِذْ کُنْتُ انا و اَنْتَ فِی الاِبِلِ فَاَصَابَتْنَا جَنَابَةٌ فامّا انا فَتَمَعَّکْتُ فَاَتَیْنَا النبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَذَکَرْتُ ذٰلِك له فقال اِنّما کان یَکْفِیْكَ اَنْ تقولَ ھٰکذا وضرب بِیدیهِ اِلی الارضِ ثُم نفخھما ثم مسح بھما وجھه ویدیْهِ اِلٰی نِصفِ الذِّراعِ فقال عمرُ یا عمّارُ! اتّقِ اللّٰہَ فقال یا اَمِیرَ المؤمِنِین اِن شِئتَ واللّٰہِ لم اَذْکُرْہ ابدا فقال عمرُ کلّا واللّٰہِ لَنُوَلِّیَنَّكَ مِن ذٰلِك مَا تَوَلَّیْتَ ۔ (باب التیمم)**

عبارت کا ترجمہ کیجیے۔ تیمّم میں کتنی ضربات ہیں؟ ائمہ کا اختلاف ذکر کیجیے۔ یہ حدیث اگر احناف کے موقف کے خلاف ہو تو اسکا جواب دیجیے۔ خط کشیدہ جملے کا مطلب تحریر فرمائیں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت کا ترجمہ ② تیمّم کی ضربات میں ائمہ کا اختلاف

③ حدیث الباب کا جواب ④ خط کشیدہ جملے کا مطلب۔

**جواب** ...... ① عبارت کا ترجمہ:۔ عبدالرحمٰن بن ابزی سے روایت ہے کہ میں حضرت عمر کے پاس تھا کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہا کہ ہم ماہ دو ماہ ایک جگہ قیام کرتے ہیں (اور وہاں پانی نہیں ہوتا اور ہم جنبی ہوتے ہیں تو ایسی صورت میں ہم کیا کریں؟) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں تو اس وقت تک نماز نہ پڑھوں گا جب تک کہ پانی نہ ملے گا یہ سن کر حضرت عمارؓ نے کہا کہ اے امیر المومنین! کیا آپ کو یاد نہیں کہ میں اور آپ اونٹوں میں تھے اور ہم جنبی ہو گئے تھے تو میں مٹی میں لوٹ پوٹ ہو گیا تھا پھر ہم نے واپس آ کر حضور ﷺ سے واقعہ عرض کیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ایسی صورت میں تمہیں صرف ایسا کرنا کافی تھا اور آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ زمین پر مار کر پھونک ماری اور اپنے ہاتھوں کو اپنے چہرے و بازوؤں پر نصف ذراع تک پھیر لیا؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اے عمار اللہ سے ڈرو۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو میں اس بات کا کبھی ذکر نہ کروں؟ حضرت عمر نے فرمایا: واللہ ہرگز نہیں بلکہ ہم تمہیں اُسی چیز کا ذمہ دار بناتے ہیں جس کے آپ مکلّف ہیں۔

② تیمّم کی ضربات میں ائمہ کا اختلاف:۔ امام احمد، اسحٰق بن راہویہ، امام بخاری وغیرہ محدثین کے نزدیک تیمّم ایک ضرب ہے اور حنفیہ و شافعیہؒ کے نزدیک دو ضربیں ہیں۔ امام مالکؒ سے دونوں روایتیں ہیں اور تیسری روایت یہ ہے کہ ایک ضرب فرض اور دوسری سنت ہے، یہی ان کا راجح قول ہے۔

امام بخاریؒ نے ان دونوں مسلکوں میں حنابلہ اور جمہور اہل حدیث کے مسلک کے مطابق باب قائم کئے ہیں اور پھر اسی کے مطابق روایات لائے ہیں اور امام مسلم نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ وہ روایات جو تعددِ ضربہ پر دال ہیں وہ غیر صحیحین و سنن کی روایات ہیں، حضرت سہارنپوری نے بذل میں ان کو تفصیل کے ساتھ مع سند و حوالۂ کتب درج فرمایا ہے جو متعدد صحابہ سے مروی ہیں۔ حضرت فرماتے ہیں یہ روایات اگرچہ قوۃ و صحت میں صحیحین کی روایات کے مثل نہیں ہیں تاہم ان کے ضعف کا انجبار تعددِ طرق اور موافقتِ قیاس سے ہو رہا ہے یعنی قیاس الفرع بالاصل وہ اس طور پر کہ وضو جو کہ تیمّم کی اصل ہے اس میں ایک ہی پانی کو دو عضو میں استعمال کرنا جائز نہیں لہٰذا تیمّم میں بھی ایک ہی تراب کو دو عضو میں استعمال کرنا جائز نہیں ہونا چاہیے۔

③ حدیث الباب کا جواب:۔ حضرت سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ جن روایات میں صرف ضربہ واحدہ مذکور ہے یا مطلق ضرب کا ذکر ہے وہ مافوق کی نفی پر دلالت نہیں کرتیں مگر بطریق مفہوم مخالف کے اور استدلال بالمفہوم کے حنفیہ قائل نہیں۔ لہٰذا روایاتِ دالّہ علی وحدۃ الضربہ کو روایات مثبتہ للضربتین کے معارض نہیں کہا جا سکتا۔

④ خط کشیدہ جملے کا مطلب:۔ حضرت عمارؓ نے کہا کہ اے امیر المؤمنین! اگر آپ چاہیں تو میں آج کے بعد اس بات کا کبھی کسی سے تذکرہ نہ کروں گا، حضرت عمر نے فرمایا: واللہ ہرگز میرا یہ مطلب نہیں ہے، ہم تمہیں اُسی چیز کا ذمہ دار و مکلّف بناتے ہیں جس کے آپ مکلّف و ذمہ دار ہیں اور آپ کو اپنی ذمہ داری پر یہ بات کہنے کا اختیار ہے۔ گویا میں تمہاری ذمہ داری کا بوجھ تم پر ہی ڈالتا ہوں۔

## السوال الثانی ۱۴۴۴ھ

**الشق الاوّل** ...... عن عبد اللّٰہِ بنِ عُمَرَ قال کان الناسُ یُخرِجُون صدقةَ الفطرِ علٰی عهد رسول اللّٰہ ﷺ صاعًا من شعیرٍ اوتمرٍ او سُلتٍ او زبیبٍ قال قال عبدُ اللّٰہِ فلمّا کان عمرُؓ وکَثُرَتِ الحنطةُ جَعَلَ عمرُ نصفَ صاعٍ حنطةً مکانَ صاعٍ من تلك الاشیاءِ۔ (باب کم یؤدّی فی صدقة الفطر)

حدیث شریف کا ترجمہ کیجیے۔ صدقۃ الفطر کے نصاب کے بارے میں علماء کا اختلاف دلائل کے ساتھ تحریر کیجیے۔ صدقۃ الفطر کے وجوب کا وقت کیا ہے؟ علماء کے اقوال تحریر کیجیے۔

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں لوگ ایک صاع جو یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع چھلکا اترا ہوا جو یا ایک صاع کشمش صدقۂ فطر کے طور پر نکالا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ کا زمانہ خلافت آیا اور گیہوں کی کثرت ہونے لگی تو آپ نے ان اشیاء کے بدلہ نصف صاع گیہوں مقرر فرما دیا۔

0313 6357993 maktabazakariyamultan@gmail.com

② صدقۃ الفطر کے نصاب میں علماء کا اختلاف ودلائل:۔ **کما مرّ فی الشق الاول من السوال الاول ۱۴۳۷ھ**

③ صدقۃ الفطر کے وجوب کا وقت:۔ صدقۂ الفطر کے وجوب کا وقت وقتِ افطار ہے۔ افطار سے کون سا افطار مراد ہے؟ تو حنابلہ کے نزدیک رمضان کے آخری روزہ کا وقتِ غروب مراد ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ افطار تو شروع رمضان سے ہی ہو رہا ہے یہ مراد نہیں بلکہ وہ خاص وقتِ افطار مراد ہے جو ایک ماہ کے بعد ہو رہا ہے یعنی عید کے دن طلوعِ فجر کا وقت۔ پس جو شخص اس وقت موجود ہو گا اُس پر صدقۂ فطر واجب ہو گا اور جو شخص اس سے پہلے مر جائے یا جو بچہ اس وقت کے بعد پیدا ہو اُس پر صدقۂ فطر لازم نہ ہو گا۔ مالکیہ کے دونوں قول ہیں۔ امام شافعیؒ کا قولِ جدید امام احمدؒ کی مثل ہے اور وہ قولِ قدیم میں ہمارے ساتھ ہیں۔ (الدر المنضود ۳:۸۰)

**الشق الثانی** ......**عن ابن عباس ان ضباعة بنت الزبير بن عبدالمطلب اتت رسول الله ﷺ فقالت يارسول الله انى اريد الحج اشترط؟ قال نعم، قالت فكيف اقول؟ قولى لبيك اللهم لبيك ومحلى من الارض حيث حبستنى۔** (ص۲۶۰۔ج۱۔رحمانیہ)

حدیث شریف کا ترجمہ کیجیے۔ اشتراط فی الحج کا معنی اور اشتراط فی الحج میں ائمہ کا اختلاف مع دلائل ذکر کیجئے۔ حدیث کا لباب کس کی دلیل ہے؟ اگر یہ حنفیہ کے خلاف ہے تو حنفیہ اس کی کیا توجیہ کرتے ہیں؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حاصل چار امور ہیں ① حدیث شریف کا ترجمہ ② اشتراط فی الحج کا معنی ③ اشتراط فی الحج میں ائمہ کا اختلاف ④ حدیث کے مستدلین کی تعیین اور جواب۔

**جواب** ...... ① حدیث شریف کا ترجمہ:۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ضباعہ بنت زبیر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں حج کرنا چاہتی ہوں تو کیا میں شرط کر سکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، پوچھا کس طرح؟ آپ ﷺ نے فرمایا یوں کہہ: **لبّیك اللّٰهم لبيك ومحلّی من الارض حيث حبستنی۔**

② اشتراط فی الحج کا معنی:۔ اشتراط فی الحج کا معنی یہ ہے کہ کسی شخص کو یہ خطرہ ہو کہ وہ احرام باندھنے کے بعد خیر و عافیت سے حج یا عمرہ ادا کر سکے گا یا نہیں تو وہ شخص اس کا حل نکالتا ہے اور احرام کی نیت اس طرح کرتا ہے کہ اگر میں خیر و عافیت سے مکہ مکرمہ پہنچ گیا تو میں حج یا عمرہ کرونگا اور اگر بالفرض میں مکہ مکرمہ نہ پہنچ سکا تو راستہ میں جہاں بھی عذر پیش آیا تو میں وہیں حلال ہو جاؤنگا۔ (الدر المنضود ۳:۱۸۸)

③ اشتراط فی الحج میں ائمہ کا اختلاف:۔ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے: شافعیہ وحنابلہ اس اشتراط کے قائل ہیں، حنفیہ و مالکیہ قائل نہیں اور یہ اختلاف ایک دوسرے اختلاف یعنی احصار پر متفرع ہے، احصار میں ائمہ کا اختلاف ہے: حنفیہ کہتے ہیں کہ وہ دشمن کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر عذر اور مرض کو شامل ہے لہٰذا جس عذر کی وجہ سے بھی محرم حرم جانے سے رک جائے گویا اس کو احصار لاحق ہو گیا ہے اور جو حکم احصار کا قرآن پاک میں مذکور ہے یعنی دم دے کر حلال ہو جانا اس کا بھی یہی حکم ہے۔ لہٰذا احرام کے وقت کسی شرط لگانے کی ضرورت نہیں بغیر ہی شرط کے حسب قاعدہ ہدی ذبح کر کے محرم حلال ہو سکتا ہے۔ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ احصار اور اس کا جو حکم قرآن میں مذکور ہے وہ دشمن کے ساتھ خاص ہے۔ دشمن کے علاوہ کوئی اور مانع پیش آئے تو اس کا یہ حکم نہیں ہے کیونکہ آیتِ احصار صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی اور اس موقع پر دشمن کی وجہ سے احصار ہوا تھا۔ آخر اس کا حل کیا ہے؟ تو شافعیہ وحنابلہ نے کہا کہ اس کا حل اشتراط عند الاحرام ہے جو حدیث الباب میں مذکور ہے یعنی احرام کے وقت یہ نیت کرے **اللّٰهم مَحِلّی من الارض حيث حَبَسْتَنِی** (یا اللہ جس جگہ راستہ میں تو مجھے آگے جانے سے روک لے تو میرے حلال ہونے کی جگہ وہی ہوگی)۔ شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک اشتراط سے دو فائدے حاصل ہوں گے ایک یہ کہ اب اس کیلئے حلال ہونا جائز ہو جائے گا دوسرا یہ کہ دم بھی واجب نہ ہو گا بغیر ہدی کے حلال ہو سکتا ہے اور حنفیہ کے نزدیک اشتراط مطلقاً غیر مفید ہے اسلئے کہ حلال ہونا انکے نزدیک ویسے بھی جائز ہے اور ہدی جس طرح بغیر اشتراط کے واجب ہوتی ہے اسی طرح بعد الاشتراط بھی واجب ہے۔ لہٰذا اشتراط کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

عند المالکیہ بھی اشتراط غیر مفید ہے ان کے نزدیک اگر حابس و مانع دشمن کے علاوہ ہے تو پھر طواف کے بغیر کسی طرح بھی حلال ہونا جائز نہیں، چاہے شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو۔ (ایضاً)

④ حدیث کے متدلین کی تعیین اور جواب:۔ یہ حدیث بظاہر شافعیہ وحنابلہ کی دلیل ہے اور اسکا جواب یہ ہے کہ اشتراط کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور آپ ﷺ نے اشتراط کا حکم حضرت ضباعہ رضی اللہ عنہا کی تسلی اور تطییب کیلئے دیا تھا۔ کما مرّ آنفا (ایضاً)

## ﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۴ھ

**الشق الاوّل** ......عن علي بن الحسينِ حدّثه انّهم حِين قَدِمُوا المدِينَةَ مِن عِند يزِيدَ بنِ معاوِيَةَ مقتلَ الحسينِ بنِ علِيٍّ لقِيه المِسورُ بنُ مخرمَةَ فقَال له هل لك اِلَيَّ مِن حاجةٍ تأمرنِيْ بها؟ قال فقلت له لا قال هل انت مُعطِيَّ سيفَ رسولِ اللّٰهِ ﷺ فَاِنِّی اخاف ان يَغْلِبك القومُ عليهِ وايمُ اللّٰهِ لَئِن اَعطَيْتَنِيهِ لا يُخلَصُ اِلَيهِ ابدًا حتّٰى يُبْلَغَ اِلٰى نَفْسِي، اِنّ عليَّ بنَ ابى طالِبٍ خَطَبَ بِنت ابى جهل على فاطِمَةَ فَسَمِعْتُ رسولَ اللّٰهِ ﷺ وهو يَخْطُبُ النَّاسَ فِي ذٰلِك على مِنْبَرِهٖ هٰذا وَاَنا يومئِذٍ مُحتَلِمٌ فقال اِنّ فاطمَةَ مِنّى و اَنا اَتخوَّفُ اَنْ تُفْتَنَ فِى دِيْنِها قال ثُمّ ذكر صِهرًا له مِن بَنِى عبدِ شمسٍ فَاَثْنٰى عليهِ فِى مُصَاهَرَتِهٖ اِيّاه فَاَحْسَنَ قَالَ حَدَّثَنِي فَصَدَقَنِي وَوَعَدَنِي فَوَفّٰى لِي وَاِنِّي لَسْتُ اُحَرِّمُ حَلَالًا ولا اُحِلُّ حَرَامًا ولٰكِنْ واللّٰهِ لا تَجْتَمِعُ بِنْتُ رسولِ اللّٰهِ وبِنْتُ عَدُوِّ اللّٰهِ مكانًا واحِدًا ابدًا. (باب ما يكره ان يجمع بينهنّ من النساء)

عبارت کا ترجمہ کیجیے۔ ثم ذکر صهرا له....الخ اس میں کس واقعہ کی طرف اشارہ ہے وہ مختصر تحریر کیجیے۔ اور بتائیے کہ جب مردوں کو چار عورتوں سے نکاح کی اجازت ہے تو حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کیوں منع فرمایا؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں ① حدیث کا ترجمہ ② مشار الیہ واقعہ کی وضاحت ③ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نکاحِ ثانی سے منع کرنے کی وجہ۔

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت علی بن حسینؒ سے روایت ہے کہ جب وہ حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد یزید بن معاویہ کے پاس سے لوٹ کر مدینہ آئے تو مسور بن مخرمہ ان سے ملے اور کہا کہ میرے لائق خدمت ہو تو فرمائیے، میں نے کہا نہیں اس کے بعد مسور بن مخرمہ نے کہا کیا تم مجھے رسول اللہ ﷺ کی تلوار دیتے ہو؟ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ لوگ تم سے تلوار چھین نہ لیں اور اگر تم مجھے دیدوگے تو واللہ جب تک میرے دم میں دم ہے وہ تلوار مجھ سے کوئی نہ لے سکے گا اور حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کے نکاح میں ہوتے ہوئے ابوجہل کی بیٹی سے پیغام نکاح دیا تھا تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا آپ ﷺ نے اسی موضوع پر اسی منبر پر خطبہ دیا تھا اور ان دنوں میں جوان تھا آپ ﷺ نے فرمایا: فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ دین کے بارے میں کسی فتنہ میں نہ پڑ جائے، پھر آپ ﷺ نے اپنے دوسرے داماد کا ذکر کیا جس کا تعلق بنی عبد الشمس سے تھا (ابو العاص اموی) آپ ﷺ نے ان کے دامادی رشتہ کی خوب تعریف کی اور فرمایا اس نے جو مجھ سے کہا وہ سچ کر دکھایا اور جو وعدہ کیا اس کو پورا کیا، میں کسی حلال کو حرام یا حرام کو حلال نہیں کر رہا ہوں، لیکن قسم بخدا! رسول اللہ ﷺ کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک جگہ ہرگز جمع نہ ہوں گی۔

② مشار الیہ واقعہ کی وضاحت:۔ ابو العاص اموی رضی اللہ عنہ کے ساتھ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ کا نکاح بعثتِ نبوی سے قبل ہو چکا تھا، وہ جنگِ بدر میں بحالتِ شرک گرفتار ہوئے اور اس شرط پر رہا کیے گئے کہ وہ رہائی کے فوری بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ طیبہ پہنچا دیں گے، یہ وعدہ انہوں نے پورا کیا۔ وہ دوبارہ گرفتار ہوئے، حضرت زینبؓ نے انہیں پناہ دیدی اور وہ اسلام لے آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب کا نکاح ان سے برقرار رکھا۔ روایت میں اسی وعدہ وفائی کی طرف اشارہ ہے۔ (سنن ابوداؤد مترجم)

③ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نکاحِ ثانی سے منع فرمانے کی وجہ:۔ اس حدیث پر اشکال ہے کہ آیت کریمہ "**فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنی وثلث ورباع**" سے مردوں کے لئے چار نکاح کی اجازت ہے تو پھر آپ ﷺ نے اس حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دوسرے نکاح سے کیوں منع فرمایا؟ جواب کا حاصل یہ ہے کہ آیتِ کریمہ سے چار نکاح کا جواز ثابت ہوتا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کیلئے بھی ایک سے زائد نکاح جائز ہیں مگر آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اسلئے منع فرمایا تاکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں پیغمبر ﷺ کی بیٹی اور دشمنِ اسلام کی بیٹی جمع نہ ہو جائے جو ہر وقت اسلام کے خلاف منصوبہ جات تیار کر رہا ہے۔

0315 ... maktabazakariyamultan@gmail.com

نیز حضرت علی ؓ کے ایمان کی حفاظت کیلئے آپ ﷺ نے انہیں منع فرمایا کیونکہ اس نکاح سے حضرت فاطمہ ؓ کو تکلیف ہوتی اور لامحالہ حضرت فاطمہ ؓ کی تکلیف کی وجہ سے آپ ﷺ کو بھی تکلیف ہوتی اور نبی کو تکلیف وایذاء پہنچانا حرام ہے اس سے ایمان کے ختم ہونے کا اندیشہ ہے۔ان دو علتوں کی وجہ سے آپ ﷺ نے حضرت علی ؓ کو دوسرے نکاح سے منع فرمایا۔

**الشق الثانی** ......عن عائشة اختصم سعد بن ابی وقاصٍ وعبدبن زمعة الی رسول اللّٰہ ﷺ فی ابن امة زمعة فقال سعد: اوصانی اخی عتبة اذا قدمت مكة ان انظر الٰی ابن امة زمعة فاقبضه فانّه ابنه،وقال عبد بن زمعة اخی ابن امة ابی ولد علٰی فراش ابی،فرأی رسولُ اللّٰہ ﷺ شبها بینا بعتبة فقال الولد للفراش وللعاهر الحجر واحتجبی عنه یا سودة ـ (كتاب الطلاق۔ باب الولد للفراش)

حدیث کا ترجمہ کیجیے۔تشریح کرتے ہوئے بتائیں کہ عتبہ کی شباہت کے باوجود آپ ﷺ نے بچے کا نسب اس سے ثابت کیوں نہیں کیا؟ حضرت سودہ کا اس بچے سے کیا تعلق تھا اور آپ نے انھیں اس سے پردہ کا حکم کیوں دیا؟ حدیث سے مستفاد احکام کی وضاحت کریں۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل تین امور ہیں ① حدیث کا ترجمہ ② حدیث کی تشریح ③ حدیث سے مستفاد احکام۔

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ اور عبد بن زمعہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جھگڑا لیکر حاضر ہوئے۔حضرت سعد ؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ میرے بھائی عتبہ بن ابی وقاص نے مجھے وصیت کی تھی کہ جب میں مکہ جاؤں تو زمعہ کی باندی کے بچہ کو دیکھوں اور اسے حاصل کروں کیونکہ وہ میرا بچہ ہے اور عبد بن زمعہ نے کہا کہ وہ میرا بھائی ہے کیونکہ وہ میرے باپ کی باندی کا بیٹا ہے جو میرے والد کے گھر پیدا ہوا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے اس بچہ کو دیکھا تو واضح طور پر عتبہ کے مشابہ پایا۔پس آپ ﷺ نے فرمایا ﷺ بچہ صاحبِ فراش کا ہے اور زانی کیلئے پتھر ہے آپ ﷺ نے حضرت سودہ سے فرمایا تو اس سے پردہ کیا کر۔

② حدیث کی تشریح:۔اس واقعہ کا پسِ منظر یہ ہے کہ جاہلیت میں باندیوں کا رواج تھا،وہ باندیاں بعض اوقات زناء بھی کرتی تھیں بلکہ بعض اوقات ان کے مالکان ان سے کمائی کیلئے زناء کرواتے تھے پھر جب وہ باندیاں بچے پیدا کرتی تھیں تو بسا اوقات مالک بچے کا خود دعویٰ کر دیتا تھا اور بعض اوقات زانی بچہ کے بارے میں دعویٰ کیا کرتا تھا۔اگر مالک مرجائے اور بچہ کے بارے میں اس نے نہ دعویٰ کیا ہو نہ انکار کیا ہو تو اس کے ورثاء اس سے ملحق کر دیتے تھے لیکن وہ بچہ میراث میں شریک نہ ہوتا تھا۔

مذکورہ بالا قصہ میں زمعہ بن قیس ام المؤمنین حضرت سودہ ؓ کے والد تھے جن کی ایک باندی تھی اور وہ اس سے وطی کیا کرتے تھے جب کہ عتبہ بن ابی وقاص (سعد بن ابی وقاص ؓ کے بھائی) کے بھی اس باندی سے تعلقات تھے۔اس باندی کو حمل ہو گیا اور عتبہ کا یہی خیال تھا کہ یہ حمل اس سے ہے۔عتبہ کفر کی حالت میں مرگیا اور موت سے قبل اس نے اپنے بھائی حضرت سعد ؓ سے عہد لیا کہ وہ اس حمل کو جو زمعہ کی باندی کو ہے ولادت کے بعد عتبہ کے ورثاء سے ملحق کر دیں گے۔

فتح مکہ کے موقع پر حضرت سعد ؓ جب مکہ گئے تو اس لڑکے کو دیکھا اور انہیں بھائی کا قول یاد آ گیا اور انہیں اس لڑکے میں اپنے بھائی کی مشابہت بھی نظر آئی چنانچہ انہوں نے اس کے لئے دعویٰ کر دیا۔زمعہ کے بیٹے عبداللہ بن زمعہ نے کہا کہ یہ تو میرے والد کے فراش پر پیدا ہوا ہے لہٰذا یہ میرے والد کا لڑکا ہے۔چنانچہ یہ جھگڑا رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں پیش ہوا تو آپ ﷺ نے عبد بن زمعہ کے حق میں فیصلہ دے دیا تاکہ جاہلیت کا یہ رواج ختم ہو کیونکہ اس صورت میں نسب مشتبہ ہوتا تھا،لہٰذا آپ ﷺ نے فرمایا کہ !لڑکا فراش کا ہے اور زانی کے لئے پتھر ہے،فراش سے مراد وہ عورت جس سے صحبت کی جائے خواہ وہ منکوحہ ہو یا باندی،لہٰذا وہ جس کی منکوحہ یا مملوکہ ہے اسی کا ولد شمار ہوگا خواہ اس نے زناء کیا ہو کیونکہ اصالتاً وہ ناکح یا مالک کا فراش ہے نسب کے اشتباہ سے بچنے کے لئے آپ ﷺ نے جاہلیت کے رواج کو ختم کر دیا۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت سودہ ؓ کو اس لڑکے سے پردہ کا حکم فرمایا تو کیوں؟ جب کہ نسب تو زمعہ سے ثابت ہوا تھا اس لحاظ سے وہ لڑکا حضرت سودہ ؓ کا بھائی ہو گیا تھا۔علماء نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ شباہت تو عتبہ کی موجود تھی اس لئے احتیاطاً آپ ﷺ نے پردہ کا حکم فرمایا۔(کشف الباری ج۲ص۶۸۴)

0313 6351513 maktabazakariyamultan@gmail.com

③ حدیث سے مستفاد احکام کی وضاحت:۔ اس روایت میں ''حجر'' سے کیا مراد ہے؟ بعض حضرات نے حجر سے خیبت کے معنی مراد لئے ہیں یعنی **حرمان الولد الذی یدعیه** اور بعض نے حجر سے رجم کے معنی مراد لئے ہیں، حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے پہلے معنی کو راجح قرار دیا ہے۔ اگرچہ سیاقِ حدیث سے پہلا معنی راجح معلوم ہوتا ہے لیکن رجم کے معنی کی طرف بھی اشارہ مقصود ہے **ومثل ذلك كثير فى كلام البلغاء۔**

احناف کے نزدیک فراش کی تین قسمیں ہیں: ① فراش قوی، جو منکوحہ کا فراش ہے جس میں نسب بغیر دعویٰ نسب ثابت ہوجاتا ہے اور انکار سے منتفی نہیں ہوتا الّا یہ کہ شوہر لعان کرے ② فراش متوسط، جو امّ ولد کا فراش ہے اسکے دوسرے بچہ سے نسب بغیر دعوی ثابت ہوجاتا ہے یعنی مولیٰ کا سکوت ثبوتِ نسب کیلئے کافی ہے البتہ نسب کی نفی سے نسب منتفی ہوجاتا ہے لعان کی حاجت نہیں ہوتی ③ فراش ضعیف، جو عام باندیوں کا فراش ہے جسمیں ثبوتِ نسب کیلئے دعویٰ ضروری ہے البتہ مولیٰ پر دیانۃً نسب کا دعویٰ لازم ہے۔

حدیث باب کی بناء پر کتبِ حنفیہ میں یہ مسئلہ لکھا گیا ہے کہ اگر شوہر مشرق میں ہو اور بیوی مغرب میں اور بیوی کی اولاد ہوجائے تب بھی نسب ثابت ہوجاتا ہے خواہ کئی سالوں سے ملاقات ثابت نہ ہو کیونکہ یہ فراش قوی ہے **والولد للفراش۔**

**وللعاهر الحجر** کا اضافہ اس بات کی طرف اشارہ کررہا ہے کہ حدیث اس صورت میں بحث کررہی ہے جب ظاہری حالات سے زناء کا ارتکاب نظر آتا ہو کہ اس صورت میں بھی ولد کی نسبت فراش ہی کی طرف ہوگی۔

حقیقت یہ ہے کہ شریعت نے ثبوتِ نسب کے معاملہ میں انتہائی احتیاط سے کام لیا ہے اور حتی الامکان انساب کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اس کی حکمت یہ ہے کہ غیر ثابت النسب ہونے سے ایک شخص کی زندگی اس کے کسی جرم کے بغیر برباد ہوجاتی ہے، اگرچہ شریعت نے اپنے احکام میں ولد الزنا کے ساتھ کوئی خاص امتیاز نہیں برتا لیکن یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ ولد الزنا کو معاشرہ میں وہ مقام دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا جو ایک ثابت النسب شخص کو حاصل ہوتا ہے۔

دوسری طرف نفس الامری طور پر نسب کا ثبوت ایک ایسا معاملہ ہے جس کی تحقیق سوائے ماں کے اور کسی کو نہیں ہوسکتی یہاں تک کہ باپ کو بھی نہیں، اسلئے اس مسئلہ کا مدار اسکی ظاہری علامت یعنی فراش کو بنالیا گیا ہے۔ اب جہاں فراش پایا جائیگا وہاں ثبوتِ نسب ہو جائیگا بشرطیکہ کوئی عقلی استحالہ یا شرعی محظور لازم نہ آئے اور زیرِ بحث صورت میں نہ عقلی استحالہ ہے نہ شرعی محظور اسلئے بچہ کی زندگی درست کرنے کیلئے اسے ثابت النسب قرار دینا ضروری ہے اور لعان کی صورت میں شوہر کے حق کی رعایت بھی موجود ہے۔ (درسِ ترمذی ۳:۴۵۵)

## ﴿الورقة السادسة فى الحديث (ابوداؤد:۱)﴾

## ﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۴۵ھ

**الشق الاوّل** ......**عن اُمِّ صُبَيَّةَ الجُهَنِيَّةِ قالت: اختلفت يدى ويدُ رسول الله ﷺ فى الوضوء من اناءٍ واحدٍ۔**

حدیث کا ترجمہ کیجیے۔ عورت و مرد کا ایک دوسرے کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنے کا کیا حکم ہے؟ کوئی فقہی اختلاف ہو تو دلائل کے ساتھ واضح کریں۔ مذکورہ صحابیہ بظاہر آنحضرت ﷺ کیلئے نامحرم ہیں پھر اس واقعہ کی کیا توجیہ ہے؟ (باب الوضوء بفضل طهور المرأة)

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال کا خلاصہ درج ذیل امور ہیں: ① حدیث کا ترجمہ ② مرد و عورت کا ایک دوسرے کے بچے ہوئے پانی سے طہارت حاصل کرنے کا حکم ③ غیر محرم کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے وضو کرنے کی توجیہ۔

**جواب** ...... ① حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ام صبیہؓ کہتی ہیں کہ ایک ہی برتن سے وضوء کرتے وقت میرے اور رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ اُس برتن میں پڑے (واقع ہوئے) ہیں۔

② مرد و عورت کا ایک دوسرے کے بچے ہوئے پانی سے طہارت حاصل کرنے کا حکم:۔ جمہور کے نزدیک مرد کے بچے ہوئے پانی سے عورت اور عورت کے بچے ہوئے پانی سے مرد وضوء و غسل کرسکتے ہیں اس میں سب صورتیں جائز ہیں۔ دلیل وہ احادیث ہیں جن میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے غسل کے بعد باقی ماندہ پانی سے آپ ﷺ کے وضوء و غسل کرنے کا ذکر ہے۔ نیز حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی مشہور روایت ہے کہ میں اور آپ ﷺ ایک ہی برتن سے غسل کیا کرتے تھے، گویا ہر ایک دوسرے کا پانی استعمال کرتا تھا۔

امام احمد وامام اسحٰقؒ کے نزدیک عورت کے بچے ہوئے پانی سے مرد کا وضوء وغسل کرنا مکروہ ہے۔ دلیل حضرت حکم غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن فضل طهور المرأة (آپ ﷺ نے عورت کے بچے ہوئے پانی کے استعمال سے منع کیا)۔

علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ اس نہی کا تعلق معاشرت سے ہے، چونکہ عورت مرد کے مقابلہ میں طہارت ونظافت اور پاکیزگی کا اہتمام کم کرتی ہے اسلئے اسکے بچے ہوئے پانی سے شوہر کو تکلیف ہوسکتی ہے اور یہ عمل زوجین میں سوءِ معاشرت کی طرف مفضی ہوسکتا ہے اسلئے آپ ﷺ نے اس سے منع کیا ہے۔ (درس ترمذی ۱:۲۶۵)

کبھی عورت بے سلیقہ ہوتی ہے، پاکی وناپاکی کے مسائل سے واقف نہیں ہوتی یا محتاط نہیں ہوتی، ایسی صورت میں مرد پانی استعمال کرے گا تو اسکی طبیعت میں وسوسے پیدا ہونگے، اسلئے آپ ﷺ نے اس سے منع کیا ہے۔ (تحفۃ الالمعی ۱:۲۹۶)

③ غیر محرم کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے وضو کرنے کی توجیہ:۔ اختلاف کا معنی آنا جانا ہے یعنی کبھی میرے ہاتھ اس میں آتے تھے اور کبھی حضور کے ہاتھ۔ اشکال یہ ہوتا ہے کہ ام صبیہؓ کا حضور ﷺ سے کوئی محرمیت کا علاقہ نہیں تھا، پھر بیک وقت ایک ساتھ وضوء کرنے کی نوبت کیسے آئی؟ جواب: ہوسکتا ہے یہ واقعہ حجاب کے حکم سے پہلے کا ہو لیکن حضرت سہارنپوریؒ کو یہ جواب پسند نہیں اسلئے کہ حجاب سے پہلے عورت کیلئے مرد کے سامنے صرف کشفِ وجہ ہی تو جائز ہوگا، باقی بدن جو وضوء میں کھل جاتا ہے اس کا کشف تو دوسرے کے سامنے جائز نہ تھا، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ خواہ یہ واقعہ نزولِ حجاب کے بعد ہی کا ہو لیکن آپ ﷺ اور ام صبیہؓ کے درمیان ہوسکتا ہے حجاب حائل ہو، گو ایک ہی برتن سے وضوء کر رہے ہوں یا حجاب بھی حائل نہ ہو، صرف رخ پھرا ہوا ہو، آمنے سامنے نہ بیٹھے ہوں یا یوں کہا جائے کہ یہ ایک برتن سے وضوء کرنا اور اختلاف ایدی وقتِ واحد میں نہ تھا بلکہ الگ الگ وقت میں تھا پہلے ایک نے وضوء کیا اس کے فارغ ہونے کے بعد دوسرے نے وضوء کیا، اسلئے کہ وحدتِ اناء وحدتِ زمان کو مستلزم نہیں ہے اور ایسے پانی پر بھی یہ بات صادق آتی ہے کہ اس پر اختلافِ ایدی ہوا ہے، یہ مطلب اختلاف ایدی کے خلاف نہیں ہے۔ (الدر المنضود)

**الشق الثانی** ......حدثنى عَبّادُ بْنُ زِيَادٍ اَنّ عُروة بْنَ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ اَخْبَرَهُ اَنّهُ سَمِعَ اباه المغيرة يقول: عَدَلَ رسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وانا معهٗ فى غزوةِ تبوك قَبْلَ الْفَجْرِ فَعَدَلْتُ معهٗ فَاَنَاخَ النّبِىُّ صلى الله عليه وسلم فَتَبَرَّزَ ثم جاء فَسَكَبْتُ على يدهٖ من الاِدَاوَةِ.... ومَسَحَ بِرَأسِهٖ ثم توضّأ على خُفّيْهِ ثُمّ رَكِبَ فَاَقْبَلْنَا نَسِيْرُ حَتّٰى نَجِدَ النّاسَ فى الصّلاةِ قد قدّمُوا عَبْدَ الرّحمٰنِ بْنَ عَوْفٍ فَصَلّٰى بِهِمْ حِيْنَ كَانَ وقتُ الصّلاةِ وَوَجَدْنَا عبدَ الرحمٰنِ وَقَدْ رَكَعَ بِهِمْ رَكْعَةً مِنْ صلاةِ الْفَجْرِ.... ثُمّ سَلّمَ عبدُ الرحمٰنِ فَقَامَ رَسولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِى صَلَاتِهٖ فَفَزِعَ الْمُسْلِمُوْنَ فَاَكْثَرُوا التّسْبِيْحَ۔

حدیث شریف پر اعراب لگا کر ترجمہ کیجیے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ نے سورہ مائدہ کی آیتِ وضوء نازل ہونے کے بعد مسح علی الخفین نہیں کیا، اس روایت کی روشنی میں اس کا جواب دیجئے۔ مسلمانوں کے گھبرانے اور کثرت سے تسبیح پڑھنے کی وجہ کیا تھی؟ حضور ﷺ کو دیکھ کر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف پیچھے کیوں نہیں ہٹے؟ (باب المسح علی الخفین)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا خلاصہ درج ذیل امور ہیں: ① حدیث پر اعراب ② حدیث کا ترجمہ ③ آیتِ مائدہ کے نزول کے بعد آپ ﷺ کے مسح علی الخفین کرنے کی وضاحت ④ مسلمانوں کے گھبرانے اور کثرت سے تسبیح پڑھنے کی وجہ ⑤ حضور ﷺ کو دیکھ کر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے پیچھے نہ ہٹنے کی وجہ۔

**جواب** ...... ① حدیث پر اعراب:۔ كما مرّ فى السوال آنفا۔

0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

② حدیث کا ترجمہ:۔ عروہ بن مغیرہ بن شعبہؓ نے خبر دی کہ میں نے اپنے والد مغیرہ بن شعبہؓ کو فرماتے ہوئے سنا کہ غزوہ تبوک کے موقع پر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا ایک دن آپ ﷺ نماز فجر سے قبل مقررہ راستے سے ہٹ کر چلے تو میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ چل پڑا ایک جگہ پہنچ کر آپ ﷺ نے اپنے اونٹ کو بٹھایا اور قضائے حاجت (کیلئے ایک طرف تشریف لے گئے جب) فراغت کے بعد واپس آئے تو میں نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر چھاگل سے پانی ڈالا.....آپ ﷺ نے سر پر مسح کیا اور پھر اپنے موزوں پر مسح کیا اس کے بعد ہم سوار ہو کر چل پڑے جب ہم اپنے مقام پر پہنچے تو ہم نے لوگوں کو نماز میں مشغول پایا یعنی لوگوں

نے نبی ﷺ کا انتظار نہیں کیا اور انہوں نے عبدالرحمٰن بن عوف کو امامت کیلئے آگے بڑھایا اور انہوں نے ان کو مقررہ وقت پر نماز پڑھائی، ہم نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو اس حال میں پایا کہ وہ نمازِ فجر کی ایک رکعت پڑھا چکے تھے.....حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے سلام پھیرا تو آپ ﷺ اپنی باقی ماندہ ایک رکعت پڑھنے کیلئے کھڑے ہو گئے، مسلمان یہ دیکھ کر گھبرا گئے (کہ انہوں نے نبی ﷺ سے پہلے نماز پڑھ لی ہے) اور انہوں نے تسبیح کہنا شروع کر دی۔

③ آیتِ مائدہ کے نزول کے بعد آپ ﷺ کے مسح علی الخفین کرنے کی وضاحت:۔ یہ غزوۂ تبوک کا واقعہ ہے جو ۹ھ میں پیش آیا، اس میں آپ ﷺ کے مسح علی الخفین کا ذکر ہے اور سورۂ مائدہ کی آیتِ وضو جس میں غسلِ رجلین کا حکم ہے اس کا نزول غزوۂ بنو المصطلق ۵ھ یا ۶ھ میں ہو چکا تھا، پس ثابت ہوا کہ آپ ﷺ نے آیتِ وضو کے نزول کے بعد بھی مسح علی الخفین کیا ہے۔ لہٰذا جنہوں نے آیتِ وضو کے نزول کے بعد آپ ﷺ کے مسح علی الخفین کی نفی کی ہے وہ تردد یا عدمِ علم کی بناء پر نفی کی ہے۔

④ مسلمانوں کے گھبرانے اور کثرت سے تسبیح پڑھنے کی وجہ:۔ جب صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ کو آتے ہوئے دیکھا تو گھبرا گئے کہ ہم نے آنحضرت ﷺ کا انتظار نہ کیا اور اپنا امام منتخب و مقرر کرنے میں جلدی کی، ہمیں آپ ﷺ کا انتظار کرنا چاہئے تھا۔ مگر جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے جو کچھ کیا وہ صحیح ہے، اس میں کسی قلق و افسوس کی کوئی بات نہیں۔

صحابہ کرامؓ نے اپنے امام کو رسول اللہ ﷺ کے آنے کی اطلاع دینے کیلئے تسبیح پڑھنے کا عمل کیا، تا کہ وہ پیچھے ہٹ جائیں۔

⑤ حضور ﷺ کو دیکھ کر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے پیچھے نہ ہٹنے کی وجہ:۔ ① حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو جب مقتدیوں کی تسبیح کے ذریعہ آپ ﷺ کی تشریف آوری کا علم ہوا تو انہوں نے پیچھے ہٹنے کا ارادہ کیا مگر رسول اللہ ﷺ کے امامت جاری رکھنے کے اشارہ پر امتثالِ امر (حکم کی بجا آوری) میں انہوں نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔ ② اس واقعہ میں جب آپ ﷺ تشریف لائے تو ایک رکعت ہو چکی تھی، آپ ﷺ مسبوق ہو گئے تھے، اب پیچھے ہٹنے کی صورت میں نماز کی ترتیب میں خلل واقع ہو جاتا کہ مقتدیوں کی نماز مکمل ہو جاتی مگر امام کی ایک رکعت باقی ہوتی، تو اس خلل سے بچنے کیلئے وہ پیچھے نہیں ہٹے۔ (الدر المنضود ۱:۲۹۱)

## السوال الثانی ۱۴۴۵ھ

**الشق الاوّل** ......عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: وَاللّٰهِ مَا اَعْمَرَ رسولُ اللّٰهِ ﷺ عَائِشَةَ فِيْ ذِي الْحِجَّةِ اِلَّا لِيَقْطَعَ بِذٰلِكَ اَمْرَ اَهْلِ الشِّرْكِ فَاِنَّ هٰذَا الْحَيَّ مِنْ قُرَيْشٍ وَمَنْ دَانَ دِيْنَهُمْ كَانُوْا يقولون اِذَا عَفَا الْوَبَرُ و بَرِءَ الدَّبَرُ ودَخَلَ صَفَرُ فَقَدْ حَلَّتِ الْعُمْرَةُ لِمَنِ اعْتَمَرَ. (باب العمرة)

اعراب لگا کر ترجمہ کیجئے۔ حدیث کی تشریح کیجئے۔ عمرہ کی شرعی حیثیت واضح کیجئے۔ یہ عمرہ کس سفر کا واقعہ ہے؟ اور یہ عمرہ صرف حضرت عائشہؓ کو کروایا گیا تھا یا دیگر صحابہ کرام کو بھی؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا خلاصہ درج ذیل امور ہیں: ① حدیث پر اعراب ② حدیث کا ترجمہ ③ حدیث کی تشریح ④ عمرہ کی شرعی حیثیت ⑤ سفرِ عمرہ و حاضرین کی وضاحت۔

**جواب** ...... ① حدیث پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو ذی الحجہ میں صرف اس خیال سے عمرہ کرایا تھا کہ مشرکین کا خیال غلط ہو کیونکہ قریش کے لوگ اور وہ لوگ جو ان کے دین پر چلتے تھے یہ کہتے تھے کہ عمرہ کرنے والے کا عمرہ تبھی درست ہوگا جب اونٹ کے بال بڑھ جائیں اور اس کے پیٹ کا زخم اچھا ہو جائے اور ماہ صفر آ جائے۔

③ حدیث کی تشریح:۔ مشرکینِ مکہ اور قریش کا خیال یہ تھا کہ اشہرِ حج میں عمرہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ وہ کہتے تھے کہ جب اونٹوں کی پشت کے بال بڑھنے لگیں اور ان کی پشت کے زخم جو حج کے زمانہ میں کثرتِ اسفار اور بوجھ اُٹھانے کی وجہ سے ان کی پشتوں پر ہو جاتے تھے وہ صحیح و درست ہو جائیں یعنی حج کے بعد کچھ وقت گزر جائے اور صفر کا مہینہ داخل ہو جائے تو پھر عمرہ کرنے والے کیلئے عمرہ کرنا جائز اور حلال ہو جاتا ہے۔ تو حضرت ابن عباسؓ قسم اٹھا کر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو ذی الحجہ

میں جوعمرہ کرایا تھا وہ صرف اور صرف ان مشرکین کے نظریہ کی تردید کیلئے کروایا تھا۔(عمرہ کا کوئی وقت متعین نہیں ہے پورے سال میں عمرہ کرسکتے ہیں صرف ۹ ذی الحج سے ۱۳ ذی الحج تک پانچ دن عمرہ کرنا مکروہ ہے۔

④ عمرہ کی شرعی حیثیت:۔ شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک مشہور قول کے مطابق حج کی مثل عمرہ فرض عین ہے، کتبِ شافعیہ وحنابلہ میں اسکی تصریح ہے۔ایک روایت ان دونوں کے ہاں عدمِ وجوب کی بھی ہے۔ مالکیہ کے نزدیک عمرہ سنتِ مؤکدہ ہے۔حنفیہ کے نزدیک سنت اور وجوب کے دونوں اقوال ہیں: بعض فقہاء (صاحب البحر وغیرہ) نے سنیۃ کو ترجیح دی ہے اور کہا کہ یہی ظاہر الروایہ ہے اور بعض (صاحب البدائع وقاضی خان وغیرہ) نے وجوب کو ترجیح دی ہے، لیکن فرضیت کا ہمارے ہاں کوئی قول نہیں ہے۔(الدرالمنضود)

⑤ سفرِعمرہ وحاضرین کی وضاحت:۔ یہ ۱۰ھ حجۃ الوداع سے واپسی کا سفر ہے جس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو عمرہ کروایا گیا تھا اور یہ درحقیقت اس عمرہ کی قضا تھی جس کا احرام ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن نے مدینہ سے باندھا تھا مگر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا حیض کے عذر کی وجہ سے عمرہ نہ کرسکی تھیں۔اور یہ عمرہ صرف سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کے ساتھ ادا کیا تھا۔

**الشق الثانی** ......عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ رسولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَمَّا تَزَوَّجَ اُمَّ سَلَمَةَ اَقَامَ عِنْدَهَا ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ: لَيْسَ بِكِ عَلٰی اَهْلِكِ هَوَانٌ اِنْ شِئْتِ سَبَّعْتُ لَكِ وَ اِنْ سَبَّعْتُ لَكِ سَبَّعْتُ لِنِسَائِيْ ۔(باب فی المقام عند البکر)

اعراب لگاکر ترجمہ کیجئے۔اگر کوئی شخص پہلے سے شادی شدہ ہو اور وہ باکرہ یا ثیبہ سے مزید نکاح کرے تو نئی بیوی کے پاس کتنے روز ٹھہر سکتا ہے؟ فقہی اقوال کیا ہیں؟ حدیث کا مذکورہ جملہ حنفیہ کے قول کے مطابق ہے؟ اگر نہیں تو کیا توجیہ ہے؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا خلاصہ درج ذیل امور ہیں: ① حدیث پر اعراب ② حدیث کا ترجمہ ③ متعدد ازواج کے درمیان وقت کی تقسیم میں اقوال ④ مذکورہ جملہ کی تائید۔

**جواب** ...... ① حدیث پر اعراب:۔ **کما مرّ فی السوال آنفا۔**

② حدیث کا ترجمہ:۔ حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تین رات رہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے پاس میرا رہنا تین ہی رات کا ہے اور اس میں تمہارے یا تمہارے قبیلہ کی رسوائی کی کوئی بات نہیں ہے اگر تم چاہو تو میں تمہارے پاس سات رات تک رہ سکتا ہوں مگر اس صورت میں دوسری بیویوں کے پاس بھی سات راتیں گزاروں گا (کیونکہ بیویوں کے درمیان عدل ضروری ہے)۔

③ متعدد ازواج کے درمیان وقت کی تقسیم میں اقوال:۔ امام ابوحنیفہ وامام حمادؒ وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ دوسرا نکاح کرنے والا نئی بیوی کے پاس باکرہ کی صورت میں سات دن اور ثیبہ کی صورت میں تین دن ٹھہر سکتا ہے اور یہ دن تقسیم وباری میں سے شمار ہونگے۔

ائمہ ثلاثہ، امام اسحاق اور ابوثور رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ ایام تقسیم وباری سے خارج ہوں گے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کی دلیل وہ نصوص ہیں جن میں تقسیم وبرابری کو فرض قرار دیا گیا ہے مثلاً **فان خفتم ان لا تعدلوا فواحدة او ما ملکت ایمانکم۔** نیز **لن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء و لو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروها کالمعلقة۔** نیز ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے **اذا کان عند الرجل امرأتان فلم یعدل بینهما جاء یوم القیامة و شقه ساقط۔** ان نصوص میں بیویوں کے درمیان عدل کو لازم کیا گیا ہے اور ان میں ابتدائی وانتہائی ایام کا کوئی فرق نہیں کیا گیا۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ علیہم وغیرہ کی دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "**من السنة اذا تزوج الرجل البکر علی الثیب اقام عندها سبعا و قسم واذا تزوج الثیب علي البکر اقام عندها ثلاثا ثم قسّم** (بخاری)۔

حنفیہ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ تقسیم میں عدل ہر حال میں واجب ہے، لہٰذا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ باری کا طریقہ بدل جائے گا، ایک دن کے بجائے باکرہ کیلئے سات دن اور ثیبہ کیلئے تین دن کی باری مقرر کی جائے گی۔

اس مطلب کی تائید حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث السوال سے بھی ہوتی ہے، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تین دن گزارنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ تم اپنے شوہر کو ناپسند نہیں ہو اگر تم چاہو تو میں تمہارے پاس سات دن بھی ٹھہر سکتا ہوں اور

0313-9001340 maktabazakariyamultan@gmail.com

اگر میں تمہارے پاس سات دن ٹھہرا تو دوسری ازواج کے پاس بھی سات دن ٹھہروں گا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ ایام نئی زوجہ کا زائد حق نہیں ہیں بلکہ حدیث میں باری کا طریقہ تبدیل ہونے کا ذکر ہے۔ (درس ترمذی ۳:۴۲۶، تحفۃ الالمعی ۳:۵۷۴)

(**نوٹ**) عند البعض حضور ﷺ پر یہ باری واجب تھی اور دلیل وہ حدیث ہے جس میں آپ ﷺ کے مواظبت کا ذکر ہے۔

احناف کے نزدیک آپ ﷺ پر باری مقرر کرنا واجب نہیں تھا **لقوله تعالى ترجى من تشاء منهن وتؤوى اليك من تشاء** لیکن آپ ﷺ نے ازواج کی طیب خاطر کیلئے بطورِ احسان وکرم باری کو مقرر کر لیا تھا مگر اسکے باوجود قلبی میلان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف زیادہ تھا اور آپ ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے **اللهم هٰذا قسمى فيما املك فلا تلمنى فيما تملك ولا املك**۔ اس سے معلوم ہوا کہ محبت ومودت میں برابری ضروری نہیں کیونکہ محبت غیر اختیاری چیز ہے۔ نیز یہ باری صرف حالتِ اقامت میں واجب تھی وہ بھی صرف رات میں اور باری میں دن رات کے تابع ہوتا ہے۔ نیز آپ ﷺ امت کی تعلیم کیلئے باری مقرر فرماتے تھے۔ (خیر التوضیح ۴:۱۲۰)

④ مذکورہ جملہ کی تائید:۔ مذکورہ جملہ وارشاد حنفیہ کا مؤید ہے، جیسا کہ ابھی دلائل میں گزر رہا ہے۔

## السوال الثالث ۱٤٤٥ھ

**الشق الاوّل** ......اَنّ اَبَا حُذَيْفَةَ بْنَ عُتْبَةَ.... كَانَ تَبَنّٰى سَالِمًا وَاَنْكَحَهٗ اِبْنَةَ اَخِيْهِ هِنْد بِنْتَ الْوَلِيْدِ.... حَتّٰى اَنْزَلَ اللّٰهُ سبحانه وتعالى فِى ذٰلِكَ "اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَائِهِمْ الى قوله فَاِخْوَانُكُمْ فِى الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ.... فَجَائَتْ سَهْلَةُ بِنْتُ سُهَيْلٍ.... وَهِىَ اِمْرَأَةُ اَبِىْ حُذَيْفَةَ فقالت: يا رسولَ اللّٰهِ! اِنَّا كُنَّا نَرٰى سَالِمًا وَلَدًا وكَانَ يَأْوِىْ مَعِىْ وَمَعَ اَبِىْ حُذَيْفَةَ فِىْ بَيْتٍ وَاحِدٍ وَيَرَانِىْ فُضْلًا وَقَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْهِمْ مَا قَدْ عَلِمْتَ فَكَيْفَ تَرٰى فِيْهِ؟ فَقَالَ لَهَا النَّبِىُّ ﷺ اَرْضِعِيْهِ فَاَرْضَعَتْهُ خَمْسَ رَضَعَاتٍ فَكَانَ بِمَنْزِلَةِ وَلَدِهَا مِنَ الرَّضَاعَةِ فَبِذٰلِكَ كَانَتْ عَائِشَةُ تَأْمُرُ بَنَاتِ اَخَوَاتِهَا وَبَنَاتِ اِخْوَتِهَا اَنْ يُرْضِعْنَ مَنْ اَحَبَّتْ عَائِشَةُ اَنْ يَرَاهَا وَيَدْخُلَ عَلَيْهَا وَاِنْ كَانَ كَبِيْرًا۔

اعراب لگا کر ترجمہ کیجئے۔ ارضاعِ کبیر میں علماء کا اختلاف مع دلائل تحریر کیجئے۔ یہ روایت اگر جمہور کے خلاف ہو تو اس کی صحیح توجیہات بیان کیجئے۔ احناف کے نزدیک مدتِ رضاعت مفتیٰ بہ قول کے مطابق کتنی ہے؟ (باب من حرّم برضاعۃ الکبیر)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال کا خلاصہ درج ذیل امور ہیں: ① حدیث پر اعراب ② حدیث کا ترجمہ ③ ارضاعِ کبیر میں علماء کا اختلاف مع دلائل ④ روایت اگر جمہور کے خلاف ہے تو اس کی توجیہات ⑤ مدتِ رضاعت میں احناف کا مفتیٰ بہ قول۔

**جواب** ...... ① حدیث پر اعراب:۔ **كما مرّ فى السوال آنفا۔**

② حدیث کا ترجمہ:۔ ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ.... نے سالم کو بیٹا بنا لیا تھا اور ان سے اپنے بھائی کی بیٹی ہندہ بنت الولید.... کا نکاح کر دیا تھا.... یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں یہ آیت نازل فرمائی: **اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَائِهِمْ---- فى الدين ومواليكم** (الاحزاب)....تو ابوحذیفہ کی بیوی سہلہ بنت سہیل.... رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم تو سالم کو اپنے حقیقی بیٹے کی طرح ہی سمجھتے تھے اور وہ میرے اور ابوحذیفہ کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہتا تھا اور وہ مجھ کو گھریلو اور تنہائی کے لباس میں دیکھتا تھا اور اب اللہ نے منہ بولے بیٹوں کے بارے میں جو حکم فرمایا ہے اس سے آپ بخوبی واقف ہیں پس اب ہمارے لئے کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تو اس کو دودھ پلا دے، پس انہوں نے اس کو پانچ مرتبہ دودھ پلا دیا اس کے بعد وہ اس دودھ پینے کی وجہ سے ان کا رضاعی بیٹا سمجھا جانے لگا اس واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے کہ حضرت عائشہ اپنی بھتیجیوں وبھانجیوں کو اس کو پانچ مرتبہ دودھ پلانے کا حکم فرماتیں جس کو وہ دیکھنا چاہتیں یا یہ چاہتیں کہ وہ ان کے پاس آیا جایا کرے اگرچہ وہ بڑا ہوتا۔

③ ارضاعِ کبیر میں علماء کا اختلاف مع دلائل:۔ یہ مسئلہ مع دلائل مدتِ رضاعت کے ضمن میں گزر چکا ہے۔

**(کمامرّ فى الورقة الثالثة الشق الثانى من السوال الاول ۱۴۳۷ھ)**

④ روایت اگر جمہور کے خلاف ہے تو اس کی توجیہات:۔ بظاہر یہ روایت جمہور کے خلاف ہے، اس میں ارضاعِ کبیر سے حرمت ثابت ہو رہی ہے۔ توجیہ وجواب یہ ہے کہ یہ صرف حضرت عائشہ صدیقہؓ کی رائے تھی، دوسری روایت **(و ابت ام سلمة و**

**سائر ازواج النبی ﷺ ان یدخلن علیھنّ بتلک الرضاعۃ احدا من الناس....** ) کے مطابق بقیہ ازواجِ مطہرات کو ان کی رائے سے اتفاق نہ تھا۔ (الدر المنضود) نیز یہ واقعہ جزئیہ حضرت سہلہؓ کی خصوصیت ہے، جبکہ جمہور کی مستدل روایات قاعدہ کلیہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ (درس ترمذی) اور واقعہ جزئیہ سے قاعدہ کلیہ کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔

⑤ __مدتِ رضاعت میں احناف کا مفتیٰ بہ قول:۔__ مدتِ رضاعت میں فتویٰ صاحبینؒ کے قول پر ہے۔ (القول الصواب فی مسائل الکتاب)

**الشق الثانی** ......**عن عائشۃَ قالت دخل علیّ رسولُ اللّٰہِ ﷺ.... تُعرف اساریرُ وجھِہٖ فقال: ای عائشۃ الم تری اَنّ مجززا المدلجی رأی زیدا و اسامۃ قد غطیا رؤسھما بقطیفۃ وبَدَتْ اقدامُھما فقال: اِنّ ھٰذہ الاقدام بعضُھا من بعض۔**

ترجمہ کیجئے۔ جناب نبی کریم ﷺ کے خوش ہونے کی وجہ کیا تھی؟ کیا قیافہ اور قرعہ کے ذریعہ نسب ثابت کیا جا سکتا ہے؟ احادیث کی روشنی میں تفصیل سے جواب لکھئے۔

**جواب** ......**کما مرّ فی الشق الاول من السوال الاول ۱۴۴۱ والورقۃ الخامسۃ الشق الاول من السوال الاول ۱۴۳۵**

**تمت بالخیر وبک نستعین**

مکتبہ زکریا
ملتان ⊙ پاکستان
0313 6357913 maktabazakariyamultan@gmail.com

تنظیم المدارس، کنزالمدارس، نظام المدارس، وفاق المدارس العربیہ اور دیگر بورڈز
کی کتابیں، داخلہ جات، امتحانی مسائل کے حل، گزشتہ پیپرز، اور دیگر اپڈیٹس حاصل
کرنے کے لیے ہماری ویب سائٹ وزٹ کریں۔

www.ahlesunnatboardspak.com

## Follow Our Social Media Account:

1. **Whatsapp Channel (https://whatsapp.com/channel/0029VaFmkdD0VycHbvDRY70I)**
2. **Youtube (https://youtube.com/@ahlesunnatboards)**
3. **Tiktok (https://www.tiktok.com/@ahlesunnatboardspak)**
4. **Facebook Page (https://www.facebook.com/ahlesunnatboardspak)**